مولائے علیؑ متقیان
کے متقی صحابی اور صحابیاتؓ
تحقیق، تدوین و نگارش
سید مراد علی جعفری
مصباح القرآن ٹرسٹ
اردو بازار لاہور

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.
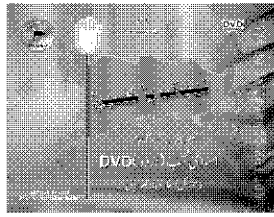
منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

اے پروردگار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ فَأَظْهِرِ اللّٰهُمَّ لَنَا
وَلِيَّكَ وَابْنَ بِنْتِ نَبِيِّكَ الْمُسَمّٰى بِاسْمِ رَسُوْلِكَ حَتّٰى لَا يَظْفَرَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَاطِلِ إِلَّا
مَزَّقَهُ وَيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُحَقِّقَهُ وَاجْعَلْهُ اللّٰهُمَّ مَفْزَعًا لِمَظْلُوْمِ عِبَادِكَ وَنَاصِرًا لِمَنْ
لَا يَجِدُ لَهُ نَاصِرًا غَيْرَكَ وَمُجَدِّدًا لِمَا عُطِّلَ مِنْ أَحْكَامِ كِتَابِكَ وَمُشَيِّدًا لِمَا وَرَدَ مِنْ
أَعْلَامِ دِيْنِكَ وَسُنَنِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:

بر و بحر میں فساد رونما ہوگیا ہے اور خود لوگوں ہی کے ہاتھوں اے اللہ! اپنے ولی (صاحب العصرؑ) کو جو تیرے نبیؐ کی بیٹیؑ کا فرزند ہے اور تیرے رسولؐ ہی کا ہم نام ہے، ظاہر فرما دے کہ کوئی باطل ایسا نہ ملے جس کا پردہ چاک نہ کردے، اور حق کو حق ثابت کرسکے رہے۔ اے اللہ! اُن کو اپنے مظلوم بندوں کا پشت پناہ، اور جس بے کس کا تیرے سوا کوئی نہ ہو، اُس کا مددگار، بنادے، اُن کو جلد لے آ، کہ تیری کتاب کے جو احکام معطل ہورہے ہیں، انھیں وہ پھر سے جاری و ساری کردیں اور تیرے دین کی نشانیوں، اور تیرے نبی ﷺ کی سنتوں کو مستحکم کردیں۔

انتظارِ ظهور امرِ اله
حاصلِ لا اله الا الله

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِيِّكَ الْحُجَّةِ بْنِ الْحَسَنِ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰبَائِهِ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَفِيْ كُلِّ سَاعَةٍ وَلِيًّا وَحَافِظًا وَقَائِدًا وَنَاصِرًا وَدَلِيلًا وَعَيْنًا حَتّٰى تُسْكِنَهُ اَرْضَكَ طَوْعًا وَتُمَتِّعَهُ فِيهَا طَوِيلًا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے اللہ! تو اپنے ولی حضرت حجتؑ بن الحسنؑ کے لیے سرپرست و سردار و ناصر و رہنما اور نگہبان ہو جا، سلام ہو ان پر اور ان کے آباء کرام پر اس وقت بلکہ ہر وقت تا کہ وہ تیری زمین پر خوشی کے ساتھ قیام پذیر ہوں اور تیری زمین پر طویل مدت تک حکومت کریں۔

(ترجمہ بالمعنی)

خدا ان کے ظہور میں تعجیل فرمائے!

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولائے متقیان علیؑ

کے متقی صحابی اور صحابیات

تحقیق، تدوین و نگارش

سید مراد علی جعفری

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ

۴۲۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

نام کتاب	:	مولائے متقیانؑ کے متقی صحابی اور صحابیات
کاوش	:	سید مراد علی جعفری
کمپوزنگ	:	احمد گرافکس
پیج سیٹنگ	:	مجاہد حسین حر
تصحیح	:	سید وحید رضوی
تعداد	:	۱۰۰۰
ناشر	:	مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور
ھدیہ	:	

اس کتاب کی اشاعت کے لیے جناب الحاج شیخ وحید احمد نے بطور قرض حسنہ تعاون فرمایا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ اور ان کے مرحومین کی مغفرت فرمائیں۔

ادارہ

ملنے کا پتہ

محمد علی بک ایجنسی، اسلام آباد 051-2557471

معراج کمپنی، اُردو بازار، لاہور۔ 042-37361214

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

انتہائے فکر و دانش ہے یہی
ابتدا کرتا ہوں تیرے نام سے

اوراق کا آئینہ

حمد باری تعالیٰ

مَالِكُ الْمُلْكِ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَحْدَهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ،

صُوفیا گر بہشت می طلبند
ذکرِ شان لَا اِلٰہ اِلَّا ہُو

شمس تبریز گر خُدا طلبی
خوش بخواں لَا اِلٰہ اِلَّا ہُو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

(رحمٰن، جس نے قرآن کی تعلیم دی، انسان کو پیدا کیا اور اسے بیاں (کی صلاحیت) عطا کی۔

اے عالمِ نجوم و جواھر کے کردگار
اے کارسازِ دہر و خداوندِ بحر و بر

ادراک و آگہی کے لئے منزلِ مراد
بہر مسافرانِ جنوں، حاصلِ سفر!

اجڑے دلوں میں تیری خموشی کے زاویے
تابندہ تیرے حرف، سرِ لوحِ چشمِ تر

موجِ صبا، خرام ترے لطفِ عام کا
تیرے کرم کا نام، دُعا در دُعا، اثر

مری صدا میں ہیں تری چاہت کے دائرے
آباد ہے سدا مرے سوزِ گلو میں تُو

اکثر یہ سوچتا ہوں کہ موجِ نفس کے ساتھ
شہ رگ میں گونجتا ہے لہو، یا لہو میں تُو؟
اے عالمِ نجوم و جواہر کے کردگار
مجھ کو بھی گرہِ شام و سحر کھولنا سکھا

پلکوں پہ میں بھی چاند ستارے سجا سکوں
میزانِ حِس میں مجھ کو گہر تولنا سکھا

اب زہر ذائقے ہیں زبانِ حروف کے
اِن ذائقوں میں "خاکِ شفا" گھولنا سکھا

دِل مبتلا ہے کب سے عذابِ سکوت میں
تو ربِّ نطق و لب ہے، مجھے، بولنا سکھا

(سید محسن نقوی ۔۔۔ موجِ ادراک)

رسولؐ کی نعت

(۱)

أَغَرُّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ
مِنَ اللهِ مَشْهُودٌ يَلُوحُ وَيَشْهَدُ

وَضَمَّ الإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ ﷺ إِلىٰ اسْمِهِ
إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

نَبِيٌّ أَتَانَا بَعْدَ يَأْسٍ وَفَتْرَةٍ
مِنَ الرُّسْلِ وَالْأَوْثَانُ فِي الْأَرْضِ تُعْبَدُ

فَأَمْسَىٰ سِرَاجاً مُسْتَنِيراً وَهَادِياً
يَلُوحُ كَمَا لَاحَ الصَّقِيلُ الْمُهَنَّدُ

وَ اَنْذَرنَا نَاراً وَ بَشَّرَ جَنَّۃً
وَ عَلَّمَنَا الاِسْلَامَ فَاللّٰہَ نَحْمَدُ

وَ اَنتَ اِلٰہُ الخَلْقِ رَبِّیْ وَخَالِقِی
بِذٰلِکَ مَا عُمِّرتُ فِی النَّاسِ اَشْھَدُ

تَعَالَیتَ رَبُّ النَّاسِ عَن قَولِ مَن دَعَا
سِوَاکَ اِلٰھاً اَنْتَ اَعلیٰ وَاَمجَدُ

لَکَ الخَلقُ وَالنَّعمَاءُ وَالاَمرُ کُلُّہٗ
فَاِیَّاکَ نَستَھدِیْ وَاِیَّاکَ نَعبُدُ

(۲)

یٰسین طٰہٰ مُزمّل مُدثّر
یعنی محمدؐ الحسنؑ والحسینؑ

اے سیّد و سر مجلس و سرفراز و سخن ساز
اے صادق و سجّاد و سخی، صاحبِ اسرار
اے فکرِ جہاں زیب و جہاں گیر و جہاں تاب
اے فقرِ جہاں سوز و جہاں دار

اے فکرِ مکمل، رخِ فطرت، لبِ عالم
اے ہادیٔ کُل، ختمِ رسل، رحمتِ پیہم
اے واقفِ معراجِ بشر، وارثِ کونین
اے مقصدِ تخلیقِ زماں، حسنِ مجسم

اے باعثِ آئینِ شب و روزِ خلائق
اے حلقۂ ارواحِ مقدس کے پیمبرؐ
اے تاجورِ بزمِ شریعت، مرے آقا
اے عارفِ معراجِ بشر، صاحبِ منبرؐ

رفتار میں افلاک کی گردش کا تصور
کردار میں شامل بنی ہاشم کی انا ہے
گفتار میں قرآن کی صداقت کا تیقن
معیار میں گردوں کی بلندی کفِ پا ہے

وہ فکر کہ خود عقلِ بشر سر بگریباں
وہ فقر کہ ٹھوکر میں ہے دنیا کی بلندی
وہ شکر کہ خالق بھی ترے شکر کا ممنوں
وہ حُسن کہ یوسف بھی کرے آئینہ بندی

وہ علم کہ قرآں تیری عترتؑ کا قصیدہ
وہ حلم کہ دشمن کو بھی اُمیدِ کرم ہے
وہ صبر کہ شبیرؑ تیری شاخِ ثمردار
وہ ضبط کہ جس ضبط میں عرفانِ اُمم ہے

دُنیا کے سلاطین، ترے جاروب کشوں میں
عالم کے سکندر، تری چوکھٹ کے بھکاری
گردوں کی بلندی، تری پاپوش کی پستی
جبرئیل کے شہپر ترے بچوں کی سواری

دھرتی کے ذوی العدل، ترے حاشیہ بردار
فردوس کی حوریں، تری بیٹی کی کنیزیں
کوثر ہو، گلستانِ ارم ہو کہ وہ طوبیٰ
لگتی ہیں ترے شہر کی بکھری ہوئی چیزیں

ظاہر ہو تو ہر برگِ گل تر تیری خوشبو
غائب ہو تو دُنیا کو سراپا نہیں ملتا
وہ اِسم، کہ جس اسم کو لب چوم لیں ہر بار
وہ جسم کہ سورج کو بھی سایہ نہیں ملتا

حیدرؑ تری ہیبت ہے تو حسنینؑ ترا حُسن
اصحابؓ وفادار تو نائب ترے معصوم
سلمیٰؑ تری عصمت ہے خدیجہؑ تری توقیر
زہراؑ تری قسمت ہے تو زینبؑ ترا مقسوم

کس رنگ سے ترتیب تجھے دیجیے مولا؟
تنویر، کہ تصویر، تصور کہ مصور؟
کس نام سے امداد طلب کیجیے تجھ سے
یٰسین کہ طٰہٰ، کہ مزمل، کہ مدثر؟

میدان ترے بُوذرؓ کی حکومت کے مضافات
کہسار ترے قنبرؓ و سلمانؓ کے بسیرے
صحرا، ترے حبشی کی محبت کے مصلّے!
گلزار ترے میثمؓ و مقدادؓ کے ڈیرے

کیا ذہن میں آئے کہ تُو اترا تھا کہاں سے؟
کیا کوئی بتائے تری سرحد ہے کہاں تک؟
پہنچی ہے جہاں پر تری نعلین کی مٹی
خاکسترِ جبرئیلؑ بھی پہنچے نہ وہاں تک

سوچیں تو خدائی تری مرہونِ تصور
دیکھیں تو خدائی سے ہر انداز جدا ہے
یہ کام بشر کا ہے نہ جبرئیلؑ کے بس میں
تُو خود ہی بتا اے میرے مولا کہ تُو کیا ہے؟

کہنے کو تو بستر بھی میسر نہ تھا تجھ کو
لیکن تری دہلیز پہ اُترے ہیں ستارے
انبوہِ ملائک نے ہمیشہ تری خاطر
پلکوں سے ترے شہر کے رستے بھی سنوارے

کہنے کو تو اک "غارِ حرا" میں تری مسند
لیکن یہ فلک بھی تری نظروں میں "کفِ خاک"
کہنے کو تو خاموش مگر جنبشِ لب سے
دامانِ عرب گرد، گریباں عجم چاک

کہنے کو ترے سر پہ دستارِ یتیمی
لیکن تُو زمانے کے یتیموں کا سہارا
کہنے کو ترا فقر ترے فخر کا باعث
لیکن تُو سخاوت کے سمندر کا کنارہ

کہنے کو تو فاقوں پہ بھی گزریں تری راتیں
اسلام مگر اب بھی نمک خوار ہے تیرا
تُو نے ہی سکھائی ہے تمیزِ من و یزداں
انساں کی گردن پہ سدا بار ہے تیرا

کہنے کو تو اُمی تھا لقب دہر میں تیرا
لیکن تو معارف کا گلستان نظر آیا
اِک تُو ہی نہیں صاحبِ آیات سماوات
ہر فرد ترا وارثِ قرآں نظر آیا

کہنے کو تو ہجرت بھی گوارا تجھے لیکن
عالم کا دھڑکتا ہوا دل تیرا مکان ہے
کہنے کو تو مسکن تھا ترا دشت میں لیکن
ہر ذرہ تری بخشش پیہم کا نشاں ہے

اے صابر و صناع و مجسم وصفِ اوصاف
اے سرورِ کونین و مسیح یم اموات
میزانِ انا، مکتبِ پندارِ محققین
اعزازِ خودی، مصدرِ صد رُشد و ہدایات

نسلِ بنی آدم کے حسیں قافلہ سالار
انبوہِ ملائک کے لیے ظلِ الٰہی!
پیغمبرِ فردوسِ بریں، ساقیٔ کوثر
اے منزلِ ادراک، دل و دیدہ پناہی

اے والیٔ یثرب مری فریاد بھی سُن لے
اے وارثِ کونین میں لب کھول رہا ہوں
تُو نے مجھے اپنے معارف سے نوازا
لیکن میں ابھی خود سے شناسا بھی نہیں ہوں

(موجِ ادراک)

حرفِ لفظ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ الملک الحق المبین۔ المستاغر لعظمۃ جبابرۃ الطاغین المتضاعی لکبریائہ وطاعت المتمردین المتعرف سائر الخلق اجمعین۔ والصلوٰۃ والسلام و التحیۃ والاکرام علی اشرف النبیین و خاتم المرسلین سیدنا و مولانا ابی القاسم محمد واھل بیتہ الطیبین الطاہرین اما بعد فقد قال اللہ سبحان وتعالیٰ فی کتابہ المبین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

انا اکرمو کحم عنداللہ اتقاکم۔

برادران اہلسنت کے لائق حد احترام بزرگ شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ، بہت بزرگ عالم گزرے ہیں۔ اپنے عہد کے عارف باللہ، جنہیں دنیا ''مجدد الف ثانی'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔ الف کے معنی ہزار۔ یہ دوسرا ہزار ہجری سن کا ہے۔ تو کتنی بڑی شخصیت ہوگی ان کی گرانقدر کتاب ''مکتوبات'' ہے۔ اور یہ اردو میں موجود ہے۔ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

''اللہ سے قریب ہونے کے صرف دو راستے ہیں کہ یا نبیؐ اللہ سے قریب ہوجاؤ۔ یا ولیؑ سے قریب ہوجاؤ۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ نبوت تو ختم ہوگئی اب تم ولی ہی سے قریب ہوسکتے ہو۔ اور ولیت کا مرکز علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں ''

اس کے بعد انہوں نے جملہ تحریر فرمایا۔

''اور اس ولایت میں علیؑ کی ولایت کی سرداری میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔''

اب نتیجتاً علیؑ ہیں ولایت کا مرکز محور اور ولیت کا مطلب ہے قریب ہوجانا۔

اس کے بعد مجدد الف ثانی مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ اس ولایت میں علیؑ کا کوئی شریک نہیں سوائے فاطمہؑ کے، حسنؑ کے اور حسینؑ کے۔

ہم Conclude کر رہے ہیں کہ مجدد الف ثانی نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ سے قریب ہونا ہے تو محمدؐ سے قریب ہوجاؤ، علیؑ سے قریب ہوجاؤ، فاطمہؑ سے قریب ہوجاؤ، حسنؑ سے قریب ہوجاؤ اور حسینؑ سے قریب ہوجاؤ۔

انہیں حضرات علیہم السلام کو تو ہم پنجتن کہتے ہیں۔

یعنی اس مقام پر نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ قرب خدا کا ایک جادہ محمدؐ، ایک راستہ ولایت اور ولایت کے قطب و سردار علیؑ اور اُن کے ساتھ والیت میں شریک فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ماضی میں کوئی ولی نہیں بنا۔ جب تک علیؑ کی مدد شامل نہ ہوئی ہو۔

اب ہم ایک حدیث مبارکہ پیش خدمت کر رہے ہیں جو بڑے بڑے محدثوں نے تحریر کی ہے وہ ریاض النضرہ، شفائے قاضی عیاض، علامہ سبطینی کی فرائد السمطین، سید علی ہمدانی کی مجددۃ القربیٰ، شیخ حنفی قندوزی کی کتاب ینابیع المودۃ، میں درج ہے۔

رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں نے جنت کی سیر کی تو رایت مکتوباً علیٰ باب الجنۃ۔ میں نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی اخو رسول اللہ**۔ علیؑ رسول اللہ کا بھائی ہے۔

دوسری روایت!

رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ!

"**رایت مکتوباً علی باب الجنۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی**" پہلا نام اللہ کا دوسرا نام رسول اللہ کا تیسرا نام علی کا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی۔ میں نے اپنے رسول کو مضبوط کیا علی کے ساتھ۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ میں نے رسول کو مضبوط کیا ہے۔

علیؑ کی تلوار سے نہیں علیؑ سے۔ یعنی پورا علیؑ تائید ہے۔

تیسری روایت!

پیغمبرؐ اسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ لکھا ہوا دیکھا!

"**لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ**۔"

برادران اہلسنت کے بزرگ محدثین کی تین روایات پیش خدمت کی گئیں جو دعوت فکر و نظر میں دیتی ہیں۔ ہماری کتاب کا موضوع حضرت علی ابن ابی طالب نہیں ہے اس لیے مزید فضائل و مناقب کا بیان اس جگہ ذکر کرنے سے کتاب کے حجم میں اضافہ کا سبب بن سکتا ہے لیکن آپ کی ضیافت روح کے لیے چند اشعار پیش خدمت کیے جا رہے ہیں۔

مشکلکشا چراغ حرم شاہ لافتیٰ

کس آدمی کو لاؤ گے اس انتساب میں

پہلے خدا سے آیت تطہیر چھین لو
پھر لو کسی کا نام علیؑ کے جواب میں

اور مرزا اسد اللہ خان غالب فرماتے ہیں کہ!

غالب ہے نکتہ فہم تصور سے کچھ پرے
ہے عجز بندگی جو علیؑ کو خدا کہوں

مولائے متقیان کے متقی صحابی اور صحابیات، کتاب محض حالات اصحاب امیر المومنین، مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام التحیہ والثنا، پر مشتمل ہے۔ جو قارئین گرامی مرتبت کی ضیافت مطالعہ کی نذر کی جارہی ہے اس کے حسن و قبح اور اچھائی برائی کا فیصلہ ناظرین اس کے مطالعہ کے بعد ہی کر سکتے ہیں۔ ہم تو صرف اس قدر عرض کریں گے کہ یہ کتاب منفرد دریچۂ فکر پر بنی ہے۔

امام المتقین، امیر المومنینؑ کے اصحاب رضوان اللہ کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے اور پانچ سو بھی ہمارے پیش نظر ہے ممکن ہے صاحبان نظر کے نزدیک یہ تعداد پانچ سو بہت زیادہ ہو۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ پیش نظر کتاب تمام اصحاب کے حالات پر مشتمل نہیں ہے اور یہ بات سچ ہے۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک کتاب میں تمام اصحاب کے حالات سما بھی نہیں سکتے تھے۔ اس کے لیے کئی مجلدات وجود میں لائے جاتے ہیں۔ جب کہیں جا کر سارے حالات یکجا ہو سکتے ہیں۔

اس پیران سالی میں جب کہ حیات عارضی، چراغ سحری کی مانند ہے۔ بہر حال شاہراہ اجر و ثواب ہم نے قائم کر دی ہے۔ اس بنے ہوئے راستے پر آئندہ بشرط حیات ہم خود بھی چل سکتے ہیں اور اگر حالات و زندگی نے سعادت نہ کی تو ہمارے بعد آنے والے دین و دیانت اور فکر و نظر رکھنے والے حضرات اس سلسلے کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔ غرض کہ کاوش اچھی اور منفرد ہے۔ بشرطیکہ مکمل ہو جائے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ ہم اپنے حوصلے کے مطابق مختلف وجوہات کی بناء پر اس سے زیادہ ضخیم کتاب وجود میں نہ لا سکے۔ یہ خیال ہمارے پیش نظر رہا کہ کتاب زیادہ صفحات پر مشتمل نہ ہو۔ جب کہ مواد اتنا موجود تھا کہ بڑی گنجائش تھی "لیکن دیکھا تو کم کئے یہ غم روزگار تھا" اس سے زیادہ گھٹانے میں ہم کوشش کے باوجود کامیاب نہ ہو سکے۔

بہر کیف اس پیش نظر کتاب کے سلسلے کو جلد اول قرار دیتے ہیں اگر اسی موضوع پر دوسری کتابیں وجود میں لا سکے تو ان پر جلد کا نمبر بدلتا رہے گا۔ بہر حال ہم اسی عنوان پر کتاب وجود میں لائیں گے بلکہ اگر یہ معقول ثابت ہوا اور

حیات مستعار نے مہلت دی اور قارئین گرامی قدر نے اصرار فرمایا تو البتہ اس سلسلے کو باقی رکھا جائے گا۔

اعتراف......

ہماری تہی دامنی کا یہ حال ہے جو بقول شاعر محترم!

عمر بھر اک جنونِ علم رہا
علم کیا ہے ہنوز علم نہیں

دو درجن سے زیادہ کتابیں وجود میں لانے کے بعد بھی یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ سرکار محمد آل محمد علیہم السلام کی معرفت حاصل نہیں ہے گناہ اور خطائیں سرزد ہو رہی ہیں۔ نصف صدی سے زیادہ تحقیق اور جستجو کے بعد وہ حق ادا کرنے سے ہم قاصر رہے جو حق تھا۔ اس مختصری کاوش کو امیر المومنین، مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی نذر کر رہے ہیں اس عاجزانہ درخواست کے ساتھ کہ

یا مولائے متقیان!

یہ آپؑ کے غلاموں کا غلام، گنہگار، تہی دامن ہے جن کے پاس اس ناچیز ہدیہ کے سوا کوئی عمل نیک نہیں ہے اور پیمانہ عمر لبریز ہو چکا ہے کسی بھی لمحہ آپ کی زیارت سے شرف یاب ہو سکتا ہوں۔ اعتراف حقیقت ہے کہ گنہگار اور خطا کار ہوں مگر آپؑ کے غلاموں کی غلامی کا دم بھرنے والا اور آپؑ کا نام لیوا ضرور ہوں۔ روز محشر جب بارگاہ احدیت میں حاضر ہوں تو یہی ہدیہ جس پر آپؑ کی قبولیت کی مہر عطا ہو پیش داور کرسکوں۔

علیؑ امام من است و فن ام غلام علیؑ
ہزار جان گرامی فدا بہ نام علیؑ

کردہ ام از نذر مولائے نجف
گر قبول افتد زہے عزو شرف

غلامانِ غلام
مراد جعفری

امام المتقین کے متقی صحابی و صحابیات

تحریر: سید رضی جعفر نقوی

ہمارے واجب الاحترام بزرگ اور قوم وملت کی جانی پہچانی شخصیت، عالی قدر و گرامی مرتبت، مکرم و محترم، عالی جناب مراد علی جعفری صاحب کی نئی پیشکش جو ''امام المتقین کے متقین اصحاب و صحابیات'' کی حیات طیبہ سے متعلق ہے قارئین کرام کے ذوق مطالعہ کے لئے حاضر ہے۔

قرآن مجید میں سورہ الحمد کے بعد جو سب سے پہلا سورہ شروع ہوتا ہے، اس کا آغاز ہی متقین کی توصیف سے ہے۔

ارشاد قدرت ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

(یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، سرچشمہ ہدایت ہے متقین کے لئے۔ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز کو قائم کرتے ہیں — اور جو کچھ ہم نے دیا اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ (۲:۲)

کسی انسان کو دوسرے انسان پر جو برتری نصیب ہوتی ہے اس کی بنیاد تقویٰ ہے۔ جیسا کہ سورہ مبارکہ الحجرات میں ارشاد قدرت ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ

(اے لوگو — ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور ہم نے ہی تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ بیشک، خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جس کا تقویٰ (پرہیزگاری) زیادہ ہو۔)

قرآن مجید کے نقطۂ نگاہ سے تو بنی نوع انسان کے درمیان باہمی تعاون کی بھی اصلی بنیاد نیکی اور تقویٰ و

پرہیزگاری ہی ہونی چاہئے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

(نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ و زیادتی میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرنا۔ اور خدا سے ڈرتے رہنا (تقویٰ کی راہ پر چلتے رہنا) بیشک، خدا سخت مواخذہ کرنے والا ہے)۔

(ملاحظہ فرمایئے: سورہ المائدہ۔ آیت نمبر ۲)

بنی نوع انسان کے درمیان باہمی تعاون بہت اچھی بات ہے لیکن اس کی شرط نیکی اور پارسائی ہے، جو کام نیک ہوں اور خدا کو پسند ہوں ان ہی میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہئے۔ اور جو برے کام ہیں، گناہ کے کام ہیں، کسی پر ظلم و زیادتی کی بات ہے تو اس میں مدد کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

آیت میں اس فقرے کا دوبارہ استعمال کہ: "خدا سے ڈرتے رہو"— اسی بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ کوئی تمہیں صرف یہ کہہ کر دھوکہ نہ دے کہ:

"انسانوں کو ایک دوسرے کی مدد تو کرنی ہی چاہئے!"

کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سادہ سے جملے کے پیچھے کوئی زہریلا مفہوم پوشیدہ ہو کہ آپ کوئی برا کام کرنے جارہے ہیں اور دوسروں سے تعاون کے طلب گار ہوں۔ آپ کسی یتیم کا حق چھیننا چاہتے ہوں اور دوسرے سے کہیں کہ تعاون کرو۔ آپ کسی بیوہ کی جائیدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہوں اور لوگوں سے اس میں تعاون طلب کریں۔ آپ کسی ظالم کے دست و بازو بننا چاہتے ہوں اور اس سلسلے میں کسی سے سہارا طلب کریں۔ آپ رقص و سرور کی محفل سجانا چاہتے ہوں اور لوگوں سے فرمائش کریں کہ اس میں تعاون کرو یا آپ کوئی بھی ایسا کام کرنا چاہتے ہوں جو خدا و رسول کی مرضی کے خلاف ہو اور آپ اس بات کے خواہش مند ہوں کہ لوگ اس میں تعاون کریں— تو یہ صریحاً گناہ، معصیت اور نافرمانی ہے جس سے بچنا واجب ہے ورنہ خدا کی طرف سے عذاب شدید کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

ایسے تمام مواقع پر کسی قسم کے تعاون سے صریح انکار کر دینا چاہئے۔ ظاہری مروت و مصلحت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ اگر ہم اس شخص کے ساتھ رواداری نہیں برتیں گے تو یہ ہمیں کسی طرح کا نقصان پہنچائے گا۔ کیونکہ قدرت کا وعدہ ہے کہ جو شخص تقویٰ کی راہ پر چلے، خدا اس کے لئے آسانیاں فراہم کرے گا، جیسا کہ قرآن مجید کا اعلان ہے کہ:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا

(اور جو خدا سے ڈرے گا اس کے بچنے کی صورت خدا نکالے گا)

(سورہ الطلاق آیت نمبر ۲)

اس آیت میں یہ ارشادہ موجودہ ہے کہ:

اگر کوئی ظالم و سرکش انسان کسی برے کام میں آپ سے تعاون طلب کر رہا ہے اور آپ تعاون کرنے سے انکار کر رہے ہیں تو وہ آپ کے خلاف کوئی سازش کر سکتا ہے اور آپ کو حالات کے شکنجے میں گرفتار کرنے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔

لیکن آپ مطمئن رہیں کہ اس عدم تعاون کی بنا پر، چاہے وہ آپ کے خلاف کیسا ہی جارحانہ اقدام کرنا چاہے، پروردگار عالم آپ کے لئے بچنے کا راستہ نکال دے گا۔

یہ اس کا وعدہ ہے، اور وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

بندۂ مومن، اللہ کے وعدے پر اعتبار کی بنا پر بڑے سے بڑے حادثے اور انتہائی ہولناک اندیشوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ خصوصاً وہ بندۂ مومن جو تقویٰ و پرہیزگاری کے اسلحہ سے آراستہ ہو، اسے تو یقین ہوتا ہے کہ: پرہیزگاری کا انجام ہمیشہ اچھا ہی ہوگا، جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ

(یہ تو ایک نصیحت ہے اور متقین کے لئے تو یقیناً اچھا انجام ہے)

(سورہ مبارکہ صٓ، آیت ۴۹)

اسی لئے خداوند عالم نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ خداوند عالم سے ڈرتے رہیں، پوری سچائی اور پرہیزگاری کے ساتھ۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ

(اے ایمان والو — خدا سے ڈرو، جیسا کہ تقویٰ و پرہیزگاری کا حق ہے)

(سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۰۲)

تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے والوں کے لئے دنیا میں بھی نیک نامی اور سربلندی ہے اور آخرت میں تو نعمتوں پر نعمتیں، اعزاز و اکرام، اور تعظیم و تکریم کی وہ منزل ہوگی کہ فرشتے آگے بڑھ بڑھ کر سلام کر رہے ہوں گے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ

طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴿۷۳﴾

(اور جو لوگ اپنے پروردگار (کی خوشنودی کے لئے) تقویٰ کی راہ پر چلے، انہیں گروہ گروہ بہشت کی طرف لے جایا جائے گا۔

یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے: السلام علیکم — (آپ لوگوں کے لئے سلامتی ہے) آپ پاک و پاکیزہ رہے، اب اس بہشت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جایئے۔

(ملاحظہ فرمایئے: سورہ الزمر، آیت نمبر ۷۳)

مولائے کائنات، امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے ماننے والوں اور اپنے چاہنے والوں کو تقویٰ و پرہیزگاری کی راہوں پر چلنے کی خصوصی تاکید فرمائی ہے۔ اور ''نہج البلاغہ'' کے خطبات، اس قسم کی نصیحتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

ہم بطور تبرک و تیمن صرف ایک خطبے سے اقتباس پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

مولا فرماتے ہیں:

فَاتَّقُوا اللهَ تَقِيَّةَ مَنْ سَمِعَ فَخَشَعَ، وَاقْتَرَفَ فَاعْتَرَفَ، وَوَجِلَ فَعَمِلَ، وَحَاذَرَ فَبَادَرَ، وَأَيْقَنَ فَأَحْسَنَ، وَعُبِّرَ فَاعْتَبَرَ، وَحُذِّرَ فَحَذِرَ، وَزُجِرَ فَازْدَجَرَ، وَأَجَابَ فَأَنَابَ، وَرَاجَعَ فَتَابَ، وَاقْتَدَى فَاحْتَذَى، وَأُرِيَ فَرَأَى. فَأَسْرَعَ طَالِبًا، وَنَجَا هَارِبًا. فَأَفَادَ ذَخِيرَةً، وَأَطَابَ سَرِيرَةً، وَعَمَّرَ مَعَادًا، وَاسْتَظْهَرَ زَادًا، لِيَوْمِ رَحِيلِهِ وَوَجْهِ سَبِيلِهِ، وَحَالِ حَاجَتِهِ، وَمَوْطِنِ فَاقَتِهِ. وَقَدَّمَ أَمَامَهُ لِدَارِ مُقَامِهِ. فَاتَّقُوا اللهَ عِبَادَ اللهِ جِهَةَ مَا خَلَقَكُمْ لَهُ، وَاحْذَرُوا مِنْهُ كُنْهَ مَا حَذَّرَكُمْ مِنْ نَفْسِهِ، وَاسْتَحِقُّوا مِنْهُ مَا أَعَدَّ لَكُمْ بِالتَّنَجُّزِ لِصِدْقِ مِيعَادِهِ، وَالْحَذَرِ مِنْ هَوْلِ مَعَادِهِ.

(خدا سے ڈرو، اس شخص کی طرح جس نے بات سنی تو اس کے دل میں خضوع و خشوع پیدا ہوا۔ (کبھی) گناہ کا مرتکب ہوا، تو فوراً اعتراف کر لیا۔ (عذاب سے) ڈرا تو، عمل کی طرف (آخرت سے خوفزدہ ہوا، تو (نیکیوں کی طرف) سبقت کی۔

یقین پیدا ہوا، تو حسن عمل کی طرف قدم بڑھایا۔

اسے نصیحت کی گئی، تو اس نے نصیحت کو قبول کیا۔

خوف دلایا گیا تو اس نے (دل میں) خوف محسوس کیا۔

اسے (گناہ سے) روکا گیا، تو رُک گیا۔

(صدائے حق پر) لبیک کہی، تو (پوری طرح) اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

رجوع کیا، تو توبہ کرلی۔

(نیکوکاروں کی) پیروی کی، تو اُن کے نقش قدم پر چلا۔

اُسے (حق کا راستہ) دکھایا گیا، تو اس نے (پوری طرح) دیکھ لیا۔

(نیکی کی) تلاش میں تیزی سے چلا اور (برائی سے) بھاگ کر جان بچائی۔

(اپنے لئے) ذخیرہ (آخرت) جمع کرلیا اور اپنے باطن کو پاک و پاکیزہ رکھا۔

آخرت کے گھر کو آباد کیا اور زادِ راہ اکٹھا کرلیا۔

اُس دن کے لئے، جب دنیا سے کوچ کرنا ہے اور منزلِ حقیقی کی راہ اختیار کرنی ہے۔ اور جس دن (عمل خیر کی اُسے سب سے زیادہ) ضرورت ہوگی اور جس جگہ (توشۂ آخرت کی) احتیاج ہوگی۔

(یہ وہ فلاح یافتہ انسان ہوگا) جس نے اپنے دائمی گھر کے لئے پہلے سے ہی (سامان) آگے بھیج رکھا ہے۔

اے خدا کے بندو!

تقویٰ اختیار کرو، جس کے لئے اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے (اس کی تیاری کرو) اور اس سے حقیقت کے ساتھ ڈرو، جیسا اس نے تمہیں ڈرایا ہے۔

اور جو چیزیں اس نے تمہارے لئے مہیا کر رکھی ہیں اُن کا استحقاق پیدا کرو۔ اس یقین کے ساتھ، کہ اس کا وعدہ سچا ہے۔ اور قیامت کی ہولناکیوں سے (اچھی طرح) ڈرتے رہو۔"

واجب الاحترام مراد علی جعفری صاحب دام مجدہ نے اس کتاب میں امام المتقین (امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام) کے متقی اصحاب، اور متقی صحابیات کے حالات زندگی کو قلمبند کرنے کی لائق تحسین کوشش فرمائی ہے۔

اور مولائے کائنات نے متقی و پرہیزگار لوگوں کو ہی، صاحبان فضل و شرف قرار دیا ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں آپ فرماتے ہیں کہ:

فَالْمُتَّقُونَ فِيهَا هُمْ أَهْلُ الْفَضَائِلِ: مَنْطِقُهُمُ الصَّوَابُ وَمَلْبَسُهُمُ الِاقْتِصَادُ، وَمَشْيُهُمُ التَّوَاضُعُ غَضُّوا أَبْصَارَهُمْ عَمَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَوَقَفُوا أَسْمَاعَهُمْ عَلَى الْعِلْمِ النَّافِعِ لَهُمْ۔

(متقی و پرہیزگار لوگ ہی دنیا میں صاحبان فضل و شرف ہیں۔ ان کی گفتگو، راستی پر مبنی، ان کے لباس میں

میانہ روی، اُن کی رفتار میں تواضع وانکساری۔

جن چیزوں کو خدا نے اُن پر حرام قرار دیا ہے (انہیں دیکھتے بھی نہیں، گویا) اُس کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اور اپنی سماعت کو اس علم کے لئے منحصر کر رکھا ہے، جو اُن کے لئے نفع بخش ہے۔)

(ملاحظہ فرمایئے: نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۹۳ صفات المتقین)

مولائے کائنات نے اپنے اس عظیم الشان خطبے میں متقی و پرہیزگار لوگوں کی جملہ صفات کو اس قدر فصاحت و بلاغت سے بیان کیا ہے کہ: ہر ہر فقرہ، سونے کے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

مکرم ومحترم عالی جناب مراد علی جعفری صاحب کو پروردگار عالم طول حیات عطا فرمائے کہ انہوں نے مولائے کائنات، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اصحاب میں سے چیدہ چیدہ، متقی و پرہیزگار شخصیتوں کے حالات زندگی سپرد قلم فرما کر قوم کے سامنے پیش کر دیے۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس سلسلے میں موصوف کو کس قدر محنت شاقہ کرنی پڑی ہوگی؟ خصوصاً عہد امیر المومنینؑ کی اُن مومنات کے حالات زندگی کو قلمبند کرنا جنہوں نے تقویٰ و پرہیزگاری کی راہوں پر چل کر اپنی سیرت و کردار سے آنے والی نسلوں کے لئے روشن نمونہ عمل چھوڑا۔

تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے ان موتیوں کو چننا، انہیں ایک لڑی میں پرونا اور پھر نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب بنا کر اہلِ ایمان کے ذوق مطالعہ کے لئے پیش کرنا ــــ جعفری صاحب کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

موصوف اپنی پیرانہ سالی کے باوجود جوانوں کی طرح شاداب بھی رہتے ہیں اور چوبیس گھنٹوں کے بیشتر حصے کو اسی کار خیر میں صرف کرتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ:

پاک پروردگار بتصدق چہاردہ معصومین علیہم السلام محترم مراد جعفری صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ طویل زندگی عطا فرمائے، آپ کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور آپ اسی طرح اہلِ ایمان کے ذوق مطالعہ کو تسکین کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک، خوبصورت کتابیں پیش کرتے رہیں۔

آمین۔ بحق محمد وآلہ الطاہرینؑ

والسلام

سید رضی جعفر نقوی

(۱۰ شوال ۱۴۲۸ھ)

مولائے متقیان علیہ السلام کا مختصر ذکرِ جمیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○

وَالصَّلٰوٰتُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاھِرِیۡنَ ○ اَمَّا بَعۡدُ!

۳۰ عام الفیل جب سرکار دو عالمؐ کی عمر مقدس ۳۰ سال کے قریب تھی اور اعلان رسالت کے لمحات قریب تر ہوتے جارہے تھے۔ اسلام کو ایک عظیم مددگار اور رسول اکرم ﷺ کو دعوت دین کے لیے ایک بے نظیر موید کی ضرورت تھی۔ رب العالمین نے جناب ابو طالبؑ کو ایک اور فرزند عنایت فرمایا جس کی ولادت کا انداز تمام دوسری اولاد سے بالکل مختلف تھا۔ اب تک تمام فرزند اپنے گھر میں پیدا ہورہے تھے یہاں تک کہ خود سرکار دو عالمؐ کی ولادت بھی شعب ابی طالبؑ میں ہوئی تھی۔ لیکن جب اس فرزند کی ولادت کا وقت قریب آیا تو جناب فاطمہ بنت اسد نے محلہ یا خاندان کی عورتوں کو مدد کے لیے طلب کرنے کے بجائے خود خانۂ خدا کا رُخ کیا اور بروایت یزید بن قعنب اپنے شکم اقدس کو دیوار کعبہ سے مَس کر کے دعا کی کہ ''خدایا میں تجھ پر اور تیرے رسولوں پر اور تیری کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں۔ میں اپنے جد ابراہیم خلیلؑ کی تصدیق کرنے والی ہوں۔ تجھے اس گھر، اس کے بانی اور اس مولود کا واسطہ جو میرے شکم میں ہے میری اس مشکل کو آسان کردے۔'' جس کے بعد دیوار کعبہ شگافتہ ہوگئی اور جناب فاطمہ بنت اسد خانۂ کعبہ کے اندر داخل ہوگئیں اور جناب ابوطالبؑ کے اس عظیم فرزند کی ولادت ہوئی۔ جناب فاطمہ تین دن خانۂ کعبہ میں مقیم رہیں اور آخر میں باہر آئیں تو رسول اکرم ﷺ استقبال کے لیے آئے اور بچہ کو گود میں لیا تو بچہ نے آنکھیں کھول دیں فرمایا کہ ''تو نے اپنی نگاہوں کے لیے میرا انتخاب کیا ہے اور میں نے اپنے علم کے لیے تیرا انتخاب کیا ہے۔ اور اس طرح بنت اسد کے ایمان، ابوطالبؑ کے شرف، فرزند کے کمالات اور نبوت کے اعزاز کا مکمل اعلان ہوگیا۔

ابتدائی طور پر ماں نے حیدرؑ نام پسند کیا، باپ نے اسد قرار دیا اور اہلِ خاندان نے زید نام رکھنا چاہا لیکن ابو طالبؑ کی دعا پر آسمان سے ایک تختی نازل ہوئی جس پر مرقوم تھا کہ ''اس کا نام نامِ خدا پر علیؑ رکھو، تا کہ نامِ خدا کی برکت سے اس کی بلندی برقرار رہے اور اس کی بقا سے نام خدا کی بقا وابستہ رہے۔''

آپ کے القاب بے شمار ہیں جن میں عالم اسلام کا پسندیدہ ترین ''کرّم اللہ وجہہ'' ہے، جو اس امر کی علامت ہے کہ عالم اسلام میں آپ کی تنہا ذات گرامی ہے جس نے بتوں کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ اور خود مولائے کائنات کا محبوب ترین لقب ''ابوتراب'' تھا۔ جس سے آپ کی عظمت اور خاکساری دونوں کا اظہار ہوتا تھا۔

تربیت کا کام خانہ کعبہ ہی سے رسول اکرم ﷺ نے سنبھال لیا تھا اور وہی خانہ خدا سے آ کر لے گئے تھے جب کہ بظاہر ابو طالبؑ کو خبر بھی نہیں تھی۔ اس کے بعد آپ نے مسلسل اپنے ساتھ رکھا اور اپنے کمالات کا مخزن و مصدر قرار دیتے رہے یہاں تک کہ اپنے کو شہر علم اور علیؑ کو اس کا دروازہ قرار دے دیا۔

معنوی رشتہ کے علاوہ بھی ابو طالبؑ کے قلیل المال اور کثیر العیال ہونے کی بنا پر جب ان کی اولاد کی کفالت کا کام تقسیم کیا گیا تو آپ نے علیؑ کو اپنے حصہ میں لے لیا اور اس طرح شب و روز اپنے ساتھ رکھا اور کبھی ''زقنی رسول اللہ زقاً'' کا مرقع پیش کیا اور کبھی ''کنت اتبعہ اتباع الفصیل لامہ'' کا منظر نمایاں کیا۔

رسول اکرم ﷺ کے زیر سایہ دس سال گزر گئے تو وحی الٰہی نے بعثت کا اعلان کرایا۔ اور اب رسول اکرم ﷺ کو واقعاً ایک مددگار کی ضرورت پیش آئی۔ اُدھر جناب ابو طالبؑ نے اپنی اولاد جعفر اور علیؑ دونوں کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ منزل عبادت میں بھی اپنے ابن عم کا ساتھ نہ چھوڑیں اور دونوں فرزند برابر باپ کی نصیحت پر عمل کرتے رہے۔

تین سال کی خفیہ تبلیغ کے بعد جب اہل عشیرہ و قبیلہ کو دعوت دینے کا حکم آیا تو رسول اکرمؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو ہی حکم دیا کہ دعوت کا انتظام کریں اور قبیلہ والوں کو مدعو کریں۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے اس فرض کو انجام دیا اور ۴۰ افراد کو مدعو کر لیا۔ کھانے کے بعد جب پیغام پیش کرنے کا وقت آیا تو ابو جہل نے جادوگری کا شاخسانہ چھیڑ دیا اور بھاگنے لگے۔ آپ نے دوسرے دن کے لیے پھر مدعو کر دیا اور آخر کار اپنا اعلان پیش کر دیا جس کے لیے ناصر و مددگار کا مطالبہ بھی کیا اور وصایت و وزارت کا وعدہ بھی کیا لیکن کسی نے بھی ساتھ نہ دیا صرف حضرت علی علیہ السلام نے تائید و تصدیق کا اعلان کیا جس پر آپ نے ان کی وصایت و وزارت و خلافت کا پہلا اعلان کر دیا اور ابو طالبؑ کو ان کے احسانات کا پہلا صلہ مل گیا۔

واضح رہے کہ اس دعوت اول میں نہ اسلام کے مشہور و معروف افراد دعوت دینے والوں میں تھے اور نہ شرکت کرنے والوں میں — اور نہ تائید و تصدیق کرنے والوں میں — یہ تو تاریخ کی کرامت ہے کہ جن کا کہیں وجود نہ تھا۔ وہ ذمہ داری اسلام میں اول ہو گئے اور جس نے سب سے پہلے اس بوجھ کو سنبھالا تھا اسے آخر بنا دیا گیا اور آخر بھی صحیح معنوں میں نہیں تسلیم کیا گیا۔

اس کے بعد عمومی دعوت کا مرحلہ سامنے آیا تو علیؑ حسب وعدہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ شعب ابی طالبؑ کی سہ سالہ زندگی میں بھی ابوطالبؑ کا مستقل طریقہ یہ رہا کہ رات کے وقت رسولؐ کو ہٹا کر ان کی جگہ پر علیؑ کو لٹا دیتے تھے تاکہ شب کے وقت حملہ ہوجائے تو میرا بیٹا قربان ہوجائے لیکن رسول اکرم ﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اس طرح فدا کاری اور جاں نثاریٔ علیؑ کی زندگی کا امتیاز بن گئی اور قدرت نے ابوطالبؑ کی وفات کے بعد بھی شب ہجرت تک اسی انداز قربانی کو برقرار رکھا اور اپنے رسولؐ کو اسی انداز سے بچایا جس طرح روز اول ابوطالبؑ نے ڈالی تھی اور جو طریقہ تاریخ میں ابوطالبؑ کے اولیات میں شامل تھا۔

شعب ابی طالبؑ کی تین سالہ مسلسل زحمتوں کے نتیجہ میں ۱۰ بعثت میں ابوطالبؑ نے انتقال فرمایا، جن کے انتقال پر رسول اکرم ﷺ نے جنازہ میں شرکت بھی کی اور نوحہ بھی پڑھا اور ان کے احسانات کا تذکرہ بھی کرتے رہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہوگیا کہ باپ کا کام بھی فرزند ہی کے ذمہ آگیا اور حضرت علی علیہ السلام اسے بھی بخوبی انجام دیتے رہے۔ اُدھر جناب خدیجہ کا بھی انتقال ہوگیا جو اسلام کی پہلی محسنہ اور خواتین میں پہلی مومنہ اور حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ نماز جماعت میں شرکت کرنے والی پہلی عبادت گزار خاتون تھیں۔

پیغمبرؐ کے دو مددگاروں کے ایک ساتھ انتقال کرجانے کے بعد قدرت نے ہجرت کا حکم دے دیا اور ۱۳ بعثت میں رسول اکرم ﷺ نے مکہ سے مدینہ کا رُخ کیا۔ اس موقع پر حکم خدا سے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بستر پر لٹادیا اور وہ رات بھر چین سے تلواروں کی چھاؤں میں سوتے رہے جس سونے کو خدا نے اپنی مرضی کے عوض خرید لیا اور حضرت علی علیہ السلام کو تاریخ میں ایک نیا امتیاز حاصل ہوگیا۔

رسول اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے تمام کفار کی امانتوں کو واپس کیا اور فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ، فاطمہ بنت اسد اور فاطمہ بنت زبیر جیسی محترم خواتین کا قافلہ لے کر مدینہ کی طرف چلے۔ راستہ میں کھسیائے ہوئے کفار نے مزاحمت کی اور آپ نے شدید مقابلہ کرکے اپنے کو رسول اکرم ﷺ تک پہنچادیا۔

اُدھر رسول اکرم ﷺ مدینہ کے باہر آپ کا انتظار کررہے تھے اور آپ کے بغیر مدینہ کے محاذ پر تبلیغ کا کام نہیں شروع کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے آنے کے بعد اسلام کی پہلی مسجد کی تعمیر کا کام انجام پایا جو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں انجام پایا اور خدا کے فضل سے تمام مسلمان اس میں نماز ادا کرنے کو بہترین کارخیر تصور کرتے ہیں اور ابھی تک اسے کسی تعصب کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔

مدینہ میں مستقر ہونا تھا کہ کفار مکہ کی طرف سے مزاحمت شروع ہوگئی اور آپ نے جواب دینا شروع کردیا لیکن بڑا معرکہ بدر کے میدان میں پیش آیا جہاں مدینہ سے تقریباً ۷۰ میل دور لشکر اسلام میں ۳۱۳ نہتے افراد تھے اور

لشکر کفار میں ۹۵۰ مسلح سپاہی۔ رات کے وقت مسلمان پیاسے ہوئے تو بدر کے کنویں سے پانی لا کر سارے لشکر کو آپ ہی نے سیراب کیا جس پر جبرئیل و میکائیل و اسرافیل نے ایک ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور آپ کو سلام کیا۔

۱۷/ رمضان ۲ھ کو یہ معرکہ پیش آیا تو جنگ کے خاتمہ پر ۷۰ کفار قتل ہوئے اور ۷۰ اسیر ہوئے۔ ان مقتولین میں سے ۳۵ تنہا حضرت علی علیہ السلام کے مارے ہوئے تھے اور ۳۵ کے قتل میں آپ کی امداد شامل تھی۔ اگرچہ مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ فرشتوں کی امداد کا وعدہ نہ ہوجاتا تو شاید کوئی ثابت قدم نہ رہ سکتا۔

بدر کی فتح کے بعد قدرت نے علیؑ کو اس عظیم کارنمایاں کا انعام دیا اور یکم ذی الحجہ کو حضرت علی علیہ السلام کا عقد جناب فاطمہؑ سے ہوگیا۔ جن کی خواستگاری کرنے والے بڑے بڑے صحابۂ کرام بھی تھے لیکن قدرت نے فیصلہ کردیا کہ نور کا عقد صرف نور سے ہوسکتا ہے اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا کہ علیؑ نہ ہوتے تو آدم وغیر آدم میں کوئی میری بیٹی فاطمہؑ کا ہمسر نہ ہوتا۔ یہ نورانی رشتہ زمین پر بھی انجام پایا اور عرش اعظم پر بھی انجام دیا گیا۔

مہر کے سلسلہ میں رسول اکرم کے مطالبہ پر علیؑ نے اپنی زرہ بیچ کر زہراؑ کا مہر ادا کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مہر میں سے ۶۳ درہم کا سامان جہیز خرید کر اپنی بیٹی کو رخصت کردیا اور اسلام میں شادی کا بہترین تصور اور سادگی کا عظیم ترین مرقع سامنے آگیا جس پر کسی بھی غریب اور فقیر کو اسلامی نظام سے شکوہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ اگر نبی کریمؐ کی بیٹی کا مہر ۵۰۰ درہم ہوسکتا ہے تو دوسرے شخص کو زیادہ مہر کے مطالبہ کا کیا حق ہے؟ اور اگر نبیؐ کا داماد ۶۳ درہم کے جہیز پر گزارا کرسکتا ہے جو اسی کے مہر سے خریدا گیا ہے تو دوسرے کسی داماد کو فرمائشیں کرنے کا کیا جواز ہے؟ کیا نبیؐ کی بیٹی سے عظیم تر کسی کی بیٹی یا نبیؐ کے داماد سے بالاتر کسی کا بھی داماد ہوسکتا ہے؟

۳ھ میں کفار نے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کا پروگرام بنایا اور تین ہزار کے لشکر سے مدینہ پر حملہ کردیا۔ حضرت علی علیہ السلام اور چند دیگر مخلص اصحاب نے میدان احد فتح کرلیا تھا لیکن بعض اصحاب کی طمع دنیا اور مخالفت رسولؐ نے جنگ کا نقشہ بدل دیا اور صورت حال اتنی خراب ہوگئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہوگیا اور مسلمان اپنے پیغمبرؐ کو چھوڑ کر احد کی پہاڑیوں پر اُچکنے لگے۔ صرف دو تین افراد تھے جو جان کی بازی لگائے رہے اور حضرت حمزہ و مصعب جیسے افراد کی شہادت کے بعد تنہا حضرت علی علیہ السلام دفاع کرتے رہے اور آخر میں انھوں نے ہی دختر پیغمبرؐ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی مدد سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کے علاج کا انتظام کیا۔ اس جنگ میں شہادت کی سعادت حضرت حمزہ کو نصیب ہوئی کہ آپ سید الشہداء قرار پائے، اور فتح کا سہرا حضرت علی علیہ السلام کے سر بندھا کہ وہ تنہا مدافع رسولؐ قرار پائے۔ معاویہ کی ماں اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے جناب حمزہ کی لاش کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مدتوں روتے رہے۔

انفرادی طور پر شکست کے بعد کفار نے یہودیوں سے مل کر مدینہ پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا اور اس طرح ۵ھ میں جنگ احزاب پیش آئی۔ رسول اکرم ﷺ نے مدینہ کے گرد سلمانؓ کے مشورہ سے خندق تیار کرادی لیکن چند سربراہان کفار خندق پار کر کے آ گئے اور لشکر اسلام پر غضب کا ہراس طاری ہو گیا۔ حضرت عمر عمرو بن عبدود کی تعریف کر کے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے لگے اور باقی اصحاب نے سر اٹھانے کا بھی ارادہ نہیں کیا لیکن حضرت علی علیہ السلام نے میدان میں عمرو کا مقابلہ کر کے اسے تہ تیغ کر دیا اور رسول اکرم ﷺ نے اس ضربت کو ثقلین کی عبادت سے زیادہ وزنی قرار دے دیا کہ اس وقت اسلام و کفر کا معرکہ تھا اور کل ایمان کل کفر کی زد پر تھا۔ رب العالمین نے امداد کی اور کل ایمان نے کل کفر پر غلبہ حاصل کر لیا۔

شوال ۵ھ میں جنگوں سے قدرے فرصت پانے کے بعد مسلمانوں کے تقاضے پر رسول اکرم ﷺ نے ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کا ارادہ کیا اور کفار مکہ کو اطلاع کر دی کہ ہمارا جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن انھوں نے مکہ میں داخلہ سے روک دیا اور رسول اکرم بھی اس امر پر راضی ہو گئے عمرہ آئندہ سال انجام دیں گے اور صلح نامہ مرتب کر کے واپس تشریف لے آئے۔ صلح نامہ کی کتابت کا کام بھی حضرت علی علیہ السلام ہی نے انجام دیا اور اسلام کا معرکۂ قلم بھی انھیں کے ہاتھوں سر ہوا، جب کہ اس صلح کی ظاہری کمزوری کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کو رسول اکرم ﷺ کی رسالت میں بھی شک ہو گیا تھا اور بمشکل تمام حضرت ابوبکرؓ کے سمجھانے سے بات سمجھ میں آئی کہ عام طور سے انھیں اسلامی حقائق انھیں کے بیان کے بعد سمجھ میں آتے تھے۔

۷ھ میں مدینہ سے نکالے ہوئے یہودیوں نے خیبر کے یہودیوں سے مل کر سازش کی، اور اسلام سے انتقام لینے کا پروگرام بنایا تو رسول اکرم ﷺ خیبر کے یہودیوں کی سرکوبی کے لیے مقام خیبر تک پہنچ گئے اور قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ دو تین دن تک حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ زور آزمائی کرتے رہے لیکن میدان سے فرار کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا تو رسول اکرم ﷺ نے باقاعدہ اعلان کر دیا کہ ''کل اُسے علم دوں گا جو مرد میدان، کرار غیر فرار اور محب و محبوب خدا و رسولؐ ہوگا۔'' دوسرے دن علم لشکر حضرت علی علیہ السلام کے حوالے کیا اور انھوں نے حارث و عنتر و مرحب جیسے پہلوانوں کا خاتمہ کر کے خیبر کو فتح کر لیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فاتح خیبر قرار پا گئے۔

خیبر کی فتح کے بعد فتوحات کی جملہ قسمیں مکمل ہو گئیں اور اسلام نے کفر، شرک، یہودیت سب کو شکست دے دی تو ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کا پروگرام بنا اور رسول اکرم ﷺ ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے مکہ خالی کرایا اور مسلمانوں نے باقاعدہ طور پر عمرہ ادا کیا اور سکون کے ساتھ واپس چلے

گئے۔

۸ھ میں مکہ میں رسول اکرم ﷺ کے حلیف بنی خزاعہ کے ایک فرد کو عین حرم خدا میں قتل کر دیا گیا تو آپ اپنے حلیفوں کی فریاد پر دس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہو گئے۔ رمضان ۸ھ میں روانگی عمل میں آئی اور مکہ پہنچ کر آپ نہایت شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اس طرح کہ احساس شکست و ذلت نے ابوسفیان و معاویہ جیسے افراد کو مسلمان بنا دیا اور آپ نے خانۂ خدا میں نماز ادا کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو اپنے کاندھوں پر بلند کر کے طاق کعبہ سے تمام بت گروا دیے اور اس طرح حضرت "شاہِ بت شکن" قرار پا گئے۔

۱۰ شوال ۸ھ کو جنگ حنین پیش آئی جس میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی جس کی بنا پر ان میں غرور فتح پیدا ہو گیا لیکن آخر میں سب نے فرار اختیار کیا اور بہ مشکل تمام واپس آئے تو ۷۰ کفار قتل ہوئے اور چار مسلمان اور اس فتح کا سہرا بھی حضرت علی علیہ السلام ہی کے سر رہا ورنہ میدانِ جنگ صحابۂ کرام سے خالی ہو چکا تھا۔

۹ھ میں ہرقل روم کی تیاروں کی خبر پا کر آپؐ نے تمام مسلمانوں کو جہاد کا حکم دے دیا اور عظیم قافلہ لے کر نکل پڑے۔ لیکن چونکہ آپ کے علم میں تھا کہ دشمن میں مقابلہ کا حوصلہ نہیں ہے اور جنگ کی نوبت نہ آئے گی اس لیے حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں چھوڑ دیا اور یہ تاریخی اعلان کر دیا کہ "تمھارا وہی مرتبہ ہے جو موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ کا تھا۔ صرف میرے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں ہے۔"

تبوک کی اس بلا جنگ کامیابی کے بعد تبلیغ سورۂ برأت کا مرحلہ پیش آیا، جس کام پر پہلے حضرت ابوبکرؓ مامور ہوئے۔ اس کے بعد وحی الٰہی نے انھیں واپس کر کے یہ کام حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کیا اور انھوں نے حج اکبر کے موقع پر برأت مشرکین کا اعلان کر دیا جو علیؑ والوں کا آج تک شعار ہے اور جس سے تمام مسلمان حکام خوف زدہ رہتے ہیں۔

۹ھ حج کے موقع پر اس اعلان کے بعد ۲۴ رذی الحجہ کو نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کی نوبت آ گئی کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے پر اصرار کیا اور قرآن کا کوئی پیغام ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے تو رسول اکرم ﷺ نے بحکم خدا مباہلہ کی دعوت دے دی اور آپ نسائنا میں حضرت فاطمہؑ، ابنائنا میں حسنؑ و حسینؑ اور انفسنا میں حضرت علی علیہ السلام کو لے کر روانہ ہوئے جس کو دیکھ کر عیسائیوں نے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا اور اسلام اپنی آخری فتح سے ہمکنار ہو گیا۔

۲۵ رذی قعدہ ۱۰ھ کو رسول اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے لیے روانہ ہوئے اور لاکھوں مسلمانوں نے آپ کے ساتھ حج کیا اور واپسی میں بحکم خدا مقامِ غدیر پر قافلہ کو روک کر حضرت علی علیہ السلام کی مولائیت کا اعلان کر دیا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے، جس پر تمام اصحاب نے بیعت کی اور حضرت عمرؓ نے مبارکباد دی کہ آپ میرے اور

تمام مسلمانوں کے مولا ہو گئے۔

اس واقعہ سے پہلے رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو اہلِ یمن کی طرف تبلیغی مشن پر روانہ کیا تھا جہاں آپ نے ایک دن میں سارے قبیلہ ہمدان کو مسلمان بنالیا تھا اور وہیں سے حجۃ الوداع کے لیے قربانی کے جانور لے کر آئے تھے اور رسول اکرم ﷺ کے قافلہ میں شامل ہوئے تھے۔

آخر وقت میں رسول اکرم ﷺ نے ایک لشکر رومیوں سے مقابلہ کے لیے تیار کیا اور اسامہ بن زید کو تمام صحابہ کا سردار بنا کر اعلان کر دیا کہ جو لشکر اسامہ میں نہ جائے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔ اس سرداری سے صرف حضرت علی علیہ السلام کو الگ رکھا گیا تھا کہ انھیں اپنے سے جدا کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا باقی حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے تمام افراد کو بھی اسامہ کی سرداری میں دے دیا تھا۔

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کے مرض الموت کی شدت شروع ہوگئی اور آپ نے وقت آخر حضرت علی علیہ السلام کی آغوش میں سر رکھ کر دنیا سے رحلت فرمائی۔

حضرت علی علیہ السلام ہی نے آپ کے غسل و کفن کا انتظام کیا اور اپنے ہاتھوں سے دفن کیا جب کہ بقول ابو الفداء حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ شریک بھی نہیں ہوئے اور سقیفہ سازی میں مصروف رہے۔

حضرت علی علیہ السلام تجہیز و تکفین رسولؐ میں مصروف تھے کہ مسلمانوں نے سقیفہ میں جمع ہو کر بہ ہزار دقت خلافت کا فیصلہ کر لیا اور غدیری اعلان کو نظر انداز کر کے حضرت علی علیہ السلام کو ان کے واقعی حق سے محروم کر دیا جس کے بعد آپ خانہ نشین ہو گئے۔

خانہ نشینی کے بعد آپ نے پہلا کام یہ انجام دیا کہ قرآن مجید کو اس کے تنزیلی اشارات اور توضیحات کے مطابق جمع فرمایا اور دربار خلافت میں پیش کیا کہ جس طرح الفاظ میں اختلاف نہیں ہے۔ معانی میں بھی اختلاف نہ رہنے پائے لیکن ہوا خواہانِ تفسیر بالرائے نے ان توضیحات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور امت اسلامیہ ایک بہت بڑے علمی ذخیرہ سے محروم ہوگئی۔

رسول اکرم ﷺ کے انتقال کے ۷۵ یا ۹۵ دن کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی شریک حیات حضرت فاطمہؑ نے انتقال فرمایا اور وہ اس عالم میں دنیا سے رخصت ہوئیں کہ حکومتی سازش کی بنا پر باپ کے ترکہ سے محروم ہو چکی تھیں، پہلو شکستہ ہو چکا تھا اور محسن شہید ہو چکے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس سخت ترین مصیبت کا بھی نہایت درجہ صبر و شکیبائی سے مقابلہ کیا اور تلوار نہیں اٹھائی، صرف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد زہراؑ کا فراق دلیل ہے کہ دنیا میں کسی دوست کے لیے بقا نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام حالات کے پیش نظر ۲۵ سال تک خانہ نشین رہے اور مسلمان یکے بعد دیگرے حکام مہاجری کرتے رہے اور کسی موقع پر بھی صحیح معنوں میں حضرت علی علیہ السلام کو ان کا حق نہیں دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی بلکہ برابر حکام وقت کی مدد کرتے رہے اور انھیں نیک مشورہ دیتے رہے اور کسی ایسے اقدام میں کوتاہی نہیں کی جس میں اسلام اور امت اسلامیہ کی بھلائی ہو، یا جس میں شریک نہ ہونے سے اسلام کی رسوائی کا خطرہ ہو۔

حضرت عمرؓ نے اپنے آخری وقت میں خلافت کا فیصلہ ایک خاص کمیٹی کے حوالے کردیا جس نے مخصوص اسباب کے تحت آپ سے سیرت شیخین پر عمل کرنے کا مطالبہ کیا اور آپ نے اس مطالبہ کو یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ سیرت رسولؐ کے بعد کسی سیرت کی ضرورت نہیں ہے اور اس طرح عثمانؓ اس شرط کو قبول کرکے خلیفہ ہوگئے اور حضرت عمرؓ کا منصوبہ شوریٰ مکمل ہوگیا۔

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ اپنی اقربا پروری اور بنی امیہ نوازی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیے گئے اور مسلمانوں کے ایک گروپ نے ان کی ناانصافیوں کے خلاف علم احتجاج بلند کرکے انھیں خانہ قید کردیا اور آخرکار تہ تیغ کردیے گئے۔ اس محاصرہ کے دوران حضرت علی علیہ السلام ہی ان کے لیے پانی کا بندوبست کرتے رہے۔ جس کا انتقام اس طرح لیا گیا کہ کبھی انھیں قاتل عثمان قرار دیا گیا اور کبھی ان کی اولاد پر پانی بند کردیا گیا کہ انھوں نے عثمان کو پانی فراہم کرکے گویا بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

قتل عثمان کے موقع پر حضرت عائشہ مکہ میں تھیں اور انھوں نے بار بار مسلمانوں کو ان کے قتل پر آمادہ بھی کیا تھا کہ ان کی مثال نعثل یہودی کی جیسی ہے اور انھوں نے سنت رسولؐ کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے قتل کے بعد خلافت طلحہ یا زبیر کو مل جائے گی۔ لیکن جب انھیں راہ مکہ میں یہ معلوم ہوا کہ خلافت حضرت علی علیہ السلام کو مل گئی ہے تو فوراً نعرہ تبدیل کردیا اور فرمایا عثمان مظلوم مارے گئے ہیں اور ان کے خون کا انتقام ضروری ہے۔ قاتل ہونے کا الزام حضرت علی علیہ السلام پر لگایا گیا اور ان سے جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

بصرہ حضرت علی علیہ السلام کے چاہنے والوں کا مرکز تھا لہٰذا حضرت عائشہ نے پہلے اس مرکز پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوگئیں۔ ۲۵ رجمادی الثانیہ ۳۶ھ کو بصرہ پہنچ کر حضرت علی علیہ السلام کے گورنر عثمان بن حنیف پر حملہ کردیا اور انھیں بے حد اذیت دی یہاں تک کہ سر اور داڑھی کے بال تک نوچ ڈالے۔ امیر المومنینؑ ربیع الاول میں روانہ ہوچکے تھے۔ لیکن عائشہ کا لشکر پہلے پہنچ گیا، اور آپ مقام ذی قار پر تھے جب جناب عثمان نے آکر فریاد کی اور آپ نے ۱۵ رجمادی الثانیہ کو بیس ہزار لشکر کے ساتھ بصرہ میں نزول فرمایا۔ ادھر طلحہ و زبیر نے راتوں رات آپ کے قتل

کا منصوبہ بنا کر حملہ کردیا جس کے بعد جنگ کا آغاز ہوگیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے متعدد ذرائع سے عائشہ کو سمجھایا اور طلحہ و زبیر کو بھی نصیحت کی کہ حرم رسول کو سر میدان لے آنا اسلامی غیرت کے منافی ہے لیکن کسی فہمائش کا کوئی اثر نہ ہوا، اور بالآخر ایسا رَن پڑا کہ نتیجہ میں تیرہ ہزار عائشہ کے سپاہی اور پانچ ہزار حضرت علی علیہ السلام کے مجاہدین کام آئے اور بعض مجاہدین نے ناقہ کے پاؤں کاٹ دیے اور ہودج زمین پر آرہا۔ آپ نے نہایت درجہ احتیاط سے انھیں سنبھالنے کا انتظام کیا اور چالیس خواتین سپاہیوں کے ساتھ محمد بنؓ ابی بکرؓ کی سرکردگی میں انھیں مدینہ واپس پہنچا دیا جس کا احساس انھیں زندگی بھر رہا اور حضرت علی علیہ السلام کی شرافت کا برابر تذکرہ کرتی رہیں۔ جمل کے فتح ہوجانے کے بعد آپ نے ۱۶ر رجب ۳۶ھ کو ابن عباس کو بصرہ کا گورنر بنا کر واپسی کا قصد فرمایا اور عراق کے خطرہ کے پیش نظر کوفہ کو مستقل دارالحکومت قرار دے دیا۔

اُدھر جنگ جمل کے زیر اثر موقع سے فائدہ اٹھا کر معاویہ نے بھی شام میں بغاوت کا اعلان کر دیا اور حضرت کے گورنر سہل بن حنیف کو نکال باہر کردیا۔ انھوں نے حضرت سے شکایت کی۔ آپ نے فہمائش کے خطوط لکھے لیکن کوئی اثر نہ ہوا تو معاویہ کی سرکوبی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ شوال ۳۶ھ میں ۹۰ ہزار کا لشکر لے کر آپ مقام رقہ پر پہنچے ادھر ایک لاکھ ۲۰ ہزار کا لشکرِ معاویہ کا تھا۔ معاویہ کے لشکر نے صفین میں دریا پر قبضہ کر کے پانی بند کردیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے جوابی کارروائی کا حکم دے دیا اور لشکر نے دریا کو واپس لے لیا تو فرمایا کہ خبردار! تم پانی بند نہ کرنا، لیکن مزاحمتوں کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ محرم ۳۷ھ آگیا اور جنگ موقوف ہوگئی۔ اس کے بعد صفر کے شروع ہوتے ہی لشکر شام نے پھر حملہ کردیا اور گھمسان کی جنگ کا آغاز ہوگیا۔ ایک ہفتہ تک جنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ لشکرِ شام کے ۳۵ ہزار افراد اور لشکر حضرت علی علیہ السلام کے تقریباً اس سے آدھے افراد کام آگئے۔ اور عمرو عاص جیسے افراد نے اپنے کو برہنہ کر کے جان بچانے کی تدبیر نکالی اور بے حیائی کا ایک نیا ریکارڈ قائم ہوگیا۔

اس درمیان وہ قیامت خیز رات بھی آئی جسے لیلۃ الہریر کہا جاتا ہے اور جس میں تمام رات جنگ جاری رہی اور طرفین کے ۳۶ ہزار افراد مارے گئے۔ خود حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے ۹۰۰ افراد کو واصل جہنم کیا اور مالک اشتر معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ معاویہ کا خاتمہ ہوجائے اور جنگ اپنے آخری فیصلہ سے ہمکنار ہوجائے کہ عمرو عاص نے پانچ سو قرآن نیزوں پر بلند کردیے کہ ہم قرآن سے فیصلہ چاہتے ہیں اور اس طرح لشکر حضرت علی علیہ السلام میں پھوٹ پڑگئی اور ایسے جاہل افراد بھی پیدا ہوگئے جو اہلِ بیتؑ کے مقابلہ میں قرآن کو استعمال کرنے پر راضی ہوگئے اور مجبوراً حضرت علی علیہ السلام کو عزتِ قرآن کی خاطر جنگ موقوف کرنا پڑی۔ اور عوام الناس نے باہم تحکیم کا فیصلہ کرلیا۔ حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے ابو موسیٰؓ اشعری کو مقرر کیا گیا اور معاویہ کی طرف سے عمرو عاص کو۔ دونوں حَکَم

ماہِ مبارک میں ایک مقام پر جمع ہوئے اور ابو موسیٰؓ نے عمرو عاص کے چکر میں آ کر منبر پر جا کر اعلان کر دیا کہ میں علیؑ کو معزول کرتا ہوں، قوم اپنا حاکم خود منتخب کر لے اور عمرو عاص نے اعلان کر دیا کہ جب علیؑ کو ان کے نمائندہ نے معزول کر دیا ہے تو میں معاویہ کا تقرر کرتا ہوں اور اس طرح عوامی انتخاب کا نتیجہ معاویہ کی حاکیت کی شکل میں سامنے آ گیا اور اس قرآن کا دور دور تک ذکر نہیں آیا جس سے فیصلہ کرانے کے لیے جنگ کو روکا گیا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کی فوج کے ایک حصہ نے جنگ کو موقوف کر کے فیصلہ پر رضا مندی کا اظہار کر دیا تھا لیکن ایک حصہ جنگ جاری رکھنے پر مصر تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب فیصلہ غلط ہو گیا تو اس حصہ نے بغاوت کا اعلان کر دیا اور ۱۰ رشوال ۳۷ھ کو مقام نہروان پر لوگوں کو ستانا شروع کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان کی سرکوبی کے لیے نہروان کا رُخ کیا اور بغداد سے چار فرسخ کی دوری پر یہ معرکہ پیش آیا۔ ابتدا میں باغی بارہ ہزار کی تعداد میں تھے، بعد میں انتشار پیدا ہو گیا اور صرف چارہ ہزار رہ گئے۔ لیکن حضرت نے ایسا حملہ کیا کہ نو افراد کے علاوہ سب قتل کر دیے گئے، یہاں تک کہ مشہور خارجی ذوالثدیہ بھی کام آ گیا اور یہ جنگ بھی اپنے خاتمے کو پہنچ گئی۔

اُدھر معاویہ نے مصر میں حضرت علی علیہ السلام کے گورنر محمدؓ بن ابی بکرؓ پر حملہ کا پروگرام بنالیا اور حضرت علی علیہ السلام کو اطلاع ملی تو آپ نے مالک اشتر کو کمک کے لیے روانہ کر دیا۔ معاویہ نے مقام عریش کے ایک زمیدار سے بیس سال کے خراج کی معافی کا وعدہ کر کے افطار کے بہانے مالک اشتر کو زہر دلوا دیا، اور وہ شہید ہو گئے اور مصر پر عمرو عاص نے چھ ہزار کی فوج کے ساتھ حملہ کر دیا۔ نتیجہ کے طور پر محمدؓ بن ابی بکرؓ کو گدھے کی کھال میں رکھ کر زندہ جلوا دیا جس کا صدمہ حضرت عائشہؓ کو زندگی بھر رہا اور وہ ہر نماز میں معاویہ اور عمرو عاص کے حق میں بددعا کرتی رہیں حالانکہ معاویہ نے اس واقعہ پر بے حد مسرت کا اظہار کیا (طبری۔ مسعودی) یہ واقعہ صفر ۳۸ھ کا ہے۔

صفین کے بے پناہ قتل و خون کے بعد معاویہ کی مکاریوں سے حکمین کا فیصلہ اور اس کے بعد محمدؓ بن ابی بکرؓ اور مالک اشتر کا قتل، یہ وہ واقعات تھے جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام کو مجبور کر دیا کہ معاویہ کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کریں اور اس سلسلہ میں آپ نے لشکر فراہم کرنا شروع کر دیا۔ آپ کے لشکر میں ۴۰ ہزار تجربہ کار سپاہی اور ۱۷ ہزار نوجوان تھے۔ امام حسینؑ، قیس بن سعد اور ابو ایوب انصاری ۱۰-۱۰ ہزار کے لشکر کے سردار تھے لیکن لشکر کی روانگی سے پہلے ہی ابن ملجم ملعون نے عین حالت سجدہ میں آپ کو شہید کر دیا، اور یہ منصوبہ مکمل نہ ہو سکا جس طرح کہ حیاتِ پیغمبر کا آخری معرکہ (سریہ اسامہ بن زید) اصحاب کی نافرمانی کی بنا پر نامکمل رہ گیا تھا۔

ابن ملجم کے اس ظالمانہ اقدام کی یہ تاریخی توجیہ کی گئی ہے کہ خوارج حضرت علیؑ، معاویہ اور عمرو عاص تینوں سے ناراض تھے اور انھوں نے تینوں کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا اور ایک شخص کو شام، ایک کو مصر اور ایک کو کوفہ روانہ کیا تھا لیکن

اتفاق سے معاویہ اس دن نماز صبح میں نہیں آیا اور عمرو عاص حملہ سے بچ گیا صرف حضرت علی علیہ السلام شہید ہو گئے اور پھر مزید افسانہ یہ تراشا گیا کہ ابن ملجم کو اچانک ایک عورت مل گئی اور اس نے علیؑ کے سر اقدس کو اپنی قربت کی قیمت قرار دے دیا، اور اس کا یہ اقدام اس جنسی بنیاد پر وقوع پذیر ہو گیا۔ لیکن اس داستان کا رُخ صاف بتا رہا ہے کہ یہ حملہ حضرت علی علیہ السلام کے حملے کو روکنے کے لیے معاویہ کی سازش سے کیا گیا تھا اور ایسی زبردست تلوار اور ایسا قیامت خیز زہر اور ایسی حسین وجمیل عورت کا وسیلہ سب اسی کا فراہم کیا ہوا ساز وسامان تھا اور اس طرح حضرت علی علیہ السلام کے قتل کی تمام تر ذمہ داری شام کے حاکم پر ہے۔ اگر چہ اس کا براہ راست مجرم ابن ملجم ہے اور بالواسطہ وہ تمام افراد ہیں جنھوں نے معاویہ جیسے بے دین انسان کو اسلام کا بے لگام حاکم بنا دیا تھا۔

ماہ مبارک ۴۰ھ کی ۱۳ رتاریخ تھی جب حضرت علی علیہ السلام مسجد میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور ایک مرتبہ آپ نے اپنے فرزند امام حسنؑ کی طرف رُخ کر کے فرمایا، بیٹا اس مہینے کے کتنے دن گزر چکے ہیں؟ عرض کی ۱۳ دن۔ پھر دوسرے فرزند امام حسینؑ کی طرف رُخ کیا اور فرمایا، کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟ عرض کی ۱۷ دن۔ فرمایا اب وہ وقت آ گیا ہے جب میرے محاسن میرے خون سے رنگین ہوں۔

ماہ مبارک کی ۱۹ ویں شب تھی جب آپ اپنی دختر حضرت ام کلثوم کے یہاں افطار پر مدعو تھے۔ افطار کے بعد تمام شب مصروف عبادت رہے اور بار بار باہر آ کر آسمان کی طرف دیکھتے رہے، یہاں تک کہ فرمایا کہ واللہ یہ وہی شب ہے جس کی رسول اکرمؐ نے خبر دی ہے اور یہ کہہ کر نماز صبح کے لیے برآمد ہوئے۔ دروازہ پر مرغابیوں نے بھی روکا اور زنجیر در نے بھی۔ لیکن آپ قضائے الٰہی کا حوالہ دے کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ اذان سے سارے کوفہ کو بیدار کیا۔ نماز شروع کی تو ابن ملجم ملعون نے سر اقدس پر وار کر دیا اور سر زخمی ہو گیا۔ مصلّٰی پر بیٹھ گئے، ''فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَة'' کا اعلان کیا اور ''بسم الله وبالله وفي سبيل الله وعلى ملة رسول الله'' کا ورد کرتے رہے۔

ادھر امام حسنؑ اور امام حسینؑ مسجد میں وارد ہوئے تو آپ نے امام حسنؑ کو نماز پڑھانے کا حکم دے دیا۔ نماز کے بعد فرزندوں کے ہاتھوں پر بیت الشرف تک آئے۔ دو دن علاج کا سلسلہ جاری رہا۔ اس درمیان ابن ملجم گرفتار ہو کر آیا تو قانون اسلامی کے مطابق قصاص کا فیصلہ کر کے اس کی سیرابی کا حکم دے دیا اور اکیسویں کی رات میں وصیت تمام کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے حسب وصیت پدر کے غسل وکفن کا انتظام کیا اور ظہر کوفہ (جسے نجف کہا جاتا ہے) کے اس مقررہ مقام پر دفن کر دیا جو حضرت نوح کے دور سے طے ہو چکا تھا۔ ملائکہ آسمان نے دفن میں کمک کی، روح رسولؐ نے استقبال کیا اور آخر کار جو کعبہ سے لے کر آیا تھا اسی کے حوالے کر دیا۔

ایک مدت تک قبر مطہر مخفی رکھی گئی اور صرف مخصوص افراد زیارت سے مشرف ہوتے رہے، ہارون رشید کے دور میں بادشاہ شکار کے لیے نکلا، اور شکاری کتا ایک مقام پر ٹھہر گیا اور اس نے ہرن کا تعاقب ترک کر دیا، تو اس نے اطراف کے افراد سے تحقیق کی اور انھوں نے بتایا کہ یہاں ایک ولی خدا حضرت علی علیہ السلام کی قبر ہے اور اس طرح قبر کا اعلان ہو گیا جس کے بعد مسلسل روضہ کی تعمیر و ترقی ہوتی رہی اور آج تک یہ روضہ مرجع خلائق بنا ہوا ہے اور انشاء اللہ صبح قیامت تک بنا رہے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو شہر علم کا دروازہ بنایا تھا تو شیخ طوسیؒ نے یہاں حوزہ علمیہ قائم کر دیا اور تقریباً ۱۰۵۰ برس سے یہ مدرسہ قائم ہے اور دینی تعلیم کے اعتبار سے کائنات کا سب سے عظیم ترین ادارہ ہے۔ یہاں کے فارغ التحصیل افراد روساء مذہب اور مراجع تقلید بنتے رہے اور یہ سلسلہ بحمد اللہ آج تک جاری ہے۔

خصوصیات

یوں تو ہر انسان کی زندگی میں کچھ خصوصیات پائے جاتے ہیں اور وہی اس کی شخصیت کی علامات ہوتے ہیں لیکن حضرت علی علیہ السلام بن ابی طالبؑ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے اور آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو انفرادیت کا حامل نہ ہو— حد یہ ہے کہ کھانے پینے سے لے کر عبادات تک ہر مقام پر آپ کی شخصیت ایک انفرادی خصوصیت کی حامل ہے اور اس کا شریک دنیا کا کوئی دوسرا صاحب کردار نہیں ہے۔ ذیل میں صرف چند امتیازات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جسے "مشت نمونہ از خروارے" سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی ہے:

● غذا کے اعتبار سے ہمیشہ جَو کا آٹا نوش فرماتے رہے اور کبھی گندم کو ہاتھ نہیں لگایا۔ جَو کے آٹے میں بھی یہ ہدایت تھی کہ اسے چھانا نہ جائے اور اپنی اصلی حالت میں استعمال کیا جائے۔

آدَمُ قَدْ اَكَلَ الْحِنْطَةَ وَاللّٰهُ نَهٰى
وَعَلِیٌّ تَرَكَ الْاَكْلَ لِقَصْدِ الْقُرْبِ

● لباس کے اعتبار سے خلافت اسلامیہ کے مل جانے کے بعد بھی پیوند دار لباس پہنتے رہے۔ یہاں تک کہ خود فرمایا کرتے تھے کہ اب تو رفو کرنے والے سے بھی شرم آتی ہے۔

● مکان کے اعتبار سے ساری زندگی مکان کا انتظام نہ کر سکے اور کوفہ میں بھی ایک عاریت کے مکان میں دور ادارہ خلافت گزار دیا۔

● معیشت کے اعتبار سے بیت المال کے مال کو ہاتھ نہیں لگایا اور ہمیشہ اپنے زور بازو کی کمائی پر گزارہ کرتے رہے۔

کارناموں کے اعتبار سے۔ روز اول دعوتِ ذوالعشیرہ کا اہتمام کرنے والے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

تصدیق کرنے والے آپ ہی تھے۔

● ہجرت کی رات اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر رسول اکرم ﷺ کی جان بچانے والے آپ ہی تھے اور آپ ہی نے امانتوں کو واپس کر کے وقار رسالت کا تحفظ کیا تھا۔

● غار ثور میں قیام کے دوران رسول اکرمؐ اور ابوبکرؓ کے لیے آب و غذا کا انتظام آپ ہی کیا کرتے تھے۔

● بدر کے معرکہ میں آپ ہی کی تلوار چمکتی رہی اور ۷۰ مقتولین میں سے ۳۵ کو تن تنہا آپ ہی نے تہ تیغ کیا تھا۔

احد کے معرکہ میں سب کے فرار کر جانے کے بعد آپ ہی کا اعلان تھا کہ میں ایمان کے بعد کفر اختیار نہیں کر سکتا ہوں۔

● خندق کے معرکہ میں کل کفر کا سر آپ ہی نے قلم کیا تھا۔

● خیبر میں مرحب و عنتر کا خاتمہ کر کے قلعہ قموص کو آپ ہی نے فتح کیا تھا۔

● آیت نجویٰ کے موقع پر صدقہ دے کر رسول اکرم ﷺ سے راز و نیاز کا شرف آپ ہی نے حاصل کیا تھا۔

علمی اعتبار سے۔ رسول اکرم ﷺ نے آپ کو شہر علم و حکمت کا دروازہ قرار دیا تھا اور امت کا بہترین قاضی قرار دیا تھا۔ آپ کی قضاوت کے محیر العقول واقعات مکمل کتاب کی شکل میں موجود ہیں۔

● منبر کی بلندی سے ''سلونی قبل أن تفقدونی'' کا نعرہ آپ ہی نے بلند کیا تھا۔

● حکام وقت نے اپنے مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کیا تھا اور ان کی گتھیوں کو آپ ہی نے سلجھایا تھا۔

● اسلام میں جتنی عظیم شخصیتیں فقہی، ادبی، اخلاقی یا صوفی قسم کی پائی جاتی ہیں، سب کا سلسلۂ شاگردی آپ ہی کی ذات اقدس تک منتہی ہوتا ہے۔

● مختلف علوم میں خیالات اعلیٰ کے علاوہ علم نحو کے قواعد کی ایجاد آپ ہی نے فرمائی ہے اور حروف کے تعارف کے اصول آپ ہی نے تعلیم فرمائے ہیں۔

اخلاقی اعتبار سے۔ غلاموں کے ساتھ آپ نے ایسا برتاؤ کیا ہے کہ انھوں نے غلامی کو آزادی پر ترجیح دی ہے اور نیا لباس قنبر کو عطا فرمایا ہے تو پرانا یا معمولی لباس خود زیب تن فرمایا ہے۔

● محاصرہ کے دوران حضرت عثمانؓ کے لیے آب و دانہ کا انتظام آپ ہی نے کیا ہے۔

● ابن ملجم کی گرفتاری کے بعد اسے سیراب کرنے کا حکم آپ ہی نے دیا ہے۔

● زہد کا یہ فلسفہ آپ ہی نے سمجھایا ہے کہ زہد اس امر کا نام نہیں ہے کہ انسان کسی چیز کا مالک نہ ہو۔ زہد اس امر کا نام ہے کہ کوئی چیز انسان کی مالک نہ بننے پائے اور اس کا اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رہے خواہشات کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔

قرآنی اعتبار سے۔ آیت ولایت و تطہیر و مباہلہ و بلّغ جیسی کم سے کم تین سو تیرہ آیتیں ہیں جن میں صراحت کے ساتھ آپ کے کمالات کا اعلان کیا گیا ہے۔ ویسے سارے قرآن کا محور و مرکز آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ چاہے آپ کا اپنا تذکرہ ہو یا دوستوں کا ذکر ہو یا دشمنوں کا ذکر ہو۔ یہاں تک کہ ہر "یا ایھا الذین آمنوا" کا راس و رئیس آپ ہی کی ذات گرامی کو قرار دیا گیا ہے۔

سیاسی اعتبار سے۔ آپ کی سیاست ہر دور کے لیے ایک مستقل نمونہ عمل ہے، جس کے چند نمونے یہ ہیں:

● رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سخت ترین حالات میں بھی آپ نے اپنے حق کے مطالبہ کے لیے تلوار نہیں اٹھائی جب کہ مذہب کے تحفظ کے لیے بدر سے لے کر حنین تک ہر میدان میں رہے اور بعد میں بغاوت کا مقابلہ کرنے کے لیے جمل و صفین و نہروان میں کمال شجاعت کا مظاہرہ کرتے رہے اور اس طرح پاکیزگی نفس کا ایک بہترین نمونہ پیش فرمایا ہے۔

● اپنے جملہ حقوق کے غصب ہو جانے کے بعد بھی حکام وقت کو مشورہ دیتے رہے اور ان کی مشکل کشائی فرماتے رہے کہ اسلام کے معاملات کو شخصیت سے بالاتر ہونا چاہیے۔

● عثمان کو محاصرہ کے دوران آب و دانہ فراہم کیا جب کہ انھوں نے براہ راست آپ کے مقابلہ میں حکومت پر قبضہ کیا تھا۔

● جمل کی فتح کے بعد بھی عائشہ کو بصد احترام وطن پہنچا دیا کہ حرمتِ رسول کا احترام بہر حال ضروری ہے چاہے خود شخصیت قابلِ احترام نہ رہ گئی ہو۔

● صفین کے موقع پر لشکر معاویہ نے پانی بند کر دیا۔ لیکن جب آپ کو نہر پر قبضہ ملا تو فوراً پانی کے عام ہونے کا اعلان کر دیا۔

● اسی جنگ میں قرآنوں کے نیزوں پر بلند ہو جانے کے بعد جیتی ہوئی جنگ کو روک دیا کہ اسلام میں فتوحات کا معیار ملک پر قبضہ نہیں ہے قرآن کی حاکمیت کا قائم کرنا ہے۔

● جناب شہر بانو گرفتار ہو کر آئیں تو ان کے ساتھ کنیزوں جیسا برتاؤ کرنے کے بجائے انھیں اپنے عزیز ترین فرزند کی زوجیت کا شرف عنایت کر دیا جس نے ایک پوری قوم کے دلوں کو فتح کر لیا۔

● عمرو عاص نے میدانِ جنگ میں برہنگی کا حربہ اختیار کیا تو اسلامی قوانین کے احترام میں اسے نظر انداز کردیا ورنہ وہ دُوہری سزا کا حق دار ہو چکا تھا۔

● سراقدس پر ابن ملجم کی تلوار لگنے کے بعد ''فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ'' کا نعرہ لگا کر واضح کردیا کہ اسلام میں کامیابی کا معیار دشمن کا گلا کاٹنا نہیں ہے بلکہ راہِ خدا میں اپنی قربانی پیش کردینا ہے اور آخر وقت تک اطاعتِ خدا و رسولؐ میں زندگی بسر کرنا ہے۔

● فدک کے موقع پر خود دربار میں جانے کے بجائے صدیقہ طاہرہؑ کو دعویٰ پیش کرنے کے لیے بھیج دینا اتمام حجت کی بہترین سیاست ہے جس سے بہتر کوئی راستہ اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اس واقعہ سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ امت کے پاس نہ آیات قرآن کا احترام ہے اور نہ قرابت رسولؐ کا۔ جو قوم اپنے نبیؐ کی بیٹی کے وسیلۂ حیات پر قبضہ کرکے اسے فاقوں پر مجبور کرسکتی ہے اس سے کس شرافت اور احسان مندی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

● آپ کے سامنے دنیا مختلف شکلوں میں آتی رہی لیکن ہر مرتبہ ٹھکرادیا اور جب تک مذہب کی ضرورت پیش نہیں آئی تخت حکومت کی طرف مُڑکر بھی دیکھنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ صفین کے موقع پر تو مقام ذی قار میں اپنی بوسیدہ نعلین کی مرمت فرماتے ہوئے ابن عباس سے فرمادیا کہ میری نگاہ میں یہ جوتیاں تخت و تاج سے کہیں زیادہ قیمت رکھتی ہیں۔ دنیا کو تین مرتبہ طلاق دینے کا مفہوم ہی یہ ہے کہ دنیا برابر قدموں میں آتی رہی لیکن آپ اس کی طرف سے برابر اعراض فرماتے رہے۔

● دنیا کی نعمتوں کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد گرامی ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے آپ کی سیاست کی بنیادوں کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے اور دنیا والوں کو زندہ رہنے کا بہترین سبق بھی حاصل ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:

دنیا کی بہترین غذا شہد ہے جو ایک جانور کا فضلہ ہے۔

دنیا کی بہترین مشروب پانی ہے جو زمین پر بہتا پھرتا ہے۔

دنیا کی بہترین لذت جنسی لذت ہے جس کا خلاصہ نجاست کا نجاست سے اتصال ہے۔

دنیا کی بہترین لباس ریشم ہے جو ایک جانور کے جسم کا فاضل حصہ ہے۔

دنیا کی بہترین سواری گھوڑا ہے جو جنگ و جدال کا مرکز ہے۔

دنیا کی بہترین سونگھنے کی چیز مشک ہے جو ایک جانور کا جما ہوا خون ہے۔

دنیا کی بہترین سننے کی آواز گانا ہے جو نگاہِ قدرت میں انتہائی ناپسندیدہ اور حرام ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا کی ایسی معرفت جسے بھی حاصل ہو جائے وہ اپنا مقصدِ حیات نہ دولت کو بنا سکتا ہے اور نہ ریاست کو۔ اس کی نگاہ میں نہ راحت دنیا کی کوئی حیثیت ہے اور نہ نعمات دنیا کی۔ یہ تو انسان کی بے معرفتی ہے کہ اپنی سیاست کا محور دنیا کو بنائے ہوئے ہے اور اپنے سے پست تر مقصد پر جان دے رہا ہے۔ اس سلسلہ میں امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد گرامی بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "دنیا کی مثال ایک سانپ کی جیسی ہے جس کا ظاہر انتہائی نرم و نازک ہوتا ہے اور باطن انتہائی سم قاتل۔۔۔ رب العالمین ہر بندۂ مومن کو یہ عرفان عطا فرمائے اور اس ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

اصحاب کرامؓ

رسول اکرم ﷺ کے بعد سخت ترین حالات میں بھی امیر المومنینؑ کا ساتھ دینے والے افراد بے شمار تھے اور بعض اوقات میدانِ جہاد میں یہ تعداد لاکھ کے قریب پہنچ جاتی تھی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بیعت کرنے والے یا جنگ میں شرکت کرنے والے افراد اور ہوتے ہیں اور باکمال اصحاب باوفا اور۔۔۔ ذیل میں انھیں باکمال اور باوفا اصحاب میں سے چند ایک کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ مفصل حالات کے لیے آگے ملاحظہ فرمائیں گے۔

اصحاب امیر المومنینؑ میں بعض وہ افراد بھی ہیں جن کا شمار اصحاب رسول اکرم ﷺ میں بھی ہوتا ہے اور اُن کا تذکرہ اس ذیل میں ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان کے اسماء کی تکرار نہ ہوگی، اگرچہ ان کا مرتبہ ان تمام ذکر ہونے والے افراد سے بالاتر ہے اور کوئی صحابی سلمان محمدی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

۱۔ اصبغ بن نُباتہ

یہ خواص اصحاب امیر المومنینؑ میں تھے اور آپ کے ذخائر میں شمار ہوتے تھے۔ امیر المومنینؑ کی فوج میں بعض افراد تھے جنھوں نے آپ سے وفاداری کا عہد کیا تھا اور آپ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا تھا۔ ان افراد کو شرطۃ الخمیس کہا جاتا تھا۔ خمیس لشکر کا نام ہوتا ہے کہ اس میں میمنہ، میسرہ، قلب، مقدمہ اور ساقہ پانچ حصہ ہوتے ہیں اور شرط اسے باہمی شرط اور قرار داد کی بنا پر کہا جاتا ہے۔ اصبغ بن نباتہ انھیں افراد میں شامل تھے۔ بعض علماء اسلام نے ان کی روایات کو صرف اس جرم میں ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کی محبت میں دیوانے ہو رہے تھے۔

۲۔ اویس قَرَنی

رسول اکرم ﷺ نے ان کی بے حد مدح فرمائی ہے اور ان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر فرمایا ہے اور یمن سے آنے والی خوشبوئے رحمان سے تعبیر کیا ہے۔ ماں سے ایک ساعت کی اجازت لے کر یمن سے مدینہ سرکار دو عالم کی

ملاقات کے اشتیاق میں آئے۔ حضورؐ موجود نہ تھے۔ ماں کی اطاعت کے خیال سے بلا ملاقات واپس چلے گئے۔ حضورؐ نے اس جذبہ کی بے حد قدر کی اور فرمایا کہ اویس کو قبیلہ ربیعہ و مُضر کے برابر شفاعت کرنے کا حق دیا جائے گا۔

اویس پوری پوری رات رکوع یا سجود میں گزار دیا کرتے تھے۔ زہاد ثمانیہ میں شمار ہوتے تھے۔ صفین میں امیر المومنینؑ کی رکاب میں جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (مقام رقہ (شام) میں آج کل حکومت ایران کے زیر نگرانی عظیم الشان مقبرہ تعمیر ہو رہا ہے۔ حقیر کو چند بار زیارت کو شرف حاصل ہوا ہے)۔

واضح رہے کہ زہاد ثمانیہ میں ربیع بن خثیم، ہرم بن حیان، اویس قرنی، عامر بن عبد قیس، ابو مسلم خولانی، مسروق بن الاجدع، حسن بن ابی الحسن، اسود بن یزید کا شمار کیا جاتا ہے، جن میں ابتدائی چار افراد امیر المومنینؑ کے مخلصین میں تھے اور باقی چار اہل باطل میں شمار ہوتے ہیں۔

۳۔ حارث بن عبداللہ الاعور الہمدانی

یمن کے قبیلہ ہمدان کی ایک نمایاں فرد اور امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب میں تھے۔ ان کی روایتیں سنن اربعہ میں بھی درج کی گئی ہیں اور ان کو افقہ الناس، افرض الناس اور احسب الناس شمار کیا جاتا ہے۔ ایک شب امیر المومنینؑ کی ملاقات کے اشتیاق میں اچانک وارد ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ تم پریشان نہ ہو میں خود ہر جانے والے کے سرھانے وقت آخر حاضر ہوتا ہوں تا کہ دنیا سے مطمئن اور مسرور رخصت ہو۔

واضح رہے کہ جناب شیخ بہائیؒ انھیں حارث ہمدانی کی نسل سے تھے، اس لیے کبھی کبھی انھیں حارثی بھی لکھا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ امیر المومنینؑ کے دور سے امام صادقؑ کے دور تک ہمدانی (میم ساکن) قبیلہ ہمدان کی طرف اشارہ تھا۔ اس کے بعد سے ہَمَدان شہر کی طرف نسبت کا بھی احتمال پایا جاتا ہے۔ جسے ہمدان بن فلوح بن سام بن نوح نے آباد کیا تھا۔

۴۔ حُجر بن عدی الکندی الکوفی

امیر المومنینؑ کے اصحاب ابدال میں شمار ہوتے تھے اور روزانہ ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ صفین میں قبیلہ کندہ کے علمبردار تھے اور نہروان میں پورے لشکر امیر المومنینؑ کے سردار تھے، معاویہ کے ایک والی نے انھیں حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرنے کی دعوت دی۔ انھوں نے منبر پر جا کر خود معاویہ اور اس کے گورنر پر لعنت کی جس کے نتیجہ میں ۵۱ھ میں شہید کر دیے گئے اور ان کے ساتھ حسب ذیل حضرات بھی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے:

شریک بن شداد حضرمی، صیفی بن شبل الشیبانی، قبیصہ بن ضبیعہ العبسی، محرز بن شہاب المنقری، کدام بن حیان العنزی، عبدالرحمان بن حسان العنزی۔ ان تمام حضرات کی قبر مرج عذراء میں دمشق کے قریب ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے مرج عذرا میں بعض مقربین بارگاہ احدیت کی شہادت کی خبر دی تھی جس کی بنا پر عائشہ نے معاویہ سے شدید احتجاج کیا۔ لیکن اس احتجاج کا کیا اثر ہوا؟

۵۔ رُشَید ہجری

امیر المومنینؑ کے اصحاب خاص اور حاملانِ اسرار میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ میثم تمار اور حبیب بن مظاہر ایک دوسرے کو اس کی شہادت کی خبر دے رہے تھے تو لوگ حیرت زدہ تھے کہ رُشید آ گئے اور انھیں نے یہ اضافہ کر دیا کہ حبیب کا سر لانے والے کو زیادہ انعام دیا جائے گا تو لوگوں نے مزید حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن بال آخر تمام خبریں صحیح ثابت ہوئیں۔ ابن زیاد نے طلب کر کے حضرت علی ؑ سے برأت کی دعوت دی۔ فرمایا کہ یہ ناممکن ہے۔ مولاؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ ان کی محبت میں ہاتھ پاؤں اور زبان سب قطع ہوں گے اور سولی دی جائے گی۔ ابن زیاد نے ہاتھ پاؤں کاٹ کے زبان کاٹنے سے انکار کر دیا۔ رشید نے علوم علویہ کی اشاعت شروع کر دی تو مجبوراً زبان بھی قطع کر دی۔ صَدَقَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَؑ۔

۶۔ زید بن صوحان العبدی

ان کا شمار اصحاب و ابدال میں ہوتا تھا۔ جنگ جمل میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ عائشہ نے ماں ہونے کے رشتہ سے جنگ جمل میں شرکت کی دعوت دی۔ تو جواب میں لکھا کہ مجھے ایسی بات کا حکم دے رہی ہیں جو خلاف مرضی خدا ہے، اور خود اس بات کو ترک کر دیا ہے، جو عین مرضی خدا تھی، (قَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ)

مسجد زید کوفہ کی مشہور مساجد میں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے انھیں بشارت دی تھی کہ تمھارا ایک عضو تم سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ چنانچہ جنگ نہاوند میں ان کا ایک ہاتھ شہید ہوا۔

۷۔ سلیمان بن صُرَد الخزاعی

جاہلیت میں ان کا نام یسار تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے سلیمان کر دیا تھا۔ صفین میں امیر المومنینؑ کے ساتھ رہے۔ یزید کے حاکم بننے کے بعد اپنے گھر میں اجتماع کر کے امام حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی لیکن کربلا میں نصرت امام نہ کر سکے۔ جس کے نتیجہ میں ۶۵ھ میں توابین کی ایک جماعت لے کر انتقام کربلا کے لیے قیام کیا۔ اُدھر سے شام کا تیس ہزار کا لشکر روانہ ہوا۔ راستہ میں دونوں لشکروں میں شدید جنگ ہوئی اور سلیمان حصین بن نمیر کے تیر سے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً تمام ساتھی درجہ شہادت پر فائزہ ہو گئے۔

بدر و احد کے معرکوں میں بھی شریک ہوئے اور صفین میں امیر المومنینؑ کے ساتھ رہے۔ صفین سے واپسی پر کوفہ میں انتقال کیا۔ امیر المومنینؑ نے نماز جنازہ میں ۲۵ تکبیریں کہیں اور فرمایا کہ سہل کے لیے ۷۰ تکبیریں بھی روا ہیں۔

جنگ جمل کے لیے روانگی کے وقت امیر المومنینؑ نے انھیں مدینہ کا حاکم بنا دیا تھا۔

۹۔ صعصعہ بن صوحان العبدی

امام صادقؑ کا ارشاد ہے کہ اصحاب امیر المومنینؑ میں ان کے حق کی مکمل معرفت رکھنے والے صرف صعصعہ اور ان کے ساتھی تھے، رسول اکرم ﷺ کے زمانے کے مسلمان تھے، لیکن حضرت کی خدمت میں باریاب نہ ہوسکے تھے۔ معاویہ کوفہ وارد ہوا تو لوگوں نے اس سے امان طلب کی۔ صعصعہ گئے تو اس نے کہا کہ تمھارے لیے امان نہیں ہے جب تک منبر پر جا کر علیؑ پر لعنت نہ کرو۔ صعصعہ نے منبر پر جا کر معاویہ پر لعنت کردی جس کے نتیجہ میں کوفہ سے نکال باہر کردیے گئے۔

۱۰۔ ابوالاسود ظالم بن ظالم الدئلی

صاحبان علم و فضل میں تھے۔ امیر المومنینؑ نے انھیں علم نحو تعلیم کیا تھا اور قرآن مجید پر نقطہ و اعراب لگانے کی تعلیم دی تھی۔ معاویہ نے ان کے یہاں حلوہ بھیجا تو پانچ چھ برس کی بچی نے کھانا چاہا۔ فرمایا کہ یہ حلوہ محبت علیؑ سے دستبرداری کی اجرت کے طور پر بھیجا گیا ہے۔ بچی نے برجستہ کہا، خدا اُس کا بُرا کرے۔ حلوہ مزعفر کے ذریعہ سید مطہر سے جدا کرنا چاہتا ہے۔ خدا بھیجنے والے اور کھانے والے دونوں کو غارت کرے۔ ۶۹ھ میں ۸۵ سال کی عمر میں بصرہ کے طاعون میں انتقال کیا۔

۱۱۔ عبداللہ بن جعفر الطیار

سرزمین حبشہ پر پیدا ہونے والا پہلا مسلمان فرزند۔ جو ہجرت کے بعد اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ مرسلِ اعظمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حاضر رہے۔ جعفر طیار کی شہادت پر رسول اکرم ﷺ نے باقاعدہ گریہ و زاری کرتے ہوئے تعزیت پیش فرمائی اور جناب اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ ان بچوں کا میں والی و وارث ہوں۔

جناب عبداللہ بے حد کریم اور سخی انسان تھے۔ ان کی سخاوت ضرب المثل تھی۔ بعض لوگوں نے تنقید کی تو فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنے کرم کا عادی بنا دیا ہے اور میں نے فقیروں کو اپنی سخاوت کا عادی بنا دیا ہے۔ اب خطرہ یہ ہے کہ اگر میں ہاتھ روک لوں تو کہیں میرا پروردگار بھی اپنا ہاتھ نہ روک لے۔ ۸۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی اولاد کی تعداد ۲۰ یا ۲۴ تھی جن میں سے جناب عون و محمد بھی ہیں جو کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

۱۲۔ عدی بن حاتم الطائی

۱۰ھ میں اسلام لائے، اور ان کے اسلام کا سبب یہ تھا کہ ۹ھ میں لشکر اسلام نے جبل طے پر حملہ کیا، وہاں

کے بت خانہ کو تباہ کیا اور لوگوں کو قیدی بنالیا۔ عدی شام کی طرف فرار کر گئے، ان کی بہن اسیر ہوگئی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اکرم ﷺ سے فریاد کی کہ باپ مرگیا، بھائی فرار کرگیا، اب آپ کرم کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کوئی معتبر آدمی مل گیا تو تمھیں تمھارے بھائی کے پاس روانہ کردوں گا۔ چند روز کے بعد قبیلہ قضاء کی ایک جماعت آگئی۔ آپ نے حسب خواہش ان کے ساتھ شام روانہ کردیا، وہاں بن حاتم نے بھائی سے اخلاق نبویؐ کا ذکر کیا، عدی فوراً مدینہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ یہاں رسول اکرم ﷺ نے انتہائی احترام کا برتاؤ کیا اور اپنی مسند پر جگہ دی جس کے نتیجہ میں اسلام قبول کرلیا اور پھر حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جمل و صفین و نہروان میں شریکِ جہاد رہے۔ ۶۸ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا۔

ایک مرتبہ معاویہ کے پاس گئے تو اس نے طنز کیا کہ تمھارے فرزند کہاں ہیں؟ کہا کہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ صفین میں شریک ہوئے اور قتل ہوگئے۔ معاویہ نے کہا علیؑ نے انصاف نہیں کیا کہ تمھارے بیٹوں کو قتل کرادیا اور اپنی اولاد کو بچالیا۔ فرمایا معاویہ میں نے علیؑ کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ وہ شہید ہوگئے اور میں زندہ رہ گیا۔

۱۴۔ عمرو بن الحمق الخزاعی

بندہ صالح پروردگار اور حواریینِ امیر المومنینؑ میں شمار ہوتے تھے۔ تمام جنگوں میں حضرت کے ساتھ رہے۔ زیاد نے ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا تو موصل چلے گئے، وہاں ایک غار میں پناہ لی تو سانپ نے کاٹ لیا اور انتقال فرماگئے۔ زیادہ کے سپاہیوں نے لاش کو دیکھا تو سر کاٹ کر زیاد کے پاس لائے۔ اس نے معاویہ کے پاس بھیج دیا اور اس نے نیزہ پر چڑھا دیا جو اسلام کا پہلا سر تھا جو نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا جس کے بارے میں امام حسینؑ نے معاویہ کو سخت احتجاجی خط روانہ فرمایا۔

ایک مرتبہ عمرو نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پانی پیش کیا تو حضرت نے دعا دی جس کے نتیجے میں ۸۰ سال کی عمر تک ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔

۱۵۔ کمیل بن زیاد النخعی

امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب اور حاملانِ اسرار میں شمار ہوتے تھے۔ دعائے کمیل ان کی عظمت و جلالت کے لیے کافی ہے۔ حجاج ثقفی نے والی عراق ہونے کے بعد ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا تو روپوش ہوگئے۔ اس نے ان کی قوم کا وظیفہ بند کردیا۔ کمیل کو اطلاع ملی تو حجاج کے دربار میں پہنچ گئے کہ میں قوم کے رزق کے بند کرانے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ حجاج نے کہا کہ میں تو تمھیں سزا دینے کے لیے تلاش کر رہا تھا۔ فرمایا ضرور ضرور۔ میری زندگی میں اب صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں، اس کے بعد ہم تم دونوں مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ حجاج نے ان کے قتل کا حکم دیا دے اور ۸۳ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں شہید کردیے گئے۔ نجف و کوفہ کے درمیان آپ کا مزار مبارک

معروف ہے۔

۱۶۔ مالک بن الحارث الاشتر النخعی

امیر المومنینؑ کے مخصوص ترین اصحاب میں تھے اور اپنے دور کے سب سے بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ امیر المومنینؑ نے انھیں مصر کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو معاویہ نے راستہ کے ایک شخص کو ۲۰ سال خراج کی معافی کا وعدہ دے کر شہد میں زہر دلوادیا اور مقام عریش پر زہر دغا سے شہید ہو گئے۔ جنازہ مدینہ لا کر دفن کیا گیا۔ امیر المومنینؑ نے اس حادثہ پر انتہائی تاسف کا اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ مالک میرے لیے ویسے ہی تھے جیسے میں رسول اللہ کے لیے تھا۔

اس شجاعت کے باوجود تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بازار کوفہ میں ایک شخص نے کوڑا پھینک دیا تو خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔ کسی شخص نے دیکھ لیا اور اُس شخص کو تنبیہ کی کہ یہ مالک اشتر تھے، وہ معذرت کے لیے دوڑا۔ دیکھا مسجد میں مصروف نماز ہیں، نماز کے بعد قدموں پر گر پڑا۔ فرمایا کہ میں تو تیرے حق میں استغفار کر رہا تھا کہ تو نے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو جو عہد نامہ لکھ کر دیا تھا وہ آج تک دنیا کے ہر حاکم کے لیے بہترین نظام حکومت ہے جس پر عمل کیے بغیر عدل و انصاف کا قیام ناممکن ہے۔

۱۷۔ محمد بن ابی بکر بن ابی قحافہ

حجۃ الوداع کے سفر میں ان کی ولادت ہوئی تھی۔ والدہ گرامی اسماء بنت عمیس تھی، جو پہلے جناب جعفر طیار کی زوجہ تھیں اور ابو بکر کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے عقد کیا جس کی بنا پر محمد کی تربیت حضرت علی علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ محمد میرا فرزند ہے، اگرچہ ابو بکر کے صلب سے ہے۔ امیر المومنینؑ نے ۳۸ھ میں مصر کا حاکم بنایا تو معاویہ نے عمرو عاص، معاویہ بن خدیج، ابوالاعور سلمی جیسے افراد کو مصر روانہ کر دیا۔ ان لوگوں نے سازش کر کے محمد کو گرفتار کر لیا اور شہید کر کے جسم کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا۔ جس کے غم میں حضرت عائشہ نے تاحیات بُھنا گوشت نہیں کھایا اور برابر معاویہ، عمرو عاص اور ابن خدیج پر لعنت کرتی رہیں۔

معاویہ نے ان کی شہادت پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور امیر المومنینؑ نے انتہائی غم کا مظاہرہ فرمایا۔

محمد کے مادری بھائیوں میں عبداللہ اور محمد و عون بن جعفر ہیں، اور پدری بہن حضرت عائشہ تھیں، اور محمد کے فرزند قاسم مدینہ کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے جو امام جعفر صادقؑ کے مادری جد شمار ہوتے تھے۔

۱۸۔ میثم بن یحییٰ تمار

امیر المومنینؑ کے صاحب اسرار تھے اور اس قدر علم قرآن کے مالک تھے کہ ابن عباس کو درس قرآن دیا

کرتے تھے اور وہ ان کے بیانات کو ضبط کیا کرتے تھے۔ ایک دن کشتی سے سفر کر رہے تھے، تیز آندھی چلی تو فرمایا کہ معاویہ دنیا سے رخصت ہو گیا ہے اور بعد میں اس بیان کی تصدیق ہوگئی۔ امیر المومنینؑ کے زرخرید غلام تھے۔ حضرت نے خریدنے کے بعد نام پوچھا تو کہا کہ سالم۔ فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے تمھارا اصلی نام میثم بتایا ہے لہٰذا نام وہی ہوگا اور کنیت ابو سالم ہوگی۔ حضرتؑ کی خبر کے مطابق ابن زیاد نے آپ کو سولی دے دی۔ اور امام حسینؑ کے وارد عراق ہونے سے ۱۱ روز قبل ۲۲؍ ذی الحجہ کو درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

۱۹۔ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص المرقال

تیز حملوں کی بنا پر مرقال لقب ہو گیا تھا۔ روز فتح مکہ مسلمان ہوئے اور صفین میں امیر المومنینؑ کے ہمرکاب رہے۔ صفین ہی میں شہید ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے فرزند عتبہ بن ہاشم بھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

صدق وصفا!

قابلِ حمد وستائش، فقط وہ ذات واجب الوجود ہے جو خالقِ کائنات ہے!
نیز علی واعلیٰ، عظیم بزرگ وبرتر— اور— غفور الرحیم وارحم الراحمین ہے— جو— ارض وسما کا مختار ہے۔
جس نے کائنات کو خلق فرمایا اور انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا فرما کر انسانوں پر عظیم احسان فرمایا۔
درود وسلام ہو!
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، جو نبی رحمت ہیں تمام عالمین کے لیے— اور— جو نذیر وبشیر، نورِ منیر، شفیع المذنبین ہیں—!
سدرۃ المنتہیٰ کا شہباز ان کے لیے رحمۃ للعالمین کا خطاب لے کر حاضر ہوا— اور وہ— جسے مالک کائنات نے "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ" کہہ کر مخاطب فرمایا۔
جو— "فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ" کے رازداں ہیں۔
جو— پیشواؤں کے پیشوا— تاجدار انبیاء— راہبروں کے رہبر— کفر وضلالت کی تاریکیوں میں شمع ہدایت اور راہنما ہیں، انھیں کے رخ روشن سے دین خدا، دین حق کی روشنی چہار دانگِ عالم میں پھیلی— اور— انہی کے نورانی وجود اقدس کے التفات سے ہماری راتیں مثل روز ہائے روشن درخشاں ہوئیں۔
جو شرافت و بزرگی کی اصل سے منتخب کیے گئے ہیں۔ اور عیوبِ ظاہری و باطنی سے پاک و پاکیزہ ہیں— اور— مقدم ترین شرف و بزرگیوں کا خلاصہ ہیں۔
عالمین میں ازل سے ابد تک جو کچھ بھی ہے وہ سب مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی نام کی آرائش کے لیے خلق ہوا ہے۔ اور آپؐ ہی وہ علم وحکمت کے روشن چراغ ہیں جس سے عقل میں روشنی ضوفشاں ہوئی۔ اور آپؐ ہی کی بدولت تمام مخلوق کو فروغ ہے۔
درود وسلام ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت اطہار علیہم السلام پر!
جو محل مشیتِ پروردگار ہیں!

جو کفر و ضلالت کی مہیب تاریکیوں میں مصابیح ہدایت ہیں تا کہ بندگانِ خدائے تعالیٰ، جہل و گمراہی کے اندھیرے میں ضلالت و کج روی کا راستہ اختیار نہ کریں۔

اور محافظ امتِ اسلامیہ ہیں۔ تا کہ امتِ محمدؐ ان کی نورانی و روحانی ہدایت و سیرت طیبہ سے ہر زمانہ وعہد میں مستفید ہوتی رہے اور ہلاکت و ضلالتِ اُخروی میں مبتلا نہ ہو اور دینِ خدا، اسلام کی روشن نشانیاں اور بلند علامتیں ہیں — تا کہ — متلاشیانِ حق ان کی نور ہدایت سے راہ مستقیم پر گامزن ہو جائیں — یہ خاصانِ خدا فضل و بزرگی کے بہت وزنی معیار ہیں۔

رسولؐ اللہ کے اہلبیت معصومین علیہم السّلام کی مودّت خدائے بزرگ کی نظر میں ایسی نیکی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور شکریہ بھی ادا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں یہ ارشاد فرما کر کہ:

''قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى''

(سورۂ الشوریٰ ۴۲، آیت ۲۳)

ان کی محبت و مودّت امتِ مسلمہ پر فرض کر دی ہے — اور اس کے برخلاف ان سے دشمنی رکھنا سبب ہلاکت اُخروی اور غضب الٰہی کا باعث ہے۔

انہی حضرات معصومین علیہم السّلام کی ذواتِ قدسی صفات کے ذریعہ فضائل کا وزن معلوم ہوتا ہے۔ ان سب خاصان خدا حضرات پر خدائے تعالیٰ کی صلوٰت اور برکتیں نازل ہوں۔ **اللّٰھم صل علیٰ محمد ﷺ و آل محمد ﷺ**۔

ایسی صلوٰت جو ان کی قدر و منزلت کے ہم پلہ اور ان کی زحمتوں کا مساوی عوض ہوں۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا و بخشش اس سے سواتر ہو، اور ان کی پاک و پاکیزہ فروع، اصل کے شایان شان ہو۔

جب تک طلوع ہونے والی صبح روشن ہوتی رہے اور بلند ہونے والے ستارے بلند ہوکر ڈوبتے رہیں اور آفتاب ضیاء بار رہے۔

— اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ —

اَمَّا بَعْدُ!

شکر ہے مالک کائنات کا جس نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور رسولؐ اللہ کے اہلبیت اطہار علیہم السّلام کے طفیل میں ہم جیسے حقیر و فقیر اور ناچیز گناہگار و خاک سے پست بندہ کو دامن رسولؐ اور آلؑ رسولؐ میں ہدیۂ ناچیز

پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، اور کم علم و طفلِ مکتب کو اتنی ہمت و توفیق عطا فرمائی، ذہن کو جولانی و قلم کو روانی عطا فرمائی۔ در علم کے فیض کے طفیل اس قابل کر دیا کہ فضائل آلِ رسولؐ کے بحرِ بیکراں سے اپنے قلم کو سیراب کیا اور ملتِ مسلمہ کے سامنے دینی مطبوعات کی قابلِ قدر تعداد کو پیش کرنے کی عزت حاصل کی اور اس سلسلے سے نہ تو کتابوں کی تجارت پیش نظر ہے اور نہ ہی ستائش و صلہ کی تمنا ہے۔

تاریخ اسلامی کی یہ انتہائی ناخوشگوار حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے بے جا غلط فہمیوں اور ناروا قیاس آرائیوں کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے کے خلاف ہر قسم کے طعن و تشنیع کا بازار گرم کیا۔ اور صرف طعن و تشنیع کا بازار گرم کرنے ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ کفر و فسق کے فتوے بھی لگائے۔ اور آپس میں دست و گریبان ہو کر ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بھی بجھاتے رہے۔

اور ایسا نہیں ہے کہ ان ناگفتہ بہ حالات کا آغاز پیغمبرؐ اسلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے عرصۂ دراز کے بعد، یا پیغمبرؐ کی ہم نشینی کا شرف حاصل کرنے والوں کے دنیا سے گذر جانے کے بعد ہوا ہو۔

افسوس ناک ترین پہلو تو یہی ہے کہ آنحضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی، اور آپ کے کفن و دفن سے پہلے ہی ایسی نامناسب حرکتوں کا آغاز کر دیا گیا۔ جنہوں نے اُمتِ مسلمہ کے درمیان ایک ایسی وسیع و عریض خلیج قائم کر دی، جو اب صبح قیامت تک پُر ہونے والی نظر نہیں آتی۔

اور فتنہ و فساد کی جو بنیاد اُس وقت رکھ دی گئی ہے۔ اُس کی آب یاری بعد میں آنے والے فتنہ پروروں اور ہوس پرستوں نے جی کھول کر کی، جس کے نتیجے میں باطل کے پرستاروں کو خوب پھولنے پھلنے کا موقع ملا لیکن حق کے علمبرداروں اور شمع حقیقت کے پروانوں پر عرصۂ حیات روز بہ روز تنگ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اہل حق کی محبت و الفت، اور اُن سے عقیدت و وابستگی بدترین جُرم قرار پائی۔ اور باطل سے الفت و شیفتگی موجب انعام و اکرام بنی، جس کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ زبان و قلم نیلام ہونے لگے، اور فتنہ پروروں کی دلی مرادیں پوری ہونے لگیں۔

ورنہ کیا لوگ اس بات سے بے خبر تھے کہ: حضرت ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ رسالت کے وقت سے آپؐ کی آنکھ بند ہونے تک آپ کے قدم بہ قدم چلنے والا، اور سایے کی طرح ساتھ رہنے والا کون ہے، اور آغاز بعثت سے لے کر فتح مکہ تک پیغمبرؐ اسلام سے مسلسل برسر پیکار کون رہا ہے؟

لیکن حالات کی نیرنگی دیکھئے کہ رحلتِ پیغمبرؐ کے صرف تیس برس بعد، رسولِ مقبولؐ سے زندگی بھر برسر پیکار رہنے والا، رسولؐ کے منبر پر قابض اور اُن کے منصب کا وارث بنا بیٹھا تھا، اور جس نے آغاز وحی سے لے کر رسولؐ کو آغوش لحد میں اتارنے تک، ہر لحہ جان کی بازی لگا کر رسولؐ، اسلام، اور اہل اسلام کی جان بچائی تھی، اُس کا نام لینا بھی

جرم بن گیا۔

اور اسی کا تھری نتیجہ تھا کہ وہ ابوسفیان جس نے پیغمبرؐ اسلام کو مکہ یا مدینہ کسی جگہ بھی پل بھر کے لیے چین سے نہ بیٹھنے دیا، وہ تو اسلام کے انعام واکرام سے نوازا جانے لگا۔ اور وہ مومن قریش (ابو طالبؑ) جنہوں نے رسول اسلام کی ساری زندگی کفالت بھی کی، اور آپؐ کے اعلان بعثت سے اپنی وفات تک آنحضرتؐ کی حفاظت، اور ان کے مشن کی تائید ونشر واشاعت میں اپنی جان کی بازی لگا کر پیغمبر اکرمؐ اور اُن کے نام لیواؤں کو بچایا، اور پیغام الٰہی کو آگے بڑھایا، اُن کی طرف کفر وشرک کی تیر بارانی کی جانے لگی۔

جب کہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ابوسفیان میں دین و ایمان کے لحاظ سے کوئی خوبی تلاش نہیں کی جاسکتی۔ سوا اس کے کہ وہ ایک ایسے شخص کا باپ تھا جس نے فتنہ وفساد کا بازار گرم کر کے اور قتل و غارت گری مچا کر کسی طرح حکومت پر قبضہ کرلیا!

اور حضرت ابو طالبؑ میں دین و ایمان کے اعتبار سے کوئی کمی تصور نہیں کی جاسکتی، سوائے اس کے کہ وہ ایک ایسے برحق جانشین رسولؐ کے والد ماجد تھے۔ جن کو ان کے منصب سے ہٹانے۔ اُن کے عالیشان مرتبے سے گرانے، اُن کے فضائل و کمالات کو گھٹانے اور اُن کی طرف نقائص کو منسوب کرنے کے لئے ہر قسم کی حکومتی، اور سازشی طاقتیں برسہا برس تک پوری طرح سرگرم عمل رہیں!!

اسی لیے بعض انصاف پسند مسلم وغیر مسلم مورخین نے اس بات کا بجاطور پر اعتراف کیا ہے۔ کہ "یہ صرف اموی اقتدار کا کرشمہ تھا کہ ابوسفیان کو اسلامی ہیرو بنانے، اور حضرت ابو طالبؑ کی طرف کُفر کی نسبت دینے کی بھرپور کوشش کی گئی.

ملاحظہ ہو قاضی احمد بن محمد بن یوسف کی کتاب:

(الحروب الداخلیۃ فی الاسلام)

جلد ۲ص ۹۵ مطبوعہ مصر اور حافظ ابو حامد اسماعیل بن یعقوب الطریکی کی کتاب: الاسلام والمسلمون جلد ۲ص ۴۲۵ (مطبوعہ مصر) نیز

(JOHN PALL)HISTORY OF ISLAM VOL-4, PAGE 572

OMYEDS AND ABBASI CALIPHS (SIR DEVID " "RENALT) VOL-2 PAGE-317

اس مقام پر ضروری ہوجاتا ہے کہ جب ہم مولائے کائنات، امیر المومنین مولائے متقین کے ان مخلص باوفا

مجاہدین پر بساط بھر ذکر رہے ہیں تو کیوں نہ ان سے قبل شیخ بطحا سیّد قریش حضرت ابو طالب علیہ السلام جن کا نسب شریف اس تسلسل کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ اس مومن قریش کا ذکر جمیل کریں۔ خواہ مختصر ہی سہی۔ آپ کا شجرہ نسب پیش خدمت کررہے ہیں آپ کا نسب شریف اس تسلسل کے ساتھ حضرت آدمؑ تک پہنچتا ہے:۔

ابو طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن عاد بن اود بن ناحور بن یعور بن یصرب بن یشجب بن نابت بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ بن تارخ بن ساروغ بن ارغواء بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ بن لمک بن متوشلخ بن خنوخ بن برد بن مہلائیل بن یلعوف بن انوش بن شیثؑ بن آدمؑ۔''

(مواہب الواہب)

آپ کے اسم گرامی کے بارے میں علماء میں ایک قدرے اختلاف ہے۔ صاحب عمدۃ الطالب احمد بن علی کا قول ہے کہ آپ کا اسم شریف عبد مناف تھا، ابوبکر طرسوی کی رائے ہے کہ اسم مبارک عمران تھا اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خود ابو طالبؑ ہی نام تھا۔

بعض علماء نے عبد مناف کو ترجیح دی ہے اس لیے کہ حضرت عبدالمطلبؑ نے اپنی وصیت میں اسی نام سے یاد کیا ہے۔ اور ابو طالبؑ کو کنیت قرار دیا ہے۔ رہ گیا عمران، تو اس کے بارے میں روایت کف ضعیف قرار دیا گیا ہے (مواہب الواہب)

توارث صفات! ''پدرم سلطان بود'' اگرچہ انسان کو سلطان نہیں بنا سکتا لیکن یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ سلاطین کی اولاد کی ذہنیت عام ذہنیتوں سے مختلف ضرور ہوتی ہے۔ اب یہ اختلاف جائز حدود میں ہو یا ناجائز اس کے عوامل ومحرکات اچھے ہوں یا برے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انسان اپنے موروثی صفات کا ایک آئینہ ضرور ہوتا ہے۔

ہم اس قانون توارث کے تفصیلات کا تذکرہ اپنے موضوع سے خارج سمجھتے ہیں اس لیے اسے علماء نفس کے حوالے کیے دیتے ہیں۔ البتہ اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس قانون کا کسی حد تک تسلیم کرنا انتہائی ضروری اور وجدانی شے ہے۔

انسان جن صفات کا حامل ہوتا ہے بچہ میں ان کے آثار کا پایا جانا ایک فطری شے ہے ایک بخیل کے بچہ میں بخل اور ایک کریم کے بچہ میں کرم کا ہونا ضروری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ حالات زمانہ اور اختلاف معاشرہ کی بنا پر ان صفات کا مظاہرہ اپنی آبائی شکلوں میں نہ ہوسکے۔

بچہ ساؤ اولیہ کے اعتبار سے ماں باپ کے اوصاف لے کر دنیا میں آتا ہے۔ پھر معاشرہ اس پر اثر انداز ہوتا ہے، وہ اپنے داخلی کیفیات کی بنا پر سماج کا مقابلہ کرتا ہے اور نتیجہ امر میں یہ تصادم و تعارض ایک جدید شکل کی طرف منتہی ہو جاتا ہے۔ کہ جس کا حقیقی سرچشمہ وہی موروثی صفات ہوتے ہیں کہ جن کو لے کر دنیا میں آیا تھا۔

اگر ایک بچہ کسی بخیل لئیم انسان کے گھر پیدا ہو اور اس کی تربیت ایک ایسے عالما در فیاض گھرانہ میں ہو جائے کہ جس کا شعار دولت کا لٹانا اور اموال کا تقسیم کرنا ہو تو یہ خارجی اثرات سے متاثر ہونے کے بعد اموال کی تقسیم میں بخل سے کام نہ لے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بخل اس کی سرشت سے نکل گیا۔ نہیں نہیں۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا اظہار دولتِ علم کی تقسیم میں ظاہر ہو یا ثروتِ اخلاق کی توزیع میں۔

یہی تو راز تھا کہ دینِ اسلام نے انسان کی تربیت کا انتظام اس کے شعوری دور سے نہیں کیا، اس لیے کہ اس وقت تو وراثت اپنا اثر دکھا چکتی ہے بلکہ اس کا مکمل اہتمام اس کے وجود میں آنے کے پہلے ہی سے شروع کر دیا۔ ادھر کسی انسان نے تولیدِ نسل کا قصد کیا۔ ادھر اسلام نے اپنے احکام نافذ کر دیے۔ اچھی با اخلاق عورت کا انتخاب کرو مال و جمال پر نظریں مت جماؤ۔ دودھ پلانے پر خاص توجہ دو۔ ناجائز و ناروا خیالات کی حامل عورت سے بچہ کو محفوظ رکھو۔ اچھی آغوش میں تربیت کا انتظام کرو وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب کیا ہے؟ یہی نا کہ تربیت عالمِ وجود میں قدم رکھنے کے پہلے سے ہو تا کہ موروثی صفات اپنا غلط رنگ نہ جما سکیں۔ بنیادی اثرات غلط طریقہ پر متاثر نہ بنا سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ مصلح و مربی کی ساری تدبیریں صرف ان بنیادی جراثیم کی بنا پر بے کار و بے سود ہو جائیں کہ جو پہلے سے طینت میں اپنا گھر بنا چکے ہوں۔

توارث صفات کے اس اہم نظریہ پر ایک عبوری نظر ڈالنے کے بعد ہمارا فریضہ ہو جاتا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں حضرت ابو طالب کے موقف کو واضح کر کے یہ بتائیں کہ اس نجیب الطرفین فرزند کو اپنے والدین سے کیا کیا ملا؟

حضرت عبدالمطلب! عالمِ عربیت کا رئیسِ مطلق اور ابو طالبؑ کا مربیِّ اوّل۔

کیا کہنا اس انسان کامل کا کہ جسے تاریخ آج تک مُفلسوں کی پناہ گاہ اور غریبوں کا ملجا و ماویٰ قرار دے رہی ہے جس نے حاجیوں کو سیراب کر کے فیاض اور اڑتے ہوئے پرندوں کو غذا دے کر مطعم الطیر کا لقب لے لیا۔

اس وقت ہمیں آپ کی مکمل تاریخ پیش کرنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ صرف ان خطوط کی نشاندہی کرنا ہے کہ جو آپ کی زندگی میں بڑی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اور وہ ہے آپ کا ایمان و اخلاص اور آپ کا جود و کرم۔

جود و کرم کا یہ عالم تھا کہ کبھی تڑپتے ہوئے دل اور سنولائے ہوئے چہرے دیکھے نہیں جاتے تھے۔ ادھر دھوپ کے مارے ہوئے قافلے اور میدان کی تپش سے جھلسے ہوئے چہرے سامنے آئے اور ادھر سیرابی کا انتظام شروع ہو گیا۔

کوئی مسافر پیاسا نہ رہ جائے کسی غربت زدہ کو احساسِ غربت نہ ہونے پائے کوئی دور افتادہ کو لاوارث تصور نہ کرے۔

یہ سب کیوں؟ صرف اس لیے کہ آنے والے اللہ کے مہمان اور خانہ خدا کے طواف کرنے والے ہیں۔

بھلا کوئی پوچھے کہ ان آنے والوں سے آپ کا کیا تعلق ہے؟ یہ سارے انتظامات آپ کیوں کر رہے ہیں؟ مکہ والے اپنے شہر کی آبرو کا خیال کیوں نہیں کرتے؟ عالمِ عربیت کی حمیت وغیرت کو کیا ہو گیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ اہتمام و انتظام یہ خاطر داری اور ضیافت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس انسان کے دل میں عشقِ الٰہی کے گہرے جذبات اور جود و کرم کے عمیق رجحانات ہیں۔ یہ نہ تو یہ چاہتا ہے کہ ریگزارِ حجاز کے تپش زدہ پیاسے رہیں۔ اور نہ یہ چاہتا ہے کہ خدائی مہمان پر کوئی حرف آنے پائے۔ اسے نہ یہ گوارا ہے کہ اپنے موروثی جذبات گھٹ کر مر جائیں اور نہ یہ برداشت ہے کہ دھوپ اور پیاس کی شدت سے گھبرا کر لوگ طوافِ کعبہ چھوڑ دیں۔

اب دنیا مجھے بتائے کہ جود و کرم، احساس و شعور کے یہ گہرے رجحانات حضرت ابو طالبؑ کی زندگی میں کس طرح ظاہر ہوئے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاریخ کے اوراق ہمارے سامنے ہیں۔ قلتِ مال اور کثرتِ عیال نے پریشان کر رکھا ہے لیکن وراثتی صفات اس بات پر مجبور کر رہے ہیں کہ اللہ کے مہمان بھوکے پیاسے نہ رہ جائیں۔ لوگ گھبرا کر خانہ کعبہ کو ترک نہ کر دیں۔ اپنا گھر اُجڑتا ہے تو اُجڑ جائے لیکن اللہ کا گھر آباد رہے۔ اپنے سر پر بار بڑھتا ہے تو بڑھ جائے لیکن اللہ کی مہمانداری پر بات نہ آنے پائے۔

اللہ؟ کیا ان تصورات و جذبات کا انسان بھی کافر ہو سکتا ہے؟

ایمان وعقیدہ! آپ کے ایمانِ کامل کا ثبوت آپ کا وہ مباہلہ ہے کہ جو آپ نے ابرہہ سے کیا تھا، اس وقت کیا تھا کہ جب وہ خانہ خدا کو منہدم کرنے کے لیے اپنا عظیم الشان لشکر لے کر مکہ آیا تھا۔ یوں تو دنیا میں اسلام کے ٹھیکیدار بہت ہیں، جسے دیکھیے وہ ذمہ دارِ شریعت، جس پر نظر ڈالیے وہ وارثِ قرآن، لیکن انصاف سے بتایئے کہ اگر آج اسلام پر کوئی وقت پڑ جائے تو کیا کوئی ایسا مسلمان ہے کہ جو حضرت عبدالمطلب کا جیسا مطمئن قلب اور پُرسکون نفس رکھتا ہو؟ یہاں تو مسلمانوں کا یہ عالم ہے کہ بات بات پر چیلنج کر دیتے ہیں۔ اور جب بات پوری نہیں ہوتی تو مصلحت پر ٹال دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں اسلام کی آبروریزی اور شریعت کی بے عزتی ہوتی ہے۔ لیکن کیا کہنا حضرت عبدالمطلب کی دوررس نگاہوں کا کہ آپ نے ابرہہ سے اس وقت تک کوئی بات نہیں کی، جب تک کہ مشیتِ الٰہی، کا اندازہ نہیں کر لیا۔ یہی تو وجہ تھی کہ ادھر زبان پر کلمات آئے اُدھر ابابیل کی فوجیں روانہ ہو گئیں۔

یاد رکھیے، مباہلہ ایک ایسا کام ہے کہ جس کا اختیار سوائے ان اولیاء خدا کے کسی اور کو نہیں ہے کہ جن کو اپنی طلب پر اعتمادِ کامل اور اللہ کی مشیت پر اطلاعِ تام حاصل ہو۔ ایسا نہ ہو کہ انسان اپنی خواہش سے کوئی بات کہہ دے اور

اس کے نہ ہونے کی صورت میں اسلام بدنام ہوجائے۔ اس لیے اللہ نے ہر ایک کے دعویٰ کی تصدیق کرنے کی کوئی ضمانت نہیں لی ہے۔

حضرت عبدالمطلب کا یہ وہ طرزِ عمل تھا کہ جس نے آپ کی وصایت کو مکمل طریقہ سے واضح کردیا۔ آپ انتہائی اطمینانِ قلب کے ساتھ ابرہ کو چیلنج دیتے ہیں اور پھر جو کچھ فرماتے ہیں وہ چند لمحات میں نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے، تاکہ دنیا دیکھ لے کہ دعا میں کتنی تاثیر ہوتی ہے۔ اور ایمان کی لاج کس طرح رکھی جاتی ہے۔

ہمارے سابق بیان کو دیکھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا تھا کہ اگر حضرت عبدالمطلب کی فیاضی کو یہ گوارا نہ تھا کہ خانہ کعبہ کی مرجعیت کو کوئی فرق آئے تو پھر ابرہ کے مقابلہ میں خانہ خدا کی طرف سے دفاع کیوں نہیں کیا؟

لیکن اس کا واضح جواب یہ ہے کہ اولاً تو مادی اعتبار سے حضرت عبدالمطلب کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ اس بے پناہ لشکرؓ کا مقابلہ کرتے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس مقابلہؓ سے بات ابرہ اور عبدالمطلبؓ کی ہوکر رہ جاتی اور آپ کا منشاء یہ تھا کہ ابرہ کے سامنے الٰہی طاقتوں کا مظاہرہ ہوجائے تاکہ اسے یہ احساس ہوجائے کہ اللہ اُسے اپنا گھر نہیں بنانا چاہتا کہ جسے بندے اس کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد ابابیل جیسے مختصر پرندے کو ہاتھی جیسے گرانڈیل جانور کے مقابلہ میں بھیج کر خالقِ کائنات نے سن و سال کے امتیاز کو اس طرح ختم کیا ہے کہ جس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے اس اطمینانِ نفس اور سکونِ قلب سے کیا پایا ہے؟

اس سوال کا جواب تو اسی وقت ظاہر ہوگیا تھا کہ جب رسول اکرمؐ نے آپ کو اس بات کی اطلاع دی تھی کہ قریش نے ہمارے بائیکاٹ کے لیے جو دستاویز لکھی تھی اسے دیمک چر گئی ہے اور حضرت ابوطالبؓ نے انتہائی سکونِ قلب کے ساتھ قریش کو چیلنج کردیا تھا کہ اس دستاویز پر ایک نظر کرلو۔ اگر محمدؐ کا قول صحیح ہے تو ایمان لاؤ۔ ورنہ ہم محمدؐ کو تمہارے حوالے کردیں گے۔

کیا اس سے زیادہ اطمینانِ نفس کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ انسان آج اس کو دشمن کے حوالے کرنے پر آمادہ ہے کہ جس کو مدتوں اپنی آغوش میں پالا ہے، جس کی خاطر اپنی دنیاوی ریاست و زعامت کھوئی ہے، جس کی وجہ سے شعب کی تلخ کام زندگی گزارنا پڑی ہے اور جس کے تحفظ کے لیے اپنی اولاد کی قربانی تک پیش کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔

(۵)

فاطمہ بنت عمرو بن عایذ بن عبد بن عمران بن مخزوم!

مومن کامل حضرت عبد المطلب کی زوجہ اور حضرت ابو طالبؑ کی والدۂ گرامی۔

مناظرانہ تعصب سے الگ ہو کر دیکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ آباؤ اجداد نبیؐ کو تمام اخلاقی اور مذہبی نقائص سے بری ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ ماں باپ کی برائی سے اولاد کی بدنامی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے آباؤ اجداد رسولؐ اکرم کے ایمان کا فیصلہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ انھیں مسلمان تسلیم کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ماں باپ کی بدنامی سے اولاد بدنام ہو جایا کرتی ہے۔

حقیقت امر بھی یہی ہے کہ اگر کسی پست طبقہ کے انسان کے یہاں کوئی باشرف انسان پیدا ہو جائے تو اقدار و مفاہیم سے نابلد عوام اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ان کا حساب خاندانی عظمتوں سے ہوتا ہے۔ وہ اضافی کمالات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ذات کا مقصد یہ ہے کہ تمام عالم کو ایک شخص کے سامنے جھکا دے تو اس کا فریضہ یہ ہے کہ اسے ایسے باشرف گھرانے میں پیدا کرے کہ جس کی شرافت اس انسان کی عظمت کے لیے سازگار ہو۔

بھلا کون ایسا ہوگا کہ جو عطر شامۃ العنبر کو مٹی کے کوزے میں بھر دے گا۔ کس کی عقل گوارا کرے گی کہ صاف وشفاف چشموں کا پانی گندی نالیوں سے بہائے؟ اور جب عام دنیاوی انتظامات کے اصول اتنے دقیق ہیں تو نورِ نبوت کے لیے جس ظرف کا انتخاب کیا جائے گا کیا وہ کفر و شرک کی نجاست سے ملوّث و آلودہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

یہی وجہ تو ہے کہ قرآنِ کریم نے رسولِ اکرمؐ سے خطاب کر کے اعلان کر دیا۔ **تقلبك في الساجدين۔**" جس کی تفسیر امام رازی نے ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ اس سے مراد اصلاب طاہرہ اور ارحام طیبہ میں منتقل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ جناب ابراہیمؑ کی معروف دعا یہ تھی۔ "**واجنبني وبني ان نعبد الاصنام**" "خدایا مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا۔" اب وہ کون سا مسلمان ہے جو حضور اکرمؐ کو نسلِ ابراہیمؑ سے خارج کر دے یا اولادِ ابراہیمؑ میں ان کا شمار نہ کرے؟

خود رسولِ اکرمؐ کی متفق علیہ حدیث ہے۔ "**لم یزل ینقلنی الله من اصلاب الطاهرین الی ارحام المطهرات حتی اخرجني فی عالمکم هذا لم یدنسني بدنس الجاهلیة**" اللہ نے ہمیشہ ہمیں پاک صُلب سے پاک رحم کی طرف منتقل کیا ہے۔ ہم اس دنیا میں آنے تک کسی وقت بھی جاہلیت کی گندگیوں سے آلودہ نہیں ہوئے۔ اس حدیث شریف میں طاہر و مطہر کے الفاظ خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ اس لیے کہ ان کا مفہوم پورے طور پر اس وقت

ظاہر ہوتا ہے کہ جب ہم انھیں "انما المشرکون نجس" کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات میں کفروشرک کا احتمال بھی نہ تھا۔

روضۃ الواعظین میں جابر بن عبداللہ انصاری کے واسطے سے یہ روایت قول کی گئی ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنی اور حضرت علیؑ کی تخلیق کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں "**ثم نقلنا من صلبه (آدم) فی الاصلاب الطاهرات الی الارحام الطیبه فلم نزل کذالك حتی اطلعنی الله تبارك وتعالی من ظهر طاهر وهو عبدالله ابن عبدالمطلب فاستودعنی خیر رحم وهی آمنه**"

"اللہ نے ہمیں حضرت آدمؑ کے بعد بھی برابر ارحامِ طیبہ اور اصلابِ طاہرہ کے ذریعہ منتقل کیا ہے، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ کے پاک صلب اور حضرت آمنہ کے مقدس رحم سے ہمیں اس دنیا میں ظاہر فرمایا ہے۔"

آیات و روایات کی روشنی میں جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ انوار طیبہ کے لیے ارحام طیبہ کی ضرورت ہے تو اب حضرت فاطمہ مخزومیہ کے ایمان و اجلال کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ اس لیے کہ یہ مخدرہ حضرت عبداللہ کی مادرِ گرامی ہیں اور حضرت عبداللہ وہ ہیں کہ جن کے صلب میں نورِ اقدسِ نبوی ودیعت کیا گیا تھا۔

اگرچہ مناظرانہ پہلو سے قطع نظر کرنے کے بعد ہم خود حضرت ابو طالبؑ کی وارثیت سے استدلال کر سکتے تھے، اس لیے کہ حضرت ابو طالبؑ حضرت علیؑ کے والدِ گرامی ہیں، اور حضرت علیؑ وہ ہیں کہ جن کا نورِ اقدس ہمیشہ پاک اصلاب وطیب ارحام میں رہا ہے لیکن تعصب آمیز نگاہوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے جناب عبداللہ کو واسطہ قرار دے کر حضرت فاطمہؑ کی عظمت وجلالت کا اظہار کیا ہے۔

اب اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوگا کہ ایسی مقدس اور باعظمت ماں سے حضرت ابوطالب کو وراثت میں کیا ملے گا؟ اس کا فیصلہ تو بابصیرت علماء نفس کر سکتے ہیں؟ یا علم النفس سے قطع نظر کر لینے کے بعد ہر انسان کا وجدان وضمیر!

(۶)

فاطمہ بنت اسد! حضرت ابوطالبؑ کی زوجہ محترمہ حضرت علیؑ کی والدہ گرامی

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ابھی تک مسلمانوں میں کوئی ایسا فرقہ پیدا نہیں ہوا ہے کہ جو آپ کے ایمان کو بھی شک و انکار کی نظر سے دیکھتا ہو۔ بلکہ آپ کی جلالتِ قدر کا یہ رعب ہے کہ اہل تاریخ و سیر آپ کا شمار سابق الاسلام مخدرات میں کرتے ہیں اور آپ کے اسلام کو دیگر خواتین پر مقدم قرار دیتے ہیں (ابوالفرج، فصول مہمہ ابن صباغ)۔

لیکن اس کے باوجود آپ زندگی بھر حضرت ابوطالبؑ کی زوجیت میں باقی رہیں اور ان کے ساتھ بہترین سلوک کرتی رہیں۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اس مقام پر آپ کے ایمان وعقیدہ اور آپ کی عظمت وجلالت کے بعض شواہد بھی ذکر کردوں۔ یہ اور بات ہے کہ آپ کا ایمان ایک مسلّم حیثیت رکھتا ہے۔

جس وقت جناب امیرؑ کی ولادت کا وقت قریب آیا اور آپ نے اپنی زحمت کا احساس کیا تو خانۂ خدا کے قریب تشریف لائیں شکمِ اقدس کو جدارِ کعبہ سے مس کیا اور دعا کے لیے ہاتھ بلند کردیے۔ ''اللھم انی مومنة بك'' ''خدایا میں تجھ پر ایمان لاچکی ہوں۔'' خدایا تجھے اس مولود کا واسطہ کہ جو میرے شکم میں ہے، میری مشکل آسان کردے! کیا کہنا اس ایمانِ کامل اور اس رتبہ شناسی کا کہ بچہ بطن میں ہے اور اس کا واسطہ دے رہی ہیں اور پھر اللہ پر ایمان کا صریح لفظوں میں اعلان ہو رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کفر وشرک کا کوئی احتمال کیا جاسکتا ہے؟

علاوہ اس کے کہ آپ کے رحمِ مطہر میں اس علیؑ کا نور رہ چکا ہے کہ جس کو رسالت مآبؐ نے اپنے نور کا شریک قرار دے کر اصلابِ طاہرہ اور ارحامِ طیبہ سے اپنا سفرِ تکوین بیان فرمایا ہے۔ کیا رحمِ طیب میں بھی غیر از اسلام کوئی تصور ہوسکتا ہے؟

جلالتِ قدر کا یہ عالم تھا کہ رسولِ اکرمؐ نے اپنے دستِ مبارک سے تجہیز وتکفین کی خود قبر میں اترے۔ ایک خاص اہتمام کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی، اپنے پیراہن میں کفن دیا۔ خود ہی تلقین پڑھی تاکہ دنیا دیکھ لے کہ یہ خاتون عام عورتوں کی طرح مسلمان نہیں ہے بلکہ اس کا اسلام وایمان ایک خاص اہمیت کا مالک ہے۔ اس کا عقیدہ ایک مخصوص اخلاص کا حامل ہے۔ (الفصول المھمہ)

یہ سب کیوں تھا؟ تاکہ ناواقف اور متعصب عناصر پر آپ کا اسلام پوری طرح واضح ہوجائے۔ اور وہ یہ سمجھ سکیں کہ آپ کا اسلام آپ کے شوہر کے اسلام کی ایک واضح دلیل ہے اس لیے کہ اسلامی قانون کے اعتبار سے غیر مسلم کسی مسلمان عورت کا شوہر نہیں رہ سکتا۔ قرآن مجید نے بار بار مشرک ومسلمہ کے تعلقات ازدواجی سے ممانعت فرمائی ہے۔ کیا یہ احتمال بھی کیا جاسکتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے حکمِ قرآن کو ٹال دیا ہو۔ اور اس پر عمل نافذ نہ کیا ہو؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نظر میں جس طرح حضرت فاطمہ بنت اسد مسلمان تھیں اسی طرح حضرت ابو طالبؑ بھی مومن کامل تھے۔

اب اس کے بعد مسلمانوں کو اختیار ہے چاہے رسولِ اسلامؐ کے نظریات سے اتفاق کریں یا اختلاف:

(۷)

امیر المومنین علیؑ! حضرت ابو طالبؑ کے فرزندِ ارجمند۔

دنیا حضرت علیؑ کو سابق الاسلام تسلیم کرے یا نہ کرے۔ ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ بحث

تو ان لوگوں کے بارے میں بھی معلوم ہوتی ہے کہ جن کا سابقہ کفر سے رہ چکا ہو۔ جن کی پیشانیاں بتوں کے سجدوں سے آشنا ہو چکی ہوں جن کے دل اصنام کی بارگاہ میں جھک چکے ہوں۔ لیکن وہ انسان کہ جو تاریخی مسلمات کی بنا پر کرم اللہ وجہ صرف اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے کبھی بتوں کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اس نے کسی آن بھی منگ وخزف کے سامنے سجدہ نہیں کیا۔ اس کے بارے میں تو یہ بحث ہی کچھ فضول معلوم ہوتی ہے۔

بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علیؑ کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی عالمِ کفر میں نہیں گزرا۔ حالانکہ اگر بعض مسلمانوں کے زعم کے مطابق ہم حضرت ابو طالبؑ کو کافر تسلیم کرلیں تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ حضرت علیؑ کی ابتدائی زندگی حکومیت بالکفر میں گزری ہے۔ اس لیے کہ باطنی طور پر فطرتِ اسلام پر پیدا ہونے والا بچہ بھی ظاہری طور پر ماں باپ ہی کا تابع ہوتا ہے۔

کیا دنیا کا کوئی عاقل یہ تصور کرسکتا ہے کہ ایک کافر کے بچہ کی ولادت کے لیے خانہ حق کی دیوار شق ہوکر راستہ دے گی؟ وہ خانہ کعبہ کہ جس کی تعمیر کے اہتمام کے بعد خلیلِ حق کو دوبارہ اس کی تطہیر کا حکم ہوا تھا۔ میرے خیال میں تو ایسا تصور عظمتِ خلیل پر ایک زبردست حملہ اور عظمت کعبہ پر ایک بڑا بہتان ہے۔ "کعبہ میں ولادِ علیؑ" یہ حضرت ابوطالب کے ایمان کی بہترین دلیل ہے۔ اور شاید یہ بھی ایک مصلحت رہی ہو کہ جس کی بنا پر آپ کی ولادت کے لیے مشیت نے کعبہ کا انتخاب کیا تھا۔

یہی نہیں، بلکہ صاحبِ مناقب نے تو یہاں تک نقل کیا ہے کہ ولادت کے بعد حضرت ابو طالبؑ نے بچہ کو لے کر بارگاہِ احدیت میں عرض کی:۔

یارب یا ذا الغسق الدجی والقمر المبتلج المضی

بین لنا فی حکمک المقضی ماذا تری فی اسم هذا الصبی

"اے تاریک رات اور چمکتے چاند کے خالق و مالک اب تو ہی فیصلہ کردے کہ اس بچہ کا کیا نام ہو۔"

تو جواب میں یہ دو شعر نازل ہوئے۔ علی بن صنام کی روایت کی بنا پر تختی پر لکھے ہوئے اور فضل بن شاذان کی روایت کی بنا پر زبان ہاتف پر۔

خصصتما بالولد الزکی والطاهر المنتجب الرضی

فاسمه من شامخ علی علی اشتق اسمه من العلی

"تمہیں ایک پاک و پاکیزہ منتخب اور پسندیدہ بچہ دیا گیا ہے۔ اس کا نام بلند و بالا اور اسم الٰہی سے مشتق یعنی علی ہے۔"

اگر چہ یہ روایت شیعی طریق سے نقل ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ میرا موضوع سخن مناظرہ سے ہٹ کر تحقیق حق ہے۔ اس لیے ہر اس روایت پر اعتماد کرسکتا ہوں کہ جس کے اسناد صحیح اور راوی معتبر ہوں، خواہ ان کا تعلق کسی فرقہ سے کیوں نہ ہو۔

(۸)

نفسیاتی رجحانات

وہ افراد کہ جن کے پہلو میں دل اور دل میں جذبات ہوتے ہیں وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ انسان کو اپنا عقیدہ بہت پیارا ہوتا ہے۔ وہ اپنے مذہبی رجحانات یا نظریاتی میلانات کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردیتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ایک ایسی بیش بہا دولت ہوتی ہے کہ جس کا توازن دنیا کی کسی شے سے نہیں ہوسکتا۔

آج بھی دنیا میں دیکھ لیجیے، بھائی بھائی، باپ، بیٹے، عزیز عزیز، یہ سب کیوں جھگڑا کررہے ہیں۔ ان میں نزاع کی بنیاد کیوں ہے۔ ان میں اختلاف کس نے پیدا کیا ہے۔ کیا اس کا سبب نظریہ کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ اس کا نظریہ یہ ہے اُس کا وہ اس کا عقیدہ ایسا ہے اس کا ویسا۔ حالت یہ ہے کہ ادھر نظریات کی بحث چھڑی ادھر قرابت کے رشتے ٹوٹ گئے۔ اب نہ کوئی باپ ہے نہ بیٹا۔ نہ بھائی ہے نہ بہن۔ کیا اس کا کھلا ہوا مطلب یہ نہیں ہے کہ عقیدہ دنیا کے ہر رشتہ پر بھاری ہے۔ اور اس کی قوت عالم کی ہر ایٹمی قوت سے زیادہ موثر ہے۔ انسان اپنے عزیز قریب کے خلاف بات برداشت کرلیتا ہے لیکن اپنے عقیدہ کے خلاف کوئی بات گوارا نہیں کرتا۔

اب جب کہ نفسیاتی اعتبار سے یہ ثابت ہوگیا تو اسی بیان کی روشنی میں یہ بھی واضح ہوگیا کہ عالم تقیہ کا ایمان عام ایمان و اسلام سے زیادہ قیمتی ہوگا۔ اس لیے کہ کھلا ہوا اسلام اپنے مذہب سے دفاع کرسکتا ہے، وہ اپنے خلاف کوئی کلمہ نہیں سنے گا، اسے کسی مخالف کی بات برداشت نہیں کرنا پڑے گی۔

لیکن تقیہ کے ایمان کو ان تمام مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ اپنے خلاف باتیں سنے گا اور چپ رہے گا۔ اپنے اصول پر حملہ دیکھے گا اور دفاع نہ کرسکے گا۔ جذبات گھٹ گھٹ کر مریں گے اور کلمہ زبان پر نہ آسکے گا۔ کتنا سخت مرحلہ ہوگا کہ جس سے اس انسان کو گزرنا پڑے گا کیا اسے بھی جہاد اکبر نہ کہا جائے گا؟ کیا جہاد بالنفس اس کے علاوہ کوئی اور شے ہے؟ تلوار لے کر میدان میں آجانا، دشمن کے ایک کلمہ پر دادِ شجاعت دے کر جاں بحق تسلیم ہوجانا بہت آسان ہے لیکن دشمنوں کے طعنے سن کر ان کی تعدیاں دیکھ کر ان کی بے ادبیوں پر نظر رکھتے ہوئے بھی خاموش رہ جانا بہت مشکل ہے۔

یہی وجہ تو تھی کہ قرآن نے مومن آل فرعون کی مدح کی تھی۔ یہی راز تو تھا، کہ اصحاب کہف کے قصے زینت

کتاب عزیز بنائے گئے تھے۔ یہ وہ افراد تھے کہ جنھوں نے ضبط نفس کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے مذہب کو ظاہر نہیں کیا۔
تاکہ اس طرح اپنے اصول کا تحفظ کریں یا حضرت موسیٰ کی جان کی حفاظت ہوجائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اپنے جذبات پر قابو حاصل کرنے والے اور مصالح وقت کے پیش نظر حفاظتی کارروائی کے لیے اپنے دین کو پوشیدہ کردینے والے حضرات اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ انھیں اس جنسِ گراں کی قیمت عطا کی جائے۔ ان کے اس کنزِ مخفی کو اچھی قیمت سے خریدا جائے۔

پھر کیا کہنا اس تقیہ کا کہ جس کا مقصد اپنی جان کا تحفظ یا اپنے مال و آبرو کا بچاؤ نہ ہو بلکہ اس کا تمام تر محرک ایک قانون کا تحفظ ایک رسول کی حفاظت اور ایک لازوال مذہب کا باقی رکھنا ہو۔ جس کے نتیجہ میں دینِ الٰہی زندہ درگور ہونے سے بچ جائے اور جس کے طفیل میں اسلام پر مُہرِ دوام ثبت ہوجائے۔

حضرت ابو طالبؑ کی یہی وہ بیش بہا دولت تھی کہ جس کی صحیح قیمت امامِ وقت نے لگائی اور یہ فرمایا کہ وہ دوہرے اجر کے حق دار ہیں، انھوں نے فقط اسلام ہی قبول نہیں کیا بلکہ اسلام کے تحفظ اور رسولِ اسلامؐ کی بقا کی خاطر اپنے جذبات کی قربانی بھی دی ہے۔ اپنے ظاہری وقار و عظمت کو بھی ہاتھ جانے سے دیا ہے، اپنی رات کی نیند اور دن کا چین بھی حرام کیا ہے۔

اربابِ انصاف فیصلہ کریں کہ راحت و اطمینان کے ساتھ اعلان اسلام زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ یا بیدار ضمیر اور زندہ دل کے گھٹے ہوئے جذبات؟ اظہار اسلام کرکے اپنے جان و مال کا تحفظ زیادہ قیمت رکھتا ہے یا اس بیش بہا دولت کو خزانہ دل میں چھپا کر رسولِ اسلام کا زیادہ تحفظ؟

(۹)

ذاتی خدمات

رسولِ اسلامؐ اور حضرات ابو طالبؑ کی زندگی کا امتزاجی مطالعہ اس بات کا شاہد قوی ہے کہ ابو طالبؑ کی طینیت کا ضمیر اسلام و عقیدہ کے آبِ حیات سے ہوا تھا۔ یہ وہ انسان تھا کہ جس نے اصل و نسل حسب و نسب کسی اعتبار سے بھی کفر سے کوئی تعلق نہیں پیدا کیا۔

تبلیغ کے وہ ابتدائی لمحات کہ جن میں ایک سوید کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ جب تحریک اٹھانے والا حسرت و یاس سے ایک ایک کا منہ تکتا ہے۔ کسی محرک کا باقاعدہ ساتھ دے کر اس کی تحریک کو کامیاب بنا دینا ان تمام ہمراہیوں سے کہیں زیادہ بہتر ہوتا ہے کہ جو تحریک کی کامیابی کے بعد عام ظہور میں آتی ہیں۔

سچ کہا تھا، امام محمد باقرؑ نے کہ اگر ساری دنیا کا ایمان ایک پلہ میں ہو اور ابو طالبؑ کا ایمان دوسرے پلہ میں، تو

ان کا پلہ بھاری رہے گا۔ اس لیے کہ وہ اسلامی بنیادوں کے مضبوط کرنے والے ہیں وہ اسلام کو دنیا سے روشناس کرانے والے ہیں۔

دنیا جانتی ہے کہ ابوسفیان بھی مسلمان تھا، اور حضرت ابوبکر بھی، لیکن حضرت ابوبکر کے اسلام کو ترجیح حاصل ہے، کیوں؟ اس لیے کہ انھوں نے غربت کے دور میں اسلام کو سندِ قبولیت عطا کی تھی۔ اور ابوسفیان نے اس کی بڑھتی ہوئی شوکت کو دیکھنے کے بعد۔

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے اسلام کی وقعت بھی اسی لیے زیادہ ہے کہ ان کے اسلام سے دبدبہ میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اس ہیبت سے نہ جانے کس کس کے دل ہلنے لگے تھے۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ عالم غربت و کس مپرسی کا اسلام حالتِ شوکت و جلالت کے اسلام سے کہیں زیادہ وقعت و قیمت رکھتا ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ یہ تمام غربت کے اسلام صرف زبانی اقرار کے حدود تک محدود تھے۔ ان کی تاریخ میں اسلام یا رسولِ اسلام کی نصرت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے! اب ذرا اندازہ کیجیے اس اسلام کی اہمیت کا کہ جس کا تعلق زبان سے نہیں تھا۔ بلکہ اس کی پشت پر عمل ہی عمل تھا۔ اور خدمت ہی خدمت۔

اگر یہ نہ ہوتا تو اسلام کی صف خالی اور اس کی بساط الٹی ہوئی نظر آتی۔ اگر یہ نہ ہوتا، تو رسول اسلامؐ خاک وخون میں غلطاں اور ان کی تحریک زندہ درگور دکھائی دیتی۔ اگر یہ نہ ہوتا تو الٰہی مقصد نامکمل اور انسانی کمال ناتمام ہوکر رہ جاتا:

کیا اس کے بعد بھی اس اسلام کا قیاس ان اقراروں پر ہوسکتا ہے کہ جن میں خوف و رجا، حرص و طمع، اندیشۂ ماضی اور فکرِ فردا کے احتمالات پائے جاتے ہوں۔ سچ کہا تھا ابن ابی الحدید معتزلی نے ''اگر ابوطالب کے خدمات نہ ہوتے تو اسلام کا کوئی رکن بھی قائم نہ ہوسکتا۔''

اگر آپ ان خدمات کا تجزیہ کریں گے تو آپ کو ہر ہر قدم پر عقیدہ کی تجلیاں اور ایمان کی ضوفشانیاں نظر آئیں گی۔ وہ پہلا دن کہ جب حضرت عبداللہ کے بعد ایک۔ محافظ (عبدالمطلب) دارِ دنیا سے گزر رہا تھا اور چلتے چلتے یہ وصیت کرتا جارہا تھا کہ کاش میں اس بچہ کے اعلانِ تبلیغ تک زندہ رہتا تو اس کے ہاتھ بیعت کرتا، خیر اب جو میری اولاد میں رہ جائے اس کا یہی فریضہ ہے۔''

کتنا حسین موقع تھا ایک مختلف العقیدہ انسان کے لیے کہ اس کمسنی اور کس مپرسی کے عالم میں اس بچہ کا کام تمام کردیتا، نہ بانس رہتا نہ بانسری، نہ محرک رہتا نہ تحریک، نہ صاحبِ عقیدہ و نظام رہتا نہ نظام و عقیدہ — لیکن ہمیں تو یہ کچھ نظر نہیں آتا؟

اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ ابوطالبؑ کو محمد عربی کی نبوت کا علم نہ ہوسکا تھا تو بحیرا راہب کے بیان کے بعد تو یہ

حقیقت واضح ہوگئی تھی، اب کیا شبہ کی گنجائش رہ گئی تھی، اب کیا خطرہ تھا اب تو وطن سے بھی دور تھے، وہیں خاتمہ کردیا ہوتا، پھر جب کہ عقیدہ قرابت سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے اور اس نبوت کا مطلب ہی عالمِ کفر وشرک کی کھلی ہوئی مخالفت تھا۔

لیجیے یہ بھی فرض کرلیا کہ اب بھی علم نہیں ہوسکا۔ تو کیا اس وقت بھی علم نہیں ہوا تھا، جب کہ مکہ کے کوچے نعرۂ توحید سے گونج رہے تھے۔ جب کہ ہر آن کان میں **قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا** کی آوازیں آرہی تھیں۔

یقیناً معلوم ہوا! تو کیا یہ فرض کرلیا جائے کہ حضرت ابو طالبؑ میں مقابلہ کی تاب وتواں نہ تھی؟ یا یہ مان لیا جائے کہ ان کے پاس اس تحریک کو دبانے کی صلاحیت نہ تھی؟ یا یہ تسلیم کرلیا جائے کہ گود کے پالے ہوئے بچے کو بھی ختم کردینا ممکن نہ تھا؟

یقیناً یہ سب کچھ تھا۔ پھر ابو طالبؑ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ حقیقتاً یہ وہ تاریخی تجزیہ ہے کہ جو ہر مورخ کے ذہن میں ابو طالبؑ کے ان نفسیاتی عوامل اور عقائدی محرکات کا تصور قائم کرسکتا ہے کہ جو انھیں اس حیرت انگیز موقف پر مجبور کررہے تھے۔ اور جن کی بنا پر وہ رسولِ اسلام کی مسلسل کمک کررہے تھے۔ میں نے مانا کہ رسولؐ کی ذاتی حفاظت اسی رشتہ کی بنا پر تھی کہ جو انھیں اپنے چچا کے دل میں اپنے یتیم بھتیجے کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن کیا اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان کے دین کی بھی ترویج کی جائے۔ اس کے مشن کو بھی کامیاب بنایا جائے کیا قانون کا تقاضا یہ نہ تھا کہ قرابت کا لحاظ کرتے ہوئے بچے کو سمجھا بجھا کر خاموش کردیتے اور اگر وہ سکوت اختیار نہ کرتا تو وہی کچھ اقدام کرتے کہ جو عقیدہ ورشتہ کے تصادم کے وقت کیا جاتا ہے،

یقیناً قاعدہ یہی تھا، لیکن یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے۔ خاموش ہونا کیا مزید بولنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ روک دینا کیسا مزید تبلیغ پر آمادہ کررہے ہیں (طبری، ج ۶ ص ۶۴، ۶۸) کیا اس کا کھلا ہوا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت ابو طالبؑ اس تحریک سے پوری طرح متفق تھے کہ جسے رسولِ اسلامؐ چاہ رہے تھے۔ انھیں اس عقیدت سے مکمل ہمدردی تھی کہ جو رسولِ اکرمؐ کے دل میں کروٹیں لے رہا تھا، انھیں دین الٰہی سے اسی طرح محبت تھی کہ جس طرح ایک راسخ العقیدہ مسلمان کو ہوتی ہے۔

بات اسی حد پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ تاریخ ایک قدم اور آگے بڑھ جاتی ہے۔ اسلامی تحریک کی روز افزوں ترقی اور بڑھتی ہوئی کامیابی کو دیکھ کر کفارِ قریش حضرت ابو طالبؑ کے پاس آکر یہ شکایت کرتے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو اس تبلیغ سے روک دیجیے۔ حضرت نے اس مطالبہ کو باحسن وجوہ ٹال دیا۔ لیکن جب ادھر سے اصرار بڑھا تو آپ نے اپنے موقف کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے بھتیجے تک یہ پیغام پہنچادیا۔ فرمایا کہ بیٹا، "**ان بنی عمک ھؤلاء زعموا انک توذیھم**" "یہ تمھارے رشتہ دار خیال کرتے ہیں کہ تم انھیں اذیت دیتے ہو!

میں اگر بفرضِ محال یہ تسلیم بھی کرلوں کہ حضرت ابو طالبؑ کچھ زیادہ حساس آدمی نہ تھے۔ ان کے دل میں اپنے مذہب کا درد نہ تھا۔ انھیں ذاتی طور پر اپنے دین سے کوئی خاص ہمدردی نہ تھی۔۔۔ تو یہ تو بہرصورت قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ کفار کے اس شدید اصرار اور مزید تاکید کے بعد بھی ان میں احساس نہیں پیدا ہوا اور انھیں اپنے دین کا درد نہیں ہوا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان میں اپنے مذہب سے ہمدردی پیدا ہوگئی تھی تو یہ انداز بیان کیا تھا؟ کیا انھیں سلیقۂ گفتگو اور اندازِ تخاطب سے بھی واقفیت نہیں تھی؟ چاہیے تو یہ تھا کہ صاف صاف کہتے، بیٹا یہ سچ کہتے ہیں، تم انھیں اذیت دیتے ہو، ان کے خداؤں کو بُرا بھلا کہتے ہو ان کے مذہب کو انسانیت سوز اور توہینِ بشریت قرار دیتے ہو۔ تمھیں ان حرکتوں سے باز آجانا چاہیے ورنہ میں تمھیں ان کے حوالے کردوں گا۔

لیکن یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے۔ جب آنحضرتؐ نے فرمادیا کہ اگر داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے تو تبلیغ کو ترک نہیں کروں گا۔ تو حضرت ابو طالبؑ نے صریح لہجہ میں کہہ دیا، قریش والو" **واللہ ما کذب ابن اخی قط** " خدا کی قسم میرے بھتیجے نے کبھی غلط بات کہی ہی نہیں (اسی المطالب)

اگر کوئی ناقد بصیر ہوتا اور اس کلمہ کی نفسیاتی تحلیل کرتا تو اسے معلوم ہوتا کہ حضرت ابو طالبؑ ایمان وعقیدہ کے ساتھ ساتھ اندازِ تخاطب پر کتنی قدرتِ کاملہ رکھتے تھے۔ رسولِ اکرمؐ سے بات نقل کی تو یہ کہہ کر کہ ان لوگوں کا خیال ہے اور ان لوگوں سے گفتگو کی تو یہ کہہ کر کہ میرا بھتیجہ غلط گو نہیں ہے۔

مقصد یہ تھا کہ میرا اسلام نہ آج کے کفار ومشرکین پر ظاہر ہونے پائے اور نہ کل کے آنے والے مسلمانوں سے پوشیدہ رہ جائے۔ اس لیے آپ نے ایک ایسا امتزاجی قدم اٹھایا کہ جس سے رسولِ اسلام کا دل بڑھ گیا، ہمت بندھ گئی اور آپ نے یہ سمجھ لیا کہ یہ اندازِ کلام میری حمایت ونصرت کی طرف ایک کھلا ہوا اشارہ ہے۔ یہ دیکھنا تھا کہ ایک مرتبہ قوتِ قلب کا سہارا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اعلان کردیا زمین وآسمان کے نظام میں تبدیلی ہوجائے تو ہوجائے لیکن تبلیغِ حق میں تبدیلی ناممکن ہے۔ اللہ رے قوتِ تدبیر ابو طالبؑ! آج کے ایک توتصیہ آمیز اقدام سے اسلام کی لاج بھی رکھ لی اور کفار کو حقیقت سے آشنا بھی نہیں ہونے دیا۔ کیا اتنا حکیمانہ موثر اقدام ابو طالبؑ کے علاوہ کوئی اور بھی کرسکتا ہے؟ اس مقام پر قریش سے گفتگو کرنے میں "خدا کی قسم" بھی خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ ایک کافر اپنے ہم مذہب کے سامنے لات وعزیٰ کی قسم کھاتا ہے خدا۔۔۔ برحق کی نہیں؟

میرا موضوعِ کلام چونکہ ایمانِ ابو طالب کے ایجابی پہلو پر بحث کرنا ہے اس کے مناظرہ کو چھیڑنا مقصود نہیں ہے۔ اس لیے میں بعض ادلہ وبراہین سے قطع نظر کیے لیتا ہوں، ورنہ مجھے یہ کہنے کا حق ضرور حاصل تھا، کہ شعب کی زندگی اور اس کی سختیاں برداشت کرکے نصرتِ رسول کرنے والا مسلمان نہ ہوگا تو کیا وہ مسلمان ہوں گے جنھوں نے آلِ

رسولؐ کے حق غصب کیے ظلم وستم روا رکھے۔ مخدراتِ عصمت کو گرفتار کر کے کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں میں تشہیر کیا؟ کفارِ قریش کے مقابلہ میں اتنی جرأت مندی کے ساتھ نبوت کی تصدیق کر کے ان کے خیال خام کو زعمِ ناقص کا مرتبہ دینے والا مسلمان نہ ہوگا تو کیا وہ معظمہ مسلمان ہوں گی کہ جو ایک وقت میں جھلا کر رسولؐ اسلام ہی سے کہہ بیٹھتی ہیں کہ "آپ کو یہ کیسے خیال ہوگیا ہے کہ آپ نبیؐ خدا ہیں۔"

حقیقت امر یہ ہے کہ ان تمام بنیادی اقدامات اور اساسی خدمات کو رشتہ اور قرابت پر محمول کر دینا ایک ایسا جہالت خیز اور حیرت انگیز اقدام ہے کہ جسے تاریخ ونفسیات ضمیر و وجدان کے مذہب میں قابل معافی تصور نہیں کیا جاسکتا؟

ابو طالب جیسا عمیق الفکر اور سلیم النظر انسان کسی وقت بھی ضمیر و وجدان مذہب و دیانت کے خلاف ایسے اقدامات نہیں کرسکتا تھا کہ جیسے اقدامات آپ کی پوری زندگی کے نمایاں پہلوؤں کی جگہ لیے ہوئے ہیں!

مومنِ قریش!

لغت کے اعتبار سے لفظ ایمان کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں جس کی بنا پر اس کا استعمال مسلم و کافر دونوں کے لیے ہوسکتا تھا، لیکن اصطلاحی اعتبار سے لفظ ایمان میں ایک مذہبی رنگ پیدا ہوگیا ہے کہ جس کی بنا پر اب وہ کافر کی ضد بن گیا ہے۔

اس اصطلاح کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان دل سے تصدیق اور زبان سے معارف آلہیہ کے اقرار کا نام ہے۔ بشرطیکہ انسان ان تمام امور کا بھی پابند ہو کہ جو اس تصدیق و اقرار کے لازمی نتائج ہیں۔

قلبی اعتقاد ایک ایسی شے ہے کہ جس کا علم انسان کو نہیں ہوسکتا۔ اس کی واقفیت تو صرف ذات علام الغیوب کے لیے ہے کہ جو دلوں کی گہرائیوں سے واقف اور ضمیر کے اسرار سے باخبر ہے۔ انسان کا فریضہ صرف یہ ہے کہ ہر شخص کے ظاہری حالات کی بناء پر اس کے ایمان و کفر کا فیصلہ کرے اگر کوئی شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے تو کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے اسلام سے انکار کردے۔ اس لیے کہ قرآنِ کریم نے اس حرکت کی صریحی مذمت و ممانعت فرمائی ہے:۔

”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا“ ”کسی مدعیٔ اسلام کو غیر مومن نہ کہو۔“

اللہ اکبر! جب عام مدعیانِ اسلام کے لیے قرآن کا یہ اہتمام ہے تو پھر اس شخص کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے کہ جس نے اسلام و ایمان کی بنیادیں مضبوط کر کے آخر وقت تک ان کی حفاظت کی ہے۔

علم سے اسلام و ایمان کو معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں:۔

۱۔ خود انسان کے اقوال پر اعتماد کر کے اسے مسلمان کہا جائے بلکہ مستحقِ جنت بھی قرار دیا جائے اگر اس کے قول و فعل کی ہم آہنگی کا علم ہوجائے۔

۲۔ رسولِ کریمؐ یا وہ ائمہ معصومینؑ کہ جو شیعہ معیارِ نظر کی عصمت کے مالک ہیں، اس کے دل کی گہرائیوں کی شہادت دے دیں۔ اس لیے کہ رسولؐ کا کلام مطابق وحی اور وحی ترجمانِ حقیقت ہوتی ہے۔ ائمہ معصومینؑ بھی رسولِ اکرمؐ ہی کے حقائق کی ترجمانی کرتے ہیں، ان کے یہاں جذبات کی حکومت ہوتی ہے نہ خواہشات کی پیروی۔

جب ہم ان دونوں طریقوں پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں حضرت ابو طالبؑ کا ایمان روزِ روشن کی طرح واضح نظر آتا ہے۔ ایک طرف اپنے اقوال و افعال کا تسلسل اور دوسری طرف رسولِ کریمؐ اور ائمہ اطہارؑ کی طرف سے مدح و ثنا کا ایک سیلابِ عظیم کہ جس میں عملِ خالص، جہادِ متصل، دفاعِ مسلسل، عقیدۂ راسخہ اور ایمانِ کامل کی داستانیں مچلتی نظر آتی ہیں۔

مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر حضرت ابو طالبؑ کے بعض ان اقوال و اشعار کا تذکرہ بھی کر دیں کہ جو اسلام و ایمان کا صریحی اعلان کر رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ملیك الناس لیس له شریك　　　هو الوهاب والمبدی المعید
ومن تحت السماء له بحق　　　من فوق السماء له عبیدٌ

”تمام انسانوں کا مالک لاشریک سب کا ایجاد کرنے والا اور سب کو پلٹانے والا خدا
زیرِ آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت اور آسمان کے تمام بسنے والے اس کے بندے“۔

(ایمان ابی طالب ص ۲۰، دیوان ابی طالب ص ۱۱، الحجہ ص ۸۰، شیخ الابطح ص ۸۵۔)

کیا ان دونوں شعروں میں کسی مسلمان کو کفر و الحاد کا شائبہ بھی نظر آ سکتا ہے؟ کہ جن میں ایک طرف پروردگارِ عالم کو ”ملیک الناس“ کہا جا رہا ہے کہ جو قرآن کریم کے ”سورۂ ناس“ سے ملتی ہوئی تعبیر ہے۔ پھر وحدانیت کا اعتراف ہو رہا ہے۔ اس کے بعد اس کے لاحدود عطایا کا اقرار ہے اور پھر آخر میں اس کی ایجاد کے ساتھ ساتھ روزِ معاد کے اعادہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ کیا اسلام اس ذات و صفات کے اقرار کے علاوہ کوئی اور شے ہے؟ دوسری طرف دوسرے شعر میں تمام روئے زمین کی مملوکیت اور تمام اہلِ آسمان کی بندگی کا اعلان ہو رہا ہے۔ کیا توحید کا مفہوم اس کے علاوہ کچھ اور ہے؟

پھر فرماتے ہیں:۔

یا شاهد الله علی فاشهد　　　انی علی دین النبی احمد
من ضلّ فی الدین فانا المهتدی

”اے خدائی شاہد گواہ رہنا کہ میں محمدؐ کے دین پر ہوں۔
اگر دنیا گمراہ ہو جائے تو ہو جائے لیکن میں ہدایت یافتہ ہوں۔“

(شرح النہج ج ۳ ص ۳۱۵۔ الحجہ ص ۸۱، شیخ الابطح ص ۸۰)

برد نے اپنی کتاب کامل ج ۳ ص ۹۱۹ پر ان اشعار کو حضرت علیؑ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس لیے آپ انھیں

برابر پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ اشتباہ ہے حضرت کا بار بار پڑھنا فقط شعر کی عظمت اور معنویت کی دلیل ہے اور بس۔

ذرا ملاحظہ کریں! دین نبیؐ پر ثابت قدم رہنے کا اقرار اور پھر اسی کے ساتھ دین سے منحرف ہونے والے کے گمراہ ہونے کا اعلان — آپ کو آپ کے پروردگار کی قسم! سچ بتایئے کیا اس کلام کی معنویت اقرار اسلام سے زیادہ نہیں ہے؟ کیا اگر کوئی شخص اعتراف اسلام کرلے تو اس کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو محفوظ نہیں ہو جاتی؟ پھر آخر ایسے انسان پر کہ جس نے اتنا صریحی اعتراف و اعلان کیا ہو ایسے شدید حملے کیوں کیے جا رہے ہیں؟ کیا یہ گمراہی نہیں ہے؟ کیا یہ حقائق سے چشم پوشی نہیں ہے؟ کیا یہ بقول حضرت ابو طالب دین نبیؐ سے انحراف کا نتیجہ نہیں ہے؟ حقیقت تو صرف یہ ہے کہ ان افراد نے اپنے نفس پر قیاس کر کے حضرت کو کافر و گمراہ بنانے کی کوشش کی ہے!

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:۔

لقد کرم اللہ النبی محمداً　　فاکرم خلق اللہ فی الناس احمد

وشق لہ من اسمہ لیجلہ　　فذو العرش محمود وھذا محمد

"اللہ نے اپنے نبیؐ کو تمام عالم سے زیادہ اشرف قرار دیا ہے

اپنے نام سے ان کا نام نکالا ہے، وہ محمود اور یہ محمدؐ"

(شرح النہج، ج ۳ ص ۳۱۵، الحجہ ص ۷۵، مجمع القبور، ج ۱ ص ۱۹۷۔ الغدیر، ج ۷ ص ۳۳۵

دیوان ابی طالب ص ۱۲۔ اعیان الشیعہ ج ۳۹ ص ۱۲۷)

یہ شعر وہ ہیں کہ جن میں وقتِ واحد میں توحید و رسالت دونوں کے جلوے نظر آ رہے ہیں۔

نبوت کے اقرار کے بارے میں آپ کے متعدد اشعار جن کی ایک مختصر فہرست پھر نقل کی جا رہی ہے:۔

"انت الرسول رسول اللہ نعلمہ　　علیک نزل من ذی العزۃ الکتب

"آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اور آپ ہی پر کتابیں نازل ہوئی ہیں۔"

الم تعلموا انا وجدنا محمدا　　نبیا کموسی خط فی اول الکتب

"کیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ محمدؐ بھی موسیٰؑ کی طرح نبیؐ ہیں اور ان کا ذکر سابق کتب میں موجود ہے؟"

انت ابن آمنۃ النبی محمد

"آپ آمنہؑ کے فرزند نبیؐ ہیں۔"

نبی اتاہ الوحی من عند ربہ

"محمدؐ وہ نبی ہیں کہ جن پر وحی نازل ہوتی ہے۔"

انت النبی محمد

"آپ محمدؐ نبی ہیں۔"

الا ان احمد قد جاء ھم بحق ولم یاتھم بالکذب

"آگاہ ہو جاؤ" محمدؐ کا پیغام حق ہے باطل نہیں ہے۔"

او یومنوا بکتاب منزل عجب علی نبی کموسیٰ او کذی النون

"محمدؐ کی کتاب بڑی عجیب ہے۔ وہ اسی طرح نبیؐ ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ یا ذی النون تھے۔"

لقد علموا ان ابننا لامکذب لدینا ولا نعباء بقول الا باطل

"دنیا جانتی ہے کہ ہمارا فرزند صادق ہے، ہم باطل کی تو پرواہ بھی نہیں کرتے۔"

قابل مضحکہ لیکن بدنیتی کا واضح ثبوت یہ ہے کہ علامہ برقرانی نے اس کلام پر یوں تبصرہ کیا ہے۔ زبان سے اقرار، دل سے اعتقاد تو ہے لیکن ابو طالبؑ مومن نہ تھے۔" السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۸۵۔

خدا جانے اس غرض مند انسان کی نظر میں ایمان کسے کہتے ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اس کے دل کے جذبات تھے کہ جو نوک قلم تک آ گئے۔ ان کو واقعہ سے کوئی ربط نہیں ہے۔

یہ تو ایک مشت نمونہ ہے ورنہ اس کے مقابلہ میں کلمات و بیانات کا ایک انبار ہے کہ جس میں رسالت کا اعتراف بلکہ دین کی ترویج کا مکمل سامان مہیا ہے۔ حضرت ابو طالبؑ کا یہ اعتراف اور آپ کی یہ پیروی ایک بڑے ایمانی جذبہ کی غمازی کر رہی ہے۔

بھلا ایک ایسا انسان الگ قبیلہ کا سردار، مکہ کا رئیس، قریش کا زعیم ہو اسے کیا پڑی تھی کہ وہ ایک ایسے بندے کے سامنے سرِ نیاز خم کرتا کہ جو کل تک اپنی ہی آغوش میں پل رہا تھا اور اپنی ہی اولاد کے حکم میں تھا کہ جس پر خود ہی مربی کی اطاعت فرض ہوتی ہے؟

ہاں! یہ صرف عقیدۂ راسخہ اور ایمانِ کامل کا جذبہ تھا کہ جس نے سارے ریاست و سیادت کے جذبات کو دل سے نکال دیا۔ اور ابو طالبؑ کی زبان سے ان کی گود کے پالے ہوئے کو سردار کہلوا دیا۔ اور پھر مدح و ثنا، تعریف و توصیف کا ایک دریا بہا دیا۔ اگر یہ عقیدۂ ایمان نہ ہوتا تو ایسا خضوع و خشوع ایک غیر ممکن امر تھا۔ بھلا کیا اسے بھی قرابت و رشتہ پر حمل کر سکتے ہیں؟

اگر ایسا تھا تو ابولہب کو کیا ہو گیا تھا؟ اس نے کیوں ساتھ نہیں دیا؟ کہ کم از کم مخالفت تو نہ کی ہوتی: نہیں نہیں: دینی جذبات کے سامنے قرابت اور رشتہ داری کی کوئی وقعت نہیں ہے! ابھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ عبداللہ بن عبداللہ بن اُبَی

نے ابوت کے رشتہ کو قطع کر دیا اور اپنی دینی حمایت سے قتل پر آمادہ ہو گئے؟ ہم سن آئے ہیں کہ جدی بن حاتم نے پدری شفقت کو بالائے طاق رکھ دیا، اور اپنے پارۂ جگر زید کو مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ بلکہ جب وہ ہاتھ سے نکل گیا تو اس کی موت کی بد دعا کرنے لگے۔ یہ سب کیا تھا؟ یہی نا کہ دینی جذبات دل کی گہرائیوں سے رشتہ داری کے احساسات کو بیخ دبن سے اکھاڑ کر پھینک چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک عام انسان کا یہ عالم ہے تو شیخ بطحاء کا کیا عالم ہوگا؟ ایک طرف اپنی قوم کی زعامت وسیادت دین کے احساسات وجذبات اور دوسری طرف قرابت اور رشتہ داری۔ پھر رشتہ دار کا پیغام بھی وہ کہ جو اپنے مزعوم مذہب کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنے کی فکر میں ہے۔ کیا ایسے حالات میں بھی رشتہ داری نباہی جا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ بات تو کسی ایسے دل میں نہیں بیٹھ سکتی کہ جس میں ذرہ برابر شعور ہو۔

کیا فقط رشتہ داری اور قرابت کی محبت تھی کہ جو ابو طالبؑ کو اس بات پر مجبور کر رہی تھی کہ محمدؐ اور ان کے پیغام کی مدح وثنا میں تعریفوں کا ایک پل باندھ دیں اور پھر ساری قوم کو اپنے مزعوم دین کے خلاف ان کے دین کی طرف دعوت دیں اور وہ بھی اتنے صریح اور تند وتیز لہجہ میں۔

اعوذ برب البیت من کل طاعن ۔۔۔ علیه سوء اویلوح بباطل
ومن فاجر یغتا بنالمعیبة ۔۔۔ ومن ملحق فی الدین مالم تحاول
کذبتم وبیت الله نبزی محمدا ۔۔۔ ولما نطاعن دونه وننا ضل
ونسلمه حتی نصرع حوله ۔۔۔ ونذهل عن ابنائنا الحلائل
وحتی تری ذا الردع یرکب ردعه ۔۔۔ من الطعن فعل الانکاب المتحمل
وینهض قوم فی الحدید الیکم ۔۔۔ نهوض الروایا من طریق جلاجل
وانا وبیت الله ان جد ما اری ۔۔۔ لتلتبن اسیا فنا بالا ماثل
بکل فتی مثل الشهاب سمیدع ۔۔۔ اخی ثقة عند الحفیظة باسل
دماترک قوم لا أبالک سیداً ۔۔۔ لحوط الذما رغیر نکس مواکل
دابیض لیستسقی الغمام بوجهه ۔۔۔ ثمال الیتامی عصمة للارامل
یلوذبه الهلاک من ال هاشم ۔۔۔ فهم عنده فی نعمة و فواضل
ومیزان صدق لایخنس شعیره ۔۔۔ دوزان صدق رزنه غیر عائل
الم تعلموا ان ابننا لامکذبٌ ۔۔۔ لدینا ولا نعبا بقول الا باطل
لعمری: لقد کلفت وجداً باحمد ۔۔۔ راجبته حب الحبیب المواصل

وجدت بنفسی دونه وحميته ۔۔۔ وحافعت منه بالذری والكواهل

فلا زال للدنيا جمالا لاهلها ۔۔۔ رشينا لمن عادی وزين المحافل

فمن مثله فی الناس أی مؤمل ۔۔۔ اذا قاسه الحكام عند التفاضل؟

حليم رشيد عادل غير طائش ۔۔۔ يوالی الا هاليس عنه بغافل

فأيده رب العباد بنصره ۔۔۔ واظهر دينا حقه غير باطل

"اللہ ہر بدنظر اور باطل کوش سے نجات دے۔

اللہ ہر فاسق و فاجر، غیبت شعار اور بے ایمان سے بچائے۔

قریش! تمھارا خیال غلط ہے کہ ہم محمدؐ کو چھوڑ دیں گے۔ ابھی نیزہ بازی ہوگی مقابلے ہوں گے۔

لوگ قتل ہوں گے، زن و بچہ کے خیالات ذہنوں سے محو ہوں گے۔

ایسی نیزہ بازی ہوگی کہ کشتے ایک پر ایک گریں گے۔

ہماری قوم مسلح ہو کر اس طرح چلے گی کہ جس طرح اونٹ پانی لے کر چلتے ہیں کہ ان کی آواز ظاہر ہوتی ہے۔

خانۂ حق کی قسم اگر ہم میدان میں آئے تو برابر والوں کا خاتمہ ہی ہو جائے گا۔

ہمارے ساتھ شریف، معتبر اور بہادر قسم کے جوان ہیں۔

کوئی قوم اپنے سردار کو چھوڑ دے تو یہ اس کی ذلت اور بدبختی کے سوا اور کیا ہے؟

ہمارا سردار یتیموں اور بیواؤں کا وارث ہے، اسی کے طفیل میں بارشِ رحمت ہوتی ہے۔

آلِ ہاشم اسی کی پناہ میں رہتے ہیں اسی لیے تو مطمئن اور محترم ہیں۔

ہمارا رئیس محمدؐ وہ میزانِ صداقت ہے کہ جس میں بال برابر فرق نہیں صداقت کو پورے وزن سے تولتا ہے۔

کیا تمھیں نہیں معلوم کہ یہ غلط گو یا باطل پرست نہیں ہے۔

میری جان کی قسم میں محمدؐ کا دل و جان سے دوست ہوں۔

میں نے اپنی جان پر کھیل کر اس کی حفاظت کی ہے اور طاقت کے ذریعے اس کو بچایا ہے۔

یہ اہلِ دنیا کے لیے باعثِ رحمت، محفلوں کی زینت اور دشمنوں کے لیے باعثِ ننگ و عار ہے۔

مقابلہ کے وقت میں ان کے علاوہ اور کس سے فضیلت و برتری کی امید کی جاسکتی ہے؟ یہ حلیم رشید، عادل، صحیح الفکر اور اللہ کا مسلسل محب ہے۔

اللہ نے اس کی نصرت اور تائید کی ہے، اس نے اس کے دینِ حق کو غلبہ دیا ہے۔" [۱]

ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم اس قصیدہ کے خصوصیات پر تبصرہ کریں یا اس کی شعری عظمت پر تنقید کریں بلکہ ہمارا مطلب تو صرف یہ ہے کہ آپ حضرات ان اشعار پر صرف ایک طائرانہ نظر ڈال دیں، اس لیے کہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ یہ ایک اڑتی ہوئی نظر بھی ان اشعار کی معنویت کو آپ کے دلوں میں اتار دے گی۔ اور ان کی نرمی، شیرینی اور ملاحت آپ کے قلوب کو اپنی طرف جذب کر لے گی۔

اس لیے کہ یہ فقط شاعری نہیں ہے بلکہ دل کی وہ آواز ہے کہ جس کے ساتھ اعضاء و جوارح کا عمل شریکِ کار رہا ہے۔ روح کی وہ صدا ہے کہ جس پر جہادِ مسلسل نے لبیک کہی ہے۔ عقائد کا وہ سیلاب ہے کہ جس میں خدمات و اعمال شریک رہے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کا ایمان اس قدر واضح ہے کہ اس پر کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بسا اوقات اندھے کے سامنے سورج کے اوصاف بھی بیان کیے جاتے ہیں تاکہ اگر نہ دیکھ سکے تو کم از کم عقیدہ تو پیدا کر لے۔ اسی بنا پر ہم نے بھی یہ تمام دلائل و براہین پیش کیے ہیں کہ جن میں خود انجناب کا اقرار، آپ کا جہاد، آپ کے خدمات، رسولِ اکرمؐ کی مدح و ثنا، ائمہ اطہارؑ کی تعریف و توصیف وغیرہ شامل ہیں۔

یہی وہ دلائل و براہین تھے کہ جن کی بنا پر علماء شیعہ نے ایمانِ ابو طالبؑ کو ایک ایسی یقینی شے قرار دیا ہے کہ جس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ ہو۔ اسی پر تمام شیعوں کا اتفاق و اجماع ہے۔ اور یہی شیعوں کا مذہب ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص اس حقیقت کا اعتراف نہ کرے تو بس یہی بات اس کے غیر شیعہ ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ اس قدر احادیث و اخبارِ ائمہ اطہار خصوصاً ارشادِ امام رضاؑ کے بعد یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تشیع اور کفرِ ابوطالبؑ کا عقیدہ دو متضاد چیزیں ہیں۔ اب کفر کا قائل ائمہ اطہارؑ کا مخالف اور ائمہ اطہارؑ کا مخالف مذہبِ شیعہ سے خارج ہے۔

فقط شیعہ ہی نہیں بلکہ اکثر زیدیہ [۲] حضرات نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس سے بالاتر یہ ہے کہ بعض اکابرِ معتزلہ [۳] نے بھی تسلیم کیا ہے جیسا کہ شیخ ابو القاسم بلخی اور ابو جعفر اسکافی [۴] کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ بعض اربابِ کشف و مشاہدہ بھی آپ کے ایمان [۵] بلکہ نجات کے معتقد ہیں جیسا کہ قرطبی،

---

[۱] شرح النہج، ج ۳ ص ۳۱۵۔۳۱۶۔ دیوان ابی طالب ص ۱۔۶۔ ایمان ابی طالب ص ۶۔۸۔ الحجہ ص ۸۱۔۹۵۔ المعتز الهاشمیہ ج ۱ ص ۲۹۱۔۳۹۹۔ شیخ الابطح ص ۳۴۔۳۵۔ ہاشم و امیہ ص ۱۷۴۔۱۷۵۔ الغدیر، ج ۷ ص ۳۳۸۔۳۴۰۔ اعیان الشیعہ ج ۳۹ ص ۱۴۹۔۱۵۰

[۲] الحدیدی ج ۳ ص ۳۱۰۔ شیخ الابطح ص ۵۵۔ اعیان الشیعہ ج ۳۹ ص ۱۳۵

[۳] الحدیدی ج ۳ ص ۳۱۰۔ شیخ الابطح ص ۵۵۔ اعیان الشیعہ ج ۳۹ ص ۱۳۵

[۴] الحدیدی ج ۳ ص ۳۱۰۔ اعیان ج ۳۹ ص ۱۳۵

[۵] السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۸۷۔ الغدیر، ج ۷ ص ۳۸۲۔ اعیان ج ۳۹ ص ۱۳۹۔

سبکی، شعرانی وغیرہ کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات اسی عقیدہ کو اپنا دین تسلیم کرتے تھے۔ [1]

امام احمد بن الحسین المشہور بہ ابن وحشی نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ ابو طالبؑ کا بغض کفر [2] ہے۔ اور یہی بات اجہوری نے اپنے فتاویٰ میں نقل کی ہے۔ [3] تلمسانی کا قول ہے کہ "ابو طالبؑ کا تذکرہ حمایت و نصرت نبی کریمؐ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ برائیوں کے ساتھ ان کا تذکرہ نبی کریمؐ کے لیے باعثِ اذیت ہے۔ اور آنحضرتؐ کو اذیت دینا کفر ہے اور کافر کی سزا قتل ہے [4]۔"

ابو طاہر کی نظر میں ابو طالبؑ سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ [5]

دحلان کی رائے ہے کہ اتنے دلائل و براہین کے بعد نجات ابو طالبؑ کا قائل ہونا ہی اپنی نجات کا باعث ہو سکتا ہے۔ [6]

سیوطی نے ایک کتاب "بغیۃ الطالب لایمان ابی طالب" [7] کے نام سے لکھی ہے جس کا عنوان ہی ان کے عقیدہ کی وضاحت کر رہا ہے۔

اس مقام پر تمام مؤلفین و مفکرین کے اقوال و افکار کا پیش کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ اپنے امکان سے باہر ہے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ بعض علماء کے اقوال سے بھی موضوع پر روشنی پڑ جائے۔ بحمد اللہ یہ مطلب بھی حاصل ہو گیا۔

اب ان تمام واضح دلائل و براہین کے بعد آپ کے کفر کے قائل دو ہی قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جماعت ہے کہ جس نے ضمیر فروشی، دین فروشی کر کے معاویہ سے تجارت کے لیے روایتیں وضع کی تھیں اور اس طرح عیش دنیا اور عذابِ آخرت کا بیک وقت انتظام کیا تھا۔

اور دوسری جماعت وہ ہے کہ جس نے بعد میں آ کر اسی مسموم فضا میں آنکھ کھولی اور اسے یہ حقیقت واضح طور پر نظر نہ آ سکی۔ بہر حال اب ہم نے حقیقت کے چہرہ سے نقاب ہٹا دی ہے، باطل کا پردہ چاک کر دیا ہے لہٰذا اب کسی ایسے انسان کے لیے عند اللہ کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا ہے۔

---

[1] الغدیر، ج ۷ ص ۳۸۳
[2] الغدیر، ج ۷ ص ۳۸۲
[3] الغدیر، ج ۷ ص ۳۸۲۔
[4] الغدیر، ج ۷ ص ۳۸۲
[5] الغدیر، ج ۷ ص ۳۸۲
[6] الغدیر، ج ۷ ص ۳۸۳۔
[7] الغدیر، ج ۷ ص ۳۸۴۔

تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ ان تمام واضح دلائل، محکم بیانات مستحکم شواہد کے بعد ابو طالبؑ کے ایمان کا تو انکار کریں اور اس حدیث کے قائل ہو جائیں کے جسے مسلم نے نقل کیا ہے۔ ''شرید کہتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اکرمؐ کے ساتھ ہم سفر تھا، آپؐ نے فرمایا تمھیں امیہ بن ابی الصلت کے اشعار یاد ہیں، میں نے عرض کی، جی ہاں۔ فرمایا سناؤ۔ میں نے ایک شعر سنا دیا اور فرمایا، اور میں نے پھر ایک سنا دیا۔ فرمایا، اور؟ میں نے اسی طرح تقریباً ۱۰۰ سو شعر سنا دیے تو آپ نے فرمایا، کہ یہ اپنے اشعار میں تو تقریباً مسلمان تھا۔''[1]

دوسری روایت ہے کہ زید بن عمرو دینِ حق کی تلاش میں شام کے راستے مکہ جارہا تھا، راستہ میں موت آ گئی۔ حضرت عائشہ رسولِ اکرم کی زبانی نقل فرماتی ہیں کہ ''میں جنت میں گیا تو میں نے زید بن عمرو کے دو بڑے بڑے درخت دیکھے۔''[2]

ایک تیسری روایت ہے کہ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور عمرؓ بن الخطاب نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زید کے لیے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو حضرت نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا، کہ زید ایک مستقل امت کی طرح مبعوث ہوگا۔[3]

ایک روایت میں قس بن ساعدہ کے بارے میں بھی یہی الفاظ ملتے ہیں۔[4]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تضاد کیسا؟ آخر رسولؐ جیسے معدنِ جود و کرم انسان کو کیا ہو گیا ہے؟ غیروں پر تو یہ عنایتیں کہ کسی کو ایک امت بنائے دے رہے ہیں، کسی کے چند اشعار سے اسے مسلمان قرار دیے دے رہے ہیں، کسی کے لیے استغفار ہو رہا ہے، اور وہ شخص کہ جس نے اپنی آغوش میں پرورش کی ہے اپنا خون پسینہ ایک کر کے پالا ہے اس پر کوئی کرم نہیں؟ حد یہ ہے کہ اس کے ان تمام احسانات کا بھی کوئی بدلہ نہیں ہے جب کہ قرآن نے **هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ** کی تعلیم دی ہے — **استغفر الله**۔

اب ان تمام بیانات کے بعد اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کو غیر مسلم کہنا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا ہے اور آپؐ کو اذیت دینا ایک گناہِ کبیرہ ہے۔ اور معصیتِ عظمیٰ ہے جیسا کہ قرآنِ کریم اعلان کر رہا ہے۔

۱۔ والذین یؤذون رسول الله لهم عذاب الیم۔

''رسولؐ کو اذیت دینے والوں کے لیے عذاب عظیم ہے۔''

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۔۴۹۔

[2] السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۹۶

[3] علی ہامش السیرۃ ج ۱ ص ۱۳۶۔ السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۷۳۔۷۶۔۹۵

[4] بحار، ج ۶ ص ۵۷۔ السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۷۳۔ ص ۷۶۔ مروج الذہب ج ۱ ص ۶۹۔۷۰۔

ب۔ وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ

''تمھیں رسولؐ کو اذیت دینے کا حق نہیں ہے۔''

ج۔ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعدلھم عذابا مھینا

''خدا اور رسولؐ کو اذیت دینے والوں کے لیے لعنت اور رسوا کن عذاب ہے۔''

یہی وجہ تو تھی کہ حلمسانی نے آپ کے کفر کے قائلین کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ اس لیے کہ یہ قول نبی کریمؐ کے لیے باعثِ اذیت ہے اور آپ کو اذیت دینے والا کافر اور مستحقِ قتل ہے۔

بھلا اس سے زیادہ اور کیا اذیت ہو سکتی ہے کہ آپ کے چچا ناصر، کفیل، مربّی اور ایک مومن کامل و مجاہد مخلص کو کافر کہہ دیا جائے؟ اگر یہ صحیح ہے کہ سبیعہ بنت ابی اسب نے حضرتؐ سے شکایت کی کہ لوگ مجھے ''حمالۃ الحطب'' کی بیٹی کہتے ہیں اور آپ بگڑ کر مجمع میں آگئے۔ ور فرمانے لگے کہ آخر لوگ میرے قرابتداروں کے بارے میں مجھے کیوں اذیت دیتے ہیں، میری اذیت تو اللہ کی اذیت ہے[1]۔ ''حالانکہ اسلام و کفر کے درمیان کوئی قرابت باقی نہیں رہتی۔'' اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت نے مردوں کو برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے، صرف اس لیے کہ اس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے[2] اور اسی بنا پر نبی کریمؐ کو اذیت دینے والے کو مستحقِ قتل قرار دیا گیا، اگر تو یہ نہ کرے[3] بلکہ لکین کی رائے کی بنا پر تو اگر چہ تو یہ بھی کر لے۔[4]

اگر یہ سب صحیح ہے تو کیا ابو طالبؑ کو کافر کہنا آنحضرتؐ کے لیے باعثِ اذیت نہیں ہے؟ کیا اس کے بعد انسان قتل، عذاب اور لعنت کا مستحق نہیں بن جاتا؟

یہی وجہ ہے کہ جب رسولِ اکرمؐ کے والدین کے بارے میں اسلام و کفر کی نزاع شروع ہوئی تو علامہ سیوطی نے ان الفاظ میں فیصلہ دیا:۔

''والدین کا مسئلہ اگر چہ اجماعی نہیں ہے بلکہ اختلافی ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ انھیں نجات یافتہ کہا جائے۔ اس لیے کہ اس کے خلاف کہنا نبی اکرمؐ کو اذیت دینا ہے۔ اس لیے کہ دنیا کا دستور ہے کہ اگر کسی کے باپ کی تنقیص و توہین کی جائے تو اولاد کو اذیت ہوتی ہے۔''[5]

---

[1] السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۷۷
[2] السیرۃ النبویہ، ج ۱ ص ۷۷۔
[3] السیرۃ النبویہ، ج ۱ ص ۷۷
[4] السیرۃ النبویہ، ج ۱ ص ۷۷
[5] السیرۃ النبویہ، ج ۱ ص ۷۶

مجھے اس مقام پر یہ کہنا ہے کہ اولاً تو رسولِ اکرمؐ کے والدین کے بارے میں کفر کا قول مسلمانوں میں ایک اشتباہ کی بنا پر پیدا ہوگیا ہے، ان افترا پردازیوں کا مقصد تمام تر یہ تھا کہ ابو طالبؑ کو کافر کہہ کر حضرت علیؑ کی توہین کریں، لیکن اتفاق کی بات کہ یہ سلسلہ حضرت عبداللہ، آمنہ بلکہ حضرت عبدالمطلب تک پہنچ گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کو اختلافی کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ آبائے نبیؐ کے ایمان کی شہادت قرآنِ کریم کی آیتیں اور خود حضرتؐ کی حدیثیں دے رہی ہیں۔ اور ایسی حالت میں مخالفین کے قول کو اہمیت دے کر مسئلہ کو اختلافی بنا دینا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ سیوطی نے آبائے رسولؐ کے ذکرِ بد کو صرف اس لیے منع کیا ہے کہ اس سے رسولِ اکرمؐ کو اذیت ہوگی۔ لیکن میرا عقیدہ یہ ہے کہ اس اذیت کا منشاء صرف قرابتداری اور رشتہ داری ہی نہیں ہے بلکہ سب سے بڑا سبب تو یہ ہے، اس طرح حق پر ایک حملہ اور ایمان پر کہ پہلے اسلام لائے تھے۔ حالانکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ بحث سرے سے غلط ہے۔ دیگر مسلمانوں میں یہ بحث ہوسکتی ہے اس لیے کہ وہ پہلے کافر تھے لیکن حضرت علیؑ کے بارے میں یہ بحث ہی بے معنی ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ باپ کی تنقیص سے بیٹے کی توہین ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کی توہین صرف حضرت علیؑ کی توہین نہیں ہے۔ بلکہ رسولِ اکرمؐ کی بھی توہین ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں نصِ آیت مباہلہ متحد ہیں، ان دونوں کو علاوہ نبوت کے تمام صفات وخصوصیات میں مشترک ہونا چاہیے۔ لہٰذا اب رسولؐ کے لیے ابو طالب، عبداللہ ہیں اور فاطمہ، آمنہ چاہے دونوں مومن ہوں یا کافر، اس لیے کہ علیؑ، نفسِ محمدؐ ہیں۔

اگر رسولِ اکرمؐ کو یہ بات تکلیف دیتی ہے کہ ابولہب کی بیٹی کو "بنت الحطب" کہا جائے حالانکہ اس کا باپ ابولہب اور اس کی ماں "حمالۃ الحطب" ہے تو کیا آنحضرتؐ کے لیے یہ بات تکلیف دہ ثابت نہ ہوگی کہ آپ کے مومنِ کامل اور مجاہدِ مخلص چچا کو کافر کہہ دیا جائے؟ حقیقت امر یہ ہے کہ یہ وہ ظلم وتعدی اور یہ وہ جنایت و بہتان ہے کہ جس سے جس قدر بھی متاثر نہ ہوا جائے کم ہے۔ ابو طالبؑ جیسا قریب انسان، اس کی توہین کی جائے اور رسولؐ اکرم کو اذیت نہ ہو؟ کون ابو طالبؑ اپنا چچا، چاہنے والا چچا اور پالنے والا چچا، کون ابو طالبؑ؟ اپنا جان نثار، مجاہد، مومن اور مخلص بزرگ۔ پھر اس کے علاوہ خود حضرت علیؑ کو اذیت دینا ہی آنحضرتؐ کی اذیت کے لیے کافی ہے! جب کہ دونوں کا نفس ایک، اور دونوں کی روح ایک ہے۔ اگر شفاعت کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اتنی بڑی بڑی تعداد بھی اس میں داخل ہوسکتی ہے کہ جس کا ذکر سابق کے روایات میں ہوا ہے تو کیا اس میں اتنی وسعت اور نہیں ہے کہ اس میں ایک ابو طالبؑ بھی داخل ہوجائیں؟

اگر رسولؐ سے زیادہ کوئی صلہ رحم کرنے والا نہیں ہے جیسا کہ معاویہ کے خطیب انیس نے قسم شرعی کے ساتھ

بیان کیا تھا تو کیا یہ صلۂ رحم کے خلاف نہیں ہے کہ تمام دنیا کی شفاعت کرلیں اور اپنے حقیقی چچا اور اپنے نفس کے حقیقی باپ کی شفاعت نہ کریں؟

لیکن سچ تو یہ ہے کہ ابو طالبؑ کو اس شفاعت کی ضرورت ہی نہیں ہے شفاعت پر اس کی نجات موقوف ہوتی ہے۔ کہ جس کے اعمال استحقاقِ جنت کے لیے کافی نہ ہوں۔ لیکن جس کے ذاتی اعمال ایسے ہوں کہ جن پر دین کی بنیاد عقیدہ کا استحکام اور اسلام کی ترویج کا دارومدار ہو، اسے بھلا شفاعت کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو اپنے ذاتی اعمال ہی سے عدالتِ الٰہیہ کے تقاضوں کے مطابق جنت کا مستحق بن سکتا ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ اگر ابو طالبؑ ہی جنت میں نہ جائیں گے تو وہ خلق کس لیے ہوئی ہے؟ اگر انھیں کو بطور جزا نہ ملے گی تو کسے ملے گی؟ اگر ابو طالبؑ جہنم میں چلے گئے تو پھر بچے گا کون؟ انبیاء ومرسلین یا شہداء وصدیقین؟ میرا خیال تو یہ ہے کہ پھر کوئی نہیں بچ سکے گا۔ اس لیے کہ ابو طالبؑ جہنم میں اسی وقت جائیں گے جب تمام اخلاقی اقدار ختم ہوجائیں گے؟ جب عدالتِ الٰہیہ کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا۔ جب احکامِ الٰہیہ کی بنیادیں بھی ظلم وجور پر قائم ہوجائیں گی اور جب جزا اور عمل میں کوئی ارتباط باقی نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

''وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا''

پارہ ۲۲ سورۂ الاحزاب ۳۳، آیت ۵۸

''یقیناً اور جو لوگ صاحبان ایمان مرد یا عورتوں کو بغیر کچھ کئے اذیت دیتے ہیں انھوں نے بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا رکھا ہے۔''

مولائے متقیان کا ارشاد گرامی ہے کہ بدترین انسان وہ ہے جو بدنیتی کی بنا پر لوگوں پر اعتماد نہ کرے اور اس کی ردعمل کی بنا پر لوگ اس پر اعتماد نہ کریں۔

اَللّٰھُمَّ صل علیٰ محمد وآل محمد

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

شیعہ اور صحابہ

مخالفین اہل بیتؑ جب اہل بیتؑ کے مذہب و مسلک میں کوئی خامی نہ پا سکے تو انہوں نے پیروکارانِ اہل بیت پر نت نئی تہمتیں لگائیں ایسی ایسی باتیں ان کی طرف منسوب کیں جن کا کوئی صحیح الدماغ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ سب سے بڑی تہمت یہ لگائی کہ شیعہ تمام صحابہ کو کافر قرار دیتے ہیں۔

ہم اس مسئلہ پر ذرا تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ یہ تہمت کہ شیعہ صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں اور انہیں کافر قرار دیتے ہیں کوئی معمولی بات نہیں، یہ شیعوں کے دشمنوں کا بہت کاری حربہ ہے، انہوں نے شیعت کی روز افزوں اشاعت کی روک تھام اور شیعی عقائد کو نیست و نابود کرنے کے لئے اس حربہ سے بہت کام لیا۔ یہ تک نوبت آ گئی تھی کہ شیعوں کو کافر کہا جاتا اور اسلامی معاشرہ سے انہیں نکال باہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی۔

اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو صحابہ کے متعلق ہم شیعوں کی رائے انتہائی معتدل اور مناسب ترین رائے ہے۔ اس لئے کہ ہم فرقہ غالیہ کی طرف نہ تو اتنی تفریط پر مائل کہ تمام صحابہ کو کافر قرار دیں نہ حضرات اہل سنت کی طرح ان سے اتنے خوش عقیدہ اور افراط پر آمادہ کہ سب ہی پر ایمان لائیں اور ہر ایک کو معتمد و موثق سمجھ لیں۔

فرقہ کاملیہ اور انہیں جیسے لوگ قائل ہیں کہ تمام صحابہ کافر ہیں۔ حضرات اہل سنت کہتے ہیں کہ ہر وہ مسلمان جس نے پیغمبرؐ کو دیکھا یا پیغمبرؐ کو بولتے سنا وہ عادل ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ خالی خولی صحبت اگرچہ گونہ فضیلت رکھتی ہے مگر صرف صحابی ہونے کی وجہ سے کوئی شخص گناہوں سے محفوظ نہ ہو جائے گا۔ صحابہ بھی دوسرے ہی لوگوں جیسے تھے ان صحابہ میں عادل صحابہ بھی تھے اور یہ بزرگ ترین افراد اور مجسمہ علم و عمل اشخاص تھے اور انہیں میں باغی صحابہ بھی تھے اور انہیں میں گناہوں میں ڈوبے ہوئے منافقین بھی تھے اور انہیں میں کچھ مجہول الحال لوگ بھی تھے۔

جو صحابہ عادل تھے ہم ان کی حدیثوں سے استفادہ کرتے ہیں ان کے قول و فعل کی تقلید کرتے ہیں اور انہیں دنیا و آخرت میں دوست رکھتے ہیں، لیکن وہ صحابہ جو باغی تھے جنھوں نے وصیٔ پیغمبرؐ نفس رسولؐ اور قوت بازوئے پیغمبرؐ سے بغاوت کی نیز وہ تمام گناہگار و مجرم افراد جیسے ابن ہند ابن نابغہ، ابن زرقا ابن عقبہ ابن ارطاۃ وغیرہ ایسے لوگوں کی کوئی

عزت ہماری نگاہوں میں نہیں نہ ان کی حدیثوں کا کوئی وزن ہے۔

رہ گئے مجہول الحال افراد جن کے اچھے یا برے ہونے کا ہمیں علم نہیں ان کے متعلق ہم لوگ توقف سے کام لیتے ہیں جب تک ان کے حالات کی چھان بین نہ ہو جائے اور ان کا اچھا یا برا ہونا قطعی طور پر معلوم نہ ہو جائے ہم ان کی حدیثوں سے پرہیز کرتے ہیں۔

یہ ہے مسلک ہمارا ان صحابہ کے متعلق جو حاملین احادیث پیغمبرؐ ہیں جن سے پیغمبرؐ کے اقوال و افعال نقل کئے گئے ہیں۔

ہمارے اس طرز عمل پر کتاب الٰہی بھی ہماری مؤید ہے اور سنت نبویؐ بھی جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ بہت تفصیل سے مذکور ہے البتہ جمہور مسلمین، وہ ہماری طرح اصحاب کے مراتب میں فرق نہیں کرتے ان کے لئے صرف صحابی کی لفظ بڑی سند ہے۔ جن جن کے نام کے آگے صحابی کی لفظ لگی ہو ہر ایک کو مجسمۂ تقدس و پرہیزگاری قرار دیتے ہیں۔ ہر کہدومہ کی تقلید اور ہر اس مسلمان کی پیروی واجب جانتے ہیں جس نے پیغمبرؐ کو دیکھا ہو یا پیغمبرؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہو۔

اتنے پر ہی بس نہیں بلکہ یہ جمہور مسلمین ان تمام لوگوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں جو اس کورانہ تقلید میں ان کے ہم خیال و ہمنوا نہیں۔

جمہور مسلمین جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہم بہت سے صحابہ کی حدیثیں ان کے یقینی طور پر مجرد ہونے یا مجہول الحال ہونے کے سبب رد کر دیتے ہیں تو کچھ نہ پوچھئے کہ ان کی آتش غیظ و غضب ہمارے خلاف کتنی بھڑک اٹھتی ہے وہ محض شریعت کے قاعدہ مقررہ کی سختی سے پابندی کرنے کے جرم میں ہمارے برخلاف طرح طرح کی بدگمانیوں کو دل میں جگہ دیتے ہیں اور نت نئے الزامات و اتہامات ہمارے سر منڈتے ہیں۔ رجماً بالغیب اور محض نادانی و جہالت کی بناء پر۔

اگر وہ ذرا بھی عقل و انصاف سے کام لیں اور شریعت کے مسلم الثبوت قوانین و قواعد کی طرف رجوع کریں تو انہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ صحابی خواہ کیسا ہی ہو وہ بحر حال عادل ہے کا نظریہ کتنا مہمل اور واہیات نظریہ ہے اور اس نظریہ کا ثبوت و دلیل موجود نہیں اگر قرآن مجید کا غائر نگاہوں سے مطالعہ کیا جائے تو پتا چلے کہ یہ منافقین کے ذکر سے چھلک رہا ہے۔ صرف سورۂ توبہ اور سورۂ احزاب، سورۂ منافقون ہی کو لے لیجئے ان تینوں سوروں میں شروع سے آخر تک منافقین ہی کا تذکرہ ہے ان آیات پر غور کیجئے۔

"الاعراب اشد کفر اونفاقاً و اجدر ان لا یعلموا حدود ما انزل اللہ علی رسولہ و من اہل المدینۃ مردوا۔ علی النفاق لا تعلمہم نحن نعلمہم۔ لقد ابتغوا الفتنۃ من قبل و قلبوا لک

الامور حتی جاء الحق و ظہر امر اللہ وھم کارھون و ھموا بما لم ینالوا و ما نقموا الا ان اغناھم اللہ و رسولہ من فضلہ۔(ترجمہ)؟؟

اب خدا کے لئے انصاف سے کہیے کہ پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی وہ منافقین کہاں چلے گئے۔پیغمبرؐ جب تک زندہ رہے ان منافقین نے آپ کا کلیجہ خون کر رکھا تھا۔بہتیرے مواقع پر آپؐ کی جان لینے کی انہوں نے کوششیں کیں۔آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جب پیغمبرؐ غزوۂ حدیبیہ کے لئے مدینہ سے تشریف لے گئے تھے تو ایک ہزار مسلمان ہمراہ تھے لیکن حدیبیہ پہونچنے سے پہلے ہی تین سو منافقین راستہ ہی سے پلٹ گئے بقیہ جو سات سو اصحاب آپ کے ہمراہ حدیبیہ تک پہنچے ان میں بھی اچھی خاصی تعداد منافقین کی رہی ہوگی اور وہ بدنامی و رسوائی کے ڈر سے واپس نہ ہوئے ہونگے فرض بھی کر لیا جائے کہ بقیہ سات سو میں کوئی منافق نہیں تھا پھر بھی ہزار میں تین سو منافقین کا تناسب ہی کیا کم لائق ماتم ہے۔

اس سے یہ بات بالکل آئینہ ہو جاتی ہے کہ نفاق پیغمبرؐ کے زمانے ہی میں عام تھا لہٰذا کیوں کر ممکن ہے کہ پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام منافقین یک لخت نیست و نابود ہو گئے ہوں اور آپؐ کی رحلت کے بعد جتنے بھی صحابی بچے وہ سب کے سب مجسمہ ایمان و یقین اور نمونہ عدالت بن گئے ہوں۔

کیا معاذ اللہ پیغمبرؐ کی زندگی منافقین کے نفاق کا سبب اور آپؐ کی موت ان کے ایمان و عدالت اور ان کی تمام خلائق سے افضل و بہتر ہو جانے کا ذریعہ تھی؟ پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی چشم زدن میں ان کی انقلاب ماہیت کیسے ہوگئی؟ کہ جب تک پیغمبرؐ کی سانسیں آتی جاتی رہیں ان کا شمار منافقین میں ہوتا رہا اور ان پر خدا کی لعنتوں کی بوچھار ہوتی رہی۔اور ادھر پیغمبر اکرمؐ کا تارِ نفس ٹوٹا ان پر فضل و شرف کی ایسی بارش ہوئی کہ اب ان کی بابت لب کشائی ناجائز ان کی قدح ناممکن اور انہوں نے بڑے بڑے جرائم اور ہولناک معاصی جو کئے ان پر حرف گیری حرام ان ہٹ دھرمیوں کی کوئی مناسب وجہ بتائی جا سکتی ہے؟ اور اس قسم کے دعوؤں پر کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس سے کوئی دلیل بھی پیش کرنا ممکن ہے؟

اگر ہم منافقین کو منافقین ہی کہیں اور ان کی اصل حقیقت کا انکشاف کریں تو اس سے ہمیں کیا نقصان پہنچے گا۔آخر ہزاروں ہزار سچے صحابہ مومنین کاملین بھی تو تھے ان کے رہتے ہوئے ہمیں ان منافقین کی احتیاج ہی کیا۔جب ہم قول و فعل رسولؐ، مجسمہ علم و عمل اصحاب، مخلصین مومنین کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں۔تو منافقین کی طرف نظر ڈالنے کی ضرورت ہی کیا؟ صحبت عام لفظ ہے مومن کو بھی شامل ہے اور منافق کو بھی نیکوکار کو بھی اور بدکار کو بھی جیسا کہ خود پیغمبر خداؐ نے اس کی صراحت کی ہے۔

ماوردی بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں پیغمبرؐ پیاسے ہوئے۔ اس پر منافقین نے کہنا شروع کیا محمدؐ آسمان کی خبریں تو بیان کرتے ہیں مگر انہیں پانی تک پہنچنے کی سبیل معلوم نہیں۔ جبرئیل امین نے آ کر پیغمبر خداؐ کو ان منافقین کے نام بتائے۔ آنحضرتؐ نے سعد بن عبادہ سے اس کی شکایت کی۔ سعد نے کہا حضورؐ اگر اجازت دیں تو ان سب کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں لوگ یہی کہیں گے کہ محمدؐ خود اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہیں۔

جنگ خیبر میں مسلمانوں کے لشکر کا ایک شخص مر گیا۔ پیغمبر خداؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے پرہیز کیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اس نے راہِ خدا میں خیانت کی ہے۔ اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو ایک ہار ملا جو اس نے یہودیوں کے مال سے لوٹا تھا۔

تو صرف صحابیت نہ تو عصمت پیدا کرنے کی ضامن ہے اور نہ عادل بنانے کو کافی، جس کا جیسا عمل ہوگا ویسا اس کا درجہ ہوگا۔ اگر صرف صحابیت گناہوں سے محفوظ بنا دینے والی ہوتی تو ان لوگوں کو بھی بنا دیتی جو نفاق میں سرگرم اور فتنہ فساد میں ہر وقت کوشاں رہتے تھے جنہوں نے پیغمبرؐ کی تدبیریں اُلٹ پلٹ دیں۔ اور پیغمبرؐ سے غداری کی۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ صحابہ پیغمبرؐ کی یہ کیسی عصمت تھی اور کب وہ عصمت ان میں آئی؟ کیا پیغمبرؐ کی زندگی ہی میں اُن میں عصمت آ گئی تھی؟ یا پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد سب کے سب دفعۃً درجۂ عصمت پر فائز ہو گئے تھے؟

دونوں ہی صورتیں غلط ہیں ہزاروں شواہد موجود ہیں کہ پیغمبرؐ کی زندگی میں بہتیرے صحابہ بڑی سے بڑی خطاؤں کے مرتکب ہوئے۔

۱) ایک شخص پیغمبرؐ کی خدمت میں کتابت پر متعین تھا اس کی کیفیت یہ تھی کہ پیغمبرؐ اس سے لکھواتے ''غفور ارحیما'' تو وہ لکھ دیا کرتا تھا ''علیما حکیما'' اگر کہتے کہ ''علیما حکیما'' لکھو تو وہ لکھ دیتا ''سمیعا بصیرا'' اس نے لوگوں سے کہا کہ میں محمد مصطفیٰؐ سے زیادہ عالم ہوں۔ وہ شخص مر گیا پیغمبرؐ نے فرمایا زمین اس کو قبول نہیں کرے گی انس بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابو طلحہؓ نے بیان کیا جہاں وہ شخص دفن ہوا تھا میں دیکھنے گیا دیکھا تو وہ زمین سے باہر نکلا پڑا تھا۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم نے اس شخص کو کئی دفعہ دفن کیا ہر مرتبہ زمین نے اسے پھینک دیا۔

۲) بیہقی نے عبداللہ الاشعری کے سلسلے سے ابو داؤد سے روایت کی ہے، ابو دردا کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ خدا سے میں نے عرض کیا حضورؐ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؐ فرمایا کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائیں گے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا ہاں مگر تم ان لوگوں میں نہیں ہو۔ (تاریخ ابن کثیر۔ جلد ۶ ص ۲۰۷)۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس روایت کی توجیہہ یہ کی ہے کہ ان مرتد ہوجانے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیااور ابو درداقتلِ عثمان سے پہلے ہی مر چکے تھے۔ اگر یہ توجیہہ صحیح مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سینکڑوں ہی صحابہ مرتد ہو گئے تھے کیونکہ حضرت عثمان کی ہلاکت میں سینکڑوں ہی صحابہ کی شرکت تھی انگلیوں پر گنے جانے کے لائق چند ہی صحابہ ایسے رہے ہوں گے جنہوں نے قتل عثمان میں شرکت نہ کی ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے حضرت امیر المومنین حضرت ثانیہ) اس تاویل کی بناء پر بے شمار صحابہ مرتد قرار پائیں گے۔

۳) ولید بن عقبہ بن ابی معیط بھی ایک صحابی تھا جس کا اللہ نے نام ہی رکھ دیا تھا فاسق۔ پیغمبرؐ نے اُسے بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس نے واپس آکر پیغمبرؐ کو خبر دی کہ بنی مصطلق تیار ہو کر مجھ سے لڑنے کے لئے نکلے پیغمبرؐ نے چاہا کہ لشکر تیار کر کے بنی مصطلق کی طرف روانہ کریں کہ آیت اُتری۔

"یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبا ٍٔفتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ۔"

اے ایمان لانے والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لو ایسا نہ ہو کہ اپنی نادانی کی وجہ سے تم کسی قوم کو مبتلائے مصیبت کر دو۔

یہ فاسق بھی صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے اور فاسق عادل کیسے ہوسکتا ہے؟ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۲۱۱)

۴) بنی سلمہ سے ایک شخص تھا جد بن قیس یہ بھی صحابی تھا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

ومنھم من یقول ائذن لی ولا تفتنی الا فی الفتنۃ سقطوا وان جھنم لمحیطۃ بالکافرین۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ۳۳۲)۔

۵) کچھ صحابی ایسے بھی تھے جنہوں نے مسجد ضرار بنائی تھی جن اوقات میں پیغمبرؐ کے پاس پہونچنا دشوار ہوتا۔ یہ لوگ اس مسجد میں ظاہراً نماز پڑھا کرتے لیکن خداوند عالم نے اُن کا بھید ظاہر کر دیا اور وضاحت کی کہ یہ لوگ منافق ہیں اُن لوگوں کے متعلق آیت اتری۔ والذین اتخذوا۔

یہ بارہ منافق تھے جن میں خدام بن خالد بن عبید بھی تھا اسی کے گھر میں مسجد بنی تھی اور یقب بن قشیر ابو جبیبہ بن ابی الازعر وغیرہ تھے ابن کثیر نے اپنی تفسیر جلد ۲۔ ۳۸۸ پر اور دیگر مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اُن کا ذکر کیا ہے

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۱۔ ۳۴۱)

۶) ایک شخص تھا ثعلبہ بن حاطب بن عمر بن امیہ یہ جنگ احد میں بھی شریک تھا اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دی۔ اس پر یہ آیت اُتری:۔

ومنهم من عاهد الله لئن اتانا من فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين فلما اتاهم الله من فضله بخلوا به وتولوا وهم معرضون

(استیعاب بر حاشیہ اصابہ جلد ا۔۲۰) (ترجمہ)؟؟؟؟

یہ ثعلبہ پیغمبرؐ کے صحابی اور نماز کے بڑے پابند تھے، بہت مفلس ونادار پیغمبرؐ سے عرض کی خداوند عالم سے دعا فرمائیے کہ ہمیں مال عنایت کرے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: کم مال جس پر تم خدا کا شکر ادا کرو۔ زیادہ مال سے بہتر ہے جسے تم برداشت نہ کرسکو۔ ثعلبہ نے عرض کی قسم اُس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنایا۔ اگر خداوند عالم نے مجھے دولت عنایت کی تو ہر حقدار کو اس کا حق ادا کروں گا۔ پیغمبرؐ نے دُعا فرمائی کہ خداوندا ثعلبہ کو دولت عنایت فرما۔ پیغمبرؐ کی دعا کی بدولت ثعلبہ مالدار ہوا دولت کی انتہا نہ رہی لیکن اُس نے زکوۃ ادا نہیں کی اور منافق قرار دیا گیا۔

۷) ذوالثدیہ کا شمار بھی پیغمبرؐ کے اصحاب میں ہے یہ شخص ایسا عابد وزاہد تھا کہ لوگوں کو اس کی عبادت اور اجتہاد پر تعجب آتا تھا۔ پیغمبرؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا اس کے چہرے پر شیطان کی جھلک ہے، پہلے حضرت ابوبکر کو بھیجا کہ جا کر قتل کر آؤ، حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ وہ شخص نماز پڑھ رہا ہے واپس پلٹ آئے حضرت عمر بھیجے گئے اُنھوں نے بھی قتل نہیں کیا۔ تب پیغمبرؐ نے حضرت علی کو بھیجا آپ جب پہونچے تو وہ جا چکا تھا۔ (اصابہ جلد ا۔ ۴۲۹)

یہی شخص خوارج کا سرغنہ تھا اور جنگ نہروان میں حضرت علیؑ نے اُسے قتل کیا۔

۸) کچھ اور لوگ تھے جو صحابی کے نام سے یاد کیے جاتے تھے یہ لوگ سویلم کے گھر میں اکٹھا ہو کر لوگوں کو رسولؐ اللہ کے خلاف سازش کرتے پیغمبرؐ نے وہ گھر جلوا دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ا۔ ۴۳۱)

۹) ایک صحابی تھے قرنان بن حرث جنگ اُحد میں شریک ہوئے۔ پیغمبرؐ کی طرف سے بڑی شدید جنگ کی اصحاب نے کہا۔ آج قرنان نے جو کارنامہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا لیکن وہ جہنمی ہیں۔ جب وہ زخموں سے چور ہو کر گرے اور لوگوں نے کہا۔ ابوالفید اق جنت مبارک ہو تو اُنھوں نے کہا۔ کیسی جنت، ہم نے تو محض خاندانی عزوشرف کے نام پر جنگ کی ہے۔ (اصابہ جلد ۳۔ ۲۳۷)

۱۰) حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بھی صحابی تھا جس پر پیغمبرؐ نے لعنت فرمائی تھی اور مدینہ سے نکال باہر کیا تھا یہ مروان کا باپ اور حضرت عثمان کا چچا تھا۔

فاکہی نے بسلسلہ اسناد زہری اور عطاء خراسانی سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ اس وقت حکم پر لعنت فرما رہے تھے لوگوں نے قصہ پوچھا تو آں حضرت نے فرمایا۔ میں گھر میں فلاں بیوی کے پاس تھا یہ دیوار کے شگاف سے جھانک رہا

تھا۔

ایک مرتبہ پیغمبر حکم کی طرف سے گزرے۔ حکم آپ کی طرف گستاخانہ اشارے کرنے لگا۔ پیغمبر نے پلٹ کر دیکھا پھر دعا فرمائی خداوندا اسے چھپکلی بنا دے۔ (اصابہ جلد ۱۔ ۳۴۶)

حضرت عائشہ کی روایت میں ہے۔ آپ نے مروان سے فرمایا تھا، میں گواہی دیتی ہوں کہ پیغمبرؐ خدا نے تمھارے باپ پر لعنت کی تھی اور اس وقت تم اس کی صلب میں تھے۔

۱۱) حضرت عائشہ کے متعلق کثیر بن مرہ کی روایت خود حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ پیغمبرؐ خدا نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا۔ عائشہ مجھے کھانا کھلاؤ۔ حضرت عائشہ نے کہا۔ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا۔ ایمان دار عورت یہ قسم نہیں کھاتی کہ ہمارے پاس کچھ نہیں پیغمبرؐ نے فرمایا، یہ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ ایمان دار ہیں۔ عورتوں میں ایمان دار عورت کا ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کوؤں میں سپید کوا۔ (علل الحدیث ابن ابی حاتم جلد ۱۔ ۴۳۹)

۱۲) امام نسائی نے اپنی صحیح سنن نسائی میں عبداللہ بن عباس سے قول باری تعالیٰ:۔

ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین کے شان نزول کے متعلق روایت کی ہے کہ ایک انتہائی حسین و جمیل عورت رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھی بعض لوگ آگے کھڑے ہوتے تاکہ اس عورت پر نظر نہ پڑے بعض لوگ اُسے تاکنے کے لیے پیچھے کی صف میں کھڑے ہوتے تھے اور رکوع کرتے وقت بغل سے جھانکا کرتے۔

۱۳) امام احمد نے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس سے بسلسلہ اسناد روایت کی ہے کہ ان دونوں نے پیغمبرؐ خدا کو ارشاد فرماتے سنا وہ لوگ جماعت چھوڑنے سے باز رہیں ورنہ خداوند عالم ان کے دلوں پر مہر کر دے گا اور ان کا نام غافلوں میں لکھ دے گا۔ (مسند جلد ۵۔ ۴۰)

۱۴) امام احمد نے مسند میں عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ آں حضرتؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ میں تم لوگوں سے پہلے حوض کوثر پر پہونچوں گا کچھ لوگوں سے نزاع کروں گا پھر اُن پر غالب آجاؤں گا پھر اپنے پروردگار سے عرض کروں گا۔ خداوندا میرے اصحاب! خداوندا عالم جواب دے گا تمہیں کیا پتہ کہ ان اصحاب نے تمھارے بعد کیا کیا۔ (مسند احمد جلد ۵۔ ۲۳۱)

ترمذی نے پیغمبرؐ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت نے فرمایا، میرے دائیں سے کچھ اصحاب پکڑے جائیں گے کچھ میرے بائیں سے۔ میں عرض کروں گا خداوندا یہ میرے اصحاب ہیں اس پر خداوند عالم جواب دے گا تمہیں

معلوم نہیں ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا کیا حرکتیں کیں جب سے تم ان سے جدا ہوئے یہ برابر اُلٹے پیروں پھرتے ہی گئے اُس وقت میں وہی فقرہ کہوں گا جو عبد صالح حضرت عیسیٰ فرمائیں گے۔"ان تعذبھم فانھم عبادک" اگر ان لوگوں پر تو عذاب کرے گا تو تیرے بندے ہیں۔(صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۶۸)

امام مسلم نے حضرت عائشہ سے ان لفظوں میں روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: میں حوض کوثر پہ منتظر رہوں گا کہ تم میں سے کون کون میرے پاس آتا ہے۔خدا کی قسم کچھ لوگ زبردستی میرے پاس آنے سے روک دیئے جائیں گے۔میں عرض کروں گا خداوندا۔۔۔۔۔(صحیح مسلم۔جلد ۴ ص ۶۵) امام مسلم نے جناب اُم سلمیٰ کے واسطے سے بھی اسی مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔(صحیح مسلم۔جلد ۴ ص ۶۷)

کہاں تک مثالیں ذکر کی جائیں اتنے ہی مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر صحابی عادل نہیں ہوتا۔

بے شک صحابیت بہت بڑی فضیلت ہے لیکن یہ صحابیت معصوم نہیں بنا دیتی صحابہ میں بہت سے عادل نیکوکار صداقت شعار بھی تھے یہی لوگ علمائے امت اور حاملین حدیث تھے اور انہیں میں مجہول الحال بھی تھے منافقین بھی صاحبانِ جرائم بھی جیسا کہ خداوند عالم نے خبر دی ہے:۔ **وممن حولك من الاعراب منافقون من اهل المدينه مرد و اعلى النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم سنعذ بهم مرتين ثم يردون الى عذاب عظيم۔**

اور تمہارے اطراف کے گنوار دیہاتیوں میں سے بعض منافق (بھی) ہیں۔اور خود مدینہ کے رہنے والوں میں سے بھی بعض منافق ہیں۔جو نفاق پر اڑ گئے۔تم ان کو نہیں جانتے مگر ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔عنقریب ہم دنیا ہی میں ان کی دوہری سزا کریں گے۔پھر یہ لوگ قیامت میں ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔(سورۂ توبہ آیت ۱۰۱)

انہیں میں ایسے لوگ بھی تھے جو پیغمبر کو اذیت پہونچایا کرتے:۔

والّذين يوذون رسول الله لهم عذاب اليم۔ جو لوگ خدا کے رسولؐ کو اذیت پہونچائیں گے ان پر دردناک عذاب ہوگا۔انہیں لوگوں میں سے وہ بھی تھے جن کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:۔ **الّذين يخادعون الله وهو خادعهم واذا قاموا الى الصّلوة قاموا كسالٰى يراؤن الناس ولا يذكرون الله الا قليلا مذبذبين ذالك لا اليهولاء ولا الى هولاء ومن يضلل الله فلن تجدله سبيلاً۔**

کتاب خدا ایسے لوگوں کی موجودگی بھی ثابت کرتی ہے۔جو رسول اللہؐ کے ارشادات سنتے تھے لیکن خداوند عالم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تھی کیونکہ وہ ہوا و ہوس کے پیرو تھے۔ارشاد ہوتا ہے:۔ **ومنهم من يستمع اليك**

حتیٰ اذا خرجوا من عندک قالو الذین اوتو العلم ماذا قال انفاً اولئک الّذین طبع اللہ علیٰ قلوبھم واتبعوا اھواھم۔

اسی طرح ایسے لوگوں کی موجودگی کی بھی خداوند عالم نے سراحت کی ہے جن کے دلوں میں مرض تھا جو زمین میں فساد پھیلایا کرتے اور قطع رحم کیا کرتے۔اولئک الّذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمیٰ ابصارھم افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوبھم اقفالھا۔(ترجمہ)؟؟؟

کاش کوئی بتانے والا ہمیں بتائے کہ پیغمبرؐ خدا کی آنکھ بند ہونے کے بعد یہ صحابہ کیا ہوئے، کہاں چلے گئے جنہوں نے رسول خداؐ کی زندگی تلخ کر دی تھی، کیا پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ان کی کایا پلٹ گئی؟ وہ منافق سے مومن ہو گئے شک سے نکل کر یقین میں آ گئے مفسد کی بجائے مصلح ہو گئے۔ان عادل صحابہ کی صفوں میں داخل ہو گئے جن کے نفوس کی خلقت ہی ہوئی زہد و وراع پر اور عفت نفس، علم و عمل اور راہِ خدا میں فدا کاری جن کے خمیر میں داخل تھی، جن کے متعلق خداوند عالم کا ارشاد ہے:۔

اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ۔(سورہ فتح۔آیت ۲۹)(ترجمہ)؟؟؟

انّما المؤمنین الّذین آمنو باللہ و رسولہ ثم لم یرتابو اوجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون۔(سورۂ حجرات آیت ۱۵)۔(ترجمہ)؟

انہیں لوگوں کی اتباع و پیروی کا خداوند عالم نے حکم دیا ہے۔

یا ایھا الّذین امنو اتقواللہ و کونوا مع الصادقین۔

اے ایمان لانے والو! خدا سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

ہم اپنے دین و مذہب میں کسی قسم کے شک و شبہ میں مبتلا نہیں نہ ہم صحابہ کے مراتب میں فرق اور تمیز کرنے میں ارشاد خداوند عالم کے مخالف ہیں۔صحابہ میں جو افراد صداقت شعار تھے ہم ان کی پیروی کرتے ہیں جو صحابہ مذکورہ صفاتِ حسنہ سے متصف تھے۔انھیں دوست رکھتے ہیں البتہ ہم ان صحابہ کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے جنہوں نے خدا اور رسولؐ سے خیانت کی ایسے لوگوں کی پیروی دین و مذہب کے ساتھ ظلم بھی ہے اور خیانت بھی۔

ہم ظالم صحابہ پر اعتماد نہیں کرتے نہ ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جنہوں نے خدا اور رسول کے ساتھ دشمنی کی۔

ہمارا شکوہ:۔

جذبات کو انسان کے اقوال و افعال میں بڑی حد تک دخل ہوتا ہے جذبات کے اسیر انسان کا آزادی رائے اور سلامتی فکر سے بہرور ہونا بہت مشکل ہے اس میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ جذبات کی پہنائی ہوئی زنجیروں سے خود کو آزاد کر سکے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔اہل بیتؑ سے بہت سے لوگوں کی برگشتگی جذبات اور تعصب کی وجہ سے تھی،ان میں بہت سے تو ایسے تھے جو حق جانتے ہوئے غلط بات زبان سے نکالتے تھے،بہت سے ایسے تھے جو جھوٹے پراپیگنڈوں سے اور سازشی باتوں سے متاثر تھے۔انہوں نے جیسے حالات دیکھے ویسے ہی رنگ اختیار کئے۔بہت سے بین بین تھے یہ لوگ ہر بات کی تاویل کرتے اور اپنی تاویلات پر انہیں اصرار بھی تھا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ اس زمانے کی حکومتیں اہل بیتؑ سے برسر پرخاش رہا کرتیں۔اہل بیتؑ کے طرفداروں کو کچلتی،عوام الناس کو مختلف صورتوں سے دھوکہ دے کر اہل بیتؑ کی دشمنی و عداوت پر مجبور کرتیں،یہ ایسے حقائق ہیں جو محتاج بیاں نہیں۔تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ کن کن طریقوں سے ارباب حکومت نے عداوت کی آگ بھڑکائی اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنایا س موقع کو دشمنان اسلام اور ان لوگوں نے غنیمت سمجھا جو اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے ظاہری طور پر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ان لوگوں نے اختلافات کی خلیج کو کافی چوڑا کیا۔اور جب کھلم کھلا اسلام کو ذک پہنچانے سے عاجز رہے تو اپنی سازشی کاراوائیوں اور ریشہ دوانیوں سے مقصد برآری کی کوشش کی۔انہیں سب باتوں کی وجہ سے یہ جھگڑے پیدا ہوئے۔

یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ مختلف فرقوں کے افراد اور تعصب میں ڈوبے ہوئے لوگ اپنے مخالفین کی طرف ایسی باتیں منسوب کر کے بیان کرتے ہیں جن کا ان مخالفین کو وہم وگمان بھی نہ ہوا ہوگا۔اسی طرح شیعوں کے متعلق بھی بہت سی افترا پردازیاں کی گئیں،بہت سی باتیں ان کی طرف منسوب کر کے بیان کی گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعوں سے دشمنی کا اظہار واجب سمجھا جانے لگا۔بادشاہ کا تقرب حاصل کرنے اور اس کے انعامات حاصل کرنے کے لئے نثر ونظم میں شیعوں کی مذمت کی جاتی ان کی مذمت و منقصت میں پوری پوری کتابیں لکھ ڈالی جاتیں۔جس طرح بہت سے لوگوں نے محض سلامتی کی خاطر اور اس ڈر سے کہ کہیں ہمیں بھی کفر و زندقہ کی تہمت نہ لگا دی جائے۔شیعوں سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا۔پوری احتیاط برتی کہ زرہ برابر بھی شیعوں کی طرف ہمارا میلان ظاہر نہ ہونے پائے۔اس لئے کہ شیعہ حکومت کے دشمن تھے اور مستبدانہ سیاست کے مخالف تھے۔حکومت انہیں ہمنوا بنانے یا ان کے محکم عقائد کو تبدیل کرنے میں تھک ہار چکی تھی شیعہ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوتے حق کی تبلیغ و اشعار اہل بیتؑ کی متابعت اور ظالموں سے اپنی بے تعلقی ظاہر کرنے کے لئے جان پر کھیل جاتے۔

لیکن اب وہ زمانہ بدل چکا۔ عقائد سے کھیلنے اور صاحبان حرص و ہوس کا کھلونا بن کر ان کے مقاصد کی تکمیل کے لئے جنگ و جدل کرنے کا دن نہیں۔ ہم آج کل جس زمانے میں ہیں جو آزادی فکر کا زمانہ ہے۔ کیا ہمارے لئے یہ بات کسی طرح مناسب ہوسکتی ہے کہ ہم اسی قدیمی تعصب کو سینے سے لگائے اور وہی فرقہ وارانہ نغمے الاپتے رہیں۔

کیا ذوق سلیم کا یہ تقاضہ نہیں کہ ہم ان نعرہ بازیوں سے پرہیز کریں جو کمزور عقل اور جامد فکر والوں نے اختیار کر رکھے تھے۔ جو شیعون کے متعلق مہمل

مہمل باتیں کہتے اور غلط سے غلط باتیں ان کی طرف منسوب کر کے لکھتے۔ کیا حق و انصاف یہ نہیں کہ جو بات کہی جائے۔ اس کے متعلق غور کر لیا جائے کہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ شیعوں پر یہ الزام کہ وہ صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں اور تمام صحابہ کو کافر سمجھتے ہیں انتہائی غلط اتہام اور محض تعصب و فرقہ وارانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ گذشتہ زمانے کے ارباب حکومت کی نیتیں عالم آشکار ہو چکی ہیں جنہوں نے لوگوں کو آزادی رائے سے محروم کر رکھا تھا اور جو عقائد میں دخل دیا کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ حکومت کے دماغ سے سوچتے اور حکومت کی آنکھ سے دیکھتے اور انہیں عقائد کے معتقد ہوتے جو حکومت مقرر کر دیا کرتی۔

شیعہ اپنی آزادی فکر میں مشہور تھے وہ ان پابندیوں کو خاطر میں نہیں لائے جو ارباب حکومت نے اپنے خصوصی اغراض کے تحت عائد کی تھیں حکومت نے لوگوں کو سختی سے ممانعت کر دی تھی کہ صحابہ کے باہمی اختلافات و مناقشات کا بالکل ذکر نہ کریں ان حدیثوں کی روک تھام بھی کر دی تھی جن میں اختلافات کا ذکر تھا۔ انہوں نے ہر اس شخص کو جسے صحابیت کا شرف حاصل تھا عصمت کا درجہ دے رکھا تھا اور جو شخص ان کی مخالفت کرتا اس کے لئے وہی سزائیں مقرر کر رکھی تھیں جو زندقہ، الحاد اور عقیدہ کی خرابی کی سزا تھی۔ غرض محض یہ تھی کہ مسلمانوں میں فکر و نظر والے جو افراد ہیں ان کا خاتمہ ہو جائے۔ نہ جانے کتنے صاحبان علم اور حاملین حدیث اس اتہام کی بھینٹ چڑھے اور انہیں اپنی جان و مال سے ہاتھ دھونا پڑا۔

شیعوں کی آخر خطا بھی کیا تھی کیا انہوں نے محض صحابہ کے افعال پر تنقید کر کے کتاب و سنت کے حدود سے تجاوز کیا تھا جبکہ وہ افعال شریعت کے ایسے علانیہ مخالف تھے کہ نہ تاویل ہی ممکن تھی نہ چشم پوشی۔ صحابیت صحابہ کو احکام شریعت میں تصرف کرنے کا حق تو دے نہیں سکتی تھی اور نہ حدود اسلامی کی مخالفت ہی ان کے لئے جائز بنا سکتی تھی۔ صریح نص کے مقابلہ میں اجتہاد کا سوال ہی نہیں جو یہ کہہ دیا جائے کہ انہوں نے اجتہاد کیا تھا۔ نص صریح کے مقابلے میں اجتہاد در حقیقت احکام کے خلاف ورزی اور کتاب و سنت کو پس پشت ڈال دینا ہے ان صحابہ میں بہت سے ایسے بھی تھے جن کا اسلام پرانا نہیں نیا تھا انہیں پیغمبرؐ کی صحبت کے چند دن نصیب ہوئے تھے ان کے نفوس بہت سی باتوں کے خوگر

تھے برسوں کی پڑی ہوئی عادتیں ایک دو دن میں چھوٹ نہیں جایا کرتیں۔ انسانی فطرت برائیوں پر فریفتہ ہوتی ہیں۔ خطا ولغزش انسان کی فطرت میں داخل ہے ان کے اعمال کی چھان بین اور علمی روشنی میں ان کی جانچ کا یہ مطلب نہیں کہ سب ہی صحابہ پر طعن کی جارہی ہے۔ ہمارا مقصد تو محض حقایق کا سمجھنا ہوتا ہے اور یہ تمیز کرنا کہ کون کس درجہ پر فائض تھا اور کون کس درجہ پر۔

یہ تو بالکل نا منصفانہ بات ہے کہ سب ہی کو وہ درجہ دے دیا جائے جو سابقین کا درجہ تھا جن کے دلوں میں ایمان راسخ تھا۔ جنھوں نے اسلام کی اشاعت کی عدل کے پرچم لہرائے۔ صحیح عقائد اسلامی کی تبلیغ کی اور راہ خدا میں خلوص نیت سے اپنی جان و دل سے جہاد کیا۔ پیغمبر خدا کا ارشاد ہے: **انما الاعمال بالنیات و انما لکل امری انوی فمن کانت هجرتا الی الله فهجرة الی الله و رسوله ومن کانت هجرة للدنیا یصیبها او امرأة یتزوجها فهجرته الی ما هاجر الیه۔**

تمام اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔ جس کی جو نیت ہوگی وہ پائے گا۔ جس نے خدا اور رسولؐ کی طرف ہجرت کی ہوگی اس کی ہجرت خدا اور رسول کی طرف ہوگی۔ تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف سمجھی جائے گی جس کی طرف کی ہے۔ (صحیح مسلم جلد۔۶ ص ۸۸)

صحابہ نے پیغمبر اکرمؐ سے پوچھا: یا رسول اللہؐ! کیا ہمارے ان افعال کی بھی باز پرس ہوگی جو ہم نے اسلام سے پہلے کئے تھے؟ پیغمبر خدا نے فرمایا: جس نے اسلام لانے کے بعد اچھے اعمال کئے اس سے تو کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ لیکن جس نے اسلام لانے کے بعد برے افعال کئے ان سے جاہلیت کے زمانے کے گناہوں کا بھی محاسبہ ہوگا اور اسلام لانے کے بعد کے گناہوں کا بھی۔ (صحیح مسلم جلد ا ص ۷۷)

صہیب سے مرفوعاً منقول ہے:

ما آمن بالقرآن من استحل محارمه۔ جس نے قرآن کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھا وہ قرآن پر ایمان نہیں لایا۔ (صحیح ترمذی جلد۔ ۲ ص ۱۵۱)

انہیں صہیب سے یہ بھی روایت ہے کہ: **من احسن فی الاسلام لم یوخذ بما عمل فی الجاهلیة ومن اساء فی الاسلام اخذ فی الاول والآخر** جس نے اسلام لانے کے بعد اچھے اعمال کئے اس سے جاہلیت کے گناہوں کی باز پرس نہ ہوگی اور جس نے اسلام لانے کے بعد بھی برے اعمال کئے اس سے جاہلیت اور اسلام دونوں ہی کے گناہوں کی باز پرس کی جائے گی۔ (صحیح مسلم جلد ا ص ۷۷)

عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے منبر پر با آواز بلند فرمایا:

اے ایسے لوگو! جو زبان سے اسلام لائے اور دل میں ایمان کا گزر نہیں ہوا مسلمانوں کو اذیت نہ دو نہ انہیں کوئی عیب لگاؤ نہ ان کی لغزشوں کی کھوج کرو جس نے اپنے مسلمان بھائی کی لغزش تلاش کی خدا بھی اس کی لغزش ڈھونڈھے گا چاہے وہ اپنے پالان کے جوف ہی میں کیوں نہ چھپا ہو۔ (صحیح ترمذی جلد ۱ ص ۳۶۵)

غرضکہ آیات قرآن مجید اور احادیث پیغمبرؐ کی روشنی میں یہ امر پوری طرح واضح ہے کہ صحابہ اور غیر صحابہ قوانین اسلام کی پابندی میں برابر تھے احکام اسلام سب ہی کو شامل ہیں۔عدالت کا ثبوت عمل سے ہوتا ہے جب تک عمل نہ ہو عدالت بے کار ہے۔صحابہ اس عدالت کو نفاذ میں لانے کے زیادہ سزاوار تھے۔یہ نظریہ کہ سب ہی صحابہ مجتہد تھے ثابت کرنا بہت دشوار ہے۔نص صریح کے مقابلہ میں اجتہاد کرنا اس کی تاویل کرنا حقیقتاً احکام کو پس پشت ڈال دینا ہے۔صحابہ کے لئے یہ جائز ہی نہیں تھا کہ احکام کی من مانی توجیہہ اور تاویل کریں اور ظاہری طور پر جو مفہوم ان احکام کا سمجھ میں آتا ہے اس کے برعکس عمل میں اپنے لئے جائز سمجھیں بلکہ احکام اسلامی تمام لوگوں کے لئے یکساں ہیں۔سبھی پر ان کی پابندی ضروری ہے اسی صورت میں عدالت اسلامی بروئے کار آسکتی ہے۔

اس مختصر مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ عدالت کے اوپر زیادہ بحث کی جائے۔واقعہ یہ ہے کہ خود صحابہ بھی اس عدالت کے قائل نہیں تھے بلکہ انہیں اس کا علم بھی نہیں ہوا تھا امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی سیاست اور آپؑ کی اس روش سے جو خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں رہی اور خود آپ کے عہد خلافت میں بھی ہماری اس تحریر کی صداقت سے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، جو شخص خلفاء ثلاثہ کے عہد میں حدود الٰہی سے تجاوز کرتا، امیر المومنینؑ اس پر حد جاری کرنے سے باز نہ رہتے جس کا جیسا عمل ہوتا اس کے مطابق برتاؤ کرتے جس کی منزلت خدا کے نزدیک جتنی عظیم ہوتی آپ کے نزدیک بھی عظیم ہوتی۔جس طرح آپؑ اپنی خلافت کے زمانے میں قانونِ اسلامی کی ترویج اور انسانی حقوق کی ادائیگی کے لئے انتہائی کوشاں رہے۔

آپؑ اس اسلامی مساوات کے سختی سے پابند تھے جس نے ہر خاندانی اور قبائلی شرافت و بزرگی کا خاتمہ کر دیا تھا۔"ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" خاندان کے معزز ہونے اور نام ونسب کی بلندی سے کوئی عزت کا مالک نہیں ہوتا بلکہ عزت وشرافت کا دارو مدار تقویٰ اور پرہیز گاری پر ہے۔جو شخص جتنا بھی متقی اور پرہیز گار ہوگا خدا کے نزدیک اتنا ہی معزز ہوگا۔علیؑ اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے، نہ آپؑ کو اس کی فکر تھی کہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ کر دشمن سے جا ملیں گے اسی وجہ سے آپ کا طرز عمل ان لوگوں پر شاق گزرا جن کے نفوس میں پاکیزگی نہ تھی۔اور لذائذ دنیوی سے بہرہ اندوز ہونے کے درپے اور زندگی کی فتنہ سامانیوں پر فریفتہ تھے۔کیونکہ انہیں پوری طرح اندازہ تھا کہ علیؑ کے زیر سایہ ہماری کوئی تمنا پوری ہونے والی نہیں وہ معاویہ کے پاس بھاگ نکلے جنہیں نہ کسی

قاعدہ قانون کی پرواہ تھی نہ کسی نظام حکومت کی، انہیں تو محض اپنا اقتدار قائم کرنے اور اپنا دائرہ حکومت وسیع کرنے سے غرض تھی، اسی وجہ سے بہت سے لوگ امیر المومنینؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کے پاس چلے گئے۔ تا کہ وہ ان کے پاس رہ کر اپنی خطاؤں کی پاداش سے محفوظ رہیں جیسے قعقاع بن نور اونجاشی اور انہیں جیسے بہت سے لوگ۔

امیر المومنینؑ نے اپنے عمال کو جو تاکیدیں فرمائی تھیں اپنے سرداران لشکر کو جو نصیحتیں کی تھیں انہیں آپؑ نے جو مکاتیب وفرامین تحریر فرمائے تھے ان کے مطالعے کے بعد ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں نے جو صحابہ کو تقدس کا درجہ دے رکھا ہے اور جس عدالت کا لبادہ اوڑھا رکھا ہے علیؑ نے ایسا نہیں کیا۔

حضرت علیؑ کی سیرت پر یہاں روشنی ڈالنا ہمیں مقصود نہیں۔ ہم تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہ پیغمبرؐ کے لئے حرام خدا سے پرہیز، پیغمبرؐ کے احکام کی تعمیل واجب و لازم تھی۔ ان کے لئے ہرگز روا نہ تھا کہ نص کے مقابلے میں تاویل کریں۔ ہر جگہ اجتہاد نہیں چلتا۔ اجتہاد کی بھی کچھ شرائط ہیں۔ قدامہ بن مظعون صحابی پیغمبرؐ کے واقعہ سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

قدامہ بن مظعون:

بن حبیب المتوفی ۳۶ ھ سابقین اولین سے ہیں۔ انہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ پہلی حبشہ کی طرف، دوسری مدینہ کی طرف۔ حضرت عمر نے انہیں بحرین کا حاکم مقرر کیا۔ بنی عبدالقیس کے سردار جاروت بحرین سے حضرت عمر کے پاس آئے اور قدامہ کے خلاف گواہی دی کہ انہوں نے شراب پی ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ گواہ کون ہیں، جاروت نے کہا: ابو حریرہ! حضرت عمر نے ابو حریرہ سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو؟ میں نے شراب پیتے تو نہیں دیکھا، البتہ نشہ میں بدمست اور قے کرتے دیکھا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: تم نے بڑی صاف گواہی دی پھر انہوں نے قدامہ کو بحرین سے بلا بھیجا۔ ان کے آنے پر جارود نے حضرت عمر سے کہا قدامہ پر حد جاری کیجئے۔ حضرت عمر نے کہا تم حریف ہو یا گواہ؟ انہوں نے کہا میں گواہ ہوں حضرت عمر نے کہا تم کو جو گواہی دینا تھی دے چکے۔ جارود نے پھر دوسرے دن آ کر کہا: قدامہ پر حد جاری کیجئے۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں تو دیکھ رہا ہوں کہ تم گواہ نہیں بلکہ فریق مخالف ہو، حالانکہ صرف ایک ہی شخص نے تمہارے ساتھ گواہی دی ہے۔ جارود نے پھر اسرار کیا پر حضرت عمر نے کہا اپنی زبان روکو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ جارود نے کہا: یہ کہاں کا انصاف ہے کہ شراب تو آپ کے سالے پئیں اور سزا آپ مجھے دیں۔ ابو حریرہ نے کہا: حضور! اگر آپ کو ہم لوگوں کی گواہی پر شک ہے تو آپ دختر ولید یعنی قدامہ کی بیوی کے پاس کسی کو بھیج کر دریافت کر آیئے۔ حضرت عمر نے ہند بنت ولید کے پاس آدمی بھیجا اور قسم دلائی اس نے اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی حضرت عمر نے قدامہ سے کہا۔ میں تم پر حد جاری کروں گا قدامہ نے کہا اگر میں نے شرابؔ پی بھی ہے جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں

تب بھی آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ مجھ پر حد جاری کریں۔حضرت عمر نے کہا کیوں؟ قدامہ نے کہا: ارشاد باری ہے: لیس علی الذین آمنوا عملوا الصالحات جناح فیما طعموا۔ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے عمل صالح کیا،وہ جو کچھ کھائیں ان سے کوئی مواخذہ نہیں۔حضرت عمر نے کہا تم نے غلط تاویل کی۔تم جب خدا سے ڈرو گے تو ان چیزوں سے اجتناب بھی کرو گے۔جو خداوند عالم نے حرام کی ہیں۔پھر لوگوں سے پوچھا تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔قدامہ پر حد جاری کروں یا نہیں۔لوگوں نے کہا جب تک قدامہ بیمار ہیں ہماری رائے ہے کہ ملتوی رکھئے۔حضرت عمر کچھ دن خاموش رہے پھر ایک دن تہیہ کیا کہ قدامہ پر حد جاری ہی کر دی جائے گی لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا جب تک کمزوری باقی ہے حد جاری نہ کیجئے۔حضرت عمر نے کہا: اگر کوڑے کھاتے وقت وہ مر جائیں تو یہ زیادہ مجھے پسند ہے با نسبت اس کے کہ میں خدا سے اس حال میں ملوں کہ قدامہ میری گردن میں لپٹیں ہوں،تم لوگ کوڑہ لاؤ۔حضرت عمر نے حکم دیا اور قدامہ پر حد جاری کی گئی۔(اصابہ جلد۔۳ ص ۲۲۸) دیکھئے قدامہ ایسے صحابی نے جو سابقین اولین سے تھے کلام مجید کے ایسے صریحی حکم کی ایسی غلط تاویل کی۔اس واقعہ کو ہم نے صرف یہ دکھلانے کے لئے ذکر کیا ہے کہ یہ جو دعویٰ کیا جاتا ہے کہ صحابہ مجتہد ہیں اور اگر وہ اپنی اجتہاد میں خطا کریں اور حکم صریح کی ایسی غلط تاویل کریں جو اجماع کے خلاف بھی ہو تب بھی ان سے کوئی مواخذہ نہ کیا جائے گا۔انتہائی غلط اور خلاف عقل ہے اگر ایسا ہی ہوتا تو قدامہ بھی صحابی تھے اور ایسے صحابی جنہیں ہجرت و سابقیت کا شرف حاصل تھا لیکن حضرت عمر نے ان کو غلط تاویل کرنے پر معاف نہیں بلکہ حد جاری کر کے رہے۔

قدامہ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ نے کلام مجید کی آیات کی غلط تاویلیں کیں ان پر بھی اس طرح حد جاری کی گئی۔جیسے ابو جندل،ضرار بن خطاب اور ابو الازور ان سب کو ابو عبیدہ نے شراب پیتے دیکھ کر اعتراض کیا ابو جندل نے کہا: لیس علی الذین آمنو جناح فیما طعموا۔لیکن یہ خطاء اجتہادی انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی۔ان پر حد جاری ہو کر رہی۔عبد الرحمن بن عمر بن خطاب نے مصر میں شراب پی تھی ان پر عمرو عاص نے حد جاری کی۔اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔

حضرت عمر کا اپنے بعض عاملوں کے ساتھ سخت برتاؤ اور ان کی دولت کو بانٹ لینا بھی اس کا ثبوت ہے کہ صحابہ میں وہ خالص عدالت نہ تھی۔ابو ہریرہ کو حضرت عمر نے بحرین کا حاکم مقرر کیا ابو ہریرہ وہاں سے دس ہزار دینار لے کر آئے۔حضرت عمر نے کہا یہ مال تم نے خدا و کتاب خدا کے دشمن ہتھیایا ہے۔ابو ہریرہ نے کہا کہ نہ میں خدا کا دشمن ہوں نہ اس کی کتاب کا بلکہ میں ان دونوں کے دشمن کا دشمن ہوں۔حضرت عمر نے کہا: تو پھر یہ مال تمہارے پاس کہاں سے آیا۔ابو ہریرہ نے کہا میرے پاس کچھ گھوڑے تھے ان کے بچے ہوئے کچھ غلہ تھا کچھ میں اپنی تنخواہ سے بچاتا گیا

(تاریخ ابن کثیر جلد۔۸ ص ۱۱۳)

علامہ ابن عبدربہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے ابو ہریرہ کو بلا کر کہا: تمہیں معلوم ہے کہ جب میں نے تمہیں بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا تو تمہارے پیروں میں جوتیاں تک نہ تھیں، اور اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم نے ۱۶ سو اشرفیوں کے گھوڑے خریدے تھے جن کے بچے ہوئے کچھ عطیے موصول ہوئے، حضرت عمر نے کہا میں نے تمہاری تنخواہ اور تمہاری کمائی کا حساب کر لیا ہے اتنا مال فاضل ہے اسے واپس کر دو

ابو ہریرہ نے انکار کیا حضرت عمر نے کہا میں ضرور وصول کروں گا اور تمہاری پیٹ بھی لہولہان کروں گا۔ پھر آپ درہ لے کر پل پڑے۔ اتنا مارا کہ لہولہان کر دیا پھر کہا لاؤ۔ لاؤ داخل کرو۔ ابو ہریرہ نے کہا مجھے وہ خدا کے پاس ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ یہ تو میں جب سمجھتا جب تم جائز ذریعے سے حاصل کرتے اور خوشی و خاطر ادا کر دیتے۔ کیا تم بحرین کے آخری سرے سے اسی لئے آئے ہو کہ لوگوں سے خراج وصول کر کے اپنا گھر بھر لو۔ نہ اللہ کو اور نہ مسلمانوں کو۔ تمہاری ماں امیمہ نے تمہیں اپنے پائخانہ کے مقام سے اسی لئے جنا ہے کہ تم گدھے چراؤ۔ (عقد فرید جلد ا ص ۲۶)

یہ سخت برتاؤ حضرت عمر نے ابو ہریرہ کے ساتھ کیا۔ ان پر الزام لگایا کہ انہوں نے اموال مسلمین میں خیانت کی۔ انہیں خدا و کتاب خدا کا دشمن قرار دیا اور ان کے دعوؤں کا ذرہ برابر بھی یقین نہیں کیا۔ اگر ابو ہریرہ عادل ہوتے جیسا کہ سبھی صحابہ کے عادل ہونے کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ عمر ابو ہریرہ کو سچا نہ سمجھتے۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ ابو المختار یزید بن قیس نے حضرت عمر کو اہواز کے حکام کی شکایت لکھ بھیجی جنہوں نے مال ہتھیا لیا تھا۔ یہ تمام حکام صحابہ تھے۔ حجاج بن عتیق جو ان صحابہ میں تھے جنہوں نے اہواز میں اقامت کر لی تھی اور حضرت عمر نے انہیں فرات کا عامل مقرر کیا تھا۔ دوسرے نفیع اور نافع فرزندان حرث یہ بھی صحابی تھے اور اصفہان کے بیت المال کے افسر تھے ور ان کے علاوہ اور بھی چند صحابہ تھے جن کی ابو مختار نے شکایت کی تھی جیسے سمرہ بن جندب مجاشع بن سعود، نعمان بن عدی بن نفیلہ اور بشر بن محتفز۔ حضرت عمر نے ان سب صحابہ کی دولت آدھی آدھی وصول کر لی یہاں تک کہ جوتیاں تک تقسیم کر دیں ایک لی اور ایک چھوڑ دی۔ (فتح البلدان ص ۳۷۷)

ظاہر ہے کہ حضرت عمر نے ان صحابہ کے اموال میں سے نصف اسی وقت چھینا ہوگا جب ان صحابہ کا جرم خیانت ثابت ہو چکا ہوگا اور خیانت و عدالت دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ عادل شخص امین ہوتا ہے اور کوئی شخص امین اور خائن دونوں نہیں ہو سکتا۔

یہ البتہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آدھی آدھی دولت بانٹ لینے کا اصول حضرت عمر نے کہاں سے حاصل کیا۔ اگر ان صحابہ نے خیانت کی تھی تو سارا ہی مال خیانت کا تھا سب ہی ضبط کر لینا چاہئے تھا اور اگر خیانت نہیں کی تھی تو ایک درہم

بھی ان کے مال سے زبردستی لینا جائز نہیں ہوسکتا۔

پھر ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے کیوں نہیں سمجھا کہ صحابہ مجتہد ہیں انہوں نے تاویل کی اور تاویل میں خطا ہوگئی۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ حضرت عمر نے ان صحابہ کا مال ضبط کر کے صحیح کام کیا یا غلط ہم تو صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ان کا برتاؤ ہر ایک کے ساتھ یکساں تھا صحابی ہو یا غیر صحابی جس سے بھی کوئی جرم سرزد ہوتا حضرت عمر سختی سے محاسبہ کرتے۔

ابو الغادیہ جہنی اس کا نام یسار بن سبع تھا یہ بھی پیغمبرؐ کے اصحاب میں سے تھا اس نے پیغمبرؐ سے حدیثیں سنیں اور دوسروں سے روایت کیں مجملہ اس کی روایات کے یہ حدیث بھی ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے ارشاد فرمایا: ان دماءکم واموالکم حرام۔ تمہارے اموال اور تمہاری جانیں حرام ہیں (یعنی کسی کے لئے جائز نہیں کہ ناحق کسی کا خون بہائے یا ناحق کسی کا مال ضبط کرے) یہی ابو الغادیہ جناب عمار کا قاتل ہے لوگوں کو اس پر حیرت آتی ہے کہ اس نے پیغمبرؐ کی یہ حدیثیں سنیں اور عمار کو قتل بھی کیا۔ حالانکہ عمار کے متعلق پیغمبرؐ خدا کی مشہور حدیث ہے "یا عمار تقتلك الفئة الباغية" عمار تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ ابو الغادیہ جب معاویہ سے ملنے آتا تو یہ کہہ کر اجازت مانگتا۔ عمار کا قاتل دروازہ پر ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۰۱)

لوگ اس ابو الغادیہ کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے خود ابو الغادیہ کو بھی اپنے گناہ گار اور جہنمی ہونے کا اقرار تھا۔ ایک مرتبہ ابو الغادیہ حجاج کے پاس آیا حجاج نے خوش آمدید کہی اور پوچھا تم ہی نے فرزند سمیہ (جناب عمار) کو قتل کیا تھا۔ ابو الغادیہ نے کہا۔ ہاں پھر تفصیل بتائی کہ کیسے کیسے قتل کیا۔ حجاج نے کہا شام والو جو شخص الغادیہ کو دیکھنا پسند کرے جو بروز قیامت طویل ہاتھوں والا ہوگا وہ الغادیہ کو دیکھے۔

ابو الغادیہ نے کہا، ہاں خدا کی قسم ایسا شخص جس کی داڑھ مثل کوہ اُحد ہوگی جس کی رانیں مثل دو ورقوں کے ہوں گی۔ اور جس کی پشت مدینہ اور زہدہ کی درمیانی مسافت جتنی لمبی چوڑی ہوگی وہ بروز قیامت یقیناً بڑے ہاتھوں والا ہوگا۔

یہ جہنم والوں کی صفت ہے جہنم کے لوگ ایسے ہی ہونگے جیسا کہ حدیث شریف میں ذکر ہے۔

اسد الغابہ میں خود ابو الغادیہ کا قول منقول ہے۔ "خدا کی قسم! اگر عمار کو تمام باشندگان روئے زمین مل کر قتل کرتے تو سب ہی جہنم میں جاتے۔" (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۶۰)

لیکن بعض محدثین نے ابو الغادیہ کے اس ہولناک جرم کو بہت ہلکا کر کے دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ان

محدثین کے نزدیک صحابہ کی نفرت و ناپسندیدگی کی بھی کوئی قیمت نہیں ان کے خیال میں ابو الغادیہ عمار کے خون سے پاک تھا، وہ کہتے ہیں کہ ان لڑائیوں میں صحابہ کے متعلق خیال یہ ہے کہ انہوں نے تاویل کی اور اس مجتہد کے لئے یہ چیز ثابت ہے تو صحابہ کے لئے بدرجہ اولی ثابت ہوگی۔ (اسابہ جلد ۴ ص ۱۵۱)

ہم اس نظریہ سے زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے کہ اس کا مہمل و فاسد ہونا خود ہی واضح ہے سب سے اہم دلیل اس نظریہ کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ اگر یہ نظریہ تسلیم کرلیا جائے تو اس کا صریحی مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے معاذ اللہ بالکل غلط فرمایا تھا کہ "یا عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ" عمار تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا، کسی بھی شخص کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ ابو الغادیہ کو اپنے ہولناک جرم عمار کے قتل کرنے پر نیک جزا ملے گی، حالانکہ پیغمبرؐ خدا نے اسے باغی گروہ میں سے قرار دیا ہے، یہ تو خدا اور رسولؐ کے ساتھ کھلا ہوا مذاق اور معاویہ اور ان کی جماعت کی انتہائی کورانہ پاس داری ہے۔

صحابی کی روایت:۔

مذکورہ بالا عبارت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ شیعہ ہر صحابی کے عادل ہونے کے قائل نہیں۔ صحابہ کے متعلق اصالۃ عدالت کا نظریہ بالکل بے بنیاد ہے۔ برادران اہل سنت کا نظریہ ہے کہ ہر صحابی عادل ہوتا ہے لیکن اس میں بھی اختلاف ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ بلا استثناء ہر صحابی عادل ہے دوسری جماعت کہتی ہے کہ وہ صحابہ عادل ہیں جو فتنے میں مبتلا نہیں ہوئے (یعنی حضرت عثمان کی ہلاکت میں شریک نہ ہوئے) معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ صحابہ جو علیؑ سے لڑے وہ فاسق تھے۔ ابن الصلاح نے بیان کیا ہے کہ وہ صحابہ جو فتنہ میں شریک نہ ہوئے ان کے عادل ہونے پر اجماع قائم ہو چکا ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی باتیں کہی گئی ہیں۔

شیعوں کا بہرحال نظریہ یہ ہے کہ سب صحابہ عادل نہ تھے وہ بغیر چھان بین کئے ہر ایک کی روایت قبول نہیں کرتے، وہ انہیں صحابہ کی روایت قبول کرتے ہیں جو ثقہ ہوں انہوں نے قبولیت کی چند شرائط مقرر کئے ہیں اس لئے کہ حدیث اسلام کا دستور اور مسلمانوں کی دینی اور سماجی زندگی کی شاہراہ ہے اسی وجہ سے مسلمانوں نے حدیث کی سند اور مفہوم کی جانچ پڑتال میں انتہائی کدو کاوش کی ہے۔

شیعوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ شیعہ پیغمبرؐ کے صحابہ کی حدیثیں ٹھکراتے ہیں اور یہ اصحاب پیغمبرؐ پر طعن ہے۔ بعض لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ شیعہ مسلمانوں کی شریعت پر اعتبار نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ صحابہ کی حدیثیں رد کر دیتے ہیں اس قسم کی بہت سی تہمتیں شیعوں پر لگائی جاتی ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ شیعوں کا آخر قصور کیا ہے؟ وہ اگر ہر صحابی کی حدیث بے چون و چرا تسلیم نہیں کرتے بلکہ پہلے جانچ پڑتال کر لیتے ہیں اور ان صحابہ کی روایت قبول نہیں کرتے جن کی بداعمالیاں عالم آشکار ہو چکی ہیں جو ہوا و ہوس کے غلام ہو گئے تھے تو کون سا گناہ کرتے ہیں۔

جو شخص دین و مذہب میں احتیاط سے کام لے اور احکام مذہبی حاصل کرنے میں غور و فکر ضروری سمجھے کیا اسے یہ الزام دینا جائز ہے کہ اس نے صحابہ پر طعن کیا ہم اگر مثلاً ابو ہریرہ کی حدیث آنکھ بند کر کے قبول نہیں کرتے ان کی حدیثیں دیکھ کر پہلے تحقیق کر لینا ضروری سمجھتے ہیں تو کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہم نے صحابہ کی اہانت کی۔ کیا ان حدیثوں کی بہتات حیرت انگیز نہیں؟ کیا یہ سوال نا مناسب ہے کہ انہیں کیسے ایسی خصوصیت پیغمبرؐ سے حاصل ہو گئی جو کسی بھی صحابی کو نصیب نہ ہوئی۔ حالانکہ وہ پیغمبرؐ کی رحلت سے تین چار برس پہلے ہی مسلمان ہوئے۔ صرف تین برس پیغمبرؐ کی خدمت میں رہے لہٰذا انہیں اتنی حدیثیں پیغمبرؐ سے سننے کا کیسے موقع مل گیا جو ان صحابہ کو بھی نہیں ملا جو شروع ہی میں اسلام لا چکے تھے اور ابو ہریرہ سے بہت زیادہ خدمت پیغمبرؐ میں باریاب رہے۔ ابو ہریرہ کی تو یہ کیفیت تھی کہ پیٹ ہی کی فکر میں ان کا زیادہ تر وقت گزرتا تھا۔ وہ لوگوں سے مسئلے اس لئے پوچھا کرتے تھے کہ ایک وقت کھانے کی دعوت مل جائے۔ لہٰذا کیسے انہیں اتنی بے شمار حدیثیں سننے کا موقع مل گیا جو کسی بھی صحابی کو نصیب نہیں ہوا۔ انہوں نے تقریباً تین سو چہتر 374 حدیثیں پیغمبرؐ سے منسوب کر کے بیان کی ہیں اور یہ تعداد حضرت ابوبکر و عمر عثمان علیؑ اور ازواج پیغمبرؐ کی احادیث کی مجموعی تعداد سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اور اسی وجہ سے صحابہ کرام نے ان کی کثرت حدیث پر نہ پسندیدگی ظاہر کی انہیں جھوٹا سمجھا۔ جس کی معذرت ابو ہریرہ ہی کیا کرتے کہ دوسرے صحابہ تجارت ہی میں مشغول رہا کرتے اور میں ہر وقت پیغمبرؐ کے پاس رہتا۔ اعرج نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے تم لوگ یہ اعتراض کرتے ہو کہ مہاجرین نے اتنی حدیثیں کیوں نہیں بیان کیں۔ تو ہمارے ساتھی مہاجرین جو تھے وہ بازاروں میں تجارت میں مشغول رہا کرتے اور انصار اپنی زمین کی دیکھ بھال میں لگے رہتے اور میں ہر وقت پیغمبرؐ کے پاس بیٹھا رہتا مہاجرین و انصار غائب ہوتے اور میں حاضر رہتا۔ وہ حدیثیں سن کر بھول جاتے اور میں یاد رکھتا۔ (فتوحات وہابیہ ص ۱۳۶)

یہ عذر نا قابل قبول ہے کیونکہ صحابہ کرام نے بھی یہ عذر قبول نہیں کیا تھا خود حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی نا پسندیدگی ظاہر کی اور حضرت عمر نے تو ابو ہریرہ کو حدیثیں بیان کرنے ہی سے روک دیا تھا۔ ابو ہریرہ مدعی ہیں کہ میں ہر وقت پیغمبرؐ خدا کے پاس موجود رہتا۔ حدیثیں سننے اور یاد کرنے سے میرے لئے کوئی مانع نہ تھا کیونکہ میں اہل صفہ سے تھا۔ اب یہ سوال ہے کہ اہل صفہ میں تنہا ابو ہریرہ ہی تو نہ تھے بہت سے صحابہ تھے اور ابو ہریرہ کے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور بہت پہلے سے پیغمبرؐ کے ساتھ رہتے چلے آرہے تھے لیکن انہیں یہ خصوصیت نہیں نصیب ہوئی انہوں نے اتنی حدیثیں نہیں بیان کیں کہ ہم اہل صفہ کی حدیثوں کا مختصر سا خاکہ پیش کرتے ہیں۔

اہل صفہ:۔

☆ حجاج بن عمر مازنی انصاری جنگ صفین میں حضرت علیؑ۔ کے ساتھ شریک ہوئے۔ صحاح میں ان کی صرف

ایک حدیث موجود ہے۔

☆ حازم بن حرملا اسلمی، انکی صرف ایک حدیث ابن ماجہ نے درج کی ہے۔

☆ زید بن خطاب عدوی، بروز یمامہ قتل ہوئے ان کی صرف ایک حدیث ہے جو عبداللہ بن عمر نے ان سے سنی۔

☆ سفینہ، پیغمبرؑ کے آزاد کردہ غلام، ان کی صرف ۱۴ا حدیثیں ہیں۔ مسلم نے صرف ان کی ایک حدیث لکھی ہے۔

☆ شقران پیغمبرؑ کے آزاد کردہ غلام، ان کی صرف ایک حدیث ترمذی میں درج کی ہے۔

☆ تچہ بن قیس غفاری، اصحاب صحاح نے صرف ان کی ایک حدیث درج کی ہے۔

☆ عبداللہ بن لنس، جن کی کنیت ابو یحیٰ تھی اور جن کا انتقال ۸ ہجری شام میں ہوا۔ ان کی چوبیس حدیثیں ہیں۔ مسلم نے صرف ایک حدیث بیان کی۔

عبداللہ بن حرث بن جزع زبیدی۔ ان کا انتقال ۸۰ ھ میں مصر میں ہوا اُن کی گنتی کی چند حدیثیں ہیں جن کی ابی داؤد۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔

عبداللہ بن قرط شالی جن کا انتقال ۶ ھ میں ہوا ان کی صرف ایک حدیث ابوداؤد و نسائی نے درج کی ہے اور وہ غالباً حدیث معراج ہے۔

عقبہ بن عامر جہنی المتوفی ۵۸ ھ ان کی ۵۵ حدیثیں ہیں بخاری نے صرف ایک حدیث اور مسلم نے ۹ حدیثیں درج کی ہیں۔ یہ معاویہ کی طرف سے جنگ صفین میں شریک ہوئے۔

عمر بن تغلب عیدی، ان کی دو حدیثیں ہیں مسلم نے صرف ایک حدیث درج کی ہے۔

عقبہ بن عبدالسلمی، المتوفی ۸۷ھ ان کی ۲۸ حدیثیں ہیں۔

عقبہ بن المندر ان کی دو حدیثیں ہیں جو ابن ماجہ نے درج کی ہیں۔

عیاض بن حماد مجاشعی، ان کی ۳۰ حدیثیں ہیں مسلم نے صرف ایک درج کی ہے۔

فضالہ بن عبید الانصاری جنگ احد اور بیعت الرضوان میں شریک ہوئے ۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ان کی وہ حدیثیں ہیں جن میں سے مسلم نے ایک درج کی ہے۔

فرات بن حیان عجلی، ان کی ایک حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے سائب بن خلاء بن سوید بن ثعلبہ بن عمر خزرجی لمتوفی ۷۱ھ ان کی ۵ حدیثیں ہیں۔

یہ سب کے سب اہلِ صفہ تھے اور اس خصوصیت میں شریک جس کے متعلق ابوہریرہ کا دعویٰ ہے کہ میں اس خصوصیت کے لحاظ سے تمام صحابہ سے ممتاز تھا۔ یعنی یہ سب ہی لوگ بے گھر بار کے تھے اور اسی سائبان میں رہتے تھے جو پیغمبر ﷺ نے مسجد کے پہلو میں بنوا دیا تھا۔ یہ لوگ ابوہریرہ کے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور ان کے بہت پہلے سے رسول اللہؐ کے ساتھ رہتے آرہے تھے لیکن ان سب کی تمام حدیثیں مجموعی طور پر ابوہریرہ کی حدیثوں کے مقابلہ میں دس فیصدی بھی نہیں ۔ ابوہریرہ اس کی توجیہ یہ کیا کرتے کہ میں ایک مرتبہ پیغمبر خداؐ کی بزم میں حاضر ہوا حضرت نے فرمایا جو شخص میری اس گفتگو کے ختم ہونے تک اپنی چادر کو بچھائے رہے اور میرے فارغ ہونے پر پھر سمیٹ لے وہ کبھی میری زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی نہ بھولے گا۔ میں نے اپنی چادر بچھا دی اور اس وقت تک بچھائے رہا جب تک کہ پیغمبر خدا ﷺ کی تقریر تمام نہ ہوئی۔ پھر میں نے اٹھا کر اوڑھ لیا۔ خدا کی قسم پھر میں آج تک پیغمبر ﷺ سے سنی ہوئی کوئی بات نہیں بھولا۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۸، ص ۱۰۵)

کون پوچھے کہ دیگر حضرات جو اس بزم میں حاضر تھے انھوں نے اس فضیلت کو حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی وہ سب بھی کیوں نہ دوڑ پڑے۔؟ کیا ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی بات میں شک تھا یا فقط ابوہریرہ کے پاس چادر تھی اور کسی کے پاس نہ تھی۔

کتنے غضب کی بات ہے کہ ابوہریرہ ایسے ناقابلِ فہم امور کا دعویٰ کریں جس پر خود کبار صحابہ کو حیرت تھی ۔ انھوں نے انتہائی سختی کے ساتھ ابوہریرہ پر اعتراض بھی کیا لیکن اگر کوئی دوسرا اپنی حیرت اور شکوک کا اظہار کرے تو زندقہ کی تہمت لگائی جائے اور گردن اڑا دینے کی دھمکی دی جائے۔

خطیب بغدادی لکھتے کہ ہارون رشید کے سامنے ابوہریرہ کی یہ حدیث بیان کی گئی کہ جناب موسیٰ ۔ کی ملاقات حضرت آدم ۔ سے ہوئی جناب موسیٰ ۔ نے جناب آدم ۔ سے کہا۔ آپ ہی وہ آدم ہیں جنھوں نے ہمیں جنت سے نکالا اس پر ایک قریشی شخص نے حدیث بیان کرنے والے سے پوچھا آدم و موسیٰ + کی یہ ملاقات کس مقام پر ہوئی۔ ہارون رشید کو غیظ آگیا۔ خادم سے کہا تلوار لاؤ ایک زندیق رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر طعن کر رہا ہے۔

(تاریخ بغداد جلد ۱۴، ص ۷)

اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ معاملہ کتنا سخت تھا یہ قریشی شخص واقفیت حاصل کرنے کے لئے صرف یہ پوچھتا ہے کہ آدمؑ اور موسیٰؑ کی ملاقات کہاں ہوئی تھی مگر ہارون رشید کو اس کا یہ سوال کرنا بھی ناگوار گزرا اسے فوراً زندیق قرار دے دیا کیونکہ اس نے ابوہریرہ کی حدیث کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

جب اتنی سی بات پوچھنے پر اتنے غیظ و غضب کا اظہار ہوا تھا تو اگر کوئی شخص ابوہریرہ کی ان حدیثوں کا

مطلب دریافت کرنا جنھیں بخاری و مسلم دونوں نے صحیحین میں درج کیا ہے کہ:

''اس وقت تک نہ بھرے گا جب تک خداوند عالم اپنا پیر اس میں نہ ڈالے گا پیر ڈالنے پر جہنم کہے گا بس بس!''

''ہمارا پروردگار ہر رات جب ایک پہر رات رہ جاتی ہے آسمان دنیا پر اترتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں''

''ہمارا پروردگار ہر رات جب ایک پہر رات رہ جاتی ہے آسمان دنیا پر اترتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ کون مجھ سے دعا کرتا ہے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں''

ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ابوہریرہ کی حدیثوں کی بہتات ان کی سب ہی حدیثوں کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ کثرت سے حدیثیں بیان کرنے والوں میں ان کا نام سب اول ہے۔ دوسرا نام عبداللہ بن عمر کا ہے، تیسرا ام المومنین عائشہ اور ان کے بعد انس بن مالک کا نمبر ہے۔

لیکن اس کثرت اور بہتات کو دیکھ کر ہمارا تامل یہ جانچ پڑتال کہ حدیث صحیح ہے یا غلط نہ تو پیغمبر خدا ﷺ کی حدیث پر طعن ہے نہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش کہ شیعہ حضرات صحابہ کی حدیثوں پر اعتماد نہیں کرتے۔

عبداللہ بن عمر کی حدیثوں کے متعلق بھی ہم بحث کو طول دینا نہیں چاہتے نہ ان کی اس خصوصیت خاصہ کو ذکر کرنا مقصود ہے جو کسی صحابی کو بھی حاصل نہ تھی۔

ابوہریرہ کے بعد ان کا دوسرا نمبر ہے انہوں نے تقریباً ۲۶۳۰ حدیثیں روایت کیں ہیں اتنی تعداد حدیثیں بیان کرنا ان لوگوں کو نصیب نہیں ہوا جو سن میں عبداللہ سے کہیں زیادہ بڑے تھے اور ان کی بہ نسبت پہلے سے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی زندگی کا بہت زیادہ حصہ رسول ﷺ کی خدمت میں گذرا۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت ان کی عمر ۲۰ سال سے زیادہ نہ تھی اس بیس برس کی عمر میں ان کا پیغمبر سے اتنی حدیثیں سن لینا جو بڑے بڑے لوگوں کو نصیب نہیں ہوا یقیناً حیرت انگیز ہے اگر ہم حیرت کا اظہار کریں ان کی حدیثوں کی بہتات دیکھتے ہوئے ان کی ہر حدیث کو بے چون و چرا قبول کر لینے میں تامل کریں تو یہ صحابہ پر طعن کے ہرگز مترادف نہیں۔

رہ گئیں ام المومنین عائشہ تو ان کی پوری زندگی کا جائزہ ہمارے لئے ممکن بھی نہیں اور یہ ہمارے موضوع بحث سے خارج بھی ہے ہم ان کی حدیثوں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیتے ہیں کیونکہ اسلامی معاشرے میں ان کی شخصیت کا بہت بڑا درجہ ہے اور قوانین اسلامی میں انہیں بہت مداخلت بھی حاصل ہے۔ حدیثوں کی کثرت اور بہتات کے لحاظ سے ہیں تمام دوسری ازواج پیغمبر پر تفوق حاصل ہے یعنی تنہا ان کی حدیثیں تمام ازواج کی حدیثوں کی مجموعی تعداد سے کہیں

زیادہ ہیں۔

ازواج رسول ﷺ کی حدیثیں

- زینب بنت جحش جن کا انتقال ۲۰ ہجری میں ان کی صرف گیارہ حدیثیں کتب احادیث میں ملتی ہیں۔

صفیہ بنتِ حی بن اخطب جن کا انتقال ۵۰ ہجری میں ہوا صرف بخاری و مسلم نے ان کی ایک حدیث بیان کی ہے۔

سودہ بنت زمعہ جن کا انتقال آخر زمانہ خلافتِ عمر میں ہوا صرف بخاری نے ان کی ایک حدیث بیان کی ہے۔

ہند بنت امیہ مخزومیہ ان کا انتقال تمام ازواج پیغمبر کے آخر میں ہوا ان کی ۳۷۸ حدیثیں ہیں۔

حفصہ بنت عمر بن خطاب ان کا انتقال ۴۱ ہجری میں ہوا ان کی ۶۰ حدیثیں ہیں۔

جویریہ بنت حریث جن کا انتقال ۵۶ ہجری میں ہوا صرف بخاری نے ان کی حدیثیں نقل کی ہیں۔

رملہ بنت ابی سفیان جن کا انتقال ۴۴ ہجری میں ہوا ۶۵ حدیثیں ہیں۔

میمونہ بنت حرث ہلالیہ جن کا انتقال ۵۱ ہجری میں ہوا ان کی چالیس حدیثیں ہیں۔

عائشہ بنت ابی بکر جن کا انتقال ۵۷ ہجری میں ہوا ان کی ۲۲۱۰ حدیثیں ہیں۔

بقیہ ازواج کے مقابلے حضرت عائشہ کی حدیثوں کا اتنا بڑھ جانا یقیناً اس کا متقاضی ہے کہ ان کی حدیثیں فوراً تسلیم نہ کر لی جائیں بلکہ سوچ سمجھ لیا جائے کہ ایک تو بہتات ہی دہشت میں مبتلا کرنے کے لئے کم نہیں پھر جب حضرت عائشہ کی مصروفیات و مشاغل ان کی کمسنی اور کمسنی کے تقاضوں کے بنا پر کھیل کود ہم جولیوں کے ساتھ بات چیت اور گھر کے دھندوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور زیادہ حیرت پیدا ہوتی ہے لہٰذا ان کی حدیثوں میں توقف و تامل امہات المومنین پر طعن اور اعتراض نہیں کہ کفر کا فتویٰ صادر کر دیا جائے اور دین سے خارج قرار دے دیا جائے۔

پھر ایک بات اور بھی ایسی ہے جو ان کی حدیثوں کی چھان بین کو ضروری بنا دیتی ہے یعنی وہ راویان حدیث جنھوں نے حضرت عائشہ کی طرف نسبت دے کر حدیثیں بیان کی ہیں نہ جانے کتنے ایسے لوگ جو محض بنی امیہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جھوٹی جھوٹی حدیثیں حضرت عائشہ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے تھے۔ ہشام بن عروہ اور بہت سے لوگ اس سلسلے میں کافی بدنام ہیں بہت سی حدیثیں تو ان کی طرف نسبت دے کر ایسی بیان کی گئیں ہیں جو روحِ اسلام کے لئے عیب اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے لئے انتہائی اہانت آمیز ہیں جیسے بخاری کی یہ روایت:

انما قالت کنت اکل حیسا مع النبی فمر عمر فدعاہ فاکل فاصابت یدہ اصبعی فقال عمر حسن اولم اطاع فیکن ما راتکن عین۔ (ادب المفرد البخاری ص، ۱۵۲)

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں پیغمبر خدا ﷺ کے ہمراہ حریس کھا رہی تھی۔ (ایک کھانا جو گھی، ستو، اور کھجور ملا کر بنتا ہے) عمر ادھر سے گزرے رسول اللہ ﷺ نے انھیں بھی کھانے کی دعوت دی، حضرت عمر بیٹھ کر کھانے لگے۔ ایک مرتبہ ان کی انگلیاں میری انگلیوں سے ٹکرا گئیں۔ عمر نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کے متعلق میرا مشورہ قبول کرتے تو تمہیں کوئی آنکھ نہ دیکھ پاتی۔

کیا اس حدیث میں پیغمبر ﷺ کی انتہائی تحقیر واہانت نہیں ہے۔ پیغمبر ﷺ انسانِ کامل اور مکارم اخلاق کا نمونہ تھے۔ کیا آپ کا گھر آنے جانے والوں کے لئے تھا۔ یا رسول اللہؐ اپنی بیوی کے ساتھ سڑک پر بیٹھ کر کھانا کھاتے یا حضرت عمر رسول اللہ ﷺ کا احترام نہیں کرتے کہ راستہ گزرنے والوں کی طرح آپ کے پاس بے دھڑک آجاتے۔

ہم سب باتوں کا جواب دینے سے گریز کرتے ہیں۔ اس ڈر سے کہ کہیں یہ الزام نہ لگا دیا جائے کہ ہم نے حضرت عائشہ کی روایت پر طعن کیا اور ان کی روایت پر طعن کرنا ملتِ مسلمین سے باہر نکلنے کے مترادف ہے جیسا کہ برادرانِ اسلام کہتے ہیں:

کیا اس حدیث میں جو حضرت عائشہ سے نقل کر کے بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں ہمیں تردد اور توقف کا حق حاصل نہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اگر کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہوا ہو تو کیا ان دونوں پر غسل واجب ہے۔ حضرت عائشہ بھی وہاں تشریف فرما تھیں حضور نے فرمایا میں اور عائشہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں پھر ہم دونوں غسل کرتے ہیں (بخاری جلد ۱، ص ۱۶۱ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۷ سنن بیہقی جلد ۱، ص ۱۶۴)

رسول اللہ ﷺ جو مجموعہ فضائل و کمالات تھے جو غیرت و شرم کا پیکر تھے کیا ایسی بے شرمی کی بات کر سکتے تھے، ہماری عقل تو اس حدیث کے ماننے کو تیار نہیں چاہے کفر و زندقہ کی تہمت ہی کیوں نہ لگائی جائے اسی طرح ہمیں حق ہے کہ ہم اس حدیث پر نکتہ چینی کریں جو مسلم نے صحیح مسلم میں ہشام بن عروہ سے نقل کی ہے کہ:

ان النبی کان مسحورا خیل الیہ انہ یفعل الشی و ما یفعلہ

پیغمبر خداؐ سحر زدہ تھے انہیں خیال آتا ہے کہ وہ کوئی کام کر رہے ہیں حالانکہ وہ کام نہیں کرتے ہوتے۔ (صحیح مسلم جلد ۲)

خدا کی پناہ پیغمبر خداؐ کے متعلق کوئی دیوانہ ہی یہ تصور کر سکتا ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ کوئی کام کر رہے ہیں اور درحقیقت آپؐ وہ کام ہی نہیں کرتے ہوتے۔ ذرا غور فرمایئے پیغمبر خداؐ مصلح عالم بنا کر بھیجے گئے وہ اپنی اس کیفیت سے اصلاح عالم کر سکتے تھے؟

اسی قسم کی ہزاروں حدیثیں ہیں کہاں تک ان کا ذکر کیا جائے ہم نے یہ چند حدیثیں صرف اس غرض سے پیش

کی ہیں کہ شیعہ اگر اس قسم کی حدیثیں قبول کرنے میں تامل کرتے ہیں تو ان پر نت نئے اتہامات کہاں تک حق بجانب ہیں۔

صحابہ پر سب وشتم:

صحابہ پر سب وشتم کی تہمت مرض لا علاج بن چکی ہے۔ اس تہمت وافترا کے آگے حقیقت بے بس، واقعیت دست و پابستہ ہے اور حقیقت تک پہنچنے کے لئے ہزاروں رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ تیغ وشمشیر کی آگ حائل ہے اس لئے کہ حکومت وسلطنت نے یہ دستور ہی بنالیا تھا کہ جو شخص بھی اس کی صحت کا مخالف بنے وہ کافر و زندیق ہے اور کافر و زندیق اسی وقت تک کافران میں دیا جاسکتا تھا جب تک اسے یہ الزام نہ لگایا جائے کہ اس نے صحابہ و خصوصیت کے ساتھ ابوبکر وعمر کو گالیاں دیں۔

اور اگر ارباب فکر وفہم حقیقت حال کا پتہ چلانے کی کوشش کریں تو ان کو بھی فوراً ہی تہمت لگادی جاتی اور وہی ظالمانہ قانون ان پر لاگو ہو جاتا۔

جب حکومت کسی شیعہ کو اس کے مذہب کی بنا پر سزا دینا چاہتی تو علیؑ۔ کا نام بیچ میں نہ لایا جاتا بلکہ سزا کا یہ سبب بیان کیا جاتا کہ اس نے ابوبکر وعمر کو گالی دی ہے (منتظم ابن جوزی)

علامہ ابنِ اثیر ۴۰۷ ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں اسی سال تمام افریقی شہروں میں شیعوں کا قتلِ عام ہوا اس تہمت کی بنا پر کہ شیعہ شیخین کو گالیاں دیتے ہیں۔ (تاریخ کامل جلد ۵ ص ۱۱۰)

ایسے ہی نا معلوم کتنے کالے قانون اور وحشیانہ حرکات تھیں جو اس وقت کی ظالمانہ سیاست نے رائج کر رکھے تھے انھیں اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اسلام نے ان حرکات کے مرتکب کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے یہ مسئلہ پوری طرح واضح ہے کہ ان اسباب کی تشریح کی ضرورت نہیں جن کی وجہ سے یہ اندوہ ناک واقعات ظہور میں آئے اور شیعوں کے ساتھ یہ سخت اور شدید برتاؤ روا رکھے گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعوں کا روحانی استقلال اور ایسی حکومت کے اعمال شرعاً جائز نہ سمجھنے والے جو نہ ناموس شریعت کا احترام کرتی اور نہ احکامِ شرع کی پابند تھی انھیں حکومت کا دشمن قرار دے دیا تھا اور حکومت کو کوئی ذریعہ ہاتھ نہ لگتا تھا کہ شیعوں کو قابو میں لایا جائے اور ان کو ان کے محکم عقائد سے برگشتہ کیا جائے چنانچہ تشیع کی گتھی سخت ترین گتھی تھی جس کا حکومت کو سامنا کرنا پڑا اور اس گتھی کو حل کرنے کی کوئی تدبیر نہ تھی سوائے اس کے کہ ان کو ایسی تہمتیں لگادی جائیں جنھیں عوام الناس آسانی سے قبول کرلیں اسی وجہ سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ شیعہ تمام صحابہ کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان پر طعن کرتے ہیں نیز وہ امہات المومنین پر تہمات لگاتے ہیں۔

سرکاری علماء نے ایک قاعدہ مقرر کردیا تھا کہ جب تم کسی کو پیغمبرؐ کے کسی صحابی کی منقصت کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے وہ یوں کہ رسول اللہ ﷺ مجسمۂ حق ہیں اور قرآن بھی حق ہے اور قرآن وسنت و پیغمبر ہم تک اصحاب کے ذریعہ پہنچے اور شیعہ کتاب وسنت کو باطل قرار دینے کے لئے ان صحابہ پر جرح کرتے ہیں لہٰذا وہ زندیق ہیں۔(کفایا خطیب بغدادی۔ صفحہ ۴۹)

ان علماء نے حکم صادر کیا کہ جو شخص بھی شیخین کو گالی دے وہ کافر ہے اسے غسل نہ دیا جائے گا نہ اس کی نماز پڑھی جائے گی وہ لاکھ لا الہ الا اللہ کہے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا لکڑی سے دھکیل دھکیل کر قبر میں پہنچادیا جائے گا۔ (صارم مسلول، ص ۵۷۰) اور اگر وہ توبہ بھی کرے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی بلکہ اس کا قتل واجب ہے۔ (رسائل بن عابدین جلد ۱، ص ۳۶۴) بعض لوگوں نے کہا کہ اس کا ہاتھ کا ذبیحہ کھانا حرام ہے اور اس کے ساتھ شادی بیاہ ناجائز ہے۔ حکومت کی انہی کوششوں اور سرکاری علماء کے انہی فتوؤں کی بنا پر شیعوں کے کافر ہونے کا نظریہ پھیلا کیونکہ حکومت انہیں تہس نہس کرنے کا تہیہ کرچکی تھی اور یہ غرض اس وقت تک پوری نہ ہوسکتی تھی جب تک مذہبی حیثیت نہ دے دی جاتی۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا کہ علامہ کاشف الغطاءؒ کی چند سطریں نقل کرتے چلیں علامہ مغفور خلافت کے بارے میں اختلاف کا ذکر کرکے لکھتے ہیں:

"ہم پوری صراحت سے کام لینا چاہتے ہیں۔ اور کوئی بات ایسی باقی نہیں رہنے دینا چاہتے جو پڑھنے والوں کے دل میں کھٹکتی رہے۔ شاید کہنے والا یہ کہے کہ دونوں فرقوں شیعہ، سنی میں عداوت وفساد کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ خلفاء کی اہانت یا ان پر طعن کرنا جائز خیال کرتے ہیں بعض شیعہ حد سے گزر کر سب وقدح پر اتر آتے ہیں۔ اور یہ چیز ایسی ہے کہ جو دوسرے فرقے کو ناگوار گزرتی ہے اور ان کے جذبات بھڑکا دیتی ہے اور اسی وجہ سے ان کے درمیان خصومت اور عداوت سخت ہوتی ہے۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم ذرا سا بھی غور وفکر سے کام لیں اور عقل کی طرف بلکہ مذہب کی طرف بھی رجوع کریں تو یہ ایسی چیز نہیں جو دشمنی وعداوت کی متقاضی ہو۔ ایک تو اس وجہ سے کہ یہ نظریہ تمام شیعوں کا نہیں بلکہ شخصی اور انفرادی نظریہ ہے اکثریت اس کی ہمنوا نہیں اکثریت کی رائے ہو بھی کیسے سکتی ہے جب کہ شیعوں کے آئمہ سے اس کے متعلق ممانعت وارد ہے لہٰذا چند آدمیوں کی وجہ سے سبھی شیعوں کو دشمن رکھنا صحیح نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ سبھی شیعوں کا یہی نظریہ ہے تب بھی یہ بات ایسی نہیں کہ انھیں کافر یا خارج از اسلام قرار دیا جائے زیادہ سے زیادہ معصیت کہا جاسکتا ہی ء اور معصیت کا ارتکاب کرنے والے بہت سے شیعہ بھی ہیں اور سنی بھی۔

تیسرے یہ کہ یہ چیز معصیت بھی نہیں ہو سکتی جب کہ زیادہ سے زیادہ آپ خطاء اجتہادی کہہ سکتے اور سواد اعظم کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ مجتہد مخطی کے لئے ایک اجر اور مجتہد معصیت کے لئے دو اجر ہیں۔ تمام اہلسنت نے ان لڑائیوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ جو صدر اول میں صحابہ کے درمیان برپا ہوئیں جیسے جنگِ جمل وصفین وغیرہ برادرانِ اہلِ سنت کا کہنا ہے کہ طلحہ و زبیر اور معاویہ نے اجتہاد کیا تھا گرچہ انھوں نے اجتہاد میں خطا کی لیکن اس خطا اجتہادی کی وجہ سے ان کی عدالت میں قدح کی جاسکتی ہے نہ ان کی درجہ و منزلت کی منقصت۔ جب اجتہاد کی وجہ سے ہزاروں آدمیوں کو قتل کرنے ان کا خون بہانے میں کوئی مضائقہ نہیں تو اسی اجتہاد کی بنا پر کچھ لوگ اگر صحابہ پر حرف زنی کریں تو کیا حرج ہے۔؟

تتمہ کلام:

شیعوں پر یہ اتہام کہ وہ صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں انھیں کافر قرار دیتے ہیں۔ یہ ظالم سیاست کی ایجاد تھی اور ان کو لوگوں کے ذہن میں راسخ کرنے والے سرکاری علماء تھے جو حکومت کے وظیفہ خوار تھے جنھوں نے اپنے ضمیر بہت تھوڑے داموں پر فروخت کردیئے تھے۔

یہ سرکاری علماء شیعوں کی مذمت کر کے حکام کی تقرب حاصل کرتے دشمنانِ دین نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل اور اپنے کلیجے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس خلیج کو چوڑا کرنے کی امکانی کوشش کی۔

ارباب فکر ونظر اور مسلمانوں کے مصلحین نے اس طرز عمل کو کبھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا لیکن نقار خانہ میں طوطی کی آواز سنتا ہی کون ہے حکومت کے آلۂ کار بن کر جو لوگ یہ شور وغوغا کر رہے تھے اور حکومت کے اشاروں پر یہ ساری حرکتیں انجام دے رہے تھے انھیں یہ مصلحین امت حقیقت حال اور صحیح بات سمجھا ہی نہ سکے۔ شیعوں کی پیروی اہل بیت حکومت کی نظر میں ایسا جرم تھی جس کے معاف کرنے کا سوال ہی نہ تھا اگر اربابِ حکومت شیعہ مذہب کے پھیلنے سے روکنے کی کوشش نہ کرتے تو وہ خود اپنے خلاف ایسا دروازہ کھول دیتے جس کا بند کرنا ناممکن تھا۔ اہلِ بیتؑ کے مذہب کی پیروی ان کے مقاصد وعزائم سے ہم آہنگ نہ تھی۔ اسی وجہ سے انھوں نے لازمی سمجھا کہ اس مذہب کی نشر واشاعت کو پوری مستعدی اور انتہائی حزم واحتیاط سے روکا جائے اور یہ ان کے بس کی بات نہ تھی کہ مذہب اہلبیتؑ کو بغیر کسی معقول بہانے کے وہ کچلنے کی کوشش کرتے یہ بات بھی ممکن نہ تھی کہ وہ اہلبیتؑ کو کسی قسم کا عیب لگا سکیں کیونکہ ساری دنیائے اسلام اہلبیتؑ کی سیرت ان کی فطری پاکیزگی نفس زہد وتقویٰ اور جامعیت علمی سے واقف تھی وہ نیکی کی طرف رہبری کرنے والے فلاح وبہبود کی داعی، مجسمہ عدالت امام اور دین کے حامی مددگار تھے انھوں نے اپنے پاکیزہ خون سے اس دین کی آبیاری کی وہ حق کے لئے غضب ناک اور باطل کے دشمن تھے لہٰذا اس گتھی کو سلجھانے کی آخری تدبیر یہ تھی کہ

انصار پیروان اہلبیتؑ سے ایسی باتیں منسوب کی جائیں جنھیں عوام آسانی سے قبول کرلیں اور سادہ لوح افراد کو یقین آجائے، انھوں نے کوشش کی کہ پیروانِ اہلبیتؑ کو دین سے خارج قرار دیا جائے اور جب وہ دین سے خارج قرار دے دیئے گئے تو یقیناً حکومت کے فرمانبردار ان سے برگشتہ ہو جائیں گے۔

یہاں ایک دوسری مشکل بھی تھی وہ یہ کہ یہ کام ہو تو کیسے الحاد و زندقہ کی تہمت لگا دینا آسان بات نہ تھی شیعوں کے اعمال و افعال بالکل اسلامی نظام کے مطابق تھے۔ کوئی عمل بھی ان کی شریعت کے مخالف نہ تھا یہ تہمت لگانی بھی ممکن نہ تھی کہ شیعہ پیغمبرؐ خدا کو معاذ اللہ برا بھلا کہتے ہیں کیونکہ پیغمبرؐ کی تاکیدات اور وصایا کی بنا پر ہی انھوں نے اہلبیتؑ کی حلقہ بگوشی اختیار کی تھی اور اہلبیتؑ کے ساتھ پیغمبرؐ کی محبت و الفت ہی دیکھ کر ان سے محبت کی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حکومت کے حشم و خدم میں بہت سے غیر مسلم بھی تھے جنھیں سرکار سے بڑے بڑے وظیفے ملتے تھے۔ انعام و اکرام کی ان پر بارشیں ہوا کرتیں یہ غیر مسلمین مہتم و معتوب رکھے جانے کے زیادہ سزاوار تھے اگر کفار ذمی کو جس طرح رہنا چاہیے اس کے خلاف وہ رہتے۔

لہٰذا مقصد براری کی واحد صورت یہ تھی کہ شیعوں کو یہ تہمت لگائی جائے کہ وہ صحابہ کو کافر قرار دیتے ہیں۔ انھیں گالیاں دیتے ہیں ارباب حکومت کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ شیعہ آزادی فکر پر پہرے نہیں بٹھاتے وہ ہر بات کو عقل و انصاف کی ترازو پر تول کر دیکھتے ہیں وہ صحابہ کے حالات سے علمی حیثیت سے بحث کرتے ہیں تمام صحابہ کو ایک درجہ کا نہیں سمجھتے بلکہ جیسا عمل ہوتا ہے ویسا ہی اسے درجہ دیتے ہیں، شیعوں کے اس مبنی برانصاف طرز عمل نے انھیں مقصد برآری کا موقع فراہم کر دیا انھوں نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ جس نے صحابہ پر طعن کیا اس نے رسول اللہ ﷺ پر طعن کیا اور جس نے رسول اللہ ﷺ پر طعن کیا وہ زندیق ہے۔

اس سیاسی بازی گری کی بنا پر شیعوں کو ہر بڑی تہمت لگائی گئی بڑے بڑے حملے ان پر کیے گئے دنیا کے بندوں اور ہوا و ہوس کے غلاموں نے حکومت کی ہوا خواہی ظاہر کرنے کے لئے اس فیصلہ کی کھل کر موافقت کی اور عمر رفتہ ان کے ذہن میں بھی یہ عقیدہ جم گیا کہ صحابہ پر طعن کرنے والا زندیق ہے کیونکہ صحابہ پر طعن کرنا رسول اللہ ﷺ پر طعن کرنا ہے۔

ان لوگوں نے علمی بحث و مباحثہ سے ہمیشہ دامن بچایا۔ عوام الناس کو آزادی گفتار کی اجازت نہ دی اور انھیں مجبور کیا کہ وہ شیعوں کو کافر اور اہلبیتؑ کے مذہب سے بے تعلق سمجھیں۔ حالانکہ اگر کوئی ان سے سوال کر بیٹھے کہ ذرا اس کی وضاحت کر دیجئے تو سوا اس کے اور جواب نہ دیا جا سکے کہ حکومت کا قانون ہی یہ تھا۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ:

(۱) وہ کون لوگ ہیں جو تمام صحابہ کو کافر سمجھتے ہیں اوران سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔
(۲) وہ لوگ کہاں ہیں جو اہلبیتؑ کے لئے درجہ ربوبیت کا دعوے کرتے ہیں۔
(۳) وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے مجوسیوں سے تعلیمات حاصل کیں اوران تعلیمات کو اپنے عقائد میں داخل کرلیا۔
(۴) وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے قرآن میں تحریف کی اوراس میں کمی کے دعوے دار ہیں۔
(۵) وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے اسلام سے الگ مذاہب ایجاد کئے۔

سوادِاعظم ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ یہ اتہامات حکومت کے ساختہ پرداختہ تھے۔ اور جب حکومت نے انھیں جنم دیا تھا تو کس کی مجال تھی کہ حکومت کی مخالفت کرے ورنہ اگر ذرا بھی غوروفکر سے کام لیا جائے حقیقت حال معلوم کرنے کی ذرا بھی لگن ہوتی کچھ بھی خدا کا خوف اور دین کی حمایت کا جذبہ ہوتا تو حقیقت معلوم کرنا مشکل نہ تھا کیا بہت سے صحابہ کرام شیعی عقائد کے حامل نہ تھے۔ ایسے صحابہ جو جنگِ بدر میں شریک رہ چکے تھے اور بیعت الرضوان کا شرف بھی انھیں حاصل تھا۔

- کیا شیعوں میں ایسے جلیل القدر علماء نہیں ہوئے جن کی علوئے منزلت اور تبحر علمی کو سبھی نے تسلیم کیا سبھی ان کے محتاج ہوئے ، وہ علماء بزرگ ترین علمائے کبار تھے اوران کی بیان کردہ حدیثوں سے صحاح مملو ہیں اوران کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے۔

ہم نے اس پر خواہ مخواہ بات کو طول نہیں دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ موضوع انتہائی اہم اور ہولناک ہے ہم نے اسے صرف مذہب اہلبیتؑ کی تشریح اوراس کی حقانیت کی وضاحت کے لئے پیش کیا۔ یہ مذہب نو ایجاد نہیں جیسا کہا جاتا ہے۔ جویائے تحقیق کو سب سے بڑی جس پیچیدگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اسی تہمت کی پیچیدگی ہے جو شیعوں کو لگائی جاتی ہے کہ شیعہ صحابہ کو کافر سمجھتے ہیں اور انھیں گالیاں دیتے ہیں۔ ہم اس کو متعدد مرتبہ واضح کرچکے ہیں کہ یہ سب سیاست کا شعبدہ بازی تھی ارباب حکومت کا دلی منشاء تھا کہ شیعہ جو ہماری ہمنوائی نہیں کرتے اور ہمارے اعمال و افعال پر حرف گیری کرتے ہیں ان کی عداوت لوگوں کے دلوں میں مستحکن ہوجائے جس کو اس میں شک ہوسکتا ہے کہ شیعہ اس ظالم حکومت کے مخالف تھے انھوں نے حکومت سے قطعی تعاون نہیں کیا۔ اور نہ اس زمانہ کی حکومتوں کو جائز حکومت سمجھا اس لئے کہ وہ اہلبیتؑ کے حقدار خلافت ہونے کا عقیدہ کسی طرح ترک کرنے پر آمادہ نہ تھے اسی طرح ہمارا خیال ہے کہ صحابہ کے سب وشتم پر سزا دینے کا قانون محض شیعوں کو سزا دینے کے لئے بنایا گیا تھا شیعوں کے علاوہ دوسرے نمک خواران حکومتی باتوں سے کہیں سخت باتیں کہہ جاتے جن کی شیعوں کو تہمت لگائی جاتی ہے، لیکن نہ ان سے کوئی مواخذہ کیا

جاتا نہ ان کی باتوں پر کوئی برہمی ظاہر کی جاتی اس لئے کہ انھیں مذہب اہلبیتؑ سے تو کوئی لگاؤ تھا نہیں اور نہ وہ ان بادشاہوں کے انداز حکومت کے مخالف تھے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض تنخواہ دار علماء جو سرکاری مفتی اور حاکم شریعت تھے عوام کو گمراہ کرنے اور حق سے برگشتہ کرنے کا بار اپنے سر لے گئے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور انھیں گمراہ کرنے کی ساری ذمہ داری انھیں کے سر تھی ان لوگوں نے شیعوں کے خلاف خصوصیت سے یہ فتویٰ صادر کیا کہ ان سے قتال کرنا جہاد اکبر ہے اور شیعوں سے جنگ کرتا ہوا جو مارا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص شیعوں کے کافر ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے دوسرے صاحب فرماتے ہیں جو رافضی شیخین پر سب وشتم کرے اور لعنت کرے وہ کافر ہے اور اگر علیؑ۔ کو ان تینوں پر ترجیح دے تو وہ بدعتی ہے۔(وسائل عابدین جلد ۲ ص ۱۲۲)

اسفرائنی لکھتے ہیں:

یہ سمجھ لو کہ ہم نے شیعوں کے جتنے فرقوں کا ذکر کیا ہے وہ سب کے سب صحابہ کو کافر قرار دینے میں متفق ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ آج کل جو قرآن موجود ہے وہ قرآن نہیں جو نازل ہوا تھا۔ بلکہ دوسرا ہے صحابہ نے اس میں کمی بھی کردی ہے اور زیادتی بھی شیعوں کا خیال ہے کہ قرآن میں امامت کی تصریح تھی مگر صحابہ نے انھیں نکال دیا۔شیعوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ آج کل مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو شریعت ہے اسے قابل اعتماد نہیں سمجھنا چاہیے۔

آگے چل کر اسفرائنی لکھتے ہیں:

ان سب باتوں سے شیعوں کا مقصود یہ ہے کہ شرعی تکالیف سے اپنے کو آزاد بنالیں اور شریعت نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ ان کے لئے مباح ہوجائے وہ عوام سے معذرت میں یہی عذر پیش کرتے ہیں کہ کیا کیا جائے وہ اصل شریعت ہی بدل ڈالی جاچکی ہے۔ صحابہ نے قرآن میں تغیرو تبدیل کردیا ہے۔

پھر آگے چل کر اسفرائنی نے شیعوں کو یہود ونصاریٰ سے تشبیہ دی ہے اور شیعوں کی مذمت میں کئی حدیثیں درج کی ہیں اور شیعوں کے کافر اور واجب القتل ہونے کی صراحت کی ہے صرف اس سہارے کہ شیعہ بزرگانِ سلف پر سب و شتم کرتے ہیں اور یہ وہی قاعدہ ہے جسے دشمنانِ اہلبیتؑ نے مذہب اہلبیتؑ کے مٹانے اور ان کے انصار کو کچلنے کے لئے بنا رکھا تھا۔

یہ دو تین اقوال تو صرف نمونے کے طور پر ہم نے نقل کئے ہیں سوادِ اعظم کے علماء کے ہزاروں ہی ایسے اقوال ہیں جو انتہائی دہشت میں مبتلا کردینے والے ہیں اور جنھیں دیکھ کر ہر مسلمان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ پہلے زمانے کے لوگ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے ان میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لئے کس حد تک پستی میں اتر آئے تھے۔

ان خرافات میں ہم زیادہ وقت برباد کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ دو تین باتیں خاص طور پر قابل توجہ لائق التفات ہیں۔

(ا) پہلی بات یہ کہ کیا واقعاً تمام صحابہ پر طعن کرنے کی وجہ سے کوئی شخص ایسے سخت و شدید احکام کا سزاوار ہوجاتا ہے یا کوئی فرق بھی ہے اگر یہ حکم (یعنی جو شخص صحابہ پر طعن کرے وہ کافر و زندیق ہے) ہر اس شخص کے لئے ہے جو کسی بھی صحابی پر طعن کرے تو یہی حکم ان لوگوں پر کیوں نہیں لگایا جاتا جنھوں نے ایک دو صحابی پر نہیں بے شمار صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کی اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں جن باتوں سے وہ متصف نہ تھے اور وہ معزز ترین اصحاب بھی تھے۔

حضرت عثمان کے خون سے ایک دو نہیں سیکڑوں ہی صحابہ کے ہاتھ رنگین ہیں ہزاروں نے یہ ان کے قتل میں شرکت کی اور ان کے باپ دادا یعنی بنی امیہ کے رنگ ڈھنگ اختیار کرنے کو ناپسند کیا۔ ان ہزاروں صحابہ کرام کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اجڈ و جاہل گنوار لوگ تھے۔ بلاشبہ وہ مفسدین فی الارض تھے وہ باغی تھے، کیا ان صحابہ کرام کی توہین و منقصت اور ان پر طعن نہیں۔

ابن تیمیہ ان ہزاروں صحابہ کرام کے متعلق لکھتے ہیں۔ وہ خوارج اور مفسدین فی الارض تھے:

پھر لکھتے ہیں: ''عثمان کو صرف ایک مختصر سی جماعت نے قتل کیا جو باغی و ظالم تھی لیکن وہ لوگ جنھوں نے ان کی ہلاکت میں کوشش کی وہ سب کے سب جفا کار ظالم باغی اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ (منہاج السنہ جلد ۴ ص ۱۰۰۱۹ تا ۲۰۶)

حضرت عثمان پر اعتراض کرنے والے صحابہ کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں۔ مجتہد پر امور اجتہاد میں اعتراض نہیں کیا جاسکتا لیکن وہ ملعون اعتراض کرنے والے انھیں کوئی سمجھ نہ تھی، بلکہ وہ بالکل بے عقل تھے۔ (صواعق محرقہ ابن حجر ص ۶۸)

علمائے اہلسنت نے یہ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ صحابہ بس اسی وقت تک عادل تھے جب تک فتنے نہ واقع ہوئے، فتنہ کے بعد ہر اس صحابی کے متعلق چھان بین ضروری ہے جو ظاہر العدالہ نہ تھا (شرح الفیہ عراقی جلد ص ۳۶)

دوسری بات یہ کہ شیعہ، دشمن علیؑ کی عداوت چھپاتے نہیں، علیؑ کا دشمن ارشاد پیغمبر ﷺ کے مطابق منافق ہے، چنانچہ پیغمبر ﷺ کی مشہور حدیث ہے (اے علیؑ۔ مومن ہی دوست رکھے گا اور منافق ہی دشمن) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ منافقین جہنم کے آخری طبقے میں ہوں گے۔ اور یہ بات پایۂ ثابت تک پہنچ چکی ہے کہ کچھ نام کے صحابہ علیؑ کو دشمن رکھتے تھے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے تاریخ کا معمولی طالب علم بھی انکار نہیں کرسکتا۔

اس میں شک وشبہ نہیں کہ معاویہ اور ان کے حوالی موالی اعلانیہ طور پر علیؑ۔ اور تمام اہلبیتؑ کے دشمن تھے انھوں

نے علیؑ۔ کا ایسے زنوں سے مقابلہ کیا جس میں ایمان کی رمق بھی نہ تھی اور ایسے چہروں سے جن سے ندامت وشرم کی جھلک تک معدوم تھی۔ معاویہ نے علانیہ علیؑ۔ پر سب وشتم کیا اور اسے سنت بنا دیا تھا انھوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر علیؑ۔ کے انصار کو تلاش کیا طرح طرح کے عذاب وعقاب میں مبتلا کیا۔ ان کا جینا حرام کردیا۔ جہاں بھی جسے پایا قتل کیا۔

پھر معاویہ کے اعمال بھی ایسے تھے کہ کوئی شریف آدمی ان اعمال پر چپ نہیں رہ سکتا نہ ان افعال کو کسی طرح صحیح قرار دے سکتا ہے۔ یہ کہنا انتہائی ظلم ہے کہ معاویہ مجتہد تھے انھوں نے اجتہاد سے کام لیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر امام اہل سنت علامہ شاہ محمد حیدر علی کوکوروی کی عبارت پیش کردی جائے مرحوم اپنی کتاب سیرت علویہ میں معاویہ کے مجتہد ہونے کے متعلق تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اب ہم کو شبہ کے دوسرے جز پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہیے۔ وہ یہ کہ معاویہ مجتہد تھے اور ان سے خطائے اجتہادی واقع ہوئی یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ کل صحابہ مجتہد نہ تھے۔ (آیات بینات شرح جمع الجوامع وغیرہ)

معاویہ پر لفظ مجتہد کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں، اس کو مجتہد کی تعریف بخوبی واضح کردے گی۔ مجتہد اس شخص کو کہتے ہیں جو احکام فقہ کو کماحقہ جانتا ہو مع ان کے دلائل تفصیلیات یعنی کتاب سنہ واجماع وقیاس کے اور ہر حکم کو اس کے علت کے ساتھ مرتبط جانتا ہو اس کی علت کا ظن قوی رکھتا ہو یعنی قرآن پاک کی قرأت وتفسیر واحادیث کا علم ان کی سندوں اور معرفت صحیح وضعیف کی اسے حاصل ہو (ازالۃ الخفا)

قبل اس کے کہ ہم اس پر کچھ لکھیں کہ معاویہ اس کی تعریف میں آتے ہیں یا نہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ خطائے اجتہادی کس کو کہتے ہیں۔ خطاء اجتہادی صرف ان خطاء کو کہتے ہیں جس میں مجتہد مستقل کسی امر تنازعہ فیہ میں کلام الٰہی اور حدیث نبوی میں بلا شائبہ نفسانیت پورے طور پر غور وخوض کے بعد تمام مالہ وماعلیہ کی تحقیقات کرکے نیک نیتی سے کوئی رائے قائم کرے اگر وہ رائے غلط ہوتی ہے تو مجتہد کی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں۔ اوپر کی عبارت سے خطاء اجتہادی کے لئے حسب ذیل باتوں کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ غلطی کرنے والا مجتہد ہو۔

۲۔ رائے قائم کرنے میں شائبہ نفسانیت نہ ہو۔

۳۔ یہ رائے کلام الٰہی اور حدیث نبوی سے ماخوذ ہو خطائے اجتہادی کے لئے یہ تینوں چیزیں لازمی ہیں صرف ایک جز کی موجودگی سے ہر خطا خطائے اجتہادی نہیں ہوسکتی خطاء اجتہادی جب ہی ہوگی جب تینوں جز موجود ہوں۔

خطائے اجتہادی پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد حقیقتاً اس کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ یہ طے کیا جائے کہ معاویہ مجتہد تھے یا نہیں۔ اس لئے کہ اگر معاویہ کا یہ فعل خطائے اجتہادی میں آتا ہی نہ ہو تو پھر ان کے مجتہد ماننے نہ

ماننے سے بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ معاویہ کا یہ فعل کہ انھوں نے جناب امیرؑ کے خلاف بغاوت کی اس لئے خطاء اجتہادی نہیں ہوسکتا کہ ان کے اس فعل میں کم از کم خطاء اجتہادی کی تعریف میں جزدوئم وسوئم کا کہیں وجود نہیں معلوم ہوتا۔ یہ امر ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ جناب امیرؑ کی خلافت نص قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس لئے معاویہ کا جناب امیرؑ سے مقابلہ کرنا کلام الٰہی اور حدیث نبوی سے ماخوذ نہیں ہوسکتا۔ جز سوم کا جواب نفی میں دینے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شائبہ نفسانیت موجود تھا۔ ہماری اس رائے کی تائید جنگ صفین کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب عبداللہ عمرو عاص سے اور معاویہ سے حضرت عمار یاسر کی شہادت کے بعد ان احادیث پر گفتگو ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ اے عمار تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے۔ اور وہ تمہیں دوزخ کی طرف تو معاویہ نے اس کی تاویل یہ کہ کہ گروہ باغی کے الفاظ کا اطلاق جناب امیرؑ اور ان کے ساتھیوں پر ہوتا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک قاتل حضرت عمار یاسرؑ وہ گروہ کہا جائے گا جو انھیں جنگ کے لئے لایا اور جس طرف سے وہ جنگ کرتے تھے نہ کہ وہ گروہ جس نے ان کو قتل کیا معاویہ کی تاویل اگر صحیح مان لی جائے تو پھر قاتل حمزہ وحشی نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ نعوذ باللہ من ذالک قاتل حمزہ خود آنحضرتؐ اور ان کے اصحاب قرار پائیں گے۔ جن کی طرف سے حضرت حمزہ جنگ کرتے تھے۔ معاویہ کی اس تاویل کو بھی ان کے معرف مجتہدانہ فعل کہنے پر آمادہ و مستعد ہوں تو ہوں مگر کسی ذی عقل اور صاحب فہم و ادراک سے یہ امید رکھنا کہ وہ ملوک پرستی کے جذبہ سے متاثر ہوکر انھیں کی طرف دن کو رات اور رات کو دن کہنے لگے گا اور اس شعر پر عامل ہونے کو تیار ہوگا۔

اگر شہ روز را گوید شب است ایں بباید گفت اینک ماہ پرویں

ایک بالکل خلاف عقل اور غیر ممکن سی شے ہے۔ معاویہ کے مجتہد ماننے کی کوئی دلیل موجود نہیں ان کے اجتہاد کا دعویٰ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ابن حزم کا ابن ملجم اشقی الآخر بن قتل جناب امیر میں مجتہد قرار دینا (تلخیص از حافظ ابن حجر) جب نوبت فضول گوئی اور ہذیان کی آجائے تو پھر جس شخص کو چاہے مجتہد قرار دے لے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس طرح کی تاویلات سے دنیا کے معیوب ترین افعال کے لئے بھی عذرات لایعنی پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ (سیرۃ علویہ حافظ شاہ محمد علی کا کوروی حنفی)

معاویہ کو اجتہاد سے نسبت ہی کیا تھی انھوں نے حدود معطل کر دیئے گواہوں کی گواہیاں ٹھکرائیں واجب الاحترام شخصیتوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ مسلمانوں کی عورتوں کو مثل باندیاں ترک و دیلم اسیر کیا انھیں کنیزوں کی طرح بازار میں بیچنے کی کوشش کی اسی قسم کے ہزاروں ہی ان کے سیاہ اعمال ہیں۔ (استیعاب جلد ص ۱۵۷)

ان کے ان سیاہ اعمال کو کھینچ تان کر زبردستی صحیح قرار دینا اور ان کی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے ان سیاہ

کا پیمانوں کو تاویل پر حمل کرنا محض اس وجہ سے کہ وہ صحابی تھے اور ایک صحابی پر طعن تمام صحابہ پر طعن ہی شریعت سے کھلا ہوا مذاق ہے۔ پھر یہ بھی دنیا جانتی ہے کہ خود صحابہ کرام نے معاویہ سے اپنی بیزاری ظاہر کی ان کے اعمال سے انتہائی (متنفر) ہوئے۔ ہم ایسے شخص کی عداوت و دشمنی قطعی نہیں چھپاتے اور نہ ان کے سیاہ اعمال پر خاموش رہنے کی کوئی وجہ جانتے ہیں۔

کیا ہم بسر ابن ارطاۃ کے ہولناک افعال پر سکوت اختیار کر سکتے ہیں۔ محض اس وجہ سے اس پر بھی صحابیت کا لیبل چسپاں تھا۔ یہ بسر معاویہ کی فوج کا سپہ سالار تھا اور اس نے ایسے ہولناک جرائم کئے جن کی نظیر صفحات تاریخ پر نہیں ملتی اس نے یمن پر غارت گری کی۔ وہاں کے بڈھے بڈھے لوگوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو تہ تیغ کیا اور عورتوں کو قیدی بنالیا اس پر قبیلہ کندہ کی ایک عورت نے کہا ارطاۃ کے بیٹے ایسی حکومت جو کم سن بچوں بڈھے پھوس لوگوں کو قتل کر کے اور ہر ممکن درندگی اور بے رحمی کر کے قائم ہو یقیناً بدترین حکومت ہے۔

خدا کے لئے انصاف سے بتایئے ہم کیسے بسر کی حرکتوں پر خاموشی اختیار کر سکتے ہیں۔ ہم ان بیکس، بیوہ عورتوں کی فریاد سے کیسے اپنے کان بہرے کرلیں جن کے جوان جوان فرزند بے جرم و بے خطا تہ تیغ کر دیئے گئے تھے انتہائی ظلم ہے زبردستی ہے کہ ان فریادوں کو سن کر اگر کوئی مسلمان غضبناک ہو اسے جفا کار وستم پیشہ و ظالم قرار دے تو اس کو زندیق و ملحد کے لقب سے لقب کیا جائے کیونکہ بسر نے معاویہ کے حکم سے یہ سب کام کیے تھے بسر پر اعتراض معاویہ پر اعتراض اور معاویہ صحابی تھے اور صحابی پر اعتراض کرنے والا زندیق و کافر اس نظریئے کی بنا پر تو معاویہ کو بالکل کھلی چھوٹ تھی ان کا جو جی چاہتا کرتے صحابی تو تھے ہی اور صحابیت نے ان کے گرد ایسا حصار کھینچ رکھا تھا کہ ان سے کوئی باز پرس کی ہی نہیں جاسکتی وہ ہر خطرے سے محفوظ تھے جتنا چاہتے ناحق خون بہاتے اور جس کو چاہتے اپنی بدگمانی کی بنا پر تہ تیغ کرتے نہ ان پر شرعی قانون نافذ ہو سکتے اور نہ شارع مقدس کا کوئی حکم مانع ہوسکتا تھا وہ صحابی تھے انھیں ہر حکم شریعت میں من مانا تصرف کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

لیکن اگر ایسی ہی بات ہوتی تو صحابہ کرام ان کی حرکات پر نفرت کا اظہار کیوں کرتے جن میں پیش پیش حضرت ابوذر غفاری تھے انھوں نے بھرے مجمع میں معاویہ کے متعلق اعلان کر دیا تھا کہ ان کے تمام حرکات نظم شریعت کی دھجیاں اڑانے والے ہیں۔

اسی طرح حکم بن عمرو صحابی کبیر نے بھی نفرت کا اظہار کیا جب کہ انھیں معاویہ کا یہ خط ملا کہ مال غنیمت میں جتنا سونا چاندی ہے وہ میرے لئے الگ کرلو تو انھوں نے ان کا فرمان ٹھکرادیا۔ اور کہا کہ خدا کی کتاب ان کے فرمان سے زیادہ واجب التعمیل ہے کیا انھوں نے پیغمبر ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی معصیت نہیں حکم

بن عمرو نے تمام مال غنیمت مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ اس کی سزا انھیں یہ دی گئی کہ قید میں ڈال دیئے گئے اور مر کر ہی رہائی نصیب ہوئی۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۴۷)

خود حضرت عائشہ نے معاویہ کے حکم سے حجر اور اصحاب حجر کے قتل کیے جانے کو انتہائی ناپسند کیا معاویہ پر بے حد غضب ناک ہوئیں انھیں حضوری کی اجازت نہ دی ان کے حیلے بہانے قطعی قبول نہ کیے اور جب معاویہ نے یہ عذر پیش کیا تو حجر اور اصحاب حجر اسود کے قتل کرنے میں امت کی صلاح اور ان کو زندہ رکھنے میں امت کے فاسد ہو جانے کا اندیشہ تھا تو حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے پیغمبر ﷺ سے سنا ہے مقام عذرا پر کچھ ایسے لوگ قتل ہوں گے جن کے قتل پر اللہ اور تمام اہل سماوات غضب ناک ہوں گے۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۵ ص ۴۷)

اسی طرح اور بھی بے شمار صحابہ کرام نے معاویہ سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا گنجائش نہیں کہ سب کا ذکر کیا جائے۔

لہٰذا یہ انتہائی ظلم ہے کہ شیعوں پر محض اس وجہ سے اعتراض کیا جائے کہ وہ معاویہ سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔

ان کے یاور و انصار پر اور ان لوگوں پر جنھوں نے کتاب خدا کی مخالفت کر کے بندوں پر ظلم کیا۔ شہروں میں تباہی مچائی، پیغمبرؐ خدا کو اذیت دی برہمی ظاہر کرتے ہیں۔ کیا کسی بھی مسلمان کے لئے خدا اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو یہ مناسب ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو محض اتہامات و الزامات کی آڑ لے کر کافر قرار دے اور حکومت کے ان ہتھکنڈوں سے آنکھ بند کئے رہے جن سے ان اتہامات و الزامات کی نشر و اشاعت میں کام لیا جاتا تھا اور مسلمانوں پر زبردستی کی جاتی کہ ان باتوں کو ضروری ہی صحیح مانو۔

لطف کی بات یہ ہے کہ عباسی حکومت بنی امیہ کی بہت سی باتوں پر غضب ناک تھی۔ بہت سی باتوں میں بنی امیہ کی مخالفت اس کا شعار تھا مگر اہلبیتؑ کے مذہب کی مخالفت میں دونوں متحد تھیں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اہلبیتؑ کی ضد ان کی عداوت اور ان کے ہمدردوں کی پکڑ دھکڑ کے لئے دونوں نے ایکا کر لیا تھا۔ بنی عباس کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے انتقام کا دائرہ بہت وسیع اور پیروان اہلبیتؑ پر اتہام لگانے کی صورتیں بھی زیادہ میسر تھیں انھوں نے بہت سے کرایہ کے علماء کو معین کر رکھا تھا جو ہر جلسہ ہر بزم میں شیعوں کے خلاف اتہامات کا طومار باندھا کرتے تھے۔

یہ کرایہ کے مولوی مسلمانوں سے شیعوں کا خطرہ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے اور لوگوں کو ذہن نشین کراتے کہ شیعہ حلول کے قائل اور عقیدہ تناسخ کے حامل ہیں اپنے آئمہ کی الوہیت کا اعتقاد رکھتے ہیں شریعت کو باطل سمجھتے ہیں۔

جو شخص بھی ان اتہامات پر انصاف سے نظر کرے جن کی تشہیر میں حکومت بڑی مستعدی سے سرگرم رہا کرتی اور

عوام الناس کو ترغیب دیتی کہ ان پروپیگنڈوں کو بسروچشم قبول کریں۔ اور ان پروپگنڈوں کو ایسے مسلمات کی حیثیت دے دی تھی جن میں بحث و تحقیق کی بھی گنجائش نہیں وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہوگا۔ کہ یہ ساری کاروائیاں محض اس لئے کی گئیں کہ مذہب اہل بیتؑ کا نام ونشان باقی نہ رہے لیکن حکومت ناکام رہی منزل مقصود تک پہنچنا نصیب نہ ہوا۔ اسی وجہ سے ہم یہ یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ مذہب اہلبیتؑ کی روحانیت اور عظیم ترین صداقت تھی جس نے ان تمام رکاوٹوں کا سینہ چیر کر آگے بڑھنے کا راستہ پیدا کرلیا اپنی روحانی قوت تائید ربانی اور اہل بیتؑ کے فیوض و برکات کے سبب یہی وجہ تھی کہ مذہب اہلبیتؑ ان تمام آہنی دیواروں کو پار کرگیا جو اس کے آگے بڑھنے اور اس کی نشر و اشاعت پر حائل ہوگیں۔

ہم ایک مرتبہ پھر اپنے مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ خدا کے لئے کسی بات کا فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیا کیجئے بلکہ پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لیجئے آباو اجداد کی تقلید نہ کیجئے نہ غلط سلط قیاسات کو کام میں لائیے نہ کسی ایک شخص کی وجہ سے پوری جماعت کو مورد عتاب بنایئے اسی طرح وہ رکاوٹیں دور ہوسکتی ہیں جو مسلمانوں کے باہمی اتحاد میں حائل ہیں اور اسی طرح سازشی اور دشمنان اتحاد کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

(اقتباس و ترجمہ از امام الصادق والمذاہب، الاربعہ جلد دوم مصنفہ علامہ اسد حیدر (عراق)

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ جلیل القدر اصحاب

جنھوں نے مولائے متقیان حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کی معیت میں جنگ صفین میں شرکت کی۔

ہم ذیل میں پیغمبر کے اُن جلیل القدر اصحاب کے اسماء گرامی درج کرتے ہیں جنھوں نے جنگ صفین میں امیرالمومنینؑ کی حمایت میں معاویہ سے جنگ کی ان اصحاب میں ستر یا اسّی وہ عظیم المرتبت صحابہ کبار بھی تھے جنھیں جنگ بدر میں شرکت کا شرف حاصل تھا اور جن کے متعلق جمہور اسلام کا عقیدہ ہے وہ سب کے سب جنّتی ہیں شاہ محمد علی حیدر کا کوردی لکھتے ہیں:۔

"اصحاب بدر وہ عظیم المرتبت گروہ ہے جس کے علوے مرتبت کی اطلاع خود آں حضرتؐ کو دی گئی حدیث صحیح ہے ان اللہ اطلع علی اهل بدر فقال اعلموا ما شئتم فقد غفرت لکم نیز کلام مجید خود بایں الفاظ ناطق ہے فلم تقتلوهم ولکن اللہ قتلهم وما رمیت ولکن اللہ رمٰی۔ حضرت عمر تو ان لوگوں کو حقدار خلافت بھی سمجھتے تھے۔ عبدالرحمان ابن انبری حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ امر خلافت اہل بدر کا حق ہے جب تک کہ ایک بھی اُن میں باقی ہے دوسرا حق دار نہیں پھر اہل اُحد اس منصب کے لائق ہیں تاوقتیکہ ان میں سے ایک بھی رہے دوسرے کو نہ ملنا چاہیے۔ پھر دیگر مہاجرین و انصار ہیں۔ لیکن طلیق بن طلیق اور مسلمانان فتح مکہ کا اس خلافت میں کوئی حق نہیں۔"

(اسد الغابہ ذکر معاویہ سیرۃ علویہ ۳۷۶،۳۷۷)

(۱) اسید بن ثعلبۃ الانصاری (بدری)

(۲) ثابت بن عبید الانصاری (بدری) (آپ جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۳) ثعلبۃ بن قیظی بن صخر الانصاری (بدری)

(۴) جبر بن انس بن ابی رزیق (بدری)

(۵) جبلہ بن ثعلبہ انصاری خزرجی (بدری)

(۶) حارث بن حاطب بن عمرو الانصاری الاوسی (بدری)

(۷) حارث بن نعمان بن امیہ الانصاری الاوسی (بدری)

(۸) حصین بن حارث بن مطلب قریشی (بدری)

(۹) خالد بن زید بن کلیب ابوایوب الانصاری (بدری)

(۱۰) خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین انصاری اوسی (بدری)
(جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۱۱) خلیفہ یا علیفہ بن عمرو البیاضی (بدری)

(۱۲) خویلد بن عمرو الانصاری سلمی (بدری)

(۱۳) ربعی بن عمرو انصاری (بدری)

(۱۴) رفاعہ بن رافع بن مالک انصاری خزرجی (بدری)

(۱۵) زید بن اسلم بن ثعلبہ بن عدی البلوی (بدری)

(۱۶) جابر بن عبداللہ بن عمرو الانصاری السلمی (بدری)

(۱۷) خباب بن الارث ابوعبداللہ التمیمی (بدری)

(۱۸) سہل بن حنیف بن واہب الانصاری الاوسی (بدری)

(۱۹) سماک بن اوس بن خرشتہ الانصاری الخزرجی (بدری)

(۲۰) صالح الانصاری (بدری)

(۲۱) عبداللہ بن عتیک الانصاری (بدری)

(۲۲) عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ابومسعود الانصاری (بدری)

(۲۳) عمار یاسر (بدری) (آپ صفین میں شہید ہوئے)

(۲۴) عمرو بن انس الانصاری الخزرجی (بدری)

(۲۵) عمرو بن حمق الخزاعی الکعبی (بدری)

(۲۶) قیس بن سعد بن عبادہ الانصاری الخزرجی (بدری)

(۲۷) کعب بن عامر السعدی (بدری)

(۲۸) مسعود بن اوس بن اصرم الانصاری (بدری)

(۲۹) ابوالہیثم مالک بن یتھان بلوی (بدری) (آپ صفین میں شہید ہوئے)

(۳۰) ابوحبہ عمرو بن غزیہ (بدری)

(۳۱) ابوعمرہ بشر بن عمرو بن محصن الانصاری (بدری) (آپ صفین میں شہید ہوئے)

(۳۲) ابوفضالۃ الانصاری (بدری) (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۳۳) ابومحمد الانصاری (بدری)

(۳۴) ابوبردہ ہانی بن نیار باغر (بدری)

(۳۵) ابوالیسر کعب بن عمرو بن عباد الانصاری اسلمی (بدری)

(۳۶) اسود بن عبسی تمیمی

(۳۷) اشعث بن قیس کندی۔ (جنگ صفین میں میمنہ کا سردار)

(۳۸) انس بن مدرک ابوسفیان الخثعمی

(۳۹) احنف بن قیس ابوبحر تمیمی سعدی

(۴۰) اعین بن ضبیعۃ الحنظلی (جنگ صفین میں ایک رسالہ کے افسر تھے)

(۴۱) برید الاسلمی (جنگ صفین میں شہید ہوئے) ان کے متعلق امیرالمومنینؑ نے یہ اشعار فرمائے تھے:۔

جزی الله خیرا عصبة اسلمية
حسان الوجوه عواحول هاشم
بريد و عبدالله منهم و معقل
وعروة ابنا مالك فی الاكارم

(خداوند عالم اسلمی جماعت کو جزائے خیر عنایت فرمائے جو
خوبصورت چہروں والے ہیں جو ہاشم کے اردگرد عروسِ شہادت سے ہمکنار
ہوئے۔ برید اور عبداللہ اور انھیں میں سے معززین و شرفاء میں ہوتا ہے)

(۴۲) جراء بن عازب انصاری خزرجی

(۴۳) بشر یا بشیر بن ابی زید الانصاری

(۴۴) بشر بن ابی معوہ الانصاری

(۴۵) ثابت بن قیس بن الخطیم الانصاری

(۴۶) جاریہ بن قدامہ بن مالک تمیمی سعدی

(۴۷) جاریہ بن قدامہ بن مالک تمیمی سعدی

(۴۸) جبلہ بن عمرو بن ثعلبہ الانصاری

(۴۹) جبیر بن حباب بن منذر انصاری

(۵۰) جندب بن زہیر الازدی الغامدی۔ (یہ امیر المومنینؑ کے افسر فوج تھے)

(۵۱) جندب بن کعب عبدی ابوعبداللہ الازدی الغامدی

(۵۲) حارث بن عمرو بن حرام الانصاری الخزرجی

(۵۳) حازم بن ابی حازم الاحمسی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۵۴) حبشی بن جنادۃ بن نصر سلولی

(۵۵) حجاج بن عمرو بن غزیہ الانصاری

(۵۶) حجر بن عدی کندی جو حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں (جنگ صفین میں افسر فوج تھے)

(۵۷) حجر بن یزید بن سلمۃ الکندی

(۵۸) حنظلہ بن نعمان الانصاری

(۵۹) حیان بن ابجر کنانی

(۶۰) خالد بن ابی دجانہ انصاری

(۶۱) خالد بن ابی دجانہ انصاری

(۶۲) خالد بن معمر بن سلیمان السدوسی

(۶۳) خالد بن ولید الانصاری

(۶۴) خرشہ بن مالک بن حریر الاودی

(۶۵) رافع بن خدیج بن رافع الانصاری الخزرجی الحارثی

(۶۶) ربیعہ بن قیس العدوانی

(۶۷) ربیعہ بن مالک بن وھبیل النخعی

(۶۸) زبید بن عبد خولانی۔ (یہ جنگ صفین میں پہلے معاویہ کے ساتھ تھے اور اُن کی فوج کے علمدار تھے

جب جناب عمار شہید ہو گئے تو پیغمبر کی حدیث عمار تقتلہ الفئة الباغیہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا کے پیش نظر امیر المومنینؑ کے لشکر میں چلے آئے۔

(۶۹) زیاد بن ارقم بن زید بن قیس کعبی خزرجی

(۷۰) زید بن جاریۃ الانصاری

(۷۱) زیاد بن حنظلۃ تمیمی

(۷۲) زید بن جبلہ یا حبلہ

(۷۳) سعد بن حارث بن صمۃ الانصاری (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۷۴) سعد بن عمرو حرام الانصاری الخزرجی

(۷۵) سعد بن مسعود الثقفی جناب مختار کے چچا تھے۔

(۷۶) سلیمان بن صرد بن ابی الجون ابو المطرف الخزاعی۔

(۷۷) سہیل بن عمرو الانصاری (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۷۸) شبث بن ربعی تمیمی یربوعی ابو عبد القدوس

(۷۹) شبیب بن عبداللہ بن شکل مذحجی

(۸۰) شریح بن ہانی بن یزید بن نہیک ابو القدام الحارثی

(۸۱) شیبان بن محرث

(۸۲) صدی بن عجلان بن الحارث ابو امامہ باہلی

(۸۳) صعصعہ بن صوحان عبدی

(۸۴) صفر بن عمرو بن محصن (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۸۵) صیفی بن ربعی بن اوس

(۸۶) عائذ بن سعید بن زید بن جندب الحارثی الحسری (صفین میں شہید ہوئے)

(۸۷) عائذ بن عمرو الانصاری

(۸۸) عامر بن واثلہ بن عبداللہ ابو الطفیل اللیثی

(۸۹) عبداللہ الاسلمی (جنگ صفین میں شہید ہوئے) یہ منجملہ ان لوگوں کے ہیں جن کی امیر المومنینؑ نے مدح فرمائی ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں حضرت کے اشعار ہم نے ذکر کئے ہیں۔

(۹۰) عبداللہ بن بدیل ورقاء الخزاعی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۹۱) عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب (صفین میں امیرالمومنینؑ کے میسرۂ لشکر کے افسر تھے)

(۹۲) عبداللہ بن خراش ابویعلی الانصاری

(۹۳) عبداللہ بن خلیفۃ بولانی طائی

(۹۴) عبداللہ بن ذباب بن الحارث المذحجی

(۹۵) عبداللہ بن طفیل بن ثور بن معاویہ بکائی

(۹۶) عبداللہ بن کعب مرادی (جنگ صفین میں شہید ہوئے) یہ بزرگوار امیرالمومنینؑ کے اکابر اصحاب سے تھے۔

(۹۷) عبداللہ بن یزید الخطمی الانصاری الاوسی

(۹۸) عبدالرحمن بن بدیل بن ورقاء خزاعی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۹۹) عبدالرحمان بن حسل الجمحی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۱۰۰) عبید بن خالد السلمی

(۱۰۱) عبداللہ بن سہیل الانصاری

(۱۰۲) عبید بن عازب، براء بن عازب کے بھائی

(۱۰۳) عبید بن عمرو السلمانی

(۱۰۴) عبد خیر بن یزید بن محمد الہمدانی (امیرالمومنینؑ کے اکابر صحابہ میں سے تھے)

(۱۰۵) عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد الطائی

(۱۰۶) عروہ بن زید الخیل الطائی

(۱۰۷) عروہ بن مالک اسلمی (جنگ صفین میں شہید ہوئے) یہ بھی ان لوگوں میں تھے جن کی امیرالمومنینؑ نے اپنے اشعار میں مدح فرمائی ہے۔

(۱۰۸) عقبہ بن عامر سلمی

(۱۰۹) علاء بن عمرو الانصاری

(۱۱۰) علیم بن سلمۃ الفہمی

(۱۱۱) عمرو بن بلال۔ یہ بزرگ مہاجر بھی تھے

(۱۱۲) عمیر بن حارثہ اللیثی

(۱۱۳) عمیر بن قرۃ سلمی

(۱۱۴) عمار بن ابی سلامۃ بن عبداللہ بن عمران

(۱۱۵) عوف بن عبداللہ بن احمر ازدی

(۱۱۶) فاکہ بن سعد بن جبیر الانصاری الاوسی الخطمی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۱۱۷) قیس بن ابی قیس انصاری

(۱۱۸) قیس بن کشوح ابوشداد المرادی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۱۱۹) قرظہ بن کعب بن ثعلبہ بن عمرو انصاری خزرجی

(۱۲۰) کرامہ بن ثابت الانصاری

(۱۲۱) کعب بن عمر ابوزعنہ

(۱۲۲) کمیل بن زیاد نخعی (کہا جاتا ہے کہ پیغمبرؐ کی زندگی کے ۱۸ سال انھوں نے دیکھے یہ بہت معزز ومحترم اور ثقہ بزرگ تھے) اصابہ جلد ۳۱۸۳۔

(۱۲۳) مالک بن حارث بن عبدیغوث نخعی مشہور بہ اشتر

(۱۲۴) مالک بن عامر بن ہانی بن خفاف الاشعری

(۱۲۵) محمد بن بدیل بن ورقاء خزاعی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۱۲۶) محمد بن جعفر بن ابی طالب الہاشمی (جنگ صفین میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے)

(۱۲۷) مخنف بن سلیم بن حرث بن عوف بن ثعلبہ ازدی غامدی۔

(۱۲۸) معقل بن قیس ریاحی تمیمی یربوعی۔

(۱۲۹) مغیرہ بن نوفل بن حرث بن عبدالمطلب ہاشمی

(۱۳۰) منقذ بن مالک اسلمی، عروہ بن مالک کے بھائی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۱۳۱) مہاجر بن خالد ابن ولید مخزومی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۱۳۲) فضلہ بن عبید الاسلمی ابوبرزہ

(۱۳۳) نعمان بن عجلان بن نعمان الانصاری الزرقی

(۱۳۴) ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص المرقال (امیر المومنینؑ کے علمدار لشکر تھے) (جنگ صفین میں شہید

ہوئے)

(۱۳۵) ہبیرہ بن نعمان بن قیس بن مالک بن معاویہ جعفی۔ امیر المومنینؑ کے سردار لشکر تھے۔

(۱۳۶) وداعہ بن ابی زید الانصاری

(۱۳۷) یزید بن حویرث الانصاری

(۱۳۸) یزید بن طعمۃ بن جاریہ بن لوذان الانصاری الخطمی

(۱۳۹) یعلیٰ بن امیہ بن ابی عبیدہ بن ہمام بن حرث تمیمی حنظلی (کہا جاتا ہے کہ جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۱۴۰) یعلیٰ بن عمیر بن یعمر حارثہ بن حنید نہدی

(۱۴۱) ابوشمر بن ابرہہ بن شرجیل بن ابرہہ بن الصباح الحمیری (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

(۱۴۲) ابولیلیٰ الانصاری، عبدالرحمن کے والد

(۱۴۳) ابوجحیفہ السوائی

(۱۴۴) ابوعثمان الانصاری

(۱۴۵) ابوالورد بن قیس بن فہر الانصاری

اس فہرست کے دیکھنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گروہ صحابہ خیار امیرؑ کی طرف تھا۔ معاویہ کو لوگ باغی سمجھتے تھے۔ اصحاب بدر کے اجماع سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

(الغدیر جلد نہم و سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی ۲۷۴ تا ۲۷۶)

قرآن مقدس اور تقویٰ

دین اسلام میں فضلیت اور شرافت کا معیار قوم و قبیلہ نہیں ہے بلکہ تقویٰ و کردار ہے جہاں فرزند نوحؑ غرق کر دیا جاتا ہے اور جناب سلمان رضوان اللہ علیہ کو حضرات اہلبیت علیہ السلام میں شامل کر لیا جاتا ہے لہٰذا...... شرافت پر اکڑنے والے بدکردار افراد قرآن مقدس کی آیات کریم سے سبق حاصل کریں اور دین اسلام کے معراج فضیلت کو پہچانیں۔

ارشاد رب العزت ہو رہا ہے کہ!

''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ''

(پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات ۴۹، آیت ۱۳)

لاریب تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

ارشاد خالق کائنات ہورہا ہے کہ!

''ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ''

(پارہ ۱، سورۃ البقرہ ۲، آیت ۲)

اس مقام پر ہدایت کا لفظ منزل مقصود تک پہنچا دینے والی ہدایت کی طرف اشارہ ہے جو متقین کے علاوہ کسی فرد واشد کو حاصل نہیں ہے اور واضح رہے کہ اسلام میں تقویٰ کے لئے ایمان بالغیب کے ساتھ نماز اور انفاق بھی ضروری ہے صرف ایمان کے بھروسے پر تقویٰ حاصل نہیں کیا جاسکتا اور قرآن حکیم سے استخارہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ بلاشک قرآن مجید ہدایت دے گا۔ لیکن تقویٰ کے بعد اور تقویٰ ایمان کے ساتھ نماز اور انفاق یعنی بدنی اور مالی دونوں طرح کی قربانیوں کا مطالبہ کررہا ہے اگر تقویٰ نہیں ہے تو قرآن کی ہدایات کا فائدہ بھی نہیں ہے اور یہ قرآن و حضرات اہلبیتؑ کا کمال اتحاد ہے کہ قرآن ہدی لامتقین ہے اور حضرت علیؑ امام المتقین ہیں مولائے متقیان ہیں — قرآن ان ہی کو ہدایت دے گا جو مومن، غازی اور کریم طبع ہوں اور حضرت علیؑ انھیں کی امامت کرتے رہے اور کریں گے جو انھیں صفات حمیدہ سے متصف تھے اور متصف ہوں گے۔ اگر ایمان و عمل نہیں ہے تو نہ قرآن کام آئے گا اور نہ حضرات اہلبیتؑ سفارش کریں گے جب کہ دونوں ہی ہادی ہیں اور دونوں ہی شفاعت کرنے والے ہیں اور دونوں ہی کا مطالبہ پرہیز گاری کا ہے کہ تم اپنے طور پر پرہیز گار بنو۔ پھر اگر غلطی ہوجائے گی تو شفاعت کرنا ہمارا کام ہے — بغاوت میں شفاعت نہیں ہوا کرتی۔

ارشاد اللہ تعالیٰ ہورہا ہے کہ

''وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُھُوْرِھَا وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ''

(پارہ ۲، سورۃ البقرہ ۲، آیت ۱۸۹)

بعد یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ مکانات میں پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی اُن کے لئے ہے جو پرہیز گار ہوں اور مکانات میں دروازوں کی طرف سے آئیں اور اللہ سے ڈرو شاید تم کامیاب ہوجاؤ۔

تصریح!

یہ نیکی کا ظاہری طریقہ ہے اصل نیکی وہ تقویٰ ہے جو انسان کے دل میں ہوتا ہے اور انسان کو نیکی پر آمادہ کرتا ہے پیغمبرؐ اسلام نے اس قانون کے تحت ارشاد فرمایا تھا کہ!

"اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا"

میں شہر علم ہوں اور حضرت علیؑ اُس کا دروازہ ہیں اور علم کی ضرورت ہے تو دروازے سے آؤ دوسرے راستوں سے آنا خیانت ہے طلب علم نہیں ہے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد قدرت ہو رہا ہے کہ!

"بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ"

(پارہ ۳، سورۃ العمران ۳، آیت ۷۶)

لاریب! جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اور خوف خدا پیدا کرے گا تو خدا متقین کو دوست رکھتا ہے۔

خالق کائنات ارشاد فرما رہا ہے کہ!

"قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا"

(پارہ ۵، سورۃ النساء ۴، آیت ۷۷)

پیغمبرؐ! آپ کہہ دیجیے کہ دُنیا کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے اور آخرت صاحبان تقویٰ کے لئے بہترین جگہ ہے اور تم پر دھاگہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

خالق دو جہاں ارشاد فرما رہا ہے کہ!

"یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ"

(پارہ ۸، سورۃ الاعراف ۷، آیت ۳۵)

اے اولاد آدم! جب بھی تم میں سے ہمارے پیغمبر تمھارے پاس آئیں گے اور ہماری آیتوں کو بیان کریں گے تو جو بھی تقویٰ اختیار کرے گا اور اپنی اصلاح کرے گا اس کے لئے کوئی خوف ہے اور نہ بندہ رنجیدہ ہوگا۔

سورۃ مبارکہ النجم میں ارشاد قدرت ہو رہا ہے کہ!

"وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ﴿۳۱﴾ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰۗئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ ھُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ

مِنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى "

(پارہ ۲۷، سورۃ النجم ۵۳، آیات ۳۱، ۳۲)

اور اللہ ہی کے لئے زمین و آسمان کے کل اختیارات ہیں تا کہ وہ بدعمل افراد کو ان کے اعمال کی سزا دے سکے اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دے سکے۔ جو لوگ گناہ کبیرہ اور فحش باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ (گناہ صغیرہ کے علاوہ) بے شک آپ کا پروردگار ان کے لئے بہت وسیع مغفرت والا ہے وہ اس وقت بھی ہم سب کے حالات سے واقف تھا۔ جب اُس نے تمھیں خاک سے پیدا کیا تھا اور اس وقت بھی جب تم ماں کے شکم میں جنین کی منزل میں تھے لہٰذا اپنے نفس کو زیادہ پاکیزہ نہ قرار دو وہ متقی افراد کو خوب پہچانتا ہے۔

تشریح!

خیال رہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ "گناہان صغیرہ کے ارتکاب میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو اس کا نام گناہ ہی نہ ہوتا بلکہ صباح رکھ دیا جاتا، گناہ بہر حال گناہ ہے چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ آیت کریمہ کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ اور فحش باتوں سے پرہیز کرنے والے اور دین کے حق میں خدا وسیع المغفرۃ ہے اور اس کے گناہ کو آسانی سے معاف کرسکتا ہے کہ اس نے اہم گناہوں سے بہر حال پرہیز کیا ہے اور صرف ان گناہوں کا ارتکاب کیا ہے جو فطری کمزوری کی بنا پر سرزد ہوجایا کرتے ہیں اور جن سے پرہیز کرنا ہر کس و نا کس کے بس کی بات نہیں ہے۔

سورۂ مبارکہ البقرۃ میں ارشاد رب العزت ہورہا ہے کہ!

" زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ "

(پارہ ۲، سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۲۱۲)

اصل میں کافروں کے لئے زندگانی دنیا آراستہ کردی گئی ہے اور وہ صاحبان ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ قیامت کے دن متقی اور پرہیزگار افراد کا درجہ ان سے کہیں زیادہ بالاتر ہوگا اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

سورۂ مبارکہ آل عمران میں ارشاد احدیت ہورہا ہے کہ!

" زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ

لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ"

(پارہ ۳، سورۂ آل عمران ۳، آیات ۱۴ اور ۱۵)

لوگوں کے لئے خواہشات دنیا عورتیں اولاد، سونے، چاندی کے ڈھیر، تندرست گھوڑے یا چوپائے، کھیتیاں سب مزین اور آراستہ کردی گئی ہیں کہ یہی متاع دنیا ہے اور اللہ کے پاس بہترین انجام ہے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ کیا میں ان سب سے بہتر خدا کی خبر دوں۔ جو لوگ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں ان کے لئے پروردگار کے یہاں وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی خوشنودی ہے اور اللہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب باخبر ہے۔

وضاحت!

۔ آیہ مجیدہ میں وہ اسباب بیان کئے گئے ہیں جن پر انسان ناز کرتا ہے اور جن کے ذریعہ گمراہ ہوجاتا ہے قرآن مجید نے سب کا تذکرہ کرکے واضح کردیا کہ ان کا انجام بہتر نہیں ہے انجام اور حسن عاقبت صرف پروردگار کے ہاتھ میں ہے جن کا ذریعہ خوف الٰہی اور تقویٰ پروردگار ہے جس کے حامل افراد کے لئے جنت۔ نہریں۔ ازواج اور رضوان الٰہی سب کچھ ہے۔

سورۂ مبارکہ آل عمران میں ارشاد ہورہا ہے کہ!

"اَلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ"

(پارہ ۳، سورۂ آل عمران ۳، آیت ۱۷۲)

یہ صاحبان ایمان ہیں جنھوں نے زخمی ہونے کے بعد بھی خدا اور رسول کی دعوت پر لبیک کہی۔ ان کے نیک کردار اور متقی افراد کے لئے نہایت درجہ اجر عظیم ہے۔

تفسیر!

آیہ کریمہ جنگ اُحد کے تناظر میں نازل ہوئی تھی۔ درحقیقت جنگ اُحد اسلامی تاریخ کا اتنا سنگین سانحہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ مسلمانوں میں جتنی ذہنی خرابیاں تھیں ان سب کا بھی تذکرہ کیا ہے اور انھوں نے جس عملی کمزوری کا ثبوت دیا ہے اس کا بھی اظہار کردیا گیا ہے حد یہ ہے کہ ان سے کہا گیا کہ اگر ایمان دار ہو تو راہ خدا میں جہاد کرو۔ دنیا دار ہو تو اپنے نفس سے دفاع کرو لیکن وہ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوئے بلکہ جو راہ خدا میں شہید ہوگئے اُن کے بارے میں بھی طنز کرنے لگے کہ ہماری بات نہ مان کر اپنی جان گنوادی۔ پروردگار عالم نے اس

خیال پر شدت سے تنبیہ کی کہ...... راہ خدا کو مردہ خیال نہ کرنا۔ وہ زندہ ہیں اور حقیقتاً زندہ ہیں کہ رزق بھی پا رہے ہیں۔ فضل وکرم ونعمت الٰہی سے بہرہ ور ہیں۔ اپنے ساتھیوں کا انتظار بھی کر رہے ہیں اور خوف وحزن سے پاک و پاکیزہ بھی ہیں۔

ان کے جذبہ جہاد پر زخموں کا اثر نہیں ہوتا اور ہر حال میں خدا و رسولؐ کی آواز پر لبیک کہتے ہیں دشمن کے لشکر عظیم کی خبر ملتی ہے تو خدا کی طاقت کا حوالہ دیتے ہیں اور خدا کے لئے جیتے ہیں اور اسی کی راہ میں مرجاتے ہیں۔

جنگ اُحد کے متعلق یہ آیات کریمہ ہر دور کے مسلمانوں کے لئے مرقع عبرت ہیں کہ کل والوں نے کمزوری کا مظاہرہ کیا تھا اور دشمن کی طاقت سے ڈر گئے تھے تو آج تک اُن کی کہانی دہرائی جارہی ہے اگر تم بھی بزدلی کا مظاہرہ کروگے تو قیامت تک کی ملامت وزدامت کا سامنا کروگے۔ مگر افسوس کہ اُحد کے منافقیت کی ذہنی اور معنوی نسل آج بھی اسی انداز فکر کی شکار ہے کہ دشمن کی طاقت کی تصنیف وتعریف کر کے مسلمانوں کے حوصلہ کو پست کررہی ہے۔ کل حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے جنھوں نے خدائی طاقت ونصرت کے سہارے دنیا کی ہر بڑی طاقت کو چیلنج کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔

مشکل کشا چراغ حرم شاہ لافتیٰ کس آدمی کو لاؤ گے اس انتساب میں شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار لافتیٰ الا علیؑ لاسیف الا ذوالفقار

سورۂ مبارکہ الاعراف میں ارشاد...... ہورہا ہے کہ!

''اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىِٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ''

(پارہ ۹، سورۃ الاعراف ۷، آیت ۲۰۱)

جو لوگ صاحبان تقویٰ ہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھوتا بھی چاہتا ہے تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور حقائق کو دیکھنے لگتے ہیں۔

سورۂ مبارک الرعد میں ارشاد باری ہورہا ہے کہ!

''مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ''

(پارہ ۱۳، سورۃ الرعد ۱۳، آیت ۳۵)

جس جنت کا صاحبان تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے اُس کی مثال یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور اس کے پھل دائمی ہوں گے اور سایہ بھی ہمیشہ رہے گا یہ صاحبان تقویٰ کی عاقبت ہے اور کفار کا انجام کار بہرحال عاقبت

ہے۔

وضاحت!

واضح رہے کہ قرآن مجید حقائق کے قبول کرنے والوں کو اہل ایمان اور صاحبان تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے اور انکار کرنے والوں کو احزاب سے تعبیر کرتا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ایمان وتقویٰ والے ایک جماعت ہوتے ہیں جن پر ایمان کی حکمرانی ہوتی ہے اور منکرین گروہوں میں بٹے ہوتے ہیں اور ان کا کوئی جامع نہیں ہوتا ہے کہ خواہشات میں اجتماع ممکن نہیں ہے۔

سورۃ التوبہ میں ارشاد ہورہا ہے کہ!

''لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ''

(پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ ۹، آیت ۱۰۸)

خبردار! آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے بھی نہ ہوں بلکہ جس مسجد کی بنیاد روز اوّل سے تقویٰ پر ہے وہ اس قابل ہے کہ آپ اس میں نماز ادا کریں اس میں وہ مرد بھی ہیں جو طہارت کو دوست رکھتے ہیں اور خدا بھی پاکیزہ افراد سے محبت کرتا ہے۔

طہارت!

اکثر مفسرین نے اس سے ظاہری طہارت مراد لی ہے اور ایک امکان یہ بھی ہے کہ طہارت باطن یعنی خود نماز مراد ہو۔

تشریح!

آیت کریمہ میں جس مسجد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اُس سے مراد مسجد قبا ہے کہ اس کی تاسیس روز اوّل سے ہی تقویٰ پر ہوئی ہے ورنہ دیگر محترم مساجد میں بھی پیغمبرؐ اکرم نماز ادا کر سکتے تھے اور اس میں کوئی اشکال نہ تھا۔

اسی سورۃ التوبہ میں ارشاد ہورہا ہے کہ!

''أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ''

(پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ ۹، آیت ۱۰۹)

کیا جس نے اپنی بنیاد خوف خدا اور رضائے الٰہی پر رکھی ہے وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی بنیاد اس گرتے

ہوئے کنگورے کے کنارے پر رکھی ہو کہ وہ ساری عمارت کو لیکر جہنم میں گر جائے اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

سورۂ مبارکہ طٰہٰ میں ارشاد رب العزت ہو رہا ہے کہ!

''وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى''

(پارہ۱۶، سورۂ طٰہٰ ۲۰، آیت ۱۳۲)

اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دیں اور اس پر صبر کریں ہم آپ سے رزق کے طلب گار نہیں ہیں ہم تو خود ہی رزق دیتے ہیں اور عاقبت صرف صاحبان تقویٰ کے لئے ہے۔

نماز!

نماز کی تعلیم دینا ایک فریضہ اسلام ہے اور اس کی راہ میں صبر کرنا ایک اخلاقی جرأت ہے اور یہ بہرحال یاد رکھنا چاہیے کہ نماز روزی کمانے میں حائل نہیں ہوتی کہ اولاً تو اس کا وقت مختصر ہوتا ہے اور پھر کاروبار ہاتھ سے نکل بھی جائے تو رازق انسان کا کاروبار نہیں ہے اس کا پروردگار ہے اور انجام صاحبان تقویٰ کے ہاتھ میں ہے اہل دنیا کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

سورۂ مبارکہ المائدہ میں رب کائنات ارشاد فرما رہا ہے کہ!

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ''

(پارہ۶، سورۂ المائدہ۵، آیت ۸)

ایمان والو! خدا کے لئے قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور خبردار! کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ انصاف کو ترک کردو۔ انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ تمھارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

صراحت!

ایک مسلمان کی صحیح زندگی یہی ہے کہ اس کا ہر اقدام اللہ کے لئے ہو اور جو بات کہے یا جو کام کرے اس میں للہیت پائی جاتی ہو اور دنیاداری کا شائبہ نہ ہو اور اس کے بعد ہر انداز سے عدالت کے ساتھ شہادت کے لئے تیار رہے اور بغض وعداوت یا انتقام کی بنا پر جادۂ اعتدال سے منحرف یا درودوالہیہ سے تجاوز کرنے والا نہیں دیکھنا چاہتا۔

سورۂ مبارکہ الاعراف میں فرمان خدائے یزال ولایزال ہو رہا ہے توجہ مرکوز فرمائیے!

''یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِیْشًاؕ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَیْرٌؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ''

(پارہ ۸، سورۃ الاعراف ۸، آیت ۲۶)

اے اولاد آدم! ہم نے تمھارے لئے لباس نازل کیا ہے جس سے اپنے شرم گاہ کا پردہ کرو اور زینت کا لباس بھی دیا ہے لیکن تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے یہ بات ایات الٰہیہ میں ہے کہ شاید وہ لوگ عبرت حاصل کرسکیں تفسیر!

جناب آدمؑ، حوا اور ابلیس سب مخاطب ہیں اور اولاد آدمؑ کا فرض ہے کہ شیطان کو اپنا دشمن سمجھے اور اس سے ہوشیار رہے کہ سب سے خطرناک دشمن وہی ہوتا ہے جو نظر میں نہیں آتا ہے۔ شیطان انسان کو دیکھ رہا ہے اور انسان شیطان کو دیکھنے سے قاصر ہے۔

جناب آدمؑ وحواؑ کا قصہ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے لیکن اس کا مقصد عالم انسانیت کو پرانے واقعات سے باخبر رکھنا یا کہانیاں سنانا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ آدمؑ کی اولاد ان واقعات سے عبرت حاصل کرے جیسا کہ خود آیات میں اشارہ کیا گیا ہے اور بار بار شیطان کو دشمن کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اولاد آدمؑ کا دشمن کہا گیا ہے حالانکہ اس کی دشمنی براہ راست جناب آدمؑ سے تھی لیکن اس نے انتقام کا عہد کرلیا ہے لہٰذا تحفظ کا انتظام ضروری ہے۔

اس کے بعد کی آیۂ کریمہ میں قرآن مجید نے مسجدوں میں عبادت نہ کرنے والوں کو گمراہ قرار دیا ہے اور گمراہی کا راز شیطان کی دوستی کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا صاحبان ایمان کا فرض ہے کہ مسجد میں عبادت کریں اور اخلاص کے ساتھ عبادت کریں۔ اس میں ریاکاری شامل نہ ہونے دیں کہ خدا سب کو روز قیامت اپنی بارگاہ میں حاضر کرنے والا اور ان کے اعمال کا محاسبہ کرنے والا ہے۔

سورۂ مبارکہ الحج میں ارشادِ مالک کائنات ہورہا ہے کہ!

''لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْؕ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ''

(پارہ ۱۷، سورۃ الحج ۲۲، آیت ۳۷)

خدا تک ان جانوروں کا گوشت جانے والا ہے اور نہ خون اس کی بارگاہ میں صرف تمھارا تقویٰ جاتا ہے اور اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمھارا تابع بنادیا ہے کہ خدا کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی کبریائی کا اعلان کرو اور نیک عمل والوں کو بشارت دے دو۔

دُور جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ کفار عرب قربانی کے جانور کا گوشت مقدس مقامات پر آمیزاں کر دیا کرتے تھے اور اس کے خُون سے خانہ خدا کی زمین کو آلودہ کر دیا کرتے تھے گویا یہ گوشت اور خُون خدا کی بارگاہ میں جا رہا ہے جس طرح آج کے بعض نادان افراد مسجدوں میں طرح طرح کے چھاپے لگاتے ہیں اور اس طرح ان دھبّوں کو اللہ کی بارگاہ تک پہنچانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

قرآن حکیم نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ خدا کو راضی کرنے کا راستہ یہ داغ دھبّے نہیں ہیں اس کی رضا کا ذریعہ تقویٰ، پرہیزگاری اور دامن کردار کا ہر دھبّے سے پاک ہونا ہے۔

سورۂ مبارکہ حجرات میں ارشاد قدرت ہو رہا ہے کہ!

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ''

(پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات ۴۹، آیت ۳)

لاریب جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آواز کو دھیما رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے تقویٰ کے لئے آزما لیا ہے اور انھیں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

وضاحت!

اس سورۂ مبارکہ حجرات میں مختلف قسم کی اخلاقی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے ابتدا میں پانچ مرتبہ صاحبانِ ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے اور آخر میں مخلص مومنین کی علامت بیان کی گئی ہے کہ جو انسان ان تعلیمات پر عمل نہیں کرتا ہے اور اپنی بات کو نبیؐ کی بات سے آگے بڑھانا چاہتا ہے یا نبیؐ پر اپنی آواز کو بلند رکھنا چاہتا ہے اور نبیؐ کے سامنے اس طرح بات کرتا ہے کہ آنحضرتؐ کو ''تو مواعلیٰ'' کہہ کر باہر نکالنا پڑتا ہے اور پیغمبر اسلام کو انتہائی بے تکلفی سے ازواج کے حجرات کے پاس کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے وہ حقیقی صاحب ایمان نہیں ہے چاہے اس کا شمار کسی طبقہ میں کیوں نہ کیا جائے، یہ سارے طبقات صرف رسول اکرمؐ کے احترام سے قائم ہوتے ہیں طبقات سے رسالت کا احترام طے نہیں ہوتا ہے۔

سورۂ مبارکہ مجادلہ میں خالق کائنات کا ارشاد ہو رہا ہے کہ!

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۝''

(پارہ ۲۸، سورۃ مجادلہ ۵۸، آیت ۹)

- ایمان والو! جب بھی راز کی باتیں کرو تو خبردار گناہ اور بدی اور رسولؐ کی نافرمانی کے ساتھ نہ کرنا بلکہ نیکی اور

تقویٰ کے ساتھ باتیں کرنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا کہ بالآخر اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

صراحت!

نجویٰ اور سرگوشی کے بارے میں سرکار دو عالم کا ارشاد ہے کہ جہاں تین افراد جمع ہوں وہاں دو افراد کو رازدارانہ گفتگو نہیں کرنی چاہیے کہ اس طرح تیسرے انسان کو بہرحال تکلیف ہوتی ہے اور سوءظن کی فضا ہموار ہوتی ہے۔
یوں تو نجویٰ ہر رازداری کی بات کو کہا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ سازشی گفتگو کی طرف اشارہ ہے جو منافقین کے درمیان یا ان کے اور یہودیوں کے درمیان ہوا کرتی تھی۔

سورۂ مبارکہ شمس میں مالک کائنات کا ارشاد ہو رہا ہے کہ!

"وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝"

(پارہ ۳۰، سورۃ شمس ۹۱، آیت ۷ تا ۸)

اور نفس کی قسم اور جس نے اسے درست کیا ہے پھر بدی اور تقویٰ کی ہدایت دی ہے۔

تفسیر!

پروردگار عالم نے نور و ظلمت روز و شب ارض و سما اور انسان کی قسم کھا کر اس حقیقت کو واضح کرنا چاہا ہے کہ فلاح پاکیزہ نفس افراد کے لیے ہے اور ناکامی اور رسوائی خبیث النفس افراد کے لیے ہے جس کی مثال دور قدیم میں قوم ثمود اور ان کے نبی کی تھی کہ نبی انتہائی پاکیزہ نفس اور قوم ایسی خبیث کہ ایک اونٹنی کو پانی بھی نہ پینے دیا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، جس پر خدا نے عذاب نازل کر دیا اور خدا کو انجام کی فکر نہیں ہے اور نہ وہ کسی سے ڈرنے والا ہے۔
ناقۂ صالح کی بھی مظلومیت تھی جس کی طرف امام حسینؑ نے ارشاد فرمایا تھا اور اپنے پروردگار سے فریاد کی تھی کہ میرا بچہ ناقۂ صالح سے کم نہیں تھا اور یہ قوم ان ظالموں سے کم نہیں ہے جنہوں نے ایک بچہ ناقہ کو بھی پانی سے محروم کر دیا تھا۔
بظاہر ان تمام قسموں کا مقصد یہ ہے کہ یہ تمام مخلوقات — بے جان اور بے شعور ہونے کے باوجود ان کی دو قسمیں نہیں ہیں اور سب محو اطاعت پروردگار ہیں لیکن انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور اس میں خبیث النفس افراد پیدا ہو گئے ہیں جو انتہائی افسوس اور شرم کی بات ہے۔

سورۂ مبارکہ آل عمران میں ارشاد رب کائنات ہو رہا ہے کہ!

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝"

(پارہ ۷، سورۃ آل عمران ۳، آیت ۱۰۲)

ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو، جو ڈرنے کا حق ہے اور خبردار اس وقت تک نہ مرنا جب تک مسلمان نہ

ہو جاؤ۔

تشریح!

امام جعفر صادق نے حق تقویٰ کی تفسیر اس انداز سے فرمائی ہے کہ اطاعت خدا کے بعد معصیت نہ ہو۔ یاد خدا کے بعد نسیان کا غلبہ نہ ہو اور شکر خدا کے بعد کفران نعمت کی نوبت نہ آئے

(معانی الاخبار)

سورۂ مبارکہ تغابن میں رب کائنات ہو رہا ہے کہ!

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

(پارہ ۲۸، سورۃ التغابن ۶۴، آیت ۱۶)

لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اللہ سے ڈرو اور اس کی بات سنو اور اطاعت کرو اور راہِ خدا میں خرچ کرو اس میں تمہارے لیے خیر ہے اور جو اپنے ہی نفس کے بخل سے محفوظ ہو جائے وہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔

تفسیر!

خدا کے بارے میں انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا پیغام سنے اور اطاعت کے ذریعہ اس سماعت کا ثبوت دے اور مال کے اعتبار سے اس کی راہ میں انفاق کرے اور نفس کے اعتبار سے اس کا خوف پیدا کرے ان تمام امور کے بغیر میدان حیات میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

روح المعانی میں پیغمبر اسلام سے یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ ہر بچے کی ولادت کے وقت اس کے سر کی جالیوں میں سورۂ تغابن کی آخری آیات لکھ دی جاتی ہیں اور اس سے زندگی کا فیصلہ ہوتا ہے۔

سورۂ مبارکہ البقر میں خلاق دو عالم ارشاد فرما رہا ہے کہ!

"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ"

(پارہ ۲، سورۃ البقرہ ۲، آیت ۱۷۷)

نیکی یہ نہیں ہے کہ اپنا رُخ مشرق اور مغرب کی طرف کرلو، بلکہ نیکی اس شخص کا حصہ ہے جو اللہ اور آخرت

ملائکہ اور کتاب پر ایمان لے آئے اور محبت خدا میں قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں، غربت زدہ مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کی آزادی کے لیے مال دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور فقرہ و فاقہ میں اور پریشانیوں اور بیماریوں میں اور میدان جنگ کے حالات میں صبر کرنے والے ہوں تو یہی لوگ اپنے دعوے ایمان و احسان میں سچے ہیں اور یہی صاحبان تقویٰ اور پرہیزگار ہیں۔

تفسیر!

واضح رہے کہ "بر" کے معنی نیکی ہے ہیں یہاں لفظ کے بعد مَن آمن علامت ہے کہ صاحبان ایمان مجسمہ نیکی ہیں۔

اس کے بعد مالی محتاجوں کے چھ اقسام کا ذکر ہوا ہے، قرابتدار، یتیم، مساکین، مسافر، سائل اور غلام اور ان سب کی احتیاج بھی بالدرجات ہے۔

مساکین وہ پریشان حال لوگ ہیں جن کے پاس ذریعہ معاش نہ ہو، لیکن دست طلب بھی دراز نہ کرتے ہوں، جب کہ سائلین ہاتھ پھیلانے والے لوگ ہیں۔

ابن السبیل! جو وطن سے الگ ہوجانے کی بنا پر بیچارہ ہوگیا ہے اور گویا اب فرزند راہ ہے اور راستہ ہی میں رہتا ہے۔

الرقاب! یہ اشارہ ہے کہ جو غلام کو نہیں دیا جائے گا۔ وہ مالک نہیں ہوتا۔

صابر من! صابر بن حالت نصب میں خصوصیت کی بنا پر ہے کہ انہیں ایک مخصوص امتیاز حاصل ہے۔

مشرق اور مغرب البعض لوگوں کا خیال ہے کہ نیکی کے لیے مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کر کے دو سجدے کر لینا ہی کافی ہے اور عمل و کردار کی کوئی ضرورت نہیں ہے قرانِ مقدس نے اس تصور کی تردید کر دی ہے اور نیکی کے تمام شرائط بیان کر دیے ہیں کہ اس کے بغیر کسی کا دعوے ایمان و کردار سچا نہیں ہے اور سب فقط توہم اور تخیل ہے۔

نیکی کے شرائط میں پہلی شرط ایمان کی ہے کہ غیبت خدا و آخرت و ملائکہ اور کتاب پر ایمان ہو۔ رسول کا ذکر اس لیے نہیں ہے کہ وہ ایمان باللہ کا ایک جزو ہے اور اس کے بغیر کتاب پر ایمان کے بھی کوئی معنی نہیں ہیں۔

ایمان کے بعد مالی ایثار ہے جس میں قرابتداروں کے ساتھ یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور غلاموں کا خیال رکھنا ہے اور یہ زکوٰۃ واجب کے علاوہ ہے جس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔

مالی ایثار کے ساتھ نماز قائم کرنا ہے جو نشان بندگی اور ستون عقیدہ و ایمان ہے۔

نماز جیسی انفرادی عبادت کے ساتھ اجتماعی عہد و پیمان کا لحاظ رکھنا ہے اور اس کے اور نفسانی کمال یعنی ہر حال

میں صبر اختیار کرنا ہے اس کے بعد ہی انسان صادق الایمان کہا جائے گا۔ ایمان میں عقیدہ، عبادات، مالیات، اجتماعیات اور اخلاقیات سب کا ہونا ضروری ہے۔

اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ وآل محمد

سورۂ مبارکہ حج میں رب کائنات ہو رہا ہے کہ!

''ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ''

(پارہ ۱۷، سورۃ الحج ۲۲، آیت ۳۲)

یہ ہمارا فیصلہ ہے اور جو بھی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا یہ تعظیم اس کے دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہوگی۔

سورۂ مبارکہ یوسف میں ارشاد ہو رہا ہے کہ!

''وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ''

(پارہ ۱۳، سورۃ یوسف ۱۲، آیت ۱۰۹)

اور دار آخرت صرف صاحبان تقویٰ کے لیے بہترین منزل ہے کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

سورۂ مبارکہ المائدہ میں رب کعبہ ارشاد فرما رہا ہے کہ!

''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ''

(پارہ ۶، سورۃ مائدہ، آیت ۲)

خبردار کسی قوم کی عداوت فقط اس بات پر کہ اس نے تمہیں مسجد الحرام سے روک دیا ہے تمہیں ظلم پر آمادہ نہ کردے — نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور تعدی پر آپس میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہنا کہ اس کا عذاب بہت سخت ہے۔

تفسیر!

۶ ہجری میں مکہ اور خانۂ خدا پر کفار و مشرکین کا قبضہ تھا تو انہوں نے مسلمانوں کو طواف کعبہ سے روک دیا تھا۔ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، تو فطری طور پر جذبہ انتقام پیدا ہوا۔ پروردگار عالم نے فوراً پابندی عائد کردی کہ خبردار پرانی عداوت نئے ظلم پر آمادہ نہ کردے۔ اور ظلم کا جواب ظلم سے صرف میدان جنگ میں دیا جاتا ہے۔ ہر جگہ نہیں!

دین اسلام کا یہ ایک عظیم اجتماعی اور سیاسی نظام ہے کہ انسان پر باہمی تعاون لازم بھی ہے اور حرام بھی — اور

دونوں میں حدِ فاصل عمل کی نوعیت ہے عمل حلال اور خیر ہے تو تعاون ضروری ہے اور عمل حرام اور گناہ ہے تو تعاون حرام ہے۔

معاشرہ کی اجتماعی اور انقلابی تحریکات میں اس نکتہ کا پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری ہوتا ہے اور اس کے بغیر کوئی اقدام جائز نہیں ہوتا ہے۔

سورۂ مبارکہ البقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ!

''وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی'' (پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۲۳۷)

اور معاف کردینا تقویٰ سے زیادہ قریب تر ہے۔

صراحت!

معاف کردینا تقویٰ سے قریب تر ہے چاہے کوئی بھی معاف کردے۔ تقویٰ سے قربت کا راز غالباً یہ ہے کہ تقویٰ زادِ آخرت ہے اور آخرت کے لیے پروردگار کا علان ہے کہ تم میرے بندوں پر اپنے حقوق کو معاف کردو میں تمہارے اوپر اپنے حقوق کو معاف کردوں گا۔

سورۂ مبارکہ بقرہ ہی میں ارشاد ہو رہا ہے کہ!

''اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ''

(پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۹۷)

حج چند مقررہ مہینوں میں ہوتا ہے اور جو شخص بھی اس زمانے میں اپنے اوپر حج لازم کرے اسے عورتوں سے مباشرت، گناہ اور جھگڑے کی اجازت نہیں ہے اور تم جو بھی خیر کرو گے خدا اسے جانتا ہے اپنے لیے زادِ راہ فراہم کرو کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور اے صاحبان عقل! ہم سے ڈرو!

وضاحت!

حج ایک مقدس عبادت ہے جس کے لیے انسان اپنے گھر بار کو چھوڑ کر مختلف زحمتیں برداشت کرتا ہے اور مختلف میدانوں میں پڑا رہتا ہے، زینتیں ترک ہوجاتی ہیں، آرام ختم ہوجاتا ہے، اہل و عیال چھوٹ جاتے ہیں اور انسان بظاہر صرف اللہ کا رہ جاتا ہے۔ دنیا کی بہترین نیکی نعمت و عافیت اور توفیق علم و عمل ہے اور آخرت کی بہترین نیکی رحمت احسان اور عذاب جہنم سے نجات ہے۔

سورۂ العمران میں ارشاد رحمٰن و رحیم ہو رہا ہے کہ!

''لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾''

(پارہ ۴، سورۃ العمران، آیت ۱۹۶ تا ۱۹۸)

خبردار تمہیں کفار کا شہر شہر چکر لگانا دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ یہ حقیر سرمایہ اور سامان تعیش ہے اس کے بعد انجام جہنم ہے اور وہ بدترین منزل ہے لیکن جن لوگوں نے تقویٰ الٰہی اختیار کیا ان کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی خدا کی طرف سے یہ سامان ضیافت ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے سب نیک افراد کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

تقلب!

کفار ہر طرف گردش بھی کرتے رہتے ہیں اور ممالک کو گردش بھی دیتے رہتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ اللہ کے چہیتے اور عاقبت و آخرت کے مالک ہیں۔

مندرجہ بالا پہلی دو آیات کریمہ علامت ہے کہ بے ایمانوں کے اطمینان اور صاحبان ایمان کی پریشانی کا راز یہ ہے کہ دنیا متاع قلیل ہے اور اس کے بعد جہنم کی طویل سزا ہے۔

پھر صاحبان ایمان اپنی آمدنی میں پابند شریعت ہوتے ہیں اور بے ایمان آزاد ہوتے ہیں تو ان کی مال کی زیادتی حیرت انگیز نہیں ہے۔

تقویٰ!

تقویٰ اسلام کا سب سے بڑا شعار ہے..... خدا کی کتاب ''ھدی للمتقین'' سے شروع ہوئی ہے اور ہر ہر قدم پر ہر عمل خیر میں تقویٰ کی شرط بیان کی گئی ہے۔ اعمال کی قبولیت تقویٰ سے ہے جنت میں داخلہ تقویٰ سے ہے، مصائب سے نجات تقویٰ کے ذریعے ہے اجر بے حساب تقویٰ میں ہے۔ پروردگار عالم کی معیت اہل تقویٰ کے لیے ہے اور فلاح و کامرانی بھی اہل تقویٰ ہی کا حصہ ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے تقویٰ کی بہترین تعریف یہ کی ہے کہ خدا نے جس چیز کا حکم دیا ہے اس سے غائب نہ پائے اور جس چیز سے روکا ہے اس میں حاضر نہ پائے۔

تقویٰ کے لیے صبر اور صبر کے ساتھ باہمی صبر کی تعلیم اور ان دونوں کے ساتھ دشمن سے جہاد کی مکمل تیاری ہی زندگی میں کامیابی اور کامرانی کا بہترین راز ہے۔

''والحمد للہ رب العالمین''

القرآن:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ"

(پارہ ۲، سورۃ البقرہ ۲، آیت ۱۸۳)

صاحبانِ ایمان تمہارے اوپر روزے اسی طرح لکھ دیے گئے ہیں جس طرح تمہارے سے پہلے والوں پر لکھے گئے تھے شاید تم اسی طرح متقی بن جاؤ۔

کتب:

یہ بلاغت قرآن ہے کہ کام زحمت کا ہے تو صیغۂ مجہول سے بیان کیا گیا ہے جب کہ رحمت کے موقع پر صاف اعلان ہوا ہے کتب ربکم

نفسہ الرحمہ۔

تصریح:

روزہ انسانی زندگی میں تقویٰ پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے کہ یہ عمل صرف خدا کے لیے ہوتا ہے اور اس میں ریاکاری کا امکان نہیں ہے۔ روزہ صرف نیت اور نیت کا علم صرف پروردگار کو ہے پھر روزہ قوت ارادی کے استحکام کا بہترین ذریعہ ہے جہاں انسان حکمِ خدا کی خاطر ضروریات زندگی اور لذاتِ حیات سب کو ترک کر دیتا ہے کہ یہی جذبہ تمام سال باقی رہ جائے تو تقویٰ کی بلند ترین منزل حاصل ہو سکتی ہے۔ روزہ کی زحمت کے پیشِ نظر دیگر اقوام کا حوالہ دے کر اطمینان دلایا گیا ہے اور پھر سفر اور مرض میں معافی کا اعلان کیا گیا ہے اور مرض میں شدت یا سفر میں زحمت کی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔ یہ انسان کی جہالت ہے، اللہ تعالیٰ آسانی دینا چاہتا ہے اور وہ آج اور کل کے سفر کا مقابلہ کر کے دشواری پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس طرح خلافِ حکمِ خدا روزہ رہ کر بھی تقویٰ سے دور رہنا چاہتا ہے۔

قرآن حکیم میں شاید یہ لفظ خدا کی کمزوری کی بنا پر نہیں نفس بشر کی کمزوری کی بنا پر استعمال ہوتا ہے۔ صرف روزہ بھی تقویٰ کے لیے کافی نہیں ہے۔ روزہ کی کیفیت باقی رہنا ضروری ہے کہ سارا وجود روزہ دار ہے۔ برے خیالات، گندے افکار، بدکرداری وغیرہ زندگی میں داخل نہ ہونے پائے۔

روزہ وہ بہترین عبادت ہے جسے پروردگار نے استعانت کا ذریعہ قرار دیا ہے اور حضرات آلِ محمد علیہم السلام نے مشکلات میں اسی ذریعہ سے کام لیا ہے کبھی نماز ادا کی ہے اور کبھی روزہ رکھا ہے۔ یہ روزہ ہی کی برکت تھی کہ جب بیماری کے موقع پر حضرات آلِ محمد علیہم السلام نے روزہ کی نذر کرلی اور وفائے نذر میں روزے رکھ لیے تو پروردگار نے

پورا سورۂ مبارکہ دہر نازل فرما دیا۔ حضرات آلِ محمدؐ کے ماننے والے اور سورۂ مبارکہ دہر کی ہر آیت پر وجد کرنے والے کسی حال میں روزے سے غافل نہیں ہو سکتے اور صرف ماہِ رمضان میں نہیں بلکہ جملہ مشکلات میں روزہ کو سہارا بنائیں گے۔

روزہ اسلام کا دوسرا فریضہ ہے جو نماز کے مقابلے میں بہر حال با مشقت عمل تھا۔ اس لیے پروردگار نے اس احساس مشقت کو ختم کرنے کے لیے اور انسان کو نفسیاتی اعتبار سے اس فریضہ کے لیے آمادہ کرنے کے واسطے چار اسلوب اختیار فرمائے ہیں:

۱۔ انسانوں کے بجائے صاحبان ایمان کو مخاطب بنایا ہے تاکہ مخاطب کو یہ احساس پیدا ہو کہ پروردگار نے مجھے عام انسانوں سے ممتاز بنا کر صاحبِ ایمان کا درجہ دیا ہے تو میرا کردار بھی عام انسانوں سے بلند تر ہونا چاہیے اور مجھے وہ تمام زحمتیں برداشت کرنا چاہیے جنہیں عام انسان با اعتبار انسانیت برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔

”جن کے رتبے ہیں سوا، ان کو سوا مشکل ہے۔“

۲۔ کُتِبَ: مجہول کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ لکھنے والا اور فریضہ قرار دینے ولا پروردگار عالم ہی ہے اس لیے کہ اس کی رحمت اس بات کو گوارا نہیں کر رہی تھی کہ وہ مشقت آمیز عمل کو براہِ راست اپنی طرف منسوب کرے اور نادان انسان اس کی رحمت کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے ورنہ جہاں جہاں رحمت کا تذکرہ ہوا ہے وہاں اس نے بات کو براہِ راست اپنی طرف منسوب کیا ہے اور کتاب ہی کے لہجہ میں تذکرہ کیا ہے چنانچہ ایک مقام پر اعلان ہوا ہے کہ:

”میری رحمت ہر شے کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے اور اسے میں ان لوگوں کے حق میں لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں۔“

دوسرے مقام پر اعلان ہو رہا ہے کہ:

”تمہارے پروردگار نے تم پر رحمت کو لکھ دیا ہے۔“

رحمت اور زحمت کے ان لہجوں کا فرق قرآن مقدس میں دوسرے مقامات پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ صاحبانِ ایمان کے جنت میں سیر آب کرنے کا ذکر کیا گیا کہ:

”پروردگار انہیں پاکیزہ شراب سے سیر آب کرے گا۔“

اور جب اہل جہنم کے سیر آب کرنے کی بات آئی تو کہا گیا کہ:

”انہیں کھولتے ہوئے پانی سے سیر آب کیا جائے گا۔“

بظاہر اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ پروردگار اپنے بندوں کی کمزور ذہنیت سے باخبر ہے اور وہ نہیں چاہتا ہے کہ انسان اس کے بارے میں کسی طرح کا سوءظن پیدا کرے یا اس طرف سے کسی مایوسی کا شکار ہو جائے اس لیے وہ بار بار رحمت و برکت کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور زحمت و مشقت کو بہ مشکل مجہول بیان کرتا ہے جس کی متعدد مثالیں قرآن مبین میں ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔

۳۔ سابق امتوں کا حوالہ دیا گیا، تاکہ انسان ذہنی طور پر مطمئن رہے کہ اس کے لیے کوئی خاص مصیبت نہیں ہے بلکہ سابق امتیں اس سے بہتر بندگی کا مظاہرہ کر چکی ہیں جب کہ روزہ کا قانون اس وقت سے زیادہ مشکل تر تھا اور بعض حالات میں تو بات کرنا بھی ممنوع تھا جیسا کہ جناب مریمؑ نے قوم سے کہا تھا کہ میں نے روزہ کی نذر کر لی ہے لہٰذا میں بات نہیں کر سکتی ہوں۔

خود شریعت اسلام میں ابتدائی طور پر روزہ کا یہ قانون تھا کہ اگر انسان افطار کے بعد سو گیا تو روزہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا چاہے ابھی سحر کا وقت نہ آیا ہو۔ چنانچہ جنگ خندق کے موقع پر جب دن میں خندق کھودنے کا کام انجام پا رہا تھا۔ ایک مرد مسلمان رات کو تھک کر جلدی سو گیا اور اب جو بیدار ہوا تو کھانا پینا ممنوع ہو چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی عالم میں صبح کی اور حسب قاعدہ خندق کی کھدائی میں مصروف ہو گیا۔ گرمی کا زمانہ، پیاس کی شدت، حالات کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا تو اس موقع پر آیت کریمہ نازل ہوئی کہ:

''اس وقت تک کھا سکتے ہو جب تک فجر کے آثار نمودار نہ ہو جائیں۔''

لہٰذا اگر کل کا مسلمان ایسے روزہ رکھ کر اس طرح مشقت برداشت کر سکتا تھا تو آج کا مسلمان اس راحت و آرام کے دور میں کیوں نہیں کر سکتا ہے لیکن اس اطمینان قلب کے لئے دور سابق کا حوالہ ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے یہی کام انجام دیا ہے اور صاف اعلان کر دیا ہے کہ تم پر اسی طرح روزے واجب کیے گئے ہیں جس طرح سابق امتوں پر واجب کیے گئے تھے۔

۴۔ **لعلکم تتقون** کہ فائدہ کی نشاندہی کی گئی ہے کہ روزہ نہ کوئی مہمل اور نہ بے سود عمل ہے اور نہ اس میں پروردگار کا کوئی فائدہ ہے۔ یہ تمہارے ہی فائدہ کے لیے واجب کیا گیا ہے اور فائدہ بھی عظیم ترین فائدہ ہے جسے تقویٰ کہا جاتا ہے اور جس کی افادیت کی طرف صرف قرآن حکیم نے مختلف انداز سے اشارہ کیا ہے اور واضح لفظوں میں بتا دیا ہے کہ تقویٰ دنیا میں بھی کام آنے والا ہے اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں انسان کسی مشکل میں مبتلا ہو جائے یا روزی کی طرف سے پریشان ہو جائے تو اس کا بہترین حل تقویٰ ہے۔

''جو شخص بھی تقوائے الٰہی اختیار کرتا ہے، پروردگار عالم اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کے راستے بناتا ہے اور

اسے ایسے مقام سے روزی دیتا ہے جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔"

جب کہ آخرت میں جنت کا بہترین وسیلہ تقویٰ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"جنت صاحبان تقویٰ سے قریب تر کردی جائے گی۔"

"باب العبادۃ"

کی اس منزل پر صاحبان ایمان جان لیں کہ ان کے ایمان کی بقاء کی ضمانت ان کے قول و فعل کی ہم آہنگی سے وابستہ ہے! قول، دل و زبان سے کیے گئے اظہار و اقرار کا نام ہے اور فعل کا تعلق اعضاء و جوارح کی حرکات و سکنات اور اس سے پیدا ہونے والے عمل سے ہے۔

خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین و امام المتقین سے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"ایمان دل سے معرفت، زبان سے اقرار اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنا ہے!"

(تجلیات حکمت، باب الایمان ۲۷، ص ۶۲، کلمہ ۱)

اور علامات منافقین سے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ:

"منافق کی تین علامات ہیں: اس کی زبان اس کے دل کے برخلاف ہو، اس کی باتیں اس کے عمل کے برخلاف ہوں، اس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہو۔"

(ارشادات رسولؐ، ص ۲۷۰، حدیث ۸۱۱)

۴۔ مگر یہ کہ اگر عذر صحیح و مثبت ہو تو امکان ہے کہ وہ مذکورہ حدیث کے دائرہ سے خارج ہوگا۔ لہٰذا ان تمام تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا جو ایمان حقیقی کے تقاضے ہیں کہ: "جن کے بغیر ایمان، ایمان کہے جانے کے قابل نہیں ہے!" اور عمل صالح در حقیقت ایمان حقیقی کے تقاضوں کو عملی جامہ پہنانے کے مترادف ہے۔ فکر کی اس منزل پر ایمان و عمل کے باہمی ربط کو ہم احادیث کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں، کہ اس ضمن میں ہر مسلمان کے لیے اتمام حجت کا درجہ رکھتی ہیں۔

قال رسول اللہ ﷺ:

(۱) ایمان اور عمل دو شریک بھائی ہیں۔ خداوند عالم کسی ایک کو دوسرے کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ (کنز العمال، ج ۱، ص ۹۵) (میزان الحکمت، ج ۱، ص ۵۵۵، حدیث ۱۲۸۹)

(۲) ایمان عمل کے بغیر اور عمل ایمان کے ماسوا قابل قبول نہیں ہیں۔ (کنز العمال، ج ۱، ص ۶۸) (میزان الحکمت، ج ۱، ص ۵۵۵، حدیث ۱۲۹۰)

(۳) ایمان زبانی قول، عملی کام اور عقول کے ساتھ معرفت کا نام ہے (معا، ص ۱۶۱) (میزان الحکمت، ج ۱،

ص ۵۴۷، حدیث ۱۲۹۴)

اور سیدنا حضرت علی (باب العلم) فرماتے ہیں کہ:

اگر ایمان صرف زبانی اقرار ہوتا تو پھر نماز، روزے اور حلال و حرام کے نازل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ (بحار، ج ۶۹، ص ۱۹) (میزان الحکمت، ج ۱، کلمہ ۱۲۹۳)

اور آلِ نبیؐ، ختم الرسلؐ کے چشم و چراغ اور شمع علم و عمل سیدنا امام جعفر صادقؑ اس ضمن میں رُخِ حیات کو کلام وحی کی طرف مبذول کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ایمان سارے کا سارا عمل ہے اور قول بھی عمل ہی ہے۔ "جو خدا کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور جسے اللہ نے اپنی کتاب میں واضح کر دیا ہے۔" (میزان الحکمت، ج ۱، کلمہ ۱۲۹۴)

تا کہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو عادلانہ جزا دے۔ لہٰذا سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ:

پیغمبرؐ: آپ ایمان اور عمل صالح والوں کو بشارت دے دیں کہ ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ (آیت ۲۵) (انوار القرآن، ج ۱، ص ۵۸)

اور جو اس کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا، جس نے نیک اعمال کیے ہوں گے، ایسے سب لوگوں کے لیے بلند ترین درجات ہیں۔ (طٰہٰ ۲۰، آیت ۷۵)

ہم قرآن کریم کی بہت سی آیات میں ایمان و عمل صالح کا حکم ایک ساتھ پاتے ہیں۔ دراصل یہ اس امر الٰہی کی طرف نشاندہی کرتی ہیں کہ ان میں جدائی ممکن نہیں اور حقیقتاً ایسا ہی ہے، کیونکہ ایمان اور عمل صالح ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ پس! اگر ایمان روح کی گہرائیوں میں اتر جائے تو یقیناً اس کی شعاع انسان کے اعمال کو بھی روشن کرے گی اور اس کے عمل کو عمل صالح بنا دے گی۔ لیکن چونکہ انسان فطرتاً کمزور پیدا کیا گیا ہے اور بے شک بڑا لالچی ہے (المعارج، ۷۰، آیت ۹) لہٰذا ضروری تھا کہ قدرت ایسا راستہ بتلائے جس پر گامزن ہو کر وہ اپنے اصل مقصد (Objective) کی طرف پلٹ آئے تا کہ نہ صرف اس کے ایمان میں بتدریج اضافہ ہوتا رہے بلکہ اس کے صبر و تحمل اور عمل صالح میں بھی!

بناء بریں:

۱۔ قرآن نے کھلے الفاظ میں تاکید فرمائی کہ:

"اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم متقی اور پرہیز گار بن جاؤ" (بقرہ ۲، آیت ۲۱) (تفسیر نمونہ ج ۱، ص ۱۱۷)

اور

۲۔ جب صاحبان ایمان (مسلمانوں) سے مخاطب فرمایا تو نزولِ وحی اپنے مطالب میں نہ صرف مشعلِ راہ نظر آتی ہے بلکہ ہمہ تن ایک انتباہ ہے کہ جو ایمان و عمل اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے ضمن میں ایک کھلا باب ہے۔

(۱) ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیج دیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یعنی تقویٰ الٰہی اختیار کرو! کہ وہ یقیناً تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ (انوار القرآن ص ۱۱۲۹)

(۲) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے اعمال کا کیا ذخیرہ چھوڑا ہے اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو! اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر (اردو)، ج ۵، پ ۲۸، ص ۳۴)

زیر نظر آیت میں ''اتقوا اللہ''...... سے واجبات و فرائض کی ادائیگی کا اہتمام سکھایا گیا ہے اور دوسری مرتبہ ''اتقوا اللہ'' سے گناہوں سے بچنے (یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری) کا اہتمام بتلایا گیا ہے۔ (معارف القرآن، ج ۸، ص ۳۹۲ از مفتی محمد شفیع صاحب۔ تفسیر مظہری (اردو)، ج ۱۱، ص ۴۳۰ از مولانا سید عبدالدائم)

ف: ''اتقوا اللہ''...... پہلی دفعہ ''اتقوا اللہ'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور گزشتہ گناہوں سے توبہ کرلو اور دوسری دفعہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور آئندہ گناہوں کے قریب نہ جاؤ، اور دنیا میں زیادہ انہماک کے بجائے اپنے اعمال کا جائزہ لو! اور یہ معلوم کرو کہ ہم نے قیامت کے لیے کون کون سے اعمال کیے ہیں، اور کیا وہ ہمیں جنت میں لے جائیں گے یا جہنم کے موجب بنیں گے؟ (تفسیر انوار النجف، ج ۱۳۔۱۵، ص ۲۵۸)

۳۔ دعوتِ عبادت اور مقصودِ عبادت

کے بعد اب ضروری تھا کہ نہ صرف یہ کہ اس کے اثرات بیان کیے جائیں بلکہ انجام عبادت کو بھی بیان کیا جائے تاکہ تقویت اپنے مقام و منزل تک پہنچ کر زینہ عبادت بن جائے۔ لہٰذا سورۂ انفال میں بات کو سمیٹ کر یوں پیش فرمایا کہ:

(۱) اے ایمان والو! اگر تقویٰ الٰہی اختیار کرو گے تو وہ تمہیں حق و باطل میں تفرقہ کی صلاحیت (فرقان) عطا کردے گا، تمہاری برائیوں کی پردہ پوشی کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا، کہ وہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ (آیت ۲۹) (انوار القرآن، ص ۳۹۳)

(۲) اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے (یعنی تقویٰ اختیار کرو گے) تو اللہ تم کو ایک فیصلہ کی چیز (فرقان) دے گا اور تمہارے گناہ دور کردے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۹۳)

۴۔ لیکن فقط اسی پر اکتفاء نہ کیا بلکہ اپنے مدبر و دانا ہونے کے ناتے خطِ استواء ''باب العبادۃ'' کی طرف نشاندہی فرماتے ہوئے یوں اتمام حجت فرمائی:

صاحبانِ ایمان تمہارے اوپر روزے اسی طرح لکھ دیے گئے ہیں جس طرح تمہارے پہلے والوں پر لکھے گئے تھے، شاید کہ تم اسی طرح ''متقی اور پرہیزگار'' بن جاؤ۔ (انوار القرآن، ص ۸۹)

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں جہاں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں اس سے وابستہ فوائد پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، بالخصوص آیت کے اخیر میں ''لعلکم تتقون'' کے الفاظ اس بات کی اجازت دے رہے ہیں کہ فائدہ بھی وہ فائدہ ہے کہ جس کا شمار عظیم ترین فائدوں میں ہوتا ہے اور جسے قرآن کی زبان میں ''تقویٰ'' کہتے ہیں، کہ جس کی افادیت کی طرف خود قرآن ہی نے مختلف انداز سے جگہ جگہ روشنی ڈالی ہے۔ ''بالفاظ دیگر تقویٰ مادیت و معنویت دونوں اعتبار سے راہِ تکامل ہے۔''

لہٰذا دنیا میں انسان کسی مشکل میں مبتلا ہوجائے یا روزی کی طرف سے پریشان ہوجائے تو اس کا بہترین حل ''تقویٰ'' ہے۔

جو شخص بھی تقویٰ الٰہی اختیار کرتا ہے، پروردگار عالم اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کے راستے بنا تا ہے اور اسے ایسے مقام (ذریعہ) سے رزق (روزی) دیتا ہے جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔

(الطلاق ۶۵، آیت ۲-۳) (انوار القرآن، ص ۱۱۴۹، ذکر و فکر (باب روزہ) ص ۳۲۱)

اور آخرت میں جنت کا بہترین وسیلہ بھی ''تقویٰ'' ہی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے اور اپنے رب کی بارگاہ میں عاجزی سے پیش آئے وہی اہل جنت ہیں۔ اور ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (ھود ۱۱، آیت ۲۳) (انوار القرآن، ص ۴۸۱)

جنت صاحبان تقویٰ (پرہیزگاروں) سے قریب تر کردی جائے گی۔

(انوار القرآن، ص ۷۷۵۔ ذکر و فکر ص ۳۲۱)

آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی

خلاصہ:

روزہ سے متعلق حدیث میں ہے کہ:

ساری دنیا ایک دن ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے (معارف القرآن، ج ۸، ص ۳۹۱)

روزہ کو حدیث شریف میں "باب العبادۃ" کا نام دیا گیا ہے اس کے اثرات کا کمال یہ ہے کہ وہ حیاتِ بشری کے بیشتر پہلوؤں کو (چاہے ان کا تعلق دینوی امور سے ہو، چاہے آخرت و عاقبت کے سنوارنے سے) اپنے احاطہ میں سمیٹے ہوئے ہے۔

روزہ جو خیرِ محض ہے، انسان کو نہ صرف جینے کا سلیقہ سکھاتا ہے، بلکہ اس کے قدم عمل خیر کی طرف بڑھا کر اس کی فلاح و بہبود اور اصلاح کا ضامن بن جاتا ہے۔

بارالہا! نعمت ایمان اور انبیاء کی تعلیم و تربیت کو ہم سے ہرگز سلب نہ کرنا، اور مجھ سیاہ کار اور مجرم کو بھی اپنے لطف و کرم سے ان پاک و پاکیزہ ہستیوں کا اتباع کرنے کی توفیق عطا فرما کہ جنھوں نے تیری اطاعت میں سرتسلیم خم رکھا کہ جن کو ہم پنجتن پاک کہتے ہیں۔

"یہ بندے نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔" (الدھر ۷۶، آیت ۷) (انوار القرآن، ص ۱۱۹۱)

شرط لا الہ الا اللہ!

الحدیث!

جابر بن عبداللہ انصاریؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا رسولؐ اللہ! جنت کی کوئی قیمت ہے؟

ارشاد فرمایا لاریب! اس نے عرض خدمت کیا کہ وہ کیا ہے؟ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ لا الہ الا اللہ۔ جسے بندہ مومن خلوص دل کے ساتھ زبان پر جاری کرے۔

اس نے عرض کیا کہ خلوص دل کا مطلب کیا ہے؟ ارشاد رسالت ہوا کہ میرے احکام پر عمل اور میرے اہلبیتؑ کی محبت!

اس نے عرض خدمت کیا کہ اہلبیتؑ کی محبت بھی کلمہ توحید کا کوئی حق ہے؟

آنحضرتؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ سب سے عظیم ترین حق ہے۔

مولائے کائنات! مولائے متقیان حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشادف فرمایا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کے بہت سے شروط ہیں اور میں اور میری اولاد انہیں شروط میں سے ہیں۔

(غیر الحکم ص ۷۹ے ۳۴۴)

جناب اسحاق بن راہویہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جب امام علیؑ رضا نیشاپور پہنچے تو لوگوں نے درخواست کی کہ حضورؑ ہمارے درمیان سے گزر جائیں اور کوئی حدیث مبارکہ بیان نہ فرمائیں یہ کیوں کر ممکن ہے؟

آپ نے محل سے سر باہر نکالا اور فرمایا کہ مجھ سے میرے والد بزرگوار موسیٰ بن جعفرؑ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت جعفر بن محمدؑ سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت محمد بن علیؑ سے اور انہوں نے اپنے والد علیؑ بن الحسینؑ سے اور انہوں نے اپنے والد امام حسینؑ سے انہوں نے اپنے والد حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ سے اور انہوں نے رسول اکرمؐ سے اور انہوں نے جبرئیل کی زبان سے یہ ارشاد الٰہی سنا ہے کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے اور جو میرے قلعے میں داخل ہو جائے گا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو جائے گا۔

یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے اور پھر ایک مرتبہ پکار کر فرمایا لیکن اس کی شرائط ہیں اور انہیں میں سے ایک میں بھی ہوں۔ (التوحید ۲۵ / ۲۳، امالی صدوقؒ ص ۱۹۵ / ۸، عیون اخبار الرضاؑ ۲ ص ۱۳۵ / ۴، معانی الاخبار ص ۳۷۱ / ۱، ثواب الاعمال ص ۲۱ / ۱، بشارۃ المصطفیٰ ص ۲۶۹، روضۃ الواعظین ص ۵۱)

حدیث رسولؐ!

علامت ایمان!

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا کہ! ''مجھ سے میرے پروردگار نے عہد کیا ہے کہ میرے اہلبیتؑ کی محبت کے بغیر کسی بندہ کے ایمان کو قبول نہیں کرے گا۔'' (احقاق الحق جلد نمبر ۹، ص ۴۵۴، نقل از مناقب مرتضویہ اور خلاصۃ الاخبار)

الحدیث!

رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ! ''ایمان ہم اہلبیتؑ کی محبت کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا ہے۔'' روایت واثلہ بن الاسقع ۔ (کفایۃ الاثر ۱۱۰)

الحدیث!

مرسل اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ! ''جس نے علیؑ سے بغض رکھا گویا مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے خدا سے بغض رکھا۔''

اور حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا کہ ''اے علیؑ! تمہارا دوست مومن کے علاوہ کوئی نہ ہوگا اور تمہارا دشمن کافر اور منافق کے علاوہ کوئی نہ ہوگا۔'' روایت یعلی بن مرۃ الثقفی

(تاریخ دمشق حالات امام علیؑ جلد نمبر ۲ ص ۱۸۸ اور ص ۶۷۱ عربی)

الحدیث!

رسولؐ اکرم نے ارشاد فرمایا کہ! ''کوئی انسان صاحب ایمان نہیں ہوسکتا ہے جب تک میں اسے نفس سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور میرے اہل اس کے اہل سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور میری عترتؑ اس کی عترت سے زیادہ محبوب نہ ہو اور میری ذات اس کی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ (المعجم الاوسط ۶ ص ۵۹ / ۵۷۹۰، المعجم الکبیر ۷ ص ۷۵ / ۶۴۱۶، الفردوس ۵ ص ۱۵۴ / ۷۷۹۶، امالی صدوقؒ ص ۲۷۴ / ۹، علل الشرائع ص ۱۴۰ / ۳، بشارۃ المصطفیٰ ص ۵۳ روایت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ روضۃ الواعظین ص ۲۹۸)

الحدیث!

جناب ابوذرؓ غفاری بیان فرماتے ہیں کہ "میں نے رسولؐ اکرم کو حضرت علیؑ سے فرماتے سنا ہے کہ اللہ نے مومنین سے تمہاری محبت کا عہد لے لیا ہے اور گویا منافقین سے تمہاری عداوت کا عہد ہو گیا ہے۔ اگر تم مومن کی ناک بھی کاٹ دو تو تم سے دشمنی نہیں کرے گا اور اگر منافق پر دینار نچھاور کر دو تو بھی تم سے محبت نہیں کرے گا یا علیؑ تم سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور تم سے عداوت نہیں کرے گا مگر منافق۔ (تاریخ دمشق حالات امام علیؑ ۲ ص ۲۰۴/۶۹۵، الغارات ۲ ص ۵۲۰ روایت حبہ العرنی)

الحدیث!

ام المومنین ام سلمہ ارشاد فرماتی ہیں کہ "میں نے رسولؐ اکرم کو علیؑ سے یہ فرماتے سنا ہے کہ مومن تم سے دشمنی نہیں کر سکتا ہے اور منافق تمہارا دوست نہیں ہو سکتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل ۱۰ ص ۱۷۶/۲۶۵۶۹، سنن ترمذی ۵ ص ۶۳۵/۳۷۱۷، البدایۃ النہایۃ ۷ ص ۳۵۵، تاریخ دمشق حالات امام علیؑ ۲ ص ۲۰۸/۹۹۔ محاسن ۱ ص ۲۴۸/۴۶۵، اعلام الدین ص ۸۷ ۲ م عوالی اللئالی ۴ ص ۸۵/۹۵، احتجاج ۱۰ ص ۱۴۹، شرح نہج البلاغہ معتزلی ۴ ص ۸۳)

مولائے متقیان نے ارشاد فرمایا کہ! کسی بندہ مومن کا دل ایمان کے ساتھ آزمایا ہوا نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنے دل میں ہماری محبت کو پا کر ہمیں دوست رکھتا ہے اور کسی بندہ سے خدا ناراض نہیں ہوتا ہے مگر یہ کہ ہمارے بغض کو اپنے دل میں جگہ دے کر ہم سے دشمنی کرتا ہے۔ لہٰذا ہمارا دوست ہمیشہ منتظر رحمت رہتا ہے اور گویا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور ہمارا دشمن ہمیشہ جہنم کے کنارہ رہتا ہے۔ خوش بختی ہے اہل رحمت کے لیے اس رحمت کی بنیاد پر اور ہلاکت و بدبختی ہے اہل جہنم کے لیے اس بدترین ٹھکانہ کی بنا پر (امالی طوسیؒ ۳۴/۳۴، امالی مفید ص ۲۷۰/۲، بشارۃ المصطفیٰ ص ۲۵، کشف الغمہ ۱ ص ۱۴۰ روایات حارث اعور)

امیر المومنین نے ارشاد فرمایا کہ! مجھ سے رسولؐ اکرم کا یہ عہد ہے کہ مجھ سے مومن کے علاوہ کوئی محبت نہ کرے گا اور منافق کے علاوہ کوئی دشمنی نہ کرے گا۔ (سنن نسائی ۸ ص ۱۱۷، مسند احمد بن حنبل ۱ ص ۲۰۴/۷۳۱، فضائل الصحابہ ابن حنبل ۲ ص ۵۶۴/۹۴۸، کنز الفوائد ۲ ص ۸۳، الغارات ۲ ص ۵۲۰، تاریخ بغداد ۲ ص ۲۵۵/۱۴ ص ۴۲۶ روایات زر بن حبیش ۸۰ ص ۴۱۷ روایت علی بن ربیعہ الوالبی)

امام المتقینؑ نے ارشاد فرمایا کہ!

اگر میں مومن کی ناک بھی تلوار سے کاٹ دوں کہ مجھ سے عداوت کرے تو نہیں کرے گا اور اگر منافق پر ساری دنیا انڈیل دوں کہ مجھ سے محبت کرلے تو نہیں کرے گا، اس لیے کہ یہ فیصلہ رسولؐ اکرم کی زبان سے ہو چکا ہے کہ یا علیؑ!

مومن تم سے دشمنی نہیں کرسکتا ہے اور منافق تم سے محبت نہیں کرسکتا ہے(نہج البلاغہ حکمت ص ۴۵، امالی طوسیؒ ص ۲۰۶ / ۳۵۳م روایت سوید بن غفلہ، روضۃ الواعظین ص ۳۲۳، کافی ۸ ص ۲۶۸ / ۳۹۶)

روایات اہلبیت علیہم السلام!

۱۔ امام باقرؑ! ہماری محبت ایمان ہے اور ہماری عداوت کفر ہے۔ (کافی ۱ ص ۱۸۸ / ۱۲ محاسن ۱ ص ۴۶۳ روایت محمد بن الفضل تفسیر فرات کوفی ص ۲۲۸ / ۵۶۶ زیاد بن المنذر)

۲۔ امام باقرؑ! اے ابا الورد اور اے جابر! تم دونوں قطعیت تک جب بھی کسی مومن کے نفس کی تفتیش کرو گے تو علیؑ بن ابی طالبؑ کی محبت ہی پاؤ گے اور اسی طرح قیامت تک اگر منافق کے نفس کی جانچ کرو گے تو امیر المومنینؑ کی دشمنی ہی پاؤ گے۔ اس لیے کہ پروردگار نے رسولؐ اکرم کی زبان سے یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ یا علیؑ! تم سے مومن دشمنی نہیں کرے گا اور کافر یا منافق محبت نہیں کرے گا اور ظلم کا حامل ہمیشہ خائب و خاسر ہی ہوتا ہے۔ دیکھو ہم سے سمجھ بوجھ کر محبت کرو تا کہ راستہ پا جاؤ اور کامیاب ہو جاؤ ہم سے اسلامی انداز کی محبت کرو۔ (تفسیر فرات کوفی ص ۲۶۰ / ۳۵۵ روایت جابر بن یزید ابی الورد)

۳۔ امام باقرؑ! جو شخص یہ چاہتا ہے کہ یہ معلوم کرے کہ وہ اہل جنت میں سے ہے اسے چاہیے کہ ہماری محبت کو اپنے دل پر پیش کرے۔ اگر دل اسے قبول کرلے تو سمجھے کہ مومن ہے۔ (کامل الزیارات ص ۱۹۳ از ابوبکر الحضرمی)

۴۔ علی بن محمد بن بشر! میں محمد بن علیؑ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک سوار آیا اور اپنے ناقہ کو بٹھا کر آپ کے پاس آیا اور ایک خط دیا۔ آپ نے خط پڑھنے کے بعد فرمایا کہ مہلب ہم سے کیا چاہتا ہے؟ خدا کی قسم کہ ہمارے پاس نہ کوئی دنیا ہے اور نہ سلطنت۔

اس نے کہا کہ میری جان آپ پر قربان۔ اگر کوئی شخص دنیا و آخرت دونوں چاہتا ہے تو وہ آپ اہلبیتؑ ہی کے پاس ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ماشاء اللہ۔ یاد رکھو کہ جو ہم سے برائے خدا محبت کرے گا اللہ اسے اس محبت کا فائدہ دے گا اور جو کسی اور کے لیے محبت کرے گا تو خدا جو چاہتا ہے فیصلہ کرسکتا ہے۔ ہم اہلبیتؑ کی محبت ایک ایسی شے ہے جسے پروردگار دلوں پر ثبت کردیتا ہے اور جس کے دل پر خدا ثبت کردیتا ہے اسے کوئی مٹا نہیں سکتا ہے۔ کیا تم نے یہ آیت پڑھی ہے ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دل میں خدا نے ایمان لکھ دیا اور ان کی اپنی روح سے تائید کردی ہے''— ہم اہلبیتؑ کی محبت پر ایمان کی اصل ہے۔ (شواہد التنزیل ۲ ص ۳۳۰ / ۹۷۱، تاویل الآیات الظاہرۃ ص ۶۵۰)

اللّٰھم صل علی محمد و آل محمد

بنام رب اکبر!

مومن اور منافق!

اسلام اور ایمان میں فرق ہے اسی لیے مومن اور مسلم میں بھی فرق ہوتا ہے اللہ رب العزت سورۂ حجرات میں ارشاد فرما رہا ہے کہ!

"قالت الاعراب هم الصدقون"

(پارہ نمبر ۲۶ سورۂ حجرات ۴۹۔ آیات نمبر ۱۴ اور ۱۵)

"یہ بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ اسلام لائے ہیں کہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے اور اگر تم اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا کہ وہ بڑا غفور اور رحیم ہے — صاحبان ایمان صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آئے اور پھر کبھی شک نہیں کیا اور اس کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد بھی کیا درحقیقت یہی لوگ اپنے دعوئ ایمان میں سچے ہیں۔

وضاحت!

اسلام میں فضیلت اور شرافت کا معیار تقویٰ و کردار ہے جہاں پسر جناب نوحؑ غرق کر دیا جاتا ہے اور جناب سلمانؓ کو اہلبیتؑ رسولؐ میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ آیت کریمہ اسلام کے مزاج فضیلت کو واضح کر رہی ہے۔

صلح حدیبیہ میں رسالت میں شک کرنے والے افراد اپنے ایمان کا محاسبہ کریں اور دوسرے افراد بھی قرآنی معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام و ایمان کا فیصلہ کریں۔

درحقیقت بدقسمتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ایمان کی ہدایت دی مگر یہ اسلام ہی پر رک گئے۔ جب کہ تقاضائے انسانیت و شرافت یہ تھا کہ خدا کے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے منزل ایمان تک پہنچ جاتے اور پھر کسی عقیدہ میں شک نہ کرتے اور راہ پروردگار میں جان و مال کی قربانی بھی دیتے نہ بخل سے کام لیتے اور نہ میدان جنگ سے فرار اختیار

کرتے۔

اسلام کا مطلب ہے کہ!

"اقرار باللسان و تصدیق بالقلب۔

لہٰذا مومن وہ ہوتا ہے جو زبان سے بھی اسلام کا اظہار کرے اور دل سے بھی اس کی تصدیق کرے۔ اسلام اس کے دل میں گھر کر جاتا ہے اس لیے وہ اسلام کے عقائد پر دل و جان سے ایمان کامل رکھتا ہے اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اس کے احکام پر خوشی خوشی عمل کرتا ہے۔ اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کرتا ہے اور رب اکبر سے مغفرت طلب کرتا ہے مسلم اور مومن پھر دونوں پر دنیا میں یکساں حکم جاری ہوگا۔ کیونکہ دونوں ہی قانوناً مسلمان ہیں ان دونوں کا فرق روز قیامت ظاہر ہوگا۔

نفاق! لغوی معنی اردو میں ایک مثال دی جاتی ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور۔ اسی سے ملتی جلتی عربی کی کہاوت ہے "نافق البربوع" یعنی یربربوع نے منافقت کی یا دھوکا دیا۔ یربوع یعنی جنگلی چوہا جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی، پچھلی ٹانگیں بڑی اور دم لمبی ہوتی ہے اس کہاوت کا پس منظر یہ ہے کہ یربوع اپنا بل بناتے وقت اس میں دو سوراخ بناتا ہے ایک سوراخ کھلا رکھتا ہے جبکہ دوسرے سوراخ کو تھوڑی سی مٹی ڈال کر چھپا دیتا ہے۔ جو سوراخ ظاہر ہوتا ہے اسے "قاصعاء" اور جو سوراخ چھپاتا ہے اسے "نافقاء" کہتے ہیں۔ جب کوئی یربوع پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اپنا سر چھپے ہوئے سوراخ پر مارتا ہے جس سے سوراخ کھل جاتا ہے اور وہ بھاگ نکلتا ہے اس کے اس عمل کی وجہ سے یہ کہاوت زبان زد عام ہوگئی ہے۔

نفاق کے اصطلاحی معنی! "نَافَقَ الرجلُ نِفَاقاً" یعنی ایک شخص نے منافقت کی۔ یہ جملہ ایک ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو اسلام کا اظہار کرے اور ظاہری طور پر احکام اسلام پر عمل کرے لیکن دل میں کفر کو چھپائے ہوئے ہو ایسے شخص کو اسلامی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہو رہا ہے کہ!

"اِذَا جَآءَكَ......مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ"

(پارہ ۲۸، سورۂ منافقون ۶۳، آیات ۱ اور ۲)

"پیغمبرؐ یہ منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ آپؐ اس کے رسولؐ ہیں۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنالیا ہے اور لوگوں کو راہ خدا سے روک رہے ہیں یہ ان کے بدترین اعمال ہیں جو یہ انجام دے

منافق کی بہترین تعریف حضرت علیؑ نے ان الفاظ میں کی ہے کہ "مومن کی زبان دل کے پیچھے ہوتی ہے اور منافق کا دل زبان کے پیچھے ہوتا ہے۔"

یعنی مومن جو دل میں رکھتا ہے وہی کہتا ہے اور منافق جو کہتا ہے وہی دل میں رکھتا ہے۔

یہ بھی حقیقت امر ہے کہ منافقین اپنی قسموں کے دبیز پردوں میں چھپاتے جب کہ اللہ نے ان کے نفاق کا پردہ چاک کر کے ان کی حقیقت واضح فرما دی تھی۔

سورۂ مبارکہ نساء میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہو رہا ہے کہ!

"ان المنفقین.........الناس"

(پارہ ۵، سورۂ النساء ۴، آیت ۱۴۲)

"منافقین خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکہ میں مبتلا کیے ہوئے ہے اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے ہیں تو بڑی بے دلی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے۔

(پارہ ۵، سورۃ النساء ۴، آیت ۱۴۲)

موضوع بسیط ہے لیکن اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آخر میں شاعر محترم کا ایک حق بدوش شعر ضیافت روح کے لیے پیش خدمت کیا جا رہا ہے ملاحظہ فرمایئے!

مومن جہاں ہوتا ہے منافق سے جدا
اس حق کی کسوٹی کو علیؑ کہتے ہیں

مولائے متقیان نے ارشاد فرمایا!

مولائے کائنات، امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام قدوۃ المتقین نے (۱) ایمان کے ستون (۲) مومن کی صفات و علامات (۳) مومن کی تعریف (۴) شیعہ کی تعریف، سے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا وہ ہم "نہج الحکمت" سے آپ کے تدبر و تفکر اور مطالعہ کے پیش نظر ہدیہ کر رہے ہیں جو تحقیق و توثیق سے گزرا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے!

ایمان کے ستون

مولائے متقیان سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے ایمان کے چار ستون قرار دیے ہیں۔ صبر، یقین، عدل اور جہاد۔ صبر کی چار شاخیں ہیں۔ شوق، اشتیاق، زہد اور ترقب۔ جس نے جنت کا

اشتیاق رکھا اس نے خواہشات سے تسلی حاصل کی اور جو دوزخ سے ڈرا وہ محرمات سے بچا اور جس نے دنیا سے ترک تعلق کیا اس نے مصیبتوں کو حقیر سمجھا اور جس نے موت پر نظر رکھی اس نے نیکیوں کی طرف سبقت کی۔

یقین کی چار شاخیں ہیں۔ اپنی زیرکی کو (محکمات قرآن سے) جگائے رکھنا۔ حکمت الٰہیہ میں غور وفکر مقامات عبرت کی شناخت اور سنت امم سابقہ کو نظر میں رکھنا۔ جس نے زیرکی پر نظر رکھی اس نے حکمت کو پہچان لیا۔ جس نے حکمت کے صحیح معنی سمجھ لیے اس نے عبرت کو پہچان لیا اور جس نے عبرت کو پہچان لیا اس نے سنت انبیاء کو پہچان لیا اور جس نے سنت کو پہچان لیا وہ گویا اولیاء کے ساتھ ہو گیا اور اس کی راہ کی طرف ہدایت پائی جو سب سے زیادہ مضبوط ہے اور نجات پانے والے کے متعلق اس امر پر نظر رکھی کہ کس وجہ سے اس کو نجات ملی اور ہلاک ہونے والا کس وجہ سے ہلاک ہوا۔ خدا نے جس کو بھی ہلاک کیا اس کی معصیت کی وجہ اور اس کو بھی نجات دی اس کی اطاعت کی وجہ عدل کی بھی چار شاخیں ہیں گہری سمجھ، علم میں رسوخ و دانائی، حکم میں شگفتہ پھول اور حلم میں تروتازہ باغ ہونا جو ایسی سمجھ رکھتا ہوگا وہ علم کی تفسیر بیان کر پائے گا جو صاحب علم ہوگا وہ حکم کی راہوں کو پہچان لے گا اس نے کسی امر میں تفریق نہ کی وہ لوگوں میں محمود و پسندیدہ ہو کر رہا۔ جہاد نفس کی بھی چار صورتیں ہیں۔ اول امر بالمعروف، دوسرے نہی عن المنکر، تیسرے ہر مقام پر سچ کہنا، چوتھے فاسقین سے دور رہنا۔ پس جس نے لوگوں کو امر نیک کی ہدایت کی اس نے مومن کی کمر کو مضبوط کیا۔ جس نے لوگوں کو برائیوں سے روکا اس نے منافق کی ناک رگڑ دی اور اس کے فکر سے امان میں رہا اور جس نے ہر جگہ سچ بولا اس نے وہ حق ادا کیا جو اس پر تھا اور جس نے فاسقین کو دشمن رکھا وہ گویا خوشنودی خدا کے لیے ان پر غضب ناک ہوا اور جو خدا کے لیے غضب ناک ہوا خدا اس کے دشمن پر غضب ناک ہوگا۔ پس یہ ایمان ہے اور اس کے ستون و شاخیں۔

(اصول کافی ج ۲ ص ۳۵۰)

مومن کی صفات و علامات

ایک مرتبہ جب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص جو عابد و زاہد اور مجتہد تھا۔ عرض کرنے لگا کہ امیر المومنینؑ مومن کا وصف اس طرح بیان فرمایئے گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔

حضرت نے فرمایا، اے ہمام مومن زیرک و دانا ہوتا ہے اس کا چہرہ بشاش دل حزین، سینہ کشادہ، از روئے نفس ذلیل اور ہر فانی شے کو حقیر سمجھتا ہے۔

وہ حریص ہوتا ہے ہر نیکی کا مگر نہ کینہ پرور نہ حاسد نہ جھگڑالو نہ گلیار نہ عیب جو اور نہ غیبت گو وہ سربلندی کو برا جانتا ہے اور ریا کو معیوب سمجھتا ہے، اس کا غم طولانی اور ارادہ پختہ ہوتا ہے۔ وہ زیادہ تر خاموش رہتا ہے صاحب وقار ہوتا ہے۔ غصہ میں آپے سے باہر نہیں ہوتا۔ ذکر الٰہی کرنے والا اور صابر و شاکر ہوتا ہے وہ فکر آخرت میں مغموم اور اپنے فقر میں خوش رہتا ہے۔ اس کی طبیعت میں خشونت نہیں ہوتی۔ نرم طبیعت اور وفائے عہد پر قائم رہنے والا ہوتا ہے۔ لوگوں کو تکلیف بہت کم دیتا ہے۔ نہ کسی پر اتہام باندھتا ہے اور نہ کسی کی ہتک کرتا ہے۔ اگر ہنستا ہے تو قہقہہ نہیں لگاتا۔ غصہ ہوتا ہے تو خفیف الحرکات نہیں بنتا۔ اس کی ہنسی متبسم ہوتی ہے اور اس کا سوال تحصیل علم ہوتا ہے۔ کسی کی طرف اس کا رجوع ہونا اس لیے ہوتا ہے کہ کچھ سیکھے۔ اس کا علم زیادہ ہوتا ہے۔ حلم عظیم الشان اور رحم زیادہ ہوتا ہے۔ وہ بخل سے دور رہتا ہے۔ کام میں جلدی نہیں کرتا۔ نہ کسی بات سے دل تنگ ہوتا ہے اور نہ کسی بات پر اتراتا ہے۔ نہ اپنے حکم میں ظلم کرتا ہے اور نہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ مصائب کی برداشت میں اس کا نفس پتھر سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ امور معاش میں اس کی سعی شہد کی مکھی کی طرح میٹھی ہوتی ہے۔ وہ ایسا حریص نہیں بنتا کہ دوسروں کے حق پر ہاتھ مارے وہ نہ بیقراری ظاہر کرنے والا ہوتا ہے نہ سخت مزاج، نہ شیخی باز، نہ تکلیف پسند اور نہ دنیا کے معاملات میں زیادہ غور کرنے والا۔ اگر کسی سے نزاع واقع ہو تو بحسن و خوبی بزرگ طبیعت ہوتا ہے۔ اگر غصہ ہو تو عدل سے کام لیتا ہے۔ اس سے کچھ مانگا جائے تو نرمی سے پیش آتا ہے۔ تہور و غضب سے کام نہیں لیتا۔ کسی کی ہتک نہیں کرتا۔ کسی پر جبر نہیں کرتا۔ سچی محبت رکھتا ہے وعدہ کا پابند اور عہد کا پورا ہوتا ہے۔ لوگوں پر مہربان سب تک پہنچنے والا بر بردبار، گم نامی میں بسر کرنے والا، فضول باتیں بہت کم کرنے والا، اللہ عزوجل سے راضی رہنے والا، اپنی خواہشوں کی مخالفت کرنے والا، اپنے سے چھوٹے پر سختی نہ

کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ غیر متعلق چیزوں میں غور وفکر نہیں کرتا وہ دین کا ناصر مومنوں سے دفع ضرر کرنے والا، مسلمانوں کو پناہ دینے والا ہوتا ہے۔ تعریف اس کے کانوں کو اچھی نہیں لگتی طمع اس کے دل کو زخمی نہیں کرتی، لہو ولعب اس کو حکمت سے باز نہیں رکھتے، جاہل اس کے علم سے واقف نہیں ہوتے۔ وہ دین حق کی تائید میں سب سے زیادہ بولنے والا، دین کیلیے سب سے زیادہ کام کرنے والا و دانا ہوتا ہے۔ وہ فحش گوئی نہیں کرتا، تند خو نہیں ہوتا۔ دوستوں پر بغیر بار ہوئے تعلق رکھتا ہے۔ اسراف سے بچ کر خرچ کرتا ہے۔ نہ کسی سے حیلہ وفریب کرتا ہے اور نہ غداری وہ کسی ایسی چیز کی پیروی نہیں کرتا جس سے کسی کا عیب ظاہر ہو۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگوں پر مہربان رہتا ہے۔ لوگوں کے لیے سعی کرتا ہے۔ کمزوروں کا مددگار اور مصیبت زدوں کا فریادرس ہوتا ہے وہ نہ کسی کی پردہ داری کرتا ہے اور نہ کسی کے راز فاش کرتا ہے۔ اس کو مصائب کا سامنا بہت ہوتا ہے مگر حرف شکایت کبھی زبان پر نہیں لاتا۔ اگر نیکی دیکھتا ہے تو اس کا ذکر کرتا ہے اور اگر کسی کی بدی دیکھتا ہے تو اس کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ لوگوں کے عیب چھپاتا ہے اور غائبانہ نگاہ رکھتا ہے۔ لوگوں کے عذر خطا قبول کرتا ہے اور غلطی کو معاف کر دیتا ہے۔ جب کسی اچھی بات پر اطلاع پاتا ہے تو اسے چھوڑتا نہیں اور برائی کی اصلاح کیے بغیر نہیں رہتا۔ وہ امانت دار اور پرہیز گار ہوتا ہے اس کا باطن صاف ہوتا ہے اور لوگ اس سے راضی رہتے ہیں۔ وہ خطا کاروں کے عذر کو قبول کرتا ہے اور احسن عنوان سے ذکر کرتا ہے لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہے۔ پوشیدہ امور کے معلوم کرنے کے شوق میں اپنے نفس پر الزام لگاتا ہے۔ اپنی دین داری اور علم کی بنا پر خدا کے لیے کسی کو دوست رکھتا ہے اور خدا ہی کے لیے ان سے قطع تعلق کرتا ہے جو اس سے برائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خوشی اسے بے عقل نہیں بناتی۔ راحت تند مزاجی پر مائل نہیں کرتی۔ وہ عالم کو آخرت کی یاد دلاتا ہے اور جاہل کو علم سکھاتا ہے اس سے نہ کسی کو مصیبت کے نازل ہونے کا خوف کیا جاتا ہے اور نہ کسی حادثہ کا ڈر۔ راہ خدا میں ہر کوشش کو اپنی سعی سے زیادہ خالص جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ہر نفس اس سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے وہ اپنے عیوب کا جاننے والا اور اپنے آخرت کے غم میں مشغول رہتا ہے۔ وہ خدا کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتا وہ اس دنیا میں مسافرانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ تنہائی پسند ہوتا ہے اور آخرت کی نجات کے لیے محزون رہتا ہے وہ کسی کو دوست رکھتا ہے تو خوشنودی خدا کے لیے اور جہاد کرتا ہے تو رضائے الٰہی کے لیے۔ اپنی نفس کے لیے انتقام نہیں لیتا بلکہ ایسے امور کو خدا پر چھوڑ دیتا ہے۔ وہ کسی دشمن سے دوستی نہیں کرتا۔ اہل فقر کی محبت کا متلاشی ہوتا ہے۔ راست گو لوگوں سے ملتا ہے۔ وہ اہل حق کا مددگار، قرابت داروں کا معین، یتیموں کا باپ، بیواؤں کا شوہر اور مصیبت زدوں پر مہربان ہوتا ہے۔ ہر مصیبت میں لوگوں کو اس سے مدد کی توقع رہتی ہے۔ ہر سختی میں وہ مرجع امید رہتا ہے۔ کشادہ رو اور خوش باش ہوتا ہے۔ ترش رو اور عیب جو نہیں ہوتا۔ وہ امر دین میں مستحکم، غصہ کا ضبط کرنے والا، متبسم، رقیق النظر اور محتاط ہوتا ہے۔ وہ بخل کو پسند نہیں کرتا اس کا حق دینے میں لوگ بخل کریں تو صبر کرتا

ہے۔ بری باتوں سے بچتا ہے۔ قناعت کی وجہ غنی ہے اس کی حیا اس کی خواہش پر غالب رہتی ہے اور اس کی محبت حسد کے جذبے کو پیدا نہیں ہونے دیتی۔

اس کی بخشش اس کے کینہ پر غالب آتی ہے وہ سوائے صحیح بات کے نہیں بولتا۔ اس کا لباس میانہ روی اور چال متوازن ہوتی ہے وہ اپنی اطاعت میں اپنے رب کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرنے والا ہے اور ہر حالت میں اس سے راضی رہتا ہے۔ اس کی نیت خالص اور اس کے عمل میں نہ عیب ہوتا ہے اور نہ فریب۔ اس کی نگاہ عبرآگیں ہے۔ اس کے دل کا سکون آخرت کی فکر میں ہے۔ وہ نصیحت کرنے والا خرچ کرنے والا برادری کا قائم رکھنے والا اور ظاہر و باطن ہر حالت میں نصیحت کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ برادر مومن سے نہ ترک تعلق کرتا ہے اور نہ اس کی غیبت کرتا ہے اور نہ اس سے مکر کرتا ہے۔ جو چیز ہاتھ سے جاتی رہی اس پر افسوس نہیں کرتا اور جو مصیبت آتی ہے اس پر رنجیدہ نہیں ہوتا۔ وہ اس چیز کی امید نہیں کرتا جس کی امید کرنا جائز نہیں سختی کے اوقات میں سست نہیں ہوتا عیش پر نہیں اتراتا۔ حلم کے ساتھ علم کا حاصل رہتا ہے اور عقل کے ساتھ صبر کا اس کو دیکھو گے تو کسل سے دور پاؤ گے۔ ہمیشہ خوش رہتا ہے، امید اس سے قریب ہوگی، لغزش اس سے کم ہوگی۔ اپنی موت کا متوقع رہتا ہے۔ اس کے دل میں خشوع ہوگا وہ اپنے رب کا فکر کرنے والا ہوگا۔ اس کے نفس میں قناعت ہوگی۔ جہالت کو روکنے والا ہوگا اس کا امر آخرت آسان ہوگا۔ اپنے گناہوں کے تصور سے رنجیدہ رہتا ہوگا اس کی خواہش مردہ ہوگی۔ وہ غصہ کا ضبط کرنے والا ہوگا۔ اس کے اخلاق پاک ہوں گے اور اس کا ہمسایہ اس سے پرامن ہوگا اس میں تکبر نہیں ہوتا۔ خدا نے جو اس کے لیے مقرر کر دیا ہے اس پر قانع رہتا ہے۔ اس کا صبر پختہ، دین مستحکم اور ذکر زیادہ ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے ملتا ہے تو علم حاصل کرنے اور کوئی سوال کرتا ہے تو سمجھنے کے لیے۔ تجارت کرتا ہے تو نفع حاصل کرنے (نہ کہ ذخیرہ کرنے) کسی خبر کو سننے کے لیے نہیں سنتا کہ فخر کرے اور نہیں کلام کرتا کہ دوسروں پر اپنی بزرگی ظاہر کرے وہ خود رنج اٹھاتا ہے اور لوگ اس سے راحت پاتے ہیں اپنی آخرت کی بہتری کے لیے اپنے نفس کو تعب میں ڈالتا ہے اور دوسروں کو آرام پہونچاتا ہے۔ اگر اس سے بغاوت کی جائے تو صبر کرتا ہے تاکہ اللہ اس سے آخرت میں یا اسی دنیا میں انتقام لے۔ اس کا دور رہنا کسی سے محض دین کی مخالفت اور فساد سے بچنے کے لیے ہوتا ہے اور اس کی نزدیکی نرمی اور رحمت کے لیے ہوتی ہے۔ اس کا لوگوں سے دور رہنا اظہار تکبر و عظمت کے لیے ہوتا ہے اور نہ اس کا میل جول مکر و فریب کے لیے۔ وہ ان سے خیر کی پیروی کرتا ہے جو اس سے پہلے تھے۔ لہٰذا وہ اپنے بعد کے نیکوکاروں کا پیشوا ہوتا ہے۔

یہ سن کر ہمام نے ایک چیخ ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے ان کے متعلق اس بات کا خوف تھا اور فرمایا کہ موثر موعظہ کا اہل لوگوں پر ایسا ہی اثر ہوتا ہے کسی کہنے والے نے کہا کہ یا امیر

المومنینؑ آپ نے یہ کیا کیا فرمایا کہ ہر شخص کی موت کا ایک وقت معین ہے جو نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے اور ہر ایک کے لیے مرنے کا ایک سبب ہوتا ہے۔ خاموش ہو جا گستاخانہ بات نہ کر بیشک شیطان نے تیرے اندر پھونک ماری ہے جس کی وجہ تیری زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

(مستدرک ص ۶۸ اصول کافی ج ۲۔ ب ۹۹)

مومن کی تعریف

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

الومومنون هم الذين عرفوا مامهم فذملت شفاههم وعمشت عيونهم وتهجت الوالهم حتى عرفت في وجوههم غبرة الخاشعين فهم عباد الله الذين مشوا على وجه الارض هونا واتخذوها بساطاً وترابها فراشا رفضوا الدنيا واقبلوا على الآخرة على منهاج المسيح بن مريم شهدوا لم يعرفوا وان غابوا لم يتفقدوا ادات مرضوا لم يعاودوا صوام الهلواجر قوام الدليا جر يفحل عنهم كل فتنة وتنجلى عنهم كل سنة اولئك اصحابي فاطلبوهم فان لقيتم منهم احداً فاسلوه يستغفر لكم۔

(بحر المعارف ص ۱۴)

ترجمہ: مومن وہ ہیں جنہوں نے اپنے امام کو پہچان لیا پس ان کے ہونٹ خشک اور آنکھیں تر اور ان کے رنگ بدلتے ہوئے رہتے ہیں وہ چہروں پر خاشعین کی گرد کی وجہ پہچانے جاتے ہیں۔ پس وہ خدا کے وہ بندے ہیں جو زمین پر نرمی کے ساتھ چلتے ہیں اور انہوں نے اس کو اپنی بساط قرار دی ہے اور مٹی کو اپنا فرش بنالیا ہے۔ وہ دنیا کو چھوڑ کر مسیح ابن مریم کے طریقہ پر آخرت کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں اگر وہ حاضر رہیں تو پہچانے نہ گئے اور غائب رہے تو انہیں ڈھونڈا نہ گیا۔ اگر وہ بیمار ہوئے تو ان کی عیادت نہ کی گئی۔ وہ دائم الصوم اور شب زندہ دار ہیں ان سے ہر فتنہ مضمحل ہوتا ہے اور زمانہ متجلی رہتا ہے۔ وہ میرے اصحاب ہیں پس ان کو تلاش کرو اور ان میں سے کسی سے ملاقات ہو اور اس سے سوال کرو تو وہ تمہارے لیے استغفار کرنے لگے۔

شیعہ کی تعریف

حضرت امیر المومنینؑ کا گزر ایک مرتبہ ایک جماعت کے پاس سے ہوا جن سے حضرت نے پوچھا کہ تم کس قوم سے تعلق رکھتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے شیعہ ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ بہت خوب! میں تو تم میں اپنے شیعوں کی کوئی علامت نہیں پاتا اور نہ ہی اپنے دوستوں کے لباس میں تمہیں ملبوس دیکھتا ہوں وہ لوگ شرمندہ ہو کر خاموش

ہوگئے اور حضرت کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے عرض کی کہ یا امیر المومنینؑ آپ کے شیعوں کے علامات کیا ہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ: ہماری شیعہ عارف باللہ ہوتے ہیں اور حکم خدا کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ وہ صاحب فضائل ہوتے ہیں اور سچ کہتے ہیں ان کی خوراک قوت لا یموت ہوتی ہے۔ ان کا لباس موٹا اور ان کی چال متواضع ہوتی ہے۔ اطاعت خدا میں اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی عبادت میں خضوع وخشوع ظاہر کرتے ہیں۔ کبھی کسی حرام چیز پر نظر نہیں ڈالتے۔ اپنے کان اپنے رب کے حکم پر لگائے رہتے ہیں وہ قضائے الٰہی پر راضی رہتے ہیں۔ اگر ان کی زندگی خدا نے ایک وقت معین تک مقرر نہ کی ہوتی تو ان کی روحیں اللہ سے ملاقات اور ثواب کے شوق میں ان کے اجسام میں ایک آن واحد کے لیے بھی قرار نہ پکڑتیں۔ دردناک عذاب کے خوف سے وہ اپنے خالق کو بڑا اور ہر چیز کو چھوٹا تصور کرتے ہیں۔ جنت ان کے نزدیک ایسی ہے گویا انہوں نے اسے دیکھا ہے اور اس کے تختوں پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں اور دوزخ ان کے لیے ایسی ہے گویا انہیں اس میں عذاب دیا جا چکا ہے۔ ان کا انجام کار بہت طویل ہے۔ دنیا نے انہیں چاہا مگر انہوں نے دنیا کو نہ چاہا۔ دنیا نے انہیں طلب کیا مگر وہ اس کے قابو سے باہر رہے۔ وہ رات کے وقت صفیں باندھ کر اپنے قدموں کو قائم رکھتے ہیں۔ ترتیل کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس کے امثال کی اپنے دلوں میں عزت کرتے ہیں کبھی اس کی دوا سے اپنے دکھوں کا علاج کرتے ہیں۔ کبھی اپنے چہروں، ہتھیلیوں، گھٹنوں اور قدموں کو زمین پر بچھاتے ہیں۔ ان کے آنسو ان کے چہروں پر جاری رہتے ہیں اور وہ اپنی گردنوں کو چھڑانے کے لیے اس سے التجا کرتے ہیں اور جبار عظیم کی بزرگی بیان کرتے ہیں ان کے شب و روز اسی طرح بسر ہوتے ہیں۔ یہ نیک عالم اور پرہیزگار ہیں۔ پاکیزہ اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتے ہیں۔ تھوڑے اعمال سے راضی نہیں ہوتے اور بڑے اعمال کو زیادہ بڑے نہیں خیال کرتے وہ اپنے نفسوں پر اتہام لگاتے ہیں اور اپنے اعمال سے ڈرتے رہتے ہیں۔ وہ دین کے بارے میں قوی۔ نرمی میں صاحب احتیاط ایمان میں صاحب یقین، علم میں حریص، فقہ میں فہیم، صبر میں علیم، ارادہ میں غنی، تنگ دستی میں صاحب تحمل، تکلیف میں صابر، عبادت میں متواضع، لوگوں پر رحم کرنے والے، حقدار کا حق ادا کرنے والے، کمانے میں صاحب تحمل، حلال چیز کے طالب، ہدیہ دینے میں خوشی محسوس کرنے والے اور خواہشات سے روکنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا کام اللہ کا ذکر اور ان کی فکر خدا کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔ وہ رات میں غفلت کی نیند سے خبردار رہتے اور اللہ سے جو کچھ فضل و کرم حاصل ہو اس کی وجہ صبح خوشی کی حالت میں بسر کرتے ہیں۔ باقی رہنے والی چیز کی رغبت اور فنا ہونے والی سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔ وہ علم کو عمل اور دائمی بردباری سے مقروں کیے ہوتے ہیں ان کی خوشی دور اور آرزو تھوڑی ہوتی ہے۔ وہ منسکر المزاج و زاہد اور ان کے دل شکر گزار ہوتے ہیں۔ ان کا رب بری باتوں سے منع کرتا ہے اور ان کے نفس بچنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا دین غصہ کا ضبط کرنے والا ہوتا ہے۔ ان کا ہمسایہ ان سے

مامون رہتا ہے۔ ان کا صبر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ وہ کوئی نیکی نہ ریا کاری سے بجالاتے ہیں اور نہ حیا کی وجہ چھوڑ دیتے ہیں جب یہ لوگ ہمارے شیعہ ہمارے دوست اور ہم سے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ رہیں گے ہم کو ان سے ملنے کا بہت شوق رہتا ہے(ینابیع المودۃ باب ۷۰)

حضرت امیرالمومنینؑ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے شیعہ ہماری ولایت کے بارے میں بذل سے کام لیتے ہیں اور ہمارے موالات میں ایک دوسرے کا بار اٹھاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو کسی پر غضب ناک بھی ہوں تو ظلم نہیں کرتے اور کسی سے راضی ہوں تو اصراف نہیں کرتے جس کے ہمسایہ ہوں اس کے لیے باعث برکت ہوتے ہیں۔

جس نے ان سے میل جول بڑھایا اس کے لیے سلامتی کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں زمانہ نے گھلا دیا ہے ان کے ہونٹ خشک اور شکم خالی رہتے ہیں۔ ان کے رنگ خاکستری اور چہرے زرد رہتے ہیں۔ ان کا رونا کثیر اور ان کے آنسو جاری رہتے ہیں۔ سب لوگ مسرور رہتے ہیں اور یہ محزون۔ لوگ سوتے رہتے ہیں اور یہ بیدار ان کے قلب محزون رہتے ہیں لوگ ان کی شرارت سے مامون رہتے ہیں۔ ان کے نفوس پاک اور ان کی حاجات کم رہتی ہیں۔ ان کے ہونٹ پیاس سے خشک اور ان کے شکم بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگے رہتے ہیں۔ بیداری کی وجہ سے ان کی آنکھیں کمزور ہوجاتی ہیں۔ اتقا ان سے روشن اور خشوع ان کے لیے لازم ہوتا ہے۔ ان میں سے جب کوئی شخص گزر جاتا ہے تو اس کا قائم مقام اس کا صحیح خلف ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ روز قیامت وارد ہوں گے تو ان کے چہرے ماہ کامل کی طرح روشن ہوں گے۔ اولین و آخرین ان سے رشک کریں گے ان کے لیے نہ خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

حجر بن عدیؓ

نام ونسب

حجر نام، کنیت ابوعبدالرحمٰن [۱]، کندہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نصب اس طرح ہے:۔

''عر بن معاویہ بن حیلہ بن عدی بن ربیعہ معاویہ الاکر بن الحارث بن معاویہ بن الحارث بن معاویہ بن ثور بن تبوخ بن معاویہ بن کندہ الکندی'' [۲]

کوفہ کے سر برآوردہ اصحاب اور رؤسا میں آپ کا شمار ہے، تاریخ میں حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں، حجر الادیر بھی آپ کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ مورخین یہ لکھتے ہیں کہ ان کے والد عدی نے ایک مرتبہ پشت پھیرتے ہوئے نیزہ کا وار کیا اس وقت سے ان کا لقب اوید ہو گیا۔ [۳]

اسلام

حجر بن زید کے زمانہ اسلام کی تعین میں تاریخ خاموش ہے صرف اتنا ملتا ہے کہ آپ اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ [۴]

مولف سیر الصحابہ لکھتے ہیں:

اغلب یہ ہے کہ ۹ ہجری میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے کیونکہ اس سنہ میں کندہ کا وفد مدینہ آیا تھا اس میں حجر بھی تھے۔ [۵]

حجر ابن عدی کی اسلامی عظمت

---

[۱] استیعاب ا۔ ۱۳۴

[۲] اسد الغابہ ۱/ ۳۸۵

[۳] اسد الغابہ ۱/ ۳۸۵

[۴] زاد المعاد ۲/ ۱۳

[۵] اسد الغابہ ۱/ ۳۸۵

حجر بن عدیؓ کا شمار ان صحابہ میں ہے جو اپنے علم وتقویٰ اور زہد وتقدس میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کے صحابی رسولؐ ہونے پر تمام ارباب سیر ورجال کا اتفاق ہے علامہ بن اثیر جزری کہتے ہیں:

(۱) انه وفد علی النبی صلی الله علیه وسلم هو واخوه هانی بن عدی وانه شاهد القادسیة وکان من فضلا الصحابة

حجر بن عدی اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ فضلا اصحابہ میں سے تھے۔ [۱]

(۲) علامہ ابن کثیر اپنی مشہور کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھتے ہیں:

وقد ذکره محمد بن سعد فی الطبقة الرابعة من الصحابة وذکر اه ودفادة ثم ذکره فی الاول من تابعی اهل الکوفة۔ [۲]

محمد بن سعد نے صحابہ کے طبقۂ سابقہ میں آپ کا ذکر کیا ہے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا تذکرہ کیا ہے نیز طبقہ اول میں ان کو تابعین اہل کوفہ سے لکھا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر کی لکھتے ہیں:

کان حجر من فضلاً الصحابة وصغر من عن کبارهم [۳]

حجر بن عدی فضلاء صحابہ میں سے تھے اگرچہ سن کے لحاظ سے وہ کبار صحابہ سے کم تھے۔

آگے چل کر یہی مولف ایک دوسری روایت میں لکھتے ہیں:

قال احمد قلت لحیی بن سلیمان ابلغك ان حجر ان کان مستجاب الدعواة قال نعم وکان من افاضل اصحاب النبی ﷺ [۴]

احمد کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سلیمان سے کہا ''کیا آپ کو یہ بات پہنچی ہے کہ حجر مستجاب الدعواۃ تھے۔ انہوں نے کہا بیشک اور افاضل اصحاب رسولؐ میں تھے۔

آپ کا مستجاب الدعواۃ ہونا اتنا مشہور تھا کہ یہ آپ کا خصوصی لقب قرار دیا گیا جس کا قریب قریب تمام علمائے رجال نے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی نے ''کتاب الاولیاء'' کے حوالہ سے ایک روایت میں درج کی ہے جس سے

---

[۱] اسد الغابہ ۱/۳۸۵، اصابہ ا۔۳۲۹
[۲] البدایہ والنہایۃ ۸/۵۰
[۳] استیعاب ۱/۱۳۱
[۴] استیعاب ۱/۱۳۲

ان کی روحانی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

هذى ابراهيم بن الجنيد فى كتاب الاولياء بسند منقطع ان حجر بن عدى اصابة جنابة فقال للموكل به اعطنى شرابى اتطهر به ولا تعطنى غداً شيئاً فقال أخاف ان تموت عطشا فيقتلنى معاويه قال فدعا الله فانسكبت له سحابة بالماء فاخذ منها الذى احتاج اليه فقال له اصحابه ادع الله ان يخلصنا فقال اللّٰهم خرلنا قال فقتل هو وطائفة معهم. [1]

ابراہیم بن جنید نے کتاب الاولیاء میں سند منقطع کے ساتھ روایت کی ہے کہ حجر بن عدی کو (اپنے زمانۂ نظر بندی) میں ایک مرتبہ نہانے کی ضرورت ہوگئی۔ آپ نے اپنے نگراں اور موکل سے کہا کہ میرے پینے کے لیے جو پانی تمہارے پاس ہے وہ مجھے دے دو تا کہ میں غسل کرلوں اور کل مجھ کو بالکل نہ دینا موکل نے جواب دیا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ آپ پیاس سے ہلاک ہوجائیں گے اور اگر معاویہ کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ حجر نے اسی وقت اللہ سے دعا کی ابھی وہ تمام نہ ہوئی تھی کہ بادل چھا گیا اور پانی برسنے لگا حجر نے اپنی ضروریات کے مطابق اس میں سے پانی لے لیا یہ دیکھ کر ان کے ساتھیوں نے کہا کہ آپ ہماری رہائی کے لیے بھی اللہ سے دعا کریں حجر نے اس وقت ان الفاظ کے ساتھ دعا کی ''اللّٰهم خرلنا'' بار الہا ہمارے لیے جو تیری نظر میں بہتر ہو وہی اختیار فرما اس کے بعد حجر معہ اپنے اصحاب کے قتل کردیے گئے۔

علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔

عن محمد بن سيرين انه كان اذا سئل عن الركعتين عند القتل قال صلاهما خبيب وحجر وهما فاضلان. [2]

(مشہور تابعی) محمد سیرین سے جب قتل سے پہلے نفل پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ دو رکعتیں خبیب اور حجر نے پڑھی ہیں اور یہ دونوں فاضل تھے۔

علامہ ابن کثیر حجر بن عدی کے تذکرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وقال المرزبانى وقد روى ان حجر بن عدى وفد الى رسول الله مع اخيه هانى بن عدى وكان هذا الرجل بن عباد الناس ازهاهم وكان باوأ بامه وكان كثير الصلوة والصيام قال ابو معشر ما احدث قط الا توضا ولا توضا الا صلى ركعتين هذا شام غير واحد من الناس وقد قال

---

[1] اصابہ ۱/۳۲۹

[2] استیعاب ۱/۱۳۵

الامام احمد۔ حدثنا یعلی بن عبید حدثنی الاعمش عن ابی اسحٰق قال، قال سلمان ؓ۔ یا ابن ام لو تقطعت اعضاک ما بلغت الایمان[1]

مرزبانی کا قول ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حجر بن عدی اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سب سے زیادہ عبادت گزار اور زاہد لوگوں میں تھے اور اپنی ماں کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے نیز نماز روزے میں بہت زیادہ شغف رکھتے تھے اور ہر حدث کے بعد وضو ضرور کرتے اور جب بھی وضو کرتے تھے تو دو رکعت نماز بجا لاتے تھے اسی طرح اور دوسرے لوگوں کا بھی بیان ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ ہم سے یعلیٰ بن عبید نے اور ان سے اعمش نے اور انہوں نے ابو اسحٰق سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سلمانؓ نے ایک مرتبہ حجر سے کہا۔

اے ماں کے بیٹے اگر کثرت عبادت سے تمہارے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تب بھی ایمان کا حق نہیں ادا ہوگا۔

حجر بن عدی کے بارے میں امام حسینؑ کا ارشاد

حجر بن عدی کے قتل کے بعد امام حسین نے معاویہ کو جو خط لکھا ہے اس میں حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کے متعلق آپ نے جو الفاظ لکھے ہیں ان سے حجر بن عدی کی حقیقی عظمت سامنے آجاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

الست قاتل حجر و اصحابه العابدین المخبتین الذین کانوا یستفظعون البدع ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر[2]

(اے معاویہ) کیا تم حجر بن عدی کندی اور ان کے عبادت گزار اور نمازی اصحاب کے قاتل نہیں ہو جو ظلم سے انکار کرتے تھے اور بدعتوں کے خلاف تھے اور منکرات سے روکتے تھے۔

قال ابو معشر کان حجر عابداً وما احدث الا توضأ وما توضأ الا صلی وکان یلمس فراش امه بیده فیتدهم غنما بیده فیتقلب حتی ظهره فاذا امن ان یکون علیه شیئ فنامت امه۔[3]

ابو معشر کا قول ہے کہ حجر عبادت گزار تھے اور جب بھی کوئی حدث صادر ہوتا تھا تو فوراً وضو کرتے تھے اور جب وضو کرتے تھے تو نماز پڑھتے تھے اور اپنی ماں کا فرش اپنے ہاتھ سے جھاڑتے تھے اس کے بعد خود لیٹ کر دیکھتے تھے

---

[1] البدایہ والنہایہ ۸/۵۰

[2] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۶۸

[3] ابن عساکر ۴/۸۵

جب یقین ہوجاتا تھا کہ بستر پر کوئی تکلیف دہ چیز نہیں ہے تب اُن کی ماں اس پر سوتی تھیں۔

روایت حدیث

حجر بن عدی نے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ حضرت عمار یاسر اور شرجیل بن مرہ سے احادیث کو سنا ہے اور ان سے غلام ابولیلیٰ نیز عبدالرحمٰن بن العباس اور ابوالبختری طائی نے روایت کی ہے۔[۱]

مؤلف طبقات ان کے تذکرہ کے ذیل میں لکھتے ہیں۔"كان ثقة معروفاً ولم يروعن غير علی شيئاً"[۲] حجر بن عدی ثقہ اور معروف تھے اور سائے علیؑ کے انہوں نے کسی دوسرے سے روایت حدیث نہیں کی۔

مؤرخ ابن عساکر نے اس ذیل میں دو حدیثیں بھی لکھی ہیں جو حجر بن عدی سے مروی ہیں۔

(۱) روی الحافظ باسنادہٖ الیه انه قال سمعت شرجیل بن مرة یقول سمعت ﷺ یقول لعلی ابشر حیاتك وموتك معی۔

حافظ نے اپنی سندوں کے ساتھ جو حجر بن عدی تک پہنچتی ہیں روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے شرجیل بن مرہ سے سنا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو حضرت علی سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اے علیؑ میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ تمہاری زندگی اور موت میرے ساتھ ہے۔

(۲) وروی عن حجر انه قال سمعت علی بن ابی طالب یقول الوضوء نصف الایمان[۳]

جنگی خدمات

حجر بن عدی کا تذکرہ تاریخ میں عموماً ایک عابد و زاہد صحابی رسولؐ کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ایک جنگ جو سپاہی اور فاتح کی حیثیت سے کسی سے کم نہیں۔ افسوس ہے کہ ان کے ابتدائی حالات سے تاریخ بالکل خاموش ہے ورنہ ان کی زندگی کا یہ پہلو بھی تشنہ نہ رہتا۔ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آپ بہت آخر میں ایمان لائے اس لیے عہد رسالتؐ کے کسی غزوہ میں شرکت نہ کر سکے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ اس کے بعد بھی خلافت ثانیہ کے ابتدائی زمانہ تک ان کا کوئی حال نہیں ملتا۔ البتہ حضرت عمر کے عہد خلافت سے جستہ جستہ ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس سے بہت کچھ ان کے جنگی کارناموں پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں باتفاق مؤرخین آپ کی موجودگی پائی جاتی ہے۔[۴] اس کے بعد شام میں اس لشکر کے ہمراہ جنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس نے عذرا کو فتح

---

[۱] ابن عساکر ۴/۸۷

[۲] البدایہ والنہایہ ۸/۸۵۰

[۳] ابن عساکر ۴/۸۵

[۴] اسد الغابہ ۱/۳۸۵

کیا۔ [1]

قادسیہ کے بعد مدائن کی فتح میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے، مدائن فتح ہونے کے بعد جب یزدجرد نے جلولاء میں فوجیں جمع کیں تو سعد بن وقاص نے اس کے مقابلہ کے لیے ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی حجر اس فوج کے میمنہ کے افسر تھے۔ [2]

اسی طرح حلوان کی فتح میں حجر نے بیش قیمت خدمات انجام دیں جیسا کہ بلاذری کی حسب ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

حدثنی محمد بن سعد عن الواقدی عن محمد بن نجاد عن عائشة بنت سعد بن ابی وقاص قالت لما قتل معاویة حجر بن عدی الکندی قال ابی لودائی ما کان حجر من عین قنطرة حلوان العرف ان له فنغناء عظیماً عن الاسلام۔ [3]

مجھ سے محمد بن سعد نے ان سے اقدی نے ان سے محمد بن نجاد نے ان سے عائشہ بن سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا کہ جب معاویہ نے دیکھا ہوتا کہ فتح حلوان میں حجر کے کیا کارنامے تھے تو اسے معلوم ہوجاتا کہ اسلام میں ان کی کیا منزلت ہے۔

عہد امیر المومنین

حجر بن عدی کا شمار امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے مخصوص اصحاب اور فداکاروں میں ہے۔ آپ نے ابتداً ان کو اشعث بن قلیس کی جگہ کندہ کی گورنری دینی چاہی تھی لیکن حجر نے اس سے نسبی قرابت ہونے کی بنا پر معذرت کردی۔ [4]

بہرحال اوس دور کی شخصیتوں میں وہ ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں نہایت سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔

جنگ جمل کی تیاری کے دوران میں جب امیر المومنینؑ نے حضرت امام حسنؑ اور حضرت عمار یاسر کو اہل کوفہ کی مدد حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا تو حجر وہاں پہلے سے موجود تھے چنانچہ انہی کی تحریک پر کوفہ والے حضرات علیؑ کی حمایت پر آمادہ ہوئے ابوحنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ اس موقع پر حجر بن عدی مجمع میں کھڑے ہوگئے اور کہا لوگو! امیر

---

[1] البدایہ والنہایہ ۸ / ۵۰

[2] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۶۴

[3] فتوح البلدان ص ۳۰۲

[4] اخبار الطوال ص ۲۳۸

المومنین کی دعوت قبول کرو اور جس طرح ممکن ہو سامان کے ساتھ یا غیر سامان کے حاضر خدمت ہو۔ مجمع نے ہر طرف سے ان کی دعوت پر لبیک کہی اور کہا کہ ہم ہر حالت میں مدد کے لیے تیار ہیں۔ دوسرے روز صبح کو جب امام حسنؑ نے شمار کیا تو وہ تعداد میں ۹۶۵۰ تھے۔ [۱]

علامہ بن اثیر لکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کوفہ سے حسن بن علیؑ کے ہمراہ روانہ ہوئے حسب تفصیل ذیل سردار تھے۔

کنانہ و اسد و تمیم درباب و مزینہ پر معقل بن یسار ریاحی اور قبائل قیس پر سعد بن مسعود ثقفی عم مختار اور بکر و تغلب و علاء پر محدوج ذہلی اور مذحج اور شعر مین پر حجر بن عدی اور بجیلہ و انمار خشعم درود پر مخنف بن کسلیم ازدی یہ سب لوگ حضرت علیؑ سے مقام ذی قار میں ملاقی ہوئے۔ [۲]

اس کے بعد جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت علیؑ نے حجر کو کندہ حضرموت قضاعہ اور مہرہ کا افسر بنایا۔ [۳]

جنگ صفین

جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار تھے، اس معرکہ میں انہوں نے نہایت بہادری سے جنگ کی۔ علامہ مجلسیؒ نصر بن مزاحم کی "کتاب الصفین" کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

وروی عن عمر و بن شمر عن جابر بن الشعبی ان اول فارسین التقیانی هذا الیوم وهو الیوم السابع وکان من الایام العظیمة حجر بن عدی من اصحاب علی وابن عمر حجر من اصحب معاویه کلاهما من کندة فاطعنا یر محهما وخرج خزیمه الاسدی من عسکر معاویه فضرب حجر بن عدی ضربة برمحه اصحب علی فقتلوا خزیمة ولجا ابن عم حجر۔ [۴]

عمر بن شمر نے جابر سے انہوں نے شعبی سے روایت کی ہے کہ صفین کے ساتویں روز جو انتہائی سخت دن تھا سب سے پہلے دو بہادر جو نبرد آزما ہوئے وہ حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے حجر بن عدی اور معاویہ کے اصحاب میں سے ابن عم حجر تھے، دونوں میں دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی۔ اسی اثناء میں خزیمہ اسدی معاویہ کے لشکر سے برآمد ہوا حجر نے اس پر نیزہ کا وار کیا، یہ دیکھ کر حضرت علیؑ کے اور اصحاب بھی اس پر حملہ آور ہوئے اور اس کو قتل کر دیا۔ اس ہنگامہ میں حجر کا ابن عم جان بچا کر نکل گیا۔

---

[۱] اخبار الطوال ص ۱۵۴ ابن خلدون ۱۲۰۰۲

[۲] کامل ۱۹۸/۳

[۳] اخبار الطوال ۱۵۵

[۴] بحار الانوار جلد ۸ ص ۴۸۹

اس روز حجر بن عدی نے معاویہ کے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا، علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ اس کے بعد اوہم بن لام قضاعی اور حکم بن از ہر رجز پڑھتے ہوئے مقابلے کے لیے نکلے حجر نے دونوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا۔

یہ دیکھ کر مالک بن مسہر قضاعی جو حکم بن از ہر کا ابن عم تھا، شیر کی طرح بپھر کر حجر کے مقابلے کو نکلا اس وقت یہ رجز اس کی زبان پر تھا۔

انا ابن مالك بن مسهر انا ابن عم الحكم بن الازهر

حجر نے جواب میں کہا۔

انى حجر وانا ابن مسعر اقدم اذا شئت ولا توخر

تھوڑی دیر تک دونوں میں مقابلہ ہوتا رہا بالآخر حجر نے موقع پا کر اس کو بھی قتل کر دیا[1]

ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں۔ صفین کے میدان میں ایک شامی جوان حجر الشر نے جب مبارز طلبی کی ہے تو حجر بن عدی ہی اس کے مقابلے کو گئے ہیں۔ دونوں میں دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی بالآخر حجر نے موقع پا کر اس پر ایسا وار کیا کہ شامی اپنے گھوڑے پر نہ سنبھل سکا اور زمین پر آ گیا۔[2]

حجر بن عدی نے اس جنگ میں بڑی بیش قیمت خدمات انجام دیں۔ اور شروع سے آخر تک برابر امیر المومنینؑ کے ساتھ رہے۔

اس کے بعد تحکیم کے موقع پر بھی حجر کی موجودگی ملتی ہے۔ چنانچہ جب اقرار نامہ لکھا گیا ہے تو حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے گواہی دینے والوں میں آپ کا نام بھی ہے۔

مؤرخ طبری لکھتے ہیں۔

وشهد من اصحٰب علی الاشعث بن قيس الكندى وعبدالله بن العباس وسعيد بن قيس الهمدانى وورقاء بن سمى البجلى وعبدالله بن محل العجلى وحجر بن عدى الكندى وعبدالله بن الطفيل العامرى وعقبه بن زياد الحضرمى ويزيد بن حجيه التيمى ومالك بن كعب الهمدانى۔ [3]

حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے گواہوں میں اشعث بن قیس کندی، عبداللہ بن عباس، سعید بن قیس ہمدانی، ورقاء بن سمی البجلی، عبداللہ بن محل عجلی، حجر بن عدی کندی، عبداللہ بن طفیل عامری، عقبہ بن زیاد حضرمی، یزید بن حجیہ، تیمی اور مالک بن کعب ہمدانی تھے۔

---

[1] بحار الانوار ۸ / ۵۱۲

[2] اخبار الطوال ص ۱۸۷

[3] طبری ۶:۳۰

صفین سے فارغ ہونے پر امیر المومنین نے جب دوبارہ اہل شام سے جنگ کرنا چاہی تو آپ نے روساواکابر اہل کوفہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا۔

تم لوگ میرے معاون و مددگار ہو مناسب ہے کہ ہر سردار اپنے اپنے گروہ کی ایک فہرست تیار کرے تاکہ لڑنے والوں کی تعداد کا صحیح اندازہ ہو جائے۔ حجر بن عدی اور دیگر سرداروں نے بسر و چشم اس حکم کی تعمیل کی حجر نے اپنے لڑکوں، غلاموں کو لڑائی کے لیے آمادہ کیا۔ اور کسی متنفس کو جو جنگ کے قابل تھا نہ چھوڑا۔ فہرست تیار ہونے پر معلوم ہوا کہ چالیس ہزار نبردآزما تجربہ کار، سترہ ہزار نوعمر، آٹھ ہزار خادم جنگ میں جا سکتے ہیں۔ لیکن امیر المومنین اپنے اصحاب کے اختلاف کی وجہ سے اقدام نہ فرما سکے۔ [1]

اس کے بعد نہروان میں جب خارجیوں سے مقابلہ ہوا تو وہاں بھی حجر میمنہ کی قیادت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ [2]

جنگ تدمر

۳۹ھ میں معاویہ نے ضحاک بن قیس کو ہزار سواریوں کے ہمراہ اسفل واقصہ پر روانہ کیا، یہ لشکر جا بجا لوٹ مار کرتا ہوا ثعلبیہ تک پہنچ گیا امیر المومنینؑ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے حجر بن عدی کو چار ہزار سواروں کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا، ان سپاہیوں کو آپ نے فی کس پچاس درہم پہلے دے دیے تھے، غرضیکہ تدمر کے مقام پر دونوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ ضحاک کے ۱۹ آدمی اور عراق کے ۲ آدمی مارے گئے۔ جب رات ہوئی تو لڑائی موقوف ہوگئی۔ ضحاک معہ اپنے لشکر کے بھاگ گیا، حجر بن عدی واپس آگئے۔ [3]

۴۰ھ میں بسر بن ارطاۃ نے حجاز و یمن کے علاقوں میں قتل و غارت شروع کیا۔ تو اس وقت امیر المومنین نے کوفہ کی جامع مسجد میں نہایت پر جوش خطبے دے کر اپنے اصحاب کو حدود عراق شامی فوج کے نکال دینے پر ابھارا، ان تقریروں سے تمام اہل کوفہ آمادہ ہوگئے۔ لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو صرف ۳۰۰ آدمی رہ گئے جناب امیر المومنین کو اس بے حسی کا بہت صدمہ ہوا۔ اس موقع پر امیر المومنینؑ کی تقریر کے بعد حجر بن عدی اور سعید بن قیس الہمدانی کھڑے ہوئے اور دونوں نے عرض کی کہ ان لوگوں کو چلنے کے لیے مجبور کیا جائے اور ان میں منادی کرادی جائے اس کے بعد جو تخلف کرے اس کو سزا دی جائے۔ چنانچہ امیر المومنینؑ نے ایسا ہی کیا۔ [4]

---

[1] کامل ۳/۷ ۱۴۱ ابن خلدون ۲: ۱۷۹

[2] اخبار الطوال ص ۲۲۳ الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۴۱

[3] طبری ۶/۷۸ و کامل ۳/ ۱۶۳

[4] اخبار الطوال ص ۲۲۷

عہد امام حسنؑ

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد بھی خانوادۂ رسالت سے آپ کی وابستگی بدستور رہی اور جس طرح امیر المومنین کی حمایت کرتے تھے اسی طرح ان کے فرزند جناب امام حسنؑ کی نصرت وحمایت میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔

خلفائے ثلاثہ کے بارے میں حجر بن عدی کے خیالات

تمام ارباب سیر ورجال کا اس پر اتفاق ہے کہ حجر بن عدی حضرت امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب اور ان کے مخلص شیعوں میں تھے، اس بناء پر ظاہر ہے کہ خلفائے ثلثہ اور ان کے ہم خیال افراد سے اُن کو مذہبی طور پر عقیدت نہیں ہوسکتی پھر بھی جہاں تک شیخین، حضرات ابوبکر وعمر کا تعلق ہے، ان کے بارے میں کوئی ایسی تصریح تاریخ میں نہیں ملتی جس سے حجر بن عدی کے خیالات کا اندازہ کیا جاسکے۔ البتہ حضرت عثمان اور معاویہ وغیرہ کے متعلق بکثرت روایات ایسی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر بن عدی ان کو حق پر نہیں سمجھتے تھے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقد ذکر ابن جریر و غیرہ عن حجر بن عدی و اصحابہ انھم کانوا ینالون من عثمان ویطلقون فیہ مقالۃ الجور وینتقدون علی الامراء ویسارعون فی الانکار علیھم ویبالغون فی ذلک ویتولون شیعۃ علی ویتشددون فی الدین۔ [1]

ابن جریر نیز دیگر مورخین نے حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان پر شدت سے نکتہ چینی کرتے تھے اور اُن کو ظالم سمجھتے تھے نیز امراء پر تنقید کرتے تھے اور ان کے احکام کے منکر تھے اور اس بارے میں بہت مبالغہ کرتے تھے اور شیعہ علیؑ کو دوست رکھتے تھے اور دین میں بہت شدید تھے۔

مغیرہ بن شعبہ اور دیگر حکام سے اُن کو اختلاف صرف اسی بنا پر رہا کہ وہ حضرت عثمان کی مدح اور امیر المومنین کی مذمت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ خصوصاً معاویہ اور اہل شام سے وہ علی الاعلان برأت کرتے تھے اس میں ان کی سختی اس حد تک تھی کہ خود امیر المومنینؑ کو فہمائش کی ضرورت پڑی۔ ابن ابی الحدید ''کتاب الصفین نصر بن مزاحم'' کے حوالہ سے لکھتا ہے۔

وروی نصر عن عبداللہ بن شریک قال خرج حجر بن عدی و عمرو بن الحمق یظھران البرأۃ من اھل الشام فارسل علی الیھما ان کفا عما بلغنی عنکما فاتیاہ فقالا یا امیر المومنین السنا محقین قال بلی قالا اولیسوا مبطلین قال بلی قالا فلم منعتنا عن شتمھم قال کرھت لکم ان

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ۸: ۵۴

تکونوا لعانین شتامین تشتمون وتبرون لکن لو وصفتم مساوی اعمالهم فقلتم من سیرتهم کذا کان اصوب فی القول وابلغ فی العذر وقلتم فی لعنکم ایاهم وبراءکم منهم اللهم احقن دماءهم ودمائنا واصلح ذات بینهم وبیننا واهدهم من ضلالتهم حتی یعرف الحق منهم من جهله ویرعوی من الغی والعدوان من لج به لکان احب الی وخیر لکم فقالا یا امیر المومنین نقبل عظتک ونتادب بادبک۔ [1]

نصر نے عبداللہ بن شریک سے روایت کیا ہے کہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق کے متعلق امیر المومنینؑ کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ اہل شام سے اظہار برائت کرتے ہیں تو آپ نے کسی شخص کو ان کے پاس بھیج کر اس امر سے باز رہنے کو کہا یہ سن کر وہ دونوں امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا! کیا ہم حق پر نہیں ہیں! فرمایا بے شک تم حق پر ہو پھر کہا! کیا ہم حق پر نہیں ہیں! فرمایا بیشک تم حق پر ہو پھر کہا! کیا ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ضرور وہ باطل پر ہیں، یہ سن کر ان دونوں نے کہا پھر آپ ہم کو ان پر سب وشتم کرنے سے کیوں منع فرماتے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے جواب دیا کہ میں تمہارے لیے اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ تم لعان اور شتام کہلائے جاؤ اور اسی کو اپنا شعار بنالو لیکن اگر تم ان کے مساوی اعمال بیان کرو اور ان کی سیرت اور ان کے عمل کی برائیاں کرو تو یہ زیادہ بہتر ہوگا اور اس حد تک تم معذور قرار دیے جاؤ گے نیز ان پر لعن اور برائت یہی ہے کہ تم یوں کہو! اے اللہ! ہمارے اور ان کے خون کو بہانے سے بچا اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کر، اور گمراہی سے ان کو ہدایت کی طرف لا تا کہ جو حق سے ناواقف ہو وہ حق کو پہچان لے اور جو گمراہی اور سرکشی میں مبتلا ہے وہ اس سے نکل جائے یقیناً یہ امر میرے لیے بھی زیادہ محبوب ہے اور تمہارے لیے بھی اسی میں بہتری ہے یہ سن کر ان دونوں حضرات نے کہا اے امیر المومنین! ہم آپ کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔

حجر بن عدی اور اموی دور حکومت

امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد معاویہ تمام اسلامی قلم رو کے خود مختار فرماں روا تھے۔ یہ پورا دور حجر بن عدی کے لیے سخت صبر آزما تھا اس لیے کہ حکومت کی طرف سے تمام اعمال کے نام یہ احکام نافذ کر دیے گئے تھے کہ منبروں پر علی الاعلان علیؑ اور آل علیؑ پر سب وشتم کیا جائے اور شیعیان علیؑ کو کوئی مراعاۃ نہ کی جائے۔ چنانچہ ۴۱ھ میں معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو جب کوفہ کی امارت پر مقرر کیا ہے تو اس کو بلا کر حسب ذیل گفتگو کی۔

''میرا ارادہ تھا کہ بہت سی باتیں تم کو سمجھاؤں مگر میں صرف اس غرض سے ان کو نظر انداز کرتا ہوں کہ تمہاری

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ۱:۱۵۵

بصیرت و دانائی پر مجھے اعتماد ہے۔ تم جانتے ہو کہ کن اُمور میں میری خوشنودی ہے میری حکومت کی ترقی اور میری رعایا کی بہتری ہے۔ البتہ ایک امر کا ذکر کیے بغیر میں نہ رہوں گا۔

وہ یہ کہ علیؑ پر سب وشتم اور ان کی مذمت کرنے نیز عثمان کے لیے طلب مغفرت و رحمت کرنے میں کوئی کمی نہ کی جائے، ساتھ ہی اصحاب علیؑ کی عیب جوئی اور اُن کو اپنے سے دور رکھنے میں ان کی بات نہ سننے میں اس کے برخلاف شیعیان عثمان کو ستائش گیری اور ان کے ساتھ مل کر رہنے اور ان کی بات مان لینے میں کبھی دریغ نہ کرنا۔

(کامل ۳: ۲۰۲، طبری ۶/۱۴۱)

اس کے بعد معاویہ نے مغیرہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ تاکید کی کہ زیاد حجر بن عدی، سلمان بن صرد، شیث بن ربعی، ابن الکوا، اور عمر بن حمق کو بالالتزام نماز جماعت میں اپنے ساتھ رکھا کرو چنانچہ سب بحالت تقیہ مغیرہ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ [۱]

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے یہ شرط اس لیے لگائی تھی کہ یہ لوگ شیعیان علیؑ میں سے تھے۔ [۲]

مذکورہ بالا گفتگو سے ہر شخص آسانی کے ساتھ یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ ابتدا ہی سے علیؑ اور اصحاب علیؑ کے بارے میں معاویہ کی کیا پالیسی تھی۔ حجر بن عدی ان لوگوں میں تھے جن کو امیر المومنینؑ علی بن ابی طالب کے ساتھ گہری عقیدت تھی جنگ جمل اور صفین میں علیؑ کی حمایت میں ان کی سرگرمی اور فداکاری، نیز صلح کے موقع پر معاویہ کی شدید مخالفت، یہ تمام وہ چیزیں تھیں جو حکومت کی نظر میں ان کو واجب القتل قرار دینے کے لیے کافی تھیں، اس لیے اُن کی زندگی کا یہ پورا دور نہایت مصائب میں گزرا، مغیرہ نے جب تک حکومت کی اپنے امیر کی اسی پالیسی پر عمل پیرا رہا جیسا کہ شعبی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے ان کا بیان ہے کہ مغیرہ کے بعد ایسا کوئی حاکم ہمارا نہیں ہوا۔ انہوں نے سات برس اور چند ماہ معاویہ کی طرف سے کوفہ میں حکومت کی...... وہ عافیت کے دل سے خواہشمند تھے مگر علی علیہ السلام کو برا کہنے ان کی مذمت کرنے، قاتلان عثمان پر لعنت بھیجنے اُن کی عیب جوئی کرنے نیز عثمان کے لیے دعائے مغفرت اور اُن کے اصحاب کی تعریف کو اس نے کبھی ترک نہیں کیا۔ [۳]

حجر ابن عدی اپنے جذبۂ ارادت کے تحت ان امور کی تاب نہ لا سکتے تھے اس لیے وہ برملا مغیرہ کو ٹوک دیا کرتے تھے کہ خدائے عزوجل فرماتا ہے "کونوا قوامین بالقسط" میں گواہی دیتا ہوں کہ جن لوگوں کی تم مذمت کرتے ہو اور جن کو عیب لگاتے ہو وہی فضیلت اور بزرگی کے سزاوار ہیں اور جن کا بے لوث ہونا تم ثابت کر رہے ہو اور

---

[۱] تاریخ ابن خلدون ۳: ۶

[۲] تاریخ کامل ۳: ۱۸۳

[۳] طبری ۶: ۱۴۲

تعریف کرتے ہو وہی مذمت اور نفرین کے قابل ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ ایک ہوشیار حاکم تھا وہ حجر بن عدی کی شخصیت اور عوام اہل کوفہ پر اُن کا جو اثر تھا اس سے بخوبی واقف تھا اس لیے زیادہ تعرض کرنا اس نے اپنے سیاسی مصالح کے خلاف سمجھا اور وقت کا منتظر رہا ساتھ ہی اُس نے اپنے رویہ کو ترک نہیں کیا اور سختی کے ساتھ اس پر عامل رہا چنانچہ اپنی امارت کے آخری زمانہ میں جو تقریر اس نے کی ہے اس میں علیؑ وعثمان کے بارے میں جو ہمیشہ کہا کرتا تھا وہی کہا ہے طبری نے حسب ذیل الفاظ نقل کیے ہیں:

خداوندا! عثمان بن عفان پر رحم کر اور ان سے درگزر کر اور عمل صالح کی اُن کو جزا دے، انہوں نے تیری کتاب پر عمل کیا، تیرے پیغمبرؐ کی سنت کا اتباع کیا، انہوں نے ہم لوگوں میں اتفاق قائم رکھا، ہم کو خونریزی سے بچایا، ناحق قتل کیے گئے۔ خداوندا! ان کے انصار، ان کے دوستوں اور محبوبوں پر ان کے خون کا قصاص لینے والوں پر رحم فرما۔

اس کے بعد عثمان کے قاتلوں پر بددعا کی، حجر بن عدی اس مجمع میں موجود تھے۔ مغیرہ کی یہ تقریر سُن کر کھڑے ہوئے اور ایسا نعرہ کیا کہ مسجد میں جتنے لوگ بیٹھے تھے اور جتنے باہر تھے سب نے سنا اور کہنے لگے "کس شخص کے دھوکے میں تم آئے ہو، تم نہیں سمجھتے کہ بڑھاپے کے سبب اس کی عقل جاتی رہی ہے، اے شخص ہماری تنخواہوں اور عطیات کے جاری کیے جانے کا حکم دے، تو نے ہمارے رزق کو بند کر رکھا ہے اس کا تجھے کیا اختیار ہے تجھ سے پہلے جو حکام گزرے ہیں انہوں نے کبھی اس بات کی طمع نہیں کی۔ اس کے علاوہ تو نے امیر المومنین کی مذمت اور مجرموں کی ستائش کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔

حجر کی یہ تقریر سن کر مسجد میں تقریباً دو ثلث سے زائد آدمی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے قسم بخدا! حجر نے سچ کہا اور نیکی کی، ہماری تنخواہوں اور عطیات کے جاری کرنے کا حکم دو صرف کہہ دینے سے ہم کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اور بہت سی باتیں لوگ کہتے رہے مغیرہ منبر سے اُتر کر اندر چلا گیا اور حجر کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ [1]

ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ اس کے بعد مغیرہ نے پانچ ہزار درہم حجر کو بھیجے تاکہ وہ اس طرح حجر کو دبا سکیں۔ [2]

مغیرہ کی قوم کے لوگوں نے جب یہ دیکھا تو سب مل کر اس کے پاس آئے اور کہا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ حجر کی ایسی ایسی باتیں آپ سنتے ہیں اور آپ کی حکومت کے اندر وہ اس جرأت کے ساتھ پیش آتا ہے، اس میں دو طرح کے نقصان ہیں ایک تو آپ کا وقار جاتا ہے دوسرے اگر معاویہ کو ان حالات کی خبر پہنچی تو اس شخص کی وجہ سے وہ آپ سے ناراض ہو جائیں گے ان میں سب سے زیادہ اصرار حجر کے بارے میں عبداللہ بن ابی عقیل ثقفی نے کیا۔ مغیرہ نے

---

[1] طبری ۶/ ۱۴۲

[2] اخبار الطوال ص ۲۳۶

جواب دیا۔ [1]

انی قد قتلته انه مسیاتی امیر بعده فیحسبه مثلی فیضع به شبیهاً مما تو ونه یصنع بی فیاخذه عند اول وهله فیقتله شر قتله انه قد اقترب اجلی وضعف عملی ولا احب ان ابتدی اهل هذا المصر بقتل خیارهم وسفك دماهم فیسعدوا بذلك واشقی ولعیز فی الدنیا معاویه ویذل یوم القیٰمة المغیرة الخ۔

میں نے حجر کو گویا کہ قتل ہی کر دیا کیونکہ میرے بعد جو شخص کوفہ کا والی ہو کر آنے والا ہے اس کو بھی یہ میری ہی طرح سمجھیں گے اور جس طرح میرے ساتھ پیش آتے ہیں اسی طرح اس کے ساتھ پیش آئیں گے وہ پہلے ہی موقع پر ان کو گرفتار کرے گا اور بہت بری طرح قتل کرے گا، میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے اور میری حکومت میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس شہر کے نیک لوگوں سے قتل کی ابتدا کروں اور ان کا خون بہاؤں وہ تو سعادت اُخروی حاصل کریں اور میں ان کو قتل کر کے شقاوت میں مبتلا ہو جاؤں۔ معاویہ کو تو دنیا میں عزت ملے اور مغیرہ قیامت کے روز ذلیل اور رسوا ہو۔

ابن کثیر نے اس سلسلہ میں حسب ذیل روایت بھی نقل کی ہے۔

ایک مرتبہ معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ والی کوفہ کو لکھا کہ کوفہ کے بیت المال سے کچھ مال بھیج دیا جائے۔ مغیرہ نے حسب الحکم ایک اونٹ پر مال بار کرا کے روانہ کر دیا حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو خبر ہوئی تو وہ مانع ہوئے اور اونٹ کی مہار پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہا: قسم بخدا! یہ مال اس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک صاحبان حقوق کو ان کا حق نہ دے دیا جائے۔ قبیلہ ثقیف کے کچھ نوجوان حجر اور ان کے اصحاب کی اس جسارت پر برہم ہو گئے اور مغیرہ سے کہا اسے

---

[1] عبداللہ بن ابی عقیل ثقفی، حجاج بن یوسف کے چچا اور سوادِ اعظم کے مشہور راوی حدیث ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

روی عن مجالد بن سعید وهشام بن عروة و عبدالله بن یزید الدمشقی و عمر بن حمزة العمری وابی فروة یزید بن سنان الجزری وثور بن المسیب الثقفی وجماعة وعنه ابو النضر هاشم بن القاسم وعاصم بن علی وسریج بن النعمان وعبیدالله بن موسیٰ وغیرهم قال عبدالله بن احمد عن ابیه ثقة صالح الحدیث وقال بن ابی خیثمه عن ابن ابی معین ثقة وکذا قال عثمان الداری عنه وازدلا باس به وقال الغلابی عن ابی معین منکر الحدیث قال ابو حاتم شیخ وقال ابو داؤد النسائی وقال الدار قطنی اثنیٰ علیه احمد وذکره ابن حبان فی الثقات (تہذیب التہذیب ۵ / ۳۲۳ انہوں نے مجالد بن سعید اور ہشام بن عروہ اور عبداللہ بن یزید دمشقی عمر بن حمزہ العمری اور ابو فروہ یزید بن سنان جزری، ثور بن المسیب ثقفی نیز ایک جماعت سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ابوالنضر ہاشم بن قاسم اور عاصم بن علی اور سریج بن نعمان اور عبیداللہ بن موسیٰ اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے روایت کی ہے عبداللہ بن احمد اپنے باپ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں، صالح الحدیث ہیں اسی طرح ابن خثیمہ نے ابن معین کے حوالہ سے ان کے ثقہ کہا ہے یہی عثمان رادی نے ابن معین کے حوالہ سے کہا ہے اس میں اتنا زیادہ ہے "لا باس بہ" البتہ خلابی نے جو ابن معین سے روایت نقل کی ہے اس میں ان کو منکر الحدیث کہا ہے ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ بوڑھے ہیں ابو داؤد النسائی نے ثقہ کہا ہے دار قطنی کہتے ہیں: کہ ابن احمد نے ان کی تعریف کی ہے، ابن حیان نے ثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

امیر ہم کو اجازت دے ہم ابھی حجر کا سر کاٹ کر لاتے ہیں، لیکن مغیرہ نے ان کو روک دیا اور کہا: میں نہیں چاہتا کہ حجر کا خون اپنی گردن پر لوں، اس طرح اس نے معاملہ کو رفع دفع کر دیا۔ معاویہ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو اس نے مغیرہ کو کوفہ کی امارت سے معزول کر دیا اور اس جگہ پر زیاد کو کوتوال مقرر کیا۔ [1]

زیاد کا تقرر

اب کوفہ اور بصرہ دونوں زیادہ کے زیر فرمان ہو گئے۔ اس خبر سے شیعیان علیؓ بے حد خائف ہوئے اور وہ سب مل کر حجر بن عدی کے پاس آئے۔ زیاد کو معلوم ہوا تو اس نے منبر پر جا کر حسب ذیل خطبہ پڑھا:

"زمانہ ہمارا تجربہ کر چکا ہے اور ہم زمانہ کا، ہم فرماں روائی بھی کر چکے ہیں اور فرمان بری بھی، ہم سمجھ چکے ہیں کہ اس حکومت کے آخر میں بھی وہی بات متناسب ہے جو اول میں تھی، آسانی سے اطاعت وہ بھی ایسی کہ باطن کو ظاہر سے، غائب کو حاضر سے، دل کو زبان سے ہم آہنگی رہے، اور ہم جان چکے ہیں کہ رعایا کی اصلاح اس کے سوا نہیں ہو سکتی نرمی بغیر کمزوری کے، سختی بغیر زیادتی کے، میں واللہ جو حکم تم لوگوں میں جاری کروں گا اسے قابو کے ساتھ پورا کر کے چھوڑوں گا، حاکم اور منبر پر بیٹھ کر غلط گوئی کرے اس سے بڑھ کر خدا و خلق خدا کے سامنے کوئی غلطی نہ ہوگی۔

اس کے بعد اُس نے حسب معمول عثمان اور ان کے اصحاب کی ستائش کی اور ان کے قاتلوں پر نفرین، حجر یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور بر سر منبر اُس کو ملامت کی۔ زیاد نے اُس وقت تو حجر کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا لیکن اُن کی طرف سے اس کو تشویش لاحق ہو گئی اور برابر فکر میں رہنے لگا۔ اس مقصد کے لیے اس نے یہ اسکیم تیار کی کہ کسی بہانے سے کوفہ چھوڑ کر بصرہ چلا جائے اور حجر کو بھی اپنے ہمراہ لے جائے تا کہ یہاں رہ کر وہ کوئی شورش برپا نہ کر سکیں چنانچہ بیماری کا عذر کر کے وہ بصرہ چلا گیا اور اپنی جگہ عمرو بن حریث کو کوفہ میں چھوڑ گیا۔

زیاد کے بصرہ چلے جانے کے بعد حجر بن عدی کے پاس شیعوں کی آمدورفت زیادہ بڑھ گئی، مسجد میں بھی ان کے ہمراہ کافی مجمع ہوتا تھا۔ عمرو بن حریث نے حجر کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور ان حرکات سے باز رہنے کو کہا۔ حجر نے قاصد کی زبانی کہلا بھیجا کہ "ان لوگوں کو اس سے انکار ہے جس پر آپ ہیں۔" یہ جواب پا کر عمرو بن حریث ان کی طرف سے مایوس ہو گیا اور زیاد کو لکھ بھیجا کہ اگر کوفہ کی حکومت کو باقی رکھنا ہے تو جلد آجائیے۔

زیاد اس خط پر فوراً کوفہ آ گیا اور منبر پر گیا۔ حجر بھی اس وقت مسجد میں موجود تھے اور آج اُن کے ساتھ مجمع بھی معمول سے زائد تھا۔ علامہ ابن کثیر نے تین ہزار کی تعداد لکھی ہے اور لکھا ہے کہ وہ سب کے سب مسلح اور ہتھیاروں سے آراستہ تھے۔ زیاد نے حمد و ثنا کے بعد کہا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ۵۰

''تعدی و گمراہی کا انجام برا ہے، ان لوگوں کی حمایت کی گئی تو اترا گئے اور میری طرف سے مطمئن ہوئے تو گستاخ ہو گئے۔ قسم بخدا اگر تم لوگ سیدھے نہ ہوئے تو جو تمہاری دعا ہے اسی سے تمہارا علاج کروں گا۔ اگر حجر کو سرزمین کوفہ سے ناپید نہ کردوں اور دوسروں کے لیے اسے عبرت نہ بنادوں تو مجھے ہیچ سمجھنا وائے ہو تجھ پر اے حجر تو اب طعمہ گرگ ہونے والا ہے۔''

بعض روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ زیاد نے اپنے اس خطبہ میں معاویہ کی تعریف کی اور یہ بتایا کہ اس کے مسلمانوں پر کیا کیا حقوق ہیں۔ حجر نے یہ سن کر مٹھی بھر کنکریاں اس پر ماریں اور کہا تو جھوٹا ہے تیرے اوپر خدا کی لعنت۔ زیاد یہ رنگ دیکھ کر منبر سے اُترا اور قصر میں داخل ہوگیا اس کے بعد حجر کو طلب کیا۔

دوسری روایت اس طرح ہے کہ جمعہ کے دن زیاد نے خطبہ میں بہت طول دیا یہاں تک کہ نماز میں تاخیر ہوگئی۔ حجر بن عدی نے پکار کر کہا ''الصلوٰۃ'' اس پر بھی اس نے خطبہ جاری رکھا۔ حجر نے جب دیکھا کہ نماز کا وقت ہاتھ سے جارہا ہے تو مٹھی میں کنکر اٹھائے اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے ان کے ساتھ اور لوگ بھی اٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر زیاد منبر سے اُتر آیا اور نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے امیر معاویہ کو ایک خط لکھا جس میں حجر کی بہت شکایتیں تھیں معاویہ نے جواب دیا کہ حجر کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے پاس روانہ کردو۔ [1]

حجر بن عدی کی گرفتاری

معاویہ کا حکم آنے پر زیاد نے حجر بن عدی کی گرفتاری کے لیے اپنے آدمیوں کو روانہ کیا۔ یہ پورا واقعہ مؤرخ طبری نے اپنی کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' میں اس طرح لکھا ہے۔

حسین بن عبداللہ سے روایت ہے کہ زیاد نے اہل شرطہ کو حکم دیا کہ تم میں سے کوئی شخص جا کر حجر کو بلا لائے۔ شداد بن الہیثم الہلالی (امیر شرطہ) نے یہ کام میرے سپرد کردیا۔ میں یہ حکم پا کر حجر کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ امیر تم کو بلاتے ہیں۔ اصحاب حجر نے جواب دیا کہ حجر کسی طرح زیاد کے پاس نہ جائیں گے ہم اس میں اپنی کوئی برتری نہیں سمجھتے۔ حسین بن عبداللہ یہ جواب پا کر واپس چلا آیا اور امیر کو اصحاب حجر کا یہ جواب پہنچادیا۔ اب زیاد نے کچھ سپاہیوں کو میرے ہمراہ کردیا میں دوبارہ حجر کے پاس آیا اور امیر کے پاس چلنے کو کہا جس پر حجر اور ان کے اصحاب نے ہمیں برا بھلا کہا۔ ہم نے زیاد سے آکر یہ تمام روئداد بیان کردی۔ اب وہ شرفائے کوفہ کی طرف متوجہ ہوا اور پُرغضب لہجے میں کہنے لگا:

''اے اہل کوفہ! تمہیں کیا ہوگیا ہے، تم لوگ ایک ہاتھ سے چھری مارتے ہو اور دوسرے ہاتھ سے پٹی باندھتے

---

[1] طبری ۶/ ۱۴۳ و اسد الغابہ ۱: ۳۸۵، البدایہ والنہایہ ۸: ۵۱

ہو، تمہارے جسم میرے ساتھ اور قلوب حجر کے ساتھ ہیں جو ایک بوڑھا احمق اور دیوانہ ہے۔ تم خود تو میرے ساتھ ہو مگر تمہارے بھائی بیٹے اور برادری والے حجر کے ساتھ۔ قسم بخدا! اس بات سے تمہاری، فتنہ انگیزی اور منافقت ظاہر ہوتی ہے اب تم لوگ اپنی برأت کا ثبوت دو، ورنہ میں کچھ لوگوں کو بلا کر تمہاری ساری کجی اور بے رُخی نکالے دیتا ہوں۔"

یہ سنتے ہی سب لوگ زیاد کی طرف آ سمٹے اور کہنے لگے معاذ اللہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امیر المومنین یا اپنے حاکم کی اطاعت سے ہم سرِ مو بھی ہٹ جائیں اور آپ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں آپ ہر طرح سے ہمارے جذبۂ اطاعت اور حجر کے ساتھ مخالفت کو آزما سکتے ہیں۔ زیاد نے کہا کہ تم سب لوگ کھڑے ہو جاؤ اور جو لوگ حجر کے گھیرے ہوئے ہیں ان کے پاس جاؤ تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے بھائیوں، بیٹوں اور قرابتداروں کو اپنی برادری کے لوگوں میں سے جو تمہارا کہا مانے علیحدہ کرلو۔ یہ سن کر وہ لوگ اس پر تیار ہوگئے اور حجر کے بہت سے ساتھیوں کو ان سے علیحدہ کرلیا۔ زیاد نے جب یہ دیکھا کہ حجر کے ساتھ والے زیادہ تر اُن کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوگئے تو امیر شرطہ سے کہا کہ اب تم حجر کے پاس جاؤ اگر وہ آجائے تو میرے پاس لے آنا ورنہ اپنے سپاہیوں کو حکم دینا کہ بازار میں سے ستونوں کو اکھاڑیں اور انہیں ستونوں سے ان لوگوں پر حملہ کرکے حجر کو میرے پاس لے آئیں اور جو مانع ہو اس کو ماریں۔ امیر شرطہ حجر کے پاس آیا اور کہا کہ امیر تم کو بلاتے ہیں ان کے اصحاب نے انکار کیا اور کہنے لگے کہ یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا ہماری نظر میں زیاد کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ جواب پا کر اس نے اپنے ساتھ والوں کو حکم دے دیا کہ بازار کے ستونوں کو اُکھاڑ لو۔ یہ لوگ دوڑے اور ستون لے آئے۔ اس وقت "ابو عمرطہ"[1] نے حجر سے کہا کہ تم لوگوں میں سے کسی کے پاس بجز میرے تلوار نہیں ہے اور ایک تلوار سے کام نہیں چل سکتا۔ حجر نے کہا پھر کیا رائے ہے ابو عمرطہ نے کہا تیزی کے ساتھ یہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں میں چلے جاؤ وہ ضرور تمہاری حمایت کریں گے۔ زیاد اس وقت منبر پر تھا وہیں سے کھڑے ہو کر دیکھنے لگا۔ اس کے آدمی ہاتھوں میں لاٹھیاں لیے ہوئے حجر کے اصحاب پر پل پڑے۔ اس ہنگامہ میں عمرو بن حمقؓ کے سر پر بھی ایک لٹھ پڑا جس کے صدمے سے وہ اسی وقت گر پڑے اور دو شخص اُن کو اٹھا کر لے گئے۔ اس وقت اصحاب حجر بنی کندہ کے دروازوں کی طرف آ گئے۔ ایک شرطی نے عبداللہ بن خلیفہ طائی کو جبکہ وہ رجز کے اشعار پڑھ رہے تھے لاٹھی ماری جس سے وہ زمین پر گر پڑے۔ عائذ بن جملہ تیمی کے ہاتھ پر لاٹھی پڑی اور دانت ٹوٹ گیا لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری اور ایک شرطی کے ہاتھ سے لاٹھی چھین کر لڑنا شروع کردیا یہاں تک کہ یہ سب لوگ بنی کندہ کے دروازوں سے باہر نکل گئے حجر کا خچر وہاں موجود تھا ابو عمرطہ خچر لے کر آئے اور حجر سے کہا اب سوار ہو جاؤ

---

[1] ابو عمرطہ کا پورا نام ابو عمرطہ بن یزید ہے۔ ان کا شمار امیر المومنینؑ کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی طرف سے شریک تھے۔ اثنائے جنگ میں قیس بن یزید سے جب ان کا مقابلہ ہوا ہے تو دونوں بھائی ایک دوسرے کو دیکھ کر پہچان گئے اور پلٹ آئے۔ طبری ۶: ۱۷۔

حجر نے رکاب میں پاؤں ڈالا مگر چڑھ نہ سکے ابو عمر طہ نے انہیں اٹھا کر سوار کر دیا اور پھر اُچک کر خود بھی گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ ابھی اچھی طرح سنبھلنے نہ پائے تھے کہ یزید بن طریف مسلی سر پر آ پہنچا اور اُن کی ران پر لاٹھی ماری ابو عمر طہ نے تلوار سونت کر اس کے سر پر وار کیا جس سے وہ منہ کے بل گر پڑا لیکن جلد ہی اُٹھ بیٹھا غرضکہ یہاں سے حجر اور ابو عمر طہ دونوں روانہ ہوئے اور حجر کے مکان تک آ پہنچے یہاں اُن کے اصحاب میں سے بہت لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے اور قیس بن فہدان کندی اپنے خچر پر چڑھ کر نکلے اور جہاں جہاں بنی کندہ کا مجمع تھا وہاں پہنچ کر یہ اشعار پڑھنا شروع کیے۔

یا قوم حجر دافعوا وصاولوا — وعن اخیکم ساعۃ فقاتلوا

لا یلفیا منکم لحجر خاذل — الیس فیکم رامح ونابل

وفارس مستکم وداجل — وضارب بالسیف لا یزال

(۱) اے حجر کی قوم مدافعت کرو اور حملے کرو اپنے بھائی کی طرف سے تھوڑی دیر لڑو۔

(۲) دیکھو! ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی حجر کا ساتھ چھوڑے کیا تم لوگوں میں کوئی نیزہ باز اور تیر انداز نہیں ہے۔

(۳) کیا تم میں کوئی سوار اور پیادہ نہیں ہے۔ کیا تم میں کوئی ثابت قدم اور تلوار چلانے والا نہیں ہے۔

مگر بنی کندہ میں کچھ زیادہ لوگ حجر کے پاس نہیں آئے۔ زیاد نے منبر سے کہا کہ قوم ہمدان تمیم و ہوازن و بنی اعصر و مذحج و اسد اور غطفان اُٹھیں اور سب کندہ کے تکیہ کی طرف روانہ ہوں اور حجر کو میرے پاس لے آئیں یہ کہہ کر اُسے خیال ہوا کہ طائفہ مصر کو طائفہ یمن کے ساتھ روانہ کرنا مناسب نہیں مبادا دونوں میں اختلاف پیدا ہو جائے اور نتیجہ میں ان کی حمیت کو نقصان پہنچے۔ یہ سوچ کر اس نے دوبارہ یہ حکم دیا کہ فقط تمیم و ہوازن و بنی اعصر و اسد و غطفان و مذحج و ہمدان کندہ کے تکیہ میں جائیں اور حجر کو میرے پاس لے آئیں اور باقی اہل یمن صائدئین کے تکیہ کی طرف روانہ ہوں اور جا کر حجر کو گرفتار کر لیں۔ یہ سُن کر ازدو بجیلہ و خثعم و انصار و خزاعہ و قضاعہ کے لوگ روانہ ہو گئے اور صائدئین کے تکیہ میں جا کر اُترے حضر موت والے اہل یمن کے ساتھ اس لیے نہیں گئے کہ انہیں کندہ سے تعلق تھا۔ اس لیے انہیں حجر کے تعاقب میں جانا گوارا نہ ہوا، غرضکہ صائدئین کے تکیہ میں روسائے اہل یمن نے حجر کے باب میں مشورہ کیا۔ عبدالرحمن بن مخنف نے کہا۔ میں جو بات کہتا ہوں اگر اس کو مانو تو امید ہے کہ تم لوگ ملامت و معصیت سے بچ جاؤ گے۔ میری رائے ہے کہ جلدی نہ کی جائے ہمدان و مذحج کے نوجوان یہ کام کر گزریں گے اور تم اپنی قوم اور اپنے رئیس کے ساتھ غداری کرنے سے بچ جاؤ گے۔ سب نے اس کی رائے کو پسند کیا۔ ابھی کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ خبر ملی کہ ہمدان و مذحج حکیۂ بنی کندہ میں داخل ہو گئے اور بنی جبلہ میں جس جس کو پایا گرفتار کر لیا۔ یہ سن کر اہل یمن کندہ کے گھروں کی

طرف گئے اور اُن سے عذر خواہی کی اس کی خبر زیادہ کو پہنچی تو اُس نے مذحج و ہمدان کی اس کارگزاری کو پسند کیا اور تمام اہل یمن کی مذمت کی۔

حجر جس وقت اپنے گھر پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم کے لوگ ان کے ساتھ کم رہ گئے ہیں اور ساتھ ہی یہ خبر بھی اُن کو ملی کہ مذحج و ہمدان کندہ کے تکیہ میں اور تمام اہل یمن کے تکیہ میں اُترے ہوئے ہیں تو انہوں نے اپنے اصحاب سے کہا تم سب چلے جاؤ کیونکہ تمہاری ہی قوم کے لوگ تمہارے مقابلے میں آ کر جمع ہوئے ہیں اور تم اُن سے لڑ نہیں سکتے میں یہ نہیں چاہتا کہ تم کو معرض ہلاکت میں ڈالوں، یہ سن کر وہ لوگ واپس جانا چاہتے تھے کہ مذحج و ہمدان کے سواروں سے جو اوائل فوج میں تھے ان تک آ پہنچے یہ دیکھ کر حجر کے اصحاب میں سے عمیر بن یزید، قید بن یزید و عبیدہ بن عمرو بدئی و عبدالرحمٰن بن محرز؟ و قیس بن نمران ان سواروں پر پلٹ پڑے اور لڑنا شروع کر دیا۔ ایک گھنٹہ تک حجر کی حمایت میں لڑتے رہے ہاں آخر زخمی ہو گئے اور قیس بن یزید گرفتار ہو گئے باقی سب لوگ بچ کر نکل گئے۔ حجر نے ان سے کہا ''تمہارا بھلا ہو سب متفرق ہو جاؤ اور جنگ نہ کرو۔ میں خود کسی کوچہ سے نکلا جاتا ہوں پھر بنی حوت کی طرف چلا جاؤں گا۔ یہ کہہ کر حجر تیزی سے روانہ ہو گئے چلتے چلتے سلیم بن یزدی نامی ایک شخص کے گھر تک پہنچ گئے۔ جیسے ہی گھر کے اندر داخل ہوئے زیاد کے سپاہی ان کے تعاقب میں آ پہنچے۔ سلیم نے تلوار سونت لی اور ان کے مقابلہ کو نکلنا چاہا اس کی بیٹیوں نے جو یہ دیکھا تو رونا شروع کر دیا۔ حجر نے کہا آخر کیا ارادہ ہے؟ اُس نے جواب دیا واللہ میرا ارادہ یہ ہے کہ ان لوگوں سے کہوں کہ ٹل جائیں اگر مان گئے تو خیر ورنہ اسی تلوار سے جس کے قبضے پر میرا ہاتھ آ چکا ہے تمہاری حمایت میں ان سے جنگ کروں گا۔ حجر نے کہا تیرا بھلا ہو میں نے تو تیری بیٹیوں پر مصیبت ڈال دی ہے۔ سلیم نے جواب دیا کہ ان کی روزی کا میں متکفل نہیں ہوں نہ میں ان کا رازق ہوں بجز اس حی و قیوم کے جس کو موت نہیں، میں کبھی کسی نعمت کے لیے ننگ و عار کا خریدار نہ بنوں گا۔ میری زندگی میں میرے گھر سے تم اسیر ہو کر نہیں جا سکتے۔ ہاں اگر میں تمہاری حمایت میں قتل ہو جاؤں تو پھر جو تمہارے جی میں آئے وہ کرنا۔ حجر نے پوچھا۔ کیا تمہارے اس مکان میں کوئی ایسی دیوار نہیں کہ میں اس کو پھاند کر چلا جاؤں یا کوئی ایسا موکھا کہ اس سے نکل جاؤں ممکن ہے کہ اس طرح خدا تمہیں اور مجھے دونوں کو محفوظ رکھے۔ یہ لوگ جب تمہارے گھر سے مجھے نہ پائیں گے تو تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ سلیم نے کہا ہاں یہ موکھا ہے اس میں سے نکل کر بنی عمیر کے محلے میں اور اس کے سوا اپنی قوم والوں میں بھی تم پہنچ سکتے ہو۔ حجر اس موکھے سے نکل گئے۔ چلتے چلتے بنی ذھل میں پہنچے۔ ان لوگوں نے بیان کیا ابھی ابھی وہ لوگ تمہیں تلاش کرتے ہوئے ادھر سے گزرے ہیں تمہارا پتہ لگا رہے ہیں۔ حجر وہاں سے بھی بھاگے غرض نکل کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ ساتھ بنی ذھل میں سے کچھ لوگ چلے وہ شاہراہ سے دور گلیوں میں سے انہیں لے کر گزر رہے تھے چلتے چلتے قبیلہ نخع میں پہنچے۔ یہاں

پہنچ کر حجر نے ان جوانوں سے کہا کہ تم لوگ اب یہاں سے پلٹ جاؤ اور خود حجر اشتر نخعی کے بھائی عبداللہ بن حارث کے مکان کی طرف پلٹے۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن حارث نے نہایت کشادہ پیشانی سے ملاقات کی۔ فرش بچھا کر ان کا بستر لگایا۔ یہاں بھی ہو رہا تھا کہ کسی نے آ کر حجر سے کہا کہ اہل شرطہ قبیلہ نخع میں تم کو پوچھتے پھرتے ہیں جس کا سبب یہ ہوا کہ ایک سیاہ لونڈی جس کو سب اوماء کہہ کر پکارتے ہیں ان لوگوں کو ملی اور پوچھنے لگی کہ تم کسے ڈھونڈ رہے ہو انہوں نے کہا کہ ہم حجر کو ڈھونڈ رہے ہیں کہنے لگی وہ تو یہیں ہے میں نے اُسے قبیلہ نخع میں دیکھا ہے۔ یہ خبر سن کر حجر رات ہی کو عبداللہ کے گھر سے بھیس بدل کر نکل پڑے عبداللہ بن حارث بھی ان کیساتھ تھے۔ حجر بن عدی محلہ اڑد میں پہنچ کر ربیعہ بن ناجد ازدی کے مکان پر آ کر اُترے اور ایک رات دن وہیں قیام کیا۔

محمد بن اشعث کی طلبی

اہل شرطہ جب کسی طرح حجر بن عدی پر قابو نہ پا سکے تو زیاد نے محمد بن اشعث کو بلا کر کہا او ابو میثاء! سُن حجر کو میرے پاس لے آ ورنہ تیرا ایک ایک درخت خرما کٹوا دوں گا اور ایک ایک گھر کھدوا کر پھینک دوں گا اور تجھ کو زندہ نہ چھوڑوں گا، اُس نے کہا کہ مجھے ڈھونڈنے کی مہلت دی جائے۔ زیاد نے کہا اچھا تین دن کی مہلت دی جاتی ہے اگر اس عرصہ میں تو اُسے گرفتار کر کے لے آیا تو خیر ورنہ اپنے کو زندوں میں شمار نہ کرنا اس کے بعد زیاد نے حکم دیا کہ ابن اشعث کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے، ظالم سپاہی منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے اُسے لے جا رہے تھے کہ حجر بن یزید کندی نے اس کی سفارش کی اور کہا کہ جس طرح وہ آزاد ہو کر حجر کو ڈھونڈ سکتا ہے قید میں کیونکر ممکن ہے۔ زیاد نے اس کی سفارش سے ابن اشعث کو چھوڑ دیا۔

قیس بن یزید کی گرفتاری

اس اثناء میں قیس بن یزید بھی گرفتار ہو کر آ گیا۔ حجر بن یزید نے اس کے لیے بھی زیاد سے گفتگو کی زیاد نے اس کی سفارش مان لی اور کہہ دیا کہ قیس کو کچھ خوف نہ کرنا چاہیے۔ عثمان کے باب میں اس کا جو عقیدہ ہے اور صفین میں امیر المومنینؑ کی رفاقت میں جو کام اس نے کیا ہے ہم لوگوں کو خوب معلوم ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے قیس بن یزید کو بلایا جب وہ سامنے آیا تو کہنے لگا "خوب جانتا ہوں کہ حجر کی حمایت میں جو تم نے جنگ کی ہے وہ اس سبب سے نہ تھی کہ تم نے اس کا عقیدہ اختیار کر لیا ہے وہ ایک آن بان کی بات تھی کہ تم نے اس کا ساتھ دیا۔ میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا میں جانتا ہوں کہ تم خوش اعتقاد اور جاں نثار ہو۔ لیکن جب تک تم اپنے بھائی عمیر بن یزید کو میرے پاس حاضر نہ کرو گے میں تم کو نہ چھوڑوں گا۔ قیس نے وعدہ کیا اور کہا انشاء اللہ ضرور اس کو حاضر کر دوں گا۔ زیاد نے کہا تمہارا اس کا ضامن کون ہوگا۔ حجر بن یزید میرا اور اس کا دونوں کا ضامن ہے۔ اس پر حجر بن یزید نے کہا کہ میں اس شرط پر ضمانت کرتا ہوں کہ

اس کے جان و مال کا اطمینان ہو جائے۔ زیاد نے اس کو منظور کیا۔ غرضیکہ یہ دونوں جا کر عمیر بن یزید کو لے آئے اُس وقت وہ زخمی تھا، لیکن اسی حالت میں اس کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا اور زیاد کے آدمیوں نے اسے زمین سے اونچا کیا اور ناف کے قریب تک لا کر پٹک دیا اسی طرح کئی مرتبہ کیا۔ یہ دیکھ کر حجر بن یزید اُٹھ کھڑا ہوا اور زیاد سے کہنے لگا "اے امیر! کیا اس کو جان و مال کی امان نہیں دی گئی ہے جو یہ ظلم اس کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ قیس کے اس کہنے پر اور جتنے اہل یمن وہاں موجود تھے وہ بھی کھڑے ہوئے اور زیاد کے پاس آ کر اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ زیاد نے کہا !اگر تم سب اس کی ضمانت کرتے ہو کہ اگر اس نے کوئی بیجا حرکت کی تو میرے پاس لے آؤ گے اور مسلّی پر جو وار کیا گیا ہے اس کی دیت دو گے سب نے اسے قبول کیا اس ضمانت پر زیاد نے عمیر کو رہا کر دیا۔

حجر بن عدی کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے ایک اصفہانی غلام مسمّی رشید کو محمد بن اشعث کے پاس یہ پیام دے کر بھیجا کہ اس ظالم جبار نے جو سلوک کیا ہے اس کی مجھے خبر پہنچی تم ہرگز نہ گھبراؤ میں خود تمہارے پاس چلا آتا ہوں۔ تم اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو جمع کر کے زیاد کے پاس جاؤ اور اس سے میرے بارے میں بس اس قدر امان کے طالب ہو کہ وہ مجھے معاویہ پاس بھیج دے وہ جس طرح چاہیں میرے ساتھ پیش آئیں۔ محمد بن اشعث، حجر بن یزید اور جریر بن عبداللہ الجبلی اور عبداللہ بن حارث اشتر نخعی کے پاس گیا اور ان تینوں کو ہمراہ لے کر زیاد کے پاس گیا ان لوگوں نے حجر بن عدی کے بارے میں زیاد سے گفتگو کی اور ان کے بارے میں امان کے طالب ہوئے کہ معاویہ کے پاس ان کو بھیج دیا جائے زیاد نے اس کو منظور کیا۔ ان لوگوں نے اطمینان کر کے حجر سے انہیں کے قاصد کی زبانی کہلا بھیجا کہ جو بات آپ چاہتے تھے وہ ہم نے زیاد سے طے کر لی ہے۔ اب آپ بے خوف و خطر چلے آیئے۔

حجر بن عدی اور زیاد کا مکالمہ

حجر بن عدی، محمد بن اشعث کے پیام پر چلے آئے۔ جس وقت زیاد کے سامنے لائے گئے تو زیاد نے اُن سے کہا:

زیاد: عبدالرحمٰن! مرحبا زمانۂ جنگ میں بھی لوگوں سے لڑنے کو تیار اور جب لوگوں میں امن ہے جب بھی وہی مثل ہے کہ اپنے ہی آدمیوں کو کتیا نے بھونک کر قتل کر دیا۔

حجر: نہ میں نے اطاعت سے سرکشی کی ہے نہ جواتت (حق) سے علیحدگی، میں اپنی بیعت پر قائم ہوں۔

زیاد: اے حجر! کجا یہ دعویٰ اور کجا تو، ایک ہاتھ سے چھری مارتا ہے اور دوسرے سے پٹی باندھتا ہے۔ جب خدا نے تجھ کو ہمارے قابو میں دے دیا تو اب ہمیں خوش کرنا چاہتا ہے واللہ! ہرگز یہ نہ ہوگا۔

حجر: کیا تو نے اپنی امان مجھے نہیں دی ہے کہ میں معاویہ کے پاس چلا جاؤں اور میرے باب میں جس طرح وہ چاہیں عمل کریں۔

زیاد: یہ ہمیں منظور ہے۔

اس کے بعد زیاد نے ان کو قید خانہ بھیج دیا۔ جب جانے لگے تو کہا بخدا! اگر میں نے امان نہ دی ہوتی تو یہاں سے وہ ہل نہ سکتا تھا یہاں تک کہ اس کی جان نکال لی جاتی قسم بخدا! اس کی رگ گردن کاٹنے کو میرا جی تڑپ رہا ہے۔

زیاد کے رُو برو حجر کا اعلان بیعت

زیاد کے پاس سے حجر کو جب زندان کی طرف لے کر چلے ہیں تو انہوں نے بلند آواز سے کہا:

اَللّٰھم انی علی بیعتی لا اقبلھا ولا استقبلھا معاللہ والناس [1]

(بار الہا میں اپنی بیعت پر قائم ہوں نہ میں اُسے توڑ رہا ہوں نہ توڑنا چاہتا ہوں اللہ اور انسانوں کو سناتے ہوئے) یعنی میں اپنے امام حنیفی کی بیعت پر قائم ہوں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ حجر اُس وقت سر پر برنس (صدر اسلام کی ایک وضع کی ٹوپی) پہنے ہوئے تھے، صبح کا وقت تھا اور کافی سردی پڑ رہی تھی۔ یہاں دس دن وہ قید رہے۔

اصحاب حجر کی گرفتاری

اب زیاد کو ان روساء کی فکر ہوئی جو حجر کے اصحاب میں تھے۔ عمرو بن حمق اور رفاعہ بن شداد بجلی تو پوشیدہ طور پر کوفہ سے نکل گئے اور موصل پہنچ کر ایک جگہ چھپ گئے قبیصہ عیسیٰ کے پاس زیاد نے شداد بن الہیثم الہلالی کو بھیجا۔ قبیصہ نے زیاد کے آدمیوں کا مقابلہ کرنا چاہا مگر امان دینے کے وعدے پر چلے آئے زیاد نے ان کو بھی قید کر دیا۔

صیفی بن فسیل پر دوڑ بھیجی اور وہ بھی گرفتار ہو کر آ گئے۔

عبداللہ بن خلیفہ طائی جنہوں نے حجر کے ساتھ زیاد کے آدمیوں سے جنگ کی تھی ان کے تعاقب میں زیاد نے بکیر بن حمران احمری کو ایک منفرد دستہ کے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ لوگ عبداللہ کی طلب میں نکلے۔ ان کو عدی بن حاتم کی مسجد میں پایا، لوگ مسجد کے باہر اُن کو لے آئے اور چاہا کہ گرفتار کر کے زیاد کے پاس لے جائیں لیکن وہ ایک معزز شخص تھے انہوں نے یہ ذلت گوارا نہ کی اور مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ زیاد کے آدمیوں نے ان کو زخمی کر دیا اور دور سے پتھر برسانے لگے آخر وہ زمین پر گر پڑے اُن کی بہن میثاء نے جب یہ دیکھا تو دہائی دینے لگی کہ اے بنی طے! کیا عبداللہ بن خلیفہ کو تم حوالے کر دو گے تمہاری زبان اور تمہاری سنان کدھر ہے۔ احمری یہ سُن کر خوف زدہ ہوا کہ اگر بنی طے جمع ہو گئے تو جان بچانا مشکل ہو گا اس لیے بھاگ کھڑا ہوا۔ ادھر بنی طے کی عورتیں باہر نکل پڑیں۔ اور عبداللہ کو گھر میں لے گئیں۔ احمری نے یہ تمام روئداد زیاد سے جا کر بیان کر دی اور کہا کہ بنے طے نے مجھ پر ہجوم کیا میں مقابلہ نہ کر سکا اس

[1] اصابہ: ۳۲۹ و طبری ۶: ۱۴۸

لیے واپس آ گیا۔

عدی بن حاتم

اب زیاد نے عدی بن حاتم کی گرفتاری کے لیے آدمی روانہ کیے۔ وہ اس وقت مسجد میں تھے۔ زیاد کے سپاہیوں نے وہیں اُن کو گرفتار کرلیا اور زیاد کے پاس لے آئے زیاد نے سب سے پہلے ان سے عبداللہ بن خلیفہ کے لیے کہا عدی بن حاتم کو عبداللہ کی خبر مل چکی تھی اس لیے انہوں نے جواب دیا کہ جو قتل ہو چکا ہو اس کو میں کس طرح تمہارے پاس لاسکتا ہوں۔ زیاد نے ان سے پھر اصرار کیا لیکن عدی نے اب بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کہا میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اس پر اس زیاد نے اُن کو قید کر دیا۔

عدی بن حاتم صحابی رسول ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے سردار بھی تھے اور اس لیے عام مسلمان ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ اہل شہر میں یمن اور مصر اور ربیعہ کے لوگوں میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو عدی کے لیے بے تاب نہ ہو گیا ہو۔ یہ سب لوگ جمع ہو کر زیاد کے پاس آئے اور عدی کے بارے میں گفتگو کی۔ اس اثناء میں عبداللہ بن خلیفہ کو لوگ نکال کر لے گئے اور ہو بتر میں جا کر چھپ گئے اور عدی بن حاتم سے کہلا بھیجا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو میں نکل آؤں اور اپنا ہاتھ زیاد کے ہاتھ میں دے دوں۔ عدی نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا "واللہ اگر تم میرے دامن کے نیچے بھی چھپے ہوتے تب بھی دامن کو تم پر سے ہٹانا گوارا نہ کرتا۔

غرض کہ زیاد نے کچھ دن تو عدی کو اپنی قید میں رکھا لیکن عام مسلمانوں میں اس سے جو غم و غصہ پیدا ہو چلا تھا اس کو دیکھتے ہوئے زیاد نے یہی مناسب سمجھا کہ عدی کو رہا کر دیا جائے پھر بھی اس شرط پر ان کو رہا کیا کہ وہ شہر سے عبداللہ کو نکال دیں۔ عدی نے اس شرط کو قبول کیا اور عبداللہ سے کہلا بھیجا کہ تم پہاڑوں کی طرف نکل جاؤ۔ اگر زیاد کے غیظ و غضب میں کمی دیکھوں گا تو تمہارے بارے میں اس سے کہوں گا انشاء اللہ پھر تم شہر میں چلے آؤ گے۔

اس کے بعد کریم بن عفیف خثعمی بھی گرفتار ہو کر آ گئے۔ غرض کہ اس طرح زیاد نے بارہ آدمی حجر کے اصحاب میں قید خانے میں جمع کیے۔

حجر بن عدی کے خلاف شہادتیں

اب زیاد نے روسائے ارباع [1] کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ حجر کے جو حرکات اور فعال تم نے دیکھے ہیں ان کی گواہی دو۔ اس وقت حسب ذیل چار آدمی روسائے ارباع تھے۔

عمر بن حریث، ربع اہل مدینہ پر۔ خالد بن عرفطہ، ربع تمیم و ہمدان پر۔ قیس بن ولید، ربیعہ و کندہ پر۔ ابو بردہ

---

[1] اہل شہر کی تقسیم چار حصوں میں تھی، ہر حصہ پر ایک رئیس مقرر تھا، یہ چاروں شخص روسائے ارباع یعنی میر محلہ کہلائے جاتے تھے۔ ۱۲

بن ابی موسیٰ قبیلہ، مذحج و اسد پر۔

ان چاروں روساء نے حسب ذیل گواہی دی:

''حجر نے اپنے پاس لوگوں کو جمع کیا، خلیفہ کو علانیہ برا کیا، امیر المومنین سے جنگ کرنے پر لوگوں کو آمادہ کیا، اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آل ابوترابؑ کے سوا امر خلافت کسی کے لیے شایاں نہیں ہے، انہوں نے شہر میں خروج کر کے امیر المومنین کے عامل کو نکال دیا اور ابوترابؑ کی طرف سے عذر اور ان پر ترحم کیا، ان کے دشمنوں اور اہل حرب سے برأت کی اور یہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں ان کے اصحاب کے سرگروہ ہیں ان ہی کا سا عقیدہ ان کا بھی ہے۔''

دوسری روایت میں شہادت کا حاصل اس طرح لکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''ابو بردہ بن ابی موسیٰ رضائے الٰہی کے لیے شہادت دیتا ہے کہ حجر بن عدی نے طاعت و جماعت کو ترک کیا، اور خلیفہ پر لعن کی، جنگ و فتنہ پر لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ بیعت کو توڑیں اور امیر المومنین معاویہ کو خلافت سے معزول کریں، نیز خدائے عزوجل کے ساتھ علانیہ کفر کیا۔''

زیاد نے اس شہادت کو دیکھ کر کہا کہ اسی طرح کی شہادت تم سب لوگ دو۔ چنانچہ باقی روسائے ارباع نے بھی اسی کے مثل شہادت دی۔

اب زیاد نے گواہوں کی شہادت پر نظر ڈالی اور کہا کہ میں اس شہادت کو قطعی نہیں سمجھتا، چاہتا ہوں کہ چار سے زیادہ گواہ ہوں چنانچہ جتنے وابستگان دولت تھے ان سب کو بلا کر کہا کہ روسائے ارباع کے مثل تم بھی گواہی دو اور یہ عبارت ان کو پڑھ کر سنائی۔

مورخین کا بیان ہے کہ روسائے ارباع کے علاوہ کل ستر نام تھے جو گواہوں میں لکھے گئے۔ طبری نے حسب ذیل ناموں کی تصریح کی ہے:

اسحاق بن طلحہ، موسیٰ بن طلحہ، اسمٰعیل بن طلحہ، منذر بن زبیر، عمارہ بن عقبہ، عبدالرحمان بن منہاد عمر بن سعد بن ابی وقاص عامر بن مسعود، محرز بن جاریہ عبیداللہ بن مسلم حضرمی، عناق بن شرجیل، وائل بن حجر حضرمی، کثیر بن شہاب، قطن بن عبداللہ سائب بن اقرع ثقفی، شیث بن ربعی، عبداللہ بن ابی عقیل ثقفی، مصقلہ بن ہسیر شیبانی، تقعاع بن شور ذہلی حجار بن الجر عجلی، عمرو بن عجلی، عمرو بن حجاج زبیدی لبید بن عطارد تیمی، محمد بن عمیر تیمی، سوید بن عبدالرحمٰن تیمی، شمر بن ذی الجوشن عامری، شداد بن الہیثم الہلالی، مروان بن الہیثم الہلالی، محصن بن تغلبیہ، عبدالرحمٰن بن قیس اسدی، حارث بن ازمع ہمدانی، شداد بن ازمع ہمدانی کریب بن سلمہ جعفی، عبدالرحمٰن بن ابی سیرۃ الجعفی، زمر بن قیس جعفی، قدامہ بن عجلان

ازدی، عزرہ احمسی، عمر بن قیس اللحبہ وادعی، ہانی بن حید وادعی۔

مذکورۂ بالا لوگوں کے علاوہ مختار بن ابوعبیدہ ثقفی اور عبرو بن مغیرہ بن شعبہ کو بھی زیاد نے گواہی کے لیے طلب کیا مگر دونوں بچ کر نکل گئے۔

ایک دلچسپ لطیفہ

مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ شداد بن بزیغہ کا نام جب گواہی کے لیے پیش کیا گیا تو زیاد نے کہا "کیا اس کا کوئی باپ نہیں ہے جو ماں کی نسبت دی گئی ہے۔ اُسے گواہوں میں سے نکال ڈالو، حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ وہ حصین کا بھائی ہے جو منذر کا بیٹا ہے زیاد نے کہا بس اسے بھی اسی کا بیٹا لکھو چنانچہ ابن بزیغہ کو ابن منذر لکھ دیا گیا۔ شداد بن بزیغہ کو جب یہ خبر پہنچی تو کہنے لگا۔

"تف ہے اس پسر فاحشہ پر کیا اس کی ماں اس کے باپ سے نامزد نہ تھی، واللہ! اُسے تو اس کی ماں سمیہ کی طرف ہمیشہ نسبت دی جائے گی۔"

مصنوعی شہادتیں

مذکورۂ بالا گواہوں کے علاوہ حسب ذیل وہ لوگ ہیں جن کو بغیر ان کی استرضا کے زبردستی گواہوں میں لکھا گیا۔

(۱) سری بن وقاص حارثی کے متعلق طبری کا بیان ہے کہ وہ اُس وقت وہاں موجود نہ تھا اور اپنی ڈیوٹی پر گیا ہوا تھا۔

(۲) اسماء بن خارجہ اور ہیثم بن اسود نخعی، یہ دونوں عذر کرتے رہے لیکن ان کا نام بھی گواہوں میں لکھ دیا گیا۔

(۳) قاضی شریح کے متعلق علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وکتبت شهادة شريح القاضي وانه انكر ذالك وقال انما قلت لزيا دانهم كانا صواماً قواماً۔

(قاضی شریح کا نام بھی گواہی میں لکھا گیا حالانکہ انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں نے زیاد سے کہا حجر بن عدی بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور نماز پڑھنے والے ہیں)

(۴) شریح بن ہانی کا بیان ہے کہ میں نے گواہی دی ہی نہیں جب مجھے خبر ہوئی کہ میرا نام بھی گواہوں میں لکھا گیا ہے تو میں نے زیاد کو ملامت اور اس کی تکذیب کی۔

ان تمام گواہیوں کو دیکھنے کے بعد زیاد نے کہا کہ بجز ان لوگوں کے جو صاحبان حسب اور دیندار ہیں باقی سب کے نام نکال دیے جائیں۔ اس انتخاب کے بعد بس اتنے لوگ گواہوں میں شامل رہے کہ ان کی گواہیاں ایک کتاب میں

لکھی گئیں۔

حجر اور ان کے اصحاب کی دمشق کو روانگی

اس کارروائی کے بعد زیاد نے وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب حارثی کو بلا کر یہ کتاب ان کے حوالے کی اور حکم دیا کہ حجر اور ان کے اصحاب کو لے کر روانہ ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں رات ہی کو قیدیوں کو لے کر دمشق روانہ ہو گئے۔ حجر کے ساتھ حسب ذیل گیارہ آدمی تھے۔

(۱) ارقم بن عبداللہ الکندی۔ (۲) شریک بن شداد الحضرمی۔
(۳) صفی بن فیل۔ (۴) قبصر بن ضبیعہ عیسیٰ۔
(۵) کریم بن عفیف خثعمی۔ (۶) عاصم بن عوف بجلی۔
(۷) ورقاء بن سمی بجلی۔ (۸) کرام بن حیان غزی۔
(۹) عبدالرحمن بن حسان غزی۔ (۱۰) محرز بن شہاب تیمی۔
(۱۱) عبداللہ بن حویہ سعدی۔

عبیداللہ بن الحر الجعفی کا بیان ہے کہ حجر اور ان کے اصحاب کو جب لے کر چلے ہیں تو میں سری بن وقاص کے دروازہ پر کھڑا ہوا تھا، میں نے کہا کہ دس آدمی بھی ایسے نہیں ہیں جو اس وقت میرے شریک ہو جائیں کہ میں ان لوگوں کو چھڑا لوں، کیا پانچ آدمی بھی ایسے نہیں ہیں؟ افسوس کسی نے مجھے جواب نہیں دیا۔

شریح بن ہانی کا خط لے کر پہنچنا

قیدیوں کی یہ جماعت جب غرمین کے مقام پر پہنچی تو شریح بن ہانی ایک خط لیے ہوئے آئے اور کثیر بن شہاب سے کہا کہ میرا یہ خط امیر المومنین کو پہنچا دینا کثیر نے اس کا مضمون دریافت کیا شریح نے کہا یہ نہ پوچھو اس میں میری ایک حاجت ہے۔ کثیر نے انکار کر دیا اور کہا میں ایسا خط امیر المومنین کے پاس نہیں لے جا سکتا جس کا مضمون مجھے معلوم نہ ہو مبادا ان کی ناگواری خاطر کا باعث ہو۔ شریح نے وائل بن حجر کو جا کر یہ خط دیا اس نے لے لیا۔

غرضکہ قیدیوں کا یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہو کر مرج عذرا میں جا کر ٹھہرا۔ بعد میں زیاد نے عامر بن اسود عجلی کی حراست میں دو آدمیوں کو اور بھیجا۔ عقبہ بن اخنس اور سعد بن نمران ہمدانی اس طرح کل چودہ شخص تھے۔

حجر جس وقت وہاں پہنچے تو انہوں نے کہا ''میں پہلا مسلمان ہوں جو اس مقام پر تکبیر کہتا ہوں۔'' [1]

امیر معاویہ کو جب ان قیدیوں کے آنے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے وائل و کثیر کو بلایا ان سے خط لے کر مہر

---

[1] اسد الغابہ ۱:۳۸۶

توڑ دی اور اہل شام کو پڑھ کر سنایا۔ زیاد کے خط کا مضمون حسب ذیل تھا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیاد بن ابی سفیان کی طرف سے بندہ خدا! امیر المومنین معاویہ کو امابعد! خدا نے اس بلا کو بڑی خوبی کے ساتھ امیر المومنین سے دور کر دیا اور باغیوں کو دفع کرنے کی زحمت سے انہیں بچالیا، اس فرقہ ترابیہ سبائیہ کے شیاطین نے جن کا سرگروہ حجر ابن عدی ہے امیر المومنین سے مخالفت اور جماعت مسلمین سے مفارقت کی اور ہم لوگوں سے جنگ کی، خدا نے ہمیں ان پر غلبہ دیا اور ہم ان کے گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئے۔ شہر کے اشراف و اخیار اور معمر و دیندار لوگوں کو میں نے بلایا انہوں نے جو کچھ دیکھا اس کی گواہی دی میں نے ان کو امیر المومنین کے پاس بھیج دیا ہے اور میرے اسی خط کے تحت میں صلحاء اخیار شہر کی گواہیاں مندرج ہیں۔"

معاویہ نے زیاد کا خط اور گواہیوں کو پڑھ کر اہل دربار سے پوچھا کہ ان لوگوں کے بارے میں جن کے خلاف خود ان ہی کی قوم نے یہ گواہیاں دی ہیں تمہاری کیا رائے ہے، اس وقت یزید بن اسلم بجلی کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ملک شام کے قریوں میں ان کو متفرق کر دیجیے وہاں کے شورش انگیز لوگ ان کے لیے کافی ہیں آپ کو سزا دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

وائل نے شریح کا خط بھی معاویہ کو دیا معاویہ نے اس کو پڑھا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لعبداللہ معاویہ امیر المومنین من شریح بن حانی اما بعد فانہ بلغنی زیاداً کتب الیک لشھادتی علیٰ حجر بن عدی وان شھادتی علیٰ حجر انہ ممن یقیم الصلوٰۃ ویوتی الزکاۃ ویدیم الحج والعمرۃ ویامر بالمعروف وینھیٰ عن المنکر حرام الدام والمال فان شئت فاقتلہ وان شئت فدعہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بندۂ خدا امیر المومنین کو شریح بن ہانی کی طرف سے امابعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف میری گواہی بھی لکھی ہے حالانکہ میری گواہی حجر بن عدی کے متعلق یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم کرنے والے زکوٰۃ دینے والے حج وعمرہ بجالانے والے ہیں وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں، ان کی جان اور مال حکومت کے لیے حرام ہے اب آپ چاہیں تو ان کو قتل کر دیں اور چاہیں تو چھوڑ دیں۔

معاویہ نے یہ خط وائل اور کثیر کو پڑھ کر سنایا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود کو تم لوگوں کی شہادت سے الگ کر لیا۔

معاویہ کا خط زیاد کے نام

یہ دونوں خط اور گواہیاں دیکھنے کے بعد معاویہ نے زیاد کو حسب ذیل مضمون کا خط لکھا:

"اما بعد! تم نے حجر بن عدی اور ان کے اصحاب اور ان کے اصحاب نیز ان کے خلاف گواہیاں تمہاری جانب سے گزری ہیں اس کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے میں سمجھ گیا۔ میں نے غور کیا تو کبھی یہ رائے ہوئی کہ ان کو چھوڑ دینے سے قتل کرنا بہتر ہے اور کبھی یہ رائے ہوئی کہ چھوڑ دینا بہتر ہے۔"

معاویہ کا یہ خط پڑھ کر زیاد کو بڑی تشویش ہوئی اس لیے اس نے ایک بڑا تنبیہی خط معاویہ کو لکھا جو حسب ذیل ہے:

"امابعد! میں نے آپ کے خط کو پڑھا اور آپ کی رائے کو سمجھا مجھے تعجب ہے کہ حجر اور اس کے اصحاب کے بارے میں آپ کو کیسا اشتباہ ہوا جو لوگ اس کے حالات سے باخبر ہیں انہوں نے تو اس کے خلاف گواہیاں دی ہیں اور آپ سن چکے، اب اگر آپ اس شہر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو حجر اور اس کے اصحاب کو ہرگز میرے پاس واپس نہ کریں۔"

یزید بن حجیہ تیمی کی زبانی حجر کا پیغام

زیاد نے یہ خط لکھ کر یزید بن حجیہ تیمی کے ہاتھ روانہ کیا جب مرج عذرا پہنچا تو قیدیوں سے کہا "واللہ! تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ میں ایک خط لے کر آیا ہوں جس کا انجام قتل ہے اب جو کچھ تم اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اس بارہ میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔ حجرؓ نے کہا معاویہ کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دے۔

"ہم لوگ اپنے (امام) کی بیعت پر قائم ہیں نہ چھوڑنا چاہتے ہیں نہ چھوڑیں گے جنہوں نے ہمارے خلاف گواہیاں دی ہیں وہ سب ہمارے دشمن اور بدخواہ ہیں۔"

یزید بن حجیہ نے یہ خط معاویہ کو دیا اور ساتھ ہی حجر کا پیغام بھی ان کو پہنچا دیا معاویہ نے اس کا جواب دیا کہ زیاد کو ہم حجر سے زیادہ سچا اور راست باز سمجھتے ہیں اس پر عبدالرحمٰن بن ام الحکم ثقفی یا عثمان بن عمیر ثقفی اور معاویہ میں کچھ باتیں ہوئیں اہل شام وہاں سے اٹھے اور ان کی سمجھ میں یہ کچھ نہ آیا کہ معاویہ اور عبدالرحمٰن میں کیا باتیں ہوئیں البتہ نعمان بن بشیر سے آ کر عبدالرحمٰن کا قول جب انہوں نے بیان کیا تو نعمان نے کہا کہ سب لوگ مارے جائیں گے۔

حجر بن عدی کا آخری اتمام حجت

عامر بن مسعود اسود ابھی تک عذرا میں مقیم تھا اس نے معاویہ کے پاس آنے کا ارادہ کیا تاکہ جن دو شخصوں کو زیاد نے بھیجا ہے ان کا ذکر کردے۔ جب وہ چلنے لگے تو حجر بن عدی زنجیر کھڑکھڑاتے ہوئے اٹھے اور کہا اے عامر!

میری ایک بات سن لے، معاویہ سے کہنا کہ ہم لوگوں کا خون بہانا اس پر حرام ہے ہم لوگوں کو امان دی جا چکی ہے اور ہم صلح کر چکے ہیں خدا سے ڈر اور ہمارے باب میں غور کر...... حجر نے بار بار عامر سے یہی بات کہی...... عامر نے کہا میں سمجھ گیا تم بہت دفعہ کہہ چکے۔ حجر نے کہا میرے لیے کسی طرح کی بدنامی نہیں ہوئی۔ تجھ کو انعام واکرام ملے گا اور حجر کو کھینچ لے جائیں گے اور قتل کر دیں گے۔ اگر میری بات تجھے گراں گزرے تو جائے شکایت نہیں، اس بات پر عامر کو شرمندگی سی ہوئی اور کہنے لگا واللہ! یہ بات نہیں ہے۔ میں ضرور تمہارا پیغام پہنچا دوں گا۔ اسی کا بیان ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا۔

اصحاب حجر کی سفارشات

عامر جب معاویہ کے دربار میں پہنچا اور ان دونوں شخصوں کا ذکر کیا تو یزد بن اسد بجلی کھڑا ہو گیا اور اپنے دونوں ابن عم عاصم بن عوف بجلی اور ورقاء بن سمی بجلی کی جاں بخشی چاہی ان دونوں کی سفارش میں جریر بن عبداللہ بجلی پہلے ہی معاویہ کو خط لکھ چکے تھے ''میری قوم کے دو شخص جو اہل جماعت سے ہیں اور خوش عقیدہ ہیں کسی بدخواہ نے زیاد سے ان کی شکایت کی ہے جس پر اس نے ان دونوں کو ان کوفیوں کے ساتھ بھیج دیا ہے معلوم ہوا کہ ان دونوں نے نہ تو اسلام میں کوئی بدعت کی ہے نہ خلیفہ سے مخالفت اس لیے امیر المومنین سے اس کا نفع ان کو ملنا چاہیے۔''

اب یزید بن اسد نے دونوں کی سفارش کی تو معاویہ کو جریر کا خط بھی یاد آ گیا اور یزید سے کہا ''تمہارے ابن عم نے بھی ان دونوں کی تعریف مجھ کو لکھی ہے وہ ضرور ایسے شخص ہیں جن کی بات پر یقین کرنا چاہیے میں نے ان دونوں کو بخش دیا۔

اب وائل بن حجر نے ارقم بن عبداللہ الکندی کے لیے کہا ان کو بھی اس کی سفارش پر چھوڑ دیا۔ ابو اعور اسلمی نے عتبہ بن اخنس کو مانگا ان کی بھی جاں بخشی ہو گئی۔ حمزہ بن مالک نے سعد بن نمران ہمدانی کے لیے کہا اُن کو بھی چھوڑ دیا گیا۔ حبیب بن مسلمہ نے عبداللہ بن حویہ سعدی کے بارے میں گفتگو کی ان کو بھی رہا کر دیا گیا۔

مالک بن ہبیرہ کی حجر کے بارے میں معاویہ سے گفتگو

مالک بن ہبیرہ سکونی اس وقت دربار میں موجود تھا اس نے کھڑے ہو کر معاویہ سے کہا ''امیر المومنین! میرے ابن عم حجر کو میرے کہنے سے چھوڑ دیجیے'' معاویہ نے جواب دیا ''تمہارا ابن عم تو رئیس قوم ہے اگر اسے چھوڑ دوں گا تو مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ سارے شہر کو مجھ سے بدعقیدہ کر دے گا اور کل کو مجبور ہو کر مجھے اس کے مقابلے کے لیے تم ہی کو تمام اصحاب سمیت عراق بھیجنا پڑے گا۔'' مالک نے کہا ''واللہ! تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا اے معاویہ! میں نے تمہارے ساتھ شریک ہو کر تمہارے ابن عم سے قتال کیا مجھے ان لوگوں کا مقابلہ کرنے میں صفین کا جیسا معرکہ پیش آیا آخر تمہارا ہاتھ اونچا رہا اور تمہاری منزلت میں چار چاند لگ گئے جس کے بعد تم کو کوئی خوف نہیں رہا اب میں نے اپنے

ابن عمر کے لیے جو تم سے سوال کیا تو خفا ہو گئے اور بات کو طول دے دیا جس سے مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا مالک یہ کہہ کر چلا گیا اور اپنے گھر جا کر بیٹھ گیا۔

حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کی قسمت کا آخری فیصلہ

معاویہ نے حجر اور ان کے اصحاب کے پاس ہدبہ بن فیاض قضاعی (یک چشم) اور حصین بن عبداللہ کلابی اور ابو شریف بدئی کو بھیجا۔ یہ لوگ شام کے وقت مرجعذرا پہنچے۔ کریم بن عفیف خشعمی نے جیسے ہی یک چشم کو آتے دیکھا تو بر سبیل تفنن کہنے لگے "ہم میں سے آدھے بچ جائیں گے اور آدھے قتل ہو جائیں گے" سعد بن نمران نے کہا "خداوندا! مجھے اس صورت میں بچالینا کہ تو بھی مجھ سے راضی رہے" عبدالرحمٰن بن حسان غزی نے کہا "ان کی ذلت سے مجھے عزت دے اس طرح کہ تو بھی مجھ سے راضی رہے، میں نے تو بہت مرتبہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال ڈال دیا مگر خدا کو وہی منظور ہوا جو اس کی مشیت ہے۔"

معاویہ کے آدمیوں نے حجر اور ان کے اصحاب سے کہا کہ چھ شخص چھوڑ دیے جائیں گے اور آٹھ قتل ہوں گے ہم لوگوں کو حکم ہے علیؑ سے تبرا اور اُن پر لعنت کرنیکو تم سے کہیں اگر تم اس کو منظور کرو تو چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیں امیر المومنین کا خیال ہے کہ خود تمہارے ہی ہم وطنوں کی گواہی سے تمہارا قتل کرنا ان کے لیے جائز ہو چکا ہے لیکن انہوں نے معاف کر دیا ہے اگر تم علیؑ سے تبرا کرو تو ہم سب کو چھوڑ دیں حجر اور ان کے اصحاب نے جواب دیا "خداوندا! ہم سے یہ امر کسی طرح سرزد نہیں ہو سکتا۔"

البتہ عبدالرحمٰن بن حسان غزی اور کریم بن عفیف خشعمی نے کہا کہ ہم دونوں کو معاویہ کے روبرو بھیج دیا جائے اور علیؑ کے بارہ میں جو کچھ وہ کہلوانا چاہتے ہیں ہم وہی کہیں گے۔ چنانچہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

اس کے بعد ان کی قبریں کھودنے کا حکم دیا گیا اور کفن آ گئے۔

مورخین لکھتے ہیں:

"فبات حجر و اصحابه یصلون طول اللیل ظما صلوا الصبح قتلوهم" یہ رات حجر اور ان کے اصحاب نے نمازیں پڑھنے میں بسر کی جب صبح نمودار ہوئی تو معاویہ کے اصحاب نے کہا کہ رات تو ہم نے تمہاری طولانی نمازوں اور دعاؤں کو دیکھا اب یہ بتاؤ کہ عثمان کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے حجر اور ان کے اصحاب نے جواب دیا "هو اول من جار فی الحکم و عمل علی غیر الحق" وہی تو پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکم میں جور کیا اور ناحق پر عمل کیا۔

یہ سن کر اصحاب معاویہ نے کہا امیر المومنین نے تم کو خوب پہچانا تھا یہ کہہ کر قتل کرنے کو تیار ہو گئے اور کہنے لگے

علیؑ پر تبرا کرو سب نے جواب دیا "ہم ان سے تولا رکھتے ہیں اور ان سے تبرا کرنے والے پر تبرا کرتے ہیں۔" اب ایک شخص نے ایک ایک کو قتل کرنے کے لیے کھینچا۔ قبیصہ بن ضبیعہ پر ابو شریف بدئی کا ہاتھ پڑا قبیصہ نے کہا میرے تیرے خاندان میں قرابت ہے اس لیے بہتر ہے کہ مجھے کوئی اور قتل کرے بدئی نے کہا اس وقت قرابت کا ہونا تیرے لیے کام آیا یہ کہہ کر اس نے شریک بن شداد حضرمی کو اور قبیصہ کو قضاعی نے قتل کیا۔

حجر کی آخری نماز اور شہادت

جس وقت حجر کو قتل کرنے کے لیے بڑھے تو انہوں نے کہا "مجھے اتنی مہلت دو کہ وضو کرلوں" چنانچہ وضو کی اجازت ملی جب وضو کر چکے تو کہا اتنی مہلت اور چاہتا ہوں کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں بخدا میں نے جب بھی وضو کیا ہے دو رکعت نماز ضرور پڑھی ہے غرض کہ نماز پڑھی جب نماز پڑھ کر واپس آئے تو کہا "واللہ! اتنی مختصر نماز اپنی زندگی میں میں نے کبھی نہیں پڑھی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم خیال کرو گے کہ مجھے موت سے اضطراب ہے تو جی چاہتا تھا کہ ان دو رکعتوں کو طول دوں کیونکہ یہی دو رکعتیں میری تمام زندگی کا ماحصل ہیں پھر کہا:

"اللهم ان نستعيدك على امتنا فان اهل الكوفة يشهدون علينا واهل الشام يقتلوننا۔ (ابن خلدون ۳:۱۳)

بار الہا! ہم لوگ تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اس امت کے مقابلے میں بے شک اہل کوفہ نے ہمارے خلاف گواہیاں دیں اور اہل شام ہم کو قتل کر رہے ہیں۔

"واللہ! تم لوگ اگر مجھ کو قتل کرتے ہو تو سن رکھو کہ مسلمانوں میں فارس میں ہوں جو ملک شام میں ہلاک ہوا اور پہلا شخص ہوں جس پر یہاں کے کتے بھونکے۔"

حجر کی زبان سے یہ کلمات پوری طرح نکلنے نہ پائے تھے کہ ہدبہ بن فیاض قضاعی (یک چشم) تلوار کھینچے ہوئے ان کی طرف بڑھا۔ اس وقت حجر کے ہاتھ پاؤں میں تھرتھری پڑ گئی، ہدبہ نے کہا "تم تو کہتے تھے کہ مجھے موت اضطراب نہیں ہے بہتر ہے کہ اپنے دوست علیؑ سے بیزاری اختیار کرو تاکہ قتل سے بچ جاؤ۔" حجر نے جواب دیا مجھے کس طرح اضطراب نہ ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ قبر کھدی ہوئی ہے اور کفن پھیلا ہوا ہے۔ تلوار سر پر کھنچی ہوئی ہے، واللہ میں اس اضطراب میں بھی ایسا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالوں گا جس سے خدا ناراض ہو۔

اس کے بعد انہوں نے حاضرین کو وصیت کی کہ میری بیڑیاں اور ہتھکڑیاں نہ اُتاری جائیں نہ میرا خون دھویا جائے کہ میں کل قیامت میں معاویہ سے اسی حال میں ملوں گا۔ [1]

---

[1] استیعاب ۱۳۷/۱، اسد الغابہ ۱:۳۸۶۔ اصابہ ۱:۳۲۹

ہدبہ نے کہا اچھا اپنی گردن اٹھاؤ۔ حجر نے کہا میں اپنے نفس کے قتل پر اعانت نہ کروں گا غرض کہ ہدبہ نے تلوار ماری اور حجر کا لاشہ زمین پر تڑپنے لگا۔

اصحاب حجر

حجر بن عدی کے اصحاب میں حسب ذیل وہ اصحاب ہیں جو ان کے ساتھ کیے گئے:

(۱) شریک بن شداد حضرمی۔ (۲) صیفی بن فسیل شیبانی۔ (۳) قبیصہ بن ضبیعہ عبسی

(۴) محرز بن شہاب سعدی۔ (۵) کدام بن حیان غزی۔ (۶) عبدالرحمن بن حسان غزی کو معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا تھا زیاد نے ان کو قس ناطف میں زندہ گڑوا دیا۔

حسب ذیل اصحاب سفارشات پر چھوڑ دیے گئے۔

(۱) عاصم بن عوف بجلی۔ (۲) ورقاء بن سمی بجلی۔ (۳) عبداللہ بن حویہ تمیمی۔

(۴) ارقم بن عبداللہ الکندی۔ (۵) عتبہ بن اخنس سعدی۔ (۶) سعید بن نمران ہمدانی

(۷) کریم بن عفیف خشعمی۔

مالک بن ہبیرہ سکونی کا واقعہ

سابق کے بیان میں گزر چکا ہے کہ مالک بن ہبیرہ سکونی نے حجر بن عدی کے لیے معاویہ سے سفارش کی تھی، لیکن انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ کی، مالک واپس چلا گیا، اس کے بعد اس نے بنی کندہ اور بنی سکون نیز اہل یمن کی ایک کثیر جماعت کو اپنے ہمراہ لیا اور کہا "واللہ ہمیں معاویہ کی اتنی پرواہ نہیں ہے جتنی ہمیں ان کی ضرورت ہے ہم کو ان ہی کی قوم میں سے ان کا بدل مل جائے گا۔ لیکن انہیں ہمارا بدل نہیں مل سکتا چلو حجر کو اس کی قید سے چھڑا لائیں۔

مالک کی یہ گرم تقریر سن کر سب کے سب تیار ہو گئے انہیں یقین تھا کہ ابھی سب لوگ عذرا میں ہوں گے اور قتل نہیں ہوئے ہوں گے راستہ میں معاویہ کے آدمیوں سے ملاقات ہوئی جو حجر اور ان کے اصحاب کو قتل کر کے واپس آ رہے تھے انہوں نے جو مالک کے ساتھ کثیر جماعت دیکھی تو سمجھ گئے کہ یہ حجر کے چھڑانے کو آ رہا ہے، مالک نے ان سے پوچھا کیا خبر ہے؟ ایک شخص نے کہا "ان لوگوں نے توبہ کر لی اب ہم معاویہ کے پاس یہی کہنے کو جا رہے ہیں۔" مالک نے سکوت کیا اور عذرا کی طرف متوجہ ہوا تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص اسی طرف سے آتا ہوا راستہ میں ملا اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل کر دیے گئے۔ مالک نے پکارا کہ ان قاتلوں کو میرے پاس لایا جائے۔

کچھ سوار ان کے تعاقب میں گئے مگر وہ دور نکل گئے تھے انہوں نے معاویہ سے جا کر مالک اور اس کے ساتھیوں کا جو ارادہ تھا سب بیان کر دیا۔ معاویہ نے کہا پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ ایک جوش تھا اسے آ گیا اور

شاید اب ٹھنڈا بھی ہوگیا ہو۔ مالک وہاں سے واپس ہوا تو سیدھا اپنے گھر آ کر اترا اور معاویہ کے پاس نہیں گیا بلکہ ان کے بلانے پر بھی آنے سے انکار کر دیا۔ جب رات ہوئی تو معاویہ نے ایک لاکھ درہم اس کے پاس بھیجے اور یہ کہلا بھیجا کہ امیر المومنین نے حجر کے بارہ میں جو تمہاری سفارش قبول نہیں کی وہ محض تمہاری اور تمہارے اصحاب کی بہتری کے لیے تھا مبادا پھر جنگ و جدل کی نوبت آئے کیونکہ حجر بن عدی اگر زندہ رہتا تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کسی وقت تم کو اور تمہارے اصحاب ہی کو اس کے مقابلہ کے لیے جانا پڑتا اور اس جنگ سے مسلمانوں کی ایسی تباہی ہوتی جو حجر کے قتل سے کہیں زیادہ ہوتی۔ مالک نے ہدیہ قبول کیا اور خوش ہوگیا اور صبح کو اپنی ساری جمعیت سمیت معاویہ کے پاس آ کر اظہار رضامندی کیا۔ [1]

مقبرہ

حجر بن عدی کی قبر عذرا میں مشہور ہے۔ ابن عساکر لکھتے ہیں:

"مسجد قبرہ بہا معروف اقول ذالک المسجد والقبر لم یزالا معروفین الی الآن"۔ [2]

اولاد

حجر بن عدی کی اولاد کا کوئی تفصیلی ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔ صرف اتنا ملتا ہے کہ ان کے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمان تھے جو مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کے سرگرم حامیوں میں تھے ۶۷ھ میں جب مصعب نے مختارؒ پر غلبہ حاصل کیا تو یہ بھی اُن کے ہمراہ قتل کر دیے گئے۔ [3]

حجر بن عدی کے قتل کی پیشن گوئی زبان رسولؐ سے

عن ابی الاسود قال دخل معاویہ علی عائشہ فقالت ما حملک علی قتل اہل عذراء حجر و اصحاب فقال یا ام المومنین انی رایت فی قتلہم صلاحاً للامۃ وبقاء ہم فساداً للامۃ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول سیقتل بعذراء اناس یغضب اللہ لہم واہل السماء۔

ابوالاسود سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ معاویہ جب حضرت عائشہ کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے کہا تم کو اہل عذرا حجر اور ان کے اصحاب کے قتل پر کس چیز نے آمادہ کیا معاویہ نے جواب دیا اے ام المومنین میں نے اُن کے قتل میں اُمت محمدیہ کی بہتری دیکھی اور ان کے باقی رکھنے میں فساد، اس پر آپ نے فرمایا کہ میں نے رسولؐ اللہ کو یہ

---

[1] طبری ۶:۱۵۶

[2] ابن عساکر ۴:۸۵

[3] اصابہ ۱:۳۲۰

کہتے ہوئے سنا ہے ''عنقریب عذرا میں کچھ لوگ قتل کیے جائیں گے جن کے لیے اور تمام سکانِ سماوات غضبناک ہوں گے۔''

علامہ بن کثیر نے اس روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ اپنی کتاب ''البدایہ والنہایہ جز ۸۔ص ۵۵ پر نقل کیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:

وقد رواه عبدالله بن المبارك عن ابي لهيعه عن ابي الاسود ان عائشه قالت۔ بلغني انه سيقتل بعذراء اناس يغضب الله لهم واهل السماء، قال حدثني ابن لهيعه حدثني الحارث بن يزيد عن عبدالله بن رزين الغافقي قال سمعت علياً يقول يا اهل العراق سيقتل منكم سبعة نفر لعذراء مثلهم كمثل اصحاب الاخدود قال يقتل حجر و اصحابه [۱]

اس حدیث کی روایت عبداللہ بن مبارک نے ابولیعہ سے انہوں نے ابوالاسود سے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ عنقریب عذرا میں کچھ لوگ قتل کیے جائیں گے جن کے لیے اللہ اور تمام ساکنان سماوات غضبناک ہوں گے۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ مجھ سے ابولیعہ نے بیان کیا ان سے حارث بن زید نے ان سے عبداللہ بن رزین غافقی نے بیان کیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے علیؑ بن ابی طالبؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا ''اے اہل عراق تم میں سے عنقریب سات آدمی عذرا میں قتل کیے جائیں گے ان کی مثال اصحاب اخدود کی ہوگی۔''

راوی کہتا ہے کہ اس سے مراد حجر اور ان کے اصحاب ہیں:

قاتل کی پشیمانی

ابن سیرین کا بیان ہے کہ ہم کو یہ روایت پہنچی ہے۔

فبلغنا انهم لما حضرته الوفاة جعل يغرغر بالصوت ويقول يومي منك يا حجر يوم طويل۔ [۲]

کہ جب معاویہ کی موت کا وقت ہوا تو کہتے تھے اے حجر! تمہاری وجہ سے میرا روز حشر بہت طویل ہے۔

وقال معاويه ماقتلت احداً الا وانا اعرف فيم قتلته ما خلا حجراً فاني لا اعرف باي ذنب قتلته۔ [۳]

---

[۱] البدایہ والنہایہ جز ۸ ص ۵۵

[۲] کامل ۳: ۲۱ و طبری ۶: ۱۵۶

[۳] ابن عساکر ۴: ۸۶

معاویہ کہا کرتے تھے کہ میں نے جس کو بھی قتل کیا اُس کے متعلق یہ جانتا ہوں کہ کس بات پر قتل کیا بجز حجر کے جن کے متعلق میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان کو کس جرم میں میں نے قتل کرایا۔

حجر بن عدی کے قتل پر اجلۂ اصحاب کے تاثرات

حضرت حجر بن عدیؓ کا دردناک قتل ایسا غیر اہم واقعہ نہ تھا جس سے اس وقت کی اسلامی دنیا متاثر نہ ہوتی، اگرچہ اس سے پیشتر بھی ہزار ہا کی تعداد میں شیعیان علیؑ کو سفاکانہ طریقہ سے قتل کیا جاچکا تھا لیکن مجموعی طور پر ان واقعات سے کوئی ایسا اثر مترتب نہ ہوسکا جس سے عوام کے دلوں میں حکومت کی طرف سے جذبۂ تنفع پیدا ہوجاتا۔ حجر بن عدی اپنی شخصیت کے لحاظ سے ان لوگوں میں نہ تھے جن کے قتل کو مسلمان آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتے اور مذہبی حلقوں کی طرف سے کوئی احتجاجی صدا بلند نہ ہوتی۔ وہ ایک عابد و زاہد بزرگ ہونے کے علاوہ ممتاز صحابی رسولؐ بھی تھے جس کی بنا پر لوگ ان کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ دوست اور دشمن دونوں کی نظر میں ان کی نیکی کا گہرا نقش بیٹھا ہوا تھا جس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کو جب حجر کے قتل کا مشورہ دیا گیا ہے تو انہوں نے یہ جواب دیا ہے۔

''میں نہیں چاہتا کہ اس شہر کے نیک لوگوں سے قتل کی ابتدا کروں۔''[1]

اس واقعہ سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ حجر کا شمار اپنے وقت کے نیک لوگوں میں تھا اور اس حد تک کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔ چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ ان کے قتل پر تمام اسلامی دنیا میں عام ہیجان واضطراب پیدا ہوگیا اور ہر طرف سے احتجاج کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوگئیں۔

مؤلف سیر الصحابہ شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں:

''حجر کا قتل معمولی واقعہ نہ تھا اپنے خاندانی اعزاز اور حضرت علیؑ کی حمایت کی وجہ سے کوفہ میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لیے اہل کوفہ میں بڑی برہمی پیدا ہوگئی۔ معززین کوفہ حضرت حسنؑ کے پاس فریاد لے کر پہنچے آپ بے حد متاثر ہوئے۔''[2]

خصوصیت سے حضرت امام حسینؑ پر اس کا سب سے زیادہ اثر ہوا۔ ابوحنیفہ دینوری کا بیان ہے کہ حجر بن عدی اور ان کے اصحاب جب قتل ہوگئے تو اہل کوفہ نے اس کو ایک مصیبت عظیم سمجھا اور کچھ لوگ معززین اہل کوفہ میں سے آپ کے پاس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ امام حسینؑ نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا اور بے حد متاثر ہوئے،

---

[1] طبری ۶: ۱۴۳

[2] سیر الصحابہ ج ۷ ص ۴۹

اس وقت مروان بن حکم مدینہ کا گورنر تھا اس کو جب یہ خبر پہنچی تو معاویہ کو اطلاع دی کہ "اہل کوفہ میں مذہبی سخت برہمی کے آثار ہیں۔ اور حسینؑ بن علیؑ کے پاس ان کا اجتماع ہوتا ہے۔ معاویہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ حسینؑ بن علیؑ سے کوئی تعرض نہ کرو۔ ساتھ ہی امام حسینؑ کو اس نے حسب ذیل خط لکھا:

اما بعد فقد انتهت الی امور عنك لست بها حريا لان اعطی صفقه يمينه جدير بالوفاء فاعلم رحمك الله انی متی انكرك تستنكرنی ومتی تكدنی اكدك فلا يستفزنك السفهاء الذين يحبون الفتنة والسلام۔ [1]

اما بعد! مجھ کو آپ کی بابت ایسی خبریں پہنچی ہیں جو آپ کی شان کے شایاں نہیں اس لیے کہ عہد کرنے کے بعد اس کا ایفا ضروری ہوتا ہے، پس (اللہ آپ پر رحم کرے) یہ جان لیجیے کہ اگر کسی وقت میں آپ کا انکار کروں تو آپ بھی میرا انکار کریں، اور جب آپ میرے ساتھ کوئی کید کریں گے تو میں بھی کید سے جواب دوں گا، پس آپ بیوقوف لوگوں کے کہنے میں نہ آئیں جن کا مقصد صرف فتنہ انگیزی ہے۔

اس خط کے جواب میں امام حسینؑ نے ایک طولانی خط معاویہ کو لکھا ہے جو مختلف کتب تواریخ میں ملتا ہے جس سے آپ کے تاثرات کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

اما بعد فقد بلغنی كتاب تذكر فيه انه انتهت اليك عنی امور انت لی عنها راغب وانا بغيرها عندك جدير وان الحسنات لا يهدی لها ولا يسدد اليها الا الله تعواما ما ذكرت انه رقی اليك عنی فانه انما رقاه اليك الملاقون المشاؤون بالنميمة المفرقون بين الجمع، وكذب الغاوون ما اردت لك حربا ولا عليك خلافا وانی لاخشی الله فی ترك ذلك منك ومن الاعذار فيه اليك والی اوليائك القاسطين الملحدين حزب الظلمة واولياء الشيطن۔ الست القاتل حجر بن عدی اخا كندة واصحابه المصلين العابدين كانوا ينكرون الظلم ويستفظعون البدع ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر ولا يخافون فی الله لومة لائم ثم قتلتهم ظلماً وعدوانا من بعد ما اعطيتهم الايمان المغلظة والمواثيق المؤكدة جرأة علی الله واستخفافا بعهده۔ اولست القاتل عمر بن الحمق صاحب رسول الله ﷺ العبد الصالح الذی ابلته العبادة فنحل جسمه واصفر لونه فقتلته بعد ما امنته واعطيته من العهود مالو فهمه العصم نزلت من رئوس الجبال۔ اولست بمدعی زياد بن سمية المولود علی فراش عبيد ثقيف فزعمت انه ابن ابيك فقد قال رسول الله الولد للفراش وللعاهر الحجر فتركت سنته رسول الله تعمدا واتبعت هواك بغير هدی من الله ثم سلطه علی اهل الاسلام يقتلهم ويقطع ايديهم وارجلهم كانك لست من

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۸

هذه الامة وليسو منك ۔ الست قال الحضر ميين الذين كتب اليك فيهم زيادا نهم على دين على فقتلهم ومثل بهم بامرك ودين ابن عمه الذي اجلسك مجلسك الذي انت فيه ولولا ذلك لكان شرفك وشرف آبائك تجشم الرحلتين رحلة الشتاء والصيف وقلت فيما قلت، انظر لنفسك ولدينك ولامته محمد ﷺ افضل من ان احاهدك فان فعلت فانه قربه الى الله وان تركته فاني استغفر الله لديني واسئله توفيقه لارشاد امري وقلت فيما قلت انى ان انكرتك تنكرني وان اكدك تكدني فكدني ما بدا لك فاني ارجوان لا يضرني كيدك وان لا يكون على احد اضر منه على نفسك لانك قد ركبت جهلك وتحرصت على نقض عهدك ولعمري ما وفيت بشرط ولق نقضت عهدك بقتل هولاء النفر الذين قتلتهم بعد الصلح والايمان والعهود والمواثيق فقتلتهم من غيران يكولوا قاتلو وقتلوا ولم تفعل بهم الا الذ كرهم فضلنا وتعظيمهم لولم تقتلهم مت قبل ان يفعلو وما توا قبل ان يديكوا فابشر يا معاوية بالقصاص واستيقن بالحساب واعلم ان الله تعالى كتاباً لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصٰهلوليس الله بناس لاخذك باظنة وقتلك اولياء على التهم ونفيك اولياء من دورهم الى دارا اخربة واخذك للناس ببيعة ابنك غلام حدث يشرب الشراب يلعب بالكلاب ما اراك الا قد خسرت نفسك وتبرت دينك وغششت رعتيك واخربت امانتك وسمعت مقالة السفيه الجاهل واخفت الورع التقي والسلام۔ [1]

اما بعد! مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ میرے بارے میں تم کو کچھ ایسی خبریں پہنچی ہیں جو تمہاری نظر میں میرے لیے ناپسندیدہ ہیں اور جن کا نہ ہونا زیادہ بہتر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نیکی کی طرف ہدایت دینے والا اور اپنی توفیق میں شامل حال کرنے والا صرف خدا ہے۔ اور تم نے جو یہ لکھا ہے کہ تم تک میرے متعلق کچھ باتیں پہنچی ہیں تو تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ باتیں تم تک چغل خور، پھوٹ ڈالنے والے، جھوٹے اور گمراہ لوگوں نے پہنچائی ہیں۔ میرا نہ تم سے کوئی جنگ کا ارادہ ہے نہ تمہارے خلاف کسی اقدام کا، حالانکہ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے میں خدا سے ڈرتا ہوں کہ میں نے تمہارے مقابلہ میں اور تمہارے ان ستمگار اور لامذہب ساتھیوں کے مقابلہ میں جو ظالموں کا جتھا اور شیطان کے پیرو ہیں پوری پوری کوشش کیوں نہیں کی، اے معاویہ! کیا تم حجر بن عدی کندی اور ان کے عبادت گزار اور نمازی اصحاب کے قاتل نہیں ہو، جو ظلم سے انکار کرتے تھے اور بدعتوں کے مخالف تھے، اچھی باتوں کا حکم دیتے تھے اور منکرات سے منع کرتے تھے اور خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے، پھر تم نے انہیں سخت قسم کے عہد و پیمان کرنے اور ٹھوس وعدے کرنے کے باوجود خدا پر جرأت کر کے اور اس کے عہد کو خفیف سمجھ کر محض از راہ ظلم و جور شہید کر ڈالا۔

---

[1] کتاب الامت والسیاست ص ۱۶۸، رجال کشی ص ۳۲، ۳۳، ۳۴

کیا تم عمرو بن حمق کے قاتل نہیں؟ جو رسول اللہؐ کے صحابی اور اللہ کے نیکوکار بندے تھے جن کو عبادت نے اتنا لاغر کر دیا تھا کہ ان کا جسم کاہیدہ اور رنگ زرد ہو گیا تم نے انہیں امان دینے اور سخت و شدید وعدے کرنے کے بعد کہ اگر وہ وعدے بز کوہی سے بھی کیے جاتے تو وہ بھی پہاڑ چھوڑ کر نیچے اُتر آتے، قتل کیا۔

کیا تم نے زیاد بن سمیہ کو جو ثقیف کے غلام کے گھر پیدا ہوا تھا بھائی نہیں بنایا؟ حالانکہ رسولؐ اللہ کی حدیث ہے کہ لڑکا شوہر کے لیے ہے اور زنا کار کے لیے پتھر تم نے عمداً شریعت پیغمبرؐ سے گریز کیا اور اپنی خواہشات کا اتباع کیا اور اس میں خدا کی طرف سے تم مطلق ہدایت پر نہیں تھے۔ پھر اسی پر تم نے اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کو (زیاد) تم نے مسلمانوں پر مسلط کر دیا کہ وہ انہیں قتل کرے ان کے ہاتھ پیر کاٹے، ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائے اور درخت خرما پر پھانسی چڑھائے ایسلئے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تم اس امت سے ہو ہی نہیں اور نہ یہ امت محمدیؐ تم سے کوئی سروکار رکھتی ہے۔

کیا تم نے حضری جماعت کو قتل نہیں کیا جس کے متعلق زیاد نے تم کو لکھا تھا کہ وہ علیؑ کے دین پر ہے تو تم نے لکھا کہ جو بھی علیؑ کے دین پر ہو اسے قتل کر ڈالو اور ان کا مثلہ کیا (ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک کاٹے) حالانکہ علیؑ کا دین بعینہ محمد مصطفیؐ کا دین ہے وہ محمد مصطفیؐ جن کی وجہ سے آج تم اس جگہ پر بیٹھے ہو اگر وہ نہ ہوتے تو تمہاری اور تمہارے آباؤ اجداد کی عزت بس پھیریاں لگاتی ہوتی جاڑے کی پھیری اور گرمی کی پھیری اور تم نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ذرا اپنے اور اپنی مذہبی رایوں کے متعلق خوب غور کر لیں میں نے یقیناً غور کیا، میری نظر میں اپنے لیے اور اپنی مذہبی مفاد اور امت حضرت محمد مصطفیؐ کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں کہ جہاں تک ہو سکے میں تمہارا مقابلہ کروں۔ اب اگر میں نے ایسا کیا تو میرے لیے رضائے الٰہی کا ذریعہ ہوگا اور اگر اسے ترک کیا تو پھر خدا سے مجھے اپنی مذہبی فرض کی بناء پر طالب مغفرت ہونا پڑے گا اور اسی سے میری درخواست ہے کہ وہ مجھے صحیح طریقہ کار اختیار کرنے کی توفیق دے اور تم نے جو اپنی تحریر میں مجھے دھمکایا ہے کہ اگر میں تمہاری مخالفت کروں گا تو تم بھی مخالفت سے جواب دو گے اور میں کوئی فریب کروں گا تو تم بھی فریب کرو گے اچھا تو پھر جیسا چاہے میرے ساتھ فریب کر لو مجھے امید ہے کہ تمہارے فریب سے مجھے کوئی ضرور نہ پہنچے گا اور سب سے زیادہ اس کا نقصان تم ہی کو پہنچے گا۔ اس لیے کہ تم جہالت کی سواری پر سوار ہو، اپنے عہد کے توڑنے کی فکر میں ہو اور میں زندگی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے ایک شرط بھی پوری نہیں کی اور تم اپنا عہد توڑ چکے ان لوگوں کو قتل کر کے جو تمہارے ساتھ مصالحت کر چکے تھے اور جن کو امان دینے کی تم نے قسمیں کھائی تھیں اور عہد و پیمان کیے تھے تم نے بغیر اس کے کہ وہ تمہارے خلاف کوئی اقدام کریں یا کسی کو قتل کریں، انہیں قتل کر ڈالا اور تم نے ان کے ساتھ یہ سلوک صرف اس جرم میں کیا کہ وہ ہمارے فضائل بیان کرتے تھے اور ہمارے حقوق کا احترام کرتے تھے۔ تم

نے انہیں صرف ایسے خطروں کی بنا پر قتل کیا کہ اگر تم انہیں قتل بھی نہ کرتے تو شاید تمہاری زندگی بھر وہ خطرات رونما ہوتے یا ممکن تھا کہ اس قسم کے اقدامات سے پہلے وہ مرجاتے اب تمہیں مبارک ہو کہ ان کا قصاص تم سے ضرور لیا جائے گا اور تمہیں آخرت کی باز پرس کا یقین رکھنا چاہیے اور معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے پاس ایک کتاب ہے جس میں کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں جو نہ لکھا جاتا ہو اور اللہ تمہارے ان افعال کو بھولنے والا نہیں ہے کہ تم نے دوستان خدا کو بے بنیاد الزامات پر قتل کیا اور انہیں ان کے گھروں سے جلا وطن کر کے پردیس میں پہنچا دیا اور لوگوں کو اپنے گمراہ لڑکے کی بیعت کے لیے مجبور کیا جو شراب پیتا ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نے اپنے کو بڑے خسارہ میں مبتلا کر رکھا ہے اور اپنے دین کو تباہ و برباد کر دیا ہے، تم نے اپنی رعایا سے کھوٹ کی اور اپنے امانت داروں کو رسوا کیا اور جاہل احمقوں کی باتوں پر عمل کیا ہے نیز متقی اور پرہیزگار افراد کو خوف و دہشت میں ڈال دیا ہے۔ والسلام۔

ام المومنین حضرت عائشہ

استیعاب میں ہے کہ حضرت عائشہ کو جب حجر اور ان کے اصحاب کی گرفتاری کی خبر معلوم ہوئی تو اسی وقت انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ حجر اور ان کے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈریں لیکن عبدالرحمٰن اس وقت پہنچے جب حجر اور ان کے پانچ ساتھی قتل ہو چکے تھے۔ عبدالرحمٰن نے معاویہ سے کہا کہ حجر اور ان کے اصحاب کے بارے میں ابوسفیان سے ورثہ میں ملنے والا حلم کہاں چلا گیا تھا تم نے ان کو قید کر دیا ہوتا یا کسی وبائی مقام میں بھیج دیا ہوتا۔ معاویہ نے جواب دیا اس وقت میری قوم میں تمہارے ایسے مشورہ دینے والے موجود نہ تھے عبدالرحمٰن نے کہا خدا کی قسم اب اہل عرب نہ تم کو حلیم سمجھیں گے اور نہ صاحب عقل۔ تم نے ایسے لوگوں کو قتل کیا جو مسلمان تھے اور تمہارے پاس قید کر کے بھیجے گئے تھے معاویہ نے جواب دیا میں مجبور تھا زیاد نے مجھے ان کے بہت سخت حالات لکھے تھے کہ عنقریب یہ لوگ ایسا رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں جس میں پیوند نہ لگ سکے گا۔ [۱]

اس کے بعد معاویہ مدینہ آئے اور ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سب سے پہلی گفتگو جو ان سے ہوئی ہے وہ حجر کے بارے میں تھی اس گفتگو نے یہاں تک طول کھینچا کہ معاویہ نے کہا اچھا پھر چھوڑ دیجیے مجھے اور حجر کو یہاں تک کہ ہم دونوں اپنے رب سے جا ملیں۔ [۲]

مسروق بن اجدع کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ کو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے فرمایا "اگر معاویہ کو احساس ہوتا ہے کہ اہل کوفہ میں کچھ بھی غیرت اور حمیت ہے تو وہ کبھی حجر اور ان کے اصحاب کو گرفتار کر کے شام

---

[۱] استیعاب ۱: ۱۳۴

[۲] استیعاب ۱: ۱۳۴، اسد الغابہ ۱/ ۳۸۶

بجھوانے اور قتل کرنے کی جرأت نہ کرتا لیکن جگر خوارہ کے لڑکے کو معلوم ہے کہ آدمی فنا ہو چکے ہیں، خدا کی قسم یہ لوگ اپنی علمی طاقت اور فقہی قابلیت کے لحاظ سے عرب کے سر اور دماغ سمجھے جاسکتے ہیں۔

اس کے بعد لبید کے دو شعر پڑھے:

ذھب الذین لعاش فی اکنافھم

وبقیت فی خلف کجلد الاجرب

لا ینفقون ولا یرجے خیرھم

ویعاب قائلھم وان لم یشغب

گزر گئے وہ لوگ جن کی پناہ میں زندگی بسر کی جاتی تھی اور میں اب ایسے پسماندہ افراد میں رہ گیا ہوں جو خارشی اونٹ کی کھال کے مثل ہیں نہ تو ان سے کوئی فائدہ ہے نہ ان سے کسی چیز کی توقع جب وہ بات کرتے ہیں تو عیوب سے بھری ہوئی ہوتی ہے چاہے وہ شور وغل برپا نہ کریں۔ [۱]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب معاویہ حج کے لیے مدینہ آئے تو ام المومنین حضرت عائشہ کے پاس گئے ام المومنین نے ان سے کہا "معاویہ! تم کو اس کا خوف نہیں ہوا کہ میں نے کسی آدمی کو اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے خون کا بدلہ، لینے کے لیے چھپا دیا ہو۔ عرض کیا میں بیت الامان میں آیا ہوں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا "تم کو حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کرنے میں خدا کا خوف نہیں ہوا۔ معاویہ نے کہا ان کو ان لوگوں نے قتل کیا جنہوں نے ان کے خلاف شہادتیں دیں۔ [۲]

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس موقع پر ام المومنین نے ان سے پردہ کیا اور فرمایا کہ اب کبھی میرے پاس نہ آنا لیکن معاویہ برابر ملاطفت کرتے رہے مجبور ہو کر انہوں نے آمدورفت کی اجازت دے دی اور حجر کے قتل کے بارے میں بہت کچھ اُن کو ملامت کی۔ معاویہ نے عذر خواہی کی یہاں تک کہ ام المومنین نے ان کا عذر قبول کر لیا۔

آپ فرمایا کرتی تھیں کہ اگر بے وقوف لوگ ہم پر غالب نہ آجاتے تو میرے اور معاویہ کے مابین قتل حجر کی بناء پر عظیم اختلاف کھڑا ہو جاتا۔ [۳]

طبری میں ہے کہ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا کہ جب ہم کسی چیز کو متغیر کرتے ہیں تو اس سے زیادہ مشکلات ہم پر الٹ پڑتے ہیں جن میں ہم پہلے تھے تو ہم ضرور حجر کے قتل کو متغیر کر دیتے قسم بخدا جہاں تک

---

[۱] استیعاب ج ا ص ۱۳۵

[۲] استیعاب ج ا ص ۱۳۵

[۳] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۵۵

میرا علم ہے حجر پکے مسلمان اور حج وعمرہ بجالانے والے تھے۔ [1]

مؤلف سیر الصحابہ لکھتے ہیں:

''اہل بیت نبوی میں حجر کی بڑی وقعت تھی چنانچہ حضرت عائشہ نے جس وقت ان کی گرفتاری کی خبر سنی تھی اسی وقت انہوں نے عبدالرحمان بن حارث کو معاویہ کے پاس دوڑایا تھا کہ وہ حجر اور ان کے رفقاء کے بارے میں خدا کا خوف کریں لیکن یہ اس وقت پہنچے جب حجر قتل ہو چکے تھے پھر بھی انہوں نے معاویہ کو بڑی ملامات کی معاویہ نے جواب دیا میں کیا کرتا زیاد نے ان کی بڑی شکایات لکھی تھیں اور لکھا تھا کہ عنقریب یہ لوگ ایسا رخنہ پیدا کر دیں گے جس میں پیوند نہ لگ سکے گا۔ [2]

عبداللہ بن عمر

نافع کی روایت ہے کہ ابن عمر بازار میں تھے جب اُن کو حجر کے قتل کی خبر ملی تو بے چین ہو گئے، اُٹھ کھڑے ہوئے اور چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ [3]

حسن بصری

حسن بصری کے سامنے جب حجر بن عدی کے قتل کا ذکر ہوا تو انہوں نے کہا وائے ہو اُس پر جس نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ [4]

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

قال الحسن البصری اربع خصال کن فی معاویة لو لم تکن فیه الا واحدة لکانت موبقة۔

حسن بصری کہا کرتے تھے کہ معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہوتی تو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھی۔

(۱) انتزائه علی هذه الامة بالسیف حتیٰ اخذ الامر من غیر مشورة وفیهم بقایا الصحابة وذوو الفضلیة۔

(۱) اس امت پر تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کرنا یہاں تک کہ بغیر مسلمانوں کو مشورہ کے خلافت پر قبضہ کر لیا

---

[1] طبری ۶:۱۵۶

[2] سیرۃ الصحابہ ج ۷ ص ۴۹

[3] اسد الغابہ ۱:۳۸۶ اصابہ ا:۳۲۹

[4] استیعاب ۱/۳۵

حالانکہ اس وقت باقیماندہ صحابہ اور صاحبان فضیلت لوگ موجود تھے۔

(۲) واستخلافه بعده ابنه سكيراً خميراً يلبس الحرير ويضرب بالطنابير۔

(۲) اپنے بدمست اور شراب خور بیٹے کو جو حریر کا لباس پہنتا اور طنبورہ بجاتا تھا اپنا جانشین بنانا۔

(۳) وادعائه زياداً وقد قال رسول الله الولد للفراش وللعاهر الحجر۔

(۳) زیاد کو اپنے نسب میں داخل کرنا حالانکہ حدیث نبویؐ الولد للفرش الخ اس کے خلاف نص صریح ہے۔

(۴) وقتله حجراً واصحاب حجر فيا ويلا له من حجر ويا ويلا له من حجر واصحاب حجر۔ [۱]

(۴) حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو قتل کرنا پس حجر اور ان کے اصحاب کے قتل سے اس پر حیف ہے اور صد حیف ہے۔

ربیع بن زیاد حارثی

معاویہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے۔ بنی امیہ کے ہوا خواہوں میں تھے لیکن حجر بن عدی کے قتل سے بے حد متاثر ہوئے۔

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

ربیع کو جب حجر کے قتل کی خبر ملی تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"خداوندا! اگر ربیع کے لیے تیرے نزدیک کچھ بہتری ہے تو جلد اس کی روح کو قبض فرمالے۔" ابھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے تھے کہ روح پرواز کرگئی۔

ابن خلدون نے اس روایت کو اس طرح لکھا ہے۔

ربیع کو جس وقت خراسان میں حجر کے قتل کا حال معلوم ہوا تو سکتہ سا ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولے۔ "عرب ہمیشہ حجر کے بعد اسی طرح قتل کیا جائے گا اگر وہ لوگ حجر کے قتل سے رُک جاتے تو اپنے کو قتل عام سے بچا لیتے، لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور ذلیل ہوگئے۔ اس کے بعد جمعہ کا دن آیا تو لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا۔ "میری عمر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ہے میں کچھ دعا کروں گا تم سب آمین کہنا۔" چنانچہ بعد نماز جمعہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

اللهم ان كان لى عندك خير فاقبضني عاجلاً [۲]

لوگوں نے ہدایت کے مطابق آمین کہا دعا کرکے مسجد سے باہر نکلے ابھی کپڑے تک نہ سنبھالنے پائے تھے کہ

---

[۱] تاریخ کامل ۳:۲۰۹

[۲] ابن خلدون ۳:۱۴

زمین پر گر پڑے ہوش آیا تو اپنے لڑکے عبداللہ کو اپنا نائب کیا اور اُسی روز انتقال کر گئے۔

عام مسلمانوں کے اثرات

طبری میں ہے:

قال ابو مخنف حدثنی ذکریا بن ابی زائدہ عن ابی اسحٰق قال ادرکت الناس وھم یقولون ان اول ذل دخل الکوفہ موت الحسن بن علی وقتل حجر بن عدی ودعوۃ زیاد۔ [1]

ابومخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے زکریا بن ابی زائدہ نے انہوں نے ابواسحاق سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ پہلی ذلت جو کوفہ میں داخل ہوئی وہ حسن بن علیؑ کی موت اور حجر بن عدی کا قتل نیز معاویہ کا زیاد کو اپنا بھائی بنانا۔

حجر بن عدی کے قتل پر ایک نظر

حجر بن عدی پر عام طور سے بغاوت کا الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حکومت کے خلاف ایک جماعت پیدا کر کے اس کا تختہ اُلٹنا چاہا اس لیے امن و امان قائم کرنے کی غرض سے ان کا قتل ضروری تھا۔

یہ ایک ایسا خیال ہے جس کی کوئی بنیاد تاریخ میں نہیں ملتی اور جو عامہ اہل اسلام کے مسلک کے قطعاً منافی ہے بلکہ اس کے برعکس واقعات یہ بتاتے ہیں کہ حجر بن عدی کا بجز اس کے اور کوئی جرم نہ تھا کہ وہ نیک تھے اور نیکی کو پسند کرتے تھے خلاف کتاب وسنت امور کو دیکھ کر ان کو تکلیف ہوتی تھی البتہ خانوادۂ رسالت سے جو ان کو وابستگی تھی اس کی بنا پر علیؑ اور آل علیؑ پر سب وشتم سننا ان کی طاقت سے باہر تھا ادھر حکومت کا رویہ اس معاملہ میں اتنا متشدد نہ تھا کہ اس کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ منبروں پر علی الاعلان حضرت علیؑ کو گالیاں دی جائیں۔ اور اس غرض سے عموماً کلیدی عہدوں کے لیے ایسے ہی اشخاص کو چنا جاتا تھا جنہیں حکومت کے اس مقصد کو پورا کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہو چنانچہ ۴۱ھ میں مغیرہ بن شعبہ کو جب کوفہ کی گورنری دینے کے لیے بلایا گیا ہے تو پہلی ہدایت اس کو یہی کی گئی کہ علیؑ پر سب وشتم کرنے اور عثمان کے لیے طلب مغفرت و رحمت کرنے میں کوئی کمی نہ کی جائے چنانچہ مورخ طبری لکھتے ہیں:

ان معاویۃ بن ابی سفیان لما ولی مغیرۃ بن شعبہ الکوفہ فی جمادی ۴۱ھ دعاہ فحمد اللہ واثنی علیہ قال اما بعد... وقد یجزی عنك الحکیم بغیر التعلیم وقد اردت ایصاءك باشیاء کثیرۃ فانا تارکھا اعتمادا علی بصرك بما یرضینی ویسعد سلطانی ویصلح بہ رعیتی ولست تارکا ایصاءك بخصلۃ لا تتحم عن شتم علی وذمہ والترحم علی عثمان والاستغفار لہ والعیب علی اصحب علی

---

[1] طبری ۶:۱۵۶

والاقصاء لهم وترك الاستماع منهم وباطراء شيعة عثمان رضوان الله عليه والادناء لهم والاستماع منهم. [1]

"جمادی ۴۱ھ میں جب معاویہ بن ابی سفیان نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا والی بنایا ہے تو اس کو بلا کر حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا: مرد عاقل بات کو بغیر کہے ہوئے سمجھ لیتا ہے، میرا ارادہ تھا کہ بہت سی باتیں تم کو سمجھاؤں مگر میں ان سب کو اس لیے چھوڑے دیتا ہوں کہ تمہاری بصیرت و دانائی پر مجھے اعتماد ہے تم کو معلوم ہے کہ کن باتوں میں میری خوشنودی، میری سلطنت کی ترقی، اور میری رعیت کی بہتری ہے البتہ ایک امر کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا وہ یہ ہے کہ علیؑ کو گالیاں دینے، ان کی مذمت کرنے، اور عثمان کے لیے طلب مغفرت و رحمت کرنے، نیز اصحاب علی کی عیب جوئی اور ان کو اپنے سے دور رکھنے اور ان کی بات نہ سننے میں اس کے برخلاف شیعیانِ عثمان کی مدح وثنا اور ان کے ساتھ مل کر رہنے اور ان کی بات مان لینے میں تم کو قاتل نہ کرنا چاہیے۔"

حکومت کی اس پالیسی کا اثر تھا کہ مغیرہ اپنے تمام دور حکومت میں اس پر شدت کے ساتھ عامل رہے جیسا کہ شعبی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سات برس اور چند ماہ کوفہ پر حکومت کی، امن و عافیت کے دل سے خواہاں تھے مگر علیؑ کو برا کہنا اور ان کی مذمت کرنے کو انہوں نے کبھی ترک نہیں کیا۔ [2]

یقیناً حکومت کا یہ رویہ آئینی طور سے سراسر غلط تھا اس کو شیعیانِ علیؑ کے جذبات ان کے نظریات کا احترام کرنا ضروری تھا جیسا کہ آج بھی ہم ہر جمہوری حکومت میں دیکھتے ہیں۔ اس پر حجر بن عدی کو اپنے حکام سے اگر اختلاف ہوا تو ان پر کون سا جرم عائد کیا جاسکتا ہے بلکہ آئینی طور سے حکومت کے ارباب حل وعقد اپنی اس پالیسی میں مجرم قرار پاتے ہیں جو سراسر جمہوری اصولوں کے خلاف ہے۔

دوسری بات جو اس سلسلے میں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ حجر بن عدی اپنے حکام کے ساتھ جسارت سے پیش آتے تھے اور بات بات پر ان کو ٹوکتے تھے مثلاً تاخیر نماز کی بابت زیاد کو برسر منبر ٹوکنا یا عمر بن حریث کو سب علیؑ پر ملامت کرنا۔

تیسرا واقعہ جس سے اس خیال کو کم وبیش تقویت دی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ معاویہ نے کوفہ کے بیت المال سے جب کچھ مال منگوایا ہے تو حجر بن عدی اونٹ کی مہار پکڑ کے کھڑے ہوگئے اور مغیرہ سے کہا "یہ مال اس وقت تک نہیں جاسکتا جب تک صاحبان حقوق کو ان کا حق نہ دے دیا جائے۔

---

[1] طبری ۶: ۱۴۱

[2] طبری ۶: ۱۴۲

مذکورۂ بالا چند واقعات کے علاوہ تاریخ میں اور کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جس کو ان کے اسباب قتل میں قرار دیا جائے لیکن یہ تمام وہ باتیں ہیں جن کو ممکن ہے کہ ڈکٹیٹرشپ تو برداشت نہ کر سکے لیکن ایک وہ حکومت جو اسلامی حکومت کہلانے کی مدعی ہو اور جس کی بنیاد جمہوری اصولوں پر ہو اس کو دیکھتے ہوئے عوام کے ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلاف کتاب وسنت امور پر اپنے حکام کو متنبہ کرے آج اس لادینی اور غیر مذہبی حکومت کے اندر بھی ہر شخص کو آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کے اظہار کا حق حاصل ہے، معمولی سے معمولی آدمی حکومت پر سخت سے سخت تنقید کرتا ہے لیکن حکومت نہایت فراخ دلی سے اس کو برداشت کرتی ہے اور کوئی قانونی دفعہ اس پر عائد نہیں کرتی محمود زمانۂ خلافت ثانیہ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں۔

خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب جن کا اقتدار اس وقت کی اسلامی دنیا میں زیاد اور معاویہ سے کہیں زیادہ تھا، ایک معمولی سی بڑھیا ان کو خلاف کتاب اللہ ایک حکم دینے پر مجمع عام میں ٹوک دیتی ہے۔ اور وہ ان الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں۔ ”کل الناس افقه من عمر حتی العجائز“ (تمام لوگ عمر سے زیادہ فقہ جانتے ہیں یہاں تک کہ بوڑھی عورتیں بھی۔

اسی طرح دوسرا واقعہ جو عام طور پر تاریخ وسیر میں پایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ عمر رات کے وقت گشت لگا رہے تھے کہ ایک گھر سے کچھ گانے بجانے کی آواز آئی، عمر درانہ گھر میں داخل ہو گئے دیکھا کہ ایک شخص ایک عورت کے ساتھ لہو ولعب میں مصروف ہے انہوں نے اس کو لعنت ملامت کی وہ شخص نہایت ہمت کے ساتھ جواب دیتا ہے کہ میں تو ایک ہی گناہ کا مرتکب ہوا ہوں مگر آپ نے بیک وقت تین گناہوں کا ارتکاب کیا خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ”لا تجسسوا“ لوگوں کے احوال کا تجسس نہ کرو۔ آپ نے تجسس فرمایا۔ پھر خدا فرماتا ہے ”واتوا البیوت من ابوابها“ گھروں میں دروازہ کے ذریعہ سے داخل ہو، آپ دیوار پھاند کر آئے، خدا فرماتا ہے ”لا تدخلوا بیوتاً حتیٰ تستأنسوا وتسلموا علیٰ اهلها“ گھروں میں جب داخل ہو پہلے گھر والوں کو سلام کرو آپ بغیر سلام کے داخل ہو گئے۔

ان واقعات کی روشنی میں حجر بن عدی کا خلاف کتاب وسنت امور پر اپنے حکام کو ٹوکنا کوئی جرم نہ تھا بلکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اپنے ایک مذہبی فریضہ کی انجام دہی میں قاصر سمجھے جاتے جو شریعت اسلامیہ کی طرف سے ان پر عائد ہوتا تھا اس سے تو ان کے جذبۂ خلوص اور جذبۂ حمایت حق کا پتہ چلتا ہے نہ کہ بغاوت اور تمرد کا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ان امور کے باوجود بھی حجر نے کسی وقت جماعت سے علیحدگی کا اعلان نہیں کیا اور نہ کبھی وہ حکومت کے حریف بن کر میدان میں آئے بلکہ آخر وقت تک وہ یہی کہتے رہے کہ میں اپنی بیعت پر قائم ہوں۔ سب سے پہلے جب زیاد کے روبرو ان کو گرفتار کر کے لایا گیا ہے تو انہوں نے ان الفاظ میں اپنی صفائی پیش کی ہے:

مما خالعت طاعة ولا فارقت جماعة وانی لعلی بیعتی۔

میں نے نہ اطاعت ترک کی ہے نہ جماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے اور میں اپنی بیعت پر قائم ہوں۔

اس کے بعد جب معاویہ کے پاس پہنچے تو معاویہ کے قاصد یزید بن حجیہ کی زبانی بھی یہی کہلا کر بھیجا ہے، جیسا کہ طبری میں ہے:

فقال له حجر ابلغ معاويه انا علی بيعتنا لا نستقيلها ولا نقيلها وانه انما شهد علينا الاعداء والاظناء [1]

حجر نے یزید بن حجیہ سے کہا کہ معاویہ کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دینا کہ ہم اپنی بیعت پر قائم ہیں نہ اس کو توڑنا چاہتے ہیں نہ توڑیں گے اور ہمارے دشمنوں نے ہمارے خلاف یہ گواہیاں دی ہیں۔

یزید بن حجیہ نے حجر کا یہ پیغام معاویہ کو پہنچا دیا۔ جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ ہمارے نزدیک زیاد حجر سے زیادہ سچا ہے،

اسی بنا پر تمام اکابر اسلام بالاتفاق یہ لکھتے ہیں کہ حجر نے بیعت نہیں توڑی تھی۔ تاریخ کامل میں ہے:

لما ولی معاوية زياد العراق وما وراءها واظهر من الغلظة وسوء السيرة ما اظهر خلعه حجر ولم يخلع معاوية [2]

جب معاویہ نے زیاد کو عراق اور دیگر بلاد کا حاکم بنایا تو اس نے سختی اور بدچلنی شروع کر دی حجر نے اس کی بیعت واپس کر دی لیکن معاویہ کی بیعت واپس نہیں کی۔

اصابہ میں ہے:

روی الرویانی والطبرانی والحاکم من طریق ابی اسحق قال رائت حجر بن عدی یقول الا انی علی بیعتی لا اقیلها ولا استقیلها [3]

رویانی اور طبرانی نے ابو اسحاق کے طریقہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حجر بن عدی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے "آگاہ ہو جاؤ کہ میں اپنی بیعت پر قائم ہوں، نہ اس کو توڑنا چاہتا ہوں نہ توڑوں گا۔"

اس کے بعد زیادہ سے زیادہ معاویہ کی برأت کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان شہادتوں سے مجبور ہو گئے جو حجر کے خلاف اُن کے سامنے گزریں اور اس طرح ان کے اس اقدام کو اجتہادی غلطی پر محمول کر سکتے ہیں لیکن ذرا بھی غور

---

[1] طبری ۶: ۱۵۳

[2] استیعاب ۱: ۱۳۵، اسد الغابہ ۱: ۳۸۵

[3] اصابہ ۱: ۳۲۹

سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک خیال ہی خیال ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں، واقعہ یہ ہے کہ ایک مقدس صحابی رسولؐ کے قتل کا مسئلہ ایسا معمولی نہ تھا جو چند غیر ذمہ دار افراد کی گواہیوں پر طے کرلیا جاتا بلکہ اتنا اہم اقدام کرنے کے لیے بہت کچھ غور وفکر کی ضرورت تھی، زیاد جس کی افتادطبع اور بدطینتی سے وہ خود بھی واقف تھے اس کے کہنے پر حجر جیسے نیک سیرت، عابد وزاہد صحابی رسول کا قتل کرادینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جتنی شہادتیں ان کے سامنے گزریں ان سب کے مقابلہ میں تنہا قاضی شریح کی گواہی اور حجر کی موافقت میں ان کے یہ الفاظ۔

انما قلت لزیاد انہ کان صواماً قواماً [1]

(میں نے زیاد سے کہہ دیا کہ حجر بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور راتوں کو عبادت کرنے والے ہیں۔

اپنے مقام پر اتنا وزن رکھتے ہیں جس کے بعد ان تمام شہادتوں کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی اور معاویہ کو پوری طرح مطمئن ہوجانا چاہیے تھا بلکہ تدین اور انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ ان تمام جھوٹی گواہیاں دینے والوں کو آئینی سزا دی جاتی۔

اس کے علاوہ شریح بن ہانی نے ان کو جو خط لکھا ہے اس میں انہوں نے واضح الفاظ میں یہ بتادیا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف گواہوں میں میرا نام بھی لکھ دیا ہے حالانکہ حجر کے بارے میں میری گواہی یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے ہیں حج اور عمرہ کے سختی سے پابند ہیں، نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں ان کا جان مال حکومت پر حرام ہے۔ اب آپ چاہیں تو ان کو قتل کردیں اور چاہیں تو چھوڑدیں۔

اس کے بعد یقینی طور پر انہیں سمجھ لینا چاہیے تھا کہ حجر کے خلاف یہ ایک بنایا ہوا کیس ہے اور حقیقت کچھ نہیں، لیکن اس کے برخلاف روایات یہ بتاتی ہیں کہ شریح کے اس مکتوب کو دیکھنے کے بعد بھی بجائے اس کے کہ زیاد سے کچھ باز پرس کریں دوبارہ اسی سے مشورہ کے لیے رجوع کرتے ہیں جس کا جواب زیاد نے جو ان کو دیا ہے وہ یہ ہے۔

''اگر ملک عراق پر قبضہ رکھنا ہے تو حجر کا قتل ہی ضروری ہے۔''

چنانچہ اسی پر انہوں نے عمل کیا، ان تمام واقعات سے یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہوجاتی ہے کہ حجر کا قتل صرف اس احتمال کی بنا پر تھا کہ مبادا ان کے اقتدار کو کوئی صدمہ پہنچے جس کے لیے وہ موقع کے منتظر تھے۔

---

[1] طبری ج ۶: ۱۵۱

مرثیے

حجر بن عدی کے قتل پر کثرت سے مرثیے کہے گئے ان میں سب سے مشہور مرثیہ ہند بنت زید ایک انصاری عورت کا ہے جس کو قریب قریب تمام مورخین نے نقل کیا ہے:

ترفع ایها القمر المنیر — تبصر هل تریٰ حجراً یسیر
یسیر الیٰ معاویة بن حرب — لیقتلم کما زعم الامیر
تجبرت الجبابر بعد حجر — وطاب لها الخورنق والتسدیر
واصبحت البلاد لها محولا — کان لم یحسها مزن مطیر
الایا حجر حجر بنی عدی — تلقتك السلامة والسرور
اخاف علیك ما اروی عدیا — وشیخاً فی دمشق له زئیر
یریٰقتل الخیار علیه حقاً — له من شرامة وزیر
الایلیت حجر امات موتاً — ولم ینحر کما نحر البعیر
فان یهلك فکل زعیم قوم — من الدنیا الیٰ هلك بصیر

اے چاند تو بلندی پر چمک رہا ہے ذرا دیکھ کیا تجھ کر حجر بھی کہیں چلتا پھرتا نظر آتا ہے؟
وہ (حجر) معاویہ بن حرب کی طرف جارہا ہے تاکہ وہ اس کو قتل کرے جیسا کہ امیر کا گمان ہے۔
حجر کے بعد جابر لوگ خوش ہیں اور خورنق وسدیران کے لیے باعث مسرت بن گئے۔
ان کے ظلم سے شہر اس طرح ویران ہو گئے جیسے ان پر بارش ہی نہیں ہوئی تھی۔
اے حجر! اے بنی عدی کے حجر تجھ کو خوشی اور سلامتی نصیب ہو۔ قسم بخدا میں اس بوڑھے سے تجھ پر خوف کرتی ہوں جو دمشق میں ڈکار رہا ہے۔ جو نیک لوگوں کے قتل کو حق سمجھتا ہے اور جس کا وزیر امت میں بدترین انسان ہے۔
کاش کہ حجر اپنی موت سے مرتا اور اس طرح ذبح نہ کیا جاتا جس طرح اونٹ کو ذبح کیا جاتا ہے۔

خیر حجر ہلاک ہو گیا تو کیا ہر قوم کا زعیم ایک دن موت سے دوچار ہونے والا ہے۔[1]

حسب ذیل دو شعر ایک کندی شاعر کے ہیں بعض لوگوں نے ان کو بھی اسی انصاریہ عورت کی طرف سے منسوب کیا ہے۔

دموع عینی دیمة تقطر	تبکی علی حجر وما تفتر
لوکانت القوم علی اسرة	ماحمل السیف له الاعور

(طبری ۶: ۱۵۷ واغانی ۱۶: ۱۰)

میری آنکھ کے آنسو ایک جھڑی ہیں جو لگی ہوئی ہے حجر پر روتے ہیں میری آنکھ بخل نہیں کرتی۔ افسوس قوم اگر اس کی پیروی کرتی تو یک چشم اس پر تلوار نہ اٹھا سکتا۔

حسب ذیل تین شعر عبیدہ کندی کے ہیں جن میں اس نے محمد بن اشعث کو حجر کے چھوڑ دینے پر عار دلایا ہے۔

اسلمت عمك لم تقاتل دو نه	فرقاً ولولا انت كان منيعاً
وقتلت وافد ال بيت محمد	وسلبت سيافاله ودروعا
لو كنت من اسد عرفت كرامتي	ورايت لی بيت الحساب شفيعاً

(طبری ۶: ۱۶۰)

مرثیہ (عبداللہ بن خلیفہ)

عدی بن حاتم صحابی رسولؐ کو زیاد نے اس شرط پر رہا کیا تھا کہ وہ اپنے ابن عم عبداللہ بن خلیفہ کو شہر سے نکال دیں اور جب تک کوفہ میں میری حکومت ہے وہ یہاں نہ آنے پائیں۔ عدی نے ان کو پہاڑوں میں بھیج دیا وہاں سے وہ ان کو برابر لکھا کرتے تھے کہ مجھے بلوا لیجیے۔ حجر بن عدی کے قتل کی خبر جب ان کو پہنچی تو حسب ذیل مرثیہ لکھا کر بھیجا۔

۱۔ تذكرت ليلى والشبيبة اعصرا	وذكر الصبى برح على من تذكرا
۲۔ وولى الشباب فافتقدت غضونه	فيالك من وجد به حين ادبرا
۳۔ فدع عنك تذكار الشباب وفقده	واساره اذبان منك فاقصرا
۴۔ ربك على الخلان لما تخر منوا	ولم يجدوا عن منهل الموت مصدرا
۵۔ دعتهم منايا هم ومن حان يوم	من الناس فاعلم انه لن يوخرا
۶۔ اولئك كانوا شيعةً لی وموئلا	اذا اليوم القى ذا احتدام مذكرا

[1] طبری ۶: ۱۷۷ و کامل ۳: ۲۰۹

۷۔ اما کنت اهوی بعدهم متحللا — بشیئ من الدنیا ولا ان اعمرا

۸۔ اقول ولا والله انسی ادکار هم — سجیس اللیالی اواموت فاقبرا

۹۔ علی اهل عذرا ء السلام مضاعفا — من الله ولیسق الغمام الکنهورا

۱۰۔ولا قی بهاحجر من الله رحمة — فقد کانا ارضی الله حجرو اعذرا

۱۱۔ ولا وال عطال ملك ودینه — علی منبر حجرا جنیاوی لعمرا

۱۲۔ فیاحجر من للخیل تدمی نحورها — وللملك المغزی اذا ما تغشمرا

۱۳۔ومن صادع بالحق بعدك ناطق — بتقوی ومن ان قیل بالجور غیرا

۱۴۔فنعم لخوالاسلام کنت اوننی — لا طمع ان تولی الخلود و تجرا

۱۵۔وقد کنت تعطی السیف فی الحرب حقه — وتعرف معروفا وتنکر منکرا

۱۶۔فیا اخویعا من همیم عصبتها — ویسر تما لصالحات فأبشرا

۱۷۔ ویا اخوی الخندفیین ابشرا — فقد کنتما حییتما ان تهشرا

۱۸۔ ویا اخوتا من حضرموت و غالب — وشیبان لقلتم حسابا میسرا

۱۹۔ سعدتم فلم اسمع باصوب منکم — حجاجاً لدی الموت لهبلیل واصبرا

۲۰۔ سابکیکم مالاح نجم و غرواك — حمام ببطن الوادیین وقرقرا

۲۱۔ فقلت ولم اظلم اغوث بن طیئ — متی کنت اخشی بینکم ان اسیرا

۲۲۔ کهلتم الا قاتلتم عن اخیکم — وقد ذب حتی مال ثم تجورا

۲۳۔ تفرجتم عنی فغودرت مسلماً — کانی غریب فی ایادٍ واعصرا

۲۴۔ فمن لکم مثلی لدی کل غارةٍ — امن لکم مثلی اذا لباس اصحرا

۲۵۔ فمن لکم مثلی اذالحرب قلصت — واوضع فیها السنیت وشمرا

۲۶۔ فمن لکم مثلی لدی کل غارةٍ — ومن لکم مثلی اذا لباس اصحرا

۲۷۔ اها انا مااداری بأجبال طیئ — طرید اولو شاء الاله لغیرا

۲۸۔ نفانی عدی ظالماً عن مهاجری — رضیت بماشاء الاله وقدرا

۲۹۔ واسلمنی قومی لغیر جنایة — کأن لم یکونو الی قبیلا وسشوا

۳۰۔ فان الف فی داداجبال طیئ — وکانا معانا من عصیروحضرا

۳۱۔ فما كنت اخشى ان ارى متغرباً — لحاالله من لامى عليه و كثرا

۳۲۔ لحاالله قتل الحصر مهن اثلاً — ولا فى الضاء من الشان الموقرا

۳۳۔ ولا فى الردى القول اللذين تخزبوا — علينا وقالو اقيل زوار و منكرا

۳۴۔ دلا يدعنى قوم الغوث بن طيئ — لان دهرهم اشقى بهم وتغيرا

۳۵۔ فلم اغزهم فى المعلمين ولواثر — عليهم عجاجا با لكوبفة اكه را

۳۶۔ فبلغ خليلى ان رحلت مشرقاً — جديله والحيين معناً وبحكدا

۳۷۔ وبنهان والافناء من جلطيئ — ولم اك فيكم ذاالجناء العشورا

۳۸۔ الم تذكر ويوم العذيب التى — اماهكم ان لا ارى الدهر مدبرا

۳۹۔ وكرى على بهران والجمع حاسر — وقتلى الهمام المستميت المسورا

۴۰۔ ويوم جلولاء الوقيعة لم الم — ويوم نهاوند الفتوح وتسترا

۴۱۔ وتنسونى يوم الشريحة والقنا — بصفين فى اكتافهم قد تكسرا

۴۲۔ جزى ربه عنى عدى بن حاتم — برفضى وخذلا فى جزاءً مؤقرا

۴۳۔ اتنسى بلائى سادراياً بن حاتم — عشيه ماغنت عديك حذمرا

۴۴۔ فدا فعت عنك القوم حتى تنابوا — وكنت انا الخصم الا لد العذورا

۴۵۔ فولو اوما قامو مقامى كانما — رأو فى ليثا بالا بأمه مخدرا

۴۶۔ قصرتكم اذ خام القريب والعبط — السرعيدوقد افردت نصرا موذرا

۴۷۔ فكان جزائى ان اجرو بينكم — سهيدا وان اولى الهوان اوسرا

۴۸۔ وكم عدة لى منك انك راجعى — فلم تغن بالميعاد عنى حبترا

۴۹۔ فاصبحت ارئى نسيب طوراوتارة — اهم هر ان داعى الشويهات موهرا

۵۰۔ كانى لم اركب جوادالغارةٍ — ولم اترك القِرنَ الكمى مقطرا

۵۱۔ ولم اعترض بالسيف خيلاًمغيرةٍ — اذا لنكس مشى القهقرى ثمّ جوجرا

۵۲۔ ولم استحث الركض فى اثر عصبة — ميممةٍ عليا سهاس واهبررا

۵۳۔ ولم اذ عر الابلام منى بغاوة — كورد القطائم الجدرت مظفرا

۵۴۔ ولم اوفى خيل تطاعن بالقنا — بقرمدين اور شردين او اغزكندرا

۵۵۔ تلك دهرزال على حميده واصبح لى معروف قد تنكرا
۵۶۔ زلايهد قوميوان كنت غائباً وكنت المضاع فيهم والمكفرا
۵۷۔ ولا خير فى الدنيا ولا العيش لعدهم وكنت عنهم فانى الدارا محصل

۱۔ میں نے لیلیٰ اور جوانی کی راتوں کو مدتوں تک یاد کیا اور جوانی کی یاد، یاد کرنے والے کے لیے سخت ہوتی ہے۔
۲۔ جوانی گزر گئی اور میں نے اس کی شاخوں کو گم کر دیا اُف اس کے گزر جانے کا بھی کتنا رنج ہوتا ہے۔
۳۔ جوانی کی یاد اور اس کے فقدان کے خیال اور اس کے جلد جلد گزرنے کے ذکر کو چھوڑو۔
۴۔ روئے ان دوستوں کو جو تباہ کر دیے گئے اور موت کے گھاٹ سے نکلنے کا انہوں نے کوئی راستہ نہ پایا۔
۵۔ موت نے انہیں بلا لیا اور جس کا وقت آ جاتا ہے سمجھ لو کہ پھر تاخیر نہیں ہو سکتی۔
۶۔ یہی لوگ میرے مددگار اور مصیبت میں میری سپر بن جاتے تھے جب کبھی جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے۔
۷۔ ان کے بعد مجھے دنیا کی کسی شے کی خواہش نہیں ہے نہ اب زندگی کی پرواہ ہے۔
۸۔ میں کہتا ہوں اور قسم بخدا میں کبھی ان کو نہیں بھلا سکتا بجز اس کے کہ میں مر جاؤں اور قبر میں چلا جاؤں۔
۹۔ اہل عذر پر اللہ کا سلام ہو اور باران رحمت ان پر ٹوٹ کر برسے۔
۱۰۔ اسی مقام پر حجر رحمت خدا سے واصل ہوا پس حجر نے اللہ کو راضی کیا اور اس کا عذر قبول کیا گیا۔
۱۱۔ حجر کی قبر پر باران رحمت کے دو ٹکڑے ہمیشہ ہمیشہ سایہ فگن رہیں اور جھڑی لگی رہے روز ندا اور روز محشر تک
۱۲۔ اے حجر! اب خون آلود گھوڑوں اور غازی بادشاہ کا کون ضامن ہوگا جبکہ وہ خشمناک ہو۔
۱۳۔ اے حجر! تیرے بعد کون بمقتضائے تقویٰ حق پر زبان کھولنے والا ہے اور کون ایسا ہے کہ اگر ظلم کا تذکرہ سنے تو اس کے مٹانے پر آمادہ ہو جائے۔
۱۴۔ اے حجر! تم کتنے اچھے برادر ایمانی تھے۔ مجھے امید ہے کہ تم کو خلد میں وہ جگہ دی جائے گی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔
۱۵۔ تم جہاد میں شمشیر زنی کا حق ادا کرتے تھے نیکی کو اچھا اور بدی کو برا سمجھتے تھے۔

۱۶۔اے میرے دو بھائیو! تم باران رحمت میں محفوظ و مامون ہو تم کو تمہارے نیک اعمال کی خوشخبری دی گئی ہے پس اسی سے خوشی حاصل کرو۔

۱۷۔اے میرے دونوں خندقی بھائیو! جو کچھ ہمارے پاس ہے خوش ہو خدا کرے تم ہلاک نہ ہو۔

۱۸۔اے میرے بھائیوں حضر موت و غالب شیبان میں سے خدا تم پر حساب کو آسان کر دے۔

۱۹۔تم لوگوں نے سعادت حاصل کی مرتے مرتے صائب الرائے اور ثابت قدم تم سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا۔

۲۰۔میں تم پر ہمیشہ رویا کروں گا جب تک آسمان پر تارہ چمکے اور باغ میں فاختہ چہچہائے اور قہقہے لگائے۔

۲۱۔اے بنی طے! یہ میرا قول ہے اور غلط نہیں مجھے اس کا خطرہ نہ تھا کہ تمہارے ہوتے ہوئے میں گرفتار کر لیا جاؤں گا۔

۲۲۔تمہارا برا ہو تم نے اپنے بھائی کی طرف سے جنگ نہ کی وہ دفاع کرتے کرتے خود کو نہ سنبھال سکا اور بال آخر گر گیا۔

۲۳۔تم لوگ مجھے چھوڑ کر اس طرح منتشر ہو گئے کہ گویا قبیلہ ایاد واعصر میں میں ایک اجنبی شخص تھا کہ مجھے گرفتار کرا دیا۔

۲۴۔اب ہر ایک مہم میں میرا سا شخص تم کو کون ملے گا جب کبھی رن پڑے گا۔

۲۵۔جب جنگ آستین چڑھائے گی اور حریف جاں باز تر کتازی کرے گا تو مجھ سا کون شخص تمہاری نصرت کو آئے گا۔

۲۶۔پس ہر غارت کے وقت تمہارے لیے مجھ جیسا کون ہے اور سختی کے وقت میری مثل کون ہے؟

۲۷۔میں اس حالت میں ہوں کہ شہر سے نکالا ہوا بنی طے کے پہاڑوں میں پڑا ہوا ہوں اگر اللہ چاہتا تو اس حالت کو بدل دیتا۔

۲۸۔میرے دشمن نے میرے دار الہجرۃ سے مجھے نکال دیا میں اللہ کی مشیت اور اس کی تقدیر پر راضی ہوں۔

۲۹۔میری قوم نے بے گناہ مجھ کو دشمن کے حوالے کر دیا کہ وہ میری برادری اور میرے خاندان ہی کے نہ تھے۔

۳۰۔ اگر میں طے کے پہاڑوں میں کسی مکان میں ہوں اور وہاں شراب اور بالی موالی سب کچھ ہو۔

۳۱۔ تب بھی اس سے میں نہیں ڈرتا کہ وہاں سے دور چلا جاؤں خدا کی بیشمار نعمتیں ہوں اس پر جو اس بارے میں مجھ سے خصومیت کرے۔

۳۲۔ خدا لعنت کرے اہل حضرموت کے سردار بنو وائل پر اور خدا کرے قنانی کو تیز نیزے سے واسطہ پڑے۔

۳۳۔ خدا کرے وہ ہلاک ہوں جو ہمارے خلاف جمع ہوئے ہیں اور جنہوں نے ہمارے بارے میں غلط بیانی اور دروغ بانی کی۔

۳۴۔ ابن طے کی قوم سے اگر زمانہ خلاف ہو کر بدل جائے تو مجھ کو مدد کے لیے نہ پکارے۔

۳۵۔ میں نے ان کے ساتھ جنگ نہیں کی سپاہیوں کو لے کر اور کوفہ میں ان پر تیرہ و تار گرد و غبار کو بلند نہیں کیا۔

۳۶۔ ۳۷۔ اے ہمدم اگر تو مشرق کی طرف سفر کرے تو میرا پیام قوم جدیلہ اور معن اور بحتر کو پہنچا دے۔ اور قوم نبہان کو اور طے کے لوگوں کو کیا میں تم لوگوں میں مستغنی المزاج اور زبردست شخص نہ تھا؟

۳۸۔ کیا تم بھول گئے کہ جنگ عذیب میں تم لوگوں کے سامنے میں نے قسم کھائی تھی کہ میں کبھی پیٹھ نہ پھیروں گا۔

۳۹۔ وہ کہ ان پر حملہ کرنا جب کہ میرے ساتھ والے زرہ پہنے ہوئے بھی نہ تھے اور وہ میرا قتل کرنا اس بہادر مرد کو جو کنگن پہنے ہوئے تھا۔

۴۰۔ وہ جلولاء کا واقعہ جس میں مجھ پر خوف نہیں آنے پایا اور وہ نہاوند اور شوستر کی فتح۔

۴۱۔ وہ میرا لب آب صفین میں جنگ کرنا کہ برچھی میرے دشمنوں کی پشت میں ٹوٹ کر رہ گئی۔

۴۲۔ خدا بھلا کرے عدی بن حاتم کا اور جزا دے کہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور نصرت نہ کی۔

۴۳۔ اے ابن حاتم کیا تم بھول گئے جس رات بنی عدی سے ذرا بھی تمہارا کام نہ نکل سکا اس وقت بیا کانہ میں ہی تمہاری نصرت کے لیے نکلا تھا۔

۴۴۔ میں نے دشمنوں کے ہجوم کو تم پر سے منتشر کر دیا یہاں تک کہ وہ رسوا ہو گئے اور میں نے ثابت کر دیا کہ میں ایک درشت اور سخت حریف ہوں۔

۴۵۔ انہوں نے پیٹھ دکھلا دی اور کوئی میرے سامنے نہ ٹھہر سکا گویا کہ وہ لوگ یہ سمجھے کہ شیر نیستان کا سامنا ہے۔

۴۶۔ میں نے ایسے وقت میں تم لوگوں کی مدد کی کہ جو قریب تھا وہ بزدل ہو چکا تھا اور جو دور تھا وہ اور دور نکل گیا تھا، میں تنہا فتح مند ہوا۔

۴۷۔ اس کا صلہ مجھ کو یہ ملا تھا کہ تم لوگوں کے سامنے مجھے گھسیٹتے ہوئے لے جائیں۔ اور میں ذلیل اور قید کیا جاؤں۔

۴۸۔ تم نے کتنے ہی وعدے مجھ سے کیے کہ مجھ کو بلا لو گے لیکن مجھے ان وعدوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

۴۹۔ اب میری یہ حالت ہے کہ کبھی اونٹنیوں کو چرا رہا ہوں کبھی چرواہے کے ساتھ ساتھ بکریوں کے پیچھے ہر ہر کرتا پھرتا ہوں۔

۵۰۔ گویا میں تاخت و تاراج کرنے کو کبھی گھوڑے پر سوار ہی نہ ہوا تھا۔ نہ میں نے کسی پہلوان کو قتل کیا تھا۔

۵۱۔ نہ میں نے کبھی سواروں کی ترکتاز کو تلوار کھینچ کر روکا تھا جبکہ بزدل اُلٹے پاؤں بھاگ کر چلا اٹھا تھا۔

۵۲۔ نہ میں نے شہر سجاس وابہر کی چڑھائی پر جانے والی فوج کا تعاقب بھی گھوڑے کو ڈپٹا کر کیا تھا۔

۵۳۔ میں نے ایلام کی بستی والوں کو ایک ایسی فوج سے جو مثل طیور کے تھی اضطراب میں بھی نہیں ڈالا تھا اور فتح مند ہو کر واپس بھی نہیں ہوا تھا۔

۵۴۔ کیا قزوین یا شروین میں شہسواروں کے ساتھ برچھیاں مارتے مجھے کسی نے نہیں دیکھا اور کیا میں نے کندر سے جنگ نہیں کی۔

۵۵۔ دنیا کی خوبیوں نے مجھ سے کنارہ کیا اور جو شے اس کی مجھے خوشگوار تھی وہ اب میرے لیے ناگوار ہوگئی۔

۵۶۔ میری قوم والوں کا خدا بھلا کرے اگرچہ میں اب ان میں نہیں ہوں اگرچہ انہوں نے مجھے ضائع کر دیا اور ناسپاسی کی۔

۵۷۔ اگرچہ میں ان سے دور ہوں محصور ہوں ان کے بعد دنیا اور زندگانی دنیا کا کوئی لطف نہیں۔ [1]

---

[1] طبری ۶:۱۵۸

عمرو بن الحمق الخزاعی

نام ونسب

عمرو نام، قبیلہ خزاعہ کے ایک معزز فرد ہیں سلسلہ نسب اس طرح ہے، "عمرو بن الحمق بن الکاہن بن حبیب بن عمرو بن القین بن زراح بن عمرو بن سعد بن کعب بن عمرو الخزاعی الکعبی۔" [1]

صحابیت

آپ کے صحابی رسولؐ ہونے پر تمام ارباب سیر ورجال کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:

قال ابن السکن له صحبة وقال ابو عمرو حاجر بعد الحدیبیة وقیل بل اسلم بعد حجة الوداع والاول [2] اصح۔

ابن سکن کا قول ہے: آپ کو صحابیت رسولؐ کا شرف حاصل ہے اور ابو عمرو کہتے ہیں کہ آپ نے حدیبیہ کے بعد ہجرت کی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ حجۃ الوداع کے بعد اسلام لائے لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:

وقد وقع فی الکنی الحاکم ابی احمد فی ترجمة ابی دائود المازنی من طریق الاموی عن ابن اسحق ما یقتضی ان عمرو بن الحمق شهید بدیاً وانه سقی النبی صلی الله علیه (واله) وسلم بنناً فقال اللهم امتعه بشابه فمرت ثقالون سنة لم یر شعرة بیضاء یعنی استکمل التغانین لا انه عاش بعد ذالك ثمانین [3]

ابو احمد حاکم نے اپنی کتاب الکنیٰ میں ابو داؤد و مازنی کے تذکرہ کے ذیل میں اموی طریق سے ابو اسحق سے ایک روایت درج کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن الحق جنگ بدر میں شریک تھے اور آپ نے ایک مرتبہ رسولؐ

---

[1] اصابہ ۴ / ۲۹۴

[2] اصابہ ۴ / ۲۹۴

[3] اصابہ ۴ / ۲۹۴

اللہ کی خدمت میں پینے کے لیے دودھ حاضر کیا تھا جس پر آپ نے یہ دعا دی تھی خداوندا اس کو جوانی متمتع رکھ اسی دعا کا اثر تھا کہ آپ ۸۰ سال زندہ رہے لیکن کوئی بال سفید نہیں ہوا۔

استیعاب میں ہے:

صحب النبی وحفظ عنه احادیث [۱]

آپ آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے اور ان سے احادیث کو حفظ کیا۔

آپ نہایت عبادت گزار اور مقدس صحابی رسولؐ تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے ایک مکتوب میں جو انہوں نے معاویہ کو تحریر کیا ہے فرماتے ہیں۔

اولست بقاتل عمرو بن الحمق الذی اخلقت واهلت وجهه العبادة فقلته من بعد ما اعطیته من العهود [۲]

اے معاویہ کیا تم عمرو بن الحمق کے قاتل نہیں ہو جو ایسے صالح بندوں میں تھے جن کے چہرے کو کثرت عبادت نے بے رونق کر دیا تھا اور گھلا دیا تھا تو نے ان کو وعدہ امن دینے کے بعد قتل کیا۔

روایت حدیث

آپ نے براہِ راست آنحضرتؐ سے احادیث کی روایت کی ہے اور آپ سے رفاعہ بن شداد بجلی، عبداللہ بن عامر المعاذی۔ جبیر بن نفیر الحضرمی، ابو منصور مولی الانصار نیز دیگر صحابہ و تابعین نے روایت کی ہے۔ [۳]

امام نسائی اور ابن ماجہ نے رفاعہ بن شداد کی سند سے ان سے حسب ذیل حدیث لکھی ہے۔

من امن رجلا علی دمه فقتله فانا بری من القاتل وان کان المقتول کافرا [۴]

عمرو بن الحمق کی سیاسی زندگی

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے انتقال کے بعد آپ شام چلے گئے تھے [۵] اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی البتہ حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت میں کچھ نامعلوم اسباب کی بنا پر پھر کوفہ آ گئے۔ چنانچہ سعید بن العاص جب کوفہ کا گورنر ہو کر آیا اور اس نے روساء شہر اہل قادسیہ سے اپنے مراسم بڑھانا شروع کیے تو ان لوگوں میں جو اس کی صحبت میں

---

[۱] استیعاب ۲/۴۴۰

[۲] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۷۸

[۳] تہذیب التہذیب ۸: ۲۴

[۴] اصابہ ابن حجر عسقلانی ۴: ۲۹۴

[۵] اصابہ ۴: ۲۹۴

حاضر ہوتے تھے عمرو بن الحمق کا نام بھی ملتا ہے، ابن خلدون نے اس کے شرکاء مجلس کی حسب ذیل فہرست دی ہے۔

"مالک بن کعب ارحی، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس نخعی، ثابت بن قیس ہمدانی، جندب بن زہیر غامدی، جندب بن کعب ازدی، عروہ بن الجعد، عمرو بن الحمق خزاعی، صعصہ و زید پسران صوحان، ابن الکواء، کمیل بن زیاد، عمیر بن ضبائی، طلیحہ بن خویلد وغیر ہم۔"

یہ لوگ ہر روز رات کو اس مجلس میں لوگوں کے انساب و ایام عرب اور اسلام کے اخبار بیان کیا کرتے تھے، اسی میں بیشتر طعن و تشنیع تک نوبت پہنچ جاتی تھی، [۱] لیکن بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ یہ صحبتیں زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکیں اور سعید کی آمرانہ ذہنیت اور اقتدار پسندی کی بنا پر جلد ہی اختلافات رونما ہو گئے۔

اس کے بعد مدینہ میں جب حضرت عثمان کے خلاف انقلاب ہوا ہے تو اس مخالف گروہ میں آپ کا نام بھی تاریخوں میں ملتا ہے۔

استیعاب میں ہے:

وكان ممن سار الى عثمان وهو احد الاربعة الذين دخلوا عليه الدار فيما ذكروا ثم صار من شيعة علي [۲]

(عمرو بن حمق) ان لوگوں میں تھے جو حضرت عثمان کی طرف بڑھے اور یہ ان چار آدمیوں میں تھے جو ان کے گھر میں داخل ہوئے جیسا کہ مورخین کا بیان ہے، بعد اس کے وہ علیؑ کے شیعوں میں ہو گئے۔

اصابہ میں ہے:

ثم كان ممن قام على عثمان وشهد مع علي حروبه [۳]

پھر آپ (عمرو بن حمق) حضرت عثمان کے مخالف گروہ میں ہو گئے اور علیؑ کے ہمراہ ان کی تمام جنگوں میں حاضر رہے۔

ابن خلدون کا بیان ہے:

"بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عثمان کے قتل کا بیڑہ اٹھایا تھا وہ کنانہ بن بشیر تجیبی ہیں انہوں نے تلوار چلائی تھی اور عمرو بن حمق نے نیزہ کے چند زخم پہنچائے تھے" [۴]

---

[۱] ابن خلدون ۲: ۱۴۰

[۲] استیعاب ۲: ۴۴۰

[۳] اصابہ ۴: ۲۹۴

[۴] ابن خلدون ۲: ۱۵۰

مذکورہ بالا روایت کامل اور طبری نے بھی اپنی اپنی تاریخوں میں قدرے تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے:

واما عمرو بن حمق فوثب علی عثمان فجلس علی صدرہ وبہ رمق فطعنہ تسع طعنات وقال عمرو فاما ثلاث منھن فانی طعنتھن للّٰہ واما ست فانی طعنتھن ایاہ لما کان فی صدری علیہ[1]

لیکن عمرو بن حمق پس انہوں نے عثمان پر حملہ کیا اور ان کے سینہ پر چڑھ بیٹھے اس وقت ان میں صرف رمق جان باقی تھی عمرو نے نیزے کے نو وار کیے اور کہا ان میں سے تین نیزے تو میں نے اللہ کے لیے مارے ہیں اور چھ اپنی تسکین نفس کے لیے۔

عہد امیر المومنینؑ

عمرو بن حمقؓ، حضرت علیؑ کے پر جوش حامیوں میں تھے۔ چنانچہ باتفاق مورخین آپ ان کے ہمراہ تمام شاہد، جمل وصفین اور نہروان وغیرہ میں شریک رہے ہیں۔[2] جنگ جمل میں اتنی بہادری کے ساتھ جنگ کی کہ مخالفین کے دانت کھٹے ہو گئے۔[3]

اس کے بعد امیر المومنینؑ نے جب شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے اور مہاجرین و انصار کو اپنی ہمراہی کے لیے دعوت دی ہے تو اس وقت بھی عمرو بن حمق آپ کے ساتھ نظر آتے ہیں، اس موقع پر انہوں نے جو تقریر کی ہے اس سے ان کے جوش اور اخلاص کا پورا پورا پتہ چلتا ہے۔

"واللّٰہ یا امیر المومنین انی ما اجبتک ولا بایعتک علی قرابۃ بینی وبینک ولا ارادۃ مال تؤتینہ ولا التماس سلطان ترفع ذکری بہ ولکنی اجبتک بخصال خمس، انک ابن عم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ ووصیہ وابو الذریۃ التی بقیت فینا من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ واسبق الناس الی الاسلام واعظم المھاجرین سھماً فی الجھاد. فلو انی کلفت نقل الجبال الرواسی، ونزح الجور الطوامی حتیٰ یاتی علی یومی فی امر اقوی بہ ولیک وھین وعدوک. ما رأیت انی قد ادیت فیہ کل الذی یحق علی من حقک."

(قسم بخدا، اے امیر المومنین! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں اور آپ کی بیعت کی ہے وہ اس بنا پر نہیں کہ میرے اور آپ کے درمیان میں قرابت ہے نہ اس ارادہ سے کہ آپ مجھے مال اور جاہ و منصب عطا کریں جس کے ذریعہ

---

[1] تاریخ کامل ۳: ۷۵، طبری ۵: ۱۳۲

[2] استیعاب ۲: ۴۴۰

[3] اخبار الطوال ص ۱۶۰

سے میرا ذکر بلند ہو لیکن صرف پانچ خصلتوں کی بنا پر میں آپ کو دوست رکھتا ہوں، آپ رسول ﷺ کے چچا کے بیٹے اور ان کے وصی ہیں اور ان کی اس ذریت کے باپ ہیں جو آج ہم میں باقی ہے اور اسلام کی طرف لوگوں میں سبقت کرنے والے اور مہاجرین میں، جہاد میں سب سے زیادہ حصہ پانے والے ہیں، پس اگر مجھ کو اپنے وہ حالات پیدا کرنے میں کہ جن کے ذریعے سے میں آپ کے دوست کو طاقتور اور دشمن کو کمزور بنا سکوں، اتنی تکلیف کرنا پڑے جتنی کہ بلند پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹنے اور متلاطم سمندروں کو خشک کرنے میں ہوتی ہے تب بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے آپ کو وہ حق ادا کر دیا ہے جو مجھ پر عائد ہوتا ہے)

اس پر امیر المومنین نے ان کو دعا دی اور فرمایا:

بار الہا! اس کے قلب کو تقویٰ سے نورانی کر اور سیدھے راستہ کی طرف اس کی رہنمائی کر! کاش تمہاری مثل میرے لشکر میں سو آدمی ہی ہوتے۔ [۱]

اس کے بعد جنگ صفین کے درمیانی التواء کے زمانہ میں جب دوبارہ جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر المومنینؑ نے ان کو بنو خزاعہ کے دستہ کا افسر مقرر کیا۔ [۲]

اس کے بعد ۴۳ھ تک تاریخ ان کے ذکر سے خاموش ہے جس کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ مصر چلے گئے تھے، اس سلسلے میں علامہ بن حجر عسقلانی نے حسب ذیل روایت لکھی ہے:

روى الطبراني وابن قانع من طريق عميرة بن عبدالله الفاخري عن ابيه انه سمع عمرو بن الحمق يقول سمعت رسول الله صلى الله وسلم ذكر فتنة يكون اسلم الناس او خير الناس فيها الجند الغربي قال عمرو فلذلك قدمت عليكم مصر [۳]

طبرانی اور قانع وغیرہ نے عمیرہ ابن عبداللہ مفاخری کی طرف سے روایت کی ہے کہ میرے باپ نے عمرو بن الحمق سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے کہ ایک ایسا فتنہ آنے والا ہے جن میں سب سے سالم تر یا سب سے اچھا جند غربی ہوگا۔ عمرو کہتے ہیں کہ میں اسی وجہ سے تمہارے پاس مصر چلا آیا۔

اس کے بعد ۴۱ھ میں جب مغیرہ بن شیبہ کوفہ کا گورنر ہو کر آیا ہے تو اس وقت پھر آپ کا وجود کوفہ میں ملتا ہے چنانچہ معاویہ نے مغیرہ کو خصوصیت کے ساتھ یہ ہدایت لکھ کر بھیجی تھی کہ زیاد، حجر بن عدی، سلیمان بن مرو، سیف بن ربعی،

---

[۱] شرح بن ابی الحدید ۱:۱۵۵

[۲] اخبار الطوال ص ۱۸۳

[۳] اصابہ ۴/ ۲۹۴

ابن الکواء اور ابن الحمق کو بالالتزام نماز جماعت میں شریک کیا کرو۔ [1]

مغیرہ کے بعد جب زیاد کوفہ کا گورنر ہو کر آیا ہے تو عمارہ بن عقبہ نے اس سے عمرو کی شکایت کی کہ ان کے پاس شیعیان علیؑ کا مجمع رہتا ہے مبادا کوئی شورش برپا ہو زیاد نے ان کو بلایا اور کہا کہ یہ مجمع تمہارے پاس کیوں رہتا ہے جس شخص سے تم کو کلام کرنا ہو مسجد میں کیا کرو۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ یزید بن رویم نے یہ شکایت کی تھی جس کے جواب میں اس نے یہ کہا کہ میں نے اسے چھوڑ دیا اور اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس کی پنڈلی کا مغز استخوان میرے بغض کی وجہ سے بہ گیا ہے تو بھی میں اس پر غصہ نہ ہوتا حتیٰ کہ وہ مجھ پر حملہ کرتا۔ [2]

اس کے بعد ۵۱ھ میں آپ حجر بن عدی کے رفقاء میں ملتے ہیں چنانچہ جب زیاد کے آدمیوں سے حجر اور ان کے اصحاب کا مقابلہ ہوا ہے اس وقت انہوں نے حجر کی حمایت میں جنگ کی۔ طبری کا بیان ہے کہ اثنائے جنگ میں بکر بن عبید نے ان کے سر لٹھ مارا جس سے یہ اسی وقت گر پڑے۔ ابوسفیان بن عویم اور عجلان بن ربیعہ ان کو اٹھا کر عبداللہ بن مالک کے گھر میں لے گئے یہ تینوں شخص ازدی تھے۔ عمرو بن حمق اپنے نکلنے کے وقت تک اسی گھر میں پوشیدہ رہے۔ اس سلسلہ میں مورخین نے عبداللہ بن عوف کی زبانی ایک روایت لکھی ہے ان کا بیان ہے کہ مصعب کے قتل کے ایک سال پیشتر جب ہم لوگ غزوہ باجمیرہ سے واپس ہوئے ہیں تو میں نے بکر بن عبید کو دیکھا کہ راہ میں میرے ساتھ چل رہا ہے۔ عبداللہ بن عوف کہتے ہیں کہ جب سے اس نے عمرو کے سر پر لٹھ مارا تھا اس دن سے میں نے اس کو کہیں دیکھا ہی نہ تھا میرا خیال تھا کہ اب اسے دیکھوں گا تو پہچان ہی نہ سکوں گا اب جب میں نے اسے دیکھا تو گمان ہوا شاید یہ وہی شخص ہے۔ کوفہ کی عمارتیں سامنے سے دکھائی دے رہی تھیں۔ مجھے صاف طور سے یہ کہتے ہوئے کراہت معلوم ہوئی کہ تو نے ہی عمرو کو لٹھ مارا تھا۔ مبادا وہ مجھے جھٹلا دے اس لیے میں نے اس انداز میں کہا کہ "جس دن سے تو نے عمرو کے سر پر لٹھ مارا تھا جب سے آج تک میں نے تجھے دیکھا نہ تھا آج دیکھتے ہی پہچان لیا" کہنے لگا "خدا ان آنکھوں کو روشن رکھے تیری نظر کس قدر صحیح ہے۔ وہ ایک شیطانی حرکت تھی اب مجھے معلوم ہوا کہ عمرو صلحاء میں سے ہیں مجھے اپنی اس ضرب پر بہت ندامت ہے اور خدا سے استغفار کرتا ہوں۔" میں نے کہا: جس طرح تو نے عمرو بن حمق کو مارا تھا اسی طرح کی ضرب جب تک تیرے سر پر نہ لگا لوں گا واللہ چھوڑوں گا نہیں اس میں خواہ میری جان جائے یا تیری۔ یہ سن کر وہ خدا کا واسطہ دینے لگا لیکن میں نے ایک نہ مانی۔ اس وقت ایک اصفہانی غلام رشید میرے پاس تھا اس کے نیزہ کی ڈانڈ بہت سخت تھی

---

[1] ابن خلدون ۳: ۶

[2] ابن اثیر ۳: ۱۹۸

میں نے اسے پکارا اور نیزہ اس سے لے لیا۔ بکر بن عبید یہ دیکھ کر سواری سے نیچے اترنے لگا ابھی دونوں پاؤں زمین تک نہ پہنچے تھے کہ میں جا پہنچا اور اس کے دماغ پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ منہ کے بل گر پڑا میں اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ اچھا ہو گیا اس مدت میں دو مرتبہ اور وہ مجھے ملا ہر دفعہ وہ مجھ سے یہی کہتا تھا کہ میرا تیرا انصاف خدا کے سامنے ہوگا۔ [۱]

بہر حال عمرو بن حمق کچھ دن تک عبداللہ بن مالک کے گھر میں پناہ گزیں رہا اس کے بعد جب زیاد نے اصحاب حجر کی گرفتاری شروع کی ہے تو آپ رفاعہ بن شداد کے ساتھ موصل چلے گئے اس کی تائید ابن حبان کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں نقل کیا ہے ۲۔ وہاں کے عامل نے آپ کو گرفتار کر لیا جب یہ گرفتار ہو کر آئے ہیں تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو عمرو نے کہا میں وہ شخص ہوں جس کو چھوڑ دو گے تو تمہارے حق میں اچھا ہوگا اور قتل کر دو گے تو برا ہوگا۔ ان لوگوں نے بہت پوچھا مگر عمرو نے اپنا تعارف نہ کرایا۔ عبداللہ بن ابی بلتیعہ نے انہیں موصل کے عامل عبدالرحمٰن ثقفی کے پاس بھیج دیا اس نے دیکھتے ہی عمرو کو پہچان لیا اور معاویہ کے پاس ان کا حال لکھ بھیجا۔ معاویہ نے جواب میں لکھا کہ عمرو نے عثمان پر تیر کی بھال سے نو طعن کیے تھے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اس پر زیادتی کی جائے اس لیے تم بھی اس پر نو طعن کرو یہ حکم پا کر عمرو کو نکال کر باہر لے آئے اور نو طعن ان پر کیے گئے پہلے یا دوسرے طعن میں اس مقدس صحابی رسولؐ کی روح پرواز کر گئی۔ [۲]

دوسری روایت یہ بھی ہے کہ موصل پہنچ کر آپ ایک غار میں پوشیدہ ہو گئے۔ جہاں ایک اژدہے نے آپ کو کاٹ لیا جس سے موت واقع ہو گئی موصل کا عامل جب ان کو تلاش کرتا ہوا اس غار تک پہنچا تو آپ کو مردہ پایا چنانچہ اس نے آپ کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس بھیج دیا۔ زیاد نے وہ سر معاویہ کے پاس روانہ کر دیا یہ واقعہ ۵۰ھ کا ہے۔ [۳]

ابن سکن کی روایت ہے کہ معاویہ نے آپ کی تلاش میں کچھ لوگوں کو روانہ کیا تھا جب معاویہ کے آدمیوں نے ان کو گرفتار کیا تو ان کی موت واقع ہو گئی جس سے ان لوگوں کو یہ خطرہ ہوا کہ معاویہ ضرور ہم لوگوں کو متہم کریں گے اس لیے انہوں نے ان کا سر کاٹ لیا اور معاویہ کے پاس لے گئے۔ اسلام میں یہ پہلا سر ہے جو نیزہ پر بلند کیا گیا اور ہدیہ کے طور پر بھیجا گیا۔ [۴]

علامہ بن اثیر نے اس موقع پر ایک روایت لکھی ہے کہ عمرو بن الحمق کی ایک زوجہ آمنہ بنت شرید تھیں جن کو

---

[۱] طبری ۶: ۱۴۴-۱۴۵
[۲] اصابہ ۴/ ۲۹۴
[۳] طبری ۶/ ۱۴۸
[۴] اصابہ ۴: ۲۹۴

امیر معاویہ نے قید کر لیا تھا اور ایک زمانہ سے وہ دمشق کے قید خانہ میں محبوس تھیں۔ جس وقت عمرو کا سر ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس کو ان کی زوجہ کے پاس بھیجا۔ اس مخدرہ نے جب اس سر کو دیکھا تو تھوڑی دیر کے لیے سکتہ کا عالم طاری ہوگیا جب ہوش آیا تو بیتابانہ اس کو اپنی گود میں رکھا اور اپنا ہاتھ ان کی پیشانی پر رکھ کر منھ کے بوسے دیے، اس کے بعد کہا: تم نے ایک زمانہ تک مجھ کو ان سے غائب رکھا اور اب مقتول کی صورت میں تم نے میرے پاس ان کو ہدیہ کے طور پر بھیجا۔[1]

مقبرہ

۳۳۶ھ میں مصر کے مشہور حکمران سیف الدولہ کے چچا زاد بھائی ابو عبداللہ سعید بن حوان نے ان کے مزار پر مقبرہ تعمیر کرایا، یہ مقبرہ مدتوں تک مرجع خلائق رہا، اس کی وجہ سے سنیوں اور شیعوں میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔[2]

شریح بن ہانی

نام ونسب

شریح نام، کنیت ابو المقدام، ان کے سلسلہ نسب میں ناموں کا کہیں کہیں اختلاف ملتا ہے۔ ایک روایت کی بنا پر سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ ''شریح بن ہانی بن یزید بن نہیک'' دوسری روایت کی رو سے ''شریح بن ہانی بن یزید بن الحارث بن کعب الحارثی'' ہے[3]

علامہ ابن عبدالبر کی نے ان کا سلسلہ نسب حسب ذیل طریقوں سے لکھا ہے:

۱۔ شریح بن ھانی بن یزید بن نھیک۔

۲۔ شریح بن ھانی بن یزید بن کعب المذحجی الحارثی۔

۳۔ شریح بن ھانی بن یزید بن نھیک بن

---

[1] اسد الغابہ ۴:۱۰۱۔

[2] اسد الغابہ ۴: ۲۹۴

[3] اصابہ ۳/ ۲۲۳

دريد بن سفيان بن الضباب وهو
سلمه بن الحارث بن ربيعه بن الحارث
بن كعب الضبابي المذحجي الحارثي۔[1]

بہر حال آباؤ اجداد کے ناموں کا یہ اختلاف ان کی شخصیت کے تعین پر کوئی اثر نہیں ڈالتا کیونکہ کتب رجال انساب میں بیشتر اس قسم کا اختلاف ملتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ناموں کے ضبط و حفظ میں عموماً حافظہ غلطی کر جاتا ہے۔ عرب میں اس وقت تک چونکہ کتابت کا عام رواج نہ تھا اور واقعات کی بنیاد زیادہ تر روایت و بیان پر رکھی جاتی تھی اس لیے ایسے اختلافات کا ہونا کچھ مستبعد نہیں۔

شریح کے والد ہانی بن یزید رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں تھے اور زمانہ جاہلیت میں ابو الحکم کی کنیت سے مشہور تھے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں ان کے آنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ یہ اپنی قوم کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں گئے آپ کو جب ان کی کنیت معلوم ہوئی تو فرمایا "یہ کنیت تم نے کس لیے رکھی ہے۔" ہانی نے جواب دیا۔ "میں اپنی قوم کے باہمی امور میں فیصلہ کرتا ہوں اور میرا فیصلہ ان کے لیے قطعی ہوتا ہے اس لیے میں نے اپنی کنیت ابو الحکم رکھی ہے نہ اس وجہ سے کہ حکم نام کا میرا کوئی بیٹا ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "کیا تمہارے کوئی بیٹا ہے؟" ہانی نے کہا "ہاں!" فرمایا "سب سے بڑے بیٹے کا نام کیا ہے؟" کہا "شریح" یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا پس آج سے تمہاری کنیت "ابو شریح" ہے۔[2]

علامہ بن حجر عقلانی نے معاویہ بن صالح کی روایت سے یہ روایت اس طرح لکھی ہے "وفد ابوه واخبر النبی باسم والده۔"[3] یعنی شریح کے والد آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے آپ نے ان کے بیٹے کے نام (شریح) سے خبر دی۔

تمام رجالیین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہانی تمام مشاہدات شاید میں آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے۔[4]

صحابیت

شریح کے صحابی رسولؐ ہونے پر محدثین میں اختلاف ہے۔ اصابہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آنحضرتؐ کا ادراک کیا لیکن ان کے ساتھ ہجرت نہیں کی بلکہ مدینہ میں آ گئے تھے۔ استیعاب میں ہے کہ آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے حافظ ابن عساکر نے اس سلسلے میں تین روایتیں لکھی ہیں۔

---

[1] استیعاب ص ۵۹۶ مطبوعہ دائرہ المعارف حیدر آباد دکن
[2] ابن عساکر ۶/ ۳۱۷
[3] اصابہ ۳/ ۲۲۳
[4] استیعاب ص ۵۶۶

پہلی یہ کہ شریح نے آنحضرتؐ کا ادراک کیا لیکن ان کو دیکھا نہیں۔

دوسری روایت جو مسلم بن حجاج سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ شریح نے جاہلیت کا زمانہ پایا لیکن آنحضرتؐ سے ملاقات نہ کر سکے۔

تیسری سلیمان بن ابی شیخ سے یہ ہے کہ آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔[1]

ان تمام روایات کو دیکھ کر اتنا تو یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنے سن رشد و بلوغ میں آنحضرتؐ کے عہد مبارک کو دیکھا لیکن ملاقات نہ کر سکے۔ بظاہر یہ امر تعجب انگیز ہے کیونکہ باتفاق مورخین آپ کا انتقال ۷۸ھ میں ہوا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۱۰ سال کی تھی اس بنا پر ہجرت کے وقت آپ کی ۳۲ سال قرار پاتی ہے۔

ہجرت کے بعد ۱۱ سال تک آنحضرتؐ بقید حیات رہے۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اتنے طویل زمانے تک شریح کے دل میں کسی وقت بھی اپنے پیغمبر کو دیکھنے کا ولولہ پیدا نہ ہوا ہو یا ایسی کوئی ضرورت داعی نہ ہوئی ہو۔ شریح پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے، جبکہ دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شریح کے باپ بھی صحابی رسولؐ تھے اور اس بنا پر ان کے کان بچپن سے اسلام سے آشنا تھے، لہٰذا استیعاب کی وہ روایت بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے عبداللہ بن شیرح بن ہانی بن یزید الحارثی کے ذیل میں لکھی ہے:

قدم ابوہ علی النبی ﷺ فسألہ عن ولدہ لحدیث ذکرہ ابو عمرو فی باب ابیہ

ترجمہ: عبداللہ بن شریح کے والد (شریح بن ہانی) آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ سے اپنے بیٹے کی بابت ایک حدیث کے لیے سوال کیا جس کا ذکر ابو عمرو نے عبداللہ کے باپ (شریح بن ہانی) کے باب میں کیا ہے۔[2]

بہر حال ان تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے شریح کے متعلق زیادہ رجحان یہی ہے کہ وہ صحابی رسولؐ تھے۔

علم و فضل

سواد اعظم میں شریح کا شمار اجلہ تابعین میں ہے۔ علامہ بن عبدالبر المکی ہانی بن عروہ کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

''وکان ابنہ شریح من اجلۃ التابعین ومن کبار اصحاب علی رضی اللہ عنہ ممن شھد

---

[1] ابن عساکر ۱/۳۱۶

[2] استیعاب ۱/۳۸۶

مشاهد کلها" [۱]

ترجمہ: ان کے بیٹے شریح اجلہ تابعین اور علی بن ابی طالبؑ کے کبار اصحاب میں تھے ان اصحاب میں جو آپ کے ہمراہ تمام مشاہدہ میں رہے۔

شریح نے اپنے والد ہانی، حضرت علیؑ، حضرت عمر، بلال، سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ، ام المومنین حضرت عائشہ، نیز دیگر صحابہ رسولؐ سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے دونوں بیٹوں محمد و مقدام، شعبی، حکم بن عتیبہ، مقاتل بن بشیر، یونس بن ابی اسحٰق اور دیگر تابعین نے روایت کی ہے۔ [۲]

علامہ ابن حجر عسقلانی ان کے تذکرہ کے تحت لکھتے ہیں:

ذکره ابن سعد فی الطبقة الاولیٰ من تابعی اهل الکوفه وقال کان من اصحاب علیٍ وشهد معه المشاهد وکان ثقة وله احادیث

ابن سعد نے ان کا ذکر طبقہ اولیٰ کے تابعین اہل کوفہ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے اصحاب میں تھے اور ان کے ساتھ تمام مشاہد میں موجود رہے اور وہ ثقہ تھے۔ ان سے احادیث مروی ہیں۔

وقال الحسن بن الحر عن القاسم بن مخیمرة ما رایت افضل منه واثنیٰ علیه خیراً وقال الاثرم قیل لاحمد شریح بن هانی صحیح الحدیث؟ قال نعم! هذا متقدم جداً وقال المروزی عن احمد ثقة وقال ابن خراش والنسائی ثقه وقال ابن خراش صدوق ذکره ابن حبان فی الثقیات

حسن بن حر نے قاسم بن مخیمرہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ میں نے شریح سے افضل کسی کو نہیں پایا اور وہ ان کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے نیز اثرم کا بیان ہے کہ احمد سے شریح کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا وہ صحیح الحدیث ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں اور یہ بہت متقدم ہے۔ نیز مروی ہے احمد کے حوالہ سے ان کو ثقہ کہا ہے اسی طرح ابن معین اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے ابن خراش نے ان کو صدوق کہا ہے نیز ابن حبان نے بھی ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اصابہ میں ہے:

ذکره مسلم فی المخضرمین ولشریح روایة عند مسلم وغیره [۳] "مسلم نے مخضرمین میں ان کا ذکر کیا ہے اور اپنی صحیح میں ان سے روایتیں لی ہیں۔"

علامہ بن عساکر نے اس ذیل میں دو حدیثیں بھی لکھی ہیں جو شریح سے مروی ہیں:

---

[۱] استیعاب ص ۵۹۶

[۲] تہذیب التہذیب ۴: ۳۳۰

[۳] اصابہ ۳/ ۲۲۳

واخرج الحاکم عنہ قال: سألت عائشة عن المسح علی الخفین فقالت ائت علیاً فانہ اعلم بذلک فاتیت علیاً فسألتہ فقال: کان رسول اللہ ﷺ یامرنا ان یمسح المقیم یوماً ولیلةً والمسافر ثلثة رواہ مسلم

حاکم نے شریح سے اخراج کیا ہے ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مسح علی الخفین کے متعلق ام المومنین حضرت عائشہ سے سوال کیا، آپ نے فرمایا: علیؑ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اس مسئلہ کو زیادہ جانتے ہیں۔ شریح حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان سے مسئلہ مذکورہ کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ ہم کو یہ حکم دیا کرتے تھے کہ مقیم ایک دن اور رات مسح علی الخفین کرسکتا ہے اور مسافر کے لیے تین دن کی اجازت ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

واخرج الحافظ عنہ قال قلت لعائشة ماکان النبی ﷺ یصنع قلت کان یصلی رکعتین قبل الفجر ثم یخرج فیصلی فاذا دخل تسوک۔

حافظ نے شریح سے اخراج کیا ہے ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آنحضرتؐ کا کیا معمول تھا آپ نے فرمایا کہ آپ فجر سے قبل دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد گھر سے نکل جاتے تھے اور مسجد میں جا کر نماز پڑھتے تھے پھر جب گھر میں داخل ہوتے تو مسواک کیا کرتے تھے۔

دوسری جگہ یہ روایت اس طرح ہے:

قلت لعائشة: اخبرینی بای شیئٍ کان یبدأ رسول ﷺ اللہ اذا رجع الیک من المسجد قال یبدأ بالسواک۔

شریح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے کہا آپ ذرا یہ بتائیے کہ آنحضرتؐ جب مسجد سے لوٹ کر آپ کے پاس آتے تھے تو کس کام سے ابتدا کرتے تھے آپ نے کہا مسواک سے۔ [1]

شریح کے جنگی کارنامے

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریح جس طرح ایک ممتاز عابد و زاہد اور راوی حدیث تھے اسی طرح وہ ایک نبرد آزما اور جنگجو سپاہی بھی تھے۔ لیکن پہلی تین خلافتوں سے چونکہ ان کو اختلاف رہا اس بنا پر اس پورے دور میں وہ کہیں نظر نہیں آتے البتہ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کے زمانہ خلافت میں ان کے کارنامے سامنے آتے ہیں۔ جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں فتح کا سہرا صرف دو آدمیوں کے سر رہا ہے ایک مالک اشتر دوسرے شریح بن ہانی۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر ۶:۳۱۶

جنگ جمل

اس معرکہ میں شریح کا کوئی کارنامہ نہیں ملتا، مورخین نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ جنگ جمل میں آپ امیر المومنین ؑ کے امراء لشکر میں تھے۔ [1]

جنگ صفین

اس جنگ میں شریح اول سے آخر تک امیر المومنین ؑ کے ہمراہ نظر آتے ہیں، مورخین کا بیان ہے کہ امیر المومنین ؑ جب معاویہ کی طرف سے مایوس ہو گئے تو آپ نے کوفہ میں ابو مسعود انصاری کو اپنا نائب بنایا اور خود نخیلہ پہنچ کر لشکر کی ترتیب میں مصروف ہو گئے۔ اس موقع پر آپ نے زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی کو بلایا اور بارہ افراد کی جمعیت کے ساتھ ان کو اپنے مقدمہ لشکر پر روانہ کیا اور یہ نصیحت کردی کہ دونوں ایک ہی راستے سے روانہ ہوں اور آپس میں کسی قسم کا اختلاف نہ کریں، لیکن شریح کچھ دور چل کر اپنے اصحاب سمیت زیاد سے علیحدہ ہو گئے اور امیر المومنین ؑ کو حسب ذیل خط تحریر کیا:

لعبد الله علی امیر المومنین من شریح بن ھانی، سلام علیك، فانی احمد الله الیك الذی لا اله الا ھو، اما بعد فان زیاد بن النضر، حین اشرکته فی امرك وولیته جنداً من جنودك، طغا واستکبر ومال به العجب والخیلاء والزھو الی مالا یرضی الله تعالیٰ به من القول والفعل، فان رائی امیر المومنین ؑ ان یعزله ویبعث مکانه من یحب فلیفعل فانا له کارھون والسلام۔

شریح بن ہانی کی طرف سے بندۂ خدا علیؑ امیر المومنین ؑ کو، آپ پر سلام ہو، میں آپ کی طرف اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اما بعد: زیاد بن النضر نے جس کو آپ نے اپنے امر میں شریک کیا ہے اور اپنے لشکر کی سرداری دی ہے، طغیان اور سرکشی پر کمر باندھ لی ہے اور غرور اور پندار نے اس کو ایسی باتوں اور ایسے کاموں کی طرف مائل کر دیا ہے جو اللہ کو کسی طرح پسندیدہ نہیں ہو سکتے، پس اگر امیر المومنین ؑ کی رائے ہو تو اس کو معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے کو بھیج دیں اس لیے کہ ہم لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں۔ والسلام۔

اس سے پہلے زیاد بھی شریح کی شکایت کا خط امیر المومنین کو لکھ چکا تھا، اب شریح کا خط جب آپ کو ملا تو ان دونوں خطوں کے جواب میں آپ نے حسب ذیل خط لکھا:

''میں نے اپنے مقدمہ لشکر پر زیاد بن النضر کو امیر بنا کر بھیجا ہے اور شریح بن ہانی کو اس کے ایک حصہ پر سردار مقرر کیا ہے، پس اگر تم دونوں کے لشکر کسی ایک مقام پر جمع ہو جائیں تو زیاد بن النضر پورے لشکر کی قیادت کریں

---

[1] اصابہ ۳: ۲۲۳

گے اور اگر الگ الگ رہیں تو تم میں سے ہر ایک اسی حصہ کا امیر ہے جس پر ہم نے اس کو افسر مقرر کیا ہے۔"

غرضکہ اس کے بعد آپ نخیلہ سے کوچ کر کے دائن میں آئے، یہاں سعد بن مسعود ثقفی، (عم مختار) کو اپنا نائب مقرر کیا اور فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ فرات پر جب پہنچے تو یہاں زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی آپ سے آ کر ملاقی ہوئے۔ امیر المومنینؑ نے ان کو پھر آگے بڑھنے کا حکم دیا، جب یہ لوگ حدود روم میں پہنچے تو ابوالاعور اسلمی ایک لشکر لیے ہوئے ملا، زیاد اور شریح نے امیر المومنینؑ کو اس سے مطلع کیا، آپ نے مالک اشتر کو جانے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ جس وقت تم زیاد اور شریح کے پاس جاؤ تو ان کو میمنہ ومیسرہ پر مامور کرنا اور تم خود پورے لشکر کی قیادت کرنا، لیکن خبردار جنگ کرنے میں اپنی طرف سے ابتدا نہ ہو جب تک فریق مقابل حملہ نہ کرے، چنانچہ مالک اشتر کے بعد زیاد اور شریح نے لشکر کا چارج ان کو دے دیا اور خود میمنہ ومیسرہ پر رہے۔ [۱]

امیر المومنینؑ کی وصیت شریح بن ہانی کو

جس وقت امیر المومنینؑ نے شریح کو اپنے مقدمہ لشکر کا امیر بنا کر شام کی طرف روانہ کیا تو ان کو حسب ذیل وصیت فرمائی۔

"اِتقِ اللہ فی کل صباح ومساء وخِف علی نفسک الدنیا الغرور ولا تأمنها علی حال واعلم انک ان لم تردع نفسک عن کثیر مما تحب مخافة مکروه سمعت بک الهواء الی کثیر من الضرر فکن لنفسک مانعا رادعا ونزونک عن الحفیظة واقما معا [۲]

صبح وشام اللہ سے ڈرتے رہو اور اس بات سے خوف کرو کہ دنیا کہیں تمہارے نفس کو فریب میں مبتلا نہ کر دے اور اس سے کسی حال میں بے خوف نہ رہو اور جان لو! اگر تم اپنے نفس کو بہت سی ان چیزوں سے باز نہ رکھو گے جن کے نقصان کے خوف کو تم عزیز رکھتے ہو تو خواہشات تم کو نقصان کثیر کی طرف لے جائیں گی، پس اپنے نفس پر پورا پورا قابو رکھو اور ہیجان غضب کے وقت اس کو توڑ مروڑ کر رکھ دو۔

ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں اس وصیت کا مخاطب زیاد بن النضر کو لکھا ہے، واللہ اعلم [۳]

واقعہ تحکیم

جنگ صفین کے بعد تحکیم کے وقت بھی شریح کی موجودگی ملتی ہے، اس موقع پر جب حضرت علیؑ نے ابوموسیٰ

---

[۱] تاریخ ابن خلدون ۲: ۱۲۹ وشرح ابن ابی الحدید ۱: ۱۵۷

[۲] نہج البلاغۃ ۲: ۷۲ وابن ابی الحدید ۱: ۱۵۷

[۳] ابن ابی الحدید ۱: ۱۵۷

اشعری کو چار سو آدمی دے کر بھیجا ہے تو ان پر شریح بن ہانی ہی کو افسر مقرر فرمایا تھا اور عبداللہ بن عباس کو امامت کے لیے مامور فرمایا تھا۔ [1]

شریح اور عمرو العاص

ابن خلدون میں ہے کہ روانگی کے وقت حضرت علیؑ نے شریح بن ہانی سے ارشاد کیا کہ عمرو بن العاص سے میری طرف سے کہہ دینا کہ ''راستی کو اختیار کرو، ایک دن تم کو مرنا ہے اور احکم الحاکمین کے روبرو جانا ہے۔''

شریح نے جب امیر المومنینؑ کا پیغام پہنچایا تو عمرو بن العاص غصہ سے سرخ ہو کر بولا ''تم کو مجھے مشورہ دینے کا کیا حق ہے؟'' شریح نے جواب دیا۔ ''تم کو کون امر سید المسلمین امیر المومنینؑ کی نصیحت قبول کرنے سے روک رہا ہے۔'' عمرو العاص نے اس کا جواب درشتی سے دیا اور ان کی نصیحت پر مطلق توجہ نہ دی۔ [2]

مورخ طبری نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے جو خود شریح کی زبانی ہے۔

قال ابو مخنف حدثنی النضر بن صالح العبسی قال کنت مع شریح بن هانی فی غزوة سجستان فحدثنی ان علیا اوصاه بکلمات الی عمرو العاص قال قل له اذا انت لقیته ان علیا یقول لك ان افضل الناس عندالله عزوکل من کان العمل بالحق احب الیه وان نقصه و کرثه بالباطل وان حسن الیه وزاده یا عمرو والله انك لتعلم این موضع الحق فلم تجاهل ان اوتیت طمعا یسیرا کنت به الله ولا ولیائه عدو افکان والله مااوتیت قد زال عنك ویحك فلا فکن للخائنین خصیماً ولا للظلمین ظهیرا اما انی اعلم بیومك الذی انت فیه نادم وهو یوم وفاتك تعنی انك لم تظهر مسلم عداوة ولم فاخذ علی حکم رشوة۔ [3]

ابو مخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے نضر بن صالح عبسی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ سجستان کی لڑائی میں میں شریح بن ہانی کے ہمراہ تھا تو انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت علیؑ نے مجھ کو کچھ کلمات کی وصیت کی تھی کہ وہ میں عمرو العاص تک پہنچا دوں آپ نے فرمایا کہ اے شریح جب تم اس سے ملو تو میری طرف سے یہ کہہ دینا ''یقیناً اللہ کے نزدیک افضل الناس وہ شخص ہے جس کو حق پر عمل کرنا محبوب ہے اگرچہ بمقتضائے بشریت باطل اس عمل کی عزت وقدر میں کمی بیشی کردے نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ اے عمر قسم بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ حق کا مقام کہاں ہے۔ تم ذرا سے لالچ میں جان

---

[1] ابن خلدون ۲: ۱۷۷، اصابہ جز ۳ ص ۲۲۳

[2] ابن خلدون ۲: ۱۷۷

[3] طبری ۶/ ۳۹ و کامل ۳: ۱۴۲

بوجھ کر جاہل بن رہے ہو اور اس کی وجہ سے اللہ اور اس کے دوستوں کے دشمن بن رہے ہو قسم بخدا جو کچھ تمہیں دیا جا رہا ہے وہ جلد ہی زائل ہونے والا ہے۔ خبردار ظالم و خائن کے مددگار نہ ہونا۔"

آگاہ ہو جاؤ کہ میں تمہارے اس آنے والے دن سے اچھی طرح واقف ہوں کہ جس دن تم نادم ہوگے اور وہ تمہاری موت کا دن ہے اس روز تم یہ کہو گے کہ کاش میں نے کسی مسلمان کی دشمنی کو اپنا شیوہ نہ بنایا ہوتا اور فیصلہ پر رشوت نہ لی ہوتی۔

شریح بن ہانی نے جناب امیر المومنینؑ کا یہ پیغام عمرو عاص کو پہنچا دیا جس پر وہ غصہ سے سرخ ہوگئے اور نہایت تیزی سے بولے میں نے کب علیؑ کا مشورہ قبول کیا اور کب ان کے حکم کو مانا اور ان کی رائے پر اعتماد کیا۔ شریح نے کہا اے نابغہ کے بیٹے تم کو اپنے مولیٰ اور مسلمانوں کے سردار کی نصیحت قبول کرنے سے کون سا امر مانع ہے، یہ وہ شخص ہیں جن کی رائے پر حضرت ابوبکر و عمر جو تم سے کہیں بہتر و افضل تھے عمل کرتے رہے۔ عمرو العاص نے کہا کہ تم مجھ سے بات کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے۔ شریح نے جواب دیا تم کس بات پر اتنا تنتے ہو تم کو اپنے باپ پر فخر ہے یا ماں پر باپ تمہارے کمینہ لوگوں میں تھے۔

شریح کی وصیت ابوموسیٰ اشعری کو

ابن قتیبہ لکھتا ہے: جس وقت ابوموسیٰ مجلس حکمین کے لیے روانہ ہوئے تو شریح بن ہانی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر حسب ذیل وصیت کی:

یا ابا موسیٰ انک قد نصبت لامرٍ عظیم لا یجبر صدعه ولا تستقال فلتته ومما تقل من شیئٍ لک اوعلیک یثبت حقه ویریٰ صحته ان کان باطلاً وانه الابقاء لاهل العراق ان ملکهم معاویه ولا باس علیٰ اهل الشام ان ملکهم علی وقد هائت منک تشبیطة ایام الکوفة والجملِ فان تشفهها بمثلها یکن الظن بک یقیناً والرجاء منک یأساً۔

اے ابوموسیٰ! آپ ایک ایسے عظیم امر کے لیے مقرر کیے گئے ہیں جس کا بگڑ جانے پر کوئی تدارک نہیں ہوسکتا اور جس کو بغیر سوچے سمجھے طے نہیں کیا جاسکتا۔ آپ جو بات بھی کہیں خواہ اپنے خلاف ہو یا موافق! اس کی سچائی ثابت ہوا ور اس کی درستی پر غور کرلیا گیا ہو، اگرچہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو اور یہ سمجھ لیجیے کہ اگر معاویہ کا تسلط ہوگیا تو اہل عراق باقی نہیں رہ سکتے، برخلاف اس کے اگر علیؑ حاکم ہوگئے تو اہل شام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور جیسی کہ کوفہ اور جمل کے ایام میں آپ کی طرف سے تعویق عمل میں آئی، اگر اب بھی یہی صورت ہوئی تو جس خطرہ کا گمان ہے وہ یقین بن جائے گا۔ اور امید کی جو ایک جھلک نظر آتی ہے وہ ناامیدی سے بدل جائے گی۔

اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:[1]

ابا موسیٰ رُضیت بشر خصم — فلا تضع العراق (فدتك نفسي)
واعط الحق شأمهم وخذه — فان اليوم في جهل كأمس
وان غدا يجيء بما عليه — كذاك الدهر من سعد و نحس
ولا يخدعك عمرو، ان عمرا — عدو الله مطلع كل شمس
له خدع يحار العقل منها — مموهة مزخرفة بلبس
فلا تجعل معاوية بن حرب — كشيخ في الحوادث غير نكس
هداه الله للاسلام فرداً — سوى عرس النبي، واي عرس

اس کے علاوہ امیر المومنینؑ کے دیگر اصحاب نے بھی ان کو سمجھایا، حضرت عبداللہ بن عباس نے عین مجلس حکمین میں ان کو رائے دی کہ پہلے عمرو العاص کو اپنا فیصلہ سنانے دیجیے۔ لیکن انہوں نے نہ مانا[2] اور بالآخر عمرو عاص کے دھوکے میں آ گئے۔

مورخین کا بیان ہے کہ جس وقت عمرو العاص نے اپنا فیصلہ سنایا ہے تو عبداللہ بن عباس اور سعد، ابو موسیٰ کو ملامت کرنے لگے۔ ابو موسیٰ نے معذرت کی کہ میں کیا کرتا، مجھ سے عمرو بن عاص نے ایک امر پر اتفاق کیا۔ لیکن اس سے بدعہدی کر گیا۔ پھر عمرو العاص سے مخاطب ہو کر کہا: اللہ تجھے ہدایت دے تو نے مجھ سے ایک بات طے کی اور پھر اس کے خلاف کیا، تیری مثال بعینہ اس کتے کی ہے جو ایک بار کسی چیز کو پکڑ لیتا ہے اور دوبارہ اور کو چھوڑ دیتا ہے، عمرو العاص نے جواب دیا، تیری مثال گدھے کی ہے جو بار برداری کرتا ہے، شریح نے عمرو بن العاص پر تلوار اٹھائی، عمرو نے ترکی بہ ترکی جواب دیا، لیکن لوگ درمیان میں پڑ گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔[3]

طبری میں یہ روایت اس طرح ہے کہ شریح نے عمرو عاص کے کوڑا مارا جس کے جواب میں ان کے بیٹے نے بھی شریح کے کوڑا مارا لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کروایا۔ شریح اس کے بعد کہا کرتے تھے: مجھے اب تک اس کی ندامت ہے کہ میں نے بجائے کوڑے کے تلوار کا وار کیوں نہیں کیا کہ ایک ہی ہاتھ میں خاتمہ کر دیتا[4]

غرضکہ ابو موسیٰ مجلس حکمین سے نکل کر مکہ چلے گئے اور عمرو بن العاص مع اہل شام کے شام کی طرف واپس

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ۱: ۱۰۷، کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۲۷
[2] ابن خلدون ۲: ۱۷۶
[3] ابن خلدون ۲: ۱۷۷
[4] طبری ۶: ۴۰؛ کامل ۳: ۱۴۴

ہوئے ابن عباس اور شریح امیر المومنین ؑ کی خدمت میں آئے اور کل ماجرا بیان کیا۔[1]

مورخین لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سے امیر المومنین ؑ جب نماز فجر پڑھتے تھے تو کہا کرتے تھے:

اللهم العن معاوية وعمرا وحبيبا وعبد الرحمن بن مخلد والضحاك بن قيس والوليد وابا الاعور[2]

بارالہا! معاویہ، عمرو العاص، حبیب، عبدالرحمن بن مخلد اور ضحاک بن قیس اور ولید اور ابو الاعور پر لعنت کر۔

ابو مریم سعدی

۳۸ھ میں ابو مریم سعدی تیمی کوفہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے روانہ ہوا، امیر المومنین ؑ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے شریح ہی کو سات سو سواروں کے ہمراہ اس کے مقابلہ کو روانہ کیا تھا۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد میں بہت تھے مگر بھاگ کھڑے ہوئے اور صرف ''۲۰۰'' آدمی رہ گئے۔ شریح نے ان ہی کو ساتھ لے کر مقابلہ کیا۔[3]

حجر بن عدی اور شریح بن ہانی

مغیرہ بن شعبہ کے بعد زیاد کوفہ کا گورنر ہو کر آیا۔ تو اس وقت شریح کوفہ ہی میں موجود تھے، چنانچہ حجر بن عدی کے خلاف جب گواہیاں لکھی گئی ہیں تو شریح کو بھی بلا کر گواہی دینے کے لیے مجبور کیا گیا۔ شریح نے اس موقع پر ہمت کے ساتھ انکار کر دیا۔ لیکن اس انکار کے باوجود بھی فرضی طور پر ان کا نام لکھ لیا گیا۔ شریح کو جب یہ معلوم ہوا تو سر دربار انہوں نے زیاد کو ملامت کی اور کاذب کہا۔[4] انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ نجی طور پر معاویہ کو ایک خط بھی لکھا جس میں انہوں نے پوری طرح حقیقت حال کا اظہار کر دیا تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب، حجر اور ان کے ساتھیوں کو لے کر چلے تو غریین کے مقام پر شریح بن ہانی وائل کو ایک خط دیا اور کہا کہ یہ خط اپنے امیر کو پہنچا دینا۔[5] خط کی عبارت یہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

امير المومنين من شريح بن هانی اما بعد، فانه بلغنی ان زيادا كتب اليك بشهادتی علی حجر انه ممن يقيم الصلوٰة ويؤتی الزكوٰة ويديم الحج والعمرة ويامر بالمعروف وينهى المنكر

---

[1] ابن خلدون ۲: ۱۲۸

[2] ابن خلدون ۲: ۱۲۸

[3] کامل بن اثیر ۳: ۱۶۲

[4] طبری ۶: ۱۵۱

[5] طبری ۶: ۱۵۲

حرام الدم والمال فان شئت فاقتله وان شئت فدعه والسلام۔ [1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندۂ خدا معاویہ امیر المومنین کو شریح بن ہانی کی طرف سے امابعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف گواہوں میں میرا نام بھی لکھا ہے۔ حالانکہ حجر کے بارے میں میری شہادت یہ ہے کہ وہ نماز گزار ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، حج اور عمرہ بجالاتے ہیں۔ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ ان کا مال اور جان حکومت کے لیے حرام ہے۔ اب خواہ آپ انہیں چھوڑ دیں یا قتل کر دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شریح کا یہ خط معاویہ پر اتمام حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خط اگر معاویہ کو نہ ملتا تو ایک قانونی عذر ان کی طرف سے پیش کیا جاسکتا تھا کہ ان کے سامنے جو شہادتیں گزریں۔ ان سے وہ اس قتل پر مجبور ہوئے جیسا کہ بعد میں انہوں نے حضرت عائشہ سے یہی عذر کیا ہے کہ میں نے حجر کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ جنہوں نے ان کے خلاف گواہیاں دیں وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن یہ صرف ایک بارے کا ہتھیار ہے۔ اصل حقیقت کا علم انہیں شریح کے خط سے ہو چکا تھا۔

غزوۂ سجستان

جب ۷۸ھ یا ۷۹ھ میں حجاج نے عبید اللہ بن ابی بکرہ (عامل سجستان) کو رتبیل کی مہم پر بھیجا تو شریح اس کے ہمراہ پائے جاتے ہیں جس کا واقعہ یہ ہے کہ رتبیل سے مسلمانوں کی صلح تھی۔ لیکن کچھ دنوں سے اس نے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ جس پر حجاج نے عبید اللہ بن ابی بکرہ کو حکم دیا کہ تمہارے پاس جتنی فوج ہے اسے لے کر رتبیل کی سرکوبی کے لیے جاؤ، عبید اللہ کوفہ اور بصرہ کے تمام مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو گیا۔ شریح بن ہانی اہل کوفہ کے سردار تھے، اور عبید اللہ بن ابی بکرہ بصرہ والوں کا۔ اس لیے ان دونوں فوجوں کے سرعسکر یہی تھے۔

عبید اللہ اس مہم کے لیے روانہ ہو گیا۔ اور رتبیل کے اکثر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کی فوج نے جس میں ترک تھے یہ طرز عمل اختیار کیا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں مسلسل پیچھے ہٹتے چلے گئے اور علاقوں پر علاقے خالی کر دیے۔ اس طرح مسلمانوں کی فوج بہت دور تک چلی گئی۔ جہاں سے ترکوں کا دار الخلافہ صرف ۱۸ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اب ترکوں نے مسلمانوں کو پہاڑوں کے دروں اور پُر پیچ گھاٹیوں میں گھیر لیا۔ اور تمام تجارتی منڈیاں اور قصبات مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے۔ اس سے مسلمانوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم ان پہاڑوں میں گھر چکے ہیں اور ہلاکت یقینی ہے۔ اس خطرے کو محسوس کر کے عبید اللہ نے شریح بن ہانی سے کہلا بھیجا کہ میں ترکوں سے اس شرط پر صلح کیے لیتا ہوں کہ

[1] طبری ۶: ۱۵۳

انہیں کچھ روپیہ دے دیا جائے اور وہ ہمیں اس حصار سے نکل جانے دیں۔ چنانچہ عبیداللہ نے سات لاکھ درہم تاوان دے کر صلح کرلی۔ اس کے بعد شریح سے جب اس کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ جس قدر تاوان تم نے دیا ہے۔ امیر اسے تم لوگوں کی تنخواہوں سے وضع کرلیں گے۔

شہادت

اب شریح نے کہا کہ میری عمر پوری ہو چکی ہے۔ میرے لیے زندگی کا کوئی مزہ باقی نہیں رہا۔ جو گھڑی پیش آتی ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہی میری عمر کا آخری لمحہ ہے۔ میں ایک مدت سے شہادت کا آرزومند ہوں اور اگر آج بھی مجھے شہادت نصیب نہ ہوئی تو میں میں سمجھوں گا کہ پھر یہ درجہ مجھے کبھی حاصل نہ ہوگا۔ اس کے بعد شریح نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے للکارا کہ دشمن پر حملہ کرو۔ عبیداللہ نے کہا تم بوڑھے ہو کر سٹھیا گئے ہو شریح نے جواب دیا کہ اب تم میرے درمیان میں نہ بولو، تم کو یہ پسند ہے کہ لوگ تذکرہ کریں کہ یہ عبیداللہ کا باغ ہے اور یہ ان کا حمام ہے۔ اس کے بعد شریح نے تمام مسلمانوں کو متوجہ کر کے کہا۔ کہ تم میں سے جو شخص درجۂ شہادت حاصل کرنا چاہے وہ میری طرف آجائے اس جنگ میں تقریباً تمام مسلمان کام آگئے۔ شریح بھی نہایت بہادری کے ساتھ دیر تک لڑتے رہے۔ اور آخر میں شہید ہوئے۔ [1]

اولاد

شریح کی اولاد کا تفصیلی تذکرہ کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔ البتہ کتب رجال میں صرف تین بیٹوں کا پتہ چلتا ہے۔ محمد، مقدام، عبداللہ —— ان میں مقدام مشہور راوئ حدیث ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ہے۔

المقدام بن شریح بن هانی بن یزید الحارثی الکوفی۔ روی عن ابیه وقمیرا مراة مسروق وعنه ابنه یزید والاعمش و اسرائیل وشعبه والثوری وعبدالملك بن ابی سلیمان وقیس بن الربیع ومسعر وشریك قال احمد وابو حاتم والنسائی ثقة زاد ابو حاتم صالح وذکره ابن حبان فی الثقات قلت وقال یعقوب بن سفیان ثقة۔ [2]

مقدام بن شریح بن ہانی بن یزید حارثی کوفی، انہوں نے اپنے باپ اور قمیر مسروق کی زوجہ سے روایت حدیث کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے یزید اور اعمش اور اسرائیل اور شعبہ اور ثوری اور عبدالملک بن ابی سلیمان نیز قیس بن ربیع اور مسعر اور شریک نے، احمد اور ابو حاتم اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ نیز ابو حاتم نے ثقہ کے ساتھ صالح بھی کہا ہے۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے اور یعقوب بن سفیان نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔

---

[1] طبری ۷: ۳۸۲ و کامل

[2] تہذیب التہذیب ۱۰: ۲۸۷

ابو عاصم رفاعہ بن شداد البجلی

نام ونسب

رفاعہ نام، ابو عاصم کنیت، کوفہ کے رہنے والے تھے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ ''رفاعہ بن شداد بن عبداللہ بن القیس الفتیانی البجلی۔''

روایت حدیث

رفاعہ کا تذکرہ تاریخ میں اگر چہ ایک بہادر جنگ جو سپاہی کی حیثیت سے آتا ہے۔ لیکن بہ حیثیت راوی حدیث ہونے کے بھی ان کا درجہ کافی بلند ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی ان کے تذکرہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

روی عن عمه عبد الملك بن عمير و اسمٰعيل بن عبد الرحمٰن السدى و بيان بن بشر و ابو عكاشة الهمدانى وغيرهم قال النسائى ثقة و ذكره ابن حبان فى الثقات روى له النسائى و ابن ماجة حديثا واحدا فى البرأة ممن قتل من امنه على دمه[1]

رفاعہ نے عمرو بن الحمق سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے عبدالملک بن عمیر نے اور اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن السدی اور بیان بن بشر و ابوعکاشہ ہمدانی وغیرہ نے۔ نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ نیز ابن حبان نے بھی ان کا شمار ثقات میں کیا ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص ایسے شخص کو قتل کرے۔ جس نے اس کو جان سے امان دی ہو تو خدا اور اس کا رسولؐ اس سے بری ہے۔

رفاعہ کی سیاسی زندگی

رفاعہ کا شمار امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اور امام حسن علیہما السلام کے مخلص اصحاب اور ان کے شیعوں میں ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ۵۱ھ تک ان کا کوئی حال نہیں ملتا ہے۔ البتہ اس کے بعد آپ حجر بن عدی کے رفقاء میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ زیاد جب کوفے کا گورنر ہو کے آیا ہے اور اس کو ان روساء کی فکر ہوئی جو حجر کے اصحاب میں تھے تو رفاعہ بن شداد اور عمرو بن الحمق پوشیدہ طور پر کوفہ سے نکل گئے اور مدائن جا پہنچے۔ لیکن زیاد کے آدمی وہاں بھی پہنچ گئے۔ مجبوراً وہاں

---

[1] تہذیب التہذیب ۳: ۲۸۱

سے بھی چل پڑے اور موصل آ گئے۔ یہاں آ کر یہ دونوں ایک پہاڑ کے دامن میں چھپے رہے۔ اس گاؤں کے عامل [1] کو جس وقت یہ معلوم ہوا کہ دو شخص یہاں چھپے ہوئے ہیں تو اسے ان پر اشتباہ ہوا۔ چنانچہ یہ اپنے ہمراہ کچھ سوار اور اہلِ شہر کو لے کر پہاڑ کی طرف آیا۔ ان دونوں نے جب ان لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا تو پہاڑ سے نکل آئے۔ عمرو بن الحمق کو استسقاء کا مرض تھا۔ اور پیٹ میں پانی اتر آیا تھا۔ اس بنا پر وہ تو اپنے کو نہ بچا سکے۔ البتہ رفاعہ بن شداد ایک تنومند جوان تھے۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اور عمرو بن حمق سے کہا کہ میں تمہاری طرف سے لڑتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے لڑنے سے مجھے کیا فائدہ پہنچے گا۔ ہو سکے تو اپنی جان بچا کر نکل جاؤ۔ رفاعہ نے نہایت بہادری کے ساتھ حملہ کر کے سب کو منتشر کر دیا۔ اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر نکل گئے۔ ان کے تعاقب میں عبداللہ بن ابی متبعہ نے سواروں کو روانہ کیا لیکن یہ ایک بہترین قدر انداز تھے جو سوار قریب پہنچتا تھا تیر مار کر اسے زخمی کر دیتے تھے۔ یا اس کے گھوڑے کو بیکار کر دیتے تھے۔ بالآخر ناامید ہو کر یہ سب لوگ پلٹ آئے، اس طرح رفاعہ نے اپنی جان بچائی۔ [2]

اس کے بعد دس سال تک ان کے حالات زندگی کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ۶۰ ھ میں ان کا وجود پھر کوفہ میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یزید کی تخت نشینی پر جب سلیمان بن صُرد خزاعی کے مکان میں شیعیان کوفہ کا اجتماع ہوا اور آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ امام حسینؑ کو کوفہ بلانے کے متعلق ایک خط لکھا جائے۔ تو ان خط لکھنے والوں میں رفاعہ کا نام بھی ہے۔ خط کی عبارت یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسین بن علی من سلیمان بن شداد وحبیب بن نجبة ورفاعة بن شداد و حبیب بن مظاهر و شیعته من المومنین والمسلمین من اهل الکوفة [3]

اس کے بعد شہادت امام حسین علیہ السلام تک تاریخ آپ کے ذکر سے بالکل خالی ہے۔ معلوم نہیں کن ناگزیر حالات کی بنا پر واقعۂ کربلا میں شرکت نہ کر سکے۔

امام حسینؑ کے شہید ہو جانے کے بعد جب شیعیان کوفہ کو اس کا موقع ملا کہ وہ مجتمع ہوں اس وقت کوفہ کے روسائے شیعہ میں سے جن پانچ شخصوں کی طرف یہ لوگ رجوع ہوئے ان میں رفاعہ شداد بھی ہیں۔ مورخین نے اس موقع پر حسب ذیل ناموں کی تشریح کی ہے۔

سلیمان بن صرد (صحابی رسولؐ)، مسیب بن نجبہ فزاری (صحابی امیر المومنینؑ)، عبداللہ ازدی، عبداللہ تیمی،

---

[1] مورخ طبری نے اس کا نام عبداللہ بن ابی مجعہ تحریر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شخص قبیلہ ہمدان سے تعلق رکھتا تھا۔ (طبری ۶/۱۴۸)

[2] تاریخ طبری ۶/۱۴۸

[3] طبری ج ۶: ۱۹۷

رفاعہ بن شداد البجلی [1]

اس جلسے میں مسیب کے بعد رفاعہ نے حسب ذیل خطبہ دیا تھا۔

اما بعد. فان الله قد هداك لاصوب القول وبدأت بارشد الامور بدعائك الى جهاد الفاسقين والى التوبة من الذنب العظيم فمسموع منك مستجاب الى قولك وقلت ولوا امركم رجلا تفزعون اليه وتحفون برأيته وقد رأينا مثل الذى رأيت فان تكن انت ذلك الرجل تكن عندنا مرضيا دفينا متنصحا وفى جماعتنا محبوبا وان رأيت ورأى اصحابنا ذالك ولينا هذا الامر شيخ الشيعة وصاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم وذالسابقة والقوم سليمان بن صرد الخزاعى المحمود فى باسه ودينه الموثق بحزمه. [2]

اے مسیب! یقیناً اللہ نے نہایت مناسب اور درست بات تمہاری زبان سے کہلوائی۔ تم نے فاسقین سے جہاد اور گناہ عظیم سے توبہ کی طرف بلایا۔ جو سب سے بہتر کام ہے تمہاری بات قابل سماعت اور تمہارا قول ماننے کے قابل ہے۔ تم نے جو یہ کہا تھا کہ اپنے میں سے ہم کسی کو امیر بنالیں جس سے رجوع کرتے رہیں اور جس کے علم کے نیچے سب جمع ہوجائیں۔ یہی رائے ہم لوگوں کی بھی تھی۔ پس اگر وہ شخص تم ہوتے تب بھی ہمارے نزدیک یہ امر پسندیدہ ہوتا کیونکہ ہم تم کو اپنا بہی خواہ اور مخلص سمجھتے ہیں اور اپنی جماعت میں دوست تصور کرتے ہیں۔ اب اگر تمہاری اور ہمارے ساتھیوں کی یہ رائے ہے کہ سلیمان بن صرد خزاعی کو امیر بنایا جائے تو یہ بھی مناسب ہے۔ یقیناً وہ شیخ شیعہ اور صحابی رسولؐ اور صاحب سبقت وتقدم ہیں۔ اور اپنی دینداری اور سطوت و بزرگی میں سب سے بہتر ہیں۔

جنگ عین الوردہ

یہاں سے رفاعہ بن شداد برابر سلیمان بن صرد کے ہمراہ نظر آتے ہیں، چنانچہ مقام عین الوردہ پر سلیمان بن صرد نے اپنی جماعت کو مخاطب کر کے جو تقریر کی ہے اس کے آخر میں انہوں نے یہی کہا ہے کہ میں قتل ہوجاتوں تو مسیب سب کے امیر ہیں، مسیب کے بعد عبداللہ بن سعد، وہ بھی کام آجائیں تو عبداللہ بن وال، ان کے بعد رفاعہ بن شداد سب کے رئیس ہوں گے۔ [3]

اس جنگ میں رفاعہ نے نہایت بہادری دکھائی۔

---

[1] کامل ۴: ۶۷

[2] کامل ۴: ۶۷

[3] کامل ۴: ۷۶

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ سلیمان بن صرد اور مسیب بن نجبہ جب یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ تو لوگوں نے عبداللہ بن وال کو پکارا۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہمراہ ایک گروہ کو لیے ہوئے الگ جنگ کر رہے ہیں۔ اس وقت رفاعہ نے پوری قوت کے ساتھ اہل شام پر حملہ کیا۔ اور ان کو منتشر کر کے علم اٹھالیا اور دیر تک جنگ کرتے رہے۔ پھر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم میں سے جو ایسی زندگی چاہتا ہے جس کے بعد موت نہیں، ایسی راحت جس کے بعد تکلیف نہیں، ایسی خوشی جس کے بعد غم نہیں، اسے چاہیے کہ ان محلین کے ساتھ جنگ کر کے اللہ کی قربت حاصل کرے اور جنت میں داخل ہو جائے۔

یہ عصر کے وقت کا واقعہ ہے اس کے بعد رفاعہ اور ان کے اصحاب نے حملہ کر کے کئی آدمیوں کو قتل کیا اور دشمنوں کو مار کر ہٹایا۔ لیکن اہل شام نے ہر طرف سے ان پر نرغہ کر کے دھاوا بول دیا اور مارتے مارتے پھر اسی مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ پہلے تھے اور وہ ایسی جگہ تھے جہاں سے وہ صرف ایک ہی طرف سے جا سکتے تھے۔

عبداللہ بن وال کی شہادت

شام کے وقت ادہم بن محرز الباہی اہل شام کے لشکر کو لیے ہوئے عبداللہ بن وال کے سامنے پہنچا۔ اس وقت وہ یہ آیت تلاوت کر رہے تھے۔

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا الاية

ابن محرز کو یہ سن کر غصہ آیا اور نیزے کا وار کر کے ان کو قتل کر دیا۔

رفاعہ کی قیادت لشکر

عبداللہ بن وال کی شہادت کے بعد لوگ رفاعہ بن شداد کے پاس گئے اور کہا۔ اب علم لشکر آپ لے لیجیے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اب ہم کو واپس چلنا چاہیے ممکن ہے خدا ہم کو پھر ان لوگوں کی مصیبت کے دن جمع کر دے۔

عبداللہ بن عوف بن احمر نے کہا۔

''خدا کی قسم اگر ہم یہاں سے ٹلے تو ہلاک ہو جائیں گے اور وہ لوگ ہمارے کاندھوں پر چڑھ بیٹھیں گے اور اگر ہم میں سے کوئی بچ رہا تو اہل شام اس کو گرفتار کر لیں گے اور اس کے ذریعے سے وہ ان لوگوں کے یہاں تقرب حاصل کریں گے۔ نتیجہ میں وہ بھی سختی سے مارا جائے گا۔ یہ دیکھو آفتاب غروب ہونے والا ہے۔ ہم اس وقت اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگ کریں گے۔ اور جب اندھیرا ہو جائے گا تو شروع رات میں سوار ہو کر روانہ ہو جائیں گے۔ اور آہستہ آہستہ چلیں گے تاکہ ہم میں سے ہر شخص اپنے دوسرے شخص اپنے زخمی کو اٹھا لے۔ اس سے ہم یہ سمجھ لیں گے کہ واپسی کے لیے ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔''

رفاعہ نے کہا: ''تمہاری رائے بالکل درست ہے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے علم اٹھالیا۔ اور نہایت شدت کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن عزیز کنانی کی شہادت

عبداللہ بن عزیز الکنانی جو رفاعہ کے پُرجوش ساتھیوں میں تھے۔ آگے بڑھے اور اہل شام سے لڑنا شروع کیا، ان کا صغیر سن بیٹا محمد بھی ان کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے اہل شام میں سے کچھ لوگوں کو جو بنو کنانہ تھے۔ آواز دی اور اپنے لڑکے کو ان کے حوالے کیا۔ تاکہ وہ اسے کوفہ پہنچا دیں اہل شام نے ان کو بھی پناہ دینی چاہی۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا اور لڑتے لڑتے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

عبداللہ بن عزیز کنانی کی شہادت کے بعد شام کے وقت کرب بن یزید الحمیری اپنے ساتھ ایک سو آدمیوں کو لے کر آگے بڑھے اور شدت کے ساتھ حملہ کرنا شروع کر دیا، ابن ذی اکلاع حمیری نے ان کی برادری کے تمام ساتھیوں کے لیے امن پیش کی مگر ان سب نے یک زبان ہو کر یہ جواب دیا۔

''ہم دنیا میں بالکل امان میں تھے۔ اب ہم صرف امانِ آخرت کی تلاش میں نکلے ہیں۔''

غرض کہ وہ سب بھی لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔

اس کے بعد صخر بن ہلال المزنی بنو مزینہ کے تیس آدمیوں کو لے کر آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے مارے گئے۔ جب شام ہو گئی تو اہل شام اپنی چھاؤنی کی طرف گئے۔ رفاعہ نے دیکھنا شروع کیا کہ جس جس کا گھوڑا اس کی ران کے نیچے مر گیا ہو، یا زخمی ہو گیا اس شخص کو دوسرے آدمی کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ یہ انتظام کر کے اپنے تمام آدمیوں کو ہمراہ لے کر اسی رات کو وہاں سے واپس ہو گئے۔

صبح کو حصین نے رفاعہ کے مقابلے کو جانا چاہا مگر ان کو نہ پا کر واپس ہو گیا، اہل کوفہ وہاں سے روانہ ہو کر قرقیسیا آئے یہاں زمزنے ان کو اپنے یہاں اقامت کی دعوت دی۔ چنانچہ تین روز ان لوگوں نے وہاں قیام کیا۔ اور کچھ زادِ راہ لے کر پھر کوفہ روانہ ہو گئے۔

سعد بن حذیفہ کی روانگی

سعد بن حذیفہ بن یمان کو جب خبر پہنچی تو وہ اہلِ مدائن کی ایک فوج لے کر میدان جنگ کی طرف چلے۔ مگر ہسیت میں اپنے آدمیوں کی شکست کی خبر سن کر واپس ہو گئے۔ راستہ میں ان کو مثنیٰ بن مخرمتہ العبدی ملے جو اہل بصرہ کو لیے ہوئے آ رہے تھے۔ سعد نے ان کو پورا حال سنایا۔ چنانچہ یہ دونوں اپنے ہمراہیوں سمیت رفاعہ کے آنے تک وہاں ٹھہرے رہے، رفاعہ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے دور سے ان کا استقبال کیا۔ اور ایک دوسرے سے مل کر روئے۔ یہ

سب لوگ وہاں ایک دن اور ایک رات مقیم رہے۔ اس کے بعد متفرق ہو گئے۔

رفاعہ اور مختار

رفاعہ جب کوفہ پہنچے تو مختار قید میں تھے انہوں نے وہیں سے حسب ذیل خط رفاعہ کے نام لکھا۔

"اما بعد، مرحبا ہے ان لوگوں کے لیے کہ جن کی واپسی پر بھی خدا ان کو اجر عظیم عطا کرتا ہے اور قتل ہوئے وہ ان سے بھی راضی ہوتا ہے۔ قسم ہے رب کعبہ کی کہ تم میں سے کوئی چلنے والا ایک قدم بھی نہیں چلا اور زمین بلند پر نہیں چڑھا مگر یہ کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا سے زیادہ ثواب ہے۔ سلیمان پر جو فرض تھا وہ ادا کر گئے۔ خدا نے ان کو اٹھا لیا، ان کی روح دیگر انبیاء و صدیقین اور شہداء کی ارواح کے درجہ میں ہے، اب تمہارا ایسا کوئی شخص باقی نہیں ہے۔ جس سے تم مدد لے سکو۔ مگر میں امیر مامور اور امین مامون ہوں، جبارین کو قتل کرنے والا اور دشمنانِ دین سے بدلہ لینے والا ہوں لیکن یہاں مقید ہوں اس لیے تم تیار ہو جاؤ۔ اوروں کو تیار کرو۔ نیز آئندہ کے متوقع حالات سے خوش ہو جاؤ۔ میں تم کو کتاب اللہ، سنت رسولؐ، طلب خونِ اہل بیتؑ، ضعفاء کی جانب سے مدافعت، اور محلین سے جہاد کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

والسلام۔

رفاعہ کے پاس یہ خط پہنچا تو انہوں نے مثنی بن مخرمۃ العبدی، سعد بن حذیفہ، یزید بن انس، احمر بن شمیط، احمسی، عبداللہ بن شداد الجبلی، اور عبداللہ بن کامل کو پڑھ کر سنایا۔ ان سب کی یہ رائے ہوئی کہ ابن کامل کو مختار کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا جائے کہ ہم سب تمہارے ساتھ رہنے کو تیار ہیں۔ اگر چاہو تو ہم تم کو قید سے چھڑا لیں گے لیکن مختار خود ہی کچھ دنوں کے بعد رہا کر دیے گئے۔

رفاعہ کی مختار سے علیحدگی

مختار کے کوفہ پر قابض ہونے تک رفاعہ برابر ان کے ساتھ رہے۔ لیکن ۶۶ھ میں جب وہ خون حسینؑ کا انتقام لینے کے لیے کھڑے ہوئے اور مورخین کی تصریح کے مطابق انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ میں محمد بن الحنفیہ کا وکیل اور سفیر ہوں تو رفاعہ ان سے الگ ہو گئے۔ اور صرف الگ ہی نہیں بلکہ اس گروہ میں شامل ہو گئے جو مذکورہ سبب سے ان سے بر سرِ پیکار تھا جس کے سردار شیث بن ربعی، محمد بن اشعث، عبدالرحمٰن بن سعید بن قیس، عبدالرحمٰن بن مخنف ازدی تھے۔ چنانچہ یہ سب لوگ جب بنو سبیع کے قبیلہ میں جمع ہوئے تو اس وقت ان میں اختلاف ہوا کہ امامت کون کرے، عبدالرحمٰن بن مخنف ازدی نے رفاعہ بن شداد کو امامت کے لیے منتخب کیا۔ جس پر سب راضی ہو گئے۔

مختار نے ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ جو تم چاہو گے وہ میں کرنے کے لیے تیار ہوں، انہوں نے جواب

دیا کہ ہم بس یہ چاہتے ہیں کہ تم ہم سے الگ ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ مجھ کو محمد حنفیہ نے بھیجا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ مختار نے کہلا بھیجا کہ اگر تم کو اس میں تردد ہے تو اپنی طرف سے ان کے پاس ایک وفد روانہ کر دو۔ یہاں سے میں بھی کچھ لوگوں کو بھیجتا ہوں مورخ کامل اس موقع پر لکھتے ہیں کہ "اس جواب سے مختار کا مقصد یہ تھا کہ جب تک ابراہیم بن مالک اشتر پہنچیں اس وقت تک معاملے کو التواء میں رکھا جائے" لیکن وہ لوگ راضی نہ ہوئے اور جنگ چھڑ گئی۔

رفاعہ کی مختار سے علیحدگی اس بنا پر توضیح ہوسکتی ہے کہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ محمد حنفیہ کے وکیل اور سفیر ہیں لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس گروہ کا ساتھ دیا جس کی اکثریت ہوا خواہان عثمان اور دشمنان اہلبیت پر مشتمل تھی۔ تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ یقیناً رفاعہ کی یہ ایک بہت بڑی لغزش تھی جو ان کے تمام گزشتہ کارناموں پر پانی پھیر رہی تھی۔ لیکن توفیق الٰہی نے عین وقت پر ان کی دستگیری کی اور ان کی وہ تلوار جو ابھی ابھی مختار اور ان کے ساتھیوں کے لیے تیز ہو رہی تھی۔ خود اپنی ہی جماعت پر پلٹ پڑی۔

مورخین کا بیان ہے کہ اثنائے جنگ میں جس وقت مختار کے آدمیوں نے بنو سبیع کے قبیلہ میں پہنچ کر پکارا۔ "اے حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے والو آؤ!" یزید بن عمیر بن ذی مران ہمدانی نے اس آواز کو سنا تو اس نے بھی پکار کر کہا۔ "اے عثمان کے خون کا بدلہ لینے والو آؤ۔" رفاعہ جو اس وقت تک ان کی طرف سے جنگ کر رہے تھے۔ یہ سن کر پلٹ پڑے اور کہا "ہم کو عثمان سے کیا واسطہ، میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہو کر نہیں لڑوں گا جو عثمان کے خون کا بدلہ چاہتے ہیں۔" اس پر ان کی جماعت کے کچھ لوگوں نے کہا کہ تم ہم کو یہاں تک لائے اور ہم نے تمہاری اطاعت کی اور جب وہ وقت آیا کہ ہماری قوم پر تلوار چلا چاہتی ہے تو تم نے ساتھ چھوڑ دیا۔ رفاعہ نے یہ سنا اور یہ شعر پڑھتے ہوئے انہیں کی طرف پلٹ پڑے۔

انا ابن شداد علی دین علی　　　لست لعثمان بن اروی بولی

لاصلین الیوم فیمن یصطلی　　　بحر نا الحرب غیر مؤتلی

میں ابن شداد ہوں اور علیؑ کے دین پر ہوں، عثمان بن اروی کا دوست نہیں ہوں! میں آج بے فکر ہوں آتشِ جنگ میں جلنے والوں کے ساتھ جلوں گا۔

دیر تک بہادری کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ بالآخر شہادت پائی۔ [1]

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴: ۹۹

صیفی بن فسیل

آپ کو مثل الربعی الشیبانی بھی کہا جاتا ہے۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب اور فداکاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

ان کی زندگی حضرت عثمان کے زمانہ خلافت تک بالکل معرض خفا میں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عساکر نے ان کے تذکرے کے ذیل میں حسب ذیل روایت لکھی ہے۔

اخرج الحافظ والبیھقی وابن سعد عن بحثنی الحکم بن ایوب الی شھبة بنت عمیر الشیبانیة اسألھا، فحدثنی ان زوجھا صیفی بن فسیل نعی لھا من قند أسل فتزوجت بعدہ العباس ابن طریف القیسی ثم ان زوجھا الاول قدم قالت فاتیھا عثمان بن عفان فاشرف علینا فقال کیف اقضی بینکم وانا علی ھذہ الحال فقلنا قد رضینا بقضائک فقضی ان یخیر الرجل الاول بین الصداق فقالت: فاخذمنی الفین وھو صداقه الذی کان جعل للمرأة وزادنی روایة ابن سعد: واخذ من الزوج الأخر الفین ثم اتفقت الروایات فقالوا: وکانت له ام ولد قد تزوجت من بعدہ وولدت لزوجھا اولادا کثیرا فودھا علی بن ابی طالب ﷺ وولدھا علی سیدھا وجعل لا بیھم ان یفکھم ان شاء قال سعید بن ابی عروبة وحدثنی ایوب بمثل ھذا الحدیث غیر ان ایوب قال: جعل اولادھم لابیھم"

حافظؒ اور بیہقی اور ابن سعدؒ نے قتادہؒ سے روایت کی ہے۔ انھوں نے ابوالملیح ہذلی سے ان کا بیان ہے کہ حکم بن ایوب نے مجھ کو شھبہ بنت عمیر شیبانیہ کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے بھیجا۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ اس کے شوہر صیفی بن فسیل کی قند اسل سے خبر مرگ آئی تھی۔ جس کے بعد اس نے عباس بن طریف قیسی سے نکاح کرلیا اس کے بعد اس کا پہلا شوہر (صیفی) آ گیا، اس نے کہا کہ اب ہم عثمان بن عفان کے پاس آئے انھوں نے غور سے دیکھا اور کہنے لگے کہ اس حال میں، میں تمہارے درمیان کس طرح فیصلہ کرسکتا ہوں۔ ہم نے کہا کہ ہم آپ کے ہر فیصلہ پر راضی ہیں۔ پس انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے شخص کو اختیار ہے کہ وہ خواہ زر مہر واپس لے لے یا اپنی عورت کو لے لے۔ پس اس نے مہر لینا منظور کیا۔ شیبہ کا بیان ہے کہ اس نے مجھ سے دو ہزار روپے لے لیے۔ یہ وہ مہر تھا جو عموماً عورتوں کا باندھا جاتا تھا۔ ابن سعدؒ کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ یہ دو ہزار دوسرے سے بے کر دیے گئے۔ اس کے بعد روایات متفق ہیں۔ چنانچہ لوگوں کا بیان ہے کہ ان کی ایک ام ولد بھی تھی۔ جس نے ان کے بعد شادی کر لی تھی۔ اور اس شوہر سے اس کے کئی

بچے بھی ہوئے۔ پھر حضرت علیؑ نے اس ام ولد اور اس کے بچوں کو پہلے مالک کی طرف پلٹایا۔ اور بچوں کے باپ سے فرمایا کہ اگر وہ چاہے تو ان بچوں کو قیمت ادا کر کے چھڑا لے سعید بن ابی عروبہ کا بیان ہے۔ کہ مجھ سے بھی ایوب نے ایسی ہی بات بیان کی تھی۔ مگر ایوب نے یہ کہا تھا کہ حضرت نے اس کنیز کے بچوں کو ان کے باپ کے حوالے کر دیا تھا۔ [1]

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صیفی کی زندگی کا ایک بڑا حصہ گمنامی میں گزرا۔ کہ ان کے اہل وعیال تک کو ان کی خبر نہ تھی اور وہ اپنے خیال میں ان کو مردہ سمجھ چکے تھے۔ البتہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے زمانے میں اور اس کے بعد آپ کئی مقامات پر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ صفین کے بعد امیر المومنینؑ نے جب دوبارہ اہل شام سے جنگ کرنا چاہی ہے۔ اس وقت آپ کے اصحاب میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اہل کوفہ اس پر مصر تھے کہ پہلے خوارج سے جنگ کی جائے۔ امیر المومنینؑ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر ایک خطبہ دیا۔ اس وقت صیفی بن فسیل کھڑے ہو گئے۔ طبری میں ہے۔

قال فقام اليه صيفي بن فسيل فقال يا امير المومنين نحن حزبك وانصارك لعادي من عاديت ونشائع من اناب الى طاعتك فسر بنا الى عدوك وكانوا فانك ان شاء الله لن توتى من قله عدد ولا ضعف نية اتباع [2]

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر صیفی بن فسیل کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا امیر المومنینؑ ہم آپ کی جماعت ہیں اور آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے دشمنوں کے دشمن، جو آپ کے مطیع وفرماں بردار ہیں، ان کے دوست ہیں، پس آپ ہم کو اپنے دشمن کی طرف خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں بھی ہوں انشاء اللہ کمی تعداد اور ضعف نیت آپ کو نقصان نہ پہنچائے گا۔

اس کے بعد صیفی بن فسیل حجر بن عدی کے ہمراہ پائے جاتے ہیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ زیاد نے جب حجر کے اصحاب کو گرفتار کرنا شروع کیا ہے تو قیس بن عباد شیبانی نے زیاد سے آ کر کہا کہ ایک شخص ہم میں سے بنی ہمام کا جسے بن فسیل کہتے ہیں، اصحاب حجر کے سرگروہوں میں ہے اور سب سے زیادہ تمہارا دشمن ہے زیاد نے ان پر دوڑ بھیجی، لوگ ان کو پکڑ کر زیاد کے پاس لے آئے۔ اس موقع پر زیاد سے ان کا حسب ذیل مکالمہ ہوا۔ جس کو ہم تاریخ طبری سے نقل کرتے ہیں۔

زیاد: اے دشمن خدا ابوتراب کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

صیفی: میں ابوتراب کو نہیں جانتا۔

---

[1] ابن عساکر ۶: ۴۵۷

[2] طبری ۶: ۴۵

زیاد: تو خوب جانتا ہے۔

صیفی۔ میں نہیں جانتا۔

زیاد: کیا علی بن ابی طالب ؑ کو تو نہیں جانتا؟

صیفی: ضرور جانتا ہوں۔

زیاد: وہی تو ابوتراب ہیں۔

صیفی: ہرگز نہیں، وہ تو ابوالحسنؑ اور ابوالحسینؑ ہیں۔

ایک درباری: امیر تو انہیں ابوتراب کہتا ہے اور تو کہتا ہے نہیں۔

صیفی: یہ کیا ضروری ہے کہ امیر جھوٹ بولے تو میں بھی جھوٹ بولوں اور امر ناحق پر ویسی گواہی دوں جیسی امیر نے دی۔

زیاد: (غصہ ہو کر) قصور اور اس پر زباں درازی! لاؤ تو میرا عصا! (ایک غلام نے عصا لا کر دیا) اب بتا علیؑ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

صیفی: بندگان خدا میں سے کسی بندۂ مومن کی نسبت جیسی میری رائے ایسے ہونی چاہیے اس سے بڑھ کر ہے۔

یہ جواب پا کر زیاد نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ عصا لے کر اس کے شانوں پر اس قدر مارو کہ زمین پر لوٹنے لگے آخر صدمات ضرب سے زمین پر گر پڑے۔ اب زیاد نے مار کو موقوف کرنے کا حکم دیا اور پوچھا۔

زیاد: اب بتا علیؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

صیفی: واللہ! اگر تو میری بوٹیاں بھی اڑا دے گا جب بھی اس کے سوا نہ کہوں گا جو تو سن چکا۔

زیاد: تجھ کو علیؑ پر لعنت کرنا پڑے گی۔ نہیں تو گردن ماردی جائے گی۔

صیفی: واللہ! میری یہی خواہش ہے کہ اس سے پہلے میری گردن ماردی جائے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو میں حکم خدا پر راضی ہو جاؤں گا اور تو شقاوت میں مبتلا ہوگا۔

یہ سن کر زیاد نے حکم دیا کہ ان کو بیڑیاں پہنا کر قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ [1]

اس کے بعد حجر بن عدی کے ہمراہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ کچھ عرصہ مرج عذرا میں قید رہے۔ اس کے بعد قتل کر دیے گئے۔

بنی شیبان کے ایک شاعر نے صیفی کی شہادت پر حسب ذیل تین شعر کہے ہیں۔ جن میں بنی ہند کو قیس بن عباد

---

[1] تاریخ طبری ۶: ۱۴۹؛ اغانی ۱۶: ۸

پر ابھارا ہے۔

دعی ابن فسیل یا ٰال مرة دعوة ولاقی ذباب السیف کفا و معصما
فرض بنی ھند اذا ما لقیتھم وقل لغیاث وابنه یتکلما
لقیلک بنی ھند فعیلة مثل ما بکت عرس صیفی وتمعت ماتما [1]

عبدالرحمٰن بن حسان غزی

حجر کے اصحاب میں تھے۔ جس وقت یہ مرج عذرا پہنچے ہیں اور معاویہ کے آدمیوں نے ان سے تبرا کرنے کو کہا تو انہوں نے کہا کہ ہم کو امیر المومنین کے پاس بھیج دیا جائے اور جو کچھ وہ علیؑ کے بارے میں کہلوانا چاہتے ہیں کہہ دیں گے۔ چنانچہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس موقع پر معاویہ سے ان کا جو مکالمہ ہوا ہے وہ ان کی حق گوئی اور جرأت و ہمت کی یادگار مثال ہے۔

معاویہ: اے اخور بعید! علیؑ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

عبدالرحمٰن: یہ تذکرہ جانے دیجیے، بہتر ہے کہ یہ بات مجھ سے نہ پوچھئے۔

معاویہ: جب تک تم یہ نہ بتاؤ گے میں تمہیں چھوڑنے والا نہیں۔

عبدالرحمٰن: میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ بہت زیادہ ذکر خدا کرنے والے اور حق کا حکم دینے والے، انصاف قائم کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے تھے۔

معاویہ: اچھا! عثمان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

عبدالرحمٰن: انہوں نے سب سے پہلے ظلم کا دروازہ کھولا اور حق کے دروازوں کو ہلا ڈالا۔

یہ سن کر معاویہ نے کہا کہ تو نے خود اپنے کو قتل کیا اور میں نے بھی تجھ کو قتل کیا۔ اس وقت بنی ربیعہ کا کوئی شخص موجود نہ تھا کہ ان کے بارے میں سفارش کرتا۔ معاویہ نے ان کو زیاد کے پاس واپس کر دیا اور حسب ذیل مضمون کا خط لکھا۔

اما بعد فان ھذا العنزی شر من بعثت فعاقبه عقوبته التی ھو اھلھا واقتله شر قتلة

[1] طبری ۶: ۱۵۷

امابعد، معلوم ہو کہ تمہارے بھیجے ہوئے لوگوں میں سب سے بدتر یہ عنزی ہے۔ اس کو ایسی سزا دے جس کا وہ اہل ہے۔ اور بہت بری طرح قتل کر۔

زیاد کے پاس جب یہ پہنچے تو اس نے ان کو قس ناطف میں بھیج کر زندہ گڑوا دیا۔[1]

جس وقت عنزی اور کریم بن عفیف خثعمی کو معاویہ کے پاس لے جانے لگے ہیں تو عنزی نے حجر کی طرف خطاب کر کے کہا "**یا حجر لا یبعدنك ابه ضنعم اخوالا اسلام كنت**" اے حجر! خدا آپ پر رحم کرے، آپ کتنے اچھے برادر ایمانی تھے۔

اتنے میں ان دونوں کو لے کر لوگ دور نکل گئے۔ جب تک سامنا رہا حجر ان کی طرف دیکھتے رہے پھر کہا "دوستوں کے تعلقات قطع کرنے کے لیے موت کافی ہے۔[2]

قبیصہ بن ضبیعہ عبسی

حجر بن عدی کے اصحاب اور ان کے پرجوش حامیوں میں تھے، جنگ نہروان میں امیر المومنینؑ کے ہمراہ تھے۔ جب خارجیوں سے مقابلہ ہوا ہے اور انہوں نے یزید بن قیس کو للکار کر کہا ہے **لاحکم الا لله** تو عباس بن شریک اور قبیصہ بن ضبیعہ العبسیان نے ان کو جواب دیا اور کہا **یا اعداء الله الیس فیکم شریح بن اوفی المسرف علی نفسه هل انتم اشباهه**[3]

زیاد نے جب اصحاب حجر کو گرفتار کرنا شروع کیا ہے۔ تو قبیصہ بن ضبیعہ کے پاس اپنے صاحب شرطہ شداد بن ہیثم کو بھیجا۔ قبیصہ نے اپنی قوم والوں کو پکارا اور تلوار سونت لی۔ ربعی بن خراش عبسی اور کچھ لوگ ان کی قوم کے آ پہنچے۔ یہ کچھ زیادہ نہ تھے، قبیصہ لڑنے پر آمادہ ہوگئے صاحب شرطہ نے کہا تم کو جان و مال کی امان دی گئی ہے پھر کیوں خود کو ہلاک کرتے ہو، یہ سن کر ان کے ساتھی بھی کہنے لگے۔ کہ صاحب شرطہ صحیح کہتا ہے اب اپنے کو کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہو، قبیصہ نے کہا۔ خدا تم کو عقل دے یہ آیا لگایا ہوا پسر فاحشہ اگر میں اس کے ہاتھ آ گیا۔ تو ہرگز بچ نہیں سکتا۔ یہ ضرور

---

[1] طبری ۶: ۱۴۹
[2] کامل ۳: ۲۰۸، طبری ۶: ۱۵۵
[3] طبری ۶: ۱۵۵

مجھے قتل کرے گا۔ انہوں نے کہا۔ ایسا نہ ہوگا۔ قبیصہ نے مجبوراً اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ زیاد کے آدمی ان کو لیے ہوئے زیاد کے پاس چلے۔ جب سامنا ہوا تو زیاد نے کہا، واللہ میں تجھے ایسی سزا دوں گا کہ یہ فتنہ وفساد اٹھانا اور حاکوں پر حملہ کرنا سب بھول جائے گا۔ قبیصہ نے کہا میں تو امان پا کر چلا آیا ہوں۔ زیاد نے حکم دیا کہ اس کو زندان میں ڈال دیا جائے۔ [۱]

جس وقت حجر اور ان کے اصحاب کو زیاد کے سپاہی لے کر چلے ہیں اور قیدیوں کا یہ قافلہ محلۂ عزرم تک پہنچا تو قبیصہ نے اپنے گھر کی طرف ایک نظر کی۔ دیکھا کہ ان کی لڑکیاں ایک بلندی سے اپنے باپ کو دیکھ رہی ہیں۔ قبیصہ نے زیاد کے سپاہیوں سے کہا کہ مجھے اتنی اجازت دو کہ اپنے عیال کو وصیت کرلوں۔ اجازت ملنے پر یہ گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ لڑکیاں رو رہی ہیں۔ کچھ دیر یہ خاموش رہے۔ اس کے بعد ان کو تسلی دلاسا دے کر خاموش کیا۔ جب سب خاموش ہو گئے تو حسب ذیل وصیتیں کیں۔

اتقین اللہ عز وجل واصبرن فانی ارجو من ربی فی وجھی ھذا احدی الحسنیین اما الشھادۃ وھی السعادۃ واما الانصراف الیکن فی عافیۃ وان الذی کان یرزقکن ویکفینی مؤنتکن ھو اللہ تعالیٰ وھو حی لا یموت ارجو ان لا یضیعکن وان یحفظنی فیکن۔ [۲]

اللہ عز وجل سے ڈرو اور صبر کرو! میں اپنے اس سفر میں دو باتوں میں سے ایک کی ضرور امید کرتا ہوں، یا تو شہادت! اور یہ بہت بڑی سعادت ہے، یا خیر وعافیت کے ساتھ واپسی، اور سنو جو تم کو رزق دیتا تھا اور تمہاری پرورش میں میرا مددگار رہتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ ہے وہ زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں، مجھے امید ہے کہ وہ تم کو ضائع نہ ہونے دے گا اور تمہارے سلسلہ میں میرا لحاظ کرے گا۔"

یہ کہہ کر وہاں سے چل دیے اور اپنی برادری والوں کی طرف سے گزرے، سب لوگ ان کو دیکھ کر ان کے لیے دعائیں مانگنے لگے۔ قبیصہ نے کہا "مجھے جتنی اپنی جان عزیز ہے اتنا ہی اپنی قوم کی ہلاکت کا خیال ہے۔ اس وقت قبیصہ کو کچھ یہ امید ہوئی کہ یہ لوگ مجھ کو چھڑا لیں گے۔ [۳]

---

[۱] طبری ۶: ۱۴۹

[۲] طبری ۶: ۱۴۹ و اغانی ۱۶: ۸

[۳] طبری ۶: ۱۵۱، ۱۵۲

عاصم بن عوف بجلی

ابن عوف بجلی کے نام سے مشہور ہیں۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے شیعوں میں ہیں، آپ کا شمار راویانِ حدیث میں ہے۔ حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ آپ نے ابوامامہ باہلی، عمیر مولیٰ، اور عمرو بن شرجیل سے احادیث کی روایت کی ہے۔ چنانچہ ابو اسحاق سبیعی اور دیگر محدثین کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا "ھو صدوق" [۱]

علامہ بن حجر عقلانی لکھتے ہیں:

روی عنه طارق بن عبدالرحمٰن البجلی و ابو اسحاق السبیعی وشعبة ومالك بن مغول و حجاج بن ارطاة وغیرهم وقال یحییٰ بن معین کان کوفیا قدم الشام وقال ابوحاتم صدوق یحول من کتاب الضعفاء یعنی الذی بلغاز وذکره ابن حبان فی الثقات وروی له ابن ماجة حدیثا واحدا فی فضل صلوٰة الرجل فی بیته قلت قال البخاری لم یثبت حدیثه وذکره العقیلی فی الضعفا [۲]

سعید بن نمران الہمدانی ان عطی

امیر المومنین کے اصحاب میں ہیں۔ نیز طبری کی تصریح کے مطابق آپ کے کاتب بھی رہ چکے تھے۔ ابن عساکر نے ان کو تابعین اہل کوفہ سے لکھا ہے۔ [۳] ابن سعد نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے: سعید بن نمران، علیؑ کے

---

[۱] ابن عساکر ۷: ۱۲۹

[۲] تہذیب التہذیب ۵: ۵۵

[۳] تاریخ ابن عساکر ۶: ۱۱۴

اصحاب میں تھے، آپ نے ان کو عبیدہ بن العباس بن عبدالمطلب کی ہمراہی میں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔[1] اس کی تائید سید رضی جامع نہج البلاغہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ انہوں نے ایک خطبہ کے ذیل میں لکھا ہے:

"جس وقت معاویہ کے اصحاب کی یورش کی خبریں امیر المومنینؑ کو پہنچی ہیں اور قسیر بن ارطاۃ نے یمن کے عامل عبیداللہ بن العباس اور سعید بن نمران پر قابو پالیا تو یہ دونوں حضرات امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے، اس وقت آپ اپنے اصحاب کے جہاد سے جی چرانے پر بہت کبیدہ خاطر ہوئے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

أنبئت بُسرا قد اطلع على اليمن[2] الخ

حجر بن عدی کے ہمراہ ان کو بھی زیاد گرفتار کر کے معاویہ کے پاس بھیجا تھا، لیکن حمزہ بن مالک کی سفارش پر چھوڑ دیے گئے۔[3]

ان کے ایک بیٹے مسافر سعید مختار کے اصحاب میں تھے۔ چنانچہ مختار نے عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص بن عمر کے سرکاٹ کر ان ہی کے ہاتھ محمد بن حنفیہ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔[4]

ربیعہ بن ناجد ازدی

تابعین اہل کوفہ سے ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ربيعة بن ناجد الازدي ويقال ايضا الاسدي الكوفي روى عن علي وابن مسعود وعبادة بن الصامت رضي الله عنهم عنه ابو صادق الازدي يقال انه اخوه ذكره ابن حبان في الثقات له في ابن ماجة حديث واحد في الامر باقامة الحدود وفي الخصائص اخر في فضل علي، قلت وقال العجلي كوفي تابعي ثقة وقرأت بخط الذهبي لا يكاد يعرف.[5]

ربیعہ بن ناجد ازدی، ان کو الاسدی الکوفی بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے علی بن ابی طالبؑ، ابن مسعود، عبادہ بن

---

[1] طبقات ابن سعد ۶: ۵۶

[2] نہج البلاغہ مط بیروت ۱: ۴۱۔۴۲

[3] ابن عساکر ۶: ۱۱۴، اغانی ۱۶: ۸

[4] طبقات ابن سعد ۶: ۵۶ و طبری ۷

[5] تہذیب التہذیب ۳: ۲۶۲

صامت رضے اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے ابو صادق ازوی نے ! کہا جاتا ہے کہ یہ ابو صادق ان کے بھائی تھے۔ ابن حبان نے ثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن ماجہ میں ان سے ایک حدیث اقامت حدود کے بارے میں مروی ہے اور دوسری خصائص میں علیؑ کی فضیلت ہیں۔ عجلی نے ان کو کوفی تابعی اور ثقہ کہا ہے اور ذہبی کی تحریر میں نے پڑھی۔ جو اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی۔

زیاد نے جب حجر بن عدی کے تعاقب میں اپنے سپاہیوں کو روانہ کیا تو حجر بن عدی محلہ ازد میں پہنچ کر ان ہی کے گھر میں پناہ گیر ہوئے تھے اور ایک دن رات وہاں قیام کیا۔[1]

عبدالرحمٰن بن محرز الکندی الطمحی

حجر کے سرگرم حامیوں میں تھے۔ جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کی طرف سے شریک تھے۔ طبری میں ہے کہ جنگ میں اہل شام کا ایک شخص جب مبارز طلب ہوا ہے تو اس کے مقابلے کو یہی عبدالرحمٰن بن محرز گئے ہیں۔ دونوں میں دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے شامی پر حملہ کیا اور اس کی گردن پر نیزے کا وار کر کے نیچے گرا دیا۔ اس کے بعد جب قریب پہنچے تو اس کے ہتھیار اور زرہ اتاری۔ اس وقت معلوم ہوا کہ وہ ایک مرد حبشی تھا۔ کہنے لگے۔ **انا للہ لمن اخطرت نفسی لعبد اسود.**[2]

زیاد نے جب حجر بن عدی کے تعاقب میں اپنے آدمیوں کو بھیجا ہے اس وقت یہ ان کے ہمراہ تھے، جب زیاد کے سپاہی قریب آ پہنچے تو عبدالرحمٰن بن محرز نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک گھنٹہ تک ان کا مقابلہ کیا۔ بعد میں بچ کر نکل گئے۔[3]

---

[1] طبری ۶: ۱۴۷

[2] طبری ۶: ۱۶

[3] طبری ۶: ۱۴۲

عبیدہ بن عمرو بدی

بنو بد کی ایک معزز فرد تھے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

عبیدہ نہایت دلیر اور بہت عمدہ شاعر تھے۔ اور تشیع اور حضرت علیؑ کی محبت میں نہایت شدید اور غالی تھے۔ [1]

حجر بن عدی کے پر جوش حامیوں میں تھے۔ زیاد نے جب حجر کے تعاقب میں اپنے آدمیوں کو بھیجا ہے تو اس وقت یہ حجر کے ہمراہ تھے۔ جب اس کے سپاہی قریب پہنچ گئے تو عبیدہ بن عمرو بدی نے مع اپنے ساتھیوں کے نہایت دلیری سے ان کا مقابلہ کیا۔ اس ہنگامے میں وہ زخمی بھی ہوئے۔ [2]

مختار جب قاتلان حسینؑ کے انتقام کی غرض سے کوفہ روانہ ہوئے تو راستہ میں جب بنو بدو کی طرف سے گزرے تو عبیدہ بن عمرو البدی سے ملاقات ہوئی مختار نے ان کو سلام کیا اور کہا کہ نصرت اور فتح تم کو مبارک ہو تم ابو عمرو ہو اور بہت اچھی رائے رکھتے ہو خدا تمہارے کسی گناہ کو لگائے نہیں رکھے گا بلکہ بخش دے گا۔ عبیدہ نے کہا خدا تم کو بھی اچھی اچھی خوشخبریاں سنائے لیکن تم ہمارے لیے واپس آؤ گے کہا ہاں مجھ سے آج رات کو ملنا اس کے بعد جب وہ اپنے گھر چلے گئے تو شیعہ ان کے پاس آنے جانے لگے۔ اسمٰعیل بن کثیر اور اس کے بھائی اور عبیدہ بن عمرو بھی آئے مختار نے ان سے سلیمان بن صرد کا حال دریافت کیا انہوں نے بتلایا کہ وہ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر اپنا مقصد ان پر ظاہر کیا اور ان سے امداد کا طالب ہوا چنانچہ سب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ [3]

ارقم بن عبداللہ الکندی

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ تابعین اہل کوفہ سے ہیں۔ حجر بن

---

[1] کامل
[2] طبری ج ۲
[3] ابن اثیر واقعات ۶۴ھ

عدی کے ہمراہ جن بارہ آدمیوں کو گرفتار کر کے مرج عذرا بھیجا گیا ان میں آپ کا نام بھی ملتا ہے لیکن وائل بن حجر کی سفارش سے چھوڑ دیے گئے۔[1]

ورقاء بن سمی البجلی

امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے اصحاب میں ہیں، جنگ صفین میں ان کے ہمراہ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ تحکیم کے اقرار نامہ پر گواہوں میں آپ کا نام بھی ملتا ہے۔[2]

جناب حارث بن عبید اللہ اعور ہمدانی رضی اللہ عنہ

حارث بن عبداللہ اعور ہمدانی یہ حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب اور دوستوں میں سے تھے۔ قاضی نور اللہ نے کہا ہے کہ تاریخ یافعی میں مذکور ہے کہ حارث المومنینؑ کے صحابی تھے اور عبداللہ بن مسعود ابن حیانؒ سے نقل کیا ہے کہ حارث تشیع میں غالی تھے اور ابوبکر بن ابی داؤد سے نقل کیا ہے جو علماء اہل سنت میں سے ہے کہ حارث اعور سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ فرائض کو جاننے والا اور سب سے زیادہ حسب ونسب کا واقف تھا اور اس نے علم فرائض حضرت امیرؑ سے اخذ کیا ہے اور نسائی نے باوجود دیکہ رجال حدیث میں سختی برتتا ہے۔ حارث کی حدیث سنن اربعہ میں ذکر کی ہے اور اس کو حجت قرار دیا ہے اور حارث کے معاملہ کو تقویت پہنچائی ہے اور شیخ ابو عمرو کی کتاب کشی میں ہے کہ حارث ایک رات حضرت امیرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا۔ رات کے وقت کیا چیز تجھے میرے پاس لائی ہے تو حارث نے کہا خدا کی قسم وہ محبت جو مجھے آپ سے ہے وہ مجھے کھینچ لائی ہے۔ تو اس وقت حضرت نے فرمایا جان لو اے حارث کہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ نہیں مرتا مگر یہ کہ جان دیتے وقت وہ مجھے دیکھتا ہے اور مجھے دیکھ کر اسے رحمت

---

[1] ابن عساکر جلد ۲
[2] طبری ۶/۳۰

الٰہی کی امید ہو جاتی ہے اور اسی طرح میرا دشمن نہیں مرتا مگر یہ کہ مرتے وقت مجھے دیکھتا ہے اور مجھے دیکھ کر خجالت کے پسینہ میں غرق ہو جاتا ہے اور نا امید ہو جاتا ہے اور یہ روایت بعض اشعار دیوان معجز نشان حضرت میں بھی مذکور ہے۔

یا حار همدان من یمت یرنی　　　من مومن اور منافق قبلا

فقیر کہتا ہے معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے شیخ بہائی زید بہاۂ کا نسب انہیں حارث تک پہنچتا ہے اسی لیے شیخ بہائی کہیں کہیں اپنے آپ کو حارثی سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ وہی حارث ہے جنہوں نے حضرت امیر المومنینؑ کو حضرت خضر کے ساتھ نخیلہ میں دیکھا کہ ان پر آسمان سے تازہ کھجوروں کا طبق اترا اور دونوں بزرگواروں نے اس سے کھجوریں کھائیں۔ حضرت خضرؑ تو ان کی گٹھلیاں دور دور پھینکتے تھے اور حضرت امیر المومنینؑ اپنی مٹھی میں جمع کرتے رہے۔ حارث کہتے ہیں میں نے حضرت سے عرض کیا کہ گٹھلیاں مجھے دے دیجئے۔ آپ نے وہ مجھے عطا فرمائیں میں نے انہیں بویا تو اس سے بہترین کھجوریں ہوئیں جن کی مثل میں نے نہیں دیکھی تھی اور یہ روایت بھی ہے کہ حارث نے ایک مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں دوست رکھتا ہوں کہ آپ مجھے عزت بخشیں اور میرے غریب خانہ پر تشریف لاکر کھانا تناول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس شرط کے ساتھ کہ تم میرے لیے کسی چیز کا تکلف نہ کرو۔ پس آپ گھر میں تشریف لائے اور حارث روٹی کے کچھ ٹکڑے لے آئے۔ حضرت کھانے لگے تو حارث نے عرض کیا میرے پاس کچھ درہم ہیں اور نکال کر حضرت کو دکھائے اور عرض کیا اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے لیے کچھ خرید لاؤں آپ نے فرمایا یہ بھی اس چیز میں سے ہیں جو گھر میں ہے یعنی کوئی حرج نہیں اور اس میں تکلیف نہیں ہے۔

جو تم سے سختی کرے تم اس سے نرمی کرو وہ خود بخود نرم پڑ جائے گا۔

وہ بات جو تم نے سنی ہو اس کو لوگوں میں بیان نہ کرو ایسا کرنا تم کو جھوٹ سے بچائے گا' نیز ہر وہ بات جو تم سے بیان کی جائے اسکو لوگوں سے پوچھتے نہ پھرو' ایسا کرنا تم کو جہالت سے محفوظ رکھے گا غصہ کو ضبط کرو غیظ وغضب کے وقت علم اور بردباری سے کام لو جب بدلہ لینے پر قدرت حاصل ہو تو درگذر کرو' اس سرمایہ سے بے پرواہ ہو جاؤ جو نتیجہ میں تم ہی کو ملنے والا ہے اور ہر اس نعمت کی صلاح چاہو جو اللہ نے تم کو عطا کی ہے اور اللہ کی کسی نعمت کو جو تمہارے پاس موجود ہے۔ ضائع نہ کرو نیز یہ کہ جو نعمتیں اللہ نے تم کو دی ہیں اس کے آثار تم پر ظاہر ہوں۔ خوب جان لو کہ مومنین میں افضل وہی ہے جو اپنے نفس اور اہل اور اپنے مال کی جانب سے آخرت کی طرف توشہ بھیج رہا ہے اس لیے کہ جو بھلائی بھی تم آگے بھیجو گے وہ باقی رہے گی اور جس میں تاخیر کرو گے وہ تمہارے غیر کا ہو جائے' بد اعتقاد اور بد کردار آدمی کی صحبت سے پرہیز کرو کیونکہ انسان اپنے مصاحب کے ساتھ آزمایا جاتا ہے بڑے بڑے شہروں میں سکونت اختیار کرو کیونکہ وہ مسلمان کی جمعیت کے محل ہیں اور ان منزلوں سے پرہیز کرو جہاں رہ کر خدا کی یاد سے غفلت ہو اور جہاں جور و جفا کی

جھلک ہو جہاں خدا کی اطاعت پر مدد کرنے والے بہت قلیل ہوں۔ اپنی رائے او تدبیر اسی کام کے لئے وقف رکھو جو تمہاری اعانت کرنے بازاری نشست گاہوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ جگہیں فتنہ وفساد کا محل اور شیطان کی فرودگاہ ہیں اس شخص پر کثرت کے ساتھ نظر کرو جس سے تم حیثیت میں زیادہ ہو کیونکہ اپنے سے پست لوگوں کے حال پر نظر کرنا شکر کرنے کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جمعہ کے دن سفر نہ کرو جب تک نماز جمعہ سے فارغ نہ ہو جاؤ سوائے اس صورت کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کیلیے کوئی روانہ ہو یا پھر کوئی بڑی مجبوری پیش آ جائے۔ اپنے تمام امور میں خدا کی اطاعت کرو کیونکہ خدا کی اطاعت تمام ماسوئی اللہ سے افضل ہے عبادت کرنے میں اپنے نفس کو فریب دو اور اس کے ساتھ ملائمت اور نرمی سے پیش آؤ زیادہ جبر اس پر نہ کرو) اس کو معاف اور خوش کرتے رہو۔ سوائے ان واجبات کے اس لیے کہ ان کی ادائیگی اپنے وقت پر ضروری ہے اور ڈرتے رہو مبادا موت تم پر نازل ہو جائے اور تم طلب دنیا کے سبب اپنے پروردگار کی رحمت سے بھاگ رہے ہو۔ فاسقوں کی مصاحبت سے پرہیز کرو کیونکہ شرارت شرارت کے ساتھ ملحق ہے۔ اللہ کی تعظیم و توقیر کرو اس کے دوستوں کو دوست رکھو غیظ وغضب سے پرہیز کرو کیونکہ یہ شیطان کے لشکروں میں سے ایک عظیم لشکر ہے۔

زید بن صوحان العبدی

صعصعہ بن صوحان کے حقیقی بھائی اور امیر المومنینؑ کے فدا کار اور مخلص اصحاب میں تھے ان کی مشہور کنیت ابو عائشہ ہے لیکن بعض روایات میں ابوسلمان، ابوعبداللہ اور ابومسلم بھی آئی (تاریخ خطیب بغدادی ۸: ۴۳۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابوسلمان کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ زید سلمان فارسی کو بہت زیادہ دوست رکھتے تھے اس افراط محبت کی بناء پر ان کو ابوسلمان کہا جانے لگا۔ (اصابہ ۳: ۴۶)

اسلام:۔

تمام رجالیین کا اس پر اتفاق ہے کہ زید آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ کے زمانہ حیات ہی میں اسلام سے مشرف ہو گئے تھے (اسد الغابہ ۲: ۲۳۴، استیعاب ۱۹۱۱، اصابہ ۳: ۴۵)

البتہ ان کا صحابہ رسول ہونا یقینی نہیں ہے لیکن مختلف روایات کو سامنے رکھ کر زیادہ رجحان یہی ہے کہ وہ صحابی رسولؐ تھے۔ علامہ ابن اثیر نے اس سلسلہ میں کلبی کا حسب ذیل قول نقل کیا ہے۔

وكان قد ادرك النبيّ صلى الله عليه وسلم وصحبه. قال ابو عمر كذا. قال ولا اعلم له صحبة ولكنه ممن ادرك النبي صلى الله عليه وسلم مسلماً (اسد لغابہ ۲:۴۴۴)

(زید) نے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادراک کیا تھا اور آپ کی صحبت میں رہے ہیں' ابوعمر نے بھی یہی قول نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ مجھ کو ان کے صحابی رسولؐ ہونے کا علم نہیں ہے لیکن وہ ان لوگوں میں ضرور ہیں جنہوں نے اسلام کی حالت میں نبی کا ادراک کیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلبی کی تحقیق کی بناء پر زید کو صحبت رسولؐ کا شرف حاصل تھا جس کی تردید ابوعمر نے بھی نہیں کی بلکہ صرف اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کے ذیل میں کلبی کا مذکورہ بالا قول ہی نقل کیا ہے اس کے بعد لکھا ہے "وقد حكى الرشاطي عن ابي عبيدة معمر بن المثنى ان الله وفادة۔

رشاطی نے ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ سے روایت کی ہے کہ زید کا آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہے' دوسرے مقام پر زید العبدی کے عنوان کے تحت انہوں نے اس پر مزید روشنی ڈالی ہے اور کہا ہے کہ عبدالقیس کے شاعر نے زید کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جو آل عبدالقیس سے رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ چنانچہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی تاریخ میں منجاب بن حارث کی روایت سے شاعر مذکور کے وہ اشعار بھی نقل کئے ہیں' ملاحظہ ہوں۔

منا صحاروا۵ شیخ کلاهما	حقا بصدق قالت المتكم
سبق الوجود الى النبي مهللاً	بالخير فوق الناجيات الرسم
في عصبة من عبدقيس اوجفوا	طوعاً اليه وحدهم لم يكم
واذكر نبي الجارود ان محلهم	من عبد قيس في المكان الاعظم
وكفى بزيد حين يذكر فعله	طوبى لذلك من صريح مكرم
ذاك الذي سبقت لطاعة ربه	منه اليمين الى مبتان الانعم
فدعا النبي ﷺ لهم هنا لك دعوة	مقبولة بين المقام درزمزم

ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں "وقد ذكر ابن عساكر هذه الابيات في ترجمة زيد بن صوحان وعلى هذا فهو صحابي لا محالة۔"

ابن عساکر نے ان اشعار کو زید بن صوحان کے تذکرہ میں نقل کیا ہے' اور اس بناء پر لامحالہ وہ صحابی رسولؐ ہیں۔ (اصابہ ۳:۳۶)

فضائل

زید اپنی سیادت ونبالت' خطابت وبلاغت اور امیرالمؤمنینؑ سے اکتساب علوم میں اپنے بھائی صعصعہ کے برابر کے شریک تھے نیز زہد وورع خشیۃ اللہ کثرت عبادت میں اپنے دونوں بھائیوں صعصعہ اور صیحان پر فوقیت رکھتے تھے' مولف شذرات ان کے بارے میں لکھتے ہیں زید بن صوحان من خواص علی من الصلحاء الاتقیاء' زید بن صوحان علیؑ کے خواص اصحاب اور صلحاء واتقیاء میں تھے (شذرات الذہب ۱: ۴۴)

خطیب بغدادی نے حمید بن ہلال کی زبانی روایت کی ہے کہ زید بن صوحان قائم اللیل اور صائم النہار تھے اور شب جمعہ تمام رات عبادت میں گذارتے تھے۔ سلمان فارسی کو ان کے اس زہد کا جب حال معلوم ہوا تو ایک مرتبہ وہ ان کے گھر آئے اور آ کر پوچھا: زید کہاں ہیں' ان کی زوجہ نے جواب دیا یہاں نہیں ہیں' سلمان نے کہا اے کنیز خدا! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم اسی وقت کھانا پکاؤ اور بہترین لباس پہنو اور کسی کو بھیج کر زید کو بلواؤ چنانچہ زوجہ کے بلانے پر زید گھر آئے ان کی بیوی نے کھانا لاکر رکھا' سلمان نے زید سے کہا "کل یا زید" بسم اللہ! زید نے جواب دیا میں روزہ سے ہوں سلمان نے اصرار کیا اور سمجھایا کہ تم پر تمہاری آنکھ اور بدن کا بھی حق ہے اور زوجہ بھی تم پر اپنا حق رکھتی ہے غرض کہ سلمان کے سمجھانے پر زید نے کھانا کھایا اس وقت سے انہوں نے ترک طعام میں کمی کردی۔

(خطیب بغدادی ۴۳۹)

جنت کی بشارت

اصحاب امیر المومنینؑ کے زمرے میں صرف زید کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی زبان مبارک سے ان کو جنت کی بشارت دی ہے جس کا ذکر قریب قریب تمام علمائے رجال کے یہاں ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں

وروی من وجوہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان فی سفر لہ اذھوم فجعل یقول زید مازید' جندب ماجندب فسئل عن ذلک. فقال رجلان من امتی اما احدھما فتسبقہ یدہ الی الجنۃ ثم یتبعھا سائر جندہ واما الاخر فیضرب ضربۃ تفرق بین الحق والباطل

طرق متعددہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں جارہے تھے کہ ایک منزل پر آپ پر غنودگی طاری ہوئی' اس حالت میں آپ کی زبان سے ''زید اور کون زید' جندب اور کون جندب'' کے الفاظ جاری ہوئے' صحابہ نے بڑھ کر اس ارشاد کے معنی دریافت کئے اس پر آپؐ نے فرمایا یہ میری امت کے دو شخص ہیں' ان میں پہلا تو وہ ہے جس کا ہاتھ جنت میں جانے کے لیے اس پر سبقت کرے گا اس کے بعد اس کا بقیہ جسم جائے گا' دوسرا وہ ہے جو اپنی ایک

ضرب سے حق اور باطل کے درمیان تفریق کریگا یہ روایت نقل کرنے کے بعد موئف کہتے ہیں۔

فکان زید بن صوحان قطعت یدہ یوم جلولاء وقیل بالقادسیہ فی القتال الفوس وقتل هو یوم الجمل واما جندب فهو الذی قتل الساحر عنه الولید بن عقبه وقد ذکرناه۔ (اسد الغابہ ۲/۲۳۴)

پس زید بن صوحان' ان کا ہاتھ جلولا کے دن کٹ گیا تھا اور ایک روایت کی بنا پر قادسیہ میں جب کہ اہل فارس سے جنگ کر رہے تھے' کٹ گیا تھا اور وہ خود جمل کے دن قتل ہوئے' نیز جندب' یہ وہ ہیں جنہوں نے ولید بن عقبہ کے پاس ساحر کو قتل کیا تھا جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

حافظ ابن حجر عقلانی اس روایت کو حسب ذیل اسناد کے ساتھ اصابہ میں نقل کیا ہے۔

"ورویٰ ابن عندہ من طریق الجریری' عن عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ۔" (اصابہ ۳/۴۵)

دوسرے مقامات پر یہ پیشین گوئی صرف زید کے بارے میں آئی ہے اس میں جندب شامل نہیں ہیں چنانچہ خطیب بغدادی اور ابن حجر عقلانی دونوں نے اپنے سلسلہ سند کے ساتھ اس کو حضرت علیؑ سے اس طرح روایت کیا ہے۔

عن علی قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من سرہ ان ینظر الی رجل یسبقه بعض اعضائه الی الجنه فلینظر الی زید بن صوحان۔ (اصابہ ۳/ ۵۴' خطیب بغدادی ۸/ ۴۳۹)

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص اس بات سے خوش ہو وہ ایسے شخص کو دیکھے جس کا ایک عضو جنت میں سب سے پہلے جانے وہ زید بن صوحان کو دیکھے۔

عام حالات:۔

زید کے عام حالات زندگی اگرچہ بہت کم ملتے ہیں پھر بھی اہم مواقع پر ان کا نام تاریخ میں ضرور آتا ہے' چنانچہ سب سے پہلے جلولہ میں اور اس کے بعد قادسیہ میں ان کی موجودگی بالاتفاق ثابت ہے' چنانچہ ان ہی دو معرکوں میں سے کسی ایک میں ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ (اسد الغابہ ۲/ ۲۳۴ واستعیاب ۱/ ۱۹۱)

اس کے بعد حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں جب سعید بن العاص کوفہ کا گورنر ہو کر آیا ہے تو اس کی صحبتوں میں اپنے بھائی صعصعہ کے ہمراہ زید بھی ملتے ہیں' لیکن جلد ہی اس سے اختلافات پیدا ہو گئے اور سعید نے ان کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی تھی۔ (تاریخ کامل ۳/ ۵۸ وانساب الاشراف)

جس کے جواب میں حضرت عثمان نے سعید کو لکھا کہ ان لوگوں کو شام بھیج دیا جائے' چنانچہ زید اور ان کے تمام ساتھی جن میں صعصعہ' عمرو بن الحمق' کمیل بن زیاد' حارث اعور وغیرہ بھی تھے۔ امیر معاویہ کے پاس' شام بھیج دیئے

گئے۔ (تاریخ کامل ۳/۵۸)

بلاذری کا بیان ہے کہ کوفہ سے نکل کر جب یہ لوگ دمشق پہنچے تو معاویہ نے پہلے تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا لیکن اس کے بعد مالک اشتر سے کسی بات پر ان کا اختلاف ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ معاویہ نے ان کو قید کردیا۔ اس پر عمرو بن زرارہ نے کھڑے ہوکر کہا' اے معاویہ اگر تم نے مالک کو قید کرلیا ہے تو کوئی پرواہ نہیں عنقریب تم اس شخص کو پاؤ گے جو ان کی حمایت کرے گا اس پر معاویہ نے عمرو کو بھی قید کردیا' یہ دیکھ کر زید کے ساتھیوں نے کہا اے معاویہ "احسن جوارنا" اتنا کہکر خاموش ہوگئے' معاویہ نے کہا اب آگے اور کچھ کیوں نہیں کہتے' اس پر زید نے کہا۔

"ہم بول کر کیا کریں' اگر ہم ظالم ہیں تو اللہ سے توبہ کرتے ہیں اور اگر مظلوم ہیں تو اس سے عافیت کے طلب گار ہیں۔"

معاویہ کو ان کا یہ کلام پسند آیا اور کہنے لگے۔ اے ابو عائشہ تم سچے آدمی ہو' اس کے بعد انہوں نے ان کو کوفہ واپس جانے کا حکم دے دیا اور سعید بن العاص کو حسب ذیل خط لکھا۔

"اما بعد میں نے زید بن صوحان کو اجازت دیدی ہے کہ وہ اپنے گھر کوفہ واپس چلے جائیں' کیونکہ میں نے ان کے اندر بزرگی و برتری اور قصد و اعتدال پایا' پس تم ان کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ اور کوئی تکلیف نہ دینا اور اپنی مودت اور توجہات کو ان پر ارزاں کرو کیونکہ انہوں نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ آئندہ کوئی ایسی بات سرزد نہ ہوگی جو آپ کی ناگواری کا باعث ہو۔"

اس پر زید نے معاویہ کا شکریہ ادا کیا اور چلتے وقت بقیہ اصحاب کے بارے میں بھی رہائی کی سفارش کی' بلاذری کا بیان ہے کہ ان کے کہنے پر معاویہ نے سب کو آزاد کردیا ہے۔ (انساب الاشراف ۴۳ و اصابہ ۳/۴۶)

مولف کہتا ہے' بلاذری نے اس واقعہ کے بیان میں انتہائی خیانت اور کتر بیونت سے کام لیا ہے اس نے تمام مقامات کو نظرانداز کردیا ہے جن سے امیر معاویہ کا ان اصحاب پر تشدد ثابت ہوتا ہے اس کے علاوہ صعصعہ اور ابن الکوا وغیرہ سے انکی جو سرد و گرم گفتگوئیں ہوئی ہیں معاویہ کی ناحق کوشی کا پورا پورا ثبوت ہیں' ان میں سے کسی بات کا ذکر تک نہیں کیا یہ ضرور ہے کہ حضرت عثمان کے حکم سے جن لوگوں کو دمشق بھیجا گیا تھا ان میں زید کا نام بھی ہے' لیکن دوران نظر بندی میں معاویہ سے ان کی کوئی گفتگو منقول نہیں ہے' پھر بھی یہ ہوسکتا ہے کہ دیگر مورخین نے زید کی اس گفتگو کو نقل نہ کیا ہو یا ان تک یہ روایت نہ پہنچی ہو لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ زید کی اتنی سی بات پر اگر ہم ظالم ہیں تو اللہ سے توبہ کرتے ہیں اور اگر مظلوم ہیں تو اس سے عافیت کے طالب ہیں" معاویہ ان کو رہا کردیں اور سعید کو ان کی تعریفوں سے بھرا ہوا ایک طول طویل خط لکھ ماریں پھر اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی سفارش پر سب ان کے تمام ساتھیوں کو بھی چھوڑ دیں' یقیناً

اصحاب امیر المومنین کے سلسلہ میں معاویہ کی جو پالیسی ابتداء سے رہی ہے۔ یہ بات اس کے بالکل خلاف ہے اس کے علاوہ دیگر مورخین کے بیانات سے اس کی پوری پوری تردید ہوتی ہے' حقیقت واقعہ یہ ہے کہ معاویہ نے کسی وقت ان کو رہا نہیں کیا بلکہ صعصعہ نے جب ان کا زیادہ ناطقہ بند کیا تو ان کو عبدالرحمن بن خالد کے پاس حمص روانہ کر دیا۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری وکامل وابن خلدون واقعات دور خلافت حضرت عثمان' زید پر معاویہ کے ترحم اور ان کو رہا کر دینے کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ زید کے کردار کو دیکھتے ہوئے یہ امر کسی طرح باور نہیں آ سکتا کہ وہ معاویہ جیسے جابر حاکم سے کسی مرحمت کے طلب گار ہوں اور اس پر ان کا شکریہ بجا لائیں۔

جمل

۳۶ھ میں امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام تخت خلافت پر بیٹھے لیکن فوراً ہی خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کے نتیجہ میں جمل کا واقعہ رونما ہوا۔ اس جنگ میں زید شروع سے آخر تک آپ کے ہمراہ نظر آتے ہیں' اس موقع پر اگرچہ ام المومنین حضرت عائشہ زید کے فریق مخالف کی حیثیت سے تھیں' بایںہمہ انہوں نے ان کا احترام برابر ملحوظ رکھا اور حتیٰ الامکان سمجھانے کی کوشش کی چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ جب مقابلہ کی غرض سے بصرہ پہنچیں تو وہاں سے زید کے نام حسب ذیل خط لکھا:

عائشہ ام المومنین کی طرف سے اپنے بیٹے زید بن صوحان کو' امابعد: تمہارے باپ جاہلیت میں بھی سردار تھے اور اسلام میں بھی ان کو سیادت حاصل تھی تم جانتے ہو کہ عثمان بن عفان کے قتل سے اسلام کو کتنا صدمہ پہنچا ہے' اور ہم تمہارے پاس آ رہے ہیں نیز جو بات ظاہر بظاہر سامنے آ گئی وہ سنی ہوئی سے زیادہ تمہارے لیے تشفی بخش ہے' پس جس وقت تمہارے پاس میرا خط پہنچے' تو لوگوں کو علی بن ابی طالبؑ سے باز رکھو اور اپنی جگہ پر قائم رہو' یہاں تک کہ میرا کوئی حکم پہنچے والسلام۔ (عقد الفرید ۵ / ۴۷)

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کی پسرانہ ہمدردیاں ام المومنین کے ساتھ ضرور رہی ہوں گی' ورنہ وہ اس اعتماد کے ساتھ ان کو خط نہ لکھتیں لیکن یہ زید کی بصیرت تھی کہ اس موقع پر چونکہ حق اور باطل کا سوال تھا اس لیے انہوں نے حضرت عائشہ کے ام المومنین ہونے کا کوئی لحاظ نہیں کیا اور بدستور اپنے موقف پر جمے رہے۔ چنانچہ اس خط کا انہوں نے جو جواب دیا ہے اس سے ان کی بصیرت کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

من زید بن صوحان الی عائشه ام المومنین سلام علیك / امابعد، فانك امرت بامر وامرنا بغیره امرت ان تقری فی بیتك و امرنا ان نقاتل الناس حتی لاتکون فتنة، فترك ما امرت به وکتبت تنهینا عما امرنا (فامرن عندی غیر مطالع و کتابك غیر مجاب، والسلام (

عقد الفرید ۵ / ۷۴)

زید بن صوحان کی طرف سے عائشہ ام المومنین کو سلام علیکم' بعد ازاں' آپ کو اللہ کی طرف سے ایک حکم دیا گیا ہے اور اس کے خلاف ہم کو حکم دیا گیا ہے آپ کے لیے یہ حکم ہے کہ گھر میں بیٹھیں' اور ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ فتنہ دفع کرنے کی غرض سے لوگوں سے جنگ کریں' آپ نے جس امر کا آپ کو حکم دیا گیا تھا اس کو تو چھوڑ دیا اور جس بات کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اس سے آپ ہمیں منع فرما رہی ہیں۔ اس صورت میں آپ کا حکم میرے نزدیک نا قابل اطاعت ہے اور آپ کا خط نا قابل جواب۔

مورخ طبری نے اس خط و کتابت کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ بصرہ پہنچ کر حضرت عائشہ نے ایک خط زید بن صوحان کو لکھا کہ تم فوراً میری مدد کو آؤ اگر دیر کرو گے تو لوگ علی بن ابی طالبؑ کے دباؤ سے مجھ کو ذلت دیں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس شرط سے مدد کو تیار ہوں کہ آپ اس قافلہ سے الگ ہو کر گھر جا کر بیٹھ رہیں ورنہ میں ہی سب سے پہلا مخالف ہوں' زید بن صوحان نہایت افسوس سے کہا کرتے تھے "اللہ ام المومنین پر رحم کرے' ان کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا تھا اور ہم کو جدال و قتال کا مگر انہوں نے اس کے خلاف ہم کو تو اس بات کا حکم دیا جس کا انہیں حکم تھا اور جس بات کا ہم کو حکم دیا گیا تھا اس سے ہم کو تو روکا اور خود کر بیٹھیں۔ (تاریخ طبری ۵ / ۱۸۴)

اس کے بعد امیر المومنین نے جب امام حسنؑ اور حضرت عمار یاسر کو اہل کوفہ کی مدد لینے کے لیے بھیجا ہے تو اس موقع پر زید بن صوحان بھی ان کے ہمراہ تھے چنانچہ جس وقت وہ اپنی جماعت کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھ میں دو خط تھے جو حضرت عائشہ نے ایک ان کو اور ایک اہل کوفہ کو لکھا تھا دونوں خطوں کا مضمون ایک تھا کہ تم لوگ اپنے گھروں میں بیٹھو رہو یا میری مدد کرو' زید بن صوحان نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خط کا مضمون سنایا اور کہنے لگے کہ ام المومنین کے لیے خدا کا یہ حکم ہے کہ وہ گھر میں رہیں اور ہمارے لیے حکم ہے کہ جہاد کر کے فتنہ رفع کریں مگر وہ اس کے خلاف خود لڑائی کے لیے نکلیں اور ہم کو گھر میں رہنے کا حکم دیا' اس بات پر شیث بن ربعی غصہ میں کہنے لگا اے عمانی! تو نے جلولا میں چوری کی تھی جس پر تیرا ہاتھ کاٹا گیا' پھر بھی تو باز نہیں آتا اور لوگوں کو ام المومنین کے خلاف بہکا رہا ہے اس پر زید بھی بگڑ گئے' ابو موسیٰ اشعری نے جب دیکھا کہ بات بڑھی جاتی ہے تو دونوں کو روکا اور اہل مدینہ کو واپس کرنے اور امیر المومنین کو امداد نہ دینے پر تقریر کی۔ اس کے جواب میں زید بن صوحان بھی کھڑے ہو گئے اور ابو موسیٰ اشعری سے مخاطب ہو کر اس طرح تقریر کی:

یا عبداللہ بن قیس رد الفرات عن ادراجه اردده من حيث يجي حتى يعود كما بدء فان قدرت على ذلك فستقدر على ما تريد فلاع عنك مالست مدركه ثم قرأ (الم احسب الناس،

ان یر کوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین) سیروا الی امیرا لمومنین اوسید المسلمین وانفروا الیہ اجمعین تصیبوا الحق۔ (تاریخ طبری ۵/ ۱۸۴ اور کامل (۳/ ۱۱۴)

اے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) دریائے فرات میں جس وقت سیلاب آئے تو کیا تم اس کو روک سکتے ہو' اگر تم اس پر قادر ہو تو بیشک جو کچھ تم چاہتے ہو وہ بھی ہوسکتا ہے' پس جو بات ناممکن العمل ہو اس کا خیال چھوڑ دو' اس کے بعد یہ آیت پڑھی (الم' کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی حالانکہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے تاکہ اس کے ذریعے اللہ سچوں کو بھی جان لے اور جھوٹوں کو بھی پس مومنین کے امیر اور مسلمانوں کے سردار کی طرف چلو تاکہ حق کو پالو۔

اس کے بعد امیر المومنینؑ کے دیگر اصحاب نے تقریریں کیں اور لوگوں کو جناب امیر کی حمایت پر آمادہ کیا۔

عائشہ کے کلمات خیر

ام المومنین حضرت عائشہ نے دوران جنگ میں خالد کا کلام سن کر ان کو پکارا' خالد نے جواب دیا وہاں حضرت عائشہ نے ان کو قسم دے کر کہا' اگر میں تم سے کچھ دریافت کروں تو صحیح صحیح بیان کردو گے؟ خالد نے جواب دیا' ام المومنین! مجھ کو صحیح بات کہنے سے کیا چیز روک سکتی ہے؟ حضرت عائشہ نے پوچھا طلحہ کیا ہوئے' خالد نے جواب دیا' شہید ہوگئے حضرت عائشہ نے یہ سن کر "اناللہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ پھر پوچھا: زبیر کا کیا حال ہے؟ خالد نے کہا: وہ بھی شہید ہوگئے حضرت عائشہ نے پھر انا اللہ پڑھا' اب خالد نے کہا: ہم بھی خدا ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں ہمارا خون زید اور اصحاب زید پر ہے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کیا زید بن صوحان کو کہتے ہو۔ خالد نے کہا: جی ہاں حضرت عائشہ نے ان کے حق میں کلمات خیر کہے۔ اس پر خالد نے کہا: بخدا اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں کبھی جمع نہ کرے گا' انہوں نے کہا خاموش رہو!

کیونکہ خدا کی رحمت بہت وسیع ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (اسد الغابہ ۲/ ۲۳۴ واستعیاب ۱/ ۱۹)

زید بن صوحان عبدی مجالس میں ہے اور کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ ابدال اور اصحاب امیر المومنین میں سے تھے اور جنگ جمل میں شہید ہوگئے۔

شیخ ابوعمرو کشی نے روایت کی ہے کہ جب زید کو کاری زخم لگا وہ گھوڑے کی پشت سے زمین پر گرے۔ حضرت امیر المومنینؑ ان کی لاش پر آئے اور فرمایا اے زید (رحمک اللہ کنت خفیف المونتہ عظیم المعونتہ) یعنی تجھ پر خدا کی رحمت ہو کہ تیری مشقت اور تعلقات دنیا تھوڑے تھے اور تیرا تعاون دین میں امداد کرنا زیادہ تھا۔ پس زید نے

اپنا سر حضرت کی طرف بلند کیا اور عرض کیا خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اے امیر المومنینؑ میں آپ کو خدا کو زیادہ جاننے والا جانتا ہوں۔ خدا کی قسم آپ کی معیت میں آپ کے دشمنوں سے از روئے جہالت میں نے جنگ نہیں کی بلکہ چونکہ میں حدیث غدیر کو جو آپ کے حق میں وارد ہوئی ہے جناب ام سلمہ سے سن چکا تھا اور اس سے میں اس شخص کے انجام کی برائی اور بدی جان چکا تھا۔ جو آپ کا ساتھ چھوڑ دے لہٰذا میں نے اس بات کو برا سمجھا کہ آپ کا ساتھ چھوڑ دوں اور آپ کو تنہا رہنے دوں جس کے نتیجے میں خدا بھی میرا ساتھ چھوڑ دے' فضل بن شداد سے روایت ہے کہ زید تابعین کے رئیس اور ان کے زہاد میں سے تھے اور جب عائشہ بصرہ میں پہنچیں تو انہوں نے زید کو خط لکھا۔ من عائشته زوجة النبی صلی الله علیه وسلم الی ابنها زید بن صوحان الخالص اما بعد ناذا اتاك كتابي هذا فاجلس في بيتك واخذل الناس عن علي بن ابي طالب صلوات الله عليه حتى يأتيك امري یہ خط ہے عائشہ حضرت رسولؐ کی بیوی سے اس کے بیٹے زید بن صوحان خالص الاعتقاد کی طرف تمہیں چاہیے کہ جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو تم گھر میں بیٹھ جاؤ اور کوفہ کے لوگوں کو علیؑ ابن ابی طالب کا ساتھ دینے اور مدد کرنے سے روکو جب تک میرا حکم دوبارہ تمہیں نہ ملے۔ جب زید نے یہ خط پڑھا تو جواب لکھا کہ تم نے مجھے اس چیز کا حکم دیا ہے کہ جس کے غیر کا میں مامور ہوں اور خود تم نے وہ چیز ترک کردی ہے کہ جس کی مامور تھیں۔ والسلام فقیر کہتا ہے کہ زید کی مسجد کوفہ کی مساجد میں سے ایک مسجد شریف ہے اور زید جو نماز شب میں دعا پڑھتے تھے وہ مشہور ہے اور ہم نے مفاتیح میں اس کا ذکر کیا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت رسولؐ اکرم نے اس سے فرمایا تھا کہ تمہارے بدن کا ایک عضو تم سے پہلے جنت میں جائے گا۔ چنانچہ جنگ نہاوند میں زید کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الفقیہ الانصاری

نام ونسب:۔

عبدالرحمن نام' کنیت ابوعیسیٰ کوفہ کے رہنے والے تھے' ان کے والد حضرت ابولیلیٰ متفقہ طور پر صحابی رسولؐ تھے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

''عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بن بلال بن بلیل بن ...... بن الجلاح بن الحریش بن جحجبا بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن الاوس'' (طبقات ابن سعد ۶/ ۷۴)

علم و فضل :۔

عبدالرحمن' اپنے وقت کے متبحر علماء میں تھے' صاحب منتہی المقال نے ان کو کوفہ کے اکابر تابعین میں لکھا ہے (منتہی المقال ۱۷۳)۔

انہوں نے صحابہ رسولؐ میں حضرت علیؑ' عبداللہ' ابی بن کعب' سہل بن حنیف' اخوات بن جبیر' حذیفہ بن الیمان' عبداللہ بن زید' کعب بن عجرہ' براابن عازب' ابوذر غفاری' ابودردا' ابوسعید الخدری' قیس بن سعد' زید بن ارقم' ابن مسعود' معاذ بن جبل' بلال بن رباح' عبداللہ ابن عمر' عبدالرحمن بن ابی بکر' ابوایوب' ام ہانی بنت ابی طالب' انس' سمرہ بن جندب' صہیب' عبدالرحمن سمیرہ' عبداللہ بن عکیم' نیز اپنے والد ماجد ابولیلیٰ سے احادیث کی روایت کی ہے (طبقات ۶ / ۷۴ و تہذیب التہذیب ۶ / ۲۶۰)

ان کا مشہور قول ہے کہ میں صحابہ رسولؐ میں سے ۱۲۰ انصار کا ادراک کیا ہے جو سب کے سب ایسے تھے۔ کہ ان میں سے اگر کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا تو اس کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ دوسرا ہی اس کو بتادے۔ (طبقات ۶ /۷۴۔ وحلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۵۶)

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ آپ کو خصوصی تلمذ تھا اور ایک عرصہ تک آپ کی صحبت میں رہے ہیں چنانچہ عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے لوگوں کو علی بن ابی طالبؑ علیہ السلام سے کچھ احادیث بیان کرتے ہوئے سنا' اس پر کہنے لگے ہم بھی علیؑ کے پاس بیٹھے ہیں اور ان کی صحبت حاصل کی ہے۔ لیکن جو چیزیں یہ لوگ بیان کررہے ہیں' ان میں سے ایک بات بھی ہم نے ان سے نہیں سنی۔ کیا علیؑ کے لیے یہ فضلیت کافی نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور ان کے داماد اور حسن وحسین (علیہما السلام) کے باپ ہیں' جو بدر میں بھی موجود تھے اور حدیبیہ میں بھی (طبقات ابن سعد ۶ / ۷۴)

امیر المومنینؑ کے اسی اکتساب فیض کا اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ ان کے علم اور تفقہ کا وزن محسوس کرتے تھے۔ جیسا کہ عبدالملک بن عمیر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے ان کا بیان ہے کہ میں نے عبدالرحمن کو صحابہ رسولؐ کے حلقہ میں دیکھا جن میں برا بن عازب بھی تھے' وہ سب کے سب نہایت خاموشی سے ان کی حدیث کو سن رہے تھے۔ (تہذیب التہذیب ۶ / ۲۶۰)۔

علم قضا میں ان کے تبحر کا یہ عالم تھا کہ حجاج نے جب ان کو قاضی بنانا چاہا تو جوشب نے اس سے کہا

"ان کنت تریدان تبعث علی بن ابی طالب علی القضاء فافعل"

اگر تم چاہتے ہو کہ علیؑ بن ابی طالبؑ کو قضا پر بھیجو تو بیشک یہی کرو۔

حفظِ حدیث میں اہتمام:۔

یزید بن ابی زیاد کا بیان ہے کہ عبدالرحمن کہا کرتے تھے حدیث کی زندگی اس کا مذاکرہ ہے' اس پر عبداللہ بن شداد نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے۔ آپ نے کتنی ایسی احادیث کو میرے سینہ میں زندہ کردیا جو میں بھول چکا تھا' دوسرے موقع پر ان کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن علیم سے عبدالرحمن کو یہ کہتے ہوئے سنا' آؤ کچھ حدیث کا ذکر کریں' کیونکہ حدیث کی زندگی اس کا مذاکرہ ہے۔(طبقات ۶/ ۷۴)

تلامذہ:

عبدالرحمن کا حلقہ درس اپنے اقران میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔مجاہد کا بیان ہے کہ عبدالرحمن کا ایک گھر تھا جس میں انہوں نے قرآن مجید کے مختلف نسخے جمع کررکھے تھے۔اس میں قرار کا اجتماع ہوتا تھا جو بہت کم صرف ضرورتا وہاں سے اٹھتے تھے۔(حلیۃ الاولیا ۴/ ۵۶)

ان کے تلامذہ میں حسب ذیل اکابر کے نام ملتے ہیں۔

''عمرو بن میمون الاودی' شعبی' ثابت البستانی حکم بن عتیبہ' حصین بن عبدالرحمن' عمرو بن مرۃ' مجاہد بن جبیر عطی بن الخیراز' ہلال الوزان' یزید بن ابی زیاد' ابواسحق شیبانی' منہال بن عمرو' عبدالملک بن عمیر' اعمش' اسمعیل بن ابی خالد وغیرہ۔(تہذیب التہذیب ۶/ ۲۶۰)

زہد و تقویٰ

عبدالرحمن کا یہ معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد قرآن کھولکر بیٹھ جاتے تھے اور طلوع آفتاب تک اس کی تلاوت کرتے تھے۔(طبقات ابن سعد ۶/ ۷۴)

مکروہات سے محرمات کی حد تک اجتناب کرتے تھے چنانچہ ابوفروہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن نے وضو کیا کسی نے ان کو رومال لاکردیا۔آپ نے اسے وہیں پھینک دیا(طبقات ابن سعد ۶/ ۷۴)

مسلم جہنی کی روایت ہے کہ میں نے نماز جمعہ میں عبدالرحمن کو دیکھا کہ اپنی انگلیوں سے انہوں نے محمد بن سعد کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔مطلب یہ تھا کہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو خاموشی سے سننا چاہیے۔(طبقات ابن سعد ۶/ ۷۴)

نماز میں انکا یہ اہتمام تھا کہ بالوں کو اگر مہندی لگی ہوتی تھی تو نماز میں جانے سے قبل اس کو جھاڑ لیا کرتے تھے(طبقات ابن سعد ۶/ ۷۴)

اسی طرح ہاتھ اگر بندھے ہوتے تھے کھول لیا کرتے تھے۔یہی احتیاط ان کی ملبوسات میں تھی' یزید بن ابی

زیاد بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمن کے پاس ایک ریشمین چادر تھی جس کو وہ اوڑھا کرتے تھے جب وہ بوسیدہ ہوگئی تو اس کو انہوں نے ادھیڑ کر دوبارہ بننا شروع کیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ اس میں ریشم کا کوئی تار نہ ڈالنا اور اس کا تار نہ کتان یا روئی کا رکھو لوگوں نے اس پر ان سے کہا آپ تو ایسی چادر پہنا ہی کرتے ہیں جواب دیا وہ میری بنائی ہوئی نہیں ہوتی ہے۔(طبقات ابن سعد ۶ / ۷۴)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عبدالرحمن کے پاس گیا' اس وقت میرے ہاتھ میں سونے کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس کو دیکھ کر کہنے لگے کیا تم اس سے تلوار پر طمع کرو گے؟ میں نے کہا نہیں پھر کہا۔ تو کیا قرآن پر اس کو چڑھاؤ گے؟ میں نے کہا نہیں اس پر انہوں نے کہا غالباً تم اس کے چھلے بنواؤ گے اور سونے کے چھلوں کو وہ مکروہ سمجھتے تھے۔(طبقات ابن سعد ۶ / ۷۴)

جنگی کارنامے:۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے ایک طویل عمر پائی اور ان کے زمانہ میں بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے لیکن کتب تواریخ عموماً ان کے ذکر سے خاموش ہیں' صرف مولف منہج المقال نے اتنا لکھا ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علیؑ کا علم ان کے ہاتھوں میں تھا(منہج المقال ورق ۱۸۳ ب)

اس کے علاوہ کسی تاریخ میں اس موقع پر ان کا کوئی ذکر نہیں تھا اس کے بعد جنگ صفین میں بھی وہ کسی جگہ دکھائی نہیں دیتے البتہ عبدالرحمن بن محمد الاشعث کی جنگ میں جو انہوں نے تقریر کی ہے اس میں انہوں نے کہا ہے میں نے حضرت علیؑ کو جس دن اہل شام سے ہمارا مقابلہ ہوا ہے' یہ کہتے ہوئے سنا ہے "ایھا المومنون انه من رائی. (تاریخ طبری ۸ / ۳۱)

اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جنگ صفین میں بھی آپ نے امیر المومنینؑ کے ہمراہ جنگ کی ہے۔ البتہ حجاج بن یوسف ثقفی کے ایام امارت میں ان کے جنگی کارنامے سامنے آتے ہیں۔ جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور حجاج بن یوسف

ابوبکر بن ابی شیبہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ حجاج کے دربار میں آئے ان کو دیکھ کر حجاج نے اپنے مصاحبین سے کہا' اگر آپ لوگ ایسے شخص کو دیکھنا چاہیں جو امیر المومنین عثمان بن عفان پر سب وشتم کرتا ہے تو وہ تمہارے پاس ہی بیٹھا ہے عبدالرحمن نے کہا معاذ اللہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں امیر المومنین (یہاں امیر المومنین سے ان کی مراد امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب ہیں) کو گالیاں دوں مجھ کو اس امر سے کتاب خدا کی تین آیتیں باز رکھتی ہیں! اللہ فرماتا ہے۔ للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم د اموالهم يبتغون فضلا من الله

ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولیٰک ھم الصادقون۔ "(ان فقراء مہاجرین کے لیے جو اپنے شہروں سے نکالے گئے اور اپنے اموال سے محروم کئے گئے جو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں نیز اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' درحقیقت وہی سچے ہیں اور خالص ہیں) پس عثمان (یہاں عثمان سے مراد عثمان بن مظعون ہیں جو حضرت علیؑ کے مخلص اصحاب میں تھے) ان ہی لوگوں میں تھے' پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین تبوء والدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولیٰک ھم المفلحون۔ جو لوگ مہاجرین سے پہلے گھر میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس کی اپنے دلوں میں کچھ غرض نہیں پاتے اور اگرچہ اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو وہ دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچالیا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں پس میرے باپ ان ہی میں سے تھے' پھر اللہ فرماتا ہے۔ "والذین جاء و من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رءوف رحیم" اور جو لوگ ان کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ پروردگار ہماری اور ان لوگوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے مغفرت کر اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے دے پروردگار بیشک تو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

پس میں اس گروہ میں ہوں' یہ سن کر حجاج نے کہا' بیشک تم سچ کہتے ہو۔ (عقد الفرید ۲/ ۴۷' حلیۃ الاولیا ۴/ ۳۵۲)

اس موقع پر تو عبدالرحمن نے توریہ یا تقیہ کسی صورت سے اپنی جان بچالی لیکن اس کے بعد دوسرے موقع پر حجاج کا قابو چل گیا اور سب علیؑ پر ان کو اتنا مارا کہ دونوں شانے سیاہ پڑ گئے' چنانچہ اعمش راوی ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کو دیکھا کہ حجاج نے ان کو مارا اور مسجد کے دروازہ پر ان کو کھڑا کردیا اس وقت حجاج کے آدمی ان سے کہہ رہے تھے "العن الکاذبین' علی بن ابی طالبؑ عبداللہ بن الزبیر' والمختار بن عبید" (جھوٹوں پر لعنت کرو' علیؑ بن ابی طالبؑ پر عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابی عبید پر) عبدالرحمن نے کہا: لعن اللہ الکاذبین (اللہ جھوٹوں پر لعنت کرے) اس کے بعد کہا: علی بن ابی طالب وعبداللہ بن الزبیر والمختار بن ابی عبید' اعمش کہتے ہیں کہ جب وہ یہ کہہ کر خاموش ہوئے تو میں نے غور کیا کہ انہوں نے یہ تینوں نام بجائے زبر (ز) کے پیش (ء) کے ساتھ پڑھے ہیں یعنی "اللہ" کی طرح ان کو بھی اسی طرح کا فاعل بنایا ہے نہ کہ مفعول جس کے معنی یہ ہوئے اللہ علی بن ابی طالبؑ' عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابی عبید' جھوٹوں پر لعنت کرتے

ہیں۔(عقد الفرید ۵ / ۳۱۴ طبقات ابن سعد ۶ / ۷۶، منتہی المقال ۱۴۳ حلیۃ الاولیا ۴ / ۳۵۱)

۸۳ ھ میں عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث نے حجاج کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور چونکہ اس کے مظالم سے لوگ تنگ آ گئے تھے اس لیے ایک کثیر جمعیت نے اس کا ساتھ دیا جن میں زیادہ تعداد فقہا اور قرار کی تھی، چنانچہ سعید بن جبیر، عامر شعبی، ابوالبختری طائی وغیرہ کی طرح عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے بھی اس کا ساتھ دیا اور نہایت بہادری سے جنگ کی۔

ابوزبیر ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ میں جبلہ بن زحر کے لشکر میں تھا، جس وقت اس پر اہل شام نے پے در پے حملے کیے تو عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الفقیہ نے ہم کو آواز دی اور کہا "اے گروہ قرا میدان جنگ سے بھاگنا کسی شخص کے لیے اتنا مذموم نہیں جتنا آپ لوگوں کے لیے، میں نے حضرت علیؑ کو جس دن اہل شام سے ہمارا مقابلہ ہوا ہے، یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

ایہا المومنون انہ من رای عدوانا یعمل بہ ومنکرا یدعیٰ الیہ فانکرہ بقلبہ فقد سلم و بری ومن انکرہ بلسانہ فقد اجر وھو افضل من صاحبہ ومن انکرہ بالسیف لتکون کلمۃ اللہ العلیا وکلمۃ الظالمین السفلیٰ فذلک الذی اصاب سبیل اللہ ہدی ونور فی قلبہ بالیقین" [1]

اے اہل ایمان! جو شخص یہ دیکھے کہ کسی سرکشی پر عمل ہو رہا ہے اور منکر کی طرف لوگوں کو بلایا جا رہا ہے پس اپنے قلب سے اس کا انکار کرے۔ پس وہ سالم اور بری ہے اور جو شخص زبان کے ساتھ اس کا انکار کرے تو وہ اجر کا مستحق ہے اور اپنے صاحب سے یقیناً افضل ہے، اور جو شخص تلوار کے ذریعہ اس کا انکار کرے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور ظالموں کا کلمہ نیچا تو یہ وہ شخص ہے جس نے ہدایت کے راستے کو پا لیا اور اپنے قلب کو یقین کی روشنی سے منور کر لیا۔

پس ان محلین اور اہل احداث سے جنگ کرو جو حق سے جاہل ہیں اور سرکشی پر عمل پیرا ہیں۔ (تاریخ طبری ۸/۱۳)

ضرار بن ضمرۃ الضبابی

ان کا کوئی حال تذکرہ رجال کی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گذرا، البتہ امیر معاویہ کی فرمائش پر انہوں نے امیر المومنین کی جو منقبت بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرار نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور آپؑ

[1] امیر المومنینؑ کا یہ کلام اسی حوالہ کے ساتھ سید رضی نے نہج البلاغۃ طبع بیروت (۲/۱۲۱) میں نقل کیا ہے۔

کی صحبت اٹھائی تھی۔

تاریخ میں ان کا نام صرف اسی واقعہ کی بدولت زندہ ہے امیر المومنینؑ کے ذکر پر ان کے دشمنوں کو رلا دینا ضرار ہی کا کام تھا جس کی اثر انگیزی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قریب قریب ہر صدی کے ادیب اور مورخ نے اس واقعہ کو اپنی اپنی مواغات میں نقل کیا ہے چنانچہ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے مروج الذہب (۱۲۔۳۷) میں ابو اسماعیل قالی متوفی ۲۵۶ نے اپنی امالی (۲/۱۴۹) میں شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ نے امالی (مجلس میں سید رضی متوفی ۴۰۶ھ نے نہج البلاغہ (۲/۸۴) اور کتاب خصائص الائمہ (قلمی کتاب خانہ رام پور) میں ابراہیم بن محمد بیہقی متوفی نے کتاب المحاسن والمساوی (۱/۳۳) میں حافظ ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۲۰ھ نے حلیۃ الاولیا (۱/۵۸) میں حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ (۷/۳۵) ابن جوزی متوفی ۵۰۷ نے صفۃ الصفوۃ (۱/۱۲۱) میں محی الدین ابن عربی م ۶۳۸ھ نے کتاب محاضرات الابرار و سامرۃ الاخیار (۲/ ۱۶۸) میں ابوسعید سمان نے اپنی کسی تالیف میں بہائی نے کامل میں (مجالس المومنین ۳۶) اپنی اپنی اسناد کے ساتھ یہ پورا واقعہ نقل کیا ہے اسی ضمن میں امیر المومنین کا حسب ذیل کلام بھی ملتا ہے۔

یادنیا یادنیا الیک عنی ابی تعرضت امر الی تشوقت الخ

غالباً اس کی شہرت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ واقعہ معاویہ کے دربار میں پیش آیا اور تمام اہل دربار نے خلاف توقع ضرار کی زبان سے امیر المومنینؑ کے فضائل کو سنا نیز جیسا کہ روایت بتاتی ہے خود امیر معاویہ بھی اس کو سن کر اتنا متاثر ہوئے کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور ضرار سے کہا: اے ضرار تم کو علیؑ کا کتنا غم ہے ضرار نے جواب دیا: "حزن من ذبح واحدھا فی حجرھا) اتنا غم جتنا اس عورت کو ہوتا ہے جس کا اکلوتا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے۔

ذیل میں یہ پورا واقعہ حافظ ابونعیم کی کتاب حلیۃ الاولیاء سے نقل کیا جاتا ہے۔

حدثنا سلیمان بن احمد ثنا محمد بن ذکریا الغلابی ثنا العباس بن بکار الضبی ثنا عبد الواحد بن ابی عمرو الاسدی عن محمد بن السائب الکلبی عن ابی صالح قال:

دخل ضرار بن ضمرۃ الکنانی علی معاویۃ فقال لہ صف لی علیا فقال اور تعفینی یا امیر المومنین! قال لا اعفیک قال اما اذلابہ فانہ کان واللہ بعید المدیٰ شدید القویٰ یقول فصلا ویحکم عدلا یفجر العلم من جوانبہ وتنطق الحکمۃ من نواحیہ یستوحش من الدنیا و زھرتھا ویستانس باللیل و وحشتہ کان واللہ عزیز العبرۃ طویل الفکرۃ یقلب کفہ ویخاطب نفسہ یعجبہ من اللباس ما قصر و من الطعام ما جشب کان واللہ کاحدنا یدینا اذا تیناہ ویجیبنا اذا سالناہ وکان مع تقربہ الینا وقربہ منالا نکلمہ ھیبۃً لہ فان تبسم فعن مثل اللؤلؤ المنظوم

تعظم اهل الدين ويحب المساكين، لا يطمع القوي في باطله ولا ييأس الضعيف من عدله فأشهد بالله لقد رأيته في بعض مواقفه وقد ارخى الليل سدوله وغارت نجومه، يميل في محرابه قابض على لحيته يتململ تململ السليم ويبكي بكاء الحزين فكأني اسمعه الآن وهو يقول: يا دنيا: يا دنيا اليك عني الخ۔

ہم سے سلیمان بن احمد نے بیان کیا' انہوں نے محمد بن زکریا غلابی سے انہوں نے عباس بن بکار......... سے' انہوں نے عبدالواحد بن ابی عمرو الاسدی سے' انہوں نے محمد بن السائب الکلبی سے' انہوں نے ابوصالح سے سن کر بیان کیا' ابوصالح کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ضرار بن ضمرہ کنانی معاویہ کے دربار میں آئے۔ معاویہ نے ان سے کہا: اے ضرار کچھ علیؑ کا وصف بیان کرو' ضرار نے کہا۔ امیر المومنین مجھے اس خدمت سے معذور سمجھا جائے' معاویہ نے کہا نہ یہ نہیں ہو سکتا' غرض کہ ضرار کو جب انہوں نے مجبور کیا تو اس طرح گویا ہوئے۔

علی بن ابی طالب وہ تھے جن کی انتہا بہت دور تھی' جن کے قویٰ بہت سخت تھے' بات فیصلہ کن کہتے تھے اور عدل کے ساتھ حکم کرتے تھے' ان کے پہلوؤں سے علم کے چشمے جاری ہوتے تھے اور حکمت ان کے اطراف سے بولتی تھی' وہ دنیا اور اس کی رنگینیوں سے وحشت کرتے تھے اور رات اور اس کی تاریکی سے آسودگی ضمیر محسوس کرتے تھے' موٹے موٹے آنسوؤں سے روتے تھے' لمبی فکر کرتے تھے' اپنی ہتھیلیوں کو رگڑ رگڑ کر اپنے نفس سے مخاطب ہوتے تھے۔ چھوٹے سے چھوٹا لباس اور موٹی سے موٹی غذا ان کو پسند تھی' قسم خدا کی قسم خدا کی وہ ہم میں ایک عام آدمی کی طرح تھے جب ہم ان کے پاس آتے تھے تو قریب بٹھاتے تھے اور جب ان سے کچھ پوچھتے تھے تو جواب دیتے تھے اور باوجودیکہ وہ ہم سے اور ہم ان سے ہر وقت قریب رہتے تھے۔ پھر بھی ہیبت کی وجہ سے ہم ان سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ آپ اگر کبھی تبسم فرماتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پروئے ہوئے موتی چمک رہے ہوں۔ وہ اہل دین کی تعظیم کرتے تھے اور مسکینوں کو دوست رکھتے تھے۔ طاقتور اپنے باطل میں ان سے کوئی طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف ان کے عدل سے مایوس نہ ہوتا تھا۔ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ بعض موقعوں پر میں نے ان کو دیکھا ہے' جب کہ رات تاریکی کے پردے چھوڑے ہوئے تھی اور ستارے ڈوبتے ہوتے تھے کہ آپ اپنی محراب عبادت میں جھکے ہوئے اور داڑھی کو پکڑے ہوئے اس طرح تڑپتے تھے جس طرح عقرب گزیدہ تڑپتا ہے اور اس طرح روتے تھے جیسے کوئی غمزدہ روتا ہے' میرے کان میں اس وقت بھی ان کے یہ فقرے گونج رہے ہیں۔

اے دنیا' اے دنیا' میرے پاس سے دور ہو جا الخ۔

جناب ابوذر غفاریؓ

جناب ابوذر غفاریؓ کا اسم گرامی جندب بن جنادہ تھا اور وہ عرب کے قبیلہ بنی غفار کے ایک فرد تھے۔ آپ کے بیٹے کا نام ذر تھا اسی لئے آپ کو ابوذر کہا جاتا ہے۔ ویسے ان کی کنیت عبداللہ تھی۔

جناب یعقوب کلینی معتبر اسناد سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے اپنے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں آگاہ کروں کہ ابوذرؓ کیونکر مسلمان ہوئے تو جواب میں اس صحابی نے عرض کی کہ ہاں۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا کہ ابوذر ابوبطن مر کہ میں جو کہ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے اپنی بھیڑوں کو چرایا کرتے تھے۔ ناگاہ داہنی کی جانب سے ایک بھیڑیا ان کے گوسفندوں پر حملہ آور ہوا۔ ابوذرؓ نے اسے اپنے عصا سے بھگا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ بائیں جانب سے حملہ آور ہوا تو ابوذرؓ نے اپنا عصا اس کو مارا اور کہا کہ تجھ سے بڑھ کر خبیث میں نے کوئی اور بھیڑیا نہیں دیکھا۔ اس بھیڑیے نے جوں ہی یہ کلمات سنے تو وہ بہ اعجاز (آنحضرتؐ) گویا ہوا اور کہنے لگا کہ "واللہ اہل مکہ مجھ سے زیادہ بدتر ہیں۔ اس لئے کہ خدوند عالم نے ان کی جانب ایک پیغمبرؐ کو مبعوث کیا ہے جب کہ یہ لوگ دروغ سے نسبت دیتے ہیں اور اس کو برا اور ناسزا کہتے ہیں۔" ابوذرؓ نے جوں ہی اس کا یہ کلام سنا تو وہ اپنے گھر آئے اور اپنی زوجہ سے کہا کہ کچھ ناشتہ عصا اور لوٹا لاکر دے دو یہ تمام چیزیں لینے کے بعد پیدل مکہ کی جانب ہو گئے تاکہ وہ خبر جو کہ بھیڑیے سے انہوں نے سنی تھی اس کی تصدیق کی جاسکے۔ غرض کہ سفر میں پیش آنے والی تکالیف اور سختیوں کو برداشت کرتے ہوئے وہ داخل مکہ ہوئے۔ اس وقت وہ بہت پیاسے تھے۔ انہوں نے چاہ زمزم سے چاہا کہ ایک ڈول پانی کا نکال لیں لیکن جب ڈول کھینچا تو دیکھا کہ وہ ڈول دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ ان کے دل میں خیال جاگزیں ہو گیا کہ یہ اس خبر کی گواہی ہے جو کہ بھیڑیے نے دی تھی۔ یقیناً یہ بھی آنحضرتؐ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ غرض انہوں نے وہ دودھ پیا اور خانہ خدا کے ایک گوشہ میں آئے جہاں انہوں نے قریش کے ایک گروہ کو دیکھا جو کہ ایک دوسرے کے اردگرد بیٹھا تھا۔ ابوذرؓ بھی ان ہی لوگوں کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے نئے مبعوث ہونے والے نبیؐ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ یہی بات اس بھیڑیے نے کہی تھی۔ وہ لوگ تمام دن اسی کام میں مشغول رہے۔ جب شام ہوئی تو وہاں سے جناب ابوطالبؑ کا گزر ہوا۔ جوں ہی ان لوگوں کی نظر ان پر پڑی تو وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ ان کے چچا آرہے ہیں۔ غرض کہ وہ تمام لوگ برائی کرنے سے باز آگئے۔ کچھ دیر بعد جب جناب ابوطالبؑ وہاں سے روانہ ہوئے تو جناب ابوذرؓ بھی ان کے ساتھ ہو لئے۔ جوں ہی انہوں نے مڑ کر دیکھا تو فرمانے لگے کہ تیری کیا حاجت ہے۔

میں نے جواب میں (ابوذرؓ نے) عرض کیا کہ میں اس پیغمبرؐ کی تلاش میں یہاں آیا ہوں جو آپ لوگوں کے درمیان مبعوث ہوئے ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تمہیں ان سے کیا کام ہے تو میں نے جواب میں عرض کیا کہ میں ان پر ایمان لانا چاہتا ہوں اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ وہ جو کچھ ارشاد فرمائیں گے وہ سچ ہوگا۔ لہٰذا میں اس کا اقرار کروں اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کروں۔ انہوں نے فرمایا کہ تم ایسا ضرور کرو گے کیا۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ ہاں پھر ابو طالبؑ فرمانے لگے کہ اچھا کل تم مجھے اسی وقت یہیں مل جانا میں تمہیں ان کے پاس لے جاؤں گا۔ ابوذرؓ کا کہنا تھا کہ میں نے رات خانہ خدا میں بسر کی۔ اگلے روز صبح میں پھر ان کافروں کی مجلس میں جا بیٹھا۔ ان لوگوں نے روز گزشتہ کی طرح اپنا عمل دہرانا شروع کر دیا۔ میں ان لوگوں کی باتیں سنتا رہا۔ یہاں تک کہ ابو طالبؑ حسب وعدہ تشریف لائے اور میں ان کے ہمراہ ہولیا۔ انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا میرا ابھی وہی جواب تھا آخر کار وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ مجھے جناب حمزہ کے گھر لے گئے میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے میرے آنے کی غرض دریافت کی۔ میں نے اپنا مدعا بیان کیا۔ تو فرمانے لگے کہ کیا تمہارا یہ ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں تو میں نے اپنی زبان پر کلمہ شہادت جاری کیا۔ پھر میری حضرت جعفر اور حضرت امیر المومنینؑ سے ملاقات ہوئی جن کے بعد وہ مجھے رسولؐ اللہ کے پاس لے گئے۔ میں نے حضرتؐ کو سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ حضرتؐ نے بھی میرے وہاں آنے کا سبب دریافت کیا اور کلمہ شہادت کی تلقین کی۔ میں نے اپنی زبان پر کلمہ شہادت جاری کیا پھر حضرتؐ فرمانے لگے کہ اے ابوذرؓ اب تم وطن واپس چلے جاؤ۔ تمہارے وہاں پہنچنے تک تمہارے چچا زاد بھائی کا انتقال ہو چکا ہوگا اور تمہارے علاوہ ان کا کوئی وارث نہیں۔ ان کا مال لے لو اور اپنے اہل و عیال کے پاس رہو یہاں تک کہ میں اعلان نبوت کروں۔ اعلان نبوت کے بعد تم میرے پاس چلے آنا غرض کہ جناب ابوذرؓ تعمیل حکم رسولؐ میں اپنے وطن واپس پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ ان کے چچا زاد بھائی کا انتقال ہو چکا تھا۔ پس انہوں نے ان کا تمام مال و اسباب اپنی تحویل میں لیا اور وہیں پر قیام کیا یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے اعلان نبوت فرمایا۔ اس کے بعد واقعہ ہجرت پیش آیا۔ یہاں موجود نہ ہونے کے سبب آپ جنگ بدر و احد میں شرکت نہیں کر سکے تھے۔

جناب ابوذرؓ کا مقام:۔

آپ کا شمار ارکان اربعہ میں ہوتا ہے' تیسرے بقولے چوتھے یا پھر پانچوں ایسے فرد ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام صادق علیہم السلام کے ارشادات کے بموجب انسان راستگوئی سے صدیق کے مرتبہ تک پہنچتا ہے۔ اب اس ارشاد کی روشنی میں جناب رسالت مآبؐ کی یہ مشہور حدیث ملاحظہ فرمایئے جس میں

آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ "آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے کسی ایسے شخص کا بوجھ نہیں اٹھایا جو ابوذرؓ سے زیادہ سچا ہو"۔

ایک ابہام اور اس کا جواب:۔

ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ مندرجہ بالا حدیث کے ضمن میں ہمیں یہ بتایئے کہ جناب ابوذرؓ بہتر ہیں یا آپؑ اور آپؑ کے اہلبیت تو جواب میں حضرتؑ نے اس شخص سے یہ دریافت کیا کہ سال میں کتنے مہینے محترم ہیں۔ سائل نے جواب دیا کہ چار۔ حضرت نے پھر دریافت کیا کہ ان چار محترم مہینوں میں رمضان کا مہینہ شامل ہے یا نہیں۔ جواب میں اس شخص نے عرض کیا ان میں ماہ رمضان شامل نہیں ہے پھر امام نے دریافت کیا کہ وہ چار محترم مہینے افضل ہیں یا ماہ رمضان تو جواب میں اس شخص نے کہا کہ ماہ رمضان ۔ پس حضرتؑ فرمانے لگے کہ یہی حال ہم اہلبیت کا ہے ہم پر کسی شخص کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ مجلسی عین الحیاۃ میں رقم طراز ہیں کہ جو کچھ بھی روایتوں میں ملتا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام کے بعد صحابہ میں جلالت قدر اور رفعت شان میں جناب سلمان فارسیؓ جناب ابوذرؓ جناب مقدادؓ جناب عمار یاسرؓ سے بہتر کوئی اور صحابی نہیں ہے۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن منادی ندا دے گا کہ محمدؐ بن عبداللہ کے حواری اور مخلص کہاں ہیں جنہوں نے ان سے کئے گئے عہد و پیمان کو نہیں توڑا تو سلمانؓ ابوذرؓ اور مقدادؓ کھڑے ہوں گے۔

جناب ابوذرؓ کا زہد:۔

مال دنیا خواہش جاہ و حشمت کی ضد زہد ہے۔ زاہد دنیا سے دل اٹھا لیتا ہے اور میسر شدہ وسائل زندگی کو صرف ضرورت کی حد تک استعمال کرتا ہے۔ وہ دنیا کی رعنائیوں کی جانب سے منہ پھیر کر آخرت کے ہمیشہ حاصل ہونے والے قواعد کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

جناب امیر المومنینؑ زاہد کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ زاہد وہ شخص کہلاتا ہے جو دنیا کی تمام خوشیوں اور غموں سے بے توجہی برتے۔ اس کو اگر کوئی چیز مل جائے تو اس پر خوشی کا اظہار نہ کرے اور اگر کوئی چیز ہاتھ سے نکل جائے تو اس کا اسے کوئی غم نہ ہو۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ زاہد وہ ہے جو آخرت کو دنیا پر ذلت کو عزت پر عبادت کرنے کی کوشش کو راحت و آرام پر گرسنگی کو سیری پر اور یاد الٰہی کو غفلت پر اختیار کرے گویا کہ وہ اگرچہ اس دنیا میں ہو لیکن اس کا دل آخرت پر لگا ہوا ہو۔

عیسیٰؑ بن مریم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ لباس بالوں کا پہنتے تھے ان کی خوراک درختوں کے پتے اور ہوا ہوتی تھی۔ نہ ان کے کوئی اولاد تھی اور نہ ہی ان کا کوئی گھر۔ نہ وہ مرنے سے ڈرتے تھے۔ وہ کسی بھی روز اپنی آئندہ آنے والی کل کے لیے اپنی غذا اٹھا کر کے نہیں رکھتے تھے۔ ان کا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں تھا۔ بس جہاں کہیں شام ہوجاتی وہیں آرام کرتے۔ زہد کے اس مختصر سے تعارف کے بعد اب آپ جناب ابوذرؓ کا زہد ملاحظہ فرمایئے۔

ابن عبدالبر نے استعیاب میں جناب رسالت مآبؐ سے روایت کی ہے کہ میری امت میں ابوذرؓ کا زہد عیسیٰؑ بن مریم جیسا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ ابوذرؓ خوف خدا سے اتنا روئے کہ ان کی آنکھ کی بینائی خراب ہوگئی تھی۔ جب لوگوں نے ان سے کہا کہ تم دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بینائی ٹھیک کردے تو وہ کہنے لگے کہ مجھے آنکھوں کا اتنا غم نہیں ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ پھر وہ کونسا غم ہے جس نے تمہیں آنکھ سے بے نیاز کردیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ وہ عظیم چیزیں جو میرے پیش نظر ہیں وہ ''بہشت اور دوزخ'' ہیں۔

کتاب روضۃ الواعظین میں مذکور ہے کہ ابوذرؓ سے ان کی وفات سے قبل دریافت کیا کہ تمہارے پاس کتنا مال ہے فرمایا میرا مال میرے اعمال ہیں' سوال کرنے والے نے کہا کہ ہم تو چاندی اور سونے کے بارے میں تم سے دریافت کررہے ہیں تو ابوذرؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے دنیا میں ایسی کوئی صبح وشام نہیں گزاری جس میں میرے پاس خزانہ رہا ہو یا میں نے اپنے پاس مال جمع کیا ہو۔ وہ مزید کہنے لگے کہ میں نے اپنے خلیل جناب رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ ''آدمی کا خزانہ اس کی قبر ہے۔''

جناب ابوذرؓ کا صبر:۔

صابر کی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے ''صابر وہ ہے جو دنیا کو تو چاہتا ہے اور اس کی رغبت بھی رکھتا ہے لیکن جب اس کو وہ میسر ہو تو اس سے اپنے کو بچاتا ہے کیونکہ وہ اس کی خرابی سے واقف ہے۔'' آنحضرتؐ صفت صبر کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ صبر کرو جیسا کہ پیغمبران اولوالعزم نے صبر کیا۔'' وہ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم بجز اس کی اطاعت کے چارہ نہیں رکھتا ہوں۔ اپنی توانائی اور طاقت کے مطابق صبر کرتا ہوں جیسا کہ انبیائے ماسبق نے صبر کیا۔

علی ابن ابراہیمؒ اور یعقوب کلینیؒ نے روایت کی ہے کہ ابوذرؓ کا ایک بیٹا تھا جس کا کہ نام ذر تھا۔ اس کا انتقال اس وقت ہوا جب کہ ابوذرؓ ربذہ میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ابوذرؓ نے اس بے وطنی میں اپنے لخت جگر کو دفن کیا اور پھر کھڑے ہوکر اس کی قبر پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہنے لگے کہ اے ذر خدا تجھ پر رحم کرے بیشک تو اپنے ماں باپ کے لئے خوش خلق اور نیک کردار تھا اور جس وقت تو اس دنیا سے رخصت ہوا تو میں تجھ سے راضی تھا۔ تیری جدائی سے مجھ میں کوئی

کی واقع نہیں ہوئی اور مجھے بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور سے کوئی حاجت نہیں ہے اور نہ ہی کسی اور سے کسی قسم کے نفع کی میں کوئی امید رکھتا ہوں کہ جس کے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے میں دلگیر و پریشان ہوں۔ اگر موت کے بعد ہول اور سختی نہ ہوتی تو میں آرزو کرتا کہ میں تیری جگہ پر ہوتا۔ مجھ کو غم لاحق ہے مگر خدا کی قسم تیری جدائی کا نہیں بلکہ تجھ پر روتا ہوں کہ کاش میں یہ بات جانتا کہ مرنے کے بعد تجھ سے کیا سوالات کئے گئے اور تو نے ان کے کیا جوابات دیئے۔ پھر کہنے لگے۔ پروردگار اپنے کچھ حقوق تو نے اس پر واجب قرار دیئے تھے اور کچھ میرے حقوق اس پر مقرر فرمائے تھے۔ میں نے اپنے حقوق اس کو بخش دیئے تو بھی اپنے حقوق اس کو بخش دے۔

جناب رسالت مآبؐ نے ابوذر غفاریؓ سے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذرؓ تم اس وقت کیا کرو گے جب کہ میرے بعد عنقریب ہی تمہارے اوپر ایسے امام بن جائیں گے کہ وہ فے کو بھی کھا جائیں۔ تو ابوذرؓ نے عرض کیا کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ خلق کیا کہ میں تلوار سے اپنے آپ ختم کرلوں گا اور اس طرح آپ سے آملوں گا۔ آپ یہ سن کر فرمانے لگے کہ بہتر ہے میں تجھے اس سے زیادہ نہ بتاؤں۔ بس اتنی ہدایت کرتا ہوں کہ صبر کرنا یہاں تک کہ تو مجھ سے آملے (بخاری جلد دوئم) ماخوذ از جلاالعیون۔

بعد از وفات رسولؐ ابوذرؓ کو ایسے ہی حالات و واقعات کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہوئے تعمیل حکم رسولؐ میں صبر کیا۔ اللہ اللہ صبر و استقامت و اطمینان قلب جناب ابوذرؓ غفاری کا۔

جناب ابوذر غفاریؓ کا علم:۔

صفت علم افضل ترین اوصاف کمال انسانی ہے۔ علم کے ذریعے انسان کو قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ جو لذت حصول علم میں اہل علم حاصل کرتے ہیں۔ وہ جاہل ہرگز نہیں کرتا۔ دنیا میں بھلا کون ایسا انسان ہے جو علم کے فوائد سے انکار کر سکے۔ اس علم کی بدولت انسان اشرف المخلوقات قرار پایا ہے اور کائنات کی ہر شے اس کے لئے مسخر کر دی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں ارشاد خداوندی ہے کہ ''جو کوئی عالم ہے اور جو عالم نہیں یہ دونوں مرتبہ میں برابر نہیں ہو سکتے۔''

جناب رسالت مآبؐ نے جناب ابوذرؓ سے ارشاد فرمایا کہ ''اے ابوذرؓ ایک ساعت بھی اس محفل یا مجلس میں بیٹھنا جس میں علمی گفتگو ہوتی ہے خدا کے نزدیک ہزار شب کی اس بیداری سے جس میں ہر رات ایک ایک ہزار رکعتیں نماز کی ادا کی جائیں۔ نیز راہ خدا میں ہزار بار جہاد کرنے سے اور بارہ ہزار قرآن ختم کرنے سے اور ایک سال تک عبادت الٰہی بجا لانے سے جس میں ہر روز روزہ بھی رکھا گیا ہو بہتر اور محبوب ہے۔''

مندرجہ بالا ارشاد رسولؐ کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حصول علم دیگر جملہ عبادات کی بجا آوری سے بہتر

ہے۔ پس فضیلت علم نیز اس کی اہمیت اور افادیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابوذر نے مدینہ علمؐ اور باب مدینہ علمؑ سے قربت واتصال رکھا۔ انہوں نے علم کے بہت سے مدارج طے کئے جن کا اقرار جناب امیرالمومنینؑ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"ابوذرؓ نے چند ایسے علوم حاصل کئے جن کے تحمل سے لوگ عاجز ہیں۔"

حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابوذرؓ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اسے کسی بہتر اور جدید علم سے مستفید فرمائیں تو جواب میں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ علم کی کوئی حد نہیں۔ علوم بے شمار ہیں لیکن اگر تجھ سے ممکن ہوسکے تو اتنا کر کہ تو اس سے بدی نہ کر جس کو تو دوست رکھتا ہے۔ اس شخص نے سوال کیا کہ کیا کبھی آپ نے دیکھا ہے کہ کوئی شخص جس کو وہ دوست رکھتا ہے' اس کے ساتھ برائی بھی کرے تو ابوذرؓ کہنے لگے کہ تجھے اپنی جان دیگر تمام لوگوں کی جانوں سے زیادہ محبوب ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ ہاں پس کہنے لگے کہ جب تو خدا کی نافرمانی کرتا ہے تو جان لے کہ تو اپنی جان کے ساتھ بدی اور برائی کر کے اسے نقصان پہنچا رہا ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ابوذرؓ اپنے خطبوں میں کہا کرتے تھے کہ اے طالب علم کرنے والے دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر یہ کہ یا تو اس سے فائدہ پہنچتا ہے اور یا پھر اس سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ سوائے اس کے جس پر خدا رحم فرمائے۔ لہٰذا لازم آتا ہے کہ تم اسی شے کو دنیا میں طلب کرو جس سے تم کو بھلائی کی امید ہو۔ اے علم کے طلب کرنے والے تجھ کو تیرے اہل وعیال' دولت و مال کہیں مشغول نہ کرلیں اس لئے کہ جس روز تو اپنے اہل وعیال سے جدا ہوگا تو تو اس مہمان کے مانند ہوگا جو رات تو کسی گروہ کے ساتھ بسر کرتا ہے اور دن کو ان سے جدا ہوجاتا ہے اور پیدا ہونے اور انتقال کرنے میں سوائے اس تھوڑی سی نیند کے جس سے کہ انسان بہت جلد بیدار ہوجاتا ہے زیادہ وقفہ نہیں۔ اے علم کے طلب کرنے والے اس دن سے قبل ہی اعمال صالحہ بھیج دے کہ جس روز تجھ کو خدا کے سامنے حساب وکتاب کے لئے لا کھڑا کیا جائے گا۔ اس دن تو اپنے نیک اعمال کا ثواب پائے گا اور جو کچھ تو نے آج کیا ہے اس کی جزا ملے گی۔

ابوذرؓ کی دنیا سے بیزاری:۔

جناب یعقوب کلینیؒ نے امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کی ہے کہ ابوذرؓ کہتے تھے کہ میں اس دنیا سے بیزار ہوں اور اسی لئے اس کی مذمت بھی کرتا ہوں۔ سوائے جو کی دو روٹیوں کے جس میں سے ایک میں صبح کو کھاتا ہوں اور دوسری شام کو اور سوائے بال کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے جن میں سے ایک کو کمر سے باندھتا ہوں جب کہ دوسرے کو اوڑھتا ہوں۔

جناب امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت کیا کہ وہ کیا سبب ہے کہ لوگ موت کو نہیں چاہتے تو ابوذرؓ جواب میں فرمانے لگے کہ اس لئے کہ لوگوں نے اپنی دنیا آباد کررکھی ہے جب کہ

آخرت کو انہوں نے خراب و برباد کیا ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ نہیں چاہتے کہ مقام آباد سے مقام خراب کی جانب مراجعت کی جائے۔ پھر اس شخص نے پوچھا کہ بارگاہ خداوندی میں ہم کس طرح حاضر ہوں گے' تو فرمانے لگے کہ بس اس مسافر کی مانند کہ جو اپنے گھر کی جانب پلٹتا ہے اور یہ کہ تم میں جو بے عمل اور بد کردار ہے وہ بھاگے ہوئے اس غلام کی مانند ہے جو اپنے آقا کے پاس بہرحال واپس ہوگا۔ پھر پوچھا کہ خدا کے حضور ہمارا حال کیسا ہوگا تو ابوذرؓ نے فرمایا کہ اپنے اعمال کا کتاب خدا کی روشنی جائزہ لو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "بیشک نیک اعمال والے بہشت کی نعمتوں میں ہوں گے اور یقیناً گنہگار جہنم میں ہوں گے۔" پھر اس نے دریافت کیا کہ خدا کی رحمت کہاں ہے تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ نیکوکاروں کے نزدیک۔

ابوذرؓ اور محبت رسولؐ:۔

علی ابن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ جنگ تبوک میں شرکت کے لئے جناب ابوذرؓ بھی دیگر اصحاب لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ چونکہ ابوذرؓ کا ناقہ لاغر و کمزور تھا اس لئے وہ

تین روز کی مسافت کے مساوی پیچھے رہ گئے۔ جب ان کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب ان کا ناقہ قافلہ تک نہیں پہنچ سکے گا تو انہوں نے اس کو راستہ ہی میں چھوڑ دیا اور سامان سفر اپنی پیٹھ پر لاد کر پیدل ہی عازم سفر ہو گئے۔ جب دن طلوع ہوا تو مسلمانوں نے ان کو دیکھا کہ وہ پیدل ہی چلے آ رہے ہیں۔ آنحضرتؐ ابوذرؓ کو دیکھ کر فرمانے لگے۔ "انہیں جلدی پانی پلاؤ اس لئے کہ وہ بہت پیاسے معلوم ہوتے ہیں۔" لوگوں نے انہیں پانی پلایا اور وہ پانی پینے کے بعد خدمت حضور اقدسؐ میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک لوٹا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ حضورؐ نے ان سے دریافت کیا کہ "جب تمہارے پاس پانی تھا تو تم نے اسے کیوں نہیں پیا" تو جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ دوران سفر میرا گزر ایک پتھر کی طرف ہوا جس پر بارش کا پانی جمع تھا۔ جب میں نے اس کو چکھا تو محسوس ہوا کہ وہ پانی بہت سرد اور شیریں ہے۔ اس لئے میں نے عہد کیا کہ جب تک میرے حبیب اس پانی کو نوش نہیں کریں گے میں اس کو منہ نہیں لگاؤں گا۔ حضورؐ فرمانے لگے کہ ابوذرؓ خدا تم پر رحم کرے تم تنہا غربت میں زندگی گزارو گے' تنہائی ہی میں تمہاری وفات ہوگی۔ تم تنہا مبعوث ہوگے اور تنہا ہی بہشت میں داخل ہوگے۔ اہل عراق کا ایک گروہ تمہارے دفن کفن کی سعادت حاصل کرے گا۔

ہم ایک اور واقعہ جو کہ دلچسپ ہے اس مقام پر علامہ مجلسی کی کتاب حیات القلوب سے نقل کر رہے ہیں ابن بابویہ علیہ الرحمہ نے معتبر سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب ابوذرؓ کا گزر ایک مقام سے ہوا جہاں جناب رسالت پناہ اور حضرت جبرائیل جو کہ اس وقت دحیہ کلبی کی شکل میں موجود تھے' محو گفتگو تھے۔

ابوذرؓ کو یہ گمان ہوا کہ حضور دحیہ کلبی سے کسی اہم معاملہ پر راز کی گفتگو کر رہے ہیں لہٰذا وہ چپکے سے پاس سے گزر گئے۔
جبرائیل نے حضور سے عرض کیا کہ ابوذرؓ ہمارے قریب سے گزر گئے اور انہوں نے سلام تک نہیں کیا۔ اگر وہ سلام کرتے تو ہم ان کو ضرور جواب دیتے۔ وہ مزید فرمانے لگے کہ وہ ایک دعا پڑھتے ہیں جو کہ آسمانوں میں رہنے والی مخلوق میں بہت مشہور ہے۔ جب میں واپس ہو جاؤں تو آپ ان سے اس سلسلے میں سوال کریں۔ جبرائیل کے چلے جانے کے بعد جب ابوذر کی ملاقات آنحضرتؐ سے ہوئی تو انہوں نے سلام نہ کرنے کی وجہ دریافت کی۔ تو انہوں نے عذر پیش کیا کہ دحیہ کلبی کے ساتھ چونکہ آپ مشغول گفتگو تھے اسی لئے میں نے نہیں چاہا کہ میں آپؐ کے اور ان کے درمیان مخل ہوں۔
جب حضورؐ نے فرمایا کہ وہ تو جبرائیل تھے اور ان ہی نے یہ سب کچھ کہا تھا تو یہ سن کر ابوذرؓ پشیمان ہوئے۔

جناب ابوذر غفاریؓ کی قناعت:۔

قناعت اس دنیا کی ضد ہے۔ یہ صفت نیک ہے۔ قناعت کے معنی ہیں کہ انسان کو مناسب کوشش کرنے کے بعد جو کچھ بھی وسائل زندگی اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی گزارنے کے لئے میسر آئیں وہ ان پر اکتفا کرے اور اپنے پروردگار کا شکر بجالائے۔ قناعت اختیار کرنے سے انسان میں احساس محرومی ختم ہو جاتا ہے جب کہ ہوس دنیا ان گنت معاشی و سماجی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔

ظاہر ہے انسانی احتیاجات لامحدود ہیں جب کہ وسائل زندگی ہمیشہ ہی محدود ہوتے ہیں۔ انسان خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں و مصروف رہتا ہے۔ اور یہ سلسلہ کبھی نہ ختم ہونے والا ہوتا ہے۔ آج ایک انسان جس چیز کو سامان تعیش خیال کرتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہی شے ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے آئندہ ضرورت زندگی کا درجہ حاصل کرے۔ اس طرح معاشرہ میں حصول آسائش کے لئے ایک دوڑ شروع ہو جاتی ہے جائز و ناجائز کا فرق و امتیاز مٹ جاتا ہے اور انسان آخرت سے بے خبر ہو کر اس عارضی دنیا کی رنگینوں میں محو ہو جاتا ہے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم جناب ابوذرؓ کی قناعت کی ایک مثال پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ ایک روز ایک شخص جناب ابوذرؓ کے پاس آیا اور اس نے ان کو خوشخبری دی کہ تمہاری بھیڑوں نے بچے دیئے ہیں یہاں تک کہ ان کی کثرت ہو گئی ہے۔ ابوذرؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں ان کی زیادتی سے خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی میں ان کو دوست رکھتا ہوں بلکہ جو کم ہو اور کافی اسی کو میں پسند کرتا ہوں۔ اس لئے کہ میں نے جناب رسالت مآبؐ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ صراط کے دونوں کناروں پر رحم اور امانت ہوں گے۔ کوئی ایسا شخص جب اس پر سے گزرے گا جس نے صلہ رحم نہیں کیا ہوگا اور کسی کی امانت میں خیانت بھی نہیں کی ہوگی تو صراط اس کو دوزخ میں نہیں ڈالے گی۔

شیخ کشی نے معتبر اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دو آزاد کردہ غلاموں کو دو سو دینار دے کر ابوذرؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ وہ یہ رقم لے لیں اور اپنے مصرف میں اس کو لائیں۔ غلاموں نے پیغام پہنچانے کے ساتھ ساتھ وہ رقم پیش کی۔ ابوذرؓ نے دریافت کیا کہ کیا تمام مسلمانوں کے حصہ میں اتنی ہی رقم آئی ہے اور یہ کہ ان کو رقم دی بھی گئی ہے۔ غلاموں نے جواب میں انکار کیا۔ پس ابوذرؓ کہنے لگے کہ میں بھی ایک مسلمان ہوں اور میرے لئے یہ جائز نہیں کہ میں اتنی رقم لوں جو تمام مسلمانوں کو نہیں ملی۔

اس کے جواب میں غلام کہنے لگے کہ حضرت عثمانؓ نے کہا ہے کہ یہ میرا ذاتی مال ہے اور قسم ہے اس خدا کی جس کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں کہ اس مال میں قطعاً مال حرام شامل نہیں۔ ابوذرؓ نے وہ رقم لینے سے انکار یہ کہہ کر کر دیا کہ مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے چونکہ میں نے آج صبح اس حال میں کی کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ غلام نے پھر کہا اللہ تم کو عافیت کے ساتھ رکھے اور وہ تمہارا معین و مددگار ہو ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے پاس ایسی کوئی بھی شے نہیں جس سے کہ تم کو آرام میسر آ سکے۔ ابوذرؓ نے کہا کہ اس نمدے کے نیچے جو کی دو روٹیاں ہیں جو کئی روز پرانی ہیں وہ کافی ہیں میں ان اشرفیوں کو لے کر کیا کروں گا اور خدا جانتا ہے کہ میں کم اور زیادہ پر قادر نہیں ہوں۔ لہٰذا تم اس مال کو انہیں کے پاس واپس لے جاؤ اور ان کو بتلا دو کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس مال کی جو کہ ان کے پاس موجود ہے۔ یہاں تک کہ میں اپنے پروردگار سے ملاقات کروں وہی میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

مندرجہ بالا حالات و واقعات کے مطالعہ سے ایک عام قاری جناب ابوذر غفاریؓ کی سیرت ان کی زندگی کے بعض گوشوں کا کچھ نہ کچھ عرفان حاصل کر سکتے ہیں جن کو ہم نے اس مختصر سے کتابچہ میں مستند کتابوں سے نقل کیا ہے۔

اب ہم ان واقعات کو یہاں نقل کر رہے ہیں جن کا سامنا جناب ابوذرؓ کو بعد از وفات جناب ختمی مرتبت کرنا پڑا۔ یہ واقعات ان کی زندگی کے اہم ترین واقعات ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے کہ حضورؐ کے اس مقتدر صحابی کو آواز حق بلند کرنے کی پاداش میں کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا وہ بھی غیروں کے ذریعہ نہیں بلکہ اپنے ہی ساتھیوں کے ذریعے۔

آغاز میں ہم اس پیش گوئی کو یہاں حیات القلوب سے نقل کر رہے ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوذرؓ سے مستقبل میں پیش آنے والے حالات کے سلسلہ میں کی تھی۔

قطب راوندی نے خود ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں اور عثمانؓ ساتھ ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آنحضرت مسجد میں تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ہم دونوں بھی حضورؐ کے پاس بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد عثمانؓ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے جب کہ میں وہیں بیٹھا رہا۔ حضورؐ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم عثمانؓ سے کیا راز کی باتیں کر رہے تھے تو جواب میں میں نے عرض کیا کہ میں قرآن کا ایک سورۃ پڑھ رہا تھا۔ پھر وہ

یہ فرمانے لگے کہ بہت جلد تم ایک دوسرے سے دشمنی کرنے لگو گے اور تم دونوں میں جو ظالم ہوگا وہ جہنم میں جائے گا جب میں نے ان سے یہ دریافت کیا کہ ہم دونوں میں کون ظالم ہوگا تو جواب میں حضورؐ نے صرف اتنا فرمایا کہ اسے ابوذرؓ حق بات کہنا اگرچہ وہ تلخ ہوگی یہاں تک کہ قیامت کے روز ملاقات کرنا اس عہد کے ساتھ جو کہ میں نے تم سے لیا ہے۔

ارباب سیر نے نقل کیا ہے کہ ابوذرؓ خلیفہ دوئم کے عہد حکومت میں مدینہ سے شام چلے گئے تھے اور وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ خلافت سوئم کا آغاز ہوا۔ شام میں پہلے ہی معاویہ کی حکمرانی تھی۔ ابوذرؓ لوگوں کو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے فضائل سناتے تھے اور ان سے دوستی کی لوگوں کو ترغیب دیتے تھے۔ ان کی تعلیمات اور ان کے کردار سے متاثر ہوکر بہت سے لوگ اسلام کے اصل خدوخال کو سمجھنے لگے تھے اور اس طرح وہ عرف عام میں تشیع پر مائل ہو چکے تھے۔ یہ بات مشہور ہے کہ شام اور جبل عامل میں جو کہ آج کل لبنان کا حصہ ہے آج جو شیعہ موجود ہیں وہ جناب ابوذرؓ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

ابوذرؓ ایک جانب تو حضرات آل محمد علیہم السلام کی توصیف و تعریف کیا کرتے تھے' جبکہ دوسری جانب وہ ان اقدامات کی مذمت اور تنقیص بھی کرتے تھے جو کہ حکومت وقت نے لوگوں پر روا رکھے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ جب ان کو جناب عمار یاسر کے ساتھ پیش آنے والے ناروا سلوک کا علم ہوا تو اس کے بعد وہ اپنے اظہار خیال میں زیادہ آزاد اور برجستہ ہو گئے۔

اس تمام صورت حال سے معاویہؓ نے جناب عثمانؓ کو یہ لکھ کر مطلع کیا کہ اگر چند روز مزید ابوذرؓ اس مقام پر رہ جائیں گے تو یہاں کے لوگ تم سے منحرف ہو جائیں گے۔ خط ملنے کے فوراً بعد جناب عثمانؓ نے معاویہؓ کو یہ ہدایت بھیجی کہ وہ ابوذرؓ کو سوار کر کے ایک سخت مزاج آدمی کے ہمراہ روانہ کردے تاکہ وہ رات دن سواری کو دوڑاتا ہوا لائے' ابوذرؓ پر نیند غالب آئے اور وہ سو بھی نہ سکیں۔ اور اس طرح ان کے دماغ سے میرا اور تمہارا ذکر محو ہو جائے گا۔

جس وقت شام میں معاویہؓ کو حضرتؓ عثمانؓ کا خط اس میں تحریر تھا کہ اس خط کو ملتے ہی تم ابوذرؓ کو فوراً مدینہ روانہ کردو۔ تو معاویہؓ نے جناب ابوذرؓ کو بلایا اور انکو خط کے مندرجات سے آگاہ کیا ساتھ یہ بھی ہدایت کی کہ وہ شام سے روانگی کی لئے تیار ہو جائیں۔ ابوذرؓ وہاں سے واپس آئے اور اپنا سامان اونٹ پر بار کیا۔ اس وقت اہل شام ابوذرؓ کے اردگرد جمع ہو گئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ابوذرؓ خدا تم پر رحمت نازل کرے تو اس کے جواب میں ابوذرؓ نے فرمایا کہ "مجھ کو غضبناک ہو کر تمہاری طرف بھیجا تھا اور اب مجھے آزار پہنچانے کے لئے واپس بلایا جا رہا ہے۔" جب شام میں رہنے والے عام لوگوں کو اس بات کا علم ہوا تو وہ ابوذرؓ کو رخصت کرنے کے لئے ان کے ساتھ ہو لئے اور مقام دیر مراں تک گئے ابوذرؓ وہاں ٹھہرے اور نماز ادا کی لوگوں نے ابوذرؓ کی امامت میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد جناب

ابوذرؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا۔ حمااحکاالطغاذ۔ میں تم کو ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں جو تمہارے فائدہ کی ہیں۔ میں اس وقت کوئی طویل گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ فرمانے لگے کہ میں عالمین کے خالق کی حمد بجالاتا ہوں۔ حاضرین نے ایک زبان کہا الحمد اللہ۔ پھر آپ نے خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ حاضرین نے آپ کے موقف کی تائید کی۔ پھر فرمانے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت میں زندہ ہونا حق ہے' بہشت حق ہے' دوزخ حق ہے اور جو کچھ رسالت مآبؐ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے میں ان سب کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے ان اعتقادات پر تم کو گواہ بناتا ہوں۔ حاضرین میں سے سب نے کہا کہ ہم اس پر گواہ ہیں۔ پھر ابوذرؓ فرمانے لگے کہ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے رحمت و کرامت الٰہی کی خوشخبری دیتا ہوں جو یہ اعتقادات رکھتا ہے نیز انہی اعتقادات کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے مزید یہ کہ جو گنہگاروں کے ساتھ تعاون نہ کرے اور ظالموں اور ستم گاروں کے اعمال کو اچھا نہ سمجھے اور ان کی مدد نہ کرے۔ اے لوگوں اپنی نماز اور روزہ کے علاوہ اُن لوگوں پر تمہارا غضبناک ہونا بھی ضروری ہے۔ اس وقت جب تم یہ دیکھو کہ وہ زمین پر خدا کی نافرمانی کرتے ہیں اور دیکھو اپنے حاکموں کو ان باتوں سے راضی نہ کرو جو کہ حق تعالیٰ کے غضب کا سبب بنیں۔ اگر لوگ خدا کے دین میں اپنی بدعتیں ایجاد کریں جن کا کہ تمہیں بخوبی علم نہ ہو تو ان سے تم کنارہ کش ہو جاؤ اور ان کی سرزنش کرو اگر چہ وہ تم پر سختی اور ظلم کیوں نہ کریں اور تم کو اپنے دربار ہی سے نکال دیں اور تم کو اپنی جانب بخششوں سے محروم کیوں نہ کردیں' اور تم کو اپنے شہروں سے باہر نکال دیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تم سے راضی اور خوش ہوگا۔ بیشک خدا ہر ایک سے بلند و جلیل ہے۔ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ کوئی شخص اس کی مخلوق کو تو راضی کرے مگر اس سے اس کا خلاق غضبناک ہو جائے۔ خدا تم کو اور مجھ کو بخش دے میں تم سب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور تمہارے لئے اس کی رحمت اور سلامتی چاہتا ہوں۔ یہ کلمات ابوذرؓ کی زبان سے سن کر حاضرین کہنے لگے کہ اللہ آپ کو صحیح و سالم رکھے اور آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اے ابوذرؓ' اے رسولؐ کے صحابی کیا آپ یہ نہیں چاہتے کہ ہم آپ کو اپنے شہر واپس لے چلیں اور دشمنوں کے شر سے اپ کو محفوظ رکھیں۔ ابوذرؓ نے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اب تم واپس جاؤ اس لئے کہ میں تم سے کہیں زیادہ بلاؤں پر صبر کرنے والا ہوں۔ تم ہرگز متفرق نہ ہونا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا یہ کہہ کر ابوذرؓ شام سے روانہ ہوئے۔

ان کو ایک بغیر کجاوہ والے اونٹ پر جو کہ شریر بھی تھا بٹھایا گیا اور ایک تند مزاج ساربان اس کو ہنکار رہا تھا۔ ابوذرؓ ایک دراز قد کے انسان تھے ساتھ ہی اپنے زہد و تقویٰ کے سبب وہ لاغر و ناتواں بھی تھے۔ اس کے علاوہ ضعیفی کے سبب ان کے سر اور داڑھی کے تمام بال سفید ہو چکے تھے۔ غرض کہ ساربان اونٹ کو تیزی کے ساتھ دوڑا رہا تھا نیز یہ کہ وہ اونٹ جس پر انہیں بٹھایا گیا تھا بے کجاوہ بھی تھا جس کی وجہ سے ان کی رانوں کا گوشت غائب ہو گیا تھا اور وہ بری

طرح سے زخمی ہو گئے تھے۔ وہ اس خراب و خستہ حالت میں مدینہ میں وارد ہوئے۔ جب ان کو حاکم وقت کے سامنے لایا گیا تو حاکم وقت نے برہمی کی کیفیت میں ابوذرؓ سے کہا کہ اے جندب کوئی آنکھ تیرے دیدار سے روشن نہ ہو۔ اس کے جواب میں ابوذرؓ کہنے لگے کہ میرا نام میرے والد نے جندب رکھا تھا جبکہ رسولؐ اللہ نے جو میرا نام رکھا تھا وہ عبداللہ تھا۔ پھر حاکم وقت کہنے لگے کہ تم اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہو اور میرے متعلق یہ کہتے ہو کہ میں نے یہ کہا ہے کہ خدائے تعالیٰ تو فقیر ہے جب کہ ہم لوگ تونگر ہیں (معاذ اللہ) ابوذرؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے تو یہ بات کبھی نہیں کہی تھی۔ ہاں میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب ابی العاص کی اولاد [illegible] تک پہنچ جائے گی تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مال کو اپنا مال قرار دیں گے اور بندگان خدا کو اپنا غلام اور ملازم خیال کریں گے۔ مزید یہ کہ وہ دین خدا میں خیانت کریں گے۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے ظلم سے آزاد کرائے گا۔

جس وقت ابوذرؓ دربار میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک لاکھ درہموں کا ایک ڈھیر لگا ہوا ہے اور لوگ اس ڈھیر کے اردگرد اس امید سے بیٹھے ہوئے ہیں کہ جب اس کو تقسیم کیا جائے گا تو اس میں سے کوئی رقم شاید ان کو بھی مل جائے۔ ابوذرؓ کے استفسار پر انہیں یہ بتایا گیا کہ یہ رقم اطراف وجوانب سے لائی گئی ہے جب کہ مزید اتنی ہی رقم آنے والی ہے۔ جب وہ رقم بھی آ جائے گی تو حاکم وقت جس جس کو چاہیں گے دیدیں گے۔ ابوذرؓ یہ سن کر حاکم وقت سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم یہ بتاؤ کہ ایک لاکھ درہم زیادہ ہوتے ہیں یا چار درہم جواب میں کہا گیا کہ ایک لاکھ درہم تو پھر ابوذرؓ نے انہیں وہ واقعہ یاد دلایا کہ ایک رات کو جب ہم دونوں بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ حضورؐ بہت سنجیدہ اور مغموم ہیں اور انہوں نے اس وقت ہم سے بات تک نہیں کی۔ پھر اگلے روز صبح ہم دوبارہ انؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو ہم نے مسرور وشادمان پایا۔ ہمارے دریافت کرنے پر آپؐ نے فرمایا تھا کہ شب میں مسلمانوں کا مال جو کہ چار دینار کی صورت میں تھا وہ میرے پاس آ گیا تھا اور اسی کو میں تقسیم نہیں کر سکا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے موت آ جائے اور وہ مال تقسیم ہونے سے رہ جائے اس لئے میں فکر مند تھا اب چونکہ وہ چار دینار تقسیم کئے جا چکے ہیں اور میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکا ہوں اس لئے میں مطمئن و مسرور ہوں۔ یہ سن کر حاکم وقت کعب الاحبار کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ اے کعب امام کے لئے اس بات میں بھلا کیا حرج ہے کہ وہ بیت المال سے کچھ رقم مسلمانوں میں تقسیم کر دے جب کہ بقیہ رقم اپنے ہی پاس رکھے تا کہ اس رقم کو بوقت ضرورت استعمال میں لایا جا سکے اور امام اس رقم کو جسے چاہے دے۔ کعب نے ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ اگر سونے چاندی کی اینٹ بھی بنا کر رکھی جائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ سنتے ہی ابوذرؓ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے ناراضگی

کی حالت میں کعب کے سر پر اپنا عصا مارا اور کہنے لگے کہ اے یہودی کے بچے تجھ میں یہ جرات کیونکر پیدا ہوئی کہ تو مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت کرے اس کے بعد انہوں نے سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۴ اور ۳۵ کی تلاوت فرمائی جن کا ترجمہ اکثر مفسرین کے مطابق یہ ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے اے رسولؐ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ اس روز ان کے خزانے آگ میں سرخ کر کے ان سے ان کی پیشانیاں داغی جائیں گی۔ کیونکہ جب وہ فقیروں کو دیکھتے تو ان کی پیشانیوں پر بل پڑ جاتے تھے اور ان کے پہلو بھی جن کو وہ اہل فقر سے دور رکھتے اور ان کی پشتیں بھی جن کو وہ غریبوں کی جانب سے پھیرتے تھے اور پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ خزانہ ہے جس کو کہ تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا اور تم اس سے فائدہ کی امید رکھتے تھے۔ لہٰذا اب اس کا مزہ چکھو جو ذخیرہ کرتے تھے۔ جب ابوذرؓ کی زبان سے یہ آیتیں سنیں تو دربار خلافت کی جانب سے ان پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا اور ابوذرؓ کے متعلق نامناسب کلمات دہرائے گئے جن کو یہاں ضبط تحریر میں لانا مناسب نہیں مزید یہ کہ ان سے کہا گیا کہ اگر تم صحابی رسول نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔ ابوذرؓ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا درست نہیں ہے اور نہ ہی تم میرے قتل پر قادر ہو اس لئے کہ آنحضرتؐ نے مجھے پہلے ہی اس بات کی خبر دی ہے کہ اے ابوذرؓ نہ تمہیں کوئی دین اسلام سے برگشتہ کر سکتا ہے اور نہ ہی تمہیں کوئی قتل کر سکتا ہے۔ رہی میری عقل تو وہ اتنی سالم ہے کہ مجھے وہ حدیث رسولؐ آج تک یاد ہے جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جس وقت بنی امیہ کے مردوں کی تعداد ۳۰ ہو جائے گی اس وقت وہ خدا کے مال کو مال غنیمت اور خدا کے بندوں کو لونڈی اور غلام سمجھیں گے اور دین خدا کو مکاری کے طور پر اختیار کریں گے۔ حضرت عثمانؓ نے پہلے تو حاضرین دربار سے اس حدیث کی تصدیق چاہی بعد میں انہوں نے حضرت علیؑ کو اس حدیث کی تصدیق کے لیے بلایا۔ حضرت علیؑ نے اس حدیث کے سلسلہ میں اثبات میں جواب دیا۔ حضرت علیؑ نے مزید فرمایا کہ آنحضرتؐ نے ابوذرؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ زیر فلک اور بالائے زمین ایسا کوئی ذی نطق نہیں ہے جو ابوذرؓ سے زیادہ صادق القول ہو۔

بے محل نہ ہوگا اگر ہم اس خیال کی تائید میں جس کو کہ ہم نے مندرجہ بالا سطور میں حیات القلوب سے نقل کیا تھا جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب خلافت وملوکیت کے مطابق وہ جو شورش برپا ہوئی اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ کسی سبب کے بغیر محض سبائیوں کی سازش کی وجہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی' یا وہ محض اہل عراق کی شورش کا نتیجہ تھی تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ہے۔ اگر لوگوں میں ناراضی پیدا ہونے کے واقعی اسباب موجود نہ ہوتے اور ناراضی فی الواقعہ موجود نہ ہوتی تو کوئی سازشی گروہ شورش برپا کرنے اور صحابیوں اور صحابی زادوں تک کو اس کے اندر شامل کر لینے میں کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ ان لوگوں کی کامیابی اپنی شرارت میں صرف اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ اپنے اقرباء کے معاملہ میں حضرت

عثمانؓ نے جو طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا اس پر عام لوگوں ہی میں نہیں بلکہ اکابر صحابہ تک میں ناراضی پائی گئی تھی۔"

اس سلسلہ میں مولانا موصوف نے ابن اثیر سے نقل کرتے ہوئے مزید تحریر فرمایا ہے "حضرت عثمانؓ نے اکابر صحابہ کو معزول کر کے اپنے رشتہ داروں کو جو گورنر بنایا تھا اس پر وہ اظہار ناراضی کرتے تھے۔ اور یہ بات بکثرت لوگوں کے دلوں میں اتر گئی۔"

غرض کہ جناب ابوذرؓ کو جب بھی موقع ملتا تھا وہ لوگوں سے ملاقات کے دوران حق بات کہتے تھے، حکومت وقت کی بدعنوانیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرتے تھے۔ یہ بات حاکم وقت کو قطعی ناپسند تھی۔ وہ ہر وقت ان سے خائف رہتے تھے لہٰذا انہوں نے جناب ابوذرؓ کو منظر سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا۔ انہوں نے منصوبہ تیار کیا کہ ابوذرؓ کو ایک ایسے مقام پر جلاوطن کردیا جائے جہاں وہ لوگوں سے ملاقات نہ کرسکیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہاں وسائل حیات بھی دستیاب نہ ہوں۔ اس طرح وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سخت سے سخت مسائل سے دوچار ہوتے جائیں گے، ان کی مشکلات میں ہر آن اضافہ ہوگا جو کہ بالآخر ان کی زندگی کے خاتمہ پر منتج ہوگا۔

لہٰذا حضرت عثمانؓ نے کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم اب تم مدینہ سے نکال دیئے جاؤ گے۔ ابوذرؓ نے دریافت کیا کہ کیا تم مجھے حرم رسول اللہ سے خارج کردو گے۔ جواب میں کہا گیا کہ ہاں، انہوں نے مزید دریافت کیا کہ کیا تم مجھے مکہ بھیجو گے، کہا نہیں۔ پوچھا بصرہ کہا نہیں، کہا کوفہ بھیجو گے، کہا نہیں بلکہ میں تم کو ربذہ بھیجوں گا کہ جہاں سے تم آئے تھے حتیٰ کہ وہیں پڑے پڑے تم مرجاؤ گے۔ اس کے بعد انہوں نے مروان کو حکم دیا کہ ابوذرؓ کو نکال دے اور مزید یہ بھی تاکید کی گئی کہ دیکھو کوئی شخص ان کے قریب نہ آئے اور یہ کہ ان سے کلام تک نہ کرے۔ پس مروان نے ابوذرؓ اور ان کی لڑکی کو ایک اونٹ پر بٹھا کر مدینہ سے باہر نکال دیا۔

مروج الذہب میں ہے کہ جب ابوذرؓ کو مدینہ سے نکالا گیا تو ان کو الوداع کہنے کے لئے حضرت علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ، عقیلؓ، عبداللہ بن جعفر اور عمار یاسر تشریف لے گئے۔ مروان نے ان حضرات کو روکا اور کہا کہ اے علیؑ اگر تم ناواقف ہو تو میں تم کو واقف کرتا ہوں کہ حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کی مصاحبت اور مشایعت سے منع کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے مروان کی سواری کے جانور کو ایک چابک رسید کیا اور مروان سے کہا کہ تو دور ہوجا یہاں سے۔ خدائے قہار تجھے نار جہنم کی طرف لے جائے۔ اس کے بعد پھر حضرت علیؑ، جناب ابوذرؓ کے ساتھ ہولئے اور جس وقت ان کو وداع کر کے واپس آرہے تھے تو ابوذرؓ نے روک کر کہا کہ اے اہلبیتؑ نبوت خدا تم پر رحمت کاملہ نازل فرمائے۔ اے ابوالحسنؑ جب میں تم کو اور تمہارے فرزندوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے جناب رسول مقبول یاد آجاتے ہیں۔

الغرض مروان ابوذرؓ کو نکال کر جب واپس آیا تو اس نے حضرت عثمانؓ سے حضرت علیؑ کی شکایت کی۔ حضرت

عثمانؓ نے کہا کہ اے گروہ مسلمین کون شخص علیؑ کی طرف سے اس کے متعلق معذرت کرے گا کہ انہوں نے مروان کو میرے حکم سے باز رکھا اور ویسا برتاؤ کیا جیسا کہ مروان بیان کرتا ہے۔ قسم خدا کی میں بھی علیؑ کے ساتھ وہی کروں گا جس کے وہ مستحق ہیں۔

جب حضرت علیؑ ابوذرؓ کو رخصت کر کے واپس آئے تو لوگوں نے تمام احوال بتایا شب کو جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو حضرت عثمانؓ کہنے لگے کہ تم نے مروان کو شکایت کا موقع کیوں دیا اور یہ کہ تم نے میرے نمائندہ کو روکا۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ جب مروان نے مجھے روکنے کا ارادہ کیا تو میں نے بھی اس کو اس کے ارادہ سے روکا۔ حضرت عثمانؓ کہنے لگے کہ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ میں نے لوگوں کو ابوذرؓ کی مشایعت سے روکا تھا تو حضرت علیؑ نے جواب میں فرمایا کہ اگر تمہارا حکم اطاعت خدا اور امر حق کے خلاف ہو تو کیا میں اس کا اتباع کرنے کا پابند ہوں۔ واللہ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ پھر عثمانؓ کہنے لگے کہ تم نے مروان کے اونٹ کے سر پر چابک مارا تھا تو حضرت علی بولے کہ یہ اونٹ میرا حاضر ہے اگر مروان چاہے تو وہ اس کے سر پر ایک چابک مار دے اور دیکھو واللہ مروان اگر میری نسبت ثقیل کلمہ زبان پر لائے گا تو میں بھی ویسا ہی کلمہ تمہاری نسبت استعمال کروں گا اور وہ جھوٹ بھی نہ ہوگا بلکہ حق ہوگا۔ حضرت عثمانؓ کہنے لگے کہ جب تم مروان کو برا کہو گے تو وہ بھی تم کو برا کہے گا۔ میرے نزدیک تم اس سے افضل نہیں ہو یہ سن کر حضرت علیؑ نے غیظ میں آ کر فرمایا کہ تم مجھ سے ایسا کہتے ہو اور میرا مقابلہ مروان سے کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں تم سے افضل ہوں میرے باپ تمہارے ماں باپ سے افضل ہیں اور میری ماں تمہاری ماں سے افضل ہیں۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ شرمندہ ہو کر اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔

قارئین کرام زمانہ کی ستم ظریفی تو دیکھئے کہ ابھی آنحضرتؐ کے وصال کو صرف بیس یا پچیس سال ہی کا عرصہ گزرا ہے۔ ابھی صحابہ کرام میں بہت سے صحابہ زندہ تھے جنہوں نے جناب رسالت مآبؐ سے براہ راست اکتساب علم کیا تھا۔ ان کی صحبت میں رہے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ وہی علیؑ ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ یہ وہی علیؑ ہیں جو شب ہجرت بستر رسولؐ پر سوئے تھے۔ یہ وہی علی ہیں جن کی جنگ خندق کے موقع پر ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل قرار دی گئی تھی اور جن کو کل ایمان کہا گیا تھا۔ کیا لوگ بھول گئے تھے کہ یہ وہی علیؑ ہیں کہ جو آیہ مباہلہ کی رو سے نفس رسولؐ قرار پائے تھے۔ غرض کہ وہ تمام لوگ رسول مقبولؐ کی زبان مبارک سے علیؑ کے فضائل سن چکے تھے لیکن شاید فتح مکہ کے موقع پر حضرت علیؑ کے دوش رسولؐ پر قیام کر کے بت شکنی کرنا ان تمام فضائل سے کہیں زیادہ دل شکن ثابت ہوا اور اسی لئے طلقا کے گروہ نے اسی دن سے طے کر لیا تھا کہ بس اب اس علیؑ اور اس کی اولاد سے بدلہ لینا ہے۔ ورنہ کجا مروان اور کجا علیؑ۔ ذرا اس عداوت کو تو ملاحظہ فرمایئے کہ آج علیؑ کا موازنہ مروان سے کیا جا رہا ہے۔ وہ

مروان جس کے سیاہ کارناموں سے تاریخ و سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ہم اس مقام پر مروان کی کارگزاریوں کے کچھ واقعات مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب خلافت و ملوکیت سے نقل کر رہے ہیں۔

مروان کا باپ حکم جو کہ حضرت عثمانؓ کا چچا تھا فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا اور مدینہ میں آ کر رہ گیا تھا مگر اس کے بعد کی حرکات کی وجہ سے حکم کو اس کے بیٹے مروان کے ساتھ حضورؐ نے مدینہ سے نکال دیا تھا اور وہ لوگ طائف میں رہنے لگے تھے۔ مروان حضورؐ کی نقلیں بھی اتارتا تھا جس کو خود حضورؐ نے دیکھ لیا تھا۔ خلافت اول اور دوئم دونوں کے عہد حکومت میں ان دونوں باپ بیٹوں کو مدینہ آنے کی اجازت نہیں تھی۔ تاہم تیسری خلافت کے دوران ان کو مدینہ آنے کی اجازت مل گئی تھی اور ان لوگوں نے بڑا اثر و رسوخ اختیار کر لیا تھا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ "مروان بن الحکم نے اپنی مدینے کی گورنری کے زمانہ میں حضرت مسور بن مخرمہ (جو کہ ایک جلیل القدر صحابی تھے) کو اس قصور پر لات ماردی کہ انہوں نے اس کی ایک بات پر یہ کہہ دیا تھا کہ آپ نے یہ بات بری کہی۔"

جب حضرت عثمانؓ نے خلافت کا چارج سنبھالا تو مروان کو اپنا سیکرٹری بنا لیا اس طرح وہ حکومت کے امور میں براہ راست مداخلت کرنے لگا۔ انہوں نے افریقہ کا خمس بھی مروان کو عطا کر دیا تھا (تاریخ کامل) بقول مولانا مودودی "چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ ان صاحب نے حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی اور ان کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے ایسے کام کئے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمانؓ پر پڑتی تھی۔ حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے۔ علاوہ بریں یہ صاحب حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تاکہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفقیوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔ مولانا موصوف مزید تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ ہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انہوں نے صحابہ کے مجموع میں ایسی تحدید آمیز تقریریں کیں جس کو طلقا کی زبان سے سننا سابقین واولین کے لئے مشکل ہی سے قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ اسی بناء پر دوسرے لوگ تو درکنار خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کے لیے مشکلات پیدا کرنے کی بہت ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا تھا کہ اگر آپ مروان کے کہنے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑیں گے۔ اس کو اللہ کی قدر ہے نہ ہیبت نہ محبت۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سے مروان کی شخصیت کا اندازہ لگانا کچھ دشوار نہیں رہا ہوگا نیز اس سلسلہ میں بھی کوئی تاویلیں نہیں ہوسکتیں کہ مروان یا دیگر افراد بنی امیہ نے جو قوت حاصل کی تھی وہ حضرت عثمانؓ کی اقرباء پروری ہی کا نتیجہ تھا اور اسی تناظر میں حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کا موازنہ مروان کے ساتھ کیا تھا۔

الغرض جناب ابوذرؓ غفاری کو مدینہ بدر کر کے ربذہ کی جانب جو کہ مدینہ سے تقریباً چار فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے اور جو کہ ایک بے آب وگیاہ علاقہ تھا اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا گیا کہ کوئی شخص بھی ان کو خدا حافظ کہنے والا موجود نہ ہو۔ مدینہ کے لوگوں نے عمومی طور پر جن میں اصحاب رسولؐ بھی شامل تھے دربار خلافت کی جانب سے جاری ہونے والے اس حکم پر عمل کیا بجز ان چند نفوس کے جو کہ اس متقی صحابی رسولؐ کی شخصیت کا عرفان رکھتے تھے' ان کے مقام کو سمجھتے تھے' دین اسلام کی خاطر دی جانے والی ان کی قربانیوں سے واقفیت رکھتے تھے' فرمان رسولؐ کی روشنی میں ان کی منزلت سے آشنا تھے۔ لہٰذا خاندان رسالت کے چند نفوس جن میں حضرت علیؑ' حضرت حسنؑ' حضرت حسینؑ' جناب عقیل اور عبداللہ بن جعفر جناب عمار یاسر تھے بعض روایتوں کے مطابق الوداع کہنے والے لوگوں میں عبداللہ' قثم' فضل اور پسران جناب عباس بھی تھے۔ رخصت کرتے ہوئے جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اے ابوذرؓ تم خوشنودی خدا کی خاطر یہ غضب برداشت کر رہے ہو لہٰذا تم اسی سے اجر کی امید بھی رکھو۔ اس گروہ کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ کہ تم ان کی دنیا میں تصرف کرو جبکہ تم ان سے اپنے دین کے بارے میں خوف زدہ ہوئے اور تم نے اپنا دین ان سے محفوظ کر لیا۔ اسی لئے ان لوگوں نے تمہیں اس شہر سے نکال دیا اور تمہیں بلاؤں میں ڈال دیا...... اے ابوذرؓ تمہاری حقیقت اور وحشت وتنہائی اور باطل سے دوری تمہاری مونس ہے۔ پھر عقیل نے کہا کہ اے ابوذرؓ تم جانتے ہو کہ ہم اہلبیت تم کو دوست رکھتے ہیں اور تم ہم کو دوست رکھتے ہو اور ہمارا حق اور احترام پیغمبرؐ کے حوالے سے ملحوظ رکھتے ہو جبکہ دوسروں نے اس کو فراموش کر دیا ہے سوائے چند اہل حق افراد کے۔ لہٰذا تمہارا اجر وثواب بھی خدا ہی کے ذمہ ہے اور اہلبیتؑ رسالتؐ کی محبت کے سبب ہی تم کو شہر بدر کیا جا رہا ہے۔ خدا تم کو اجر دے گا۔ اے ابوذرؓ سمجھ لو کہ بلاؤں سے بھاگنا بزدلی ہے اور فوراً عافیت کی خواہش کرنا ناامیدی کے سبب سے ہے۔ لہٰذا بزدلی اور ناامیدی کو اپنے قریب نہ آنے دو۔ اسی قسم کے الفاظ امام حسنؑ امام حسینؑ علیہ السلام نے بھی ادا کئے۔

اس کے بعد ابوذرؓ مدینہ سے ربذہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ کچھ روز وہاں قیام کرنے کے بعد وہ واپس آئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ تم نے اس شہر سے مجھے نکال دیا ہے اور ایک ایسی جگہ بھیج دیا ہے جہاں نہ کوئی زراعت ممکن ہے اور نہ ہی میرے پاس حیوانات ماسوائے صرف چند گوسفند کے' اور نہ کوئی خادم ہے سوائے ایک آزاد کردہ کنیز کے۔ اور نہ کوئی سایہ ہے سوائے درختوں کے سائے کے۔ لہٰذا مجھے ایک خادم اور چند گوسفند دو۔ تاکہ ان کے ذریعہ اپنی زندگی گزار سکوں۔ یہ سن کر انہوں نے اپنا منہ موڑ لیا۔ پھر ابوذرؓ نے دوسری جانب جا کر اپنی حجت تمام کی جس کا کوئی جواب نہ ملا۔ اس کیفیت کو دیکھ کر حبیب بن مسلمہ نے کہا کہ اے ابوذرؓ میں تم کو ہزار درہم ایک غلام اور پانچ سو گوسفند دیتا ہوں تو جواب میں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں تم اس کو دو جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو۔ میں تم

سے کچھ نہیں چاہتا۔ میں تو عثمانؓ سے اپنا وہ حق طلب کر رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں میرے لئے مقرر کیا ہے۔ غرض کہ جناب ابوذرؓ کو مایوس ہو کر واپس جانا پڑا۔

جناب ابوذرؓ نے اپنے مدینہ بدری کے دوران بھی تبلیغ وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ جب بھی کوئی ان سے ملاقات کی غرض سے ان کے پاس پہنچتا تو وہ اس کو حق کی طرف دعوت دیتے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اس سلسلہ میں ابوامامہ باہلی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے جناب ابوذرؓ کو ربذہ بھیجا تو انہوں نے جناب حذیفہ الیمانیؓ کو ایک نامہ تحریر کیا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا کہ اے بھائی خدا سے اس طرح ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے اور جس سے تمہارے گریہ میں اضافہ ہو۔ دنیا کی محبت و تعلقات سے اپنے آپ کو آزاد رکھو۔ راتوں کو عبادت خدا میں بیدار رہو اور معبود کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالو کیونکہ گریہ اور ریاضت صرف اسی کے لئے سزاوار ہے جو یہ جانتا ہے کہ جہنم اس کے لئے ہے جس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان زیادہ گریہ کرتا ہے، زیادہ مشقت کرتا ہے اور راتوں کو عبادت الٰہی میں جاگ کر زیادہ وہ بسر کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل کو اطمینان ہو جائے کہ پروردگار عالم اس سے راضی ہو گیا ہے اور بہشت اس کا مقام ہے۔ انسان بر رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر حق کی جانب اپنا رخ کرتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال و مال و دنیا سے دوری اختیار کرے راتیں بیدار رہ کر عبادت الٰہی میں بسر کرے، دن کو روزہ رکھے اور ظالموں اور ملحدوں سے مشغول جہاد رہے چاہے وہ عملی ہو یا پھر کم از کم زبانی۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہنا چاہیے یہاں تک کہ اسے اس بات کا یقین ہو جائے کہ پروردگار عالم نے اس پر اب بہشت کو لازم قرار دے دیا ہے اور ہاں اس بات کا یقین نہیں ہو سکتا مگر صرف مرنے کے بعد ہی ممکن ہے اور اس شخص کے لئے جو یہ چاہتا ہے کہ وہ بہشت میں جوار رحمت میں ہو اور پیغمبروں کی اسے رفاقت حاصل ہو تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ ایسا ہی بن جائے جیسا کہ میں نے تذکرہ کیا ہے۔ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ اے میرے بھائی تمہارا شمار میرے تئیں ان لوگوں میں ہوتا ہے جن سے مجھے اپنے رنج وغم بیان کرنے میں راحت محسوس ہوتی ہے اس لئے میں انہی لوگوں سے اس بات کی شکایت کرتا ہوں کہ ظالموں نے مجھ کو اذیت پہنچانے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ بیشک میں نے ستم گاروں کے مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ان کی باطل باتیں اپنے کانوں سے سنی ہیں۔ جب میں نے ان کو ان باتوں سے روکا تو انہوں نے مجھے میرے حق سے محروم کر دیا اور مجھے شہر بہ شہر آوارہ کیا اور مجھے اپنے عزیزوں اور بھائیوں سے جدا کر دیا اور حرم خدا اور رسولؐ سے مجھے باہر نکال دیا۔ میں اپنے خدا اور رسولؐ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات پر کہ میں اس معاملہ میں ان کی بارگاہ میں کوئی شکایت پیش کروں بلکہ میں تو راضی ہوں اس پر جو کہ پروردگار عالم نے میرے لیے پسند فرمایا ہے اور مقدر کیا ہے۔ میں تو اپنی

کیفیتوں کا تم سے اظہار کر رہا ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے اور عام مسلمانوں کے لئے تم راحت اور کشائش طلب کرو اور دعا کرو کہ حق تعالیٰ مجھ کو تمام مسلمانوں کو وہ امر نصیب کرے جس کا نفع زیادہ اور بہتر ہو۔

بے محل نہ ہوگا اگر ہم جناب حذیفہ یمانیؓ کے جوابی مکتوب کو بھی یہاں تحریر کرتے چلیں جس میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ خوف خدا کے ساتھ ساتھ ان تمام مصائب کا اعتراف کیا گیا ہے جو کہ جناب ابوذرؓ پر حکومت وقت نے روا رکھے۔ یہ خط و کتابت آنحضرتؐ کے دو جلیل القدر صحابیوں کے مابین ہوئی۔ صحابہ کرام سے زبانی محبت کا دعویٰ کرنے والے احباب کو ہم دعوت فکر دے رہے ہیں کہ وہ دیکھیں کہ صحابہ کرام کے ہاتھوں صحابہ کرام کے ساتھ کیسی کیسی زیادتیاں کی گئیں۔

خط کا متن ملاحظہ فرمایئے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم' امابعد۔ میرے بھائی آپ کا خط ملا جس میں آپ نے مجھ کو قیامت میں میری بازگشت سے ڈرایا اور معصیت سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے اور جن امور میں میرے نفس کی اصلاح درکار ہے اس کی ترغیب و تحریص فرمائی ہے۔ اے برادر آپ ہمیشہ ہی میرے اور دیگر مسلمانوں کے مہربان اور خیر خواہ رہے ہیں اور سب ہی پر شفقت اور احسان کرتے رہے ہیں اور سب کے لئے خائف اور ترساں رہے ہیں اور ہمیشہ سب کو نیکیوں کا حکم دیتے رہے ہیں جبکہ برائیوں سے منع کرتے رہے ہیں۔ خدا کی خوشنودی کی جانب کسی کی ہدایت نہیں ہوتی مگر اسی کی مرضی سے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور اس کے غضب اور عذاب سے کوئی نجات نہیں پا سکتا مگر یہ کہ اسی کے لطف و کرم و احسان و عفو و رحم و بخشش کی بدولت۔ لہٰذا میں اسی سے اپنے لئے اور اپنے خاص متعلقین اور تمام انسانوں اور امت کے تمام لوگوں کے لئے اس کی خاص بخشش اور وسیع رحمت کا طالب ہوں۔

میرے بھائی جو کچھ آپ کے ساتھ ظلم و ستم کیا گیا ہے یعنی آپ کو شہر سے باہر نکالا گیا' غریب الوطن کیا گیا اور اپنے دروازوں سے دور کیا گیا یہ تمام احوال تمہارے خط سے معلوم ہوا اور مجھ پر بے حد شاق گزرا۔ میرے بھائی اگر میں یہ جانتا کہ تم پر گزرنے والی یہ تمام تکالیف میرے مال کے ذریعہ رفع ہو سکتی ہیں تو میں اپنا تمام مال تم پر قربان کر دیتا۔ خدا کی قسم اگر ہو سکے تو آپ مجھے آپ پر پڑنے والی تکالیف میں شامل کر لیں اور شریک کر لیں اور اپنی بلاؤں میں سے نصف میرے حصے میں ڈال دیں تو میں ان لوگوں سے التماس کرتا جو تمہاری تکالیف کا موجب بنے ہیں لیکن یہ تمام امور ہم لوگوں کی قدرت سے باہر ہیں۔ اے بھائی میں اور آپ دونوں بارگاہ الٰہی میں گریہ و زاری کریں اور اس کے ثواب کی جانب رغبت کریں اور اس کے عذاب سے نجات پائیں۔ بیشک عنقریب ہماری جانوں کو اذیت پہنچائی جائیں گی اور بہت جلد ہمارے میوہ زندگی کو ہماری بد کے درختوں سے کاٹ ڈالا جائے گا اور مجھے اور آپ کو بارگاہ احدیت میں طلب کیا جائے گا اور ہم اس کو قبول کریں گے۔ پھر ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کئے جائیں گے۔ اس وقت

......ان تمام اعمال کے جو کہ ہم پہلے سے ہی بھیج چکے ہوں گے۔ اے بھائی جو کچھ بھی آپ سے ضائع ہو چکا ہے اس کا آپ غم نہ کریں اور جو کچھ تکالیف آپ پر وارد ہوئیں ہیں ان پر غمگین و رنجیدہ نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر کے طالب ہوں اور اس کی جانب سے ثواب عظیم کے منتظر رہیں۔ اے بھائی میں موت کو اپنے لئے اور تمہارے لئے بھی اس دنیاوی زندگی سے کہیں بہتر پاتا ہوں چونکہ بے انتہا فتنے پیدا ہو چکے ہیں جو یکے بعد دیگرے ایک شب تاریک کے لمحوں کی مانند آ رہے ہیں۔ انہی فتنوں میں تلواریں اپنی نیام سے نکلیں گی اور موت لوگوں کے سروں پر مسلط ہو جائے گی۔ جو شخص بھی ان فتنوں کے دوران اپنا سر نکالے گا یا ان میں ملوث ہوگا بلاشبہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور عرب کے باشندے چاہے وہ شہری ہوں یا صحرائی ان میں سے ہر ایک ان فتنوں میں تصرف کرے گا اور ان زمانوں میں جو سب سے زیادہ ظالم ہوگا وہی معزز بھی قرار پائے گا اور جو بس سے زیادہ پرہیزگار ہوگا وہی ذلیل و خوار ہوگا۔ لہٰذا خداوند کریم مجھے اور آپ کو اس زمانہ سے اپنی پناہ میں رکھے۔ بیشک آپ کے لئے اٹھتے بیٹھتے کسی حال میں بھی دعا سے غافل نہ رہوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ "تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا' جو لوگ میری عبادت میں سرکشی کرنے میں اور اس کی اطاعت سے انحراف کرنے سے پناہ چاہتے ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند کریم میرے اور آپ کے واسطے اپنی رحمت سے کشائش اور نیک اجر کرامت فرمائے والسلام۔

مختلف راویوں کے ذریعہ جو بات اخذ کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جناب ابوذرؓ کے ہمراہ قیام کرنے والوں میں جو لوگ شامل تھے ان میں ان کی زوجہ محترمہ' انکا ایک بیٹا جس کا نام ذر تھا اور ایک دختر تھی۔ ابوذرؓ کے پاس کچھ بھیڑ بکریاں وغیرہ تھیں جن سے حاصل شدہ دودھ سے وہ اپنے کنبہ کی پرورش کیا کرتے تھے یا پھر کچھ جنگلی گھاس سے ان کے لئے غذا کا کام انجام دیتے تھے۔

روایتوں کے ہی ذریعہ یہ پتہ لگتا ہے کہ ان کے پاس کچھ اونٹ اور خچر بھی تھے۔

برقی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ربذہ میں لوگوں نے ابوذرؓ کو دیکھا کہ وہ اپنے خچر کو پانی پلا رہے ہیں۔ جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ کیا ان کے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس خچر کو پانی پلا سکے تو جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا رسول اللہؐ ارشاد فرماتے ہیں تھے کہ ہر چوپایہ جب صبح ہوتی ہے تو وہ دعا مانگتا ہے کہ خدایا تو مجھے ایسے مالک کے حوالے کر جو پیٹ بھر کر چارہ کھلائے' پانی سے سیراب کرے اور میری طاقت سے زیادہ مجھ پر بوجھ نہ لادے اسی لئے میں اس کو خود پانی پلا رہا ہوں۔ مندرجہ بالا روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے پاس ایک خچر تھا۔

ربذہ میں قیام کے دوران ابوذرؓ کے فرزند ذر کا انتقال ہو گیا جس کے دفن کا احوال ہم پچھلے صفحات پر کر چکے ہیں۔ اس کے بعد ان کی زوجہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب ابوذرؓ ہیں اور ان کی ایک بیٹی۔ ابوذرؓ کے پاس جو چند گوسفند

تھیں وہ بھی کسی وبائی بیماری میں ہلاک ہو گئیں۔ جناب ابوذرؓ کے پاس اپنے گزر بسر کرنے کا وہ آخری سہارا بھی جاتا رہا۔ ابوذرؓ قرآن مجید کی اس آیت کی تصویر نظر آ رہے ہیں جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک سے مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے۔ (اے رسولؐ) ایسے صابروں کو بشارت دے دو۔"
(پ ۲ آیت ۱۵۵)

ان کی لڑکی بیان کرتی ہیں کہ تین دن گزر گئے تھے مگر ایک دانہ بھی کھانے کے لئے میسر نہ تھا جو کہ میں یا میرے پدر بزرگوار کھاتے۔ بھوک کا ہم پر غلبہ ہوا۔ میرے والد نے مجھ سے فرمایا کہ جان پدر آؤ اس صحرا میں چلیں شاید وہاں کوئی ایسی گھاس مل جائے جس کو ہم کھا سکیں۔ غرض میں اپنے پدر بزرگوار کو لے کر اسی صحرا میں نکل پڑی مگر وہاں بھی کوئی

ایسی چیز دستیاب نہیں ہوئی جس کو کھایا جا سکے۔ میرے والد نے کچھ ریت جمع کی اور اس پر انہوں نے اپنے سر کو رکھا۔ جب میری ان پر نظر پڑی تو دیکھتی ہوں کہ ان کی نظریں پھر چکی ہیں اور وہ جان کنی کے عالم میں ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر میں رونے لگی اور فریاد کرنے لگی کہ بابا جان میں اس تنہائی میں اور اس بیابان میں کیا کروں گی۔ تو فرمانے لگے کہ بیٹی تو فکر نہ کر جب میں مرجاؤں گا تو اہل عراق کا ایک گروہ آئے گا جو مجھے دفن کرے گا۔ چونکہ میرے حبیب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ تبوک کے موقع پر یہ اطلاع دی تھی۔ بیٹی جب میں انتقال کر جاؤں تو اس چادر کو مجھ پر ڈال دینا اور خود عراق کی راہ پر بیٹھ جانا اور جب وہ قافلہ وہاں سے گزرے تو قافلہ والوں کو بتانا کہ ابوذرؓ صحابی رسولؐ نے اسی صحرا میں انتقال کیا ہے۔ ان کی دختر مزید بیان کرتی ہیں کہ جب میرے والد کی نگاہیں ملک الموت پر پڑیں تو فرمانے لگے مرحبا اس دوست کے لئے جو کہ ایسے وقت پر آیا جب کہ اس کی بڑی ہی احتیاج تھی۔ ملک الموت نہ ہو اس کے لئے جو تمہارے دیدار سے نادم و پریشان ہو۔ خداوندا مجھ کو اس کے لئے تو اپنے جوار رحمت میں پہنچا دے۔ تیرے حق کی قسم تو واقف ہے کہ میں ہمیشہ ہی تیری ملاقات کا خواستگار رہا ہوں اور میں نے کبھی موت سے کراہت نہیں کی۔ ان کی دختر بیان کرتی ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہو گیا تو حسب ہدایت میں نے ان پر چادر اڑھا دی اور خود جا کر قافلہ کے راستہ پر بیٹھ گئی جب کچھ لوگوں کا وہاں سے گزر ہوا تو میں نے ان لوگوں کو اپنے والد کی رحلت کی خبر دی۔ یہ سنتے ہی وہ تمام لوگ اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور انہوں نے ان کے غم میں گریہ وزاری کیا۔ پھر ان کو غسل دیا کفن پہنایا اور نماز پڑھ کر ان کو دفن کیا۔ اس گروہ میں مالک اشتر اور ابن مسعود بھی شامل تھے۔

ابن ابی الحدید نے ایک دوسرے طریقہ پر روایت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ابوذرؓ کے آخری لمحات زندگی میں کچھ لوگ ان کے پاس پہنچے۔ ابوذرؓ ان سے فرمانے لگے میں نے آنحضرتؐ سے سنا تھا کہ وہ ایک گروہ سے

فرمار ہے تھے جس گروہ میں میں بھی شامل تھا کہ تم میں سے ایک شخص کا انتقال ویرانہ میں ہوگا اور مومنوں کا ایک گروہ اس کے جنازہ میں شامل ہوگا۔ گروہ میں شامل جن جن افراد کے سامنے یہ پیشنگوئی کی تھی ان سب کا تو انتقال ہو چکا اب صرف میں ہی ان میں سے باقی رہ گیا ہوں پس میرا ہی انتقال اس ویرانہ میں ہوگا۔" وہ مزید فرمانے لگے کہ اگر میرے یا میری بیوی کے پاس کوئی لباس ہوتا جو میرے کفن کے لئے کافی ہوتا تو میں کبھی یہ گوارہ نہیں کرتا کہ کوئی مجھے کفن دے اور میں آپ لوگوں کو خدا کی قسم دے کر پابند کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی وہ شخص مجھے کفن نہ دے جس نے پچھلے ادواروں میں یا موجودہ دور میں کبھی حکومت و امارت کی ہو یا پھر کسی گروہ کی نقابت ہی کی ہو یا پھر ظالموں کا دوست رہا ہو یا انکا قاصد رہا ہو۔ ان ہی لوگوں میں ایک مرد انصاری بھی تھا جو کہ اپنے میں وہ تمام خوبیاں رکھتا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ اے عم بزرگوار میں آپ کو اسی ردا کا جو کہ میں اوڑھے ہوئے ہوں اور وہ دو کپڑے جو کہ میرے ہمراہ صندوق میں ہیں انکا میں کفن دوں گا۔ ان کپڑوں کا دھاگا میری ماں نے خود کاتا تھا اور میں نے خود اس کپڑے کو اپنے ہاتھوں سے بنا ہے یہ سن کر ابوذرؓ کہنے لگے کہ بس مجھے تم ہی کفن دینا۔

احمد بن اعثم کوفی نے بیان کیا ہے کہ جو لوگ ابوذرؓ کے دفن کفن میں شریک ہوئے تھے ان میں احنف بن قیس تمیمی، صعصعہ بن صوحان العبدی، خارجہ بن الصلت التمیمی، عبداللہ الجبلی، اسود بن یزید النخعی اور مالک اشترؓ شامل تھے۔ جب یہ لوگ ابوذرؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو مالک اشتر نے ان کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور بعد میں فرمانے لگے۔ اے اللہ ابوذرؓ تیرے رسولؐ کے صحابی تھے۔ تیری کتابوں اور تیرے رسولوں پر ایمان لائے تھے۔ انہوں نے دین کی راہ میں جہاد کیا تھا اور راہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ انہوں نے دین کے شعائر میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ انہوں نے جو باتیں طریق سنت کے خلاف دیکھیں تو ان سے اختلاف کیا اور اپنی زبان اور دل سے اس کا اظہار بھی کیا۔ اسی سبب سے لوگوں نے ان کو حقیر سمجھا اور ان کو ان کے حق سے محروم کر دیا ان کو شہر سے نکال دیا اور ان کو بیکار کر کے چھوڑ دیا۔ عالم غربت میں ان کی وفات واقع ہوئی پھر فرمانے لگے کہ اے اللہ جو کچھ بہشت کے متعلق تو نے مومنین سے وعدہ فرمایا ہے اس سے انکا حصہ ان کو عطا فرما اور اس شخص کو کیفر کردار تک پہنچا، جس کا کہ وہ مستحق ہے جس نے ان کو مدینہ سے جو کہ تیرے رسول کا حرم ہے نکالا اور ان کو ضائع کیا، مالک نے یہ دعا کی اور حاضرین نے آمین کہی۔ ابوذرؓ کی وفات ۳۱ھ ۳۲ھ یا پھر ۳۴ھ میں واقع ہوئی۔ مگر حیات القلوب کے مصنف کی تحقیق کے مطابق ابوذرؓ کی وفات ۳۱ھ میں واقع ہونا زیادہ صحیح ہے۔

حضرت عثمانؓ اور جناب ابوذرؓ کے مابین اختلافات کی وجوہات:۔

اس ضمن میں سیرت اور احادیث کی کتابوں کے مطالعہ سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں

اصحاب کے مابین اختلاف کی بنیادی طور پر چار وجوہات تھیں جن کا تذکرہ ہم یہاں اجمال کے ساتھ کر رہے ہیں۔

الف۔ آپ نے جو کچھ پیغمبر ؐخدا سے سن رکھا تھا اس کو آپ برملا نقل کر دیتے تھے لوگوں کو تعلیمات رسولؐ سے ناواقف رکھنے کے لئے حکومت وقت نے احکامات جاری کئے تھے کہ کوئی بھی شخص نقل حدیث نہیں کرے گا لیکن ابوذرؓ نے ان لوگوں کی دھمکیوں کی پرواہ کئے بغیر نقل حدیث کا سلسلہ جاری رکھا تا کہ لوگ دین اسلام کو تعلیمات واقوال رسولؐ کی روشنی میں سمجھ سکیں۔ وہ فرماتے تھے کہ قسم ہے مجھے خدا کی اگر یہ لوگ میری گردن پر تلوار بھی رکھ دیں گے۔ کہ جو کچھ میں نے رسولؐ خدا سے سنا ہے اسے نقل نہ کروں تو پھر بھی اس سختی اور تلوار کی دھار کو میں رسول خداؐ کے قول کے نقل نہ کرنے پر ترجیح دوں گا۔

ب:۔ آپ نے یہود اور ان کے علماء کی مسلمانوں کے مسائل میں دخل اندازی کے سلسلہ میں اپنا موقف محکم اور اٹل قرار دیا تھا وہ کعب الاحبار یہودی جو کہ اب بظاہر مسلمان ہو گیا تھا اور جو کہ حضرت عثمانؓ کی مشاورت میں تھا اس کے باطل نظریات کی ہمیشہ مخالفت کیا کرتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت عثمانؓ ایک محفل میں بیٹھے ہوئے تھے اور مسئلہ زیر بحث یہ آیا کہ کیا امام کے لیے یہ جائز ہے کہ بیت المال سے حسب ضرورت رقم بطور قرض لے لے اور جب مناسب خیال کرے تو اس قرض کو اتار دے۔ کعب الاحبار نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔

جناب ابوذرؓ بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ وہ کعب الاحبار کے خیالات سن کر فوراً بولے کہ اے یہودی کے بیٹے کیا تو بھی ہم کو ہمارے دین کی تعلیم دیتا ہے۔ اس قسم کے بعض دیگر واقعات بھی ہمیں کتابوں میں ملتے ہیں۔

ج۔ آپ نے نشر فضائل جناب امیر المومنینؑ اور ان احادیث کی تاکیدی تکرار شروع کر دی تھی جو پیغمبر خدا کی رحلت کے بعد علیؑ کی خلافت کے سلسلہ میں بیان کی گئیں تھیں۔ وہ رسولؐ اسلام اور آئمہ کرام علیہم السلام کی زبانی خود ان کی شان میں بیان کی جانے والی اکثر احادیث کو بیان کیا کرتے تھے۔ ابوذرؓ کا شمار تشیع کے چار ارکان میں ہوتا ہے۔ ان کا شمار رسولؐ اللہ کے ان صحابیوں میں ہوتا ہے جو کہ بعد از وفات ختمی مرتبت خانوادہ رسولؐ کے وفادار رہے اور جنہوں نے حوادث زمانہ سے کوئی اثر قبول نہیں کیا تھا۔ وہ ولایت و محبت اہلبیتؑ پر وفاداری کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ آپ کا شمار حضرت علیؑ کے ان چند اصحاب میں ہوتا ہے جنہوں نے جناب فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا کی نماز جنازہ ادا کی۔

د۔ آپ نے حکام وقت کے سامنے بیت المال مسلمین کے سلسلہ میں ایک واضح اور بے لاگ موقف اختیار کیا تھا وہ ایک شخص کی ضرورتوں سے بچ جانے والے مال کی ملکیت کے منکر نہ تھے اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ لوگوں کو ترک دنیا کی ترغیب دیں بلکہ ان کا اعتراض تو حاکم وقت کے خلاف تھا اور وہ ان سے کہتے تھے تم بیت المال میں جو کچھ عام مسلمانوں کی مدد کے لئے ہے کیوں تصرف کرتے ہو اور اسے تم اپنے لئے کیوں مخصوص کر لیتے ہو۔ اس سلسلہ میں

بلاذری اور ابن ابی الحدید تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے بیت المال میں سے مروان اور دوسرے لوگوں کو کچھ حصہ دیا اور دوسرا حصہ زید بن ثابت کے لئے مخصوص کر دیا تو ابوذرؓ سخت ناراض ہوئے اور غصہ میں بھرے ہوئے بازار میں آ گئے۔ وہ بازار میں لوگوں سے بار بار یہ کہتے تھے کہ جو لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو پھر سورۃ توبہ کی آیت ۳۴ کی تلاوت کرتے ہیں "یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دو۔"

عسقلانی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ ابوذرؓ حکام پر اعتراض کر رہے تھے جو اموال عمومی کو اپنے لئے مخصوص کر رہے تھے اور اسے اپنے میلان کے مطابق خرچ کر رہے تھے۔

جب ابوذرؓ شام سے مدینہ واپس آئے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اے عثمانؓ تم حکومت کے کام کو بچوں کے حوالے کرتے ہو چراگاہوں کو اپنے لئے مخصوص کرتے ہو۔ ان لوگوں کی اولاد کو جنہیں پیغمبرؐ نے باہر نکال دیا تھا اپنے اردگرد جمع کرتے ہو اور ان لوگوں کو حکومت کے وہ منصب عطا کرتے ہو جن کے وہ لائق نہیں۔

غرض کہ جناب ابوذرؓ کا تمام جھگڑا حضرت عثمانؓ، معاویہ اور ان کے ہمنواؤں کے ساتھ صرف اس نکتہ پر تھا کہ وہ لوگ مسلمانوں کے بیت المال کو اپنا مال سمجھ کر اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے خرچ کر رہے تھے اور عام مسلمانوں کو انہوں نے بیت المال سے محروم کر رکھا تھا۔

ابن ابی الحدید اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تمام اہل مدینہ ابوذرؓ کے ہم خیال اور عثمانؓ کے نامناسب طرز عمل کی وجہ سے ناراض تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض افراد اپنی ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

انفاق کے سلسلہ میں جناب ابوذرؓ کے نظریہ کو سمجھنے میں مندرجہ ذیل واقعہ سے مزید مدد مل سکتی ہے۔

جناب ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے ایک مرتبہ کہا کہ آپ صرف زکوٰۃ لینے پر ہی اکتفا نہ کیجئے بلکہ آپ لوگوں سے بھی کہیں کہ وہ واجب کے علاوہ انفاق کیا کریں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ لوگ صرف زکوٰۃ کو دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے علاوہ بھی اپنے بھائیوں اور پڑوسیوں کی مدد کرتے اور صلہ رحمی بجالاتے۔

کعب الاحبار یہودی نے کہا جس نے اپنی زکوٰۃ واجب ادا کی تو گویا اس نے اپنا فریضہ انجام دیا۔ یہ سنکر ابوذرؓ نے اپنا عصا بلند کیا اور اسے کعب الاحبار کے سر پر دے مارا۔

علامہ طباطبائی مندرجہ بالا واقعہ سے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ابوذرؓ نے راہ خدا میں انفاق کئے جانے والے مال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک واجب جبکہ دوسرا مستحب۔ وہ لوگوں سے اس بات پر اصرار کرتے تھے کہ تم نے صرف انفاق واجب ہی پر کیوں اکتفا کر لیا ہے اور اس طرح خیر و نیکی کے تمام دروازوں کو تم نے بند کر دیا ہے۔

سلام ہو آپ پر اے ابوذرؓ۔ سلام ہو اس دن پر جب آپ پیدا ہوئے۔ سلام ہو ان دنوں پر جب آپ نے حالت اسلام میں صبر اور مظلومیت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ سلام ہو اس دن پر جس دن آپ تنہا اٹھائے جائیں گے نیز اس دن پر جس دن ظالموں کے ظلم و جور کی سختیوں کو معبود کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد شکوہ و جلال کے ساتھ داخل بہشت ہوں گے۔

حضرت ابوالاسود دوئلی بصریؒ

اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں ان کی۔

حضرت ابوالاسود دولی تابعین کے طبقہ اعلیٰ میں ایک روشن چراغ تھے امیر المومنین علیہ السلام کے شاگرد رشید تلمیذ خاص اور صحابی باوفا تھے جنگ صفین میں آپ نے دشمنوں سے برسر پیکار ہو کر خوب داد شجاعت دی۔ آپ عاقل و فرزانہ زیرک و دانا بزرگ تھے۔

آپ نے باب مدینۃ العلمؑ کے حسب ہدایت علم نحو کو ترتیب دیا۔ آپ آسمان شاعری کے کوکب درخشاں تھے حاضر جوابی میں لاجواب تھے فقیہ کامل اور محدث بے نظیر تھے آپ نے حسب ارشاد مرتضوی قرآن کریم پر نقطے اور اعراب لگائے آپ میدان جنگ و تازمین ایک چابک دست سوار تھے عزت و شرافت میں نامور تھے دولت و ثروت سے مالا مال تھے آپ کفایت شعار تھے اس لیے لوگ رشک و حسد سے آپ کو بخیل کہتے تھے بعض دشمنوں نے جھوٹے واقعات بھی اس قسم کے بیان کیے ہیں جن سے آپ کا بخیل ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن یہ سب قصے پایہ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں۔

آپ کی ولادت رسولؐ اکرم صلعم کی بعثت سے ۵ سال قبل ہوئی تھی جب رسولؐ خدا صلعم نے وفات پائی اس وقت آپ کی عمر ۶۷ سال کی تھی آپ کی کنیت ابوالاسود تھی سلسلہ نسب گیارہویں پشت پر حضرت خزیمہ اور رسولؐ صلعم کے نسب سے ملجاتا ہے فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد قریش سے کہلاتی ہے آپ دیل بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ کی نسل میں ہیں اس لیے آپ کا قبیلہ دولی کہلاتا ہے۔

رسولؐ خدا صلعم کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ مدینہ میں تشریف لائے اور امیر المومنین علی علیہ السلام کی صحبت بابرکت سے فیض و برکات حاصل کرنے لگے یہاں تک کہ آپ اپنے معاصرین میں ممتاز ہو گئے اور رفتہ رفتہ دنیوی اور دینی مراتب میں اس قدر بلند درجہ حاصل کیا کہ جب جناب عبداللہ بن عباس بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے تو امیر

المومنین علیہ السلام نے آپ کو کاتب (جو عہدے کے ہمپایہ ایک اعلیٰ منصب تھا) بنا دیا۔

آپ نہایت دیانتدار اور امین تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے سچے وفادار تھے عہدہ مذکورہ ملنے کے بعد آپ کو حکومت بصرہ کے طرز عمل میں جو نقائص نظر آتے تھے وہ آپ امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں لکھ بھیجتے اس کے جواب میں ابوالاسود کو حضرت علیؑ استباز اور مشیر مخلص کے القاب سے یاد فرماتے۔

جب عبداللہ بن عباس بصرہ کی امارت سے علیحدہ ہوگئے اس وقت امیر المومنین علیہ السلام نے بصرہ کی زمام انتظام و انصرام آپ کے سپرد فرما دی۔ ادھر زیاد بصرہ کا حاکم ہوا یہ زیاد اس عبیداللہ کا باپ ہے جو یزید پلید کے حکم سے کوفہ کا عامل ہوا تھا اور جس کے حکم سے مولانا حسین علیہ السلام مع اعزا و احباب شہید کیے گئے) زیاد نے ابوالاسود کی شکایتیں دربار علوی میں لکھ بھیجیں مگر ان جھوٹی تہمتوں کی کوئی شنوائی نہ ہوئی جب ابوالاسود کو معلوم ہوا کہ زیاد نے خدمت امیر المومنینؑ میں میری چغلیاں لکھی ہیں تو آپ نے اس کی مذمت میں چند اشعار کہے جواب تک مشہور ہیں۔

حضرت ابوالاسود نہایت منصف مزاج تھے چنانچہ مذکور ہے کہ آپ کا ایک دوست مالک ابن احرام تیمی تھا۔ اس سے اور اس کے چچا زاد بھائی کے درمیان ایک جھگڑا پیدا ہوگیا آپ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ نے مقدمہ کی روداد اور اس کے ہر ہر پہلو کامل پر غور کر کے حق وانصاف ادا کیا اور اپنے دوست کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا جس سے مالک نے غصہ میں آ کر آپ سے کہا کہ "واہ آپ نے حق دوستی خوب ادا کیا اس وقت آپ خاموش ہوگئے مگر پھر اشعار میں اس طنز کا معقول جواب دیا آپ کے والی بصرہ ہونے کو ایک سال گزر چکا تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے شہادت پائی جب آپ کو اس غمناک واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے اعیان مملکت اور ارکان شہر کو جامع مسجد میں بلایا اور ان کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

اے عباد اللہ ایک ظالم نے امیر المومنین علیہ السلام کو جب آپ مسجد کوفہ میں مصروف عبادت تھے تیغ بے دریغ سے شہید کر دیا آپ کے انتقال سے دنیا تاریک ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون رحمت وسلام ہو آپ پر کہ آپ روز محشر خدا کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اتنا کہ کر آپ بہ آواز زار رونے لگے اور پھر فرمایا کہ آپ نے اپنے فرزند سبط رسولؐ امام حسن علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا ہے۔ اے لوگو تم مولانا حسن علیہ السلام کے لیے بیعت کرو چنانچہ بجز چند غداروں کے سب لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی مگر ایک سال کے بعد امام حسن علیہ السلام نے جب امیر معاویہ سے صلح کر لی تو آپ بھی امارت سے علیحدہ ہوگئے اور امیر معاویہ کی طرف سے عبداللہ بن عامر والی مقرر ہوا۔ زمام حکومت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد بھی آپ بصرہ ہی میں مقیم رہے کہ بصرہ آپ کا وطن عزیز تھا۔

آپ نے حکومت بصرہ سے الگ ہونے کے بعد کسی اور جگہ ملازمت کرنے کا خیال تک نہ کیا۔ اگرچہ احباب

آپ کو اس طرف متوجہ کرتے رہے لیکن آپ نے محبت اہلبیتؑ میں سب کچھ چھوڑ دیا۔ البتہ اب ہر روز صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے۔ شہر کی سیر کر کے پھر اپنے مکان پر واپس آ جاتے یہ معمول آپ کی آخر عمر تک باقی رہا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے آپ کو اس سے بھی منع کیا کہ پیرانہ سالی میں آپ گھر سے باہر نہ نکلا کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ سواری سے جسمانی ورزش ہو جاتی ہے تازہ ہوا سے دل کو خوشی ہوتی ہے۔ دوستوں سے ملنے جلنے کا موقع مل آتا ہے تم ہی بتاؤ گھر میں بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ سوائے اس کے کہ میرے ہاتھ پاؤں سست و بیکار ہو جائیں۔

جب زیاد بصرہ کا حاکم ہوا اس وقت بعض وجوہ سے مجبور ہو کر آپ اس کے بیٹے کو تعلیم دینے لگے۔ کیا انقلاب زمانہ ہے کہ حاکم بصرہ اپنے ماتحت کے لڑکوں کی معلمی کرے اور ان کا ایک شاگرد (عبید اللہ بن زیاد) ایک روز امیر المومنین علیہ السلام کے فرزند حسینؑ پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے۔

علم و ادب پر آپ کے احسانات:۔

جلال الدین سیوطی جیسا متعصب مورخ اپنی تصنیف تاریخ الخلفا میں رقم طراز ہے کہ خود ابوالاسود روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ فرق مبارک جھکائے ہوئے خاموش تشریف فرما ہیں میں نے بعد ادب دریافت کیا کہ یا امیر المومنینؑ! کونسا اہم مسئلہ زیر غور ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس شہر کے لوگ عربی زبان بولتے ہوئے اکثر غلطیاں کرتے ہیں اس لیے میرا ارادہ ایک کتاب ترتیب دینے کا ہے جس میں عربی زباندانی کے تمام قاعدے محفوظ کر دیئے جائیں میں نے عرض کیا کہ اس مبارک کام کی تکمیل سے عربی زبان زندگی جاوید حاصل کرے گی۔ پھر میں تین روز کے بعد خدمت علویہ میں حاضر ہوا آپ نے مجھے جس تختی پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی عنایت فرمائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کلام کی تین قسمیں ہیں۔ اسم۔ فعل۔ حرف۔ اسم وہ ہے جو اپنے مسمیٰ کی خبر دے۔ حرف وہ ہے کہ ایسے معنی کی خبر دے جو نہ اسم ہو نہ فعل۔ فعل وہ ہے کہ اپنے مسمیٰ کی حرکت کی خبر دیے۔

اے ابوالاسود! تم ان اصول کے ماتحت جو کچھ مناسب سمجھو اس میں بڑھاؤ۔ اے ابوالاسود دنیا کی تمام چیزیں تین قسم کی ہوتی ہیں ایک مضمر ایک ظاہر اور تیسری جو نہ ظاہر ہو اور نہ مضمر۔

ابوالاسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے مذکورہ بالا ارشادات عالیہ کو علم نحو کا اصول قرار دیا ان کی روشنی میں بہت سے ابواب و فصول قائم کئے اور ان میں حرف ناطبیہ کا بھی بیان کیا۔ ان۔ لن۔ لیت۔ لعل۔ کان کا ذکر کیا مگر لکن کو چھوڑ دیا۔ کاغذات کو لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ نے دیکھ کر ارشاد کیا لکن کو بھی حرف ناطبیہ میں شامل کرو۔

بعض مورخین نے اوپر کی روایت سے اختلاف کیا ہے اور یوں بیان کیا ہے کہ ایک روز گرمی کے موسم میں

جناب ابوالاسود باہر سے گھر میں تشریف لائے تو آپ کی بیٹی نے کہا یا ابت ما اشد الحر آپ نے کہا کہ فلاں ماہ میں گرمی سخت پڑا کرتی ہے اس نے کہا میں نے تو یہ نہیں دریافت کیا کہ کب گرمی زیادہ ہوتی ہے اور کب کم بلکہ میں تو گرمی کی شدت پر اظہار تعجب کررہی ہوں۔ لڑکی کا منشاء دلی ظاہر کرنے کے لیے دال پر زبر اور رے کے نیچے زیر ہونا چاہیے تھا ابوالاسود نے یوں اپنی بیٹی کو غلط بولتے ہوئے سنا تو نہایت فکر مند ہوئے اور دربار وصایت میں پہنچ کر عرض کی کہ آقا عجمیوں کے میل جول سے عربی زبان خراب ہورہی ہے اگر کچھ دنوں تک یہی حالت باقی رہی تو عربی زبان کا خاتمہ سمجھئے۔ مولانا علی مرتضیٰ نے دریافت کیا کہ تمہاری توجہ اس طرف کیونکر منعطف ہوئی۔ ابوالاسود نے سارا قصہ بیان کیا۔ مشکلکشائے عالم نے ارشاد فرمایا بہتر ہے کچھ کاغذ خرید لاؤ۔ اور آپ نے علم نحو کے اصول اپنے اس شاگرد کو تحریر کرادیئے۔

سعد نامی ایک عجمی بصرہ میں آیا۔ اور حضرت ابوسعید انصاری کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ ایک دن وہ گھوڑے کو لے جارہا تھا راستہ میں ابوالاسود سے ملاقات ہوئی آپ نے اس کی گفتگو سنی تو محاورہ عرب کے بالکل خلاف تھی آپ کے دل پر بہت اثر ہوا اور آپ زیاد کے پاس گئے اور کہا اے امیر! عجمیوں کے میل سے زبان خراب ہورہی ہے ایک تصنیف کی ضرورت ہے جو ان نقائص کو دور کرے میں اس خدمت کے لیے تیار ہوں مگر زیاد نے مطلق توجہ نہ کی۔ آپ دل برداشتہ خاموش چلے آئے چند روز کے بعد زیاد کے سامنے ایک شخص نے اثنائے گفتگو میں کہا توفی ابانا وترک بنون (ہمارے باپ نے انتقال کیا اور کئی بیٹے چھوڑ گئے) حالانکہ یہ جملہ غلط تھا' صحیح یوں ہونا چاہیے' توفی ابونا وترک بنین۔ الغرض زیاد کو خیال پیدا ہوا کہ ابوالاسود کا قول درست تھا' یقیناً اس علم کے واضع کرنے کی ضرورت ہے جس سے لوگ اس قسم کے اغلاط سے محفوظ ہیں۔

بعض لوگوں نے اس واقعہ سے اختلاف کیا ہے اور علم نحو کے وضع کیے جانے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک روز ابوالاسود گھر میں تشریف لے گئے تو آپ کی ایک بیٹی نے کہا "یا ابت ما احسن السما" تو ابوالاسود نے فرمایا (یا بنیہ نجومہا) لڑکی نے کہا میرا یہ سوال نہیں ہے کہ آسمان کی خوبصورت ترین چیز کیا ہے' میں تو آسمان کی خوبصورتی پر تعجب کررہی ہوں۔ آپ کے فرزند ابوحرب کہتے ہیں کہ میرے والد نے علم نحو میں سب سے پہلے باب التعجب وضع کیا تھا۔ علم نحو کا نام علم نحو اس لیے رکھا گیا کہ ابوالاسود نے کہا میں نے حضرت علی علیہ السلام سے اجازت لی تھی کہ میں نحو کو اسی طریقہ پر ترتیب دوں۔ نحو کے معنی طریقہ کے ہیں اس لیے اس کا نام نحو رکھا گیا۔

امیر المومنین علیہ السلام کے عہد تک قرآن کریم کے نسخوں میں حروف پر نہ اعراب لگائے جاتے تھے نہ نقاط اہل عرب تو قرآن کریم کو دیکھ کر صحت کے ساتھ تلاوت کر لیتے تھے مگر غیر عرب تلاوت کے وقت فاش غلطیاں کرتے

تھے بعض وقت تو ایسی سخت غلطیوں کا ارتکاب کرتے تھے کہ توبہ ہی بھلی چنانچہ ایک روز ابوالاسود نے ایک قاری کو یہ آیہ کریمہ ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ میں بجائے کے رسولہٗ پڑھتے ہوئے سنا اصل آیہ مبارک کا ترجمہ یہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول مشرکین سے بری ہیں مگر اعراب کی غلطی سے آیت کے معنی یہ ہو گئے معاذ اللہ۔ اللہ مشرکین اور اس کے رسول سے بری ہے۔ ابوالاسود آیہ مذکور کو غلط پڑھتے ہوئے سنکر نہایت برافروختہ ہوئے۔ اس سے پہلے زیاد حاکم بصرہ نے آپ سے التجا کی تھی کہ آپ کوئی ایسا علم مدون فرمایئے جس سے لوگ کلام اللہ کی صحت کے ساتھ تلاوت کرسکیں اس وقت آپ نے اس خیال سے کہ صحابہ کرام کے عہد کی چیزوں میں اصلاح کی ضرورت نہیں انکار کردیا تھا لیکن جب آپ نے قاری مذکور کو اپنے کانوں سے غلط پڑھتے ہوئے سنا تو فوراً مصمم ارادہ کرلیا کہ قرآن کریم پر اعراب اور نقطے لگائے جائیں اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لیے آپ زیاد کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ اب وہ کام کرنے کو تیار ہوں مجھے ایک ہوشیار کاتب دیا جائے۔ قبیلہ عبدالقیس کا کاتب حاضر کیا گیا جسے آپ نے ناپسند کیا۔ پھر دوسرا کاتب حاضر ہوا۔ اسے گھر لے گئے اور کہا میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوں جب مجھے دیکھو کہ میں نے کسی حرف کی ادائیگی کے وقت منہ کھول دیا ہے تو اس حرف کے اوپر نقطہ لگادو۔ اور اگر منہ کو بند کردوں تو ایک نقطہ اس حرف کے سامنے لگادینا اور اگر منہ کو ادھر ادھر پھیروں تو ایک نقطہ اس حرف کے نیچے لگادینا۔ کاتب نے آپ کے ارشاد کے بموجب تعمیل کی۔ یہ نقطے بجائے زیر زبر پیش کے لگائے گئے۔ رفتہ رفتہ ان اعراب میں ترقی ہوتی گئی اور چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ فن کتابت معراج کمال پر پہنچ گیا۔

علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ محمد بن اسحق نے اپنا چشم دید واقعہ مجھے بیان کیا کہ بغداد جدید میں ایک شخص محمد بن حسین نامی رہتا تھا اسے کتابوں کے جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ میں نے اس سے دوستی پیدا کی جب اس کو مجھ پر کامل اعتماد پیدا ہوگیا تو ایک روز مجھے اپنے کتب خانہ میں لے گیا۔ اور سب کتابیں دکھلائیں ان میں بہت سی نایاب کتابیں تھیں۔ ازاں جملہ چینی پتروں کے چار ورق تھے جن پر لکھا تھا کہ "بحث فاعل مفعول ازابوالاسود دولی" یہ تحریر یحییٰ بن لعمیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ یحییٰ ابوالاسود کے شاگرد تھے اس تحریر کے نیچے علان نحوی اور نضر بن شمیل کے دستخط تھے اس شخص کے مرنے کے بعد یہ کتب خانہ تلف ہوگیا۔ سوائے قرآن مجید کے نسخوں کے اور کوئی کتاب ہاتھ نہ لگی۔ الغرض ابوالاسود نے اسلامی علم ادب پر دو بڑے احسان کئے ایک تو یہ کہ آپ نے علم نحو کی تدوین فرمائی اور دوسرا احسان عظیم یہ فرمایا کہ قرآن کریم پر اعراب اور نقطے لگائے جس سے مخلوق خدا نہایت آسانی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرسکتی ہے۔

ابن خلکان رقمطراز ہیں کہ آپ کا ایک مکان بصرہ میں تھا آپ کا پڑوسی ہمیشہ آپ کو ایذائیں پہنچایا کرتا تھا۔

ایک اور روایت کے بموجب رات ہوتے ہی پتھر پھینکا کرتا' ابوالاسود نے قبیلہ والوں سے اپنے شریر پڑوسی کی شکایت کی لوگوں نے اسے سمجھایا کہ اپنے قبیلہ کے بزرگ کو ستانا اچھا نہیں تو اس نے کہا کہ میں پتھر نہیں پھینکتا بلکہ خداوند عالم ان کے گھر پر سنگباری کرتا ہے۔" جب ابوالاسود کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے وہ مکان فروخت کر ڈالا اور بنی ہذیل کے محلہ میں دوسرا مکان خرید لیا۔ اس واقعہ کے بعد کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنا مکان فروخت کر ڈالا آپ نے فرمایا کب بل بعت جاری (بلکہ میں نے اپنے پڑوسی کو بیچ ڈالا) آپ کا یہ جواب اس قدر پسند کیا گیا کہ اعراب میں ضرب المثل بن گیا۔

• ایک دن آپ عبداللہ بن ابی بکرہ بن بحرث بن مکدہ ثقفی کے پاس گئے انہوں نے دیکھا کہ ابوالاسود ایک پھٹا سا جبہ پہنے ہوئے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ اے ابوالاسود کیا تمہاری طبیعت اس پرانے جبہ سے نہیں اکتائی تو فرمایا کیا۔ کیا جائے اکثر چیزیں ناگوار تو ہوتی ہیں مگر ان کا چھوڑنا مشکل ہوتا ہے پھر آپ اپنے مکان پر چلے آئے تو عبداللہ نے سوجوڑ کپڑے کے آپ کے پاس ارسال کر دیئے آپ نے اس وقت یہ اشعار فرمائے۔

کسانی ولم استسکه محمد ته اخ للك يعطيك الجزيل و ناصر
و ان احق الناس ان كنت شاكرا يشكوك من اعطاك والعوض وار

(ترجمہ) مجھے لباس پہنایا حالانکہ میں نے مانگا نہ تھا میں نے ان کی تعریف کی۔ تیرا بھائی عطایائے کثیر عنایت کرتا ہے اور تیرا حامی ناصر ہے لوگوں میں مستحق شکریہ اگر تم شکریہ ادا کرنا چاہتے ہو تو وہ ہے کہ جو تم کو دیے اور تمہاری عزت بھی باقی رہے یعنی بے طلب دینے والا قابل شکریہ ہے آپ کے اشعار واقعات اور سچے جذبات سے پر ہوتے تھے آپ نے اپنے اشعار میں اپنی زندگی کے اکثر واقعات نظم کئے ہیں آپ کا کلام دیوان کی صورت میں جمع کیا گیا جو اب تک موجود ہے۔

آپ ایک قناعت پسند بزرگ تھے آپ کے اخلاق کا اثر آپ کے فرزند ابوالحرب پر بھی پڑا جو نہ تجارت کرتے تھے نہ ملازمت آپ نے انہیں نصیحت فرمائی تھی کہ طلب معاش میں سعی ضرور کرنی چاہیے اور حسب ذیل شعر سے استدلال کیا۔

وما طلب المعيشة بالتمنى ولكن الق دلوك فى الدلاء
تجئى بعلها طور اوطوراً تجىء بماة و قليل ماء

رزق خواہش سے نہیں ملتا مگر تم اپنا ڈول اور لوگوں کے ڈول کے ساتھ کنویں میں ڈال دو۔
تو وہ ڈول کبھی تو پانی سے بھرا ہوا آئے گا اور کبھی تھوڑا پانی اور باقی کیچڑ ہوگی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالاسود خلافت دوم کے آخری عہد میں مفلوج ہو گئے تھے اس لیے جب آپ بازار سے پیدل گزرتے تو آپ کا ایک پاؤں گھسٹا ہوا جاتا تھا آپ کے پاس کئی غلام اور لونڈیاں تھیں کسی نے آپ سے کہا کہ آپ بازار آنے جانے اور سودا سلف لانے کی بذات خود کیوں تکلیف کرتے ہیں کسی غلام کو حکم فرما دیا کیجئے وہ آپ کے حکم کی تعمیل کیا کریگا آپ نے جواب دیا کہ ابھی تو یہ حالت ہے کہ جب میں بازار سے مکان جاتا ہوں تو میرے فرزند اور غلام خوش آمدید کہتے ہیں اور اگر میں خانہ نشین ہو جاؤں تو مجھے کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔

علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں حرف ظاء کی فصل میں آپ کا حال نہایت اجمال سے لکھا ہے اور ایک حدیث کو بیان کر کے جو آپ سے مروی ہے تحریر کیا ہے کیونکہ آپ صحابی نہ تھے بلکہ تابعی تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کے شاگرد رشید تھے اور پھر آپ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ آپ شعر خوب کہتے تھے۔ حاضر جواب تھے آپ کا کلام حکمت آموز ہوتا اس درجہ کی ضرب المثل بن جاتا۔

قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی بے مثل تصنیف مجالس المومنینؒ میں بھی آپ کے حالات لکھے ہیں اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

جنگ صفین کے ختم ہونے کے بعد شرائط صلح طے کرنے کے لئے طرفین سے حکم مقرر کرنیکا موقع آیا تو آپ نے امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ ابوموسیٰ اشعری کو حکم نہ بنایئے میں ان کو بار بار آزما چکا ہوں۔ البتہ مجھے حکم بنایئے میں فریق مخالف سے خوب نپٹ لونگا لیکن اگر وہ حیلہ کریں کہ یہ غلام صحابی رسول نہیں ہے تو مجھے ابوموسیٰ کا معاون بنا دیجئے میں ان کے اقوال واحوال کی اچھی طرح نگرانی کرتا رہوں گا۔ مگر فریق مخالف نے جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس کے حکم بنائے جانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح ابوالاسود کا حکم بننا بھی منظور نہ کیا۔

ابوالاسود نے بنی قشیر کے محلہ میں سکونت اختیار کی چونکہ آپ امیر المومنین علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔ اس لیے یہ لوگ رات کے وقت آپ کے مکان پر سنگ باری کیا کرتے تھے آپ نے ایک روز صبح کو ان لوگوں سے شکایت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ پتھر ہم نہیں پھینکتے۔ بلکہ خدائے قہار خود آپ کے مکان پر پتھر برساتا ہے آپ نے فرمایا تم لوگ خدائے تعالیٰ پر تہمت نہ تراشو اگر وہ میرے گھر پر پھینکتا تو اس کا نشانہ ہرگز خالی نہ جاتا' ان لوگوں نے کہا۔ اے ابوالاسود تم کب تک امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے اہلبیتؑ کی مدح سرائی کرتے رہو گے۔ آپ نے جواب میں چند اشعار ارشاد فرمائے۔

یقولون الا دلون بنوقشیر　　طلوال الدھر لاہ یلسی علیا

فان یك جھم رشدا اصبه　　ولم یك نحطیاان کان علیا

بنی قشیر کے ارذال کہتے ہیں تو علیؑ کو کبھی نہیں بھولتا۔

اگر ان کی محبت کوئی ہے تو وہ مجھے حاصل ہوگی اگر وہ غلطی بھی ہو تو میں خطاوار نہیں ہوسکتا۔

اس آخری شعر کو سن کر بنی قشیر کے بعض افراد نے اعتراض کیا کہ آپ کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو محبت اہلبیتؑ کی فضلیت میں شک وشبہ ہے۔ اپ نے فی البدیہہ یہ جواب دیا کہ کیا تمہیں قرآن مجید یاد نہیں۔ اللہ جل شانہٗ ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے (اناوایاکم لعلی ھدی اوفی ضلال) یعنی ہم اور تم دونوں یا تو ہدایت پر ہیں یا گمراہی پر ہیں)

ایک روز ابوالاسود نے قبیلہ' بنی قشیر کے بعض شخصوں سے فرمایا کہ ملک عرب میں تم سے زیادہ طول بقا کسی اور قبیلہ کا مجھے پسند نہیں انہوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ اس لیے کہ تم لوگ جو کرتے ہو وہ محض ضلالت ہوتا ہے میں ان افعال سے اجتناب کرتا رہتا ہوں اور جن کاموں سے تم بچتے ہو رشد وہدایت ہوتا ہے میں ان پر کار بند ہوتا ہوں۔ ایک روز دشمن اہلبیتؑ عبیداللہ بن زیاد نے آپ سے کہا کہ اگر آپ بوڑھے ورضیعف نہ ہوگئے ہوتے تو آپ سے بعض امور میں استعانت طلب کرتا آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! تو مجھے کشتی لڑنیکو کہے تو یہ مشکل ہے ناممکن ہے اور اگر خلق ورائے کا طالب ہوتا تو یہ دونوں چیزیں مجھ میں پیشتر سے زائد موجود ہیں۔

ایک دفعہ آپ سے کسی نے کہا کہ حقیقتاً آپ کا ظرف علم وحلم بہت بڑا ہے مگر آپ میں ایک عیب ضرور ہے کہ آپ بخیل ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ظرف کی خوبی یہی ہے کہ اس میں جو شے ڈالی جائے اس کو محفوظ رکھے جس برتن سے پانی یا کوئی مائع چیز ٹپکتی ہو وہ عیب دار ہو۔ ایک دفعہ عبیداللہ کے باپ زیاد نے پوچھا کہ امیر المومنینؑ کی محبت سے آپ کو کیا ملتا ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت کی محبت سے استغنا اور حظ وافر حاصل ہوتا ہے۔ اے زیاد! میں امیر المومنینؑ کی دوستی سے آخرت کا طالب ہوں اور تو اپنے امیر کی دوستی سے دنیا اور زینت دنیا کا خواہاں ہے میری اور تیری مثال عمرو بن معدی کرب کے اشعار سے ظاہر ہے۔

روزانہ سیر وتفریح کی وجہ سے آپ کی صحت اچھی رہتی تھی آپ نے آخری عمر میں ایران کے سفر کا ارادہ کیا۔ سردی کا موسم تھا۔ بیٹی نے روکنا چاہا کہ جاڑے کے ایام گزر جائیں پھر تشریف لے جایئے گا مگر آپ نے فرمایا بیٹی موت کا ایک دن مقرر ہے۔ انسان کو قضا وقدر پر بھروسہ رکھنا چاہیے الغرض آپ نے ایران کی سیاحت کی اور وہاں سے اپنے وطن مالوف بصرہ میں تشریف لائے کچھ دنوں کے بعد فالج میں مبتلا ہوئے اس پر بھی آپ روانہ شہر کی گشت کو ضرور جاتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے بمقام بصرہ ۶۹ھ میں مرض طاعون میں رحلت فرمائی اس وقت آپ کا سن

۸۵ سال کا تھا ایک اور روایت کے مطابق آپ نے طاعون پھیلنے سے پہلے مرض فالج میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ تیسری روایت یوں ہے کہ آپ نے عمر بن عبدالعزیز کے ایام حکومت میں رجب ۱۰۱ھ میں بمقام دیر سمنان انتقال فرمایا۔ موت کے وقت آپ سے کہا گیا کہ 'مغفرت کی بشارت آپ کو مبارک ہو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے اعمال سے نادم ہوں جن کی وجہ سے مغفرت کی حاجت ہوئی۔

آپ کے اقوال جو تاریخوں میں درج ہیں ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

(۱) اگر مال کے بارہ میں فقیروں کی اطاعت کریں تو ہمارا حال ان گداگروں سے بھی بدتر ہو جائے۔

(۲) بخیل کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بخیل رہنا بہتر ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے حکیمانہ اقوال آپ کے دیوان سے اخذ کئے جاسکتے ہیں آپ کو خدا تعالیٰ نے ایک بیٹی اور ایک بیٹا عنایت کیا تھا ممکن ہے کہ اور اولاد ہو مگر انکا تاریخوں میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

ابوالاسود دئلی بصری جو کہ شعراء اسلام اور حضرت امیر المومنینؑ کے شیعوں میں سے تھے اور جنگ صفین میں حاضر تھے اور یہ وہی تھے جنہوں نے علم نحو کو حضرت امیر سے اس کی اصل اور قاعدہ اخذ کرنے کے بعد ترتیب دیا تھا یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے قرآن پر اعراب اور نقطے لگائے۔ زیاد بن ابیہ کے زمانہ میں معاویہ نے ایک دفعہ ان کے لیے ہدیہ بھیجا جس میں کچھ حلوہ بھی تھا یہ اس لیے بھیجا تا کہ یہ محبت امیر المومنینؑ سے منحرف ہو جائیں۔ ان کی ایک بیٹی نے جس کی عمر پانچ یا چھ سال کی تھی اس حلوہ سے کچھ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ ابوالاسود نے کہا۔ اے بیٹی یہ حلوہ معاویہ نے ہمارے پاس اس لیے بھیجا ہے تا کہ ہمیں امیر المومنینؑ کی محبت سے منحرف کر دے' بچی کہنے لگی خدا اس کو قبیح قرار دے کیا وہ ہمیں پاکیزہ و پاک سردار کے بارے میں دھوکا دینا چاہتا ہے خوشبو دار شہد کے ساتھ ہلاکت ہے بھیجنے والے اور کھانے والے کے لیے پھر کوئی ایسا کلام کیا کہ جس سے کھائی ہوئی چیز کی قے کر دی اور یہ شعر کہا:

اے ہند کے بیٹے! کیا خوشبودار شہد کے بدلے ہم تیرے پاس اپنا حسب ونسب اور دین بیچ دیں گے۔ معاذ اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ہمارے آقا و مولا امیر المومنینؑ ہیں۔ بہر حال ۶۹ھ میں طاعون سے پچاسی سال کی عمر میں ابوالاسود نے بصرہ میں وفات پائی۔ ابن شہر اشوب اور دوسرے علماء نے ابوالاسود کے اشعار حضرت امیر المومنینؑ کے مرثیہ میں بیان کیے ہیں۔ مرثیہ کا پہلا شعر یہ ہے۔ اے آنکھ بہہ اور میری مدد کر پس گریہ کر امیر المومنینؑ پر۔ ابوالاسود شاعر طلیق اللسان اور فوری جواب دینے والے تھے۔ زمخشری نے نقل کیا ہے کہ زیاد بن ابیہ نے ابوالاسود سے کہا کہ تم علیؑ کی دوستی میں کیسے ہو۔ کہنے لگے جیسا تو معاویہ کی دوستی میں ہے لیکن میں علیؑ کی دوستی اور محبت سے ثواب اخروی چاہتا ہوں اور تو معاویہ کی دوستی میں مال دنیا کا خواہاں ہے اور میری اور تیری مثال عمرو بن معدی کرب کے شعر کی طرح ہے۔

ہم دو دوست ہیں لیکن ہماری حالت مختلف ہے میں بلندی چاہتا ہوں اور وہ گھی چاہتا ہے میں نبی ملک کے خون کا طالب ہوں اور معلّی کو دودھ کی سفیدی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور زمخشری نے یہ شعر بھی انہیں سے روایت کیا ہے۔ اے مجھے آل محمدؐ کی محبت پر ملامت کرنے والے تیرے منہ میں خاک ہو پس تو اپنی ملامت چھوڑ دے یا زیادہ کرے جو شخص ان کی محبت کی رسی کو مضبوطی سے نہیں پکڑے ہو تو وہ جان لے کہ اس کی ولادت اچھی نہیں ہوئی۔ (حلال زادہ نہیں)

ابوالیقطان جناب عمار یاسر رضوان اللہ علیہ

جناب عمار کے پدر بزرگوار جناب یاسر یمن کے رہنے والے تھے پریشان حالی کے عالم میں مکہ میں آئے جہاں انہوں نے ابوحذیفہ مخزومی کی کنیز سمیہ نامی سے عقد فرمالیا۔ بال بچے ہوئے مکہ ہی میں سکونت اختیار کرلی۔ جناب یاسر کی بی بی سمیہ اور دو فرزند عمار و عبداللہ مختصر یہ کہ سارا گھر کا گھر تبلیغ نبوت کے پہلے ہی سال مشرف بہ اسلام ہوا۔ استعیاب جلد دوم صفحہ ۴۳۶ پر عمار و یاسر اور ان کے قبیلہ کے مشرف بہ ایمان ہونے کے متعلق عربی عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"جب اسلام کو خدا نے ظاہر فرمایا تو یاسرؓ انکے صاحبزادے عمارؑ عمار کی ماں سمیہ عمار کے بھائی عبداللہ بن یاسر اسلام لائے ان حضرات کا اسلام ابتدائے اسلام میں سے قدیم تھا اور یہ دو بزرگوار تھے جن پر خدا کی راہ میں ظالموں کی طرف سے ظلم وعذاب بے حساب کیا گیا تھا۔ جب ان لوگوں پر ظلم کیا جارہا تھا تو اتفاق سے جناب رسالت م آب صلے اللہ علیہ وسلم بھی ادھر سے گزرے ان حضرات کو اس عالم میں دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اے آل یاسر صبر کرو اے پروردگار تو آل یاسر کو ان کے اعمال کے بدلے میں بخشدے۔ اور ابن شہاب کی روایت کے مطابق اسمٰعیل بن عبداللہ بن جعفر اپنے باپ کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ رسو لخد صلعم کا گذر آل یاسر عمار ام عمار وغیرہم پر ایسے وقت میں ہوا جب ان لوگوں پر ظلم وستم کیا جارہا تھا یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا اے آل یاسر صبر کرو تحقیق کہ تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔

استیعاب جلد اول میں ابن البر نے ۵۸ پر واضح الفاظ میں لکھا ہے **اول من الھر الاسلام سبعة رسول للہ صلی اللہ علیه وآله وسلم وابوبکر وعمار وامه وصعیب وبلال والمقداد** پہلے سات آدمیوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ابوبکر عمار اور ان کی ماں سمعیہ صہیب بلال اور مقداد اسلام قبول کرنے کے بعد آل یاسر کو سخت مصائب وشائد کا سامنا کرنا پڑا۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد آل

یاسر کے پاس دولت ایمان کے سوا کچھ نہ تھا۔ تمام خاندان عسرت وناداری میں بسر کرتا تھا۔ کفار قریش بے یارو مددگار سمجھ کر ان پر ٹوٹ پڑے اور ایک ایک کر کے ان بیچاروں کو اتنا مارا کہ جینے کے لالے پڑ گئے سر سے پاؤں تک مجروح ہو گئے۔ اتفاقاً اسی عالم میں رسول مقبول ادھر آ نکلے۔ مخلص مومنین کی مصیبت دیکھی نہ گئی مگر مجبوری لاحق تھی بجز خاموشی چارہ کار نہ تھا حضرت نے آل یاسر کی مصیبتناک حالت مشاہدہ فرما کر ارشاد فرمایا اصبروا آل یاسر فان موعدکم الجنۃ اے آل یاسر صبر کرو تحقیق کہ بہشت تمہاری وعدہ گاہ ہے۔

ابوجہل نے یاسر کی اہلیہ جناب سمیہ کو نیزے کی انی چبھو کر شہید کر ڈالا' اور جناب یاسر کا بھی ایسی ہی ضربوں سے خاتمہ بالخیر ہو گیا۔

والدین کی شہادت کے بعد عمار یاسر نے مجبور ہو کر بادل ناخواستہ کلمہ کفر زبان سے جاری کر دیا۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۳۵۵

جبکہ مشرکین عرب نے عمار اور ان کے والدین کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا اور عمار کے والدین کو کلمہ کفر نہ کہنے کی وجہ سے قتل کر ڈالا تو اس وقت عمار نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنی زبان سے وہ بات کہہ دی جس کا مشرکین نے ارادہ کیا تھا اس لیے کہ اس حالت میں مشرکین ان پر جبر و تشدد کر رہے تھے پس کسی نے کہا یا رسولؐ اللہ عمار تو کافر ہو گئے۔ آنحضرتؐ فرمایا ہرگز نہیں' عمار تو وہ شخص ہے جو سر سے قدم تک ایمان سے مملو ہے اور اس کے گوشت پوست میں ایمان محفوظ ہے' پس عمار روتے ہوئے خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے رسولؐ اللہ نے آن کے آنسو پونچھے اور فرمایا کہ ”عمار تمہیں کیا اندیشہ ہے؟ اگر وہ لوگ پھر تمہیں مجبور کریں اور یہی بات کہلائیں جو تم کہہ چکے ہو تو پھر کہہ دینا۔“

امیر الدولہ سعید الملک نے اپنی تالیف آئیڈیل اورز ص ۱۷ IDLE HOURS میں حصہ سوم ترجمہ مجالس المومنین مصنفہ قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ میں حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے۔

AMMAR-BIN- YASIR

HE WAS A MUSLAMMAN BY BIRTH, AND ONE OF THE COMPANION OF THE PROPHET, HE WAS MUCH PROSECUTED BY THE ENEMIES OF ISLAM. HE WAS DEPORTED TO HABASH WHERE HE WAS INSUL TED AND WOUNDED AFTER THE DEATH OF THE PROPHET, HE SIDED WITH HAZRAT ALI- IBN- I ABI TALIB AND FURLOUSLY ATTACKED THE PRESENT AT THE BATTLE OF JMAL AND WAS MARTIRED AT SIFFIN AT THE AGE OF NINETY ONE.

عمار بن یاسر: وہ پیدائشی مسلمان اور اصحاب رسول میں سے ایک فرد تھے۔ دشمنان اسلام نے انہیں سخت صعوبات پہنچائیں وہ حبش مامور کئے گئے جہاں ان کی تزلیل کی گئی اور وہ زخمی ہوئے۔ وفات رسول مقبول کے بعد انہوں نے علی ابن ابی طالب کا ساتھ دیا وہ ان کے مخالفین پر سخت اعتراضات کرتے تھے وہ جنگ جمل میں موجود تھے اور جنگ صفین میں ۹۱ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

قول بالا میں دو امر قابل غور ہیں پہلا امر یہ کہ وہ پیدائشی مسلمان تھے۔ یہ قول بادی النظر میں مہمل معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ جناب عمار جنگ صفین میں ۹۱ سال کی عمر میں شہید ہوئے جناب عمار کی شہادت ۳۹ھ میں ہوئی اس حساب سے ایمان لانے کے وقت عمار کی عمر تقریباً ۳۹ سال کی ہوتی ہے مگر میرے خیال میں قول بالا بایں معنی صحیح ہے کہ نص قرآن آدم سے خاتم تک ہر نبی دین اسلام کی تبلیغ پر مامور تھا اس لیے ممکن ہے کہ عمار کا قبیلہ دین حنیف یعنی مذہب ابراہیمی پر عامل رہا ہو اور غالباً یہی سبب تھا ان کا قبیلہ تبلیغ رسالت کے پہلے سال ہی ایمان سے مشرف ہوا اور حسب تحریر استیعاب جلد اول ۵۸ جناب عمار تیسرے نمبر پر ایمان لانے والوں کی فہرست میں نظر آتے ہیں مگر یہاں پر یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جناب امیر المومنین کا نام اس فہرست میں نہیں ہے جس کا سبب غالباً یہ ہے کہ صاحب تصنیف نے جس راوی سے یہ روایت کی ہے اس نے اپنے مسلک کے مطابق علی ابن ابی طالبؑ کو کمسنی میں ایمان لانے کے باعث اس فہرست میں شامل نہ کیا۔ بہرکیف یہ تو مسلم ہے کہ عمار سابقین مسلمین میں تھے۔

دوسرا امر جو اس روایت میں محل نظر ہے وہ جناب عمار کا حبش میں مامور ہونا ہے شہید ثالث علیہ الرحمہ نے مجالس المومنین ۲۹۴ پر تحریر فرمایا ہے" عمار نے ابتدائے اسلام میں کفار کے ہاتھوں بڑی بڑی اذیتیں اٹھائیں اور ان کی ماں سمیہ نامی قید کنار ہی میں شہید ہوئیں۔ عمار منجملہ مہاجرین اولین اور اس جماعت کے ہیں جنہوں نے بحکم حضرت رسول صلعم مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی اور عمار نے دو قبلوں کی طرف نماز ادا کی۔ اور غزوہ بدر اور علاوہ ان کے دیگر غزوات جو بعد بدر کے ہوئے ہر ایک میں داد مردانگی و شجاعت دی اور جنگ یمامہ میں کہ جہاں مسلمانوں نے فرار کیا عمار نے بڑے بڑے زخم کھائے اور ایک گوش مبارک ان کا کٹ کر دوش پر لٹک رہا تھا۔ باوجود اس کے فرار نہیں کیا اور مشغول کارزار تھے۔ اہل اسلام کو پکار بھی رہے تھے کہ اے گروہ مسلمانان کیا تم بہشت سے بھاگتے ہو دیکھو میں عمار ہوں اور کھڑا ہوا ہوں میرے پاس تو آؤ" مگر شبلی نعمانی نے اپنی تصنیف میں جن اصحاب کی فہرست پیش فرمائی ہے ان میں عمار یاسر کا نام نہیں ہے۔ فوق صاحب بلگرامی نے اسوۃ الرسولؐ میں محض یہ تحریر فرما کر اکتفا کی ہے ایک عجیب بات ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑتا تھا یعنی حضرت بلال و عمار یاسر وغیرہ ان کے نام مہاجرین حبش کی فہرست میں نہیں ہیں یا تو ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا دشوار تھا یا یہ کہ درد

کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔ میرے خیال میں ممکن ہے کہ شہید علیہ الرحمہ نے جو واقعہ حبش میں عمار کی ماموری کا لکھا ہے اس سے مراد ہجرت حبشہ نہیں ہے بلکہ بعد کا قصہ ہے علامہ مجلسی نے حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۶۰۱۰ پر جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جب رسولؐ مقبول مدینہ ہجرت کر چکے اس کے بعد صفحائے مسلمانان جو کفار کے شدائد میں مبتلا تھے اور کفار انہیں کلمہ کفر کہنے پر مجبور کر رہے تھے از انجملہ عمار و یاسر وسمیہ وصہیب وبلال نے ہجرت کا ارادہ کیا کفار نے انہیں پکڑلیا اور کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا عمار نے تقیتاً وہ کلمات کہہ دیے مگر ان کے والدین شہید ہوئے لوگوں نے مدینہ میں حضرت رسولؐ مقبول سے کہا عمار کافر ہو گئے آپ نے فرمایا کافر نہیں ہو سکتے وہ سراپا ایمان ہیں۔ جب عمار آئے تو روئے حضرتؐ نے استفسار حال کیا عمار نے واقعہ بیان کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر پھر بھی ایسا کہنے پر مجبور کیا جائے پھر کہہ دینا۔ علامہ مجلسیؒ کے قول کے مطابق عمار نے پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد مدینہ ہجرت کی اور غالباً یہی صحیح ہے۔

جب رسولؐ مقبول نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے زمین مول لے لی اور حضرت نے مسجد کی بنیاد ڈالی اور خود کام کرنے لگے تو مسلمان مہاجرین وانصار بھی ٹوٹ پڑے ان خدمت گذاروں میں عمار یاسر سب سے زیادہ ممتاز ہیں ابن ہشام تحریر فرماتے ہیں۔

سفیان بن عتبہ ذکریا سے اور ذکریا امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے بنائے مسجد میں ہاتھ لگایا وہ عمار بن یاسر ہیں۔

.امام قسطلانی شارح بخاری اور علامہ زرقانی نے مفصلہ ذیل عبارت لکھی ہے طوالت کے خوف سے محض ترجمہ پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔

"تمام مسلمان ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار بن یاسر دو دو اینٹیں ایک اپنے حصہ کی اور ایک جناب رسولؐ خدا کے حصہ کی آنحضرت صلعم نے ان کی پیٹھ پر دست مبارک رکھ کر اور گردوغبار جھاڑ کر ارشاد فرمایا سب کے لیے ایک ثواب ہے اور تمہارے لیے دو ثواب ہیں اور دنیا میں تیری آخری غذا دودھ ہوگی اور بخاری نے بعض نسخوں میں اور مسلم وترمذی وغیرہ نے باسناد مرفوع لکھا ہے کہ آنحضرت نے اس موقع پر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تجھ کو فرقہ باغیہ قتل کرے گا۔ درآنحالیکہ تو انہیں جنت کی طرف بلاتا ہوگا اور وہ لوگ تجھے دوزق کی طرف بلاتے ہوں گے زرقانی ۴۴۱ نیز علامہ زرقانی ۴۴۴ نے اس بشارت نبویہ کے حصول سعادت کی توجیہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

بنائے مسجد میں پہلی اینٹ اٹھانے کی ابتداء جناب رسالت مآبؐ نے اپنے دست مبارک سے اس لیے کی تاکہ اوروں کے لئے باعث ترغیب ہو آپ اینٹ اٹھاتے وقت عبداللہ ابن رواحہ کا یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

اللھم لا اجرا اجراہ معرة

فارحم علی الا نصارو المھاجر

پروردگار تو مہاجرو انصار پر رحم فرما اور اجرآخرت جو اصل اجر ہے عنایت فرما حضرت علیؑ نے سن کر حسب ذیل شعر نظم کر کے پڑھا۔

لا یستوی من یعمر المساجد یدلب فیھا قائما وقاعدہ ومن یری عن التراب حائدا

اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے جو مسجد بناتا ہے اس ارادہ سے کہ اس میں کھڑے بیٹھے عمل خیر بجالائے اور خاک کی طرف اپنا میلان خاطر رکھے۔ جناب علی مرتضیٰ نے یہ اشعار بالکل اس غرض خاص سے پڑھے تھے جیسا کہ عام دستور ہے کہ کام کرتے وقت دلبستگی کے لیے شعر پڑھے جاتے ہیں اس سے غرضِ آپ کی کسی پر طعن نہیں تھی۔

بیہقی حسن بصری کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ جب رسالت مآبؐ نے مسجد کی تعمیر شروع کی تو تمام صحابہ نے آپ کی اعانت کی اور سب اینٹ مٹی وغیرہ ڈھونے لگے اس وجہ سے ان کے سینے خاک سے آلودہ ہو گئے ایک صحابہ عثمان بن مظعون نامی نفاست پسند بزرگ تھے کسی مٹی اٹھانے والے سے مٹی یا گارا گر پڑا اور وہ ان کے کپڑوں میں بھر گیا انہوں نے اپنے کپڑوں کی طرف نظر کی اس خیال سے کہ مٹی سے کپڑے آلودہ تو نہیں ہو گئے جناب علیؑ مرتضیٰؑ نے ان کی طرف نظر فرمائی اور شعر مذکور بالا پڑھا حضرت عمار نے اس شعر کو یاد کر لیا اور پڑھنے لگے عثمان بن مظعون کو برا لگا انہوں نے عمار سے کہا میں تمہاری تعریض کو خوب سمجھتا ہوں ان کے ہاتھ میں اس وقت لوہے کا ایک عصا تھا اسے دکھا کر عمار یاسر سے کہنے لگے کہ اگر تم اپنی تعریض نہ چھوڑو گے تو میں اسے تمہارے منہ پر دے ماروں گا جناب رسولؐ خدا نے سن لیا سخت برہم ہوئے یہ دیکھ کر لوگ عمار سے کہنے لگے دیکھو آنحضرت تم سے خفا ہو گئے قریب ہے کہ تمہاری شان میں کوئی قران کی آیت نازل ہو عمار نے جواب دیا کوئی مضائقہ نہیں میں آپ کے غصہ پر بھی راضی ہوں یہ سن کر عمار نے پکار کر عرض کی یا رسولؐ اللہ آپ کے اصحاب میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ارشاد ہوا کیسے؟ عرض کی وہ تلے ہوئے ہیں کہ مجھے مار ڈالیں آپ تو ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ پر دو دو اینٹیں لاد دیتے ہیں یہ سن کر آنحضرتؐ نے عمار کا ہاتھ تھام لیا بنیاد مسجد کا طواف کرایا اپنے ہاتھوں سے ان کی گرد جھاڑی اور ارشاد فرمایا یا بن سمیہ یہ لوگ تمہیں قتل نہیں کریں گے تم کو ایک فرقہ باغی قتل کرے گا۔

تاریخ ابن ہشام میں جز ا صفحہ ۱۷۶ مطبوعہ مصر واقعہ بہ الفاظ ذیل درج ہے ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

عمار بن یاسر نے ان اشعار ابن ابی طالب کو یاد کر لیا اور پڑھنے لگے اصحاب رسول صلعم میں سے اکثر لوگوں کو یہ اشعار سن کر خیال ہوا کہ عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں ان میں سے ایک شخص بول اٹھا کہ اے ابن سمیہ قسم خدا کی میں

تمہاری اس تعریض کو سمجھتا ہوں اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عصا تمہاری ناک پر دے ماروں اس وقت اس کے ہاتھ میں عصا موجود تھا جناب رسولؐ خدا یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور لوگوں سے کہنے لگے تمہیں کیا ہو گیا ہے پھر عمار سے ارشاد فرمایا کہ تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور یہ تمہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے تحقیق کہ "عمار جلد ما بین عینی و انفی" عمار میری آنکھوں اور میری ناک کے درمیان کی جلد ہے جب آپ کا ارشاد لوگوں نے سنا تو پھر کسی نے سبقت نہیں کی اور سب نے اجتناب اختیار کیا محدث شیرازی نے روضۃ الاحباب میں اس واقعہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

عمار یاسر نے حضرت علیؑ مرتضیٰ کا یہ رجز یاد کر لیا اینٹ اٹھاتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے صحابہ میں ایک شخص بیٹھا تھا اور کام نہیں کرتا تھا اس نے خیال کیا کہ عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں اس کو غصہ آیا اس کے ہاتھ میں عصا موجود تھا عصا دکھا کر عمار سے کہنے لگے چپ رہو نہیں تو اسی عصا سے تمہاری ناک توڑ دوں گا اس مرد کے کلام کو جو اس نے عمار سے کہے تھے سن لیا جناب رسولؐ نے عمار کے حق میں کہا عمار میری دونوں آنکھوں کے برابر ہے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ اس دن ہر صحابی ایک ایک اینٹ اٹھاتا تھا اور عمار دو اینٹیں روایت میں ہے کہ ایک اینٹ اپنے لیے اور ایک اینٹ رسولؐ خدا صلعم کے لیے آنحضرت صلعم خاک ان کے سر سے پاک کرتے تھے اور کہتے تھے عمار تجھے فرقہ باغیہ قتل کرے گا' تو انہیں جنت کی طرف اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلائینگے۔ عمار نے کہا خدا فتنہ سے پناہ میں رکھے۔

تاریخ ابن ہشام نے تحریر فرمایا ہے کہ تعمیر مسجد کے بعد رسولؐ نے عقد مواخاہ کا انتظام فرمایا۔ اور انس ابن مالک کے مکان میں مہاجرین و انصار کو جمع فرما کر باہمی صیغہ اخوت جاری فرمایا ابن ہشام اور شبلی نعمانی نے جو فہرست پیش کی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول مقبول نے حضرت عمار بن یاسر کو حذیفہ یمانی کا بھائی بنایا۔

علامہ مجلسی حیات القلوب جلد ۲ باب (اکتیس ۳۱ صفحہ ۶۲۹ جنگ بدر کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

علی ابن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ اس شب آنحضرتؐ نے عمار یاسر و عبداللہ ابن مسعود کو کفار کے لشکر کی طرف بھیجا تا کہ ان کے حالات سے باخبر کریں جب وہ لشکر کفار میں داخل ہوئے سب کو خائف و ترساں پایا انہوں نے پیغمبرؐ کو اطلاع دی نیز جنگ خندق میں حسب تحریر حیات القلوب باب ۳۵ صفحہ ۱۳ علی ابن ابراہیم سے روایت ہے کہ جب خندق کھودی جاری تھی ایک صحابی رسولؐ کا ادھر گذر ہوا عمار یاسر خندق کھدوانے میں مصروف تھے اور غبار بلند تھا اس پر صحابی نے اپنی آستین سے ناک کو چھپالیا اور چلے گئے جب عمار نے ان کی کراہت کو مشاہدہ فرمایا رجز میں وہی شعر پڑھا جو مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت پڑھا تھا اس صحابی نے عمار کو گالی دی اور کہا کہ اے فرزند زن سیاہ مجھ کو کہتا ہے اور رسولؐ مقبول سے کہا کہ ہم نے اسلام اس لیے نہیں قبول کیا ہے کہ لوگوں کی دشنام سنیں۔ حضرت نے اس صحابی سے کہا اگر

تو اسلام نہیں چاہتا تو مجھے کافروں کی پروا نہیں ہے جہاں چاہو جاؤ۔

غزوہ تبوک کے سلسلہ میں حیات القلوب جلد ۲ باب ۴۵ کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

جناب امیرؑ مدینہ سے رسالت مآبؐ کے روانہ ہونے کے بعد چلے منافقین نے راستہ میں ایک گڑھا کھود کر گھاس پھوس سے چھپا دیا تھا علی ابن ابی طالبؑ نے علم امامت کے زور سے اس تدبیر کو معلوم کر لیا اور اس خندق کو پار کر گئے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ حرکت کس کی ہے سب نے انکار کیا پس آپ نے اپنے گھوڑے سے دریافت کیا اس نے بذبان حال تمام اشخاص کے نام بتا دیئے بعض نے کہا کہ رسولؐ کو مطلع کرنا چاہیے۔ جناب امیر نے ارشاد فرمایا کہ وحی الٰہی ہو چکی ہے۔ حضرت رسولؐ مقبول جب عقبہ کے قریب پہنچے انہوں نے وحی کی آمد سے مسلمانوں کو مطلع کیا منافقین نے فوراً خود کو الزام سے بچنے کے لیے مصلحتاً مہار کباد دی۔ جب پیغمبرؐ واپس ہونے لگے انہوں نے اعلان کرا دیا کہ کوئی مسلمان مجھ سے پہلے عقبہ پر نہ جائے اور حذیفہ یمانی کو اہل عقبہ میں پنہاں کر دیا پس وہ چوبیس اشخاص آئے جب سب اپنے مقامات پر جمع ہو چکے حذیفہ نے ان کی گفتگو سے پیغمبرؐ کو آ کر مطلع کیا۔ پیغمبر روانہ ہوئے اور سلمان و عمار اور حذیفہ نے مہار ناقہ تھامی سلمانؓ ناقوں کو ہنکار رہے تھے اور عمار ناقہ کے پہلو میں راہ چل رہے تھے منافقین نے اپنی حرکت کی مگر ناقہ رسولؐ بقدرت خدا بلند ہو گیا اور پیغمبر محفوظ رہ گئے حضرت نے عمار سے کہا کہ پہاڑ پر جاؤ اور اپنے عصا سے منافقین کے اونٹوں کے منہ پر مارو اور اونٹوں کو عقبہ سے نیچے گرا دو عمار نے ایسا ہی کیا اور منافقین کے اونٹ بھڑ کے اور اکثر ان میں سے زخمی ہوئے۔

وفات پیغمبرؐ اسلام کے بعد عمار یاسر ہمیشہ حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے ہمنوار ہے۔ آبان ابن تغلب سے منقول ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ علیؑ کو خلافت نہ ملنے پر صحابہ میں سے کسی نے اعتراض کیا یا نہیں آپ نے فرمایا ہاں بارہ آدمیوں نے احتجاج کیا۔ مہاجرین میں سے مقداد، ابوذر، سلمان، ابو بزرہ اسلمی، خالد بن سعید اور عمار یاسر اور انصار میں سے ابوالہیثم تیہان، عثمان بن حنیف، سہیل بن حنیف خزیمہ بن ثابت، بن کعب، ابو ایوب انصاری ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ علیؑ کا کوئی مخالف ممبر رسولؐ پر بیٹھے تو ہم اسے اتار لیں بعضوں نے کہا ایسا نہ کرنا چاہیے۔ جب تک امیر المومنینؑ سے مشورہ نہ کر لیا جائے سب علیؑ کے پاس آئے اور عرض کیا یا امیر المومنینؑ آپ نے اپنے حق کو چھوڑ دیا اور اس پر نصرت کرنے سے باز رہے اور حالانکہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے حق اسی طرف پھرتا ہے جدھر علیؑ پھریں اب ہم لوگوں کا ارادہ ہے کہ آپ کے مخالف کو منبر سے اتار لیں صرف آپ سے اجازت کے طالب ہیں حضرت نے فرمایا قسم خدا کی اگر ایسا کرو گے تو سب تلواریں کھینچ کر میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ بیعت کرو نہیں تو قتل کر دیئے جاؤ گے اور جب ایسا ہو گا تو مجھ پر بھی دفاع

لازم ہوجائیگا اور درانحالیکہ رسولؐ نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے بعد یہ امت تم سے غدر کرے گی اور میرے عہد کو توڑے گی اور تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی جس طرح سے بنی اسرائیل نے موسیٰؑ و ہارونؑ کو چھوڑ کر گئوسالہ پرستی اختیار کی تھی اسی طرح یہ امت تمہیں چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ میں ان لوگوں کے ساتھ کیا کروں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر ناصر و مددگار تمہیں ملیں تو قتال کرو اور اگر نہ ملیں تو اپنے خون کی حفاظت کرو یہاں تک کہ میرے پاس آؤ۔

امام یوسف گنجی کی کتاب تاخیر **الظلامه الیف یوم القیمه** میں مرقوم ہے کہ سالم ابن الجعد ناقل ہیں کہ حاکم وقت نے بنی امیہ کا ذکر کیا اور کہا کہ قسم خدا کی اگر میرے ہاتھ میں کنجیاں بہشت کی ہوتیں تو میں بنی امیہ کو دیتا کہ وہ سب کے سب داخل بہشت ہوجاتے اور ہر آئینہ میں ان لوگوں کو حاکم اور عامل مقرر کرونگا۔ صرف اس شخص کی ناک رگڑنے کے لیے جوان سے اختلاف کرتا ہے پھر عمار کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ بات تیری ناک خاک پر رگڑے گی عمار نے جواب دیا کہ خدا میرے غیر کی ناک زمین پر رگڑے یہ سن کر حاکم وقت نے غصہ میں کھڑے ہو کر لات سے بڑی مار ماری لوگوں نے چھڑا دیا طلحہ وزبیر بھیجے گئے تاکہ عمار ان باتوں میں سے ایک بات مان لیں اولاً یہ کہ مجھے مار لیں یا دیت لیں یا مجھے معاف کریں عمار نے کسی شرط کو نہ مانا اور فرمایا میں رسالت مآبؐ سے ملاقات کروں گا۔ اور شکایت کروں گا۔

صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ عمار بن یاسر کے باپ قبیلہ بنی مخزوم کے دوست اور ہم عہد تھے۔ اسی بنا پر جب عمار کے پہلو کی ہڈیاں حاکم وقت کے مارنے سے ٹوٹ گئیں اور فتق کا عارضہ پیدا ہوگیا تو بنی مخزوم نے ضارب پر ہجوم کیا اور قسم کھائی کہ اگر عامر مر گئے تو ان کے خون کے عوض میں حاکم کو قتل کریں گے۔

تاریخ فتوح احمد بن عاثم کوفی میں مرقوم ہے کہ حاکم وقت کی ایک سال کی حکومت کے بعد جب ایسی چیزیں رونما ہوئیں جسے مسلمانوں نے پسند نہیں کیا تو اصحاب کے ایک گروہ نے مشورہ کیا کہ حاکم سے چل کر کہنا چاہیے کہ جو کام وہ طریق ثواب کے خلاف کر رہا ہے ان کو چھوڑ دے پھر سب کاموں کے لکھنے کی رائے قرار پائی اور ابتدائے دور سے اس وقت تک جو باتیں نامناسب و بے قاعدہ تھیں وہ سب لکھی گئیں اور لکھا گیا کہ اگر تم نے یہ باتیں ترک نہ کیں تو تمہیں حکومت سے معزول کردیا جائے گا۔

عمار یہ خط لے کر بھیجے گئے حاکم وقت مکان سے برآمد ہوئے اور عمار کو کاغذ لیے کھڑا دیکھا۔ عمار سے پوچھا اے ابو یقظان کوئی حاجت ہے' عمار نے کہا مجھے کوئی حاجت نہیں لیکن ایک گروہ نے جمع ہوکر کچھ لکھا ہے حاکم نے وہ کاغذ لے کر چند سطریں پڑھیں مگر پھر غضبناک ہوکر وہ رقعہ ہاتھ سے پھینک دیا۔ عمار نے کہا کاغذ اصحاب رسولؐ نے لکھا ہے

اس کو ہاتھ سے نہ پھینکو بلکہ بغور مطالعہ کرو اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہے اور یقین کرو کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور یہ باتیں تمہاری نصیحت کی غرض سے کہہ رہا ہوں حاکم نے کہا اے پسر سمیہ تو جھوٹا ہے عمار نے فرمایا کہ اس میں شک نہیں کہ میں سمیہ اور یاسر کا بیٹا ہوں۔ حاکم نے غلاموں کو حکم دیا ان سب نے مارنا شروع کیا عمار زمین پر گر پڑے اور بالکل بے جان ہو گئے چند لاتیں پشت پر پڑیں بے ہوش ہو گئے اور علت فتق عارض ہو گئی۔ ہشام ابن ولید مخزومی اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ آ کر عمار کو اٹھا لے گئے لے جا کر بستر پر لٹا دیا اور حالیکہ انہیں خبر نہ تھی ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ اگر عمار نے اس صدمہ سے وفات پائی تو مارنے والے کو بھی ہم قتل کریں گے عمار اسی طرح بے ہوش پڑے رہے یہاں تک کہ شب کا بھی کچھ حصہ گزر گیا نماز ظہر و مغرب و عشاء ان سے فوت ہو گئی جب درمیان شب میں ہوش آیا تو وضو کر کے سب نمازیں پڑھیں۔

تاریخ اعثم کوفی ۹۹ میں مرقوم ہے کہ ابوذر کی طرح عمار یاسر کو بھی ربذہ نکالے جانے کا حکم ہوا تھا حضرت علیؑ نے جب حاکم کو سمجھایا تو ان سے بھی کہا کہ آپ کو بھی شہر بدر کرنا چاہیے۔ علیؑ نے کہا تیری کیا مجال ہے اگر ہمت ہو تو کر کے دیکھو تمہارا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ فسادات تو تمہاری ذات سے ہیں۔

کنز العمال، ابطال الباطل، شرح تجرید۔ تاریخ الخلفا لہ نجات المومنین۔ انسان العیون۔ استیعاب اور نہامیۃ ابن اثیر میں ہے کہ ایک دن عمار یاسر نے حاکم وقت سے کہا کہ خدا اور رسول سے ڈر اور شریعت کی پیروی کر حاکم نے اس قدر پیٹا کہ فتق کی بیماری ہو گئی۔

حسب تحریر تاریخ اعثم کوفی کنز العمال تاریخ الخلفا استیعاب رفع الاسا سل علامہ سیوطی شرح ابن الحدید سے پتہ چلتا ہے کہ عمار یاسر بھی محمد ابن ابی بکر اور ان کے ہمنواؤں کے ہم آواز تھے

جناب امیرؑ نے مقام زاویہ میں پہنچ کر اپنے ہمراہوں کی تعداد پر نظر فرمائی اور طلحہ و زبیر کی فوج کی تعداد سے مقابلہ کیا اور مزید فوج کی ضرورت محسوس کی تو آپ نے ابوموسیٰ الاشعری عامل کوفہ کو خط لکھا کہ ایک ہزار فوج طلب کی ابوموسیٰ نے جواب نہیں دیا امیر المومنینؑ سے پہلے جناب امیرؑ کے حریف کا نامہ پہنچ چکا تھا ابوموسیٰ نے لوگوں کو جمع کر کے جناب امیرؑ کا حکم نامہ سنایا۔ مگر لوگوں کی رائے حضرت امیرؑ کی مدد کرنے کی نہ ہوئی (رسالہ المرتضیٰ صفحہ ۹۱)

تاریخ طبری میں ابوموسیٰ الاشعری کا خطبہ حسب ذیل الفاظ میں ملتا ہے۔

جب نامہ ابوموسیٰ کو ملا منبر پر گیا اور کہا اے لوگو دو قرشی سلطنت چاہتے ہیں علیؑ اور طلحہ جو شخص اس دنیا کو چاہے جہاں جی چاہے جاوے اور جو آخرت کا طالب ہو اپنے گھر میں بیٹھے یہ جانا خلیفہ وقت کی زندگی میں ہونا چاہیے تھا جو کہ خلیفہ روئے زمین تھا اور اس کی بیعت میں شک نہ تھا لہٰذا مسلمانوں کا فریضہ تھا کہ اس کی نصرت کرتے اور آج

مسلمانوں پر اس کے خون کا عوض لینا ضروری ہے اس کے علاوہ فتنہ ہے اور میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ فرمایا بیٹھا ہوا کھڑے ہونے سے بہتر ہے اور سویا ہوا جاگنے والوں سے' پیادہ سوار سے بہتر ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ گھر میں بیٹھے اور تلوار نیام میں رکھے میں دیکھتا ہوں کہ جب کام ٹھیک ہو جائے گا اس وقت جس شخص کے لیے یہ کام درست ہو جائے۔ اس کی اطاعت وحمایت کی جائے اور جو کچھ کہا جائے اس پر سر تسلیم خم ہو جائے بیعت خلیفہ واجب ہے' طبری ۵۵۸ جب امیر المومنینؑ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے عبداللہ ابن عباس کو بھیجا مگر ان کا جانا مفید مطلب نہ ہوا۔ ان کی واپسی کے بعد جناب امیرؑ نے عمار ابن یاسر اور حضرت امام حسنؑ کو کوفہ بھیجا حسب قول مصنف رسالہ المرتضیٰ جو گفتگو ان لوگوں کے مابین ہوئی وہ بہت طویل ہے۔ صاحب روضۃ الاحباب نے تفصیل سے لکھا ہے یہاں بخاری کی ایک حدیث درج کرتا ہوں۔ جب طلحہ و زبیر بصرہ کو روانہ ہوئے علیؑ مرتضیٰ نے عمار یاسر اور امام حسنؑ کو کوفہ بھیجا۔ یہ دونوں حضرات کوفہ پہنچ کر منبر پر چڑھے امام حسن منبر کے بالائی حصہ پر اور عمار ان سے نیچے کھڑے ہوئے۔ عمار نے کہا طلحہ و زبیر وغیرہ بصرہ میں آئے ہیں ان کے ہمراہ زوجہ رسولؐ ہے مگر اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ تم علی مرتضیٰؑ کی اطاعت کرتے ہو یا زوجہ رسولؐ کی المرتضیٰ ۹۲۔

سید المحدثین نے تحفۃ الاحباء میں کہا ہے کہ جب جناب امیرؑ جنگ جمل کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت امام حسنؑ کو عمار یاسر کے ساتھ بھیجا۔ ابوموسیٰ نے لوگوں کو جانے سے منع کیا امامؑ نے اس پر عتاب کیا۔ ابوموسیٰ نے کہا پیغمبرؐ نے اس کو فتنہ کبریٰ کہا ہے اس سے دور رہنا بہتر ہے اور گوشے میں بیٹھ رہنا اچھا ہے عمار نے جواب دیا کہ یہ ایسا فتنہ ہے جس میں مستعدی کرنا بیٹھ رہنے سے بہتر ہے اور حق کو باطل سے ممتاز کرنا اچھا ہے۔

یہ سب حق کے چھپانے کے لیے ابوموسیٰ نے کہا کہ جب حق و باطل میں تمیز نہ ہو سکے تو گوشہ نشینی ہی بہتر ہے۔ عمار نے جواب دیا کہ حق اس فتنہ میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور باطل بھی ظاہر ہے لیکن امتیاز سے مانع صرف ضعف بصیرت ہے شیخ اجل جعفر طوسی نوراللہ وقدہ نے کتاب امالی میں ابی بختہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ عمار یاسر نے ابوموسیٰ اشعری کو بہت لعنت ملامت کی اور پوچھا کہ کون سی چیز تجھ کو متابعت امیر المومنینؑ سے مانع ہو رہی ہے؟ قسم خدا کی اگر تجھے ان کی حقیقت میں کچھ شک ہے تو تو دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ابوموسیٰ نے کہا اس قدر غصہ نہ کرو میں بھی تمہارا بھائی ہوں۔ عمار نے فرمایا میں تیرا بھائی ہرگز نہیں ہوں گا اس لیے کہ میں نے پیغمبرؐ خدا سے سنا ہے کہ شب عقبہ تو بھی منافقین کے ساتھ آنحضرتؐ کے قتل کے ارادہ سے شریک تھا اور رسولؐ خدا نے تجھ پر لعنت کی ہے ابوموسیٰ نے کہا یہ نہیں سنا کہ حضرتؐ نے میرے لیے استغفار کیا تھا فرمایا میں نے لعنت کو سنا تھا بہرصورت اس گفتگو سے نو ہزار کوفی نصرت پر آمادہ ہو گئے۔

ابن جارود نے باسناد نقل کیا ہے کہ راوی کہتا ہے کہ جب امیر المومنینؑ معہ لشکر بصرہ کے قریب پہنچے میں نے دیکھا..... پھر ایک سفید گھوڑے والا آیا اس کے پاس سفید کپڑے اور کالا عمامہ تھا اور اس کو آگے پیچھے خوب مضبوطی سے باندھ رکھا تھا نہایت تجمل و وقار کے ساتھ کلام شریف پڑھتا ہوا اسی طرح تلوار گلے میں ڈالے کمان دوش پر رکھے ہاتھ میں سفید پھریرہ والا نیزہ لئے ہزار آدمیوں کے ساتھ جن کی ٹوپیاں مختلف رنگ کی تھیں اور ان کے گرد بوڑھے اور ادھیڑ اور جوان تھے ان کی درستی اور سکوت ایسا تھا گویا گنتی کیلئے چپ کھڑے ہوئے ہیں ان کی پیشانیوں پر سجدہ کے نشان تھے میں نے پوچھا تو لوگوں نے کہا یہ عمار ابن یاسر اور چند مہاجرین وانصار رو اصحاب رسول صلعم کی اولادیں ہیں۔

شیخ ابوجعفر طوسی علیہ الرحمہ نے موسیٰ بن عبداللہ لہدی سے روایت کی ہے کہ جب اہل بصرہ شکست کھا چکے اور امیر المومنینؑ نے حکم کیا مادر مومنین کو قصر بن حلف میں اتاریں وہاں پہنچنے کے بعد عمار یاسر ان کے پاس گئے اور فرمایا اے مادر اپنے فرزندوں کی شمشیر زنی آپ نے دیکھی۔

مادر مومنین نے کہا؟ عمار چونکہ اس وقت تم کو غلبہ ہو گیا ہے لہٰذا دین میں صاحب بصیرت و بصارت ہو گئے ہو عمار نے جواب دیا قسم خدا کی میری بصیرت دین کے امور میں اس سے زیادہ ہے جو غلبہ کے سبب سے بڑھے یا مغلوبیت کے سبب سے گھٹے۔ قسم خدا کی اگر تم لوگ ہم پر اس طرح سے غالب آتے کہ نخلستان ہجر تک بھگا دیتے جب بھی ہمیں یقین رہتا کہ ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر۔

مادر مومنین نے کہا تمہارے دل میں لوگوں نے ایسا ہی ڈال دیا ہے۔ عمار نے فرمایا قسم خدا کی میں نے جو کچھ اختیار کیا ہے حجت و دلیل سے اختیار کیا ہے نہ کسی کے شبہ ڈالنے اور خوبصورت تخیل پیدا کرنے سے میں ازروئے یقین جانتا ہوں کہ حضرت امیر علیہ السلام تمام صحابہ پیغمبرؐ سے زیادہ قاری اور زیادہ تر حافظ کتاب خدا اور علم تفسیر قرآن کے جاننے والے ہیں اور حرمت و تعظیم قرآن میں سب سے زیادہ شدید ہیں علاوہ بریں جو قرب خاص ان کو پیغمبرؐ کے ساتھ حاصل ہے اور جس کثرت سے انہوں نے اسلام میں جہاد کئے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

جنگ صفین میں امیر المومنینؑ نے ترتیب فوج اور غنیم کے مقابلہ کا انتظام شروع فرمایا اور بعد خطبہ احکام جنگ سنائے ان امور سے فراغت کے بعد آپ نے ترتیب کی طرف توجہ فرمائی لشکر کا نشان ہاشم ابن عتبہ کو دیا سواروں کو عمار یاسر کی ماتحتی میں اور پیادوں کو بدیل ابن ورقہ کے زیر حکومت دیا میمنہ لشکر پر اشعثؓ کو اور میسرہ لشکر پر حارثؓ ابن مرہ کو مقرر فرمایا۔ اس کے علاوہ قبیلہ قبیلہ کا جدا جدا افسر مقرر کیا۔

صفین کی چوتھی لڑائی کے بعد عمر بن عاص نے ابونواخ کو بلا کر عمار یاسر کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر تم کو فرصت ہو اور کوئی امر مانع نہ ہو تو میرے پاس چلے آؤ اور ہم تم باہم مل کر طرفین سے مصالحت کرا دینے کی نسبت کچھ قرار

دیں اور باہمی اتفاق کی کوئی صورت نکالیں ابونواخ عمار کے پاس آیا اور عمر عاص کا پیغام سنایا عمار یاسر نے جواب دیا میں ضرور آؤں گا عمار یاسر نے اپنے چند رفیقوں کو بلایا اور اپنے ہمراہ لے کر عمر عاص کے پاس پہنچے عمار یاسر جیسے خالص الاسلام اور جلیل القدر صحابی نے جو عمرؓ عاص کی عیاریوں سے واقف تھے بہت کچھ نصیحت فرمائی اور پھر عمر عاص اور اس کے جلیسوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ معاملہ قصاص پر مبسوط روشنی ڈالی اور یہ ثابت کیا کہ امیر المومنینؑ کا واقعہ قتل سے کوئی تعلق نہیں بہت سے دیگر افراد جو طالبِ قصاص ہیں خود قاتلین کے معاون و مشیر تھے نیز یہ کہ معاویہ کو حق قصاص نہیں ہے۔

عمر عاص نے عمار کے قول کی تصدیق کی مگر معاویہ کے متعلق اس نے کہا کہ اسے طلب قصاص کا حق حاصل ہے۔ عمر عاص نے عمار کی تعریف و توصیف کے بعد خون ریزی سے بچنے کی تلقین کی عمار نے اس کی عیارانہ گفتگو سن کر فرمایا کہ تو کب تک منافقانہ گفتگو کرے گا بیشک ہم اور تم ایک خدا کو مانتے ہیں ایک قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں مگر تیرے ہمراہیوں کو میرے رفیقوں سے کیا کام خدا پرستی' قرآن خوانی ایمانداری دینداری راست بازی ہمارا شعار ہے تمہارا نہیں ہے رسولؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اے عمار تم ایک جماعت سے لڑو گے جو خدا کے اوپر اپنے عہد و میثاق کو توڑ ڈالنے کو جائز سمجھے گی چنانچہ میں نے تم سے جنگ کی اور تابمقدور ارشاد نبویؐ کے بموجب کام انجام دیا حضرتؐ نے فرمایا تھا تم ظالموں اور ستمگاروں سے لڑو گے قاسطوں اور بیداد گروں سے جنگ آزمائی کرو گے تم لوگ اس جماعت سے ہو اور تمہاری ہی یہ صفت ہے عمر عاص نے کہا ہم تو تم سے نرمی سے گفتگو کرتے ہیں اور تم ہم کو گالیاں دیتے ہو۔ تاریخ اعثم کوفی۔

عمرو عاص نے بعد گفتگو کے طویل واقعہ' قتل کا الزام عمار یاسر کے سر تھوپنا چاہا بات بڑھی اہل شام اپنی فرودگاہ تک واپس گئے اور حصین ابن مالک و حارث ابن عوف فوج عمرو عاص سے علیحدہ ہو کر حمص چلے گئے۔

پانچویں لڑائی سے قبل حسب تاریخ اعثم کوفی جب عمرو عاص عمار یاسر کی تقریر سے مایوس ہو کر واپس ہوا تو ایک گروہ اہل شام نے پوچھا کہ ہم نے عمار کے متعلق رسول مقبولؐ کی یہ حدیث سنی ہے کہ عمار یاسر کو حق چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے عمرو عاص نے تصدیق کی اور فوراً یہ تاویل کی کہ ہم عمار سے کب جدا ہیں۔ تم نے دیکھا کہ وہ کس کشادہ دلی سے مجھ سے گفتگو کر رہے تھے ان کا شمار ہم میں اور ہمارا شمار ان میں ہے ذوالکلاع حمیری نے کہا تو کیوں انہیں دام فریب میں لیتا ہے تیرے اور عمار کے درمیان میں جو گفتگو ہوئی وہ میں نے خود سنی انہوں نے تلخ زبان سے تجھے گھائل اور رسوا کیا عمرو عاص نے پوچھا تو کیوں اس صحبت میں شریک ہوا۔ ذوالکلاع نے کہا تصدیق حدیث یا عمار...... الی النار کے لیے ذوالکلاع حمیری نے عمرو عاص کی ہجو کی اور عمار یاسر کی تعریف عبداللہ ابن عمر التمیمی نے دونوں کی گفتگو

سن کر اہل شام کے کیمپ کو خیر باد کہا اور لشکر جناب امیرؑ میں آ گیا پھر اس نے ذوالکلاع کو بھی مشورہ دیا کہ وہ لشکر عمرو عاص سے علیحدہ ہو جائے۔

لاصہ تاریخ اعثم کوفی مطبوعہ لکھنو ۱۸۶

معاویہ اس خبر سے عمرو عاص پر برہم ہوا۔ عمرو عاص نے جھلا کر کہا میں نے تو جو کچھ رسولؐ سے حدیث سنی تھی صرف وہی بیان کی مجھے کیا علم تھا۔ میرے قول سے پست ہمت لشکر کو چھوڑیں گے۔ بہرحال دن بھر عمرو عاص اور معاویہ میں کشیدگی رہی دوسرے دن سلسلہ جنگ پھر شروع ہوا۔

صفین کی اٹھارھویں لڑائی شروع ہوئی جانبین کے لشکر حرکت میں آئے خونریز جنگ ہونے لگی اسی عالم میں عمار یاسر قلب لشکر سے جدا ہو گئے اور اپنے ساتھیوں کی پر جگری اور استقلال کے متعلق پر تاثیر تقریر فرمائی اور فرمایا بھائیو تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے تین بار رسول مقبول کے ساتھ انہیں لوگوں کے مقابلے میں جن کو ہم امیر شام کے پاس دیکھ رہے ہیں جنگ کی ہے میں آج محض مقابلہ پر آمادہ نہیں ہوں بلکہ اپنی موت پر بھی مستعد ہوں اگر میں حریف کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں تو میرے ہمراہیوں کو چاہیے کہ مجھے دفن کر دیں بہرحال عمار یاسر اہل شام سے مقابل ہوئے اور پے در پے مردانہ وار حملے کئے اور دست ضعیف و کہنہ مشق کے جوہر دکھائے صفوں کو توڑتے ہوئے محافظین معاویہ کے غول تک پہنچے اہل شام نے عمار یاسر کو محاصرہ میں لے لیا۔

صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ روز جنگ صفین عمار نے ہاشم ابن عتبہ سے کہا کہ اے ہاشم آج ہم بہشت میں جائیں گے اور اپنے پیغمبرؐ اور ان کے گروہ سے ملاقات کریں گے قسم خدا کی اگر یہ باغی لوگ ہم کو نخلستان ہجرت بھی بھگائے جائیں جب بھی ہم کو یہی یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر یہ فرما کر حسب ذیل رجز پڑھنا شروع کیا۔

نحن ضر بنا علی تنزیله　　　فالیوم نضر یکم علی تادیه

ضربا یزیل الهام عن مقیه　　　ویذیل الخلیل حسن خلیل له

او یرجع الحق الی سبیله

ہم وہ ہیں جنہوں نے تم کو تنزیل قرآن کی بنیاد پر مارا اور آج تاویل و تفسیر قرآن کی بنیاد پر تم کو ایسی مار ماریں گے کہ سر اپنی جگہ پر قائم نہ رہیں گے اور عاشق اپنے معشوق کی محبت بھول جائے گا جب تک کہ حق اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے یہ رجز پڑھنے کے بعد عمار یاسر نے فوج مخالف پر حملہ کیا۔

بنابر ناسخ التواریخ اور تاریخ کامل ابن اثیر عمار نے اذن جہاد مانگا علیؑ ابن ابی طالب نے بادل ناخواستہ اجازت دی سینہ سے لگایا اور رخصت کیا عمار سوار ہو کر نکلے ہاشم ابن عقبہ علم دار فوج کو پکار کر کہا علم آگے لاؤ جنت

تلواروں کے سائے میں ہے اور موت برچھیوں کے گرد درخت کھلا ہوا ہے اور حوریں استقبال کے لیے موجود ہیں چورانوے سال کی عمر ہاتھوں میں رعشہ سر ہلتا ہوا پلکیں لٹکی ہوئی جوش محبت میں سینہ تانے ہوئے ہے میدان میں بڑھے میدان میں آ کر خداوند عالم سے خطاب کر کے باآواز بلند کہا۔

خداوندا تو خوب جانتا ہے میں ہر حال میں تیرا فرمانبردار بندہ ہوں اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیری خواہش اس میں ہے کہ دریا میں غرق ہو جاؤں یا آگ میں جل کر خاک ہو جاؤں تو میں اس میں بھی کمی نہ کروں اے مالک اگر تو دوست رکھے تو نوک نیزہ اپنے شکم پر رکھ کر اتنا زور کروں کہ پشت کے پار ہو جائے اور اس وقت تک ہاتھ نہ ہٹے جب تک موت نہ آ جائے۔

اے معبود جہاں تک مجھ کو تیرے رسولؐ نے تعلیم دی ہے آج کوئی عمل تیری رضا حاصل کرنے کے لیے اس سے بہتر نہیں ہے کہ ان فاسقوں سے جنگ کروں اے پالنے والے آج اس حق کو ادا کرنے کے لیے اپنے خون میں نہاتا ہوں جس کا وعدہ تیرے رسولؐ سے کر چکا ہوں تو گواہ رہنا وہ حق ادا ہو رہا ہے اور اپنے بعد کے لیے اگر کوئی وصیت چھوڑتا ہوں تو علیؑ کی محبت و رفاقت بہر حال مناجات سے فارغ ہو کر گھوڑے کو ایڑ لگائی دست مرتعش قبضہ شمشیر تک پہنچا گھوڑا بابرحق سمیت دشمن کے دل میں پہنچا سپاہ درہم برہم ہوئی شجاعت کا سکہ فوج شام کے دل پر بیٹھ گیا کشتوں کے پشتے لاشوں کے انبار لگ گئے۔

ابن جزا مقابلہ میں آیا عمار نے ایک تلوار میں ابن جزا کے جسم کا جزو اعظم جدا کر دیا پھر لشکر سے جنگ میں مشغول ہوئے۔ عمار یاسر نے باوجود ضعف پیری اہل شام کے متعدد جوانوں کو قتل کیا ابن جویر اسکوئی نے عمار یاسر کو بہت سخت زخم لگایا اور اسی محاصرہ میں کام تمام کرنا چاہا مگر عمار یاسر کے استقلال ثبات اور شجاعت نے محاصرہ کے ایسے نازک وقت میں بھی ایسے بیش بہا جوہر دکھلائے جنہوں نے اہل شام کے تمام مردانہ اور جوانا دلیروں کو خاک میں ملا دیا اور اہل شام کے اس مستحکم محاصرہ کو توڑ کر نکل آئے اور اپنی فوج میں واپس آئے زخم کاری کی شدت اور پیری کے ضعف ونقاہت نے سنبھلنے نہ دیا اپنے غلام رشید سے پانی مانگا خادم نے دودھ شہد کا پیالہ حاضر کیا اور گھوڑے سے نیچے اترنے سے قبل عمار کو جام اخیر سے سیراب کیا عمار نے غلام کی خدمت کو حسرت کی نظر سے دیکھا اور کاسہ شیر کو دیکھ کر فرمایا۔ صدقت یا رسولؐ اللہ سچ فرمایا تھا آپ نے یا رسول اللہ لوگوں نے اس کی شرح پوچھی تو آپ نے فرمایا رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ اے عمار تجھے گروہ باغی قتل کرے گا۔ تو ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ تجھ کو دوزخ کی طرف بلائیں گے۔ اور تیری آخری غذا دودھ ہوگی۔ خادم سے وہ جام لے کر پیا مگر وہ شربت زخم کی راہ سے باہر نکل آیا خادم گھوڑے کی باگ تھام کر اپنے آقا کو میدان جنگ سے علیحدہ لایا۔ عمار گھوڑے پر نہ سنبھل سکے رشید نے سہارا دیکر نیچے اتارا

زمین پر پہنچتے ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ خلاصہ تاریخ طبری جلد ۳ص ۵۸۰۔

ابوالفدا ص ۲۲۵ تاریخ ذہبی باب الصفین ص ۵۷ المرتضیٰ باسناد صحیحین شرفین ۴۰۱ صاحب تہذیب المتین روضۃ الصفا جلد ثانی ص) ۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں جب امیر المومنینؑ کو خبر ہوئی اصحاب و انصار کے ساتھ فوراً لاش عمار پر آئے سرہانے بیٹھ گئے اور عمار کا سر زانوئے مبارک پر رکھا اپنے رفیق قدیم کو مردہ دیکھ کر اس کی فرط محبت اور محاسن خدمات کا خیال فرما کر تحمل نہ کر سکے بیساختہ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ذیل کا شعر پڑھا۔

الایا ایہا الموت الذی ھو تا صدی ارحنی فقدا فنیت کل خلیلی

اراک بصیرا اللذین اجبھم کانک تنحوا نحوھم بدلیلی

ترجمہ:۔ اے موت تو مجھ کو چھوڑنے والی نہیں ہے مجھ کو بھی آ جا اور اب مجھ کو بھی راحت دے جب میرے تمام دوستوں کو فنا کر چکی میں دیکھتا ہوں کہ تو نے میرے دوستوں کو اس طرح ایذا پہنچائی ہے یا دیکھ لیتی ہے کہ گویا کوئی راہ نما ہے جو تجھ کو ان کی جانب راہ دکھاتا ہے۔

جناب امیر المومنینؑ دیر تک لاش عمار پر افسوس کرتے رہے حضرت کے اصحاب و انصار کا ہجوم تھا حضرت کے علاوہ بہتیرے ایسے موجود تھے جن کی آنکھوں میں رسولؐ کی محبت گھوم رہی تھی ہر شخص ان کی باتوں کو یاد کر کے حد سے سوا متاثر تھا حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص عمار کی وفات سے دل تنگ نہ ہو اس کو اسلام کا کوئی حصہ نہ ملے گا (یعنی اسکا فرض ہو)

پھر حضرت نے حسب تحریر صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ ۲۴۲/۱ ارشاد فرمایا عمار وہ شخص تھا جس سے میں نے کبھی صحبت رسولؐ کو خالی نہ پایا جب تین آدمی ان کی صحبت میں ہوتے تو چوتھے عمار یاسر تھے اور اسی طرح جب چار آدمیوں کا مجمع ان کی خدمت میں موجود ہوتا تو پانچواں اس بزرگ میں ہوتا تھا۔ وہی مقدس ہے جس کے بہشتی ہونے کی پاک بشارت مخبر صادقؐ نے واضح الفاظ میں فرمائی ہے۔

الجنۃ تشتاق ثلثۃ علی و عمار و سلمہ

بہشت تین بزرگوں کی مشتاق ہے۔ علیؑ عمار اور سلمان کی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا عمار پر صرف ایک مرتبہ بہشت واجب نہیں ہوئی بلکہ بارہا انہوں نے اس کا استحقاق پیدا کیا جنت عدن ان کے لیے مہیا اور گوارا ہو اس لیے کہ وہ ایسی حالت میں قتل ہوئے کہ حق ان کے ساتھ تھا اور وہ حق کے مددگار تھے چنانچہ رسول خدا صلعم نے ان کی شان میں فرمایا۔

"حق عمار کے ساتھ پھرتا رہے گا جس طرف عمار پھریں"

بعد اس کے حضرتؑ نے فرمایا عمار کا قتل کرنے والا اور ان کو برا کہنے والا اور ان کے ہتھیار لوٹنے والا آتش جہنم میں معذب ہوگا پھر حسب تحریر روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۲ تہذیب المتین ص ۱۷۰ جناب عمار یاسر کی لاش اٹھا کر کنار دریا غسل دیا نماز پڑھی اور وہیں دفن کر دیا۔

کتاب کامل بھائی میں قاضی عبدالجبار معتزلی سے منقول ہے کہ انہوں نے کتاب محیط میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمار کے قتل سے قبل کبھی اہل بغاوت کے قتال میں ابتداء نہیں کی تھی لیکن جب چھبیسویں روز عمار شہید ہوئے تو حضرت نے اہل بغاوت پر کفار کا حکم لگا دیا اور ان کے قتل میں ابتدا فرمائی اور ایک شب میں پانچسو تیس آدمیوں کو اپنے دست مبارک سے قتل کیا اور ہر ایک کو قتل کرنے کے بعد تکبیر اس طرح فرماتے تھے جیسا کہ قتل کفار میں قاعدہ ہے۔ اور فرماتے تھے جس کو میری تلوار قتل کرے گی۔ وہ جہنم میں جائیگا۔

عمار یاسر کی شہادت کے بعد عباس صف لشکر معاویہ کے پاس گئے اور حدیث **تقتلك الفئة الباغيه** اس لشکر کو سنائی اور ان کو بغاوت سے خوف دلایا۔

حضرت عمار کے واقعہ سے اہل عراق میں جو پریشانی وافسوس کا اظہار ہو رہا تھا اس سے زیادہ اس واقعہ نے انتشار وشورش برپا کر دی ابن جویر اسکنی اور ابولغادیہ فرازی دونوں قتل عمار میں شریک تھے دونوں انعام کی لالچ میں باہم جھگڑتے ہوئے عمر و عاص کے پاس پہنچے ان میں سے ہر ایک کا دعوٰی تھا کہ میں نے عمار کو قتل کیا عمر عاص نے ان کی تکرار سنی حدیث **تقتلك الفئة الباغيه** نے اسے سرو پا انتشار بنا رکھا تھا آخر دیر کے سکوت کے بعد عمر عاص نے ان سے کہا تم دونوں جہنمی ہو خدا کی قسم میں نے اپنے کانوں سے رسالت مآبؐ کو کہتے سنا ہے کہ عمار کو فرقہ باغی قتل کرے گا۔

سوانح عمری حضرت علیؑ ۵۷۷ باسناد خصائص امام نسائی ابن مسعود رحمۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۴۰ دونوں نے معاویہ کے پاس دعوٰی کی اپیل کی۔ انہوں نے عمرو عاص سے کہا اگر تم ہر شخص کے واسطے یونہی اظہار حق سے کام لیا کرو گے تو ہمارا کام نکل چکا۔ ولایت شامی کی امیدیں منقطع ہو جائیں گی تو امارت مصر کے موہوم خیال کب قائم رہ سکتے ہیں۔ معاویہ نے عمار کے قاتلوں کو سمجھایا کہ فرض کرو یہ حدیث صحیح بھی ہے تو تمہارے سر اسکا الزام نہیں عمار کے قتل کا باعث وہ کہلائے گا جو ان کو اپنے ہمراہ لایا ہو شدہ شدہ اس قول کا چرچا خاص لوگوں میں ہوا عمر و عاص ولید ابن عقبہ عبداللہ بن عمر عاص محمد ابن عمر عاص وغیرہ حدیث **تقتلك الفئة الباغيه** کے خیال میں متفکر تھے معاویہ نے ان کے سامنے وہی بات کہی حاضرین نے تعجب سے دیکھا عبداللہ ابن عمرو عاص نے کہا تیری دلیل کتنی فضول ہے اگر یہ اصول رفع الزام کے لیے قائم کیا گیا تو غزوات رسولؐ میں اہل اسلام کے خون کا الزام کس کے سر جائے گا جو رسولؐ کی رفاقت میں شہید ہوئے اس وقت یہ عذاب معاذ اللہ کس کے سر جائے گا اگر یہ میرا باپ شریک نہ ہوتا اور اس کی اطاعت فرض نہ ہوتی میں تیری

متابعت چھوڑ دیتا۔

علامہ طبری نے یہ مکالمہ عبداللہ ابن عمر خطاب کے متعلق لکھا ہے مگر اس کا ثبوت دشوار ہے صفین میں ان کا کسی طرف ہونا ثابت نہیں اگر یہ کہا جائے کہ اس سے عبداللہ ابن عمر سے مراد ہے تو وہ قتل عمار سے قبل مارے جا چکے تھے۔ یہ البتہ ممکن ہے کہ بعد معاملہ صفین عبداللہ بن عمر نے واقعات سن کر اس کے جواب میں یہ رائے قائم کی ہو صاحب روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۴۰ پر طبری کے قول پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض تاریخیں یہ کہہ رہی ہیں کہ جب قتل عمار کی نسبت معاویہ کا دعویٰ جناب امیرؑ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کے خاموش کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

بنی امیہ کے موید مورخین بھی جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو ان کے ہاتھوں سے بھی قلم چھوٹ جاتا ہے اور وہ امر حق کی ترجیح پر مجبور ہو جاتے ہیں حدیث **تقتلک الفئۃ الباغیہ** نے معاویہ کا جما جمایا طلسم توڑ دیا اس حدیث نے زمانہ کی نگاہوں میں اہل شام کی بغاوت کو ثابت کر دیا یہ حدیث متواترات میں ہے اور صحیحین میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے امام ابوالمعالی کتاب ارشاد میں لکھتے ہیں۔

حدیث تقتلک الفئۃ الباغیہ ھو من اثبت الاخبار حدیث تقتلک الفئۃ الباغیہ نہایت ثابت شدہ احادیث میں ہے۔

امام عبدالبر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ متواتر حدیثیں جناب رسولؐ خدا سے مروی ہیں کہ حضرت نے فرمایا عمار کو باغیوں کا گروہ قتل کرے گا اور یہ حضرتؐ کی پیشین گوئیوں میں ایک پیشین گوئی جس کا اعلام نبوت میں شمار ہے اور نہایت صحیح احادیث میں ہے۔

علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں:

ان کے قاتلوں میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں۔ ابوالعماد یہ ملزنی نے قتل کیا تھا اور بعض کا قول ہے کہ جہنی نے انہیں نیزہ مارا تھا جب وہ مر گئے تو ایک دوسرے شخص نے ان پر چڑھ کر ان کا سر کاٹ لیا پس وہ دونوں لڑتے ہوئے آئے ہر ایک ان میں یہ کہتا تھا کہ میں نے عمار کو قتل کیا عمرو عاص کہنے لگا واللہ یہ دونوں نہیں جھگڑتے مگر دوزخ میں گرنے کے لیے ہیں واللہ اگر میں برس پہلے مر گیا ہوتا تو اچھا تھا اس مضمون کو علامہ ابوالفدا نے تاریخ کامل میں بھی تحریر فرمایا ہے ۔ تاریخ ابوالفدا جلد ۳ ص ۲۴۶۔

علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی مرتۃ الصحابہ میں لکھا ہے **وظھر یقتل عمار ان الصواب کان مع علی** عمار کے قتل سے ظاہر ہو گیا کہ حق علیؑ کی جانب تھا۔

المرتضیٰ صفحہ ۱۱۴

ابن طلحہ الشافعی نے مطالب السول میں اس حدیث کی تصدیق کی نسبت دلچسپ اور قوی رائے تحریر فرمائی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔

اکثر یہ بات کہی جاتی ہے کہ معاویہ آنحضرتؐ کے کاتب اور مسلمانوں کے ماموں تھے تم ان پر اور ان کے تابعین پر علی علیہ السلام کے جنگ کرانے میں کس طرح بغاوت کا حکم لگاتے ہو کہ وہ اس اپنے فعل میں راہ صواب سے بھٹکے ہوئے اور قصداً بغاوت کے مرتکب اور خدا کی اطاعت سے خارج ہوجانے والوں کے گروہ میں داخل ہونے والے تھے میں کہتا ہوں کہ میں نے ان کی بغاوت کے وصف اور اس کے لوزامات کے حکم بناوٹ اور جھوٹ اپنی طرف سے گڑھ کر نہیں بلکہ بہ حکم نقل اور اتباع کے کیا ہے جس کو محدثین میں سے مشہور ائمہ نے اپنے صحیح مسندوں میں متعدد حدیثوں کے درمیان روایت کیا ہے اور ہر ایک ان میں سے اپنی حدیث کی سند کو آنحضرتؐ تک پہنچاتا ہے کہ حضورؐ سے فرمایا تھا تجھے باغیوں کا گروہ قتل کرے گا یہ ایسی حدیثیں ہیں کہ جن کے اسناد میں کسی قسم کا خلل واقعہ نہیں ہے اور ان حدیثوں متنو ن (جمع متن) میں کسی قسم کا اضطراب نہیں ہے۔ بس ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ نے عمار کے قاتلوں کے گروہ کو وصف باغی ہونیکے ساتھ قرار دیا ہے اور بغی کا وصف لازم ہے اور باغی کے معنی ظلم اور کثرت فساد کے ہیں۔ پس جو شخص باغی ہوا وہ ظالم و جابر اور عدل سے تجاوز کرنے والا ہے اور خدائی اطاعت سے خارج ہونے والا ہے پس عمار کے قتل کرنیوالا کا گروہ آنحضرتؐ کے فرمانے کے مطابق انہیں صفات کیساتھ موصوف ٹھہرا سوانحعمری علی علیہ السلام صفحہ ۷۷۔

بخاری مسلم ترمذی صفحہ ۲۲۱ سطر ۶ جامع صغیر اور حاشیہ تفسیر لباری شرح بخاری نواب وحید الزماں صاحب۔

ویح یا عمار تقتلک الفئة الباغیه تدعوهم الی الجنة ویدعونک الی النار۔

اے عمار تجھ کو فرقہ باغی قتل کرے گا جبکہ تو بہشت کی طرف بلاتا ہوگا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف اسد الغابہ میں ہے عمار ایسا ایماندار ہے کہ اس کا ہر استخوان مغز ایمان سے ٹھوس بنایا گیا ہے۔

حیات القلوب "العمار جلدة بین عینی" عمار میری آنکھوں کے درمیان کا پردہ ہے۔ نیز یہ بھی حدیث رسولؐ ہے یدور الحق مع عمار حیثما دار حق اسی طرف پھرتا ہے جس طرف عمار گردش کرتے ہیں۔

جامع صغیر سیوطی میں ہے بہشت بہت مشتاق ہے علی اور عمار و سلمان و مقداد کی طرف۔

ابن بابویہ نے بسند معتبر گریزہ ابن صالح سے روایت کی ہے کہ ابوذر نے کہا شہادت دیتا ہوں میں کہ علیؑ خدا کے ولی ہیں گریزہ نے کہا۔ یہی شہادت آنحضرتؐ کے لئے سلمان فارسی مقداد عمار و جابر ابن عبداللہ انصاری و ابوالہیثم بن التیہان وخزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین وابوایوب صاحب خانہ رسولؐ خدا و ہاشم ابن عقبہ نے دی ہے ابوذر نے کہا کہ سب افاضل اصحاب رسولؐ میں تھے۔

نیز ابن بابویہ بسند معتبر لکھتے ہیں کہ حضرت امیرؑ سے عمار کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ عمار ایک مومن تھا جس کا مغز استخواں ایمان سے بھرا ہوا تھا جو کلام بھولا ہوتا تھا جب یاد کرا دیا جاتا تھا جلد یاد کر لیتے تھے۔

حبہ عربی راوی ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ دو شخص باہم مخاصمہ کر رہے ہیں ہر ایک کہتا تھا کہ میں نے عمار کو قتل کیا عبداللہ بن عمر نے کہا یہ دونوں مخاصمہ کر رہے ہیں اس امر میں کہ کون جلد جہنم میں جائے گا۔ پھر کہا میں نے سنا رسولؐ خدا نے فرمایا کہ عمار کا قتل کرنے والا اور ان کے لباس اسلحہ کا لینے والا جہنم میں ہے۔

نیز روایت ہے کہ جب عمار شہید ہو گئے لوگ حذیفہ کے پاس آئے کہ یہ شخص قتل ہو گیا ہے اور لوگوں میں اختلاف ہے ان کے قتل ہونے میں کہ وہ حق پر قتل ہوئے یا ناحق آپ کا کیا ارشاد ہے حذیفہ نے کہا مجھے بیٹھا دو ایک شخص نے انہیں اٹھایا اور اپنے سینہ پر ان کو تکیہ دیا۔ حذیفہ نے کہا میں نے رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ آنحضرتؐ نے سو مرتبہ فرمایا ابوالیقظان فطرت اسلام پر ہے اور وہ فطرت اسلام کو ترک نہ کرے گا یہاں تک کہ مر جائے۔

جناب عائشہ سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا اختیار نہیں کرتے عمار وہ کاموں سے مگر اس کام کو جوان پر دشوار تر ہو۔

کنز العمال میں ہے کہ آیت مودت کی شرط وفانہ کی مگر سات اشخاص نے سلمان ابوذر عمار، مقداد ابن سودہ جابر ابن عبداللہ انصاری اور آزاد کردہ رسولؐ خدا کہ ان کو بہشت کہتے ہیں اور زید ابن ارقم۔

علی ابن ابراہیم نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ایہ ان الذین امنو وعملو الصلحت کانت لھم جنات الفردوس نزلا ابوذر مقداد سلمان وعمار کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ و امام رضاؑ سے روایت ہے کہ ان مومنوں کی ولایت و محبت واجب ہے جنہوں نے بعد وفات پیغمبرؐ دین میں تبدیلی اور خلیفہ خدا میں تغیر نہیں کیا سلمان ابوذر، مقداد، عمار، جابر، حذیفہ، ابوالہیثم، سہیل ابن حنیف، ابوایوب انصاری، عبداللہ بن صامت، خزیمہ ذوالشہادتین، ابوسعید خدری اور جس نے ان کا طریقہ اختیار کیا ہے اور ان کے کردار کو نمونہ عمل بنایا ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ زمین سات اشخاص کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ ان کے سبب سے روزی اہل زمین کو ملتی ہے اور انہیں کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہیں کے سبب سے یاری کی جاتی ہے۔ وہ سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، حذیفہ اور عبداللہ ابن مسعود ہیں۔ پس حضرت نے فرمایا۔ میں ان کا امام و پیشوا ہوں۔ اور انہیں لوگوں نے نماز فاطمہ زہراؑ میں شرکت کی۔

نیز بسند معتبر امام رضاؑ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ مقبول نے فرمایا عمار حق پر ہوگا جس وقت کہ قتل ہوگا

درمیان دو لشکر کے ان میں سے ایک میرے راستہ اور سنت پر ہوگا اور دوسرا دین سے خارج۔

کتاب احتجاج میں امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ جب رسولؐ مقبول نے وفات پائی اور میں نے رسولؐ کو غسل دیا اور دفن کیا میں قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوا۔ جب اس سے فارغ ہوا تو فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کا ہاتھ پکڑا اور تمام اہل بدر اور ان لوگوں کے گھروں پر گیا جنہوں نے دین میں سبقت کی تھی اور انہیں اپنے حق کی قسم دی اور ان سے مدد چاہی۔ کسی نے ان میں سے لبیک نہ کہا مگر چار اشخاص' سلمان' ابوذرؓ مقداد اور عمار نے۔

اصبغ ابن نباتہ نے روایت کی ہے کہ عبداللہ ابن کوا نے امیر المومنین سے اصحاب کے بارہ میں پوچھا۔ آپ نے ہر ایک کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا عمار کے بارے میں جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ مرد تھا جس پر خدا نے آتش جہنم کو حرام قرار دیا ہے اور جہنم اس کے گوشت وخون کو چھو نہیں سکتی۔

ایضاً بسند معتبر مروی ہے کہ ایک گروہ امام رضاؑ کے دردولت پر حاضر ہوا۔ اور کہا کہ ہم شیعیان امیر المومنینؑ سے ہیں حضرت نے عرصے تک ان کو منع کیا داخلہ کی اجازت نہ دی۔ جب انہیں اجازت دی۔ انہوں نے شکایت کی تو حضرتؑ نے فرمایا کیونکر تم کو اجازت دیتا کہ تم غلط دعوے کرتے تھے کہ ہم شیعیان امیر المومنینؑ سے ہیں اور آنحضرت کا شیعہ نہیں تھا کوئی مگر حسنؑ و حسینؑ سلمان و ابوذر مقداد عمار و محمد ابن ابی بکر جنہوں نے مخالفت نہ کی ان امر سے جس کا انہیں حکم دیا گیا۔

تفسیر امام حسن عسکریؑ میں مرقوم ہے کہ ایک روز صبح کے وقت رسولؐ خدا نے اصحاب سے پوچھا کہ تم میں سے کسی نے اپنے عزت مرتبہ سے اپنے بردار مومن کی مدد کی جناب امیرؑ نے فرمایا۔ میں نے حضرت سے پوچھا کیونکر جناب امیرؑ نے فرمایا میں عمار یاسر کے پاس سے گزرا ایک یہودی ان سے لپٹا ہوا تھا اور قرض ادا کرنے پر مصر تھا عمار نے مجھے دیکھ کر کہا اے برادر رسولؐ خدا یہ یہودی آپ کی محبت کی وجہ سے مجھے اذیت پہنچارہا ہے اور مجھے ذلیل کرنا چاہتا ہے مجھے اس کے ہاتھ سے نجات دلوایئے اپنے جاہ وعزت کے صدقہ میں جب میں نے چاہا کہ اس یہودی سے عمار کے بارے میں کلام کروں عمار نے کہا اے برادر رسولؐ خدا میں تمہیں دیدہ دل سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اس سے کہ آپ اس کافر سے شفاعت کریں میری شفاعت اس ذات سے کیجئے جو آپ کی حاجت رد نہیں کرتا اور اس سے ادائی قرض کے لیے شفاعت کیجئے میں نے دعا کی۔ خداوند جو آرزو عمار کی ہے پورا کر بعد دعا کے میں نے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ اور جو کچھ از قسم پتھر اور ڈھیلہ وغیرہ مل جائے اپنے سامنے لاتا کہ تمہارے لیے طلا رخالص ہو جائے۔ پس عمار نے ہاتھ بڑھایا اور ایک پتھر اٹھایا جس کا وزن کئی من تھا۔ وہ بقدرت حق تعالیٰ طلاء خالص بن گیا عمار نے یہودی سے پوچھا تیرا کتنا قرضہ ہے۔ یہودی نے کہا تیس درہم عمار نے پوچھا قیمت اس کی کتنی ہے یہودی نے کہا تین دینار عمار نے اس وقت دعا کی خداوندا جس شخص کے

طفیل میں تو نے پتھر کو طلاء خالص بنادیا تجھے اسی کی قسم ہے اس طلاء کو نرم کردے تا کہ میں یہودی کے حق کے برابر توڑ سکوں قدرت خدا سے وہ طلاء نرم ہو گیا عمار نے آسانی سے تین مثقال اس میں سے توڑ لیا اور یہودی کو دیدیا پس عمار نے باقی سونے کی طرف نظر کی اور کہا خداوندا میں نے سنا ہے کہ تو نے فرمایا ہے کہ قرآن میں کہ ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ یعنی بدرستیکہ آدمی طاغی ہو جاتا ہے اس سببؔ سے کہ وہ خود کو بے نیاز پاتا ہے اور میں بے نیازی کو نہیں چاہتا جو میرے طغیان کا سبب ہے پس خداوندا اس طلاء خالص کو اس ذات کے صدقہ میں جس کے صدقہ میں اسے طلاء بنایا پتھر بنادے عمار نے اسے پھینک دیا اور کہا میرے لیے دنیا و آخرت میں یہی کافی ہے کہ اے برادر رسولؐ خدا تیرا دوست وشیعہ رہوں جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا ملائکۂ ہفت آسمان نے اس کے قول پر تعجب کیا اور درگاہ خدا میں عمار کی مدح وثناء کی اور صلوات رحمت الٰہی عرش ان پر نازل کی۔

رسولؐ نے کہا بشارت ہوا ے ابوالیقظان کہ تو علیؑ کے ساتھ دیانت میں ان کا بھائی ہے ان کے دوستداروں میں سے نیکوں میں سے ہے ان لوگوں میں سے جو علیؑ کی محبت میں قتل ہوگا تجھے گروہ باغی قتل کرے گا اور آخری غذا تیری ایک صماع دودھ ہوگا اور تو دودھ پینے کے بعد انتقال کر جائے گا اور روح تیری ارواح محمدؐ آل محمدؐ کے ساتھ جو نیکوترین مخلوق میں ہوگی اور تو ہمارے نیک شیعوں میں سے ہے۔

نیز اس تفسیر میں منقول ہے کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو سختیاں اٹھانی پڑیں اور وہ مصائب جھیل کر مدینہ واپس آ گئے ایک گروہ یہودیوں کا حذیفہ اور عمار کے پاس آیا اور کہا تم لوگوں نے نہیں دیکھا جو احد میں ہوا محمدؐ کی جنگ بادشاہوں کی طرح سے جو کبھی غالب ہوتے اور کبھی مغلوب اگر پیغمبرؐ ہوتے ہمیشہ غالب ہوتے پس ان کے دین سے پھر جاؤ حذیفہ نے کہا خدا کی تم پر لعنت ہو میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا اور بات نہیں کر سکتا اور تمہاری بات نہیں سن سکتا اور تم سے اپنی جان و دین سے ڈرتا ہوں' اس لیے بھگار ہا ہوں' وہ سامنے سے اٹھ کر بھاگ گئے۔عمار نے جواب دیا رسولؐ نے اپنے اصحاب سے وعدہ نصرت وظفر کیا بدر میں اس شرط پر کہ وہ صبر کریں انہوں نے شرط صبر وفا کی اور فتحیاب ہوئے احد میں بھی بشرط صبر وعدہ نصرت رسولؐ نے کیا مگر انہوں نے صبر نہیں کیا اس وجہ سے ایسا ہوا جب انہوں نے دیکھا۔اگر وہ اطاعت کرتے ضرور فتحیاب ہوتے۔یہودیوں نے کہا اے عمار اگر تم اطاعت کرتے اس پتلے پاؤں سے بزرگان قریش پر فتح پاتے عمار نے کہا بیشک قسم ہے اس خدا کی جس نے رسولؐ کو حق پر مبعوث کیا ہے کہ محمدؐ نے ہمیں فضل وحکمت کی معرفت کرادی ہے اور اپنے وصی کی فضلیت سمجھادی ہے اور اپنے اہل بیتؑ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور ہمیں بتایا کہ اگر اعتقاد کامل کے ساتھ دعا کرو گے البتہ وہ کام پورا ہوگا حتیٰ کہ زمین کو آسمان پر پہنچادیں ضرور اللہ ہمیں اس کی قوت دے گا یہودیوں نے کہا تمہارا مرتبہ نزد محمدؐ پست تر ہے اس دعوے سے ان میں چالیس منافق بھی تھے عمار وہاں سے اٹھ کر

رسالت م آبؐ کے پاس آئے۔ حضرتؐ نے فرمایا حذیفہ حفظ دین کے لئے بھاگے شیطان سے اور بندگان شائستہ سے ہے لیکن تم نے اے عمار مجادلہ کیا اور میری خیر خواہی کی تو بہترین جہاد کرنے والا ہے۔ ناگاہ یہودی آئے اور عمار کے دعوے کے متعلق بیان کیا اور کہا کہ اگر سچے نبی ہیں تو عمار سے کہیے کہ وہ اپنی پتلی ٹانگوں کے ساتھ یہ پتھر زمین سے اٹھالیں آنحضرتؐ اس وقت بیرون مدینہ تھے اور ایک پتھر اتنا وزنی تھا جیسے ۲۰ آدمی ہلا نہ سکتے تھے۔ حضرتؐ نے عمار کو حکم دیا کہ میری اطاعت کرو اور خدا سے دعا کرو یہ مجھے قوت عطا فرمائے اور اس مشکل کو آسان کردے جس طرح کا لب بن یوحنا پر تونے مشکل آسان کی تھی عمار نے صدق دل سے یہ کلمات کہے اور وہ پتھر اٹھالیا اور بقسم کہا کہ یہ پتھر سبک تر ہے پیغمبرؐ نے حکم دیا۔ عمار نے اس پتھر کو ہوا میں پھینکا جو بقدرت خدا اس پہاڑ کی چوٹی پر جو ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا عمار کے ہاتھ کی قوت سے پہنچ گیا۔

رسالت م آبؐ نے یہودیوں سے کہا دیکھا تم نے عمار کی قوت پھر حضرتؐ نے عمار سے کہا اس پہاڑ کی چوٹی پر جاؤ اس پر ایک عظیم پتھر ہے جو اس پتھر سے کئی گنا وزنی ہے اسے اٹھالاؤ۔ عمار گئے اور وہ پتھر بغل میں دبا کر پیغمبرؐ کے پاس لائے حضرتؐ نے زمین پر اس پتھر کو پھینکنے کا حکم دیا یہودی ڈرے اور بھاگے۔ عمار نے اسے پٹک دیا۔ ریزہ ریزہ ہوگیا پس بعض ایمان لائے۔

جب ابوجہل نے عمار پر سختی کی اللہ نے اس کی انگوٹھی کو اتنا تنگ کردیا کہ وہ زمین میں گر پڑا اور پیراہن کو اس پر اتنا گراں کردیا جو آہنی زرہ سے زیادہ وزنی ہوگیا۔

ابوجہل نے عمار سے رہا کرنے کو کہا عمار نے انگوٹھی اتاردی اور پیراہن جدا کردیا۔

ابوجہل نے کہا مکہ سے باہر چلے جاؤ تاکہ محمدؐ پر عیاں نہ کرو کہ میں نے انگوٹھی اور پیراہن اتارا۔

عمار مدینہ آئے۔ اصحاب نے کہا کیا سبب ہے کہ تونے بامعجزہ نجات پائی اور تیرے والدین شہید ہوگئے۔

عمار نے کہا یہ اللہ کی مرضی ہے کہ اس نے ابراہیم کو آگ سے نجات دی۔ اور یحیٰی و ذکریا قتل ہوگئے۔ رسالت م آبؐ نے کہا عمار تو بزرگ اور دانایوں میں ہے۔

روضۃ الواعظین میں امام موسیٰ جعفرؑ سے مروی ہے کہ بروز قیامت ایک منادی ندا کرے گا۔

کہاں ہیں حواریان محمدؐ جنھوں نے عہد نہیں توڑا اور اپنے عہد پر باقی رہے۔ پس اٹھے عمرو بن حمق خزاعی میثم تمار۔ محمد بن ابی بکر۔ اویس قرنی۔

راوی نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا عمار کے بارے میں کیا حکم ہے۔

حضرتؐ نے فرمایا۔ خدا رحمت نازل کرے عمار نے قتال کیا خدمت جناب امیرؑ میں اور شہید ہوئے۔

راوی نے پوچھا اس سے عظیم منزلت نہ ہوگی۔

حضرت متوجہ ہوئے اور فرمایا تم خیال کرتے ہو وہ مثل تین نفر سلمان ابوذر ومقداد کے ہوسکتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ عمار کیا جانتے تھے کہ اس روز شہید ہوں گے۔ حضرتؑ نے کہا جب اس روز آتش حرب مشتعل ہوئی اور کشتہ زیادہ ہوئے عمار صف جنگ سے علیحدہ ہوئے اور خدمت جناب امیرؑ میں آئے اور کہا یا علیؑ میرے مرنے کا وقت آ گیا ہے۔ حضرتؑ نے صف میں واپس ہونے کا حکم دیا اس نے تین بار سوال کیا حضرتؑ نے وہی جواب دیا۔ آخر میں حضرتؑ نے فرمایا ہاں پس مردانہ وار صف میں واپس ہوئے۔ اور یقین کے ساتھ مصروف جنگ ہوئے اور کہا آج محمدؐ اور ان کے دوستوں سے ملاقات کروں گا۔

رسالت مآبؐ نے فرمایا بہشت تین آدمیوں کی مشتاق ہے اے علیؑ تیری۔ سلمان اور عمار کی جو جنگوں میں تمہارے ساتھ رہے گا اور مشہد میں اس سے نیکی ظاہر ہوگی اور اس کا نور عظیم اور اجر بزرگ۔

اختصاص میں عیسیٰ ابن حمزہ سے روایت ہے کہ انہوں نے صادق آل محمدؐ سے پوچھا کہ وہ چار شخص کون ہیں جن کی مشتاق جنت ہے حضرتؑ نے کہا سلمان۔ ابوذر۔ مقداد۔ عمار راوی نے پوچھا۔ ان میں سے کون بہتر ہے۔

حضرتؑ نے کہا۔ سلمان پھر ان کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا۔

جابر بن عبداللہ انصاری نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا۔ مختلف اصحاب کے بارے میں جب عمار کے متعلق پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا۔ وہ ہم سے ہے۔ خدا دشمن رکھے جو اسے دشمن رکھے اور دوست رکھے اسے جو اسے دوست رکھے۔

کتاب بشارۃ المصطفیٰ میں مرقوم ہے کہ ایک دن جناب رسالت مآبؐ بعد نماز عصر محراب میں بیٹھے تھے اصحاب کا ہجوم تھا ناگاہ ایک مرد عرب بوسیدہ لباس پریشان صورت حاضر ہوا شدت مرض سے جسم میں رعشہ تھا۔ حضرتؑ نے حال پوچھا اس نے عرض کیا یا حضرتؐ بھوکا ہوں کھانا عطا فرمایئے۔ برہنہ ہوں کپڑا مرحمت فرمایئے۔ فقیر ہوں غنی کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خیر کا راستہ دکھانیوالا خیر کرنے والے کے مثل ہے تو فاطمہؑ کے گھر جا وہاں مراد برآئے گی۔ یہ فرما کر بلال کے ساتھ اسے خانہ سیدہؑ پر بھیج دیا۔ باب فاطمہؑ پر اس نے سلام کیا۔ جواب سلام ملا۔ اعرابی نے اپنا ماجرا کہہ سنایا۔ سیدہ کے گھر میں تیسرا فاقہ تھا پوست گوسفند جس پر ان کا اونٹ کھاتا اور رات کو حسنینؑ سوتے تھے اسے عطا کیا سائل نے کہا میں بھوکا ہوں آپ پوست گوسفند عطا فرماتی ہیں۔ یہ سن کر سیدہ عالیہ نے گلوئے اقدس سے گلوبند اتار کر سائل کو دیدیا۔ سائل لے کر مسجد رسول پر آیا۔ اور کہا مخدومہ عالم نے خادم کو یہ گلوبند بیچنے کو دیا ہے۔ عمار نے اجازت طلب کی حضرت نے فرمایا خرید لو اگر تمام جن وانس بھی اس کی خریداری کریں تو سیدہ کی برکت سے نجات پائیں عذاب الٰہی سے۔

عمار نے قیمت پوچھی اعرابی نے کہا اس قدر گوشت جس سے میں سیر ہو جاؤں۔ ایک لمبی چادر جس سے بستر کرسکوں اور دینار طلاء جوزاد راہ میں کام آئے عمار یاسر نے کہا اس کے عوض میں دینار طلاء دوسو درہم ہجری ایک لمبی چادر اور اس قدر گوشت روٹی کہ تو سیر ہو جائے اور ایک اونٹ اور پنیر پر رضامند ہوں۔ عمار نے گلو بند لے لیا اور قیمت ادا کردی اعرابی نے دعا دی پیغمبرؐ نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی فضلیت اصحاب سے بیان کی اور زیارت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا فضل بیان فرمایا۔

الحاصل عمار نے اس گلوبند کو مشک سے معطر کیا لمبی چادر میں لپیٹ کر حصہ غنیمت میں سے ایک مقدار کے ساتھ اپنے غلام میثم کو دیا اور کہا اسے خدمت نبویؐ میں لے جا میں نے تجھے بھی حضرتؐ ہی کو دیا غلام نے خدمت رسالتؐ میں آ کر عرض حال کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا تو فاطمہؑ کے پاس جا یہ گلوبند فاطمہؑ کو دیدے میں نے تجھے بھی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بخشا۔ معصومہ عالم نے گلو بند لے لیا اور میثم کو آزاد کر دیا۔

جناب رشید ہجری

آپ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب سے تھے اور حضرتؑ نے آپ کا نام رشید البلایا رکھا تھا۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کو دشمنان دین حضرت علیؑ کی محبت کی وجہ سے سخت ترین ظلم وتشدد سے قتل کریں گے۔ آپ اس مصیبت میں صبر کا جوہر دکھائیں گے اور اپنے رشد کو محبت وریاضت میں ظاہر کریں گے۔ حضرتؑ نے ان کو علم منایا وعلم بلایا (لوگوں کی موتوں اور مصیبتوں کا علم) بھی تعلیم فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کو یہ ملکہ ہو گیا تھا کہ جس شخص کے بارے میں چاہتے بتا دیتے کہ فلاں مقام میں اور فلاں روز تم مرو گے اور ویسا ہی ہوتا تھا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے ان کو مطلع کر دیا تھا کہ ابن زیاد ان پر دباؤ ڈالے گا کہ حضرتؑ سے تبراء کریں اور جب وہ اس بے دینی کی حرکت سے انکار کریں گے تو وہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ ڈالے گا چنانچہ حضرتؑ نے ان سے فرمایا اے رشید اس وقت تم کیسا اعلیٰ درجہ کا صبر کرو گے جس وقت بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تم کو بلائے گا اور تمہارے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور تمہاری زبان کاٹ ڈالے گا۔ رشید نے پوچھا کیوں حضرتؑ اس کے بعد تو میں بہشت ہی میں جاؤں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا تم دنیا میں بھی میرے ساتھ رہے اور آخرت میں بھی ضرور میرے ساتھ رہو گے۔ حضرتؑ کو یہ فرمائے ہوئے کچھ ہی مدت گزری تھی کہ ابن زیاد نے رشید کو بلا بھیجا اور کہا علیؑ سے تبرا کرو۔ انہوں نے اس سے انکار کیا۔ تب اس نے پوچھا اچھا

بتاؤ علیؑ نے تمہارے بارے میں کیا پیشن گوئی کی تھی کہ تم کس طرح مرو گے۔ انہوں نے جواب دیا میرے آقا و مولا حضرت امیر المومنینؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ تو مجھے بلا کر حضرتؑ سے تبراء کرنے کو کہے گا مگر میں ایسا نہیں کروں گا تو مجھے آگے بلا کر میرے ہاتھ۔ پاؤں اور زبان کو کاٹ ڈالے گا۔ ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم میں علیؑ کی بات کو جھٹلا دوں گا (یعنی زبان نہیں کاٹوں گا) غرض اس کے حکم سے لوگوں نے ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر زبان چھوڑ دی اور ان کو وہاں سے نکال دیا۔ جب آپ قصر سے باہر نکل آئے تو لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اس وقت آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ میرے پاس کچھ کاغذ اور قلم دوات لاؤ میں تمہارے لیے کل وہ باتیں لکھ دوں جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ غرض رشید ہجری نے واقعات لکھوائے اور حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل ومناقب بیان کرنا شروع کئے۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ رشید ہجری اب اطمینان سے حضرت علیؑ کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو ان کی طرف جذب کرنے لگے تو اس نے حجام کو بھیجا کہ جا کر ان کی زبان کاٹ دے۔ اس طرح حضرت امیر المومنینؑ نے جو جو فرمایا تھا بالکل ویسا ہی ہوا۔ جناب رشید ہجری کی معرفت اور ایمان علی اللہ والرسولؐ والائمہؑ کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضرتؑ اپنے اصحاب کے ساتھ برنی باغ کی طرف تشریف لے گئے اور کھجور کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر فرمایا کہ اس کو جھاڑ کر اس کی کھجوریں چنو۔ چنانچہ اس سے کھجوریں گرائی اور حضرتؑ کے پاس لائی گئیں۔ حضرتؑ نے وہ سب ان لوگوں کے سامنے رکھ دیں۔ رشید ہجری نے کہا یا حضرتؑ یہ کیسی اچھی کھجوریں ہیں۔ اس وقت حضرتؑ نے فرمایا اے رشید تم اسی درخت کی شاخ پر سولی دیئے جاؤ گے۔ رشید کو اس درخت سے محبت ہوگئی وہ بیان کرتے تھے کہ میں اس وقت سے برابر اس درخت کے پاس آیا کرتا اور صبح و شام اس کو سینچتا رہتا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت امیر المومنینؑ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد میں ایک روز اس درخت کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی شاخیں کاٹ دی گئی ہیں۔ تب میں نے کہا اب میرے انتقال کا وقت قریب ہوگیا۔ پھر ایک روز میں آیا تو ابن زیاد کا پیادہ میرے پاس پہنچا اور کہا امیر تم کو بلاتے ہیں فوراً چلو میں وہاں گیا جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اس درخت کی وہ لکڑی لٹک رہی ہے۔ پھر دوسرے دن بھی میں آیا تو دیکھا کہ اس کا دوسرا نصف حصہ کنویں کا زرنوق بنا دیا گیا ہے جس پر لوگ پانی کھینچتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا میرے آقا اور مولا کی بات غلط نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد پھر وہی پیادہ میرے پاس آیا اور کہا چلو امیر تم کو بلاتے ہیں۔ میں گیا اور جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ لکڑی لٹک رہی ہے اور اس میں وہ زرنوق بھی لگا ہوا ہے میں اس کے پاس گیا اور زرنوق کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگا کر کہا کہ میں تیرے ہی لیے غذا پاتا ہوں اور تو میرے ہی لیے پیدا ہوئی ہے پھر میں ابن زیاد کے پاس پہنچایا گیا۔ تو اس نے کہا اپنے امام حضرت علیؑ کی جھوٹی خبریں مجھ سے بیان کرو میں نے کہا خدا کی قسم نہ میں جھوٹا ہوں نہ میرے آقا و مولا ایسے تھے۔ حضرتؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ تو میرے دونوں ہاتھ، پاؤں اور

زبان کاٹ دے گا۔ ابن زیاد نے کہا دیکھو خدا کی قسم میں ان کی بات جھوٹی کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو حکم دیا اور میرے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ لوگوں نے جناب رشید ہجری کو وہاں سے باہر کر دیا جب ان کی بیٹی اور دوسرے اعزاء ان کو اٹھا کر مکان پر لے گئے تو وہ لوگوں سے عجیب و غریب باتیں بیان کرنے لگے (جو حضرت امیر المومنینؑ سے سنی تھیں)۔ وہ ان سب سے یہ بھی کہتے تھے کہ اے لوگوں جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے جلد پوچھ لو کہ ابھی یہ لوگ مجھ پر ایک اور ظلم کریں گے۔ اس وقت تم کو مجھ سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ حالات دیکھ کر ایک شخص ابن زیادہ کے پاس گیا اور کہا اے امیر آپ نے کیا کیا؟ رشید ہجری کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور زبان چھوڑ دی!!! اسی زبان سے وہ لوگوں سے عجیب و غریب باتیں بیان کرتے اور حضرت علیؑ کی طرف لوگوں کے دلوں کو کھینچ رہے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اچھا انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ جب آئے تو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کے علاوہ اب زبان بھی کاٹ دی جائے۔ چنانچہ زبان کاٹ دی گئی اور پھر وہ سولی دے دیئے گئے (رجال کشی ص ۵۲) اس طرح حضرت امیر المومنینؑ کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔

رشید ہجری مستمکین حبل اللہ المتین اور امیر المومنینؑ کے مخصوص صحابہ میں سے تھے۔ علامہ مجلسی نے جلاء میں فرمایا ہے کہ شیخ کشی نے سند معتبر کے ساتھ روایت کی ہے کہ ایک دن میثم تمار جو کہ جناب امیر المومنینؑ کے بزرگ اصحاب میں سے تھے صاحب اسرار تھے۔ بنی اسد کی ایک مجلس کے قریب سے گزرے۔ اچانک حبیب بن مظاہر جو شہداء کربلا میں سے ایک تھے۔ ان کے قریب پہنچ کر رک گئے اور ایک دوسرے سے کافی باتیں کرتے رہے۔ حبیب بن مظاہر نے کہا میں ایک بوڑھے شخص کو دیکھ رہا ہوں کہ جس کے سر کے اگلے حصہ میں بال نہیں ہیں۔ اس کا پیٹ بڑا اور وہ خربوزے اور خرمے بیچتا ہے اسے گرفتار کریں گے اور محبت اہل بیتؑ رسالت کی وجہ سے سولی پر لٹکائیں گے اور سولی پر ہی اس کا پیٹ چاک کریں گے۔ اس سے ان کا مقصد میثم تھے۔ میثم نے کہا میں بھی ایک شخص کو جانتا ہوں جس کا چہرہ سرخ ہے اور اس کی دو زلفیں ہیں۔ وہ فرزند رسولؐ کی نصرت کے لیے جائے گا اور اس کو قتل کر دیں گے۔ اور اس کا سر کوفہ کے گرد پھرایا جائے گا۔ اور میثم کا مقصد اس سے حبیب بن مظاہر تھے۔ یہ کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اہل مجلس نے جب ان کی باتیں سنیں تو کہنے لگے کہ ہم نے ان دونوں سے زیادہ جھوٹا آدمی نہیں دیکھا۔ ابھی اہل مجلس نے مجلس برخاست نہیں کی تھی کہ رشید ہجری جو محرم اسرار امیر المومنینؑ میں سے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی تلاش میں وہاں آ پہنچے اور اہل مجلس سے ان کے متعلق سوال کیا وہ کہنے لگے کہ کچھ دیر انہوں نے یہاں توقف کیا تھا اور چلے گئے اور یہ باتیں انہوں نے کی تھیں رشید کہنے لگے خدا رحم کرے میثم پر وہ یہ کہنا بھول گئے کہ جو شخص ان کا سر لے کر آئے گا۔ اس کو باقیوں کی نسبت ایک سو درہم زیادہ انعام ملے گا۔ جب رشید چلے گئے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو ان دونوں سے بھی

زیادہ جھوٹا ہے پس تھوڑے عرصہ کے بعد انہیں لوگوں نے دیکھا کہ میثم کو عمرو بن حریث کے گھر کے دروازہ کے قریب سولی پر لٹکا یا گیا اور حبیب بن مظاہر امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے اور ان کا سر کوفہ کے گرد پھرایا گیا۔

نیز شیخ کشی نے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت امیر المومنینؑ اپنے اصحاب کے ساتھ نخلستان میں آئے اور کھجور کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ اس درخت کے خرمے اتارے جائیں اور آپ نے وہ خرمے اپنے صحابہ کے ساتھ تناول فرمائے۔ پس رشید ہجری نے عرض کیا اے امیر المومنینؑ یہ خرمے کتنے اچھے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے رشید تجھے اس درخت کی لکڑی کے ساتھ سولی پر لٹکایا جائے گا۔ اس واقعہ کے بعد ہمیشہ رشید اس درخت کے پاس آتے اور اسے پانی دیتے۔ ایک دن اس کے پاس آئے تو دیکھا کہ اسے کاٹ دیا گیا ہے تو کہنے لگے میری موت قریب آچکی ہے۔ چند دن کے بعد ابن زیاد نے کسی کو بھیج کر انہیں بلایا۔ راستہ میں رشید نے دیکھا کہ اس درخت کے دو حصے کئے گئے ہیں۔ کہنے لگے یہ میرے لیے کاٹا گیا ہے پھر دوبارہ ابن زیاد نے انہیں بلایا اور کہنے لگا۔ اپنے امامؑ کی جھوٹ باتوں میں سے کچھ باتیں بیان کرو۔ رشید نے کہا نہ میں جھوٹ بولتا ہوں اور نہ میرے امامؑ جھوٹی باتیں بتلاتے ہیں اور مجھے آپ نے بتایا تھا کہ تو میرے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹے گا۔ ابن زیاد کہنے لگا۔ اسے لے جاؤ اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو لیکن زبان رہنے دو تا کہ اس کے امامؑ کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔ جب ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور انہیں گھر میں پہنچا دیا گیا تو ابن زیاد لعین کو یہ خبر ملی کہ وہ امور عجیبہ لوگوں کو بتاتے ہیں تو حکم دیا کہ انہیں سولی پر لٹکایا جائے۔

شیخ طوسی نے سند معتبر کے ساتھ ابوحسان عجلی سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے امتہ اللہ رشید ہجری کی بیٹی سے ملاقات کی اور اس سے کہا مجھے وہ باتیں بتاؤ جو تم نے اپنے پدر بزرگوار سے سنی ہیں وہ کہنے لگی۔ میں نے انہیں کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے حبیب امیر المومنینؑ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے اے رشید تیرا صبر اس وقت کیسا ہوگا جب تجھے ولد الزنائے بنی امیہ بلائے گا اور تیرے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دے گا۔ میں نے عرض کیا اے امیر المومنینؑ اس کا انجام تو بہشت ہوگا۔ فرمایا ہاں تو دنیا و آخرت میں میرے ساتھ ہوگا۔ پس رشید کی بیٹی نے کہا خدا کی قسم عبید اللہ بن زیاد نے میرے باپ کو بلایا۔ اور کہا امیر المومنینؑ سے بیزاری اختیار کرو۔ انہوں نے یہ بات قبول نہ کی تو ابن زیاد نے کہا تیرے امامؑ نے تجھے کیا بتایا تھا کہ تو کس طرح قتل ہوگا۔ تو وہ کہنے لگے میرے امامؑ نے فرمایا تھا کہ تو مجھے ان سے بیزاری کا حکم دے گا۔ پھر میرے ہاتھ پاؤں اور میری زبان کاٹے گا۔ وہ معلون کہنے لگا میں تیرے امامؑ کا قول جھوٹا ثابت کرتا ہوں اور حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو اور اس کی زبان رہنے دو پس ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ہمارے گھر انہیں لے آئے میں ان کے پاس گئی اور کہا بابا یہ درد والم آپ پر کیسے گزر رہا ہے کہنے لگے۔ بیٹی مجھے کوئی درد و تکلیف نہیں مگر اتنی مقدار کہ جیسے کوئی شخص لوگوں کے اژدہام میں ہو اور اسے فشار پہنچے پھر ان کے ہمسائے اور

جان پہچان والے لوگ انہیں دیکھنے کے لیے آئے اور ان کی مصیبت پر اظہار درد و اندوہ کرتے اور روتے تھے۔ میرے باپ نے کہا گریہ نہ کرو اور دوات و کاغذ لے آؤ تا کہ میں تمہیں وہ چیزیں بتاؤں جن کی خبر میرے مولا امیر المومنینؑ نے دی تھی کہ بعد میں کیا ہونے والا ہے۔ پس وہ آئندہ کی خبر دیتے اور لوگ لکھتے تھے۔ جب اس ولد الزنا کو بتایا گیا کہ رشید تو آنے والے واقعات کی خبر لوگوں کو دیتا ہے اور قریب ہے فتنہ برپا کر دے تو وہ ملعون کہنے لگا۔ اس کو مولا جھوٹ نہیں کہہ گیا۔ جاؤ اور اس کی زبان کاٹ دو۔ پس اس مخزن اسرار کی زبان کاٹ لی گئی۔ اور اسی رات وہ رحمت خدا سے جا ملے۔ حضرت امیر المومنینؑ اسے رشید البلایا کا نام دیتے تھے۔ آپ نے علم بلایا ومنایا (مصائب و واقعات و اموات) انہیں تعلیم دیئے تھے۔ اور اکثر وہ لوگوں کے پاس جاتے اور کہتے کہ تیری حالت یوں ہوگی اور تو اس طرح قتل ہوگا۔ اور جو کچھ وہ کہتے ویسے ہی ہوتا۔ اور کتاب بحار الانوار میں کتاب اختصاص سے منقول ہے کہ جس زمانہ میں زیاد بن امیہ رشید ہجری کی تلاش میں تھا تو رشید نے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا مخفیانہ زندگی بسر کر رہے تھے ایک دن ابوارا کہ جو بزرگ شیعوں میں سے تھا۔ اپنے گھر کے دروازہ پر اپنے ساتھیوں کے ایک گروہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ رشید آئے اور اس کے گھر کے اندر چلے گئے۔ ابوارا کہ رشید کے اس عمل سے ڈرے اور اٹھ کر ان کے پیچھے گئے اور ان سے کہا اے رشید وائے ہو تم پر اس عمل سے مجھے قتل کرانا اور میرے بچوں کو یتیم کرنا چاہتے ہو وہ کہنے لگے کیا ہوا ہے۔ وہ کہنے لگا اس لیے کہ ابن زیاد تمہیں تلاش کر رہا ہے اور تم میرے گھر میں علانیہ اور آشکار اداخل ہوئے ہو اور جو لوگ میرے پاس بیٹھے تھے انہوں نے تمہیں دیکھا ہے وہ کہنے لگے ان میں سے کسی نے بھی مجھے نہیں دیکھا۔ ابوارا کہ کہنے لگے تم اس حرکت کے باوجود مجھ سے استہزاء اور تمسخر کرتے ہو پس رشید کو پکڑ کر مضبوط باندھ کر کمرے میں ڈال دیا اور دروازہ بند کر دیا پھر اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر کہنے لگا مجھے یوں نظر آیا کہ ایک بوڑھا آدمی میرے گھر میں داخل ہوا ہے آیا تمہیں بھی نظر آیا۔ وہ کہنے لگے ہم نے تو کسی کو نہیں دیکھا۔ ابوارا کہ نے احتیاطاً دوبارہ یہی کہا تو ان لوگوں نے وہی جواب دیا۔ ابوارا کہ خاموش ہو گیا۔ لیکن ڈر گیا کہ کہیں ان کے علاوہ کسی شخص نے رشید کو دیکھا ہو پس وہ زیاد بن امیہ کے دربار میں گیا تا کہ وہ دیکھے کہ اگر وہ ملتفت ہو چکے ہیں تو یہ انہیں بتائے کہ رشید اس کے پاس ہے اور اسے ان کے سپرد کر دے پس اس نے زیاد کو سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ اس کے اور زیاد کے درمیان دوستی تھی پس اس اثناء میں کہ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ ابوارا کہ نے دیکھا کہ اس کے خچر پر سوار ہو کر رشید زیاد کی مجلس کی طرف آ رہا ہے ابوارا کہ کا اسے دیکھتے ہی رنگ اڑ گیا اور وہ متحیر و سرگردان ہوا۔ اور اس نے اپنی ہلاکت کا یقین کر لیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ رشید خچر سے اترے زیادہ کے پاس آئے اور سلام کیا۔ زیاد کھڑا ہو گیا اور ان کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور ان کا بوسہ لیا اور ان سے حالات پوچھنے لگا کہ آپ کس طرح آئے کس کے ساتھ آئے اور راستہ میں کیسے گزری اور ان کی ڈاڑھی ہاتھ میں پکڑی رشید کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے

پھر کھڑے ہو گئے اور چلے گئے۔ ابوارا کہ نے زیاد سے پوچھا یہ شیخ کون تھے اس نے کہا ہماری ملاقات کے لیے شام سے آئے ہیں۔ ابوارا کہ مجلس سے اٹھا اور اپنے گھر آیا اور رشید کو دیکھا کہ اسی حالت میں ہے جس میں چھوڑ کر گیا تھا۔ تو ان سے کہنے لگا جبکہ تمہارے پاس یہ علم وتوانائی ہے جو میں نے مشاہدہ کی ہے تو جو چاہو کرو اور جب چاہو میرے گھر میں آؤ۔

فقیر کہتا ہے کہ ابوارا کہ حضرت امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب میں سے تھے جیسے کہ اصبغ بن نباۃ، مالک اشتر، کمیل بن زیاد اور آل ابوارکہ رجال شیعہ میں مشہور ہیں اور جو کچھ ابوارا کہ نے رشید کے ساتھ کیا وہ ان کی شان کا استخفاف نہیں تھا بلکہ اپنی جان کے خوف سے ایسا کیا تھا، کیونکہ زیادہ سختی سے رشید اور ان جیسے شیعہ حضرات کی تلاش کرتا۔ انہیں تکلیف پہنچاتا اور ان کو قتل کرتا تھا۔ اسی طرح ان لوگوں کی بھی جو ان کی اعانت کرتے یا انہیں پناہ دیتے یا انہیں مہمان رکھتے تھے۔

جناب میثم تمار

آپ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے بہترین اصحاب سے تھے وطن کوفہ تھا۔ آپ وہاں کے ایک بڑے رتبے والے خاندان سے تھے جس کو وہاں بیت التمارین (کھجوروں والے خاندان) کہتے تھے اور سب کے سب شیعان حضرت علیؑ تھے۔ جناب میثم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے مجھے بلایا اور فرمایا کیوں میثم اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب بنی امیہ کا حاکم ابن زیادہ تمہیں طلب کر کے کہے گا کہ مجھ سے تبراء کرو۔ میں نے عرض کی اے امیر المومنینؑ خدا کی قسم میں حضور سے تبراء نہیں کروں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا تب وہ تم کو قتل کر کے سولی دے دیگا میں نے اعرض کی کیا مضائقہ ہے میں صبر کروں گا کہ خدا کی راہ میں یہ معمولی بات ہے حضرتؑ نے فرمایا اے میثم اگر تم صبر و گے تو بروز قیامت میرے ساتھ میرے ہی درجہ میں رہو گے۔ اس کے بعد میثم اپنی قوم کے چوہدری کی طرف سے گزرے اور اس سے کہتے اے بھائی میرے پیش نظر وہ زمانہ ہے جب تم کو بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد بلا کر میری گرفتاری کو بھیجے گا اور چند روز تک تم مجھے طلب کرتے رہو گے۔ پھر جب میں آؤں گا تو مجھے تم اس کے پاس پہنچادو گے جس کے بعد وہ مجھے عمرو بن حریث کے دروازے پر قتل کر دے گا۔ جب چوتھا دن ہوگا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا۔ اور عمرو بن حریث کے مکان سے متصل کھجور کا ایک درخت تھا۔ جناب میثم اکثر

اس درخت کے پاس سے گزرتے اور اپنے ہاتھ سے اس کو تھپک کر کہتے اے درخت تو اسی لیے غذا پا رہا ہے کہ میں تجھ پر سولی دیا جاؤں اور میں اسی لیے غذا پا رہا ہوں کہ تجھ پر سولی پاؤں۔ آپ عمرو بن حریث کے پاس سے بھی گزرتے اور ان سے کہتے اے عمرو جب میں تمہارے پڑوس میں آؤں گا تو میرے ساتھ اچھے پڑوسی کا برتاؤ کرنا عمرو بن حریث اس کا اصلی مطلب نہیں سمجھتا اور اور خیال کرتا کہ معلوم ہوتا ہے میثم اس محلہ میں کوئی مکان خرید کر رہنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کو جواب دیتا سبحان اللہ تم میرے محلہ میں آؤ گے تو مجھے کیسی خوشی ہوگی۔ اس کے بعد میثم حج کرنے کیلئے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے پر ابن زیاد نے ان کے محلہ کے اسی چودھری کو بلا کر کہا میثم کو گرفتار کر لاؤ۔ اس نے بیان کیا وہ تو مکہ معظمہ گئے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا یہ سب میں نہیں جانتا اگر تم ان کو نہیں لاؤ گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا چودھری نے اس کام کے لیے کچھ مہلت طلب کی۔ ابن زیاد نے مہلت دیدی گئی جس کے بعد وہ چودھری میثم کے انتظار میں شہر قادسیہ کی طرف چلا گیا میثم مکہ سے واپس آ کر دربار ابن زیاد میں پہنچے تو اس نے پوچھا تم ہی میثم ہو۔ انہوں نے کہا ہاں میں ہی میثم ہوں۔ اس نے کہا ابو تراب ؑ سے تبراء کرو۔ انہوں نے کہا میں ابو تراب ؑ کو کیا جانوں؟ کہا علیؑ ابن ابی طالب سے تبراء کرو۔ آپ نے جواب دیا اگر نہ کروں تو کیا ہوگا؟ کہا خدا کی قسم میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا۔ آپ نے جواب دیا۔ میرے آقا و مولا مجھے پہلے سے خبر دیتے تھے کہ تو مجھے قتل کرے گا اور عمرو بن حریث کے دروازے پر سولی بھی دیگا اور جب چوتھا دن آئے گا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہو جائے گا۔ غرض ابن زیادہ کے حکم سے آپ سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ آپ نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو کچھ تمہیں پوچھنا ہو مجھ سے میرے قتل ہونے کے پہلے پوچھ لو کہ خدا کی قسم قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی ہیں وہ سب میں تم کو بتا دے سکتا ہوں اور کچھ فتنہ و فساد ہوں گے ان سب کی خبر بھی دے دوں گا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ ابھی ان کو ایک ہی بات بتانے پائے تھے کہ ابن زیاد کا آدمی آیا اور ایک لگام آپ کے منہ میں لگا دی۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے منہ اس وقت لگام لگائی گئی جب آپ سولی پر تھے۔ چنانچہ اس لگام کی وجہ سے آپ کی زبان رک گئی اور پھر کوئی بات آپ نہ بیان کر سکے۔

حضرت امام علیؑ رضا فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میثم حضرت امیر المومنینؑ کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرتؑ سوتے ہیں۔ انہوں نے حضرتؑ کو بیدار کیا اور عرض کی حضور کی ڈاڑھی حضور کے سر کے خون سے سرخ کی جائیگی؟ حضرتؑ نے فرمایا سچ کہتے ہو اور تمہارے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور زبان بھی کاٹ دی جائیگی اور کھجور کا وہ درخت بھی کاٹا جائیگا جو کناسہ میں ہے۔ اس کے چار ٹکڑے کیے جائیں گے۔ ایک ٹکڑے پر تم کو سولی دی جائیگی دوسرے پر حجر بن عدی کو تیسرے پر محمد بن اکثم کو اور چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ میثم کہتے تھے کہ حضرت کی ان باتوں

پر مجھے شک ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ حضرتؑ ہم لوگوں سے غیب کی چیزیں بیان کر رہے ہیں اور حضرتؑ سے عرض کی حضور کیا واقعاً یہ باتیں ہونے والی ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا کیونکہ حضرت رسولؐ خدا صلعم مجھے اسی طرح خبر دے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی مجھے یہ سزا کس جرم میں دی جائیگی؟ حضرتؑ نے فرمایا اس لیے کہ ابن زیاد تمہیں گرفتار کرے گا اور مجھ سے تبراء کرنے کو کہے گا۔ تم نہیں کرو گے) میثم بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرتؑ جبانہ کی طرف تشریف لے جانے لگے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں سے حضرتؑ محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت کے پاس سے گزرے تو مجھ سے فرمانے لگے اے میثم تمہارے اور اس درخت کے درمیان بڑا تعلق ہے میثم کہتے تھے کہ جب (حضرت امیرالمومنینؑ کے بہت دنوں بعد) ابن زیاد کوفہ کا حاکم بنایا گیا اور وہ اس میں پہنچا تو اس کا علم محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت سے لپٹ کر پھٹ گیا۔ اس نے اس سے فال بدلی اور حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے۔ تب اس درخت کو ایک شخص نے خرید لیا اور اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے میثم کہتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے صالح سے کہا کہ لوہے کی ایک کیل لاؤ اور اس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ کر اس درخت کی کسی شاخ میں ٹھوک دو جب اس واقعہ کو کچھ دن گزر گئے اور میں ابن زیاد کے پاس گیا تو عمرو بن حریث نے ابن زیاد سے کہا اے امیر آپ اس کو پہچانتے ہیں۔ اس نے پوچھا کون ہے۔ اس نے کہا (معاذ اللہ) کذاب علیؑ ابن ابی طالب کا کذاب غلام میثم تمار ہے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد برابر ہو بیٹھا اور مجھ سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا یہ (عمرو بن حریث) بالکل غلط بیان کرتا ہے بلکہ میں صادق ہوں اور میرے آقا و مولا علی ابن ابی طالبؑ بھی بالکل صادق تھے۔ اس نے کہا اچھا تم علیؑ سے تبرا کرو۔ ان کی برائیاں بیان کرو عثمان کو دوست رکھو۔ اور ان کی خوبیاں بیان کرو ورنہ میں تمہارے دونوں ہاتھ کٹوا کر تم کو سولی دے دوں گا۔ یہ سنتے ہی میں رونے لگا۔ ابن زیاد نے کہا ابھی تو تم قتل نہیں کیے جاتے صرف قتل کی خبر سنتے ہی رونے لگے؟ میں نے کہا خدا کی قسم میں اپنے قتل کی خبر سے نہیں روتا بلکہ اپنے اس شک کی وجہ سے روتا ہوں جو مجھے اس روز ہو گیا تھا۔ جس دن میرے آقا میرے مولانا میرے سردار نے میرے متعلق مجھے خبر دی تھی۔ ابن زیاد نے پوچھا انہوں نے تم کو کس بات کی خبر دی تھی؟ میں نے کہا حضرت نے فرمایا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ پاؤں زبان کاٹی جائیگی اور میں سولی دے دیا جاؤں گا۔ میں نے پوچھا تھا کہ حضور کون مجھ پر یہ ظلم کرے گا۔ حضرتؑ نے فرمایا تھا کہ ظالم ابن زیاد یہ سنتے ہی ابن زیاد غصہ سے بھوت ہو گیا۔ پھر کہا خدا کی قسم میں تمہارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا اور تمہاری زبان چھوڑ دوں گا کہ دنیا سمجھ لے تم بھی جھوٹے ہو اور تمہارے مولا بھی جھوٹے تھے۔ غرض میثم تمار کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو سولی دیدی گئی۔ اس پر انہوں نے بلند آواز سے کہا لوگو! جو شخص حضرت علی علیہ السلام کی راز والی حدیثیں سننی چاہے وہ جلد آ کر سن لے۔ لوگ وہاں جمع ہو گئے اور میثم تمار ان سے حضرتؑ کی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنے لگے اتنے

میں عمر ابن حریث ادھر سے گزرا تو پوچھا یہ کیسی بھیڑ ہے لوگوں نے کہہ دیا کہ میثم تمار حضرت علی کی حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً پلٹ گیا اور جا کر ابن زیاد سے کہا حضور جلد کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا دیجئے۔ ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفہ والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دیگا اور لوگ حضور سے بغاوت کر بیٹھیں گے یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ایک جلاد سے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور کہا میثم انہوں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ کہا اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میثم خوشی سے جھومنے لگے اور کہا کیا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کردے گا اور میرا آقا و مولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت کی بات غلط ہو جائے؟ اب امیری زبان خوشی سے کاٹ لے غرض جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی جس کے بعد اس کثرت سے ان کا خون بہا کہ وہ فوراً مر گئے اور سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ صالح بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ اس کھجور کی اسی شاخ پر سولی دیئے گئے ہیں جس میں میں نے ان کا نام لکھ کر کیل ٹھوک دی تھی۔ آپ کی خبریں بالکل سچی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ کشتی میں جا رہے تھے۔ ہوا تیز ہوئی تو آپ نے اس کی طرف نظر کر کے کہا کشتی کے بادبان باندھ دو معاویہ اس وقت مر گیا جب دوسرا جمعہ آیا تو شام سے قصاد نے آ کر بیان کیا کہ معاویہ گزشتہ جمعہ کو مر گیا۔ وہی وقت اس نے بتایا جو میثم تمار نے ایک ہفتہ پہلے بتایا تھا۔ یہ واقعہ بھی میثم کے کرامات سے تھا۔" (رجال کشی ص ۵۳)

طرماح بن عدی بن حاتم

اصحاب حضرت امیر المومنینؑ کے یہ ایک بڑے ڈیل ڈول طویل قد و قامت کے اعلیٰ درجہ کے ادیب فصیح۔ چرب زبان اور حاضر جواب بزرگ تھے۔ تاریخ ابن ہلال میں جو شاہ شجاع مبارزی کی نام سے لکھی گئی ہے مذکور ہے جب حضرت امیر المومنینؑ جنگ جمل فتح کر کے واپس آئے تو معاویہ نے حضرتؑ کے پاس ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ بعد حمد و نعت واضح ہو کہ تم نے اس بات کی پیروی کی جو تم کو نقصان پہنچائیگی اور اس چیز کو چھوڑ دیا جو تمہیں نفع پہنچاتی تم نے قرآن مجید کی مخالفت کی اور اس کے رسولؐ کی سنت سے بھی منہ موڑ لیا۔ حضرت رسولؐ خدا کے دونوں حواری طلحہ و زبیر اور ام المومنینؑ عائشہ کے ساتھ تم نے جو کچھ کیا وہ سب مجھے معلوم ہوا اگر خدا کی قسم میں تمہیں ایسے شعلہ سے ماروں گا جس کو نہ پانی بجھا سکے گا اور نہ ہوا ٹال سکے گی۔ جب وہ گرے گا تو گھس جائیگا اور جب گھسے گا تو سوراخ کر دیگا اور جب

سوراخ کریگا تو بھڑک اٹھے گا (اور سب کو جلا دیگا) لہذا تم اپنی فوجوں پر نہ اتراؤ اور نہ سامان جنگ پر گھمنڈ کرو والسلام جب حضرتؑ کے ملاحظہ سے یہ خط گزرا تو حضرتؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط ہے اللہ کے بندے علی ابن ابی طالبؑ اور رسولؐ کے بھائی اور رسولؐ خدا و پدر حسنؑ حسینؑ کی طرف سے (اے معاویہ) اس علیؑ کی طرف سے جس نے (رسول خدا صلعم کے ساتھ) تیرے چچا۔ دادا اور ماموں کو قتل کیا تھا۔ کیوں معاویہ کیا تو بھول گیا کہ (میرے ہاتھوں) غزوہ بدر میں تیری قوم کا کیا انجام ہوا۔ حالانکہ جس تلوار سے میں نے اس روز ان لوگوں کو قتل کیا وہ اب تک میرے ہی قبضہ میں ہے۔ جس طرح حضرت رسولؐ خدا نے اس تلوار کو میرے ہاتھ میں دیا اسی طرح میرا بازو اسے اب تک اٹھائے ہوئے ہے اور میرے سینہ کا دم خم اور میرے بدن کی قوت بھی ویسی ہی ہے اور ان سب کے علاوہ جس طرح خدا میری مدد اس وقت کرتا تھا اسی شان سے اب تک کرتا ہے۔ میں نے خدا کو بدل کر کوئی دوسرا معبود اختیار کیا۔ نہ دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی پیروی کی نہ حضرت محمد مصطفےؐ کو ترک کر کے کسی اور کو نبی سمجھا اور نہ اس تلوار (ذوالفقار) کے عوض کوئی دوسری تلوار رکھی۔ پس تو اپنی نفس پرستی میں جس قدر ہو سکے مبالغہ کر اور جہاں تک بنے کوشش کئے جا۔ کسی طرح اس میں کمی نہ کر کیونکہ یقیناً شیطان تجھ پر مسلط ہو گیا اور جہالت نے تجھے بہکا رکھا ہے اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائیگا ان کا کیا برا انجام ہوا۔ خط کو تمام کر کے حضرتؑ نے طرماح بن عدی کے حوالہ کیا اور فرمایا اسے لیجا کر معاویہ کو دو اور اس کا جواب لاؤ۔ طرماح بڑے بہادر اور دلیر مرد تھے **نسانہ جری وکلامہ جوھری ذلق طلق یتکلم فلا یکل ویرد الجواب فلا یمل**۔ ان کی زبان قینچی کی طرح چلتی اور وہ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا موتی برس رہے ہیں۔ بڑی ہی تیز اور چلتی ہوئی زبان پائی تھی جب باتیں کرنے لگتے تو کسی طرح بند ہی نہیں ہوتے۔ اور جواب دینے لگتے تو کسی طرح خاموش ہی نہیں ہوتے تھے۔ انہوں نے حضرتؑ کا خط لے کر اپنے سر میں باندھا اور کہا **سمعا وطاعۃ وحبا وکرامۃ** غلام بسر وچشم حاضر ہے اور اس کام کو بڑی خوشی سے عزت و شرف سمجھ کر انجام دیگا۔ پھر تیز سواری پر روانہ ہو کر جلد از جلد دمشق پہنچ گئے اتفاق سے اس روز معاویہ سیر و تفریح کے لیے شہر سے باہر ایک باغ میں تھا اور اس کے ارکان دولت مثلاً عمرو بن العاص و مروان بن الحکم و شرجیل دشمن و ابوالاعور سلمی و ابوہریرہ دوسی بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ جب وہ سب باغ میں گھومتے تھے تو دیوار کی پشت سے ایک بلند قامت اعرابی دکھائی دیا جو ایک اونٹ پر سوار اس طرف چلا آتا تھا۔ ان لوگوں نے پہچانا نہیں کہ طرماح ہیں۔ آپس میں کہنے لگے "اس کو بلا کر مذاق کیا جائے۔" بات ہوگئی تو عمرو عاص آگے بڑھا اور اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

عمرو عاص:۔

کیوں میاں تمہارے پاس آسمان کی کوئی خبر بھی ہے؟

طرماح:۔

ہاں ہاں اللہ آسمان میں ہے۔ ملک الموت ہوا میں اور حضرت امیر المومنینؑ (علیؑ) تمہاری پشت میں ہیں۔ اب اے عداوت وشقاوت والو! جاتے کہاں ہو۔ مصائب وآفات کے لیے تیار ہوجاؤ کہ جلد تم پر نازل ہوا چاہتی ہیں۔

عمرو عاص وغیرہ:۔

میاں یہ تو بتاؤ کہ آتے کہاں سے ہو؟

طرماح:۔

اقبلت من عند حر تقی نقی زکی رضی مرضی۔ میں اس بزرگ کے پاس سے آتا ہوں جو نہایت شریف۔ پرہیز گار۔ پاکیزہ، صاف ہے جو خدا کے ہر حکم پر راضی رہتا اور جس کے ہر فعل سے خدا ہر وقت خوش رہتا ہے۔

عمرو عاص وغیرہ:۔

اور کس کے پاس جاتے ہو؟

طرماح:۔

ارید الرذی الموذی الذی تزعمون انه امر کم۔ میں اسی خبیث موذی کے پاس جاتا ہوں جس کو تم لوگوں نے اپنی گمراہی سے اپنا امیر سمجھ رکھا ہے۔

عمرو عاص نے فوراً ایک رقعہ لکھ کر معاویہ کو خبر کی کہ ورد من عنہ علیؑ اعرابی بدوی۔ **له لسان فصیح وقول ملیح ومعه کتاب۔ فلا تکن غلا فلا ساهیا۔** علیؑ کے پاس سے ایک بدوی اعرابی آیا جس کی زبان بہت فصیح اور جس کا قول نہایت ملیح ہے۔ اس کے پاس ایک خط بھی ہے تو ہوشیار ہوجا اور غفلت نہ کر۔ جب طرماح کو معلوم ہوا کہ یہ سب معاویہ کے اصحاب واحباب ہیں تو اونٹ کو بٹھا کر اتر آئے اور ان سب کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ معاویہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو جلد از جلد باغ سے روانہ ہوکر اپنے گھر پہنچا اور یزید کو بلا کر حکم دیا کہ دربار میں خوب شاندار پردے وغیرہ ڈالکر اس کو آراستہ کراؤ۔ جب ان انتظامات کی تکمیل ہوگئی تو عمرو عاص اور اس کے سب ساتھی طرماح کو اپنے ہمراہ دربار یزید میں لائے جب دور سے طرماح کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو دیکھا کہ سب کے سب سیاہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ بنی امیہ نے یہی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ آپ نے برجستہ کہا **مالقوم کانهم زبانیة الملك ضیق المسالك** ان لوگوں کی کیا حالت ہو رہی ہے ان کی صورتیں ایسی جلی بھنی کیوں نظر آتی ہیں۔ یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی فوج بھری ہوئی ہے جس کی راہیں تنگ وتاریک ہیں۔

اور جب ان لوگوں کے نزدیک پہنچے اور دیکھا کہ یزید بیٹھا ہے اس کی ناک پر کسی ضربت کا نشان ہے اور بہت بلند کرخت آواز سے بول رہا ہے تو طرماح نے کہا من هذا المشوم بن المشوم الواسع الحلقوم المضروب علی الخرطوم۔ یہ کون منحوس ہے جس کا حلق اتنا پھیلا ہوا اور جس کی سونڈ (ناک) زخمی ہے۔ معاویہ والوں نے کہا اے شخص گستاخی نہ کر یہ یزید ہے۔ اس پر آپ نے کہا لا زاد الله مراده ولا بلغه مراده خدا اس کی روزی کو زیادہ نہ کرے اور نہ اس کو اس کی مراد تک پہنچائے جب طرماح نے یزید کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا اور کہا ان امیر المومنین یسلم علیك۔ اے طرماح تم کو مسلمانوں کے بادشاہ سلام کہتے ہیں۔ طرماح نے کہا میری غرض یہ ہے کہ مجھے معاویہ کے پاس لے چلو تا کہ وہ خط جو میں حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت سے لایا ہوں اس کو دے دوں اس پر یزید ان کو خاص معاویہ کے نشست گاہ میں لے گیا اور چونکہ طرماح پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے تھے معاویہ کے بعض ملازموں نے کہا فاخلع نعلیك بس اے طرماح یہاں اپنے جوتے اتار دو۔ یہ سنتا تھا کہ طرماح نے داہنے بائیں نظر کی اور برجستہ کہا اهذا الواد المقدس فاخلع نعلی کیا یہی وادی مقدس ہے تا کہ میں یہاں اپنے جوتے اتار دوں۔ اے (جب حضرت موسیٰؑ اپنی بی بی صفورا کو سسرال سے رخصت کرا کے اپنی ماں کے پاس لے چلے تو طور کی طرف آپ نے دور سے آگ دیکھی اس میں سے ایک انگارا لانے کے لیے آگے بڑھے۔ جب اس کے پاس آئے تو انہیں آواز آئی کہ اے موسیٰ انی انا ربك فاخلع نعلیك انك بالواد المقدس طوی۔ بیشک میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ تم اپنی دونوں جوتیاں اتار ڈالو کیونکہ تم اس وقت طوے نامی پاکیزہ چٹیل میدان میں ہو (قرآن مجید پ ۱۶ ع ۱۰) طرماح نے اسی آیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کیا معاویہ کا دربار وادی مقدس طوی ہے جہاں حضرت موسیٰ کو جوتیاں اتارنے کا حکم ہوا تھا اسی طرح تم لوگ مجھ سے بھی جوتیاں اتارنے کو کہتے ہو۔ ۱۲) اس کے بعد آپ نے آگے کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ معاویہ اپنے تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے ارکان دولت اس کے چاروں طرف حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ طرماح نے اس فرش کے کنارے کھڑے ہو کر کہا السلام علیك ایها الملك العاصی۔ اے گنہگار اور نافرمان بادشاہ تجھ پر اسلامی سلام ہو۔

معاویہ:۔

ویحك یا اعرابی ما منعك ان تسلم علی بیا امیر المومنین ''اے اعرابی تم پروائے ہو تم مجھے ''اے امیر المومنین'' کہہ کر سلام کیوں نہیں کرتے؟

طرماح:۔

ثکلتك امك نحن المومنین۔ فمن امرك علینا۔ اے معاویہ تیری ماں تیرے ماتم میں روتی رہے۔

مومنین تو ہم لوگ ہی ہیں (اور ہم نے تجھ کو اپنا امیر بنایا نہیں پھر) تجھ کو ہم لوگوں پر کس نے امیر بنادیا (جس کی وجہ سے ہم تجھ کو امیرالمومنین کہوں)؟

معاویہ:۔

ما صنعت یا اعرابی۔ اچھا اعرابی بتاؤ۔ تم کیا لائے ہو؟

طرماح:۔

کتاب کریم میں ایک مبارک مقدس اور معزز خط لایا ہوں۔

معاویہ:۔ وہ خط مجھے دے دو۔

طرماح:۔ مجھے تو یہ پسند نہیں اتا کہ اپنا پاؤں تیرے نجس فرش پر رکھ کر وہاں آؤں اور یہ خط تجھ کو دوں۔

معاویہ:۔ (عمرو عاص کی طرف اشارہ کر کے) کہا خیر میرے اس وزیر کو دے دو۔

طرماح:۔

هیهات ظلم الامیر خان الوزیر۔ ہے! جب بادشاہ ہی ظالم ہے تو اس کا وزیر کس درجہ خائن ہوگا!!!
(پھر اس پر بھی کیونکر اعتبار کیا جائے کہ میں اس کو خط دے دوں؟)

معاویہ:۔ (یزید کی طرف اشارہ کر کے) اچھا تو میرے اس لڑکے کو دے دو۔

طرماح:۔ مافرحنا بابلیس فکیف باولاده۔ واہ تو بھی کیا باتیں کرتا ہے جب ہم لوگ ابلیس (شیطان) ہی سے بھاگتے ہیں تو اس کی اولاد کو کیونکہ پسند کر سکتے ہیں؟

معاویہ:۔ تو میرے غلام کو دے دو۔

طرماح:۔ غلام سوء اشتری من غیر حق واعطی من غیر مستحق۔ افسوس غلام بھی تو بے ایمان ہی ہے۔ تو نے اس کو اس مال سے خریدا جس میں تیرا کوئی حق نہیں تھا اور بغیر استحقاق کے اس پر قبضہ کیا۔ غرض وہ بھی تجھے حرام ہی طریقہ سی ملا ہے۔

معاویہ:۔ پھر کس طرح میں تم سے اس خط کو لوں؟

طرماح:۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ تو اپنی جگہ سے خود اٹھ تا کہ جو شخص تیرے نزدیک ہے وہ مجھ سے اس خط کو لے کر تجھے دے دے۔ یہ سنتے ہی معاویہ نہایت غیظ و غضب میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ طرماح کے پاس آیا۔ ان سے خط لیا اور پھر اپنے تخت پر واپس جا کر وہ خط اپنے زانو کے نیچے دبا لیا اس کے بعد کہا۔

معاویہ یکف خلفت علی ابن ابی طالب کیوں اے اعرابی تم نے علی ابن ابی طالبؑ کو کس حال میں

چھوڑا؟

طرماح:۔ خلفته بحمد الله تعالیٰ کالبدر الطالع حوالیه اصحابه کالنجوم اذا امرهم ابتدروا الیه واذا نهاهم عن شیٔ لم یهاجروا علیه۔ وهو معهم فی باسه یا معویة وفی نجدته بطل شجاع سمیدع ان لقی جیشا هزمه واذربه والذ لقی حصنا هدمه والقاه۔ وان لقی قرنا سلبه وافناه وان لقی عدوا قتله واخزاه۔ خدا کے فضل وکرم سے میں نے حضرتؑ کو چودھویں رات کے چمکتے چاند کی طرح چھوڑا ہے۔ حضرتؑ کے گرد آپؑ کے اصحاب بھی مثل روشن ستاروں کے اس طرح حلقہ کئے رہتے ہیں کہ جب انہیں کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو فوراً وہ سب اس طرف جھک پڑتے ہیں اور جب انہیں کسی بات سے منع کر دیتے ہیں تو کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اس کا خیال تک کرے۔ اے معاویہ حضرتؑ اپنے ان لوگوں کے ساتھ اسی دبدبہ وشکوہ اسی قوت و طاقت اسی شان و شوکت۔ اسی صولت وشجاعت سے شہسوار عرصہ کارزار اور یکہ تاز میدان گیرودار سردار یا روا امصار ہیں۔ اگر کسی لشکر کے مقابلہ میں تشریف لائیں گے تو اس کو شکست دے دیں گے بلکہ ہلاک کر دیں گے۔ اگر کسی قلعہ کو اپنا سدراہ پائیں گے تو اسے منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیں گے۔ اگر کسی بہادر کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو اس کو نہتا کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیں گے اور اگر کسی دشمن سے ملیں گے تو اس کو قتل کر کے ذلیل وخوار کر دیں گے۔

معاویہ: کیف خلفت الحسنین۔ تم نے حسنؑ وحسینؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے؟

طرماح۔ خلفتهما بحمد الله شابین۔ تقیین۔ نقیین۔ عفیفین۔ صحیحین۔ فصیحین۔ ادیبین۔ اریبین۔ لبیبین۔ خطیبین۔ سیدین۔ سندین۔ طیبین۔ طاهرین۔ عالمین۔ عاملین یصلحان الدنیا والاخرة خدا کے فضل وکرم سے میں دونوں حضرات کو دو جوان رعنا۔ دو پرہیزگار۔ دو پاک و پاکیزہ۔ دو پارسا۔ دو صحیح وسالم۔ دو فصیح۔ دو ادیب۔ دو عقلمند۔ دو ہوشیار۔ دو خطیب۔ دو سردار۔ دو رکن دین۔ دو طیب۔ دو طاہر اور دو عالم باعمل چھوڑ آیا ہوں۔ دونوں حضرات ہر وقت لوگوں کی دنیا کی اصلاح اور ان کی آخرت کے سامان میں مشغول رہتے ہیں۔

معاویہ۔ اے اعرابی تم کو خدا نے کیسی اعلیٰ درجہ کی فصاحت عطا کی ہے۔

طرماح:۔ لو بلغت باب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیه السلام ورایت الفصحاء البلغاء الفقهاء الظرفاء النجباء الادباء الاسخیاء الاصفیاء لعرفت فی بحو عیسق لا تجوم من لجته یا معویة اے معاویہ (میری فصاحت کی کیا حقیقت ہے) اگر تو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جاتا اور دیکھتا کہ وہاں کیسے کیسے فصیحوں۔ مبلغوں۔ فقیہوں۔ ظریفوں۔ نجیبوں۔ ادیبوں۔ سخیوں اور

صفیوں کا مجمع ہے' تو تعجب اور حیرت کے ایسے گہرے سمندر میں ڈوب جاتا جس کی موجوں سے تو نکل ہی نہیں سکتا۔
طرماح کی اس دلیری اور فصاحت سے مرعوب بلکہ مبہوت ہو کر عمرو عاص نے آہستہ سے معاویہ کے کان میں کہا یہ مرد اعرابی بدوی ہے اگر تم اس کو کوئی رقم (بطور رشوت) دیکر خوش کر دو تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے حق میں اچھی بات کہے اور تم کو نیکی سے یاد کرے۔ پھر عمرو عاص اور طرماح میں اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

عمرو عاص:۔ اے اعرابی اگر امیر معاویہ تم کو کوئی بڑی رقم بطور بخشش دیں تو قبول کر لو گے؟

طرماح: ایرد قبض روحه من جسده فیکف لا ارید قبض ماله من یده۔ واہ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ میرا بس چلے تو معاویہ کے جسم سے اس کی جان نکال لوں پھر اس کے ہاتھ سے مال کیوں نہیں لوں گا۔

معاویہ نے فوراً حکم دیا کہ دس ہزار درہم لا کر ان کو دیے جائیں۔ اس کے بعد طرماح سے کہا۔

معاویہ: کیوں؟ اگر کہو تو اس رقم کو اور زیادہ کر دوں؟

طرماح:۔ شوق سے زیادہ کر دے۔ زیادہ جود و عطا کو تو خدا پسند کرتا ہی ہے۔

اس پر معاویہ نے حکم دیا کہ اور دس ہزار درہم دے دیے جائیں۔ پھر کہا۔

معاویہ:۔ اگر چاہا تو اور زیادہ دلوا دوں۔

طرماح:۔ اجعلها وترا فان الله یحب الوتر۔ اچھا اس کے عدد کو طاق کر دے کہ خدا طاق کو پسند کرتا ہے۔

معاویہ نے یہ حکم دیا کہ تیس ہزار درہم طرماح کے لیے لائے جائیں۔ مگر اس رقم کے آنے میں دیر ہوئی تو طرماح کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہے اس کے بعد سر اٹھا کر کہا۔

طرماح:۔ کیوں معاویہ! جو لوگ تیرے فرش پر مہمان ہوتے ہیں ان سے تو مذاق اور مسخرا پن کر کے ان کو ذلیل و خوار کرتا ہے؟

معاویہ:۔ میں نے ایسی کیا بات کی جس پر تم اس طرح اعتراض کرنے لگے؟

طرماح:۔ یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے کہ تو نے میرے لئے اس رقم کا حکم دے دیا جس کو نہ تو ہی دیکھ رہا ہے۔ نہ اس پر میری ہی نظر پڑ رہی ہے۔

معاویہ نے گھبرا کر اپنے ملازموں سے کہا کہ جلد از جلد اس رقم کو وہاں حاضر کریں۔ چنانچہ فوراً پوری رقم آ گئی۔ جب طرماح نے اس مال پر قبضہ کر لیا تو خاموش ہو گئے اور پھر کوئی بات بھی نہ کی۔ نہ معاویہ کا شکریہ ادا کیا نہ اس پر کوئی خوشی ظاہر کی تب عمرو عاص نے ان سے کہا۔

عمرو عاص :۔ کیوں اعرابی۔ امیر معاویہ کی اتنی بڑی بخشش کے بارے میں تم نے اپنی کوئی رائے نہیں ظاہر کی۔

طرماح:۔ هذا مال المسلمين من خزانة رب العالمين اخذه عبد من عباده الصالحين۔
میں رائے کیا ظاہر کروں۔ معلوم ہے کہ یہ مسلمانوں ہی کا مال ہے جس کو اس نے رب العالمین کے خزانہ سے حاصل کیا ہے۔ اور اس کو اس وقت اسی رب العالمین کے نیک بندوں سے۔

ایک بندہ (طرماح) نے لیا ہے (معاویہ نے کچھ اپنا مال تو دیا نہیں کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں) یہ سنتا تھا کہ معاویہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جھنجھلا کر اپنے منشی سے بولا **اكتب جواب كتابه فوالله لقد ظلمت الدنيا على بحذوافيرها۔ ومالى به طاقة** یہ اعرابی جو خط لایا ہے اس کا جواب لکھ کر اس کے حوالہ کردے کہ اس نے اپنی زہریلی باتوں سے دنیا اس کے اطراف جوانب کے ساتھ میری نظر میں سیاہ کردی ہے اور اب مجھ میں اس کی گفتگو سننے کی طاقت نہیں رہی غرض منشی نے قلم اور کاغذ اٹھایا اور معاویہ کے بتانے کے مطابق اس طرح لکھنا شروع کیا۔

بسم الله الرحمن الرحيم من عبدالله وابن عبده معوية بن ابى سفيان الى على ابن ابى طالب ان عندجيوشى كالنجوم ماتسع فى الارض ولاقى النجوم او كالف خردل تحت كل خردل مقاتل یہ خط ہے خدا کے بندے اور اس کے بندے کے فرزند معاویہ بن ابوسفیان کی طرف سے علی ابن ابی طالبؑ کی طرف میرے لشکروں کی تعداد مثل ستاروں کے بے حساب ہے جن کے لئے نہ زمین کی وسعت کافی ہے نہ اس کی نشانیاں اور علامتیں۔ یا مثل بے انتہا رائی کے دانوں کے ہے کہ ہر دانے کے نیچے ایک بہادر سپاہی مستعد رہتا ہے۔ جب طرماح نے معاویہ کا مطلب سمجھا تو زور سے قہقہہ لگایا۔ لوگوں نے پوچھا یہ ہنسنے کا کیا موقع ہے؟

طرماح:۔ **والله يامعاوية ان عليا كالشمس اذاطلعت خفيت النجوم وله ديك هوالاشتر يلتقط الخليش بخشيومه.....فى حوصلته** اے معاویہ اگر تیرا لشکر ستاروں کی طرح بے حساب ہے تو خدا کی قسم حضرت امیر المومنین علیؑ مثل آفتاب کے ہیں کہ جب تیرے لشکر کے سامنے حضرتؑ طلوع کریں گے تو تیرا کل لشکر ستاروں کی طرح غائب ہوجائیگا اور اگر تیری فوج رائی کے دانوں کی طرح ہے تو حضرت علیؑ کے پاس ایک بڑا مرغ ہے جس کا نام مالک اشتر ہے۔ وہ تیرے رائی کے دانوں کو ہڑپ کر جائے گا۔

ہر دانے کو اپنی چونچ سے چُن لے گا اور سب کو اپنے پوٹے میں بھر لے گا۔

اس کلام سے معاویہ پر گویا موت طاری ہوگئی اور اپنے منشی سے کہا جانے دو کچھ نہ لکھو۔ تب عمرو عاص نے طرماح سے کہا اے بدوی تمہاری کیسی فصاحت ہے کہ اپنے خط کا جواب تک نہیں لکھنے دیتے ہو۔ اس کے بعد اس نے طرماح سے شرط کی کہ جب تک معاویہ پورا جواب نہ لکھوائے اُس وقت تک کچھ نہ بولیں۔ غرض جواب تمام ہوا اور

طرماح اس کو لے کر اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔

جب دربار معاویہ سے طرماح باہر چلے اور کچھ دور نکل گئے تو معاویہ اپنے درباروالوں پر بگڑا، پھر اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

معاویہ۔ اگر میں اپنا پورا خزانہ خالی کردوں اور تم میں سے اکیلے کسی کو دے کر چاہوں کہ اس اعرابی نے جس طرح اپنے آقا کی پیغام رسانی کی ہے اس کا عشر عشیر ہی وہ میری طرف سے انجام دے دے تو کوئی شخص بھی اس قابل نہیں نکلے گا۔

خدا کی قسم اس اعرابی نے تو دنیا مجھ پر تنگ اور زندگی تلخ کردی۔

عاص۔ اے معاویہ اگر تجھ کو بھی حضرت رسولؐ خدا صلعم سے وہی قرب ومنزلت میسر ہوتی جو علیؑ ابن ابی طالب کو حاصل ہے یا تو بھی اُسی طرح سیدھے راستے پر ہوتا جس طرح علیؑ حق پر ہیں تو ہم لوگ اس اعرابی سے بھی زیادہ خوبی سے تیری پیغام رسانی کرتے اور اس سے بہتر تیری خدمت انجام دیتے۔

معاویہ۔ **فض الله فاك و قطع شر اسيفك والله لكلامك اشد على من كلام الاعرابي**۔ خدا تیرا منہ توڑے اور تیری پسلیاں چور کرے۔ خدا کی قسم تیری یہ بات تو میرے لئے اس اعرابی کے کلام سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مجالس المومنین ص ۲۲۲)

حضرت مقداد بن اسود

آپ اسود کے فرزند تھے۔ مقداد مہاجرین میں بھی پیش پیش نظر آتے ہیں جنھوں نے خلافت ابوبکر کو تسلیم نہیں کیا تھا اور ان لوگوں میں آپ کا شمار ہے جن کے متعلق ہے کہ جنت ان کی مشتاق ہے۔ تاریخ شیخ ابوالحسن مقدسی میں ہے کہ وہ ایک مرد بلند قامت وگندم گوں تھے اور ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب ان کی زوجہ تھیں اور وہ شیعیان علی ابن ابی طالب علیہ السلام میں ہیں۔ قدیم الاسلام اور تمام غزوات میں جناب رسولؐ خدا کے ہمراہ جہاد فرمایا ہے صحیح ترمذی میں ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں اور یہ بھی خبر دی ہے کہ اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ علیؑ اور مقداد وسلمان اور ابوذر ہیں۔

جامع صغیر میں جلاالدین سیوطی شافعی نے لکھا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ تحقیق کہ جنت چار آدمیوں کی مشتاق ہے یعنی علیؑ۔ عمار وسلمان ومقداد شیخ ابوعمر سے کسی نے جو علمائے امامیہ میں سے ہیں اپنی کتاب اسماء الرجال میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ سب لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین آدمیوں کے سلمان وابوذر ومقداد۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی عمار؟ حضرت نے فرمایا کہ وہ بھی کچھ حق سے پلٹ گئے تھے لیکن پھر حق کی طرف رجوع کی اور اگر تو اس شخص کو جاننا چاہے کہ جس نے ذرا شک نہیں کیا اور جس کے دل میں کوئی بات خلاف آئی ہی نہیں وہ مقداد ہیں اور ابان بن تغلب سے منقول ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے پوچھا آیا صحابہ میں سے کسی نے ابوبکر کے جانشین رسولؐ بننے پر اعتراض کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں! بارہ آدمیوں نے انکار کیا تھا۔ مہاجرین میں سے۔

مقداد بن اسود۔ ابوذر غفاری۔ سلمان فارسی بریدہ اسلمی۔ خالد بن سعید۔ عمار یاسر۔ انصار میں۔ ابوالہیثم تیہان۔ عثمان بن حنیف۔ سہیل بن حنیف خزیمہ بن ثابت۔ ابی بن کعب۔ ابوایوب انصاری۔

لوگوں نے حضرت امیر المومنین ابن ابی طالبؑ سے پوچھا گیا کہ ابوبکر کو منبر سے اتار لیں تو آپ نے فرمایا قسم خدا کی ایسا اگر کرو گے تو سب تلواریں میرے پاس کھینچ کر آجائیں گے اور طلب بیعت اور قتل کے درپے ہوں گے اور جب یہ صورت ہوگی تو بدرجہ مجبوری مجھ کو بھی دفاع لازم ہوگا...... لیکن پیغمبرؐ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے بعد" امت تم سے غدر کرے گی اور میرے عہد کو توڑ دے گی اور تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی اختیار کر لی تھی اسی طرح سے یہ امت تمہیں چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرے گی۔

میں نے (یعنی علیؑ مرتضیٰ) عرض کی یا رسولؐ اللہ! میں ان لوگوں کے ساتھ کیا کروں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر ناصرو مددگار تمہیں ملیں تو ان سے قتال کرو ورنہ اپنے خون کی حفاظت کرو۔ میرے پاس آؤ۔

علیؑ مرتضیٰ کے رسولؐ السلام کی طرح تمام انداز وہی ہیں جو رسولؐ کو کرنا پڑے۔ اگر انہوں نے ابتداء میں صلح جوئی سے کام لیا تو علیؑ کا بھی وہی انداز تھا۔ اگر انہوں نے آخر زمانہ میں جنگ کی تو انہوں نے آخر زمانہ میں جمل وصفین و نہروان میں ناکثین وقاسطین اور مارقین سے قتال کیا۔ آنحضرتؐ نے اگر بوقت فتح مکہ اپنے مکان میں نزول اجلال نہیں فرمایا۔ اور اس کو ترک کیا تو علیؑ نے بھی اپنے ایام خلافت ظاہری میں باغ فدک پر قبضہ نہیں کیا۔ اگر وہ سال دماہ مشرکین کے دلوں میں مثل تیر کے کھٹکتے تھے تو علیؑ بھی اپنے مخالفین کی نظر میں تھے۔

مقداد بن الاسود نے ۳۳ ہجری میں انتقال فرمایا۔

جناب عدی بن حاتمؓ

صاحب استیعاب نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ اکابر مہاجرین میں سے تھے اور ان کے اسلام لانے کے دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے بہت خوشی فرمائی تھی اور اپنی ردائے مبارک ان کے لیے بچھادی تھی اور زبان معجز بیان سے فرمایا تھا کہ جب تمہارے پاس کوئی کریم آئے تو اس کا اکرام کرو۔ عدی ممدوح جنگ جمل وصفین ونہروان میں ملازم رکاب ولایت مآب حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام رہے اور جنگ جمل میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ زمخشری نے کتاب ربیع الابرار میں تحریر کیا ہے کہ معاویہ نے ایک خط عدی بن حاتم کو لکھا اور اپنی بیعت کی خواہش کی تھی۔ عدی نے دوشعروں میں جواب دیا جس کا مفہوم یہ ہے

یعنی" جدال کرتا ہے۔ مجھ سے اور جھگڑتا ہے معاویہ بن صخر

باغی یعنی معاویہ کی طرف جانے کی کوئی راہ نہیں ہے۔

وہ مجھے ابوالحسن علیؑ کے بارے میں نصیحت کرتا ہے

درآنحالیکہ میرا حصہ ابوالحسنؑ کے بارے میں

یعنی ان کی محبت میں بہت بڑا ہے۔"

مروی ہے کہ جب عدی بن حاتم کو بعد شہادت حضرت علی علیہ السلام مجلس معاویہ میں جانا پڑا اور اس مجلس میں عبداللہ بن زبیر جو جنگ جمل میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے حاضر تھے عبداللہ نے معاویہ سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں ایک گروہ قریش کے شمول میں عدی بن حاتم سے باتیں کروں اس لیے کہ شیعوں کا گمان ہے کہ خوش بیانی اور سخنوری میں کوئی انکا مثل نہیں ہے۔ معاویہ نے کہا کہ عدی حقیقت میں ایسے ہی حاضر جواب اور زبان آور ہیں جیسا شیعہ انہیں کہتے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ان سے مناظرہ کر کے تم اپنے کو ضائع نہ کرو اور مجھے تکلیف ہو۔

عبداللہ بن زبیر اور تمام حاضرین قریش نے اصرار کیا پس عبداللہ نے ابتدا کی کہ اے ابا طریف کس روز تمہاری آنکھ لوگوں نے ضائع کی؟

عدی نے جواب دیا کہ جس روز تمہارے باپ میدان جنگ سے بھاگ گئے اور بری طرح سے مارے گئے تھے اور اشتر نے تمہارے مسرز پر نیزہ مارا تھا جس سے تم بھاگے تھے تب معاویہ نے کہا کہ آخر میں کہتا نہ تھا کہ تم ان سے مقابلہ نہ کرو۔

کتاب غرر الفوائد و درالقلائد میں جو مولفات سید محمد مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ میں لکھا ہے کہ جب عدی بن حاتم بعد شہادت حضرت علی علیہ السلام معاویہ کے پاس آئے تو اس نے بطور شماتت ان سے پوچھا کہ تمہارے تینوں بیٹے طریف وطراف وطرفہ کیا ہوئے۔

عدی نے جواب دیا کہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے معاویہ نے کہا کہ ابن ابی طالبؑ نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ اپنے بیٹوں کو صحیح وسالم رکھا اور تمہارے بیٹوں کو قتل ہونے دیا۔ عدی نے جواب دیا کہ میں نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا اس لئے وہ شہید ہوگئے اور میں زندہ ہوں علامہ حلی قدس سرہ نے خلاصۃ الاقوال میں تحریر فرمایا ہے کہ عدی بن حاتم طائی منجملہ ان اصحاب کے ہیں جنہوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف رجوع کیا اور مستبصر ہوگئے۔

سعید بن قیس ہمدانی

بزرگان قبیلہ ہمدان اور فدائیان امیر المومنینؑ سے کتاب فتوح عاثم کوفی نے لکھا ہے کہ سعید بن قیس جنگ جمل میں سواران میسرہ لشکر حضرت امیر المومنینؑ کے سردار تھے اور جنگ صفین میں عدیل بن بدیل بن ورقا الخزاعی کے ہمراہ سواران جناح کے سردار تھے اور جناب امیر المومنینؑ نے اپنے دیوان حقائق بیان میں فضائل قبیلہ ہمدان اور جنگ صفین میں ان کی جانفشانی کا ذکر فرمایا ہے جنگ جمل میں آپ برابر حملہ پر حملہ کررہے تھے اور دیگر جاں نثاری کے کارنامے پیش کررہے تھے۔ ابن عاثم کوفی نے لکھا ہے کہ عمر بن حصین سکونی جنگ صفین میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کے پس پشت آیا اور حملہ نیزہ کا کرنا چاہتا تھا کہ زخمی کردے چنانچہ سعید بن قیس نے بڑھ کر اس کو قتل کردیا اور وہ اشعار کہے جن کا ماحصل یہ ہے کہ "معاویہ بن صخر کو یہ خبر پہنچادی جائے کہ ہم ہمیشہ تیرے دشمن رہیں گے کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہمارے والد ابوالحسن علی ہیں اور ہم ان کے فرزند ہیں اور ہم سوائے ان کے کسی کو نہیں چاہتے اور یہی عین ہدایت ہے اور یہی ہماری بڑی خوش قسمتی ہے" معاویہ نے جب یہ سنا تو اس نے تمام قبائل یحصٰب وب کندہ ولخم وخرام کو ذوالکلاع حمیری کے ہمراہ بھیجا۔ حضرت امیرؑ نے خاص کر قبیلہ ہمدان کو پکارا سب لبیک لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے حضرتؑ نے فرمایا۔

اس لشکر سے مقابلہ کرو جو معاویہ نے خاص تمہارے لیے بھیجا ہے۔ سعید بن قیس نے معہ اپنے قبیلے کے اس لشکر پر حملہ کردیا اور صفوں کو درہم وبرہم اور منتشر کردیا حتیٰ کہ ان کو بھگاتے ہوئے سراپردہ معاویہ تک جا پہنچے اور کئی

سرداران نامی کو ان میں سے قتل کیا۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ حضرت امیرؑ نے اس جنگ کو پسند کیا اور سعید بن قیس کو معہ ان کی قوم کے اپنے سامنے بلایا اور ان کی مدح فرمائی اور فرمایا کہ اے آل ہمدان تم بجائے میرے جوش وسپر و تیرو کمان کے ہو۔ میں ہمیشہ تم سے مدد حاصل کرتا رہا ہوں اے سعید تو میرے چشم بینا اور بجائے میرے ہاتھ کے ہے میں ہر وقت اور ہر کام میں تیری شجاعت و مردانگی اور خردمندی پر اعتماد کرتا رہوں گا۔ قسم خدا کی اگر تقسیم بہشت میرے ہاتھ ہوئی تو اے قبیلہ ہمدان تم کو بہشت کے بہترین مقام میں اتارونگا۔

سعید بن قیس نے عرض کی کہ یا امیر المومنینؑ یہ کام ہم محض خداوند عالم کے لیے کرتے ہیں آپ پر کوئی احسان نہیں ہے خداوند عالم اس کی جزا اور اس کا ثواب پورے طور پر ہمیں عنایت کریگا جو خدمت سخت سے سخت ہو وہ آپ ہم سے متعلق کردیجئے اور جہاں جی چاہے بھیج دیجئے ہم دل وجان سے آپ کو دوست رکھتے ہیں اور آپ کے مطیع ہیں حضرت امیر المومنینؑ نے ان کی تعریفیں فرمائیں اور وہ لوگ اپنی کارگزاری پر مسرور وخوش ہوئے۔ جناب سعد کی بجائے سعید بن قیس معلوم ہوتے ہیں جو کتاب کی وجہ ہے قیس ہمدانی کے علیحدہ حالات نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ بس قیس بن سعد بن عبادہ الانصاری کے متعلق یہ ذکر ملتا ہے کہ آپ صحابہ سید ابرارؐ میں سے تھے اور طریق جنگ آزمائی میں ہر جوان دلیر سے سبقت حاصل کی۔ صاحب استیعاب نے مالک بن انس سے نقل کی ہے کہ وہ رسالت مآبؐ کے ایسے مقرب تھے جیسے بادشاہوں کے داروغہ مقرب ہوتے ہیں۔ اور روز فتح مکہ کبھی علم پیغمبران کے پدر بزرگوار سعید بن عبادہ کے ہاتھ میں رہتا تھا اور کبھی ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا جنگ جمل اور صفین میں یہ حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ رہے اور کبھی آپ سے جدائی نہیں اختیار فرمائی تفصیل کیساتھ حالات قیس اور ان کے خدمات ان کی بزرگی کے استیعاب میں ملیں گے جن کو نظر انداز کیا جاتا ہے (ترجمہ فتوح)

جناب بدیل خزاعی

کتاب خلاصہ ابن داؤد میں اتنا پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن بدیل بن ورقا خزاعی اور ان کے دونوں بھائیوں محمد و عبدالرحمن کو جناب رسالت مآبؐ نے ان کے باپ بدیل کے پاس یمن بھیج دیا تھا اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت امیر المومنینؑ کے پاس رہے یہاں تک کہ جنگ صفین میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ عبداللہ معہ اپنے باپ کے قبل فتح مکہ مسلمان ہوئے تھے اور یہ قبیلہ خزاعہ کے رؤساء میں سے تھے اور عبداللہ جناب

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے راز دار تھے۔ شعبی نے روایت کی ہے کہ عبداللہ جو بدیل کے فرزند تھے جنگ صفین میں دو زرہ پہنے تھے اور دو تلواریں لئے تھے اور اہل شام کو قتل کرتے جاتے تھے...... اور برابر تلواریں مارتے اور مقابل کو گراتے جاتے تھے یہاں تک کہ معاویہ کے پاس پہنچ گئے اور اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا اصحاب جو اس کی حوالی میں تھے ان کو متفرق کر دیا آخرکار اس کے ساتھیوں نے متفق ہو کر پتھر برسانا شروع کیے اور تلواریں اور تیر بھی مارتے تھے یہاں تک کہ بدیل کے فرزند عبداللہ شہید ہو گئے اور باپ بیٹے نصرت حق میں سرفراز ہوئے۔

جناب اویس قرنی

سہیل ملک یمن اور آفتاب قبیلہ قرن سے متعلق تھے اور تابعین کے آٹھ زاہدوں میں ان کا بھی شمار ہے جنہوں نے زہد کی انتہا کر دی۔ جناب خاتم المرسلینؐ نے اویس کی شان میں نفس الرحمن اور عبد التابعین فرمایا ہے۔

اویس عہد پیغمبرؐ میں موجود تھے اور آپ پر ایمان لائے تھے لیکن اپنی ضعیف والدہ کی خدمت میں مشغول و مصروف رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت سرور کائناتؐ کی زیارت سے مشرف نہیں ہو سکے تھے۔ دن کو شتر بانی کرتے تھے اور اس کی مزدوری سے اپنا اور اپنی ماں کا خرچ چلاتے تھے۔

سید محمد نور بخش نور اللہ مرقدہ نے کتاب شجرہ اولیاء میں لکھا ہے کہ اویس قرنی مجذوب و مقدس ہیں جن کو رسولؐ اکرم نے ولی فرمایا ہے کہ یمن کی طرف سے نفس الرحمن کا احساس کرتا ہوں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ سید تابعین ہیں پس جس کی تعریف خود رسولؐ خدا نے فرمائی ہو اس کو امت میں کسی کی تعریف کی کچھ حاجت نہیں۔ جناب حیدر بن علی آملی نے اوائل کتاب منبع الاسرار میں لکھا ہے کہ اویس قرنی کی جلالت قدر اور راز دار اسرار الٰہی ہونے کی وجہ سے جناب رسالت مآبؐ جب یمن کی طرف سے ان کے انفاس شریفہ کی خوشبو سونگھتے تھے تو فرماتے تھے کہ "میں یمن کی طرف سے روح الرحمن کو سونگھ رہا ہوں" حضرت سلمان نے حضور ختمی مرتبتؐ سے سوال کیا کہ وہ کون شخص ہے؟

حضرتؐ نے فرمایا کہ یمن میں ایک شخص ہے جسے اویس قرنی کہتے ہیں وہ روز قیامت تنہا ایک امت کے مثل محشور ہوگا۔ اور اس کی شفاعت میں مثل قبیلہ ربیعہ و مضر کے داخل ہوں گے۔ آگاہ ہو کہ جو شخص تم میں سے انہیں دیکھے وہ میرا اسلام پہنچا دے اور ان کو حکم دے کہ وہ مجھے (بلائیں یا) میرے لیے دعا کریں۔

کتاب تذکرۃ الاولیا میں ہے کہ جب جناب امیرؑ اور عمر نے حسب وصیت جناب رسالتمآبؐ کے آنحضرتؐ کا سلام اویس کو پہنچایا اور عمر نے ان کو دیکھا کہ وہ ایک ستری گلیم اوڑھے برہنہ سر و برہنہ پا ہیں اور دونوں عالم تونگری کو اپنی گلیم میں چھپا ہوئے ہوئے ہیں تو اپنی خلافت انہیں حقیر معلوم ہوئی اور کہا کون شخص ایسا ہے جو خلافت مجھ سے ایک روٹی کے عوض میں مول لے لے۔ اویس نے کہا کہ اے عمر کون ایسا بے عقل ہے جو روٹی دے کر خرید کرے گا۔ یہ تو کیا بیچ رہا ہے پھینک دے جس کا جی چاہے گا اٹھا لے گا۔"

منقول ہے کہ وہ سہیل یمن بعض راتوں میں کہتے تھے کہ یہ رکوع کی رات ہے اور پوری رات رکوع میں بسر کر دیتے تھے لوگ کہتے تھے کہ یہ سجود کی رات ہے کسی نے ان سے کہا کہ اے اویس تم عبادت کی اتنی طاقت کیسے حاصل ہوئی کہ ایسی طولانی راتیں ایک حالت میں کاٹ دیتے ہو؟ جواب دیا کہ رات طولانی کہاں ہوتی ہے؟ کاش کہ ازل سے لے کر ابد تک ایک رات ہوتی اور میں پوری رات ایک سجدہ میں کاٹ دیتا اور اچھی طرح گریہ وزاری کرتا۔

حبیب السیر میں مذکور ہے کہ ایک دن اویس قرنی آب فرات کے کنارے وضو کر رہے تھے کہ ایک طبل کی آواز کان میں آئی۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت امیر المومنینؑ کی فوج جنگ معاویہ کے لیے جارہی ہے اویس نے کہا کہ کوئی عبادت میرے نزدیک متابعت علیؑ مرتضیٰ سے افضل نہیں ہے۔

چنانچہ یہ کہہ کر اسی طرف دوڑے اور ملازم رکاب فیض انتساب ہوئے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے

کتاب تحفۃ الاحبا میں عبداللہ بن عباس سے نقل ہے کہ جب ہم لوگ حضرت امیرؑ کے ساتھ مقام ذیقار میں پہنچے تو کوفہ اور اس کے توابع ولواحق کا لشکر حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ آج ۲۱ فوجیں ہمارے پاس آئیں گی اور ہر فوج میں ہزار آدمی ہوں گے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میرے قیاس میں یہ امر بعید معلوم ہوا۔ مگر ولائت مآب میرے دل کا حال سمجھ گئے۔ حکم دیا کہ اس صحرا میں دو نیزے نصب کر دیئے جائیں تا کہ جو لشکر آئے وہ ان دو نیزوں کے درمیان میں ہو کر گذرے۔ لوگوں کو یہ بھی حکم دیا کہ بہت تحقیق کے ساتھ ہر فوج کے افراد کو شمار کیا جائے۔ جب غروب کا وقت قریب ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ ایک آدمی کم ہے وہ بھی آنے والا ہے۔ دیکھا کہ ناگاہ ایک مرد پیادہ پا آرہا ہے اور اپنا سامان باندھے ہوئے پشت پر آرہا ہے نہایت ضعیف و نحیف و لاغر چہرہ زرد غبار آلود ہے۔ جب حضرتؑ کی خدمت میں آیا تو سلام کیا حضرتؑ نے جواب سلام دینے کے بعد ان کا قبیلہ دریافت کیا۔ عرض کی میں اویس قرنی ہوں۔ یا امیر المومنینؑ ہاتھ بڑھایئے کہ میں بیعت تو کرلوں۔ فرمایا تم کس چیز پر بیعت کرو گے عرض کی اس وعدہ پر کہ آپ کی نصرت مددگاری میں اپنے کو چھوڑ دوں اور اپنا سر آپ پر نثار کر دوں۔

ایک دن اپنی ماں سے اجازت مانگی۔ ماں نے کہا کہ جاؤ لیکن رسول خداؐ مکان میں نہ ہوں تو ٹھہرنا نہیں اور فوراً واپس آنا۔ مدینہ جب پہنچے مکان پر حضرتؐ موجود نہ تھے فوراً یمن کی طرف واپس ہو گئے۔ آنحضرتؐ جب مکان تشریف لائے تو آپ نے گھر میں ایک نور دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا۔ دریافت فرمایا کہ دروازہ مکان سے کوئی آیا تھا؟ جواب ملا کہ ہاں یمن سے ایک شتربان اویس نامی آیا تھا اور سلام کہہ کر واپس گیا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں یہ اویس کا نور ہے۔ جو خود چلے گئے اور نور بطور ہدیہ ہمارے گھر میں چھوڑ گئے۔

اویس قرنی سہیل یمن اور آفتاب قرن بہترین تابعین اور حوارین امیر المومنینؑ میں سے ہیں۔ اور آٹھ زاہدوں اور پرہیزگاروں میں سے ایک ہی بلکہ ان سے افضل ہیں اور ان سو افراد میں سے آخری ہیں کہ جنہوں نے صفین میں حضرت امیر المومنینؑ سے بیعت کی تھی کہ ہم اپنی جانیں آپ کی ہم رکابی میں قربان کریں گے۔ اور انہوں نے پے در پے آنجناب کی خدمت میں رہ کر جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ اور منقول ہے کہ رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تمہیں بشارت ہو میری امت میں سے اس شخص کی کہ جسے اویس قرنی کہتے ہیں۔ وہ ربیعہ ومضر قبیلے کے لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ نیز روایت ہے کہ رسولؐ اکرم نے اویس قرنی کے حق میں جنت میں جانے کی گواہی دی۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ قرن کی طرف سے جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں پھر آپ اویس قرنی کے متعلق اظہار شوق کرتے اور فرماتے جو اس سے ملاقات کرے میری طرف سے اس کو سلام کہے۔ اور جان لو کہ موحدین عرفاء نے اویس کی بہت تعریف کی ہے اور انہیں سید التابعین کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول خدا نے اسے نفس الرحمن اور خیر التابعین کے نام سے یاد کیا ہے اور کبھی کبھی یمن کی طرف سے اس کی خوشبو سونگھتے اور فرماتے کہ مجھے رحمن کی خوشبو یمن کی طرف سے آتی ہے کہتے ہیں کہ اویس اونٹ چراتے اور ان کی اجرت سے اپنی والدہ کو خرچ دیتے۔ ایک دفعہ اپنی ماں سے اجازت لی کہ مدینہ جا کر حضرت رسولؐ اکرم کی زیارت سے مشرف ہو آؤں ان کی والدہ کہنے لگی اس شرط پر اجازت دیتی ہوں کہ وہاں آدھے دن سے زیادہ نہ ٹھہرنا۔ اویس نے مدینہ کی طرف مسافرت کی جب رسولؐ خدا کے گھر پہنچے تو اتفاقاً آنحضرتؐ گھر پر موجود نہ تھے مجبوراً اویس ایک دو گھنٹے ٹھہرنے کے بعد ملاقات کیے بغیر واپس چلے گئے۔ جب رسولؐ خدا واپس تشریف لائے تو فرمایا یہ نور کیسا ہے جو مجھے اس گھر میں نظر آتا ہے۔ لوگوں نے بتایا اونٹوں کا ایک چرواہا جس کا نام اویس تھا اس مکان میں آیا تھا اور واپس چلا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے مکان میں یہ نور بطور ہدیہ چھوڑ کر واپس گیا ہے اور کتاب تذکرۃ الاولیاء میں منقول ہے کہ رسول خداؐ کے پرانے کپڑے حضرت امیر المومنینؑ کے فرمان اور عمر کے کہنے مطابق اویس کو بلا کر دیئے گئے۔ عمر نے دیکھا کہ اویس لباس سے عاری ہے اور گلیم شتر بطور ستر اوڑھے ہوئے ہے۔ عمر نے اویس کی تعریف کی اور اظہار زہد کرتے ہوئے کہنے لگا۔ کون ہے جو یہ خلافت مجھ سے ایک

روٹی کے بدلے خرید کرے۔ اویس نے کہا جو شخص عقلمند ہے وہ اس خرید فروخت پر راضی نہیں ہوگا۔ اور اگر سچے ہو تو خلافت کو چھوڑ کر چلے جاؤ تا کہ جو چاہے اسے لے لے۔ عمر نے کہا میرے حق میں دعا کرو۔ اویس نے کہا میں ہر نماز کے بعد مومنین و مومنات کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اگر تم مومن ہو تو میری دعا تمہیں پہنچ جائے گی ورنہ میں اپنی دعا کیوں ضائع کروں۔ کہتے ہیں کہ اویس اپنی بعض راتوں کے متعلق کہتے کہ یہ رکوع کی رات ہے اور پوری رات صبح تک رکوع میں گزار دیتے اور کسی رات کہتے یہ سجدہ کی رات اور پوری رات سجدہ میں گزارتے۔ لوگوں نے کہا یہ کیسی زحمت و تکلیف ہے کہ جس میں تم اپنے آپ کو رکھتے ہو۔ کہنے لگا کاش ازل سے لے کر ابد تک ایک ہی رات ہوتی اور میں اسے ایک ہی سجدہ میں گزار دیتا۔

جناب جابر ابن عبداللہ انصاری

کتاب ابن داؤد میں منقول ہے کہ وہ اصحاب رسولؐ خدا کے تھے اور جنگ بدر راہ دیگر اٹھارہ لڑائیوں میں رسولؐ کے ساتھ رہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ وہ اصحاب رسولؐ سے سب سے آخر میں باقی رہنے والے شخص ہیں اور ان کی بازگشت ہم اہلبیت کی طرف تھی۔

کتاب خلاصہ میں فصل بن شاذاں سے روایت ہے کہ وہ ان سابقین صحابہ میں ہیں جنہوں نے بعد رسولؐ حضرت علیؑ مرتضیٰ کی طرف رجوع کیا تھا اور ابن عقدہ نے جو اکابر محدثین میں سے ہیں ان کی محبت اہلبیتؑ اور متابعت اہلبیتؑ کی تصریح کی ہے کہ وہ آخران صحابہ کے ہیں جنہوں نے مدینہ میں وفات پائی۔ جنگ صفین میں آپ حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے استیعاب میں اسکا ذکر ہے۔ ابوعمر کشی نے لکھا ہے کہ جابر سیاہ عمامہ باندھتے تھے اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر مسائل دینی بیان کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بولے اور کہنے لگے "یاباقر العلم" اہل مدینہ نے جب یہ کلمے سنے تو کہنے لگے جابر بن عبداللہ بڈھے ہو گئے ہیں ہذیان بکتے ہیں جب یہ بات جابر نے سنی تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں ہذیان نہیں بکتا بلکہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا ہے کہ تم عن قریب میرے اہلبیتؑ میں سے ایسے مرد کو دیکھو گے جس کا نام میرا نام ہوگا اور جس کے شمائل میرے شمائل ہونگے وہ علم کو اس طرح شگافتہ کرے گا جو شگافتہ کرنے کا حق ہے میں نے یہ کلام معجز بیان پیغمبرؐ انام سے

سنا ہے مجھ کو ان کے دیکھنے کی بہت آرزو ہے جو مجھے بے اختیار کررہی ہے۔

ایک دن جابر مدینہ کی گلیوں سے گذر رہے تھے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے دروازہ سے ایک لڑکے کو دیکھا کہ جس سے رسول خدا کے شمائل ظاہر تھے۔ اپنے پاس بلایا حضرتؑ سامنے آئے جابر نے کہا ذرا پلٹ جایئے پلٹ گئے جابر نے اپنے جی میں کہا کہ یہ شمائل تو پیغمبرؐ کے شمائل ہیں ان کو قسم دی کہ آپ کا کیا نام ہے انہوں نے فرمایا محمد بن علی بن الحسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ یہ سن کر جابر آگے بڑھے اور انہوں نے سر مبارک پر بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کے جد امجدؐ نے آپ کو سلام کہا ہے۔ حضرت یہ خبر سن کر متاثر ہوئے اور اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر ذکر کیا۔ جناب زین العابدین علیہ السلام نے اس خبر کے افشا ہونے سے اندیشہ فرمایا آخر جابر نے سلام و پیام کو ظاہر کیا۔ انہوں نے عرض کی کہ ہاں امامؑ نے فرمایا کہ اے فرزند اب تم گھر میں بیٹھو اور باہر نہ جاؤ اس لیے کہ لوگ تمہاری طرف رجوع کرنے لگیں گے اور دشمنوں کے مظالم ہم پر بڑھ جائیں گے۔ بعد ازاں جابر ہر صبح و شام امام محمد باقرؑ کی خدمت میں تنہا حاضر ہوتے تھے اور علم کی باتیں سیکھتے تھے اہل مدینہ اس امر سے تعجب کرتے تھے۔ یہ ذکر روضۃ الشہداء میں اس طرح ہے۔

آخر عمر میں جابر کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ ایک دن امام محمد باقرؑ اپنے عنفوان شباب میں ان کے پاس تشریف لائے اور ان پر سلام کیا جابر نے جواب سلام دیکر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا محمدؑ بن علی بن حسینؑ ہوں۔ جابر نے عرض کی کہ اے سردار میرے پاس آیئے اور اپنا ہاتھ مجھے دے دیجئے۔ امامؑ نے اپنا ہاتھ جابر کے ہاتھ میں دے دیا۔ جابر نے ہاتھ پر بوسہ دیا اور چاہا کہ پاؤں پر بھی بوسہ دیں لیکن امامؑ نے پاؤں نہ دیئے۔ جابر نے عرض کی کہ اے فرزند رسولؐ حضرت رسولؐ خدا نے آپ کو سلام کہا ہے امام نے فرمایا ''علی رسولؐ اللہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' پھر جابر سے فرمایا کہ اے جابر اس کا حال بیان کرو۔ جابر نے عرض کی کہ ایک روز میں رسول خداؐ کے ساتھ تھا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر شائد تم اس وقت رہو کہ میرے ایک فرزند سے ملاقات کرو جن کا نام محمدؑ بن علی بن حسینؑ ہوگا۔ خداوند عالم اس کو اپنا نور اور حکمت دے گا اسے میری طرف سے سلام پہنچا دینا۔ نیز کتاب کشی میں مذکور ہے کہ جابر عصا ہاتھ میں لیے ہوئے کوچہ ہائے مدینہ اور وہاں کی مجالس میں جاتے تھے اور کہتے تھے "علی خیر البشر من ابی فقد کفر" یعنی علیؑ خیر البشر ہیں جو شخص اس سے انکار کرے یقیناً کافر ہے'' اور اے گروہ انصار اپنی اولاد کو محبت علی ابن ابی طالبؑ کیساتھ ادب سکھاؤ جو شخص انکار کرے اس کی ماں کی حالت پر غور کرو۔ اس مفہوم کا شعر ملاحظہ ہو۔

محبت شہ مرداں مجو ز بے پدرے
کہ دست غیر گرفتہ است پائے مادر او

یہ جابر وہی مقدس بزرگ ہیں جو اول زائر قبر سید الشہدا علیہ السلام ہوئے اور اسی روز اہلبیتؑ کا قافلہ قید سے چھوٹ کر قبر سید الشہدا پر پہنچا تھا اور جناب زینب خاتون ثانی زہراؑ بھائی کی قبر پر فریاد و نالہ و زاری فرماتی تھیں۔
جابر کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ آپ مقام صبر تک پہنچے ہوئے تھے۔ جابر آخر عمر میں مبتلائے ضعف پیری ہو گئے تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام آپ کی حالت معلوم کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ (اوصاف الاشراف)

حضرت ابوایوب انصاری

آپ زید کے فرزند تھے۔ نام ان کا خالد تھا لیکن کنیت نام پر غالب آ گئی تھی انہوں نے جنگ بدر اور دیگر جنگوں میں مثلاً جنگ جمل و صفین و نہروان میں حضرت امیر المومنینؑ کی ہمراہی میں جہاد کیا۔ فتوح ابن عاثم کوفی میں مذکور ہے کہ ابوایوب نے زمانہ جنگ صفین میں ایک روز لشکر حضرت علیؑ سے نکل کر لشکر شام سے مبارز طلبی کی بہت پکارا مگر کوئی مقابلہ کے لیے نہ آیا حتیٰ کہ آپ معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گئے معاویہ خیمہ کے در پر کھڑا تھا ابوایوب کو دیکھ کر بھاگا اور دوسرے دروازہ سے نکل گیا۔ بہت نامی آدمیوں کو زخمی کر کے بھگا دیا۔
معاویہ کی طرف ایک شخص نے جس کا نام مترفع بن منصور تھا کہا کہ اے معاویہ اس کی فکر نہ کرو میں اسی طرح علیؑ کے خیمہ کی طرف جاتا ہوں اگر علیؑ کو پا لیا تو ان کو زخمی کر کے آؤں گا یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا اور حضرت امیرؑ کے خیمہ کی جانب بڑھا ناگاہ ابوایوب انصاری کی نظر پڑ گئی۔ بال آخر ایسا وار کیا کہ وہ قتل ہو گیا اور لوگ نہ سمجھ سکے کہ وہ قتل ہو گیا۔ ابوایوب کی تیز دستی پر سب متعجب ہوئے۔
ابوایوب معاویہ کے زمانہ میں جنگ روم گئے تھے اثنائے راہ میں بیمار ہو گئے اور وصیت فرمائی کہ جہاں پر لشکر کفار سے ملاقات ہو اسی جگہ مجھے دفن کر دینا۔ چنانچہ اس وجہ سے شہر استنبول کے باہر شہر پناہ کے قریب دفن ہوئے روضہ پر آپ کے مسلمان و نصاریٰ دونوں طلب یاروں کے لیے دعا مانگنے آتے ہیں۔ صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ جب اہل روم لڑائی سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ ابوایوب کی قبر کھود ڈالیں۔ ناگاہ اس روز بہت زور کی بارش ہوئی یہ طوفانی کیفیت دیکھ کر لوگ خائف ہوئے۔ اور باز رہے۔
آپ جلیل القدر صحابی امیر المومنینؑ کے تھے۔ آپ صاحب نخلستان تھے۔ مکان آپ کا دو منزلہ تھا۔ آپ کے یہاں پارچہ بافی ہوتی تھی اور کپڑا بنا جاتا تھا۔ جب بعد ہجرت رسول کریم مدینہ پہنچے تو شہر کے باہر ٹھہرے۔ انصار زیارت

کو آتے تھے اور ہر شخص کی آرزو تھی کہ آپ ہمارے گھر میں قیام فرمائیں۔ اونٹنی تمام جگہ پھری بالآخر حضرت ابوایوب کے دروازہ پر بیٹھ گئی اور آپ وہیں اتر پڑے سات ماہ ان کے مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ عبادت گذار پابند شریعت حافظ قرآن بہادر وجری تھے جب رسولؐ اکرم نے وفات پائی تو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جناب ابوایوب اس موقع پر موجود تھے۔ جناب ابوایوب کی ذات تمام مسلمانوں میں غیر اختلافی ہے۔ آپ جنگ جمل اور صفین و نہروان تینوں لڑائیوں میں شریک رہے اور علیؑ کی معیت میں رہے جنگ جمل بصرہ کے قریب ہوئی تھی پھر جنگ صفین ہوئی اور اس کے ساتھ ہی نہروان کی لڑائی ہوئی آپ کو میزبانی رسولؐ کا شرف حاصل تھا۔ سال وفات 51 ہجری ہے اور مزار ایوبی استنبول قسطنطنیہ میں بڑی شاندار عمارت ہے۔ جس میں مسجد و خانقاہ و مدرسہ مہمان خانہ ہے۔

اور یہ مزار مرکز زیارت بنا ہوا ہے۔

(رسالہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ)

نوٹ:۔ قوم نور باف (یعنی جولاہوں) کا خیال ہے کہ ہم لوگ ابوایوب انصاری کی شاخ اور سلسلہ سے ہیں اور یہ کپڑا سازی جو ہمارے جد کے یہاں ہوتی تھی اسی سے ہم کو ترقی کرنا چاہیے اور ہنر وصنعت میں اضافہ ہمارا فرض ہونا چاہیے۔ جولاہے فی زمانہ تقریباً سب اپنے کو انصاری کہتے ہیں یوں بھی ان سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں کہ حقیقت کا کیا رخ ہے ہمیں تو یہ کہنا ہے کہ اگر وہ اپنے کو حضرت ابوایوب انصاری کی نسل سے سمجھتے ہیں تو جوان کے کردار اور خیالات ہیں یعنی جنگ جمل و صفین و نہروان کی شرکت تو پھر ان کو سیرت معاویہ اور یزید سے دوری اختیار کرنا فرض ہے ورنہ وہ خلف صادق نہیں ہوسکتے۔ یہ ہمیں تسلیم ہے کہ ایام عزا میں جو انصاریان تعزیہ داری میں اپنا جوش نصرت پیش کرتے ہیں وہ تو اسی خون کا اثر معلوم ہوتا ہے لیکن برخلاف اس کے عقائد میں اختلافی صورتیں پیدا ہوجائیں یہ ان کی نسل کا اثر نہیں ہوسکتا بلکہ عقائد کی طرف متوجہ ہونا بھی ضروری ہے (مولف)

سلیم بن قیس الہلالی

شیخ طبری نے کتاب احتجاج میں بقول سلیم ابن قیس نقل کی ہے جو جناب عبداللہ ابن عباس کے ذکر میں ہے کہ ”جب معاویہ مدینہ گیا اور اس کا گذر قریش کے ایک گروہ کی جانب سے ہوا۔ سب کے سب تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن ابن عباس نے تعظیم نہیں کی معاویہ نے کہا کہ تم کو میری تعظیم سے وہی کینہ دیرینہ مانع ہے کہ میں نے صفین

میں تم لوگوں سے جنگ کی تھی لیکن میں بھی عثمان کا پروردہ ہوں کہ جس کو ظلم سے شہید کیا ہے غرض معاویہ کی یہ تھی کہ تم نے عثمان کو قتل کیا لہٰذا ہم نے بھی تم لوگوں سے قتال کیا۔ اب اس کا خیال دل میں نہ رکھنا چاہیے (یعنی عوض معاویہ گلا ندارد)

لیکن ابن عباس نے اس بات سے چشم پوشی کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا کیا جائے عمر ابن خطاب بھی مظلوم شہید ہوئے؟ معاویہ نے کہا کہ عمر کو ایک کافر نے قتل کیا۔ لیکن ابن عباس نے پھر دریافت کیا کہ پھر عثمان کو کس نے مارا؟ معاویہ نے جواب دیا۔ مسلمانوں نے۔

ابن عباس نے کہا کہ یہ قول تو تمہارا خود تمہاری دلیل کو باطل کیے دیتا ہے۔ معاویہ شرمندہ ہوگیا۔ اور اس بات کو کاٹ کر دوسری باتیں کرنے لگا۔ اور کہا کہ میں نے اطراف ملک میں حکم بھیج دیا ہے کہ لوگ علیؑ کے اور اہلبیتؑ کے مناقب کا ذکر نہ کریں۔ لہٰذا تم بھی اپنی زبان سے ان کے مناقب نہ بیان کرو۔ ابن عباس نے کہا کہ آیا ہم کو قرآن پڑھنے سے منع کرتے ہو؟

معاویہ نے کہا نہیں۔ ابن عباس نے کہا پھر اس کے معانی سمجھنے سے منع کرتے ہو؟

اس نے کہا بیشک۔ ابن عباس نے پوچھا کہ آیا ہم قرآن پڑھیں اور اس کے معنی کی اصل تحقیق نہ کریں کہ خداوند عالم نے کیا حکم دیا ہے اور اس کے مطابق نہ کریں؟

معاویہ نے جواب دیا کہ اس کے معنی ایسے لوگوں سے پوچھو جو تمہاری اور تمہارے اہلبیتؑ کی تفسیر کے خلاف بیان کرتے ہوں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ خداوند عالم نے کلام مجید کو اہلبیتؑ پر نازل کیا ہے ہم اس کے معنی آل ابی سفیان سے کیونکر پوچھیں۔

آخر کار معاویہ سے کچھ جواب دیتے نہ پڑا اور کہا اے عبداللہ ابن عباس تم اپنے نفس کو روکو اور زبان کو باز رکھو اور اگر تم ضرور بیان کرنا چاہتے ہو تو چھپا کر بیان کرو تا کہ کوئی سن نہ سکے۔ اھ (میں دن میں ایک مرتبہ رسولؐ اللہ کے ساتھ تنہائی میں رہا کرتا تھا۔ کبھی رسولؐ سے جدا نہ ہوتا تھا اصحاب رسولؐ واقف تھے اور کسی کے ساتھ حضرت کا یہ برتاؤ نہ تھا تخلیہ عموماً میرے ہی گھر میں ہوتا تھا اور اگر اتفاق سے رسولؐ کے گھر میں ہوتا تھا تو حضرتؐ کی بیویاں اس جگہ سے اٹھادی جاتی تھیں ان کی بیٹی فاطمہؑ اور ان کے فرزند نہ ہٹائے جاتے تھے۔۔۔۔ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں جو حضرتؐ پر نازل ہوئی ہو لیکن یہ کہ حضرتؐ نے مجھ پر قرأت نہ کی ہو اور مجھ کو لکھوا نہ دیا ہو۔ میں خود اپنے قلم سے لکھتا تھا یہی نہیں بلکہ رسولؐ اللہ نے ان کو سمجھنے اور یاد رہنے کی دعا بھی میرے حق میں فرمائی تھی اس کی برکت سے قرآن مجھے بالکل حفظ ہوگیا تھا اور کبھی سہو و نسیان نہیں ہوا۔ اسی طرح تاویل قرآن کا علم بھی رسولؐ اللہ نے میرے سپرد فرمایا اور یہ سب امانت نبوتؐ میرے سینے میں محفوظ ہوگئیں صرف حافظہ ہی میں نے نہیں محفوظ کیا بلکہ حضرتؐ نے مجھے لکھوایا اور میں نے لکھ لیا غرض کہ جو خدا نے

اپنے رسول کو بتلایا تنزیل و تاویل ناسخ و منسوخ حلال و حرام امر و نہی اطاعت و معصیت اور جو حالات تھے وہ سب مجھ کو محفوظ کرائے۔ اور پیغمبرؐ نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر علم فقہ حکمت بھر دیئے (کتاب سلیم بن قیس الہالی طبع نجف)

پھر سلیم بن قیس کا بیان ہے کہ معاویہ نے پکار کر کہا کہ میں اس شخص سے بری طرح بیزار ہوں جو ایک حدیث بھی حضرت علیؑ کے مناقب یا ان کے فضائل میں بیان کرے۔ یوں تو اس بلا کا اثر ہر شہر پر کچھ نہ کچھ ہوا لیکن خصوصیت کے ساتھ کوفہ پر بڑا اثر پڑا اس لیے کہ وہاں شیعہ بہت تھے اور معاویہ انہیں پہچانتا بھی تھا اور ان کو پتھروں اور کنکریوں کے نیچے دبا دبا کر مار ڈالا بہتوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ اکثر کو شاخہائے خرمہ میں پھانسی دیدی۔ بہتوں کی آنکھیں نکلوالیں۔ بہتوں کو شہر بدر بلکہ ملک بدر کر دیا حتیٰ کہ یہ سب عراق سے چلے گئے اور کوئی مشہور و معروف شیعہ باقی نہیں رہ گیا تھا لیکن یہ کہ قتل کیا گیا یا پھانسی دیا گیا یا محبوس ہوا یا یہاں سے نکالدیا گیا اور جلائے وطن کر دیا گیا اور معاویہ نے اپنے تمام حکام کو احکام بھیجے کہ خبردار شیعیان عثمان اور محبین اہلبیت عثمان میں سے کسی کے اوپر جرات نہ کرنا۔ اور جو عثمان کے فضائل و مناقب بیان کرے اس کی قدر و منزلت اور تعظیم و تکریم میں زیادتی کرنا اور ہر عثمان کے فضائل کے بیان کرنے والے کا نام معہ اس کے باپ اور قبیلہ کے نام کے لکھ لیا جائے۔ چنانچہ حکام معاویہ نے ایسا ہی کیا اس وجہ سے فضائل عثمان کی روایتیں بہت سی جمع ہو گئیں جو لوگوں نے گڑھ گڑھ کے بیان کیں اس لیے کہ ان کو اس کے صلہ میں خلعت انعام و جاگیریں ملتی تھیں یہاں تک نوبت آئی کہ جو شخص کسی شہر سے آتا تھا وہ عثمان کی منقبت میں کوئی نہ کوئی روایت ضرور بنا کر یاد کر لاتا تھا اور اس کا نام راویوں میں لکھ لیا جاتا تھا اور معاویہ نے تمام شہروں میں یہ حکم بھیج دیا تھا کہ جس شخص کے متعلق دو گواہیاں گذر جائیں کہ وہ علیؑ یا (ان کے اہلبیتؑ کو دوست رکھتا) ان کا نام نکال دیا جائے۔

پھر دوسرا حکم نامہ بھیجا کہ شیعیان علیؑ کو اگرچہ دو شہادتیں بھی نہ گذریں قتل کر دو بلکہ جس کے اوپر گمان اور شبہ بھی شیعہ ہونے کا ہو اس کو بھی قتل کر دو۔ اس وقت نوبت یہ تھی کہ جو لوگ دہریت اور کفر کی ترویج کرنے والے تھے ان کو کوئی خطرہ نہ تھا بلکہ حسب حیثیت ان کا دنیوی اعزاز و احترام بھی کیا جاتا تھا لیکن شیعیان علیؑ میں سے کوئی اپنی جان کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ اور یہ حالت ہر شہر میں تھی خصوصاً کوفہ اور بصرہ میں۔

یہاں تک کہ اگر کوئی شیعہ علیؑ اپنے کسی دوست سے کوئی راز کہنا چاہتا تھا تو اپنے خادموں اور غلاموں سے ڈرتا تھا اور خود اپنے دوستوں سے بھی نہیں کرتا تھا جب تک اس سے بڑی بڑی قسمیں نہیں لے لیتا تھا کہ وہ اسے پوشیدہ رکھے گا۔ اور یہ مظالم یوں ہی بڑھتے رہے اور جھوٹی حدیثیں یوں ہی رواج پاتی رہیں اور لڑکوں کو انہیں حدیثوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور سب سے بڑھ کر اس سلسلہ میں وہ ریاکار علما اور قاری تھے جو ریاکاری سے خضوع و خشوع اور سجود میں مشغول رہتے تھے اور جھوٹی حدیثیں گڑھا کرتے تھے اور حکام اور قضاۃ سے انعامات لیتے تھے یہاں تک یہ حدیثیں اور

روایتیں ان لوگوں کے نزدیک حق ہو گئیں اور انہیں احادیث میں ایک دوسرے پر ترجیح دی جاتی رہی اور یہی حدیثیں ان کے عباد و زہاد اور حفاظ میں نے کہ جو جھوٹی حدیثیں پسند نہیں بھی کرتے تھے یاد کر لیں اس لئے کہ وہ انہیں حق سمجھتے تھے۔ اگر انہیں باطل سمجھتے تو ہرگز ان کی طرف توجہ نہ کرتے۔ بس حق ان لوگوں کے نزدیک باطل اور باطل حق ہو گیا اور کذب صدق سے اور صدق کذب سے بدل گیا۔

اصحاب امیر المومنین میں ان کی شخصیت گوناگوں حیثیتوں سے بہت اہم ہے اور جناب امیر المومنینؑ سے آپ کے اخلاص و محبت کے احادیث کو روایتی حیثیت سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ جتنے گہرے حجابات کے باوجود حقیقت نمایاں ہو جائے اور اس کے پرقوت ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔

ایک طرف بنی امیہ اور ان کے ہواخواہوں کی یہ پالیسی کہ اہلبیت رسولؐ کے خلاف جو بات بھی لکھنا ہو وہ ان کے کسی عزیز کی طرف نسبت دیکر کہی جائے اسی لیے جناب عباس کی زبانی اس قسم کی باتیں تصنیف کی گئیں۔ جو امیر المومنینؑ کی حقانیت کے خلاف بطور سند پیش کی جاسکتیں اور اس پر جناب عبداللہ ابن عباس کی طرف اس قسم کے حکایات منسوب کئے گئے' جو اس بات کا پتہ دیں کہ انہیں جناب امیرؑ کے طرز عمل سے اتفاق نہ تھا۔

یہ کام ڈیڑھ دو سو برس تک بنی امیہ کے زیر سرپرستی ہوتا رہا اور اس کے بعد برسر اقتدار ان ہی جناب عبداللہ ابن عباس کی طرف نسبی حیثیت سے نسبت رکھنے والی بنی عباس برسر اقتدار آئے جنہوں نے اگرچہ سلطنت آل محمدؐ کے نام پر اور ان کے ساتھ خلق خدا کی ہمدردی کی بدولت حاصل کی تھی۔ مگر بعد میں انہیں بھی اپنے اقتدار ملکی کے تحفظ کے لیے ضرورت اس کی محسوس ہوئی کہ آل رسول کو نذر تغافل کیا جائے اور وہ اپنے کو زیادہ حقدار وارث رسولؐ ثابت کریں۔ اس لیے ان کا نصب العین حتی الامکان یہ تھا کہ بنی عباس کی فوقیت ثابت ہو اور لوگ علیؑ و اولاد علیؑ کو بھول جائیں۔ اس عناد کی حد متوکل کے دور میں تو اس منزل تک پہنچی کہ بھرے ہوئے دربار میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی نقل بنائی جاتی تھی اور بادشاہ و ارکان سلطنت قہقہے لگاتے تھے۔

اس صورت میں عباسی سلطنت کی پالیسی کا کہاں تقاضا تھا کہ جناب عبداللہ ابن عباس کے اس اخلاص و ارادت کے روایات جو انہیں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے تھا یا آپ سے ان کے کسب فیوض کے اعترافات منظر عام پر آسکیں مگر اس سب کے بعد یہ حقانیت کی طاقت سمجھنا چاہیے کہ جناب عبداللہ ابن عباس کی حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ انتہائی وابستگی اور علمی و عملی طور پر آپ کے زیر سایہ تربیت پانا' تاریخ اور رجال و سیر کی ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے جس کے شواہد کسی زیادہ جستجو کے محتاج نہیں بلکہ معمولی سے ذوق مطالعہ رکھنے والے کو بھی کسی شاذ و نادر کتاب میں نہیں بلکہ متداول علمی و تاریخی ماخذوں میں نمایاں نظر آئیں گے۔

ولادت

جناب عبداللہ ابن عباسؓ ہجرت کے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور اس لیے وفات پیغمبر خدا کے وقت آپ کی عمر تیرہ برس کی ہوتی ہے۔ ایک روایت میں اس سے کم' یعنی دس برس' اور ایک میں اس سے زیادہ' یعنی پندرہ برس بھی وارد ہے مگر پہلا قول زیادہ مرجح ہے۔

عرب میں تیرہ برس کی عمر کا بچہ جوانی کی منزل سے قریب ہوتا تھا اس لئے جناب رسالت مآبؐ کے اقوال وافعال کے متعلق ان کے جو روایات' یا تاثرات ہوں انہیں بے وقعت نہیں سمجھا جاسکتا۔ استیعاب علامہ ابن عبدالبر اور اصابہ حافظ ابن حجر وغیرہ میں بھی وارد ہے کہ آپ کی ولادت کے بعد کمسنی ہی میں دو مرتبہ حضرت پیغمبر خداؐ نے ان کے لیے علم وحکمت کے عطا ہونے کی دعا فرمائی' جس کے الفاظ چاہے مختلف ہوں مگر مفہوم تقریباً ایک ہے مثلاً کہیں یہ ہے **اللھم علمه الحکمه وتاویل القران** (پروردگار اسے حکمت اور تاویل قرآن کا علم عطا فرما) کہیں ہے **اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل** (پروردگار اسے فہم دین اور علم تاویل عنایت فرما) کہیں ہے۔ **اللھم زدہ علما وفقھا** (پروردگار اس کے علم و فقاہت میں اضافہ کرنا)

پیغمبر اسلامؐ کی یہ حدیثیں خود باب مدینۃ العلمؑ اور باب دار الحکمؑ سے ان کے ہمیشہ وابستہ رہنے کی ضمانت تھیں اس لیے کہ اصل علم وحکمت وہی ہے جو اصلی سرچشمہ علم وحکمت سے حاصل ہو۔

ابتدائی تاثرات:۔

اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ پیغمبر خداؐ کے بعد جب سیاست کی ہوا نے اکثریت کو دوسرے رخ پر منتشر کر دیا تو جناب عبداللہ ابن عباس' باوجود کم عمری کے پختہ کاری کے ساتھ اسی حقیقت سے وابستہ رہے جو ان کی صحیح معرفت کا تقاضا ہو سکتی تھی۔

وفات رسالت مآبؐ کے قبل ہی جو ناگوار واقعات سامنے آرہے تھے' ان پر جناب عبداللہ ابن عباس ایک ذہین صاحب نظر مکمل انسان کی طرح غور کر رہے تھے' اور اس سے شدید طور پر متاثر تھے چنانچہ صحاح ستہ کی سب سے بڑی کتاب صحیح بخاری (مطبوعہ کرزن پریس۔ دہلی نصف دوم صفحہ ۸۴۸) میں باب القول المریض قوموا عنی میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا کہ جب رسالت مآبؐ کے احتضار کا عالم تھا اور اس وقت گھر میں بہت سے لوگ تھے' جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے' تو حضرتؐ نے فرمایا کہ آؤ میں تم کو ایک تحریر لکھ دوں' جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے' جناب عمر نے کہا کہ رسالت مآبؐ پر اس وقت مرض کا غلبہ ہے' قرآن تمہارے پاس موجود ہے اور ہمارے لیے خدا کی کتاب کافی ہے' گھر والوں میں اس وقت اختلاف ہوا کچھ لوگ کہتے تھے کہ قلم دوات دینا چاہیے تا کہ رسالت مآبؐ ایسی

تحریر لکھ دیں جس کے بعد گمراہی سے محفوظ ہو جاؤ اور کچھ لوگ وہی کہتے تھے جو عمر نے کہا تھا جب شور ہوا اور جھگڑا ہونے لگا تو رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ اس کے بعد بخاری میں ہے **فکان ابن عباس یقول ان الرزیة کل الرزیة لما حال بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین ان یکتبه لهم ذلك الکتاب من اختلافهم ولغطهم** یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ مصیبت سب سے بڑی وہی تھی کہ رسالت مآبؐ کو وہ تحریر لکھنے کا موقع نہ دیا گیا' جو آپ لکھنا چاہتے تھے۔

یہ ایک معمولی بچہ کی بات نہیں ہے بلکہ ایک پوری سیاست اسلام کا تجزیہ کر لینے والی نظر کا جائزہ ہے جس نے اصل سنگ بنیاد کو دریافت کر لیا جس پر بعد کے صدیوں کی سیاست کی عمارت قائم ہوئی۔

پیغمبر خداؐ کے بعد آپ نے اپنے علمی استفادہ کا مرکز حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو قرار دیا اور باوجود اپنی کم عمری کے وہ امتیاز حاصل کیا کہ علامہ ابن عبداللہ کے الفاظ استیعاب میں یہ ہیں **لقد کان عمر یعده للمعضلات** یعنی عبداللہ ابن عباس کو حضرت عمر علمی مشکلات کے حل کرنے کے لیے ذخیرہ رکھتے تھے۔ علامہ ابن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ نے بھی منہج مکیہ شرح قصیدہ ہمزیہ میں لکھا ہے کہ **تقدیم عمر لابن عباس علی اکابر مشیخه المهاجرین والانصار لانه کان یجد عنه من العلم ببرکته النبی بان الله یفقهم فی الدین ویعلمهم التاویل مالیس عندهم منهج** مکتبہ مطبوعہ مصر ۱۳۰۷ھ ۲۲۷ وص ۲۲۸) یعنی حضرت عمر ابن عباس کو اکابر شیوخ مہاجرین وانصار پر ترجیح دیتے تھے' اس لیے کہ ان کے پاس دعائے رسولؐ کی برکت سے وہ علم پاتے تھے جو ان کے پاس نہ پاتے تھے۔

تجر علمی

حضرت عمر کے علاوہ دوسرے صحابہ بھی ان کی بلندی علمی کے معترف تھے۔ جناب عبداللہ ابن مسعود کا قول ہے **نعم ترجمان القران ابن عباس لو ادرك لنا ما عاشره منا رجل** (کیا کہنا ترجمان القرآن ابن عباس کا اگر ہماری عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی ان سے بات نہ کر سکتا۔ طاؤس یمانی کا قول ہے کہ میں نے پانچ سو اصحاب رسولؐ ایسے دیکھے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو ابن عباسؓ اس کی غلطی پر متنبہ کرتے تھے اور اسے اقرار کرنا پڑتا تھا۔

مسروق کا قول ہے کہ جب میں عبداللہ ابن عباس کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا اجمل الناس (سب سے زیادہ خوبصورت) اور جب بات کرتے تھے تو کہنا پڑتا تھا افصح الناس۔ اور جب حدیثیں بیان کرنے پر آتے تھے تو ماننا پڑتا تھا کہ اعلم الناس۔

سید مرتضٰی زبیدی نے شرح احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابو صالح کی روایت

درج کی ہے کہ میں نے ابن عباس کی علمی صحبت کا ایسا واقعہ دیکھا ہے کہ جس پر اگر تمام قریش ناز کریں تو بجا ہے۔ میں نے دیکھا کہ دروازے پر اتنے لوگ مختلف مسائل کی تحقیق کرنے والے جمع ہو گئے کہ راستہ بند ہو گیا۔ نہ ادھر کا کوئی آدمی ادھر جا سکتا' اور نہ ادھر کا ادھر آ سکتا۔ میں اندر گیا اور میں نے ابن عباس کو اطلاع دی کہ اتنے لوگوں کا مجمع ہے۔ انہوں نے وضو کیا اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھے' کہا کہ باہر جاؤ اور کہو کہ جو لوگ الفاظ قرآن اور اس کے حروف کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہیں' وہ اندر آئیں میں گیا اور میں نے ان لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دی۔

وہ لوگ آئے یہاں تک کہ تمام گھر بھر گیا' انہوں نے اپنے اپنے مسئلہ دریافت کیے اور ابن عباس نے جو کچھ انہوں نے پوچھا وہ بتایا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ بس اب اپنے دوسرے بھائیوں کو موقع دو' وہ لوگ اٹھے اور باہر گئے۔ ابن عباس نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اور کہو کہ جو لوگ تفسیر قرآن اور تاویل کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہیں وہ اندر آئیں۔ روایت طولانی ہے جس میں اسی طرح مختلف علوم وفنون کے طلاب کے جمع ہونے اور اپنے سوالات سے کچھ زیادہ ہی معلومات حاصل کرنے کا تذکرہ ہے۔

جناب ابن عباس کے اعترافات:۔

باوجود اس مقبولیت اور مرجعیت کے جناب عبداللہ ابن عباس اظہار حق اور اعتراف حقیقت سے کبھی خاموش نہیں ہوئے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا' باوجودیکہ خلیفہ دوم آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے' مگر مسئلہ خلافت پر آپ کی ان سے اکثر تلخ اور سخت گفتگوئیں ہوگئی ہیں' جن کی تفصیل طول کے خیال سے ترک کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ آپ کا امیر المومنینؑ سے تفسیر سورہ حمد دریافت کرنا اور امیر المومنینؑ کا رات بھر بیان فرمانا اور آخر میں یہ ارشاد کہ **لو زاد فی اللیل لزدناك** (اگر رات اور گنجائش دیتی تو میں اور بیان کرتا) اس موقع پر جناب ابن عباس کا قول ہے کہ **کنت ان نفسی فی جنبه کالفوارة فی جنب البحر المثعنجر** (میں اپنے کو آپ کے پہلو میں)

مجاہدات:۔

حضرت امیر المومنینؑ کو اپنے زمانہ خلافت میں جو جمل و صفین و نہروان میں جہاد کرنا پڑے ان میں بھی جناب عبداللہ ابن عباس پیش پیش نظر آتے ہیں۔ چنانچہ استیعاب میں ہے (برحاشیہ اصابہ جلد ۲ ص ۳۵۷) کہ **شهد عبدالله ابن عباس مع علی الجمل وصفین والنهروان۔**

حضرت امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد اقتدار بنی امیہ کے زمانہ میں وہ حکومت وقت کے خلاف جہاد باللسان میں مشغول رہے چنانچہ کمال الدین دمیری نے حیات .... (مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۱۲۵ میں شفاء الصدر) ابن سبع

بستی کے حوالہ سے جناب علی ابن عبداللہ ابن عباس کی روایت لکھی ہے کہ ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ مکہ معظمہ میں اس وقت، جب کہ انکی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی ہمارا گزر ہوا ایک جماعت کی طرف سے جو زمزم کے کنارہ بیٹھی ہوئی علی ابن ابی طالب کو برا کہہ رہی تھی' جناب عبداللہ ابن عباس نے اپنے شاگرد سعید ابن جبیر سے' جو آپ کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتے تھے کہا کہ ذرا مجھے ان کی طرف واپس کرو' سعید انہیں پلٹا کر اس مجمع کے پاس لائے۔

ابن عباس نے کہا ایکم الساب اللہ ولرسولہ (تم میں سے کون شخص خدا اور رسول کو گالیاں دے رہا تھا) ان لوگوں نے کہا سبحان اللہ ہم میں سے کوئی شخص نہیں جس نے خدا و رسول کو برا کہا ہو۔ ابن عباس نے کہا۔ ایکم الساب لعلی (تم میں سے حضرت علیؑ کو برا کہنے والا کون ہے) ان لوگوں نے کہا کہ ہاں یہ تو یہاں ہو رہا تھا۔ ابن عباس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسالت مآبؐ کو فرماتے سنا ہے۔ من سب علیا فقد سبنی و من سبنی فقد سب و من سب اللہ ! اللہ علی منخریہ فی النار (جو شخص علیؑ کو برا کہے اس نے نے مجھے برا کہا اور جس نے مجھے برا کہا اس نے خدا کو برا کہا اور جس نے خدا کو برا کہا خدا اس کو اوندھے منہ آگ میں ڈال دیگا۔

فقہی مسلک

مسلمہ طور پر جناب عبداللہ ابن عباس فقہ کے اختلافی مسائل میں ہمیشہ مسلک اہلبیتؑ کے ترجمانی اور استدلالی طور پر اسی کے حق میں جہاد کرتے رہے۔ چنانچہ مسئلہ متعہ میں جناب خلیفہ دوم کے وقت سے لیکر عبداللہ ابن زبیر کے عہد تک ہر ایک برسر اقتدار فرد سے ان کا تصادم ہوتا رہا۔ اور عبداللہ ابن زبیر سے تو انہوں نے بھرے ہوئے مجمع میں بڑی سخت بات کہہ دی کہ اپنی والدہ (اسماء بنت حضرت ابوبکر) سے جا کر دریافت کرو کہ خود تمہاری ولادت کس قسم کے نکاح سے ہوئی ہے۔

اس طرح متعہ الحج اور میراث کے اختلافی مسائل عول اور تعصیب وغیرہ میں برابر وہ مسلک جمہور کے خلاف اعلان کرتے رہے جو خود کتب جمہور میں درج ہے۔ اس سب کی تفصیل ایک مستقل اور بسیط تصنیف کی طلب گار ہے۔

بیعت یزید سے انحراف:

امیر شام کے مسلک سے اختلاف کے وقتاً فوقتاً مظاہرہ کے ساتھ ساتھ جو ابھی صرف اقوال کی صورت سے تھا۔ ان کو عملی منزل میں بھی آنے کا موقع اس وقت ملا جب یزید کی بحیثیت ولی عہد بیعت لی جارہی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ جن لوگوں نے شروع ہی میں معاویہ سے بیعت سے انکار کیا تھا ان میں جناب عبداللہ ابن عباس بھی تھے' چنانچہ معاویہ نے اپنے وقت آخر جو اظہار حسرت کے الفاظ بطور پیغام یزید سے کہلوائے ہیں ان میں پانچ آدمیوں کا نام لیا تھا کہ ان کی بیعت نہ کرنیکا مجھے افسوس ہے۔ ان میں جناب عبداللہ ابن عباس کا

نام بھی تھا اس کے بعد جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہوگئی تو سطوت یزید سے مرعوب ہو کر عبداللہ ابن عمر اگرچہ یزید کے اقتدار کے سامنے اتنے ..... انداختہ ہوگئے کہ وہ وفاداری حکومت کے بہت بڑے مبلغ بن گئے اس وقت بھی جناب عبداللہ ابن عباس اپنے مسلک پر قائم رہے اور کبھی یزید کی بیعت نہیں کی۔

جراتِ اظہار کا آخری کارنامہ:۔

یزید کی بیعت سے انحراف کے بعد پھر ایک آسان صورت یہ تھی کہ وہ عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ ہو جاتے جو اس وقت یزید سے کم' بنی ہاشم سے اختلاف رکھتے تھے اور یزید سے برسرپیکار بھی تھے۔ مگر اہلبیت رسولؐ کا چونکہ مسلک یہ تھا کہ کسی اقتدار باطل کی بیعت نہ کی جائے' اس لیے جناب عبداللہ ابن عباس نے عبداللہ ابن زبیر کی بیعت سے بھی انکار کیا۔ اسے مخبروں نے یزید تک پہنچایا تو اسے خواہ غلط فہمی ہوئی ہو یا سیاسی طور پر فائدہ اٹھانا چاہا ہو۔ اس نے جناب عبداللہ ابن عباس کو حسب ذیل خط لکھا۔ اس کے جواب میں جناب عبداللہ ابنعباس نے یہ تاریخی جواب دیا جو جراتِ اظہار حق کا ایک شاہکار ہے اور جناب عبداللہ ابن عباس کے قلم کی ایک مستند دستاویز ہوتے ہوئے کسی بھی عباسی کے اس مرحومات کے قلعہ کو مسمار کرنیوالا ہے جو یزید کی صفائی میں قائم کیا جائے۔

یزید کو یہ معلوم ہوا تو اس نے عبداللہ بن عباس کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس لامذہب ابن زبیر) نے آپ کو حرم الٰہی میں اپنی بیعت حاصل کرنے کے لیے بلایا تھا مگر آپ نے ہماری وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ بس اپنے ابنائے وطن کو اور ان لوگوں کو جو بیرونجات کے آپ کے پاس آمدورفت رکھتے ہیں' ابن زبیر اور میری نسبت اپنے صحیح خیالات سے برابر آپ مطلع فرماتے رہیں۔ اس لیے کہ ابن زبیر آپ کو اپنی بیعت اور اطاعت میں لینے کے بعد آپ سے باطل کی تمنا اور اپنے گناہوں میں آپ کو شریک کرنے کی آرزو رکھتا تھا مگر آپ نے ہماری بیعت و اطاعت میں داخل رہتے ہوئے وفائے عہد کے حق کو پورا کیا ہے لہٰذا خدا اس صلہ رحم کی آپ کو جزائے خیر دے اور بہر طور میں بھی آپ کے اس صلہ رحم اور نیک سلوک کو بھولنے والا نہیں ہوں اور جس صلہ و انعام کے آپ مستحق ہیں وہ بہت جلد آپ کے پاس پہنچاؤں گا۔ مکرر یہ کہ آپ آنے جانے والوں کو ابن زبیر کی برائیوں اور اس کی چرب زبانی کے متعلق متنبہ کرتے رہیں کیونکہ عام طور پر لوگ اس کے متعلق آپ کی رائے کو زیادہ وقیع اور معتبر سمجھتے ہیں۔'' عبداللہ ابن عباس نے اس خط کا حسب ذیل جواب یزید کو روانہ کیا۔ ''تمہارا خط پہنچا۔ تم نے جو یہ لکھا ہے کہ میں نے عبداللہ زبیر کی بیعت تمہاری وفاداری کے خیال سے نہیں کی۔ یہ غلط ہے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں کبھی بھی تمہارا مداح اور ہوا خواہ نہیں رہا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس بات کو بھول جاؤں گا کہ تم نے ہی حسینؑ کو قتل کیا ہے اور کیا نبی مطلب کے ان نوجوانوں کی خاک و خون میں بھری لاشوں کا ہولناک تصور میرے دماغ سے محو ہو جائیگا جن کے

کپڑے تک لوٹ لیے گئے تھے اور بے گوروکفن گرم ریگ پر یونہی چھوڑ دی گئی تھیں۔ صرف ہوا کے جھونکوں نے خاک ڈال کر جن کی پردہ داری کا حق ادا کیا اور جانوراں صحرائی نے ان کی حفاظت کے فرض کو پورا کیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ایک قوم کے ذریعہ سے انکے دفن وکفن کا سرانجام کیا۔

ہاں ہاں اے یزید میں نہیں بھول سکتا اور کبھی نہیں یہ کہ تم نے حسینؑ کو حرم خدا اور حرم رسولؐ سے نکلنے پر مجبور کیا اور ابن مرجانہ کو قتل حسینؑ پر مامور کیا۔ میں تو خدا کی ذات سے بہرحال امید رکھتا ہوں کہ وہ منتقم حقیقی بہت جلد تمہارے اعمال کے مطابق سزا دیگا۔ اور عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ کیونکہ تم نے اس کے نبیؐ کی عترت کو قتل کیا ہے اور ان کے قتل پر راضی ہوئے ہو اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ تم میرے ساتھ صلہ رحم برتو گے اور انعام واکرام سے پیش آتے رہو گے۔ تو تم اپنی اس مہربانی اور صلہ رحم کو بس اپنے ہی لیے اٹھا رکھو۔ ہم کو اس کی مطلق ضرورت نہیں ہے اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ میں لوگوں کو تمہاری طرف مائل اور عبداللہ ابن زبیر سے منحرف اور برگشتہ کروں تو اس کے متعلق میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے لیے کبھی خیروبرکت نہ ہو اس لیے کہ تم مجھ سے اپنی نصرت اور حمایت کی امید رکھتے ہو .... تم نے میرے ابن عم کو قتل اور رسولؐ اللہ کے ان اہلبیتؑ کو ذبح کیا ہے کہ جو رشد وہدایت کے چراغ اور تاریک راتوں میں روشن ستارے تھے افسوس کہ ان کو تمہاری فوجوں کی گھنگھور گھٹا نے پوشیدہ کر دیا۔ کیوں اے یزید کیا تم نے اپنے نمک خواروں کو اس لیے حرم الٰہی میں نہیں بھیجا تھا کہ حسینؑ کو اسی حرم مقدس میں قتل کر دیں اور کیا تم حسینؑ کو برابر ڈراتے دھمکاتے نہیں رہے یہاں تک کہ وہ سفر عراق اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے تم نے ہی یہ سب کچھ کیا اور اس لیے کیا کہ تمہارے دل میں مخالفت خدا اور رسولؐ اور آل رسولؐ کی جن کی شان میں خدا نے آیہ تطہیر نازل فرمائی جاگزیں ہے۔ اس آیہ تطہیر کے مصداق آل رسولؐ ہی تھے نہ کہ تمہارے باپ دادا جو جفا کار، طاغی وباغی اور دشمن خدا و رسولؐ تھے۔ اب ان افعال و اعمال کے باوجود بھی کیا تم مجھ سے اپنی ہوا خواہی کی امید رکھ سکتے ہو؟ اے یزید سب سے زیادہ عظیم جسارت تمہاری یہ تھی کہ تم نے رسولؐ کی نواسیوں کو سر برہنہ کیا اور قیدی بنا کر عراق سے شام تک تشہیر کرایا تاکہ لوگوں کے دلوں پر اپنے غلبہ تسلط اور قہاری کا یہ سکہ بیٹھاؤ کہ بظاہر کس طرح ذریت رسولؐ کو مغلوب ومقہور کرنے میں تم کامیاب ہوئے ہو اور پھر اس پر تم نازاں ہو کہ اس طرح تم نے آل رسولؐ سے اپنے ان فاسق وفاجر اور کافر بزرگوں کے خون کا بدلہ لیا ہے کہ جو جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے اور جس کا کینہ تمہارے دل میں دبی ہوئی چنگاری کی طرح چھپا ہوا تھا۔"

وفات:۔

یزید اور عبداللہ ابن زبیر کی مخالفت کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں آ گئے تھے، مجبوراً آپ کو حرمین شریفین سے ہجرت کرنا پڑی اور طائف میں جا کر سکونت اختیار کرنا پڑی وہیں حضرت محمد ابن الحنفیہ

بھی ابن زبیر کے تشدد سے جناب مختار کی فوجی امداد کی بدولت چھٹکارا پا کر تشریف لے گئے' وہیں ۶۸ھ میں جناب عبداللہ ابن عباس کی وفات ہوئی۔ حضرت محمد ابن الحنفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کہا **الیوم مات ربانی ھذا لامة** (آج اس امت کا عالم ربانی دنیا سے اٹھ گیا۔

عبداللہ بن عباس' رسولؐ خدا کے اصحاب اور امیر المومنینؑ کے دوستدار اور آنجنابؑ کے شاگرد تھے۔ علامہ نے کتاب خلاصہ میں فرمایا ہے کہ عبداللہ کی حالت قدر امیر المومنینؑ کے ساتھ ان کا اخلاص اس سے زیادہ ہے کہ وہ بیان کیا جاسکے۔ شیخ کشی نے کچھ روایات ذکر کی ہیں جو ان کے قدح و طعن کی متضمن ہیں لیکن عبداللہ اس سے اجل و ارفع ہیں۔ ہم نے بڑی کتاب میں ان احادیث کو بیان کر کے ان کا جواب دیا ہے۔ قاضی نور اللہ نے مجالس میں کہا ہے کہ جو روایات کشی میں ہیں ان کے قدح اور مطاعن کا خلاصہ جو سمجھ میں آتا ہے۔ اس کی بازگشت ابن عباس کے بعض افعال و کردار کی طرف ہے اور مولف کو ان کے ایمان کا اعتقاد ہے۔ باقی رہے وہ جواب جو شیخ علامہ نے کتاب کبیر میں دیئے ہیں۔ اس حقیر کی نظر قاصر تک نہیں پہنچے بلکہ بعض قابل وثوق علماء سے سنا گیا ہے کہ بعض غفلتیں جو بادشاہ مغفور سلطان محمد خدابندہ کی وفات کے بعد واقع ہوئی ہیں۔ ان میں کتاب مذکور اور بعض اسباب اور کتب شیخ علامہ ضائع ہو گئے ہیں اب تک اس کتاب کا نسخہ کسی فاضل روزگار کی نظر سے نہیں گزرا اور نہ کوئی نام دنشان اس کا مل سکا ہے (انتھی) اور ابن عباس علم فقہ تفسیر و تاویل بلکہ انساب و شعر میں بہت ممتاز تھے بسبب حضرت امیر المومنینؑ کی شاگردی اور رسولؐ اکرم کی دعا سے (جو ان کے حق میں آپ نے فرمائی) کیونکہ ایک دفعہ آنحضرتؐ کے غسل کے لیے اپنی خالہ میمونہ کے گھر جو آنحضرتؐ کی زوجہ تھیں پانی لے آئے تو حضرتؐ نے ان کے حق میں دعا کی **اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل** خدایا اسے دین کی سمجھ اور تاویل قرآن کا علم عطا کر۔

وہ عالم' فصیح اللسان اور باشعور تھے۔ حضرت امیر المومنینؑ نے انہیں بھیجا تا کہ خوارج سے مناظرہ کریں اور واقعہ تحکیم میں اشعث نے ابوموسیٰ کو تحکیم کے لیے انتخاب کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا میں ابوموسیٰ کو اس کام کے لیے پسند نہیں کرتا۔ ابن عباس کو اس کے لیے اختیار کرو۔ لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور جنگ جمل میں بھی جب حضرت امیرؑ کو اصحاب جمل پر فتح نصیب ہوئی تو ابن عباس کو حمیرا (عائشہ) کے پاس بھیجا کہ اسے حکم دیں وہ فوراً بصرہ سے مدینہ کی طرف کوچ کرے اور بصرہ میں قیام نہ کرے حمیرا اس وقت بصرہ کے ایک طرف قصر بنی خلف میں تھی۔ ابن عباس اس کے پاس گئے اور اندر جانے کی اجازت چاہی حمیرا نے اجازت نہ دی۔ ابن عباس اجازت کے بغیر اندر چلے گئے۔ جب اندر گئے تو دیکھا کہ وہ جگہ فرش سے خالی ہے اور اس عورت نے بھی دو پردوں کے پیچھے اپنے کو چھپا رکھا ہے۔ ابن عباس نے مکان میں نظر دوڑائی کمرے کے ایک کونے میں ایک تکیہ کو دیکھا ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھالیا۔ اور اس کے اوپر

بیٹھ گئے۔ اس عورت نے پردہ کے پیچھے سے کہا۔ اے ابن عباس تو نے سنت میں خطا کی (خلاف قانون کیا) ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ہمارے مال پر بیٹھا بغیر ہماری اجازت کے۔ ابن عباس کہنے لگے ہم رسولؐ کے قانون کو تجھ سے بہتر جانتے ہیں اور تجھ سے اولی اور زیادہ حقدار ہیں۔ ہم نے تجھے آداب وسنت کی تعلیم دی ہے۔ یہ تیرا گھر نہیں تیرا گھر وہی ہے جس میں تجھے چھوڑ گئے تھے اور تو اس سے باہر نکل آئی ہے اپنے نفس پر ظلم اور نافرمانی کرتے ہوئے۔ جب تو اپنے گھر جائے تو ہم تیری اجازت کے بغیر اس میں داخل نہیں ہوں گے اور تیرے فرش پر نہیں بیٹھیں گے۔ اس کے بعد کہا کہ امیر المومنینؑ نے حکم دیا ہے کہ مدینہ واپس جاؤ اور اپنے گھر میں جا کر بیٹھ۔ حمیرا کہنے لگی خدا رحمت کرے امیر المومنینؑ پر اور وہ عمر بن خطاب تھا۔ ابن عباس نے کہا خدا کی قسم امیر المومنین تو علیؑ ہیں۔ الخ بہرحال ابن عباس آخر میں نابینا ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ امیر المومنینؑ اور امام حسینؑ پر زیادہ گریہ کرنے سے وہ نابینا ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے نابینا ہونے کے متعلق اشعار کہے۔ (ترجمہ)

اگر خدا نے میری دونوں آنکھوں کا نور لے لیا ہے تو میری زبان اور دل میں ان کا نور موجود ہے۔ میرا دل روشن اور عقل کامل ہے اور میری زبان میں تلوار جیسا اثر ہے۔

عبداللہ کا بیت المال بصرہ کا مال لے کر مکہ جانا اور اس سلسلہ میں حضرت امیر المومنینؑ کا اسے خط لکھنا۔ اور اس کا جسارت آمیز کلمات کے ساتھ جواب دینا۔ اس واقعہ نے محققین کو حیرت میں ڈالا ہوا ہے۔ قطب راوندی کہتے ہیں۔ وہ عبیداللہ بن عباس ہے نہ کہ عبداللہ۔ دوسرے علما کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ عبیداللہ تو آپ کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔ اسے بصرہ سے کیا تعلق؟ علاوہ ازیں کسی نے یہ بات اس سے نقل نہیں کی۔ ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ یہ معاملہ میرے لیے مشکل ہے کیونکہ اگر اس نقل کی تکذیب کرتا ہوں تو اس میں راویان اور اکثر کتب کی مخالفت لازم آتی ہے کیونکہ سب اس واقعہ کے نقل کرنے میں متفق ہیں اور اگر کہتا ہوں کہ یہ تو عبداللہ بن عباس ہے تو اس کے حق میں یہ گمان نہیں کر سکتا۔ باوجود اس اخلاص کے جو اسے علیؑ کے ساتھ ان کی زندگی اور وفات کے بعد تھا۔ اگر عبداللہ بن عباس سے اس واقعہ کو ہٹا دوں تو پھر کس کے سر تھوپوں لہٰذا میں اس مقام میں توقف کرتا ہوں۔ ابن میثم فرماتے ہیں۔ یہ صرف استبعاد ہے۔ ابن عباس کوئی معصوم نہیں تھے۔ اور امیر المومنینؑ نے حق کے معاملہ میں کسی کی پرواہ نہیں کی اگرچہ ان کی عزیز ترین اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ضروری ہے کہ ان معاملات میں اقرباء پر زیادہ سختی کی جائے۔ اور یہ وہی ابن عباس ہیں انتہیٰ اور ابن عباس ابن زبیر کے خوف سے مکہ سے طائف چلے گئے اور ۶۸ھ یا ۶۹ھ ہجری میں وفات پائی اور محمد بن حنفیہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کہا الیوم مات ربانی ہذہ الامۃ آج اس امت کا مرد خدا فوت ہو گیا۔

صعصعہ بن صوحان العبدی

نام ونسب:

صعصعہ نام، کنیت ابوعمر اور ابوطلحہ، قبیلہ عبدالقیس کی ایک معزز اور نمایاں فرد تھے سلسلۂ نصب اس طرح ہے:

صعصعہ بن صوحان حجر بن الحاث بن ھجرس بن صبرۃ بن حدرجان بن عساس بن لیث بن حداد بن ظالم بن دھل بن عجل بن عمرو بن ودیعہ بن افصی بن عبدالقیس بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار (طبقات ابن سعد، ۶)

اسلام

صعصعہ کی زندگی کا یہ پہلو بالکل تاریکی میں ہے کہ وہ کب اسلام لائے؟ علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں صرف اس قدر دیکھا کہ صعصعہ عہد رسالت ہی میں اسلام کے شرف سے بہرہ انداز ہو گئے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں کی، نہ آپ کو دیکھا (استیعاب ۱: ۵۴۲)

علم وفضل

صعصعہ اپنی قوم، قبیلہ عبدالقیس کے سرداروں میں تھے، ابن عبدالبر نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ صعصعہ نہایت فصیح، مقرر عاقل وزیرک، زباں آور، متدین فاضل اور بلیغ تھے، ان کا شمار اصحاب علی میں ہوتا ہے، یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ صعصہ اور زید اور صیحانؒ، پسران صوحان، عبدالقیس کے خطباء میں تھے (ایضا)

ان کا شمار امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ان اصحاب میں ہے جن کو آپ کی فصاحت و بلاغت اور مختلف علوم سے سرۂ وافر حاصل ہوا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس، باوجود اپنے تبحر علم کے ان کو "باقر علم العرب (مروج الذہب، ۲|۶۴) کہا کرتے تھے، امام شعبی جن کا شمار آئمہ حدیث میں ہوتا ہے، صعصعہ کے حلقہ تلامذہ میں تھے، ان کا مشہور قول ہے "کنت اتعلم منہ الخطب"، (تہذیب التہذیب ۴۲۲|۴) میں صعصعہ سے خطبے سیکھا کرتا تھا:

صعصعہ نہ صرف ایک عالم اور خطیب تھے بلکہ راوئ حدیث ہونے کی حیثیت سے بھی ان کا درجہ کافی بلند ہے، علامہ ابن حجر عقلانی ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

روی عن عثمان و علی و ابن عباس و عنہ ابو اسحٰق السبیعی و ابن بریدہ والشعبی و مالک بن عمیر والمنھال بن عمرو و غیرھم. قال ابن سعد: کان ثقۃ. قلیل الحدیث و ذکرہ ابن حبان فی

الثقات۔ ولعبد الله بن بريدة عنه رواية في سنن ابي داؤد

(تہذیب التہذیب: ۴۲۲:۳)

صعصعہ نے حضرت عثمان، حضرت علیؑ اور ابن عباس سے احادیث کی روایت کی ہے اور اُن سے ابواسحق سبیعی، ابن بریدہ، شعبی، مالک بن عمیر اور منال بن عمر وغیرہ ہیں، ابن سعد کا قول ہے۔ صعصعہ ثقہ مگر قلیل الحدیث تھے، ابن حبان نے بھی ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور عبداللہ بن بریدہ نے سنن ابی داؤد میں ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے۔ صعصعہ ثقہ اور معروف تھے (میزان الاعتدال، ۴۱۹:۱) ابن عساکر نے صعصعہ کے ذکر میں مذکورہ بالا اقوال ہی کو نقل کیا ہے اور ان سے مروی حسب ذیل تین احادیث بھی نقل کی ہیں جو انہوں نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہیں۔

(۱) نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، ان نستنفع من الحرير في شي

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ ہم ریشم سے کسی چیز میں کوئی فائدہ حاصل کریں۔

(۲) وروى عنه الحافظ من طريق ابي شيبه عن علي، قال، نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن الدباء والحنتم والنقير الجعة وحلق الذهب وعن لبس الحرير ولبس العسى والمنثرة الحمراء

اور حافظ نے بطریق ابی شیبہ، اُن (صعصعہ) سے علی ابن ابی طالبؑ کی زبانی روایت کی ہے وہ فرماتے تھے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چکنی مٹی کے کوزوں شراب سازی کے ظروف نبیذ خرما اور جو کی شراب، سونے کی انگوٹھی ریشم پہننے اور کمان لگانے سے منع فرمایا ہے۔

(۳) واسند الحافظ الى صعصعه عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وان من البيان لسحراً، وان من الشعر لحكما، وان من طلب العلم لجهلا، وان من القول عيا (تاریخ ابن عساکر ۶: ۴۲۳)

اور حافظ نے اپنی اسناد کے ساتھ صعصعہ سے انہوں نے علی علیہ السلام سے روایت کی ہے، وہ فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، بے شک بیان میں جادو ہے اور شعر میں حکمتیں اور طلب علم میں جہل اور قول میں عاجزی ہے۔

صعصعہ اور حضرت عمرؓ

صعصعہ چونکہ عہد رسالتؐ ہی میں اسلام لے آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے چاروں خلافتوں کا زمانہ دیکھا،

لیکن ان کے حالات سے تاریخ اتنی خاموش ہے کہ اسلام لانے کے وقت سے حضرت ابوبکر کا زمانہ تک ان کی زندگی بالکل تاریکی میں ہے، البتہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں ان کا ایک واقعہ ملتا ہے جس کو ابن عبدالبر نے ''استیعاب'' میں اس طرح نقل کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے جو حضرت عمر کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، مرکزی حکومت کو کچھ مال بھیجا جو ایک لاکھ درہم کی شکل میں تھا، حضرت عمر نے وہ سب روپیہ مسلمانوں میں تقسیم کردیا لیکن کچھ درہم اس میں سے باقی رہ گئے، حضرت عمر یہ دیکھ کر منبر پر گئے اور خطبہ پڑھنے کے بعد کہا۔ اے مسلمانو! جان لو کہ تمام لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد تھوڑا سا مال باقی رہ گیا ہے، اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ صعصعہ اس زمانہ میں بالکل نوعمر تھے، فوراً کھڑے ہوگئے اور کہا۔ اے امیرالمومنین! مشورہ اس امر میں طلب کرنا چاہئے جس کے بارے میں قرآن میں کوئی حکم موجود نہ ہو لیکن وہ امور جن کی بابت قرآن میں صاف وصریح احکام موجود ہوں اور اللہ نے اس کے مواقع بھی معین فرمادیئے ہوں تو ان کو اسی محل پر رکھو جس محل پر اللہ نے رکھا ہے، حضرت عمر نے کہا ''تم سچ کہتے ہو صعصعہ! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے، یہ کہہ کر وہ بقیہ مال بھی مسلمانوں پر تقسیم کردیا (استیعاب ۱:۵۴۲)

عہد عثمانی

صعصعہ بدوفطرت سے ایک بے باک اور حق گوطبیعت لے کر آئے تھے، ان کا یہ جوہر ہر عہد میں نمایاں رہا ہے، خصوصاً حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب کہ تمام قلمرو اسلامی پر بنی اُمیہ کا تسلط تھا، صعصعہ کے لئے خاموش بیٹھنا ناممکن تھا، اس لئے یہ پورا دور ان کے لئے ابتلاء وآزمائش کا دور ہے۔

اس عہد کا سب سے پہلا واقعہ وہ ہے جس کو شیخ الطائفہ نے امالی میں خود صعصعہ کی زبانی روایت کیا ہے۔

صعصعہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ایک مصری وفد کے ہمراہ حضرت عثمانؓ کے پاس گیا، ان کو جب ہمارے آنے کی اطلاع ہوئی تو کہلا کر بھیجا۔ آپ لوگ اپنے کسی نمائندہ کو بھیج دیں جو مجھ سے بات چیت کرسکے۔ مشورہ کے بعد لوگوں نے مجھ ہی کو اس کے لئے انتخاب کیا، میں جب پہنچا تو مجھ کو دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے کہا۔ یہ نوعمر لڑکا مجھ سے کیا بات چیت کرے گا۔ میں نے جواب دیا، امیرالمومنین! علم اگر عمر پر موقوف ہے تو پھر نہ میرے لئے اس میں سے کچھ حصہ ہے نہ آپ کے لئے، لیکن علم سیکھنے پر ہے۔ حضرت عثمان میرے اس جواب پر قائل ہوئے اور کہا! اچھا، جو کچھ کہنا ہے کہو! میں نے یہ آیت پڑھی:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم: ان مکنّاهم فی الارض، اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نهوا عن المنکر و للہ عاقبۃ الامور"

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم! اگر ہم ان کو زمین میں تمکین عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کر دیں گے اور زکوٰۃ دیں گے، اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے اور اللہ ہی کی طرف تمام امور کا انجام ہے۔

حضرت عثمان نے کہا۔ یہ آیت تو ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے، میں نے کہا تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض کیوں نہیں ادا کرتے، حضرت عثمان نے کہا! اس کو چھوڑو اور آگے بڑھو! اس پر میں نے یہ آیت سنائی۔

"بسم الله الرحمن الرحيم! الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله"

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم! وہ لوگ جو اپنے شہروں سے نکالے گئے ہیں بغیر کسی حق کے بجز اس کے کہ وہ یہ کہتے تھے، ہمارا رب اللہ ہے۔

حضرت عثمان بولے۔ یہ آیت بھی ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے، میں نے جواب دیا۔ اچھا تو جو کچھ آپ نے اللہ کے مال میں سے لیا ہے، وہ ہم کو عطا کیجئے۔ اس پر حضرت عثمان برہم ہو کر بولے۔

"اے لوگو! تم پر سننا اور اطاعت کرنا ہے، اس لئے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور فرد واحد کے ساتھ شیطان ہے، پس اس شخص کی بات پر کان مت دھرو یقیناً یہ شخص نہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کون ہے؟ اور اللہ کہاں ہے؟"

میں نے پلٹ کر جواب دیا۔ امیر المومنین! آپ کا قول کہ تم پر سننا اور اطاعت کرنا ہے پس آپ اس سے یہ چاہتے ہیں کہ کل ہم یہ کہیں "ربنا اطعنا سادتنا و کبراء نا فاضلونا السبیلا"

(اے ہمارے رب۔ ہم نے اپنے بڑوں اور اپنے سرداروں کی اطاعت کی، پس انہوں نے ہم کو راہ حق سے بھٹکا دیا)

آپ کا دوسرا قول، کہ میں یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ کون ہے، تو سنیے "فان الله ربنا و رب آباءنا الاولين" (بیشک اللہ ہمارا رب ہے اور ہمارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے) تیسرا قول کہ میں یہ نہیں سمجھتا، اللہ کہاں ہے؟ اس کا جواب بھی سنیے فان الله تعالیٰ لبالمرصاد (بیشک اللہ تعالیٰ......)

راوی کا بیان ہے کہ اس پر حضرت عثمان غضبناک ہو گئے اور پلٹانے کا حکم دے دیا اور دروازے بند کر لئے (امالی شیخ الطائفہ، ۱۴۸)

اس روایت کا آخری ٹکڑا حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ (۶/ ۴۲۴) میں بھی نقل کیا ہے۔

۲۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان منبر پر پڑھ رہے تھے، صعصعہ کھڑے ہو گئے اور کہا یا امیر المومنین املت فمالت اُمتك، اعتدل یا امیر المومنین! تعتدل امتك" (اے امیر المومنین! آپ جھکے تو آپ کی اُمت بھی

تھی، آپ اپنے میں اعتدال پیدا کریں تا کہ اُمت بھی اعتدال پیدا کرے) (تاریخ ابن عساکر ۶۔ ۴۲۳)

صعصعہؓ اور سعید بن العاص

۰۳ھ میں حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ کو معزول کر کے اس کی جگہ سعید بن العاص کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا، اس نے آتے ہی وہاں کے لوگوں پر زیادتیاں شروع کر دیں، صعصعہ اس وقت کوفہ ہی میں موجود تھے، ان کی طبیعت سے یہ بات بالکل بعید تھی کہ حکام کے غیر عادلانہ اور مستبدانہ رویہ پر خاموش بیٹھے رہیں، چنانچہ کئی مرتبہ سعید بن العاص سے ان کا اختلاف ہوا، ان میں سب سے پہلا واقعہ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک مرتبہ رمضان کی ۲۹ کو سعید بن العاص نے لوگوں کو جمع کر کے کہا۔ آپ میں سے چاند کس نے دیکھا ہے، سب لوگوں نے متفقہ طور پر کہا۔ ہم نے نہیں دیکھا۔ صرف ہاشم بن عتبہ کا یہ بیان تھا کہ میں نے دیکھا ہے، اس پر سعید بن العاص نے طنز کے طور پر کہا۔ اس کانی آنکھ سے تو نے چاند دیکھا ہے؟ ہاشم کو اس پر غصہ آ گیا اور کہا آپ میری آنکھ کا مجھ کو طعنہ دیتے ہیں، حالانکہ یہ آنکھ اللہ کے راستے میں گئی ہے، ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کی آنکھ جنگ یرموک میں جاتی رہی تھی، اس کے بعد ہاشم اپنے گھر میں چلے گئے اور افطار کر لیا، دوسرے دن صبح سے ان کے پاس لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا اس کی خبر سعید بن العاص کو پہنچی تو اس نے اپنے سپاہیوں کو بھیج کر خوب زدوکوب کرایا اور اس کا گھر جلا دیا۔

اس واقعہ سے کوفہ میں عام بے چینی پیدا ہو گئی اور ہاشم کی بہن ام الحکم بنت عتبہ بن ابی وقاص جو مہاجرات میں تھی اور ان کے چچا نافع بن ابی وقاص نے مدینہ میں آ کر سعد بن ابی وقاص سے اس واقعہ کا ذکر کیا، انہوں نے جا کر حضرت عثمان سے اس کی شکایت کی، حضرت عثمان نے جواب دیا۔

"سعید لکم بهاشم اضربوه بضربه ودار سعید لکم بدار هاشم فاحرقوها"

ہاشم کے بدلے تمہارے واسطے سعید ہے، جس طرح اس نے ہاشم کو مارا ہے تم بھی اس کو مارو اور ہاشم کے گھر کے عوض تمہارے لئے سعید کا گھر ہے اس کو جلا ڈالو! چنانچہ عمر بن سعد بن ابی وقاص جو اس وقت لڑکا ہی تھا، آگ لگانے کے ارادے سے سعید کے گھر پہنچ گیا۔ حضرت عائشہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس کو بلا بھیجا اور اس ارادہ سے باز رہنے کو کہا، اس طرح بات رفع دفع ہو گئی۔ صعصعہ پر بھی اس واقعہ کا بے حد اثر ہوا وہ اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے اور سعید کی معزولی کے لئے ان سے درخواست کی۔ صعصعہ کے ساتھ اس موقع پر حسب ذیل لوگ تھے۔

"مالك اشتر، یزید بن مکفف، ثابت بن قیس، کمیل بن زیاد نخعی، زید بن صوحان

عبدی، حارث بن عبداللہ الاعور، جندب بن زھیر ازدی ابو زینب ازدی، اصغر بن قیس الحارثی (طبقات ابن سعد ۵۔۲۱۔۲۲)

دوسرا واقعہ اس سلسلے کا وہ ہے جس کا مورخ کامل نے اپنی تاریخ میں اس طرح نقل کیا ہے۔

سعید بن العاص جب کوفہ کا گورنر ہو کر آیا تو یہاں اس نے روٗساء شہر اور اہل قادسیہ سے مراسم بڑھائے وہ ہر روز رات کو ایک مجلس منعقد کیا کرتا تھا، جس میں ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی، ایک دن جب کہ اس کی صحبت میں مالک بن کعب ارحبی، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس نخعی ثابت بن قیس ہمدانی، جندب بن زہیر غامدی، جندب بن کعب ازدی، عمرو بن الحمق، صعصعہ بن صوحان، زید بن صوحان، ابن الکواء، کمیل بن زیاد، عمیر بن ضابی، طلحہ بن خویلد وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، سعید نے اثناء کلام میں کہا "ھذا السواد بستان قریش" یہ سب زمین قریش کے باغات ہیں، ہم جتنا چاہیں اس میں سے لے سکتے ہیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں، عبدالرحمن بن حبیش جو اس کے اہل شرط میں تھا کہا "صدق الامیر" امیر نے سچ کہا، اس پر تمام حاضرین اس پر ٹوٹ پڑے اور زدوکوب شروع کردی اور کہا: اے دشمن خدا! امیر کی خوشنودی میں باطل کی حمایت کرتا ہے! سعید کو اس پر غصہ آ گیا اور ان سب لوگوں کو گھر سے باہر نکال دیا، دوسرے روز صبح کو جب یہ لوگ مسجد میں آئے تو لوگوں کو سعید کے خلاف بھڑکایا اور کہا! تمہارے امیر کا یہ گمان ہے کہ یہ سب باغات اس کے اور اس کی قوم کے ہیں، حالانکہ ہم نے اپنے زور بازو سے ان کو حاصل کیا ہے، قسم بخدا! ہم نے اس بات پر اس کی بیعت نہیں کی ہے۔

سعید اور دیگر اشراف کوفہ نے اس کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی اور یہ سفارش کی ان لوگوں کو کوفہ سے نکال دیا جائے۔ حضرت عثمان نے اس کے جواب میں لکھ کر بھیجا کہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا جائے اور معاویہ کو حسب ذیل خط لکھا۔

"چند لوگ جو فتنہ و فساد کے لئے مخلوق ہوئے ہیں، تمہارے پاس بھیجے جاتے ہیں، تم ان کی نگرانی اور اصلاح کرو، اگر وہ اصلاح پذیر ہو جائیں تو خیر اور اگر تم کو بھی عاجز کریں تو میرے پاس بھیج دو!"

غرضیکہ حضرت عثمان کے حکم کے موجب ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا، یہ لوگ جب وہاں پہنچے تو معاویہ نے ان کو کنیسہ مریم میں اتارا اور جو وظائف اور تنخواہیں ان کو عراق میں ملتی تھیں بدستور جاری رکھیں اور صبح و شام ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے (تاریخ کامل ۳۔۵۸، اغانی ۱۱۔۲۸)

صعصعہ اور معاویہ کے مکالمے

ایک روز حالت قید میں معاویہ ان لوگوں کے پاس آئے اور حسب ذیل گفتگو کی۔

معاویہ۔ تم لوگ عرب کی ایک ذی ہوش اور سمجھ دار قوم ہو، تم نے اسلام کا شرف حاصل کیا ہے، بڑے بڑے گردن کشوں پر غالب آئے اور ان کے مملوکات پر تم قابض ہوئے، میں نے سنا ہے کہ تم لوگ قریش کی برائیاں بیان کرتے ہو، حالانکہ اگر قریش نہ ہوتے تو تم لوگ ذلیل وخوار رہتے، کیونکہ تمہارے آئمہ تمہاری سپر ہیں، پس اپنے سپر کو توڑنے کی کوشش نہ کرو یہ حقیقت ہے کہ تمہارے ائمہ تمہاری زیادتیوں کو برداشت کرتے ہیں اور تمہارے حقوق کا لحاظ رکھتے ہیں، بخدا! اگر تم ان سے منحرف ہوجاؤ گے تو تم کو اللہ تعالیٰ ضرور کسی بلا میں گرفتار کرے گا جس کو تم برداشت نہ کرسکو گے!

صعصعہ۔ اے امیر آپ نے جو قریش کا ذکر کیا ہے تو سنیئے! وہ کسی زمانہ میں باعتبار تعداد نفوس ہم سے زیادہ نہ تھے اور نہ جاہلیت میں ان کا کوئی قابل لحاظ درجہ تھا جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں نیز آپ کا یہ کہنا۔ تمہارے آئمہ تمہاری سپر ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جب سپر ٹوٹ جائے گی تو ہم خود سینہ سپر ہوجائیں گے۔ معاویہ اب میں نے تم کو پہچانا اور سمجھ لیا کہ تمہاری کم عقلی نے تم کو مغرور کیا ہے، پھر صعصعہ سے مخاطب ہوکر بولے۔ اے صعصعہ! تم ان کے خطیب اور پیشوا ہو، میں تم میں بھی عقل کا مادہ زیادہ نہیں پاتا اور نہ تم میں اسلام کی محبت دیکھتا ہوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ تمہاری قوم کی شان کو کس نے بڑھایا ہے، یہ تم کو نہ معلوم ہوگا، لو میں تم کو بتاتا ہوں کہ اسلام و جاہلیت دونوں زمانوں میں قریش کی عزت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اور ہے، نہ کثرت وقوت کے سبب سے اللہ نے ان کو عزت وحرمت عنایت فرمائی تھی ان کو با مروت، صحیح النسب اور ذی شعور پیدا کیا ہے۔ ان کو اپنے گھر کا مجاور اور اپنے حرم کا محافظ بنایا ہو، پس کیا تمہارے ملک اور قوم میں کوئی عربی، عجمی، سیاہ اور سرخ ایسا ہے جس کو اللہ نے یہ کرامتیں مرحمت کی ہوں، جب عالم میں کفر والحاد پھیلا تو اللہ نے قریش ہی میں سے ایک نبی مبعوث کیا، جس نے کفر و بت پرستی کی سیاہی دور کرکے توحید کا چراغ روشن کیا۔ اللہ نے اس نبی کے لئے جو اصحاب منتخب فرمائے وہ بھی قریش ہی سے ہیں، جن سے اسلام کی بنیاد مضبوط ہوئی اور بعد رسولؐ منصب خلافت سے وہ سرفراز ہوئے اور بے شک وہ اسی کے لائق تھے۔ تم لوگ بالکل بے عقل اور بے شعور ہو"۔

معاویہ یہ کہہ کر خاموش ہوگئے۔ صعصعہ نے ان باتوں کا کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور اپنے ہمراہیوں سمیت اٹھ کر چلے آئے، چند دن کے بعد معاویہ نے ان لوگوں کو پھر بلوایا اور کہا۔ تم لوگ جہاں چاہو چلے جاؤ، تمہاری ذات سے اللہ تعالیٰ نہ کسی کو نفع پہنچائے گا نہ نقصان اور اگر تم نجات کے خواہاں ہو تو جماعت کو نہ چھوڑو اور کفران نعمت سے باز آؤ! میں تمہاری بابت امیر المومنین عثمان کو لکھوں گا، صعصعہ یہ سن کر خاموش ہوگئے اور معاویہ نے حضرت عثمان کو حسب ذیل خط لکھا۔

''اما بعد، میرے پاس چند لوگ آئے ہیں جن کو نہ عقل ہے نہ ان کو دین کا پاس ہے حق و انصاف سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہے، البتہ فتنہ وفساد اور اہل ذمہ کے مال نے ان کو رنج میں ڈال رکھا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو کسی بلا میں مبتلا کرنا چاہتا ہے ان کا کام صرف فتنہ انگیزی ہے، ان سے نیکی کی اُمید کم ہے اور برائی کا اندیشہ زیادہ''۔

دوسری روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ معاویہ ان لوگوں کے پاس آئے اور کہا۔

بخدا! میں تم کو کسی ایسی بات کا حکم نہیں دوں گا جس کو میں اپنے نفس اور اپنے اہل کے لئے پسند نہ کروں، قریش جانتے ہیں کہ ابوسفیان اپنے قبیلہ میں سب سے زیادہ کریم تھا سوائے اس چیز کے جو اللہ نے اپنے نبی کے لئے قرار دی اور اس نے ان کو برگزیدہ بنایا اور نبوت سے سرفراز کیا، اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تمام بنی آدم ابوسفیان کی اولاد ہوتے تو سب کے سب دوراندیش اور عقلمند ہوتے، صعصعہ نے جواب دیا۔ آپ غلط کہتے ہیں اس لئے کہ انسانوں کو اس نے پیدا کیا ہے جو ابوسفیان سے بہتر تھا (آدم) جس کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح اس میں پھونکی اور فرشتوں کو اس کے سجدہ کا حکم دیا، پھر بھی اُن میں نیک اور بد بے وقوف اور عقلمند سب قسم کے ہیں۔

دوسرے دن پھر معاویہ آئے اور کہا۔

اے لوگو! بھلائی کی طرف پلٹ جاؤ خاموش ہو جاؤ اور اپنے، اپنے اہل اور مسلمانوں کے فائدہ میں غور کرو! صعصعہ نے کہا۔ آپ اس نصیحت کے اہل نہیں ہیں نیز اس میں کوئی برائی نہیں ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں آپ کی اطاعت کی جائے، معاویہ نے کہا۔ کیا میں نے پہلے ہی یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کے نبی کی اطاعت کا حکم دوں گا اور یہ کہ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو پکڑ لو اور تفرقہ اندازی نہ کرو! اس کے جواب میں صعصعہ اور ان کے ساتھیوں نے یک زبان ہو کر کہا یہ غلط ہے، آپ نے ان تمام چیزوں کے خلاف حکم دیا ہے جن کو رسولؐ لے کر آئے تھے، معاویہ نے کہا۔ اگر میں نے ایسا کیا ہے تو اللہ سے اس کی توبہ کرتا ہوں اور اب تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور جماعت سے منسلک ہو جانے کا حکم دیتا ہوں نیز یہ کہ تم اپنے آئمہ کی عزت کرو اور احسن طریقہ سے ان کی رہنمائی کرو صعصعہ بولے۔ ہم آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ اپنے اس عہدہ (خلافت) سے دستبردار ہو جائیں اس لئے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ سے زیادہ اس منصب کے حقدار ہیں جن کے باپ آپ کے باپ سے زیادہ قدیم الاسلام ہیں اور خود بھی وہ آپ سے زیادہ اسلام میں خالص ہیں، معاویہ نے کہا۔ درست ہے! میرا غیر ضرور مجھ سے زیادہ قدیم الاسلام ہے لیکن میرے زمانہ میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے جو مجھ سے زیادہ خلافت کا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو اگر ایسا ہوتا تو عمر بن الخطاب مجھ کو انتخاب نہ کرتے، اس لئے مجھ کو یہ زیبا نہیں کہ اپنے عہدہ سے دستبردار ہو جاؤں اور امیر المومنین کی رائے میں یہ بات درست ہوتی تو ضرور وہ مجھ کو لکھ بھیجتے اور میں اپنے عہدہ

سے الگ ہوجاتا پس اے صعصعہ! سوچو اور توقف کرو اس لئے کہ یہ باتیں شیطان کی طرف سے ہیں اور قسم میری زندگی کی اگر تم لوگوں کی رائے پر امور کا فیصلہ کیا جائے تو مسلمانوں کے لئے نہ کوئی دن فلاح پذیر ہوسکتا ہے نہ کوئی رات، پس بھلائی کی طرف پلٹو! مجھے یہ ڈر ہے کہ تم شیطان کے پیچھے پیچھے چل پڑو اور وہ تم کو جلد یا بدیر ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گرادے اس بات پر صعصعہ اور ان کے ساتھی معاویہ پر جھپٹ پڑے اور ان کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ لئے، معاویہ ان لوگوں کی اس حرکت پر برہم ہوگئے اور کہا "یہ کوفہ کی سرزمین نہیں ہے، تم لوگوں نے جو عمل میرے ساتھ کیا ہے اگر شام والوں کو اس کا علم ہوجائے تو پھر وہ میرے قابو میں بھی نہ آسکیں گے اور تم کو قتل کر کے ہی دم لیں گے"۔ یہ کہہ کر معاویہ ان کے پاس سے چلے آئے اور حضرت عثمان کو ان کی شکایت لکھ بھیجی، حضرت عثمان نے جواب دیا۔ ان لوگوں کو سعید بن العاص کے پاس کوفہ بھیج دیا جائے، چنانچہ امیر معاویہ نے ایسا ہی کیا، کوفہ پہنچ کر سعید بن العاص سے ان کے اختلافات بڑھے جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے، غرضکہ وہاں سے ان کو عبدالرحمن بن خالد کے پاس حمص روانہ کردیا گیا (تاریخ کامل ۳: ۵۸-۹۰)

عہد امیر المومنینؑ

صعصعہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ان مخلص اصحاب میں تھے جنہوں نے آخری وقت تک آپ کی حمایت سے منہ نہیں موڑا، امام جعفر صادق علیہ السلام کا ان کے بارے میں ارشاد ہے۔

ما کان مع امیر المومنین من یعرف حقہ الا صعصعہ و اصحابہ (رجال کشی ص، خلاصۃ الاقوال ص ۴۴)

امیر المومنینؑ کے اصحاب میں بجز صعصعہ اور ان کے اصحاب کے کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کے حق کو پہچانتا ہو۔

صعصعہ کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ جس طرح ایک بلند پایہ متکلم اور خطیب تھے اسی طرح ایک بہادر اور جنگ آزما سپاہی بھی تھے، چنانچہ ایک موقع پر جب مغیرہ بن شعبہ نے ان کو خطیب ہونے کا طعنہ دیا ہے تو صعصعہ نے بگڑ کر کہا۔

"واللہ انی الخطیب الصلیب الرئیس، اما و اللہ لو شھدتنی یوم الجمل حیث اختلفت یلقنا قنثنون تفری و ھامہ تختلی لعلمت انی اللیث النھد"

واللہ میں ایک نہایت سخت اور زبردست خطیب ہوں، خدا کی قسم! اگر آپ جنگ جمل کے دن موجود ہوتے۔ جبکہ نیزے آپس میں ٹکرا رہے تھے اور آنکھیں چھیدی جارہی تھیں اور سر تن سے جدا ہو رہے تھے تو آپ کو علم ہوجاتا کہ میں ایک بہادر اور شیر دل انسان ہوں (تاریخ کامل ۳: ۱۸۶)

چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صعصعہ قریب قریب ہر جنگ میں امیر المومنینؑ کے ہمراہ رہے، اگرچہ تاریخ نے ان کے جنگی کارناموں پر روشنی نہیں ڈالی پھر بھی جس حد تک واقعات ملتے ہیں اُن سے ان کی بہادری کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

سب سے پہلی جنگ جو امیر المومنین کے عہد خلافت میں ہوئی وہ جنگ جمل ہے، اس میں صعصعہ شروع سے آخر تک ملتے ہیں، ابن سعد کا بیان ہے صعصعہ اور ان کے دونوں بھائی زید اور صیحان جنگ جمل میں موجود تھے، اس میں علم جنگ سیحان کے ہاتھوں میں تھا، ان کے شہید ہو جانے کے بعد ان کے بھائی زید نے علم سنبھالا جب وہ بھی شہید ہو گئے تو پھر صعصعہ نے علم لیا (طبقات ابن سعد ۶: ۱۵۴)

طبری کے بیان کے مطابق اس جنگ میں وہ زخمی بھی ہوئے (طبری ۵: ۳۴۲)

اس موقع پر کتب تواریخ میں ان کا حسب ذیل ایک خطبہ بھی ملتا ہے۔

یا امیر المومنین! انا سبقنا الناس الیک یوم قدوم طلحه و الزبیر علیک فدعانا حکیم الی نصرة عاملک عثمان بن حنیف فاجبناه فقاتل عدوک حتیٰ اصیب فی قوم من بنی عبد قیس عبدوالله حتی کانت اکفهم مثل اکف الابل وجباههم مثل رکب المفر فاسرا الحی و سلب القتیل، فکنا اول قتیل و اسیر، ثمه رایت بلاء نا بصفین وقد کلت البصائر و بقی الحق موفوراً، وانت بالغ بهذا حاجتک والامر الیک مااراک الله فمرنا به (کتب الامته والسیاست، ۱: ۸۹)

اے امیر المومنینؑ! جس روز طلحہ اور زبیر آپ کے مقابلہ پر آئے ہیں اس دن ہم سب سے پہلے آپ کی طرف آئے ہیں پس حکیم (بن جبلہ) نے ہم کو آپ کے گورنر عثمان بن حنیف کی مدد کی طرف بلایا، ہم نے اس کو قبول کیا، اس لئے آپ کے دشمن سے جنگ کی یہاں تک کہ بنی عبد قیس کی ایک قوم پر اس میں مصیبت آئی، انہوں نے اللہ کی عبادت کی یہاں تک کہ ان کی ہتھیلیاں اونٹ کی ہتھیلیوں کی مانند اور اُن کی پیشانیاں اونٹ کے گھٹنوں کی طرح ہو گئی تھیں پس زندوں کو قتل کیا گیا اور مقتولین کے لباس اُتارے گئے، پس ہم پہلے مقتول اور اسیر تھے، اس کے بعد آپ نے ہماری ابتلا کا منظر صفین میں بھی بلاحظہ فرمایا جبکہ بصیرتیں کند ہو گئی تھیں اور حق صحیح و سالم رہا اور آپ اس کے ذریعے سے اپنی حاجت کو پہنچ گئے اب جو کچھ اللہ آپ کو دکھائے اس کا آپ ہمیں حکم دیں۔

اس کے بعد جنگ صفین میں اس موقع پر ملتے ہیں، جب امیر معاویہ نے جناب امیر کی فوج پر پانی بند کیا ہے، اس وقت امیر المومنینؑ نے صعصعہ ہی کو امیر معاویہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ ہم تمہاری طرف جنگ کے ارادے سے نہیں آئے تھے، اس لئے کہ جب تک تمہارے عذرات کو سن کر اُن کا معقول جواب نہ دے دیں، ہم ہرگز

جنگ کو روا نہیں رکھتے، اس کی ابتدا تمہاری ہی طرف سے ہوئی ہے کہ تمہارے سواروں نے تم سے پہلے پہنچ کر ہمارے لشکر سے جنگ چھیڑ دی، ہم کو تمہارے ساتھ لڑنے سے پہلے بھی گریز تھا اور اب بھی ہے تاوقتیکہ تم کو راہ حق کی دعوت نہ دے دیں اور اتمام حجت نہ کر لیں۔ تمہاری طرف سے دوسری زیادتی یہ ہوئی کہ تم نے ہم پر پانی بند کر دیا"۔

صعصعہ جب یہ پیغام لے کر پہنچے تو معاویہ نے اپنے اصحاب سے رائے لی، ولید بن عقبہ اور عبداللہ بن سعد نے کہا کہ پانی ہرگز نہ کھولا جائے اور جس طرح عثمان پر پانی بند ہوا تھا اُسی طرح ان پر بھی پانی بند رکھا جائے، یہی رائے عمرو بن العاص کی تھی اسی سلسلے میں ولید بن عقبہ نے کچھ ناروا کلمات بھی کہے جس پر صعصعہ کو غصہ آ گیا اور بگڑ کر کہا۔

"انما یمنعه الله عزوجل یوم القیامة الکفرة الفسقة و شربة الخمر ضربك و ضرب هذا الفاسق یعنی الولید بن عقبه" (ترجمه)؟؟؟

صعصعہ کے ان کلمات پر لوگ ان پر سمٹ آئے اور سب و شتم کرنے لگے لیکن معاویہ نے ان کو روک دیا اور کہا **"فانه رسول"**۔ (طبری ۵: ۲۴۲)

جنگ صفین کے بعد نہروان میں بھی صعصعہ کی موجودگی ملتی ہے، اس کا ایک واقعہ مسعودی نے مروج الذہب میں اس طرح نقل کیا ہے۔

قبیلہ ازد کے ایک شخص کا بیان ہے۔ نہروان کے دن میں نے ابو ایوب انصاری کو دیکھا کہ انہوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کے شانہ پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا جس سے اس کا ہاتھ کٹ کر گر گیا اور کہا **"بوجهها الی النار یامارق"** اے مارق اس کو دوزخ میں ڈال دے" عبداللہ نے کہا! عنقریب تم جان لو گے کہ ہم دونوں میں کون جہنم میں تپائے جانے کا مستحق ہے، ابو ایوب نے جواب دیا۔ تیرے باپ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں۔ اتنے میں صعصعہ بھی آ پہنچے اور ابو ایوب کی طرف سے اس طرح جواب دیا۔

"اولی بها صلیا من ضل فی الدنیا عمیا و صار الی الآخرة شقیاً. ابعدك الله و انزحك اما والله لقد انذرتك هذه الصرعة بالامس فابیت الانکوصا علی عقبیك فذق یامارق و بال امرك"۔

(جہنم میں تپائے جانے کا زیادہ مستحق وہ ہے جو اندھا ہو کر دنیا میں گمراہ ہو جائے اور آخرت کی طرف شقی ہو جائے، اللہ تجھ کو دور کرے، قسم بخدا! میں نے کل ہی تجھ کو اس لڑائی سے ڈرایا تھا لیکن تو نے انکار کیا اور اس کے برخلاف تو اپنے پچھلے پاؤں پلٹ گیا، پس اے دین سے نکل جانے والے اپنے برے اعمال کا مزا چکھ۔ یہ کہہ کر ابو

ایوب نے ہمراہ کئی ہاتھ تلوار کے لگائے جس سے وہ زمین پر گر گیا، صعصعہ اور ابو ایوب دونوں نے اس کا سر کاٹا اور اس کو لے کر امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے، آپ نے اس کے سر کو دیکھ کر فرمایا: هذا رأس الفاسق الماکث المارق عبداللہ بن وهب (مروج الذہب ۲:۶۵)

صعصعہؓ دربار معاویہ میں

امیر المومنینؑ جب جنگ جمل سے واپس ہوئے تو صعصعہ اپنے چند اصحاب کو ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، امیر المومنینؑ اس وقت معاویہ کی طرف سے سخت پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح معاملات سلجھ جائیں۔ صعصعہ اور ان کے اصحاب کو دیکھ کر فرمایا۔ آپ لوگ میرے نزدیک سرداران عرب اور میرے رؤساء اصحاب میں ہیں، مجھ کو اس غلام مترف معاویہ کے باب میں مشورہ دو، وہ لوگ یہ سن کر سوچ میں پڑ گئے، کچھ دیر بعد صعصعہ نے کہا۔ اے امیر المومنینؑ! معاویہ خواہشات نفسانی کا بندہ ہے، دنیا اس پر چھا گئی ہے، لوگوں کا قتل کرنا اس پر آسان ہو گیا ہے، اس نے اپنی آخرت کو دنیا کے عوض میں بیچ دیا ہے، پس اگر آپ اس کے بابت میں میری رائے پر عمل کریں تو انشاء اللہ معاملات درست ہو جائیں گے، میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے کسی قابل اعتماد اور باوجاہت شخص کو ایک خط دے کر اس کے پاس بھیجیں جس میں اس کو بیعت کی طرف بلایا جائے، پس اگر وہ اس کو قبول کر لے اور اپنی باغیانہ روش سے باز آجائے تو خیر، ورنہ پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیے اور مشیت کے فیصلے کے منتظر رہے۔ امیر المومنینؑ نے یہ سن کر جواب دیا۔ بات تو ٹھیک ہے لیکن اس کام کے لئے تم سے زیادہ کوئی موزوں نہیں ہے تم اپنے ہی ہاتھ سے ایک خط لکھو اور اس کو لے کر معاویہ کے پاس روانہ ہو جاؤ خط کی ابتدا میں کچھ ڈرانے دھمکانے کا بھی مضمون ہو اور ابتدا اس طرح ہو۔

بسم الله الرحمن الرحيم. من عبدالله امير المومنين الى معاويه سلام عليك اما بعد

اس کے بعد جو کچھ تم نے بیان کیا ہے وہی سب کچھ لکھ دو! غرضکہ صعصعہ یہ خط لے کر دمشق روانہ ہو گئے، معاویہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ صعصعہ امیر المومنینؑ کا خط لے کر آئے ہیں تو کہنے لگے، مجھ کو پہلے بھی ان کے بارے میں معلومات ہو چکی ہیں یہ شخص علیؑ کے تیروں میں سے ایک تیر ہے اور خطباء عرب میں سے ایک خطیب میں خود ہی ان سے ملاقات کا شائق تھا۔ غرضکہ صعصعہ اندر داخل ہوئے اور یا ابن ابی سفیان کہہ کر سلام کیا ساتھ ہی امیر المومنینؑ کا وہ خط پیش کیا، معاویہ نے اس خط کو دیکھ کر کہا۔ اگر سفرا کو عہد جاہلیت یا اسلام میں قتل کرنے کا دستور ہوتا تو میں ضرور تم کو قتل کر دیتا، اس کے بعد معاویہ نے ان سے اس طرح گفتگو شروع کی۔

معاویہ۔ تم کس قبیلہ سے ہو؟

صعصعہ۔ نزار سے۔

معاویہ۔ نزار کی ذرا تعریف کرو۔

صعصعہ۔ جب وہ لڑتا تھا تو مقابل کو گرا دیتا تھا اور جب کوئی اس کے سامنے آتا تھا تو پچھاڑ لیتا تھا اور جب پلٹتا تھا تو لوٹتا ہوا۔

معاویہ۔ اچھا پھر تم نزار کی کس اولاد سے ہو؟

صعصعہ۔ ربیعہ سے

معاویہ۔ ربیعہ کی بھی کچھ تعریف کرو۔

صعصعہ۔ اس کی تلوار کی حمائل لمبی تھی اور زمین کے مختلف حصوں کو تسخیر کرتا تھا۔

معاویہ۔ تم اس کی کس اولاد سے ہو؟

صعصعہ۔ جدیلہ سے۔

معاویہ۔ جدیلہ کی تعریف کیا ہے؟

صعصعہ۔ وہ جنگ میں کاٹنے والی تلوار تھا اور بخشش کے وقت نفع پہنچانے والا امیر اور مقابلہ کے وقت شعلۂ جوالہ۔

معاویہ۔ تم اس کی کس اولاد سے ہو؟

صعصعہ۔ عبدالقیس سے۔

معاویہ۔ عبدالقیس کی کیا تعریف ہے؟

صعصعہ۔ وہ نہایت شریف، کثیر الخیر اور بھوکوں کو کھانا کھلانے والا تھا، وہ ہر موجود چیز کو اپنے مہمان کو بخش دیتا تھا اور جو چیز موجود نہ ہو اس کا سوال نہیں کرتا تھا۔ اس کا وجود لوگوں کے لئے ایسا تھا جیسے آسمان کے بادل۔

معاویہ۔ واہ ابن صوحان! تم نے قریش کے اس خاندان کیلئے کیا فخر اور مکرمت باقی رکھی۔

صعصعہ۔ ہاں! قسم بخدا اے ابوسفیان کے بیٹے میں نے ان کیلئے وہ سب کچھ چھوڑ دیا ہے جو سوائے ان کے کسی دوسرے کے لئے نہیں ہے، ان کے لئے میں نے سفید و سرخ، تخت اور منبر اور ملک قیامت تک کے لئے چھوڑ دیا ہے اور ایسا کیونکر نہ ہو اس لئے کہ وہ زمین میں اللہ کا نور ہیں اور آسمان میں اس کے ستارے۔

معاویہ یہ سن کر خوش ہوئے اور یہ خیال کیا کہ صعصعہ کی یہ گفتگو پورے قریش کے بارے میں ہے کہنے لگے۔ اے صوحان کے بیٹے! تم نے سچ کہا، بے شک ایسا ہی ہے، صعصعہ ان کی بات کو پہچان گئے کہنے لگے۔ ان اوصاف میں آپ کا اور آپ کی قوم کا کوئی حصہ نہیں ہے، آپ لوگ اس سے بہت دور ہیں، معاویہ نے کہا۔ اے صوحان کے بیٹے! تم

پر ویل ہو، یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ صعصعہ نے جواب دیا۔ ویل اہل دوزخ کے لئے ہو، یہ تمام مکارم بنی ہاشم کے لئے ہیں، معاویہ نے یہ سن کر صعصعہ کو اپنے پاس سے اٹھایا لیکن دل میں قائل ہو گئے، چنانچہ ان کے اُٹھ جانے کے بعد اپنے مصاحبین سے مخاطب ہو کر بولے "ھکذا فلمکن الرجال" مرد ایسے ہوتے ہیں۔

اس واقعہ کو مسعودی نے مروج الذہب (۲:۶۱) میں اور ابوعلی القالی نے اپنی امالی (۲:۲۳) میں اور ابوالعباس القلقشندی نے صبح الاعشیٰ (۱:۲۵۴) میں باختلاف الفاظ نقل کیا ہے۔

صعصعہؓ کا خط عقیل بن ابی طالب کے نام

مسعودی لکھتا ہے۔ عقیل جس وقت معاویہ کے پاس آئے تو معاویہ نے ان سے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ اصحاب علیؑ کے بارے میں تم سے کچھ پوچھوں، اس لئے کہ تم ان کو اچھی طرح جانتے ہو۔ عقیل نے جواب دیا۔ آپ جو چاہیں دریافت کرسکتے ہیں، معاویہ نے کہا اچھا اصحاب علیؑ کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ اور آل صوحان سے ابتدا کرو اس لئے کہ وہ تقریر و بیان کے بادشاہ ہیں، عقیل نے صعصعہ سے ابتدا کی اور کہا۔ لیکن صعصعہ، وہ صاحب عظمت، تیز زبان، بہترین قائد اور شہسوار، اپنے مقابل اور حریف کو قتل کرنے والے، ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والے اور سالم کو توڑنے والے، ان کا مثل بہت کم ہے، لیکن زید اور عبداللہ وہ دونوں دو بہنے والی نہریں ہیں جن میں دوسری نہریں آکر گرتی ہیں جن کی طغیانی سے شہر کے شہر فریاد کناں ہیں، لیکن بنوصوحان، پس وہ ایسے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

اذا نزل العدو فان عندی اسود الغاب تفترس النفوسا

ترجمہ (جب دشمن میدان میں اترے تو میرے پاس ایسے شیر ہیں جن کی ہیبت سے شیروں کے سانس اُکھڑ جاتے ہیں)

عقیل کی یہ گفتگو جب صعصعہ کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے ان کو حسب ذیل خط تحریر کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم! ذکر اللہ اکبر و بہ یستفتح المستفتحون و انتم مفاتح الدنیا والاخرۃ اما بعد فقد بلغ مولاک کلامک لعدو اللہ وعدوہ فحمدت اللہ علی ذلک وسألتہ ان یفی بک الی الدرجۃ العلیا والقضیب الاحمر والعمود الاسود فانہ عمود من فارقہ فارق الدین الازھر ولئن نزعت بک نفسک الی معاویہ طلباً لمالہ انک لذو علم بجمیع خصالہ فاحذرات تعلق بک نارہ فیضلک عن الحجۃ فان اللہ قد رفع عنکم اھل البیت ما وضعہ فی غیرکم فما کان من فضل واحسان فیکم وصل الینا فاجل اللہ اقدارکم وحمی اخطارکم و کتب آثارکم فان اقدارکم مرضیۃ و اخطارکم محمیۃ و آثارکم بدریۃ و انتم سلم اللہ الی خلقہ ووسیلتہ الی

طرقه ابن عليه ووجوه جليه وانتم كما قال الشاعر:

فما كان من خير اتوه فانما توارثه اباء اباءهم قبل، وهل ينبت الخطى الاوشيجه وتغرس الافى منابتها النخل

(مروج الذهب ۲:۶۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم! اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے اور کشائش چاہنے والے اسی سے کشائش چاہتے ہیں اور آپ لوگ دنیا اور آخرت کی کنجیاں ہیں، بعد ازاں

آپ کے آقا (علی ابن ابی طالبؑ) کو دشمن خدا معاویہ سے آپ کی گفتگو کی خبر پہنچ گئی ہے، میں نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا اور اس سے دعا مانگی کہ وہ تم کو بلند درجہ اور سرخ شاخ اور سیاہ عمود تک پہنچائے کیونکہ وہ ایسا عمود ہے کہ جس نے اس سے مفارقت کی تو گویا اللہ کے روشن دین سے مفارقت کی، پس اگر آپ نے اپنے کو معاویہ کے پاس طلب مال کی غرض سے پہنچایا ہے تو آپ کو اس کے تمام خصائل اور بدباطنی کا علم ہے، پس ڈرو! ایسا نہ ہو کہ اس کا شعلہ آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور سیدھے راستہ سے وہ آپ کو بھٹکا دے، یقیناً اللہ نے آپ اہل بیت سے ان تمام چیزوں کو اٹھا دیا؟ جو آپ کے غیر میں رکھ دی ہیں، پس اللہ کا جو کچھ بھی فضل و احسان ہے وہ تمہارے ہی ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے، یقیناً اللہ نے آپ کے مراتب کو بلند کیا ہے اور آپ کے آثار کو لکھ لیا ہے، بے شک آپ کے مراتب پسندیدہ ہیں اور اثار روشن ہیں اور آپ لوگ مخلوق کے لئے اللہ تک پہنچنے کا زینہ ہیں اور اس کے راستوں کی طرف اس کا وسیلہ آپ بلند ہاتھ اور روشن چہرے ہیں اور آپ ایسے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

جس خیر کو وہ لائے ہیں، بے شک ان کے باپ دادا کے باپ دادا ان سے قبل ورثہ میں لا چکے ہیں، یقیناً نیزے اپنے پیڑ ہی میں پیدا ہوتے ہیں اور نخل اپنے اُگنے کی جگہ پر ہی اُگتے ہیں۔

صعصعہؓ اور معاویہ

صعصعہ امیر معاویہ کے سخت ترین دشمنوں میں تھے، وہ تلوار سے تو اُن کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے لیکن زبان سے انہوں نے زندگی بھر مقابلہ کیا اور کسی وقت حق بات کہنے سے نہیں جھجکتے جیسا کہ اکثر موقعوں پر امیر معاویہ کو یہ کہہ کر اعتراف شکست کرنا پڑا ہے "والله ان كنت لابغض ان اراك خطيبا" (قسم بخدا! مجھ کو یہ امر نہایت شاق ہو کہ تم کو خطیب کی حیثیت میں دیکھوں) جس کا جواب صعصعہ کے پاس یہ تھا "والله ان كنت لابغض ان اراك اميرا (تاریخ ابن عساکر ۶:۴۲۵)

(یا اللہ! مجھ کو یہ بات شق ہے کہ تم کو مسند امارت پر دیکھوں) چنانچہ مختلف موقعوں پر ان سے اور امیر معاویہ

سے جو گفتگوئیں ہوئی ہیں وہ تاریخ و ادب کا ایک اہم باب ہیں، ذیل میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے چند بحثیں پیش کرتا ہوں۔

ا۔ ایک مرتبہ امیر معاویہ نے صعصعہ، عبداللہ بن کواء اور امیر المومنین کے کچھ دیگر اصحاب کو گرفتار کرلیا، حالت قید میں ایک دن معاویہ ان لوگوں کے پاس آئے اور کہا۔ میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم نے مجھ کو کیسا خلیفہ پایا، خبردار صحیح صحیح بتانا، ابن الکواء نے کہا۔ اگر تم نے ہمارے خلاف ارادہ نہ کرلیا ہوتا تو ہم کبھی اپنے رائے ظاہر نہ کرتے کیونکہ تو ایک سرکش جبار ہے نیک لوگوں کے قتل کرنے میں تجھ کو تامل نہیں ہوتا، لیکن اب ہم یہ کہتے ہیں کہ تو وہ ہے جس کی دنیا وسیع ہے اور آخرت تنگ ہے، قبر قریب اور جائے پناہ دور ہے، تو تاریکیوں کو نور بناتا ہے اور نور کو تاریکی، معاویہ نے کہا! لیکن اللہ نے امر حکومت سے اہل شام کو عزت دی ہے جو اس کے ناموس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اس کے محارم کو ترک کرنے والے نیز وہ اہل عراق کی طرح نہیں ہیں جو اللہ کے محارم کی ہتک حرمت کرتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو حلال اور جس کو حلال کیا ہے اس کو حرام کرتے ہیں، عبداللہ بن الکواء نے جواب دیا۔ اے ابوسفیان کے بیٹے! جواب ہر بات کا ہوا کرتا ہے، ہم کو صرف تیرے جبروت کا خوف ہے، اگر ہماری زبان آزاد ہوتی اور اس پر تیرے خوف اقتدار کا پہرہ نہ ہوتا تو ہم ایسی تیز زبانوں سے ان کی مدافعت کرتے جن کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کا خوف دامن گیر نہیں ہوتا درصورت دیگر ہم صبر کرتے ہیں جب تک اللہ کا حکم ہو اور وہ ہم کو کشائش عطا کرے، معاویہ نے کہا! بخدا! تمہاری زبانوں کو آزادی نہیں دی جاسکتی اس کے بعد صعصعہ سے مخاطب ہوئے صعصعہ نے کہا۔ اے ابوسفیان کے بیٹے! تو نے بات کی اور جو کچھ تو جانتا تھا اس میں کسر نہیں کی، سچ تو یہ ہے کہ جیسا تو نے بیان کیا امر واقعہ یہ ہے۔ بھلا وہ شخص خلیفہ کس طرح ہوسکتا ہے جو جبر و قہر کے ذریعے لوگوں کا حاکم بن جائے اور اپنی بڑائی دکھا کر ان کو مطیع بنالے اور اسباب باطلہ، جھوٹ اور مکر کے بل پر ان پر مستولی ہوجائے! قسم بخدا! بدر کے دن نہ تو نے کوئی تلوار کا ہاتھ چلایا نہ کوئی تیر مارا اور اس میں تو بالکل الگ رہا، یقیناً تو اور تیرا عیز اور نفیر میں تھا، ان لوگوں میں جنہوں نے رسولؐ اللہ کے خلاف تفنگ اندوزی کی تھی اور تو یقیناً طلیق ہے اور طلیق کا بیٹا ہے، رسولؐ اللہ نے تم دونوں کو آزاد کردیا تھا، بھلا طلقاء کس طرح خلافت کے سزاوار ہوسکتے ہیں، معاویہ نے صعصعہ کا یہ کلام سن کر کہا۔ اگر میں ابوطالبؑ کے اس شعر کی طرف رجوع نہ کرتا تو ضرور تجھ کو قتل کرادیتا، اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

قابلت جهلهم حلماً و مغفرة

والعفو عن قدرة ضرب من الكرم

(میں نے ان کی جہالت کا جواب علم اور بخشش سے دیا اور قدرت حاصل ہونے کے باوجود معاف کردینا ہی

کرم ہے)(مروج الذہب ۲: ۶۲)

۲۔ ایک مرتبہ صعصعہ امیر المومنینؑ کا ایک خط لے کر معاویہ کے پاس آئے، معاویہ نے ان سے کہا۔ اے صوحان کے بیٹے! تم عرب اور ان کے حالات پر بصیرت رکھتے ہو، ذرا اہل بصرہ کے بارے میں کچھ بیان کرو، لیکن عصبیت سے کام نہ لینا، صعصعہ نے کہا۔ اہل بصرہ عرب کا واسطہ اور بزرگی وسرداری کا نقطہ انتہا ہیں وہ اول دہر اور آخر دہر میں مشکل امور کو حل کرنے والے ہیں، ان پر عرب کی سیادت اسی طرح چکر لگاتی ہے جس طرح چکی کیلی پر گھومتی ہے۔ معاویہ نے کہا۔ اچھا اہل کوفہ کے بارے میں بیان کرو! صعصعہ نے کہا۔ یہ لوگ اسلام کی بنیاد اور کلام و بیان کا مقام بلند ہیں اور باوجاہت اشخاص کی جائے پناہ، لیکن اتنی سی بات ہے کہ ان میں بے وقوف لوگ ہیں جو ذوی الامر کو اطاعت سے روکتے ہیں اور ان کو جماعت سے نکالتے ہیں۔

اس کے بعد معاویہ نے اہل حجاز کے بارے میں پوچھا:

صعصعہ نے کہا۔ اہل حجاز فتنہ کی طرف بہت تیزی سے بڑھنے والے ہیں اور فتنے سے نکلنے میں بہت سست، لیکن دین میں وہ ثابت قدم ہیں اور یقین کی رسی سے متمسک ہیں، وہ ائمہ ابرار کا اتباع کرتے اور فاسق و فاجر لوگوں کی اطاعت کا قلادہ نکال کر پھینک دیتے ہیں، معاویہ نے یہ سن کر کہا۔ ابرار اور فساق سے تمہاری مراد کون ہے؟ صعصعہ نے کہا۔ علیؑ اور ان کے اصحاب ائمہ ابرار ہیں اور تو اور تیرے ساتھی فساق ہیں۔ اس کے بعد معاویہ نے چاہا کہ مزید صعصعہ کے خیالات کا جائزہ لیں، اگرچہ اس گفتگو سے ان میں ہیجان وغصہ پیدا ہو چلا تھا، کہنے لگے۔ اچھا قبہ الحمراء جو مضر کے شہر میں ہے کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ۔ صعصعہ نے کہا۔ مضر کے شیر دو مرطوب وادیوں کے درمیان بہادر ہیں، جب ان کو آزاد کر دیا جاتا ہے تو پھاڑ کھاتے ہیں اور جب چھوڑ دیا جاتا ہے تو چھپ کر شکار کرتے ہیں۔ معاویہ نے کہا۔ یہاں ایسی ٹھوس عزت ہے جس کو اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جاسکتا، کیا اس کے مثل تمہاری قوم میں بھی ہے؟

صعصعہ نے جواب دیا۔ یہ اس کے اہل کے لئے ہے نہ کہ تیرے لئے اور جو شخص کسی قوم کو محبوب رکھتا ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے بعد معاویہ نے ربیعہ و مضر کے بارے میں دریافت کیا صعصعہ نے اس کا بھی اسی طرح جواب دیا، اب معاویہ خاموش ہو گئے، صعصعہ نے ابھی تک دل کی بات نہیں کہی تھی جس کے لئے وہ بے چین تھے، اس لئے معاویہ سے کہا۔ ابھی کچھ اور پوچھئے ورنہ جو چیز آپ سے چھوٹ گئی ہے میں خود اس کو بیان کئے دیتا ہوں۔ معاویہ نے کہا۔ وہ کیا؟ کہا، اہل شام! معاویہ نے کہا اچھا پھر ان کے بارے میں بھی بیان کرو، صعصعہ نے کہا۔

"اطوع الناس لمخلوق واعصاهم للخالق، عصاة الجبار وخلفة الاشرار فعليهم الدمار ولهم سوء الدار"

(اہل شام) مخلوق کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والے اور اسی قدر خالق کی نافرمانی کرنے والے ہیں وہ گناہ گار، جابر، کمینوں کے جانشین ہیں، ان پر ہلاکت ہو اور ان کے لئے برا ٹھکانہ ہو (مروج الذھب ۲:۶۳)

صعصعہ کی حاضر جوابی

علامہ ابن عبدربہ الاندلسی لکھتے ہیں۔ **فاما احضر الناس جوابا فصعصعہ بن صوحان۔** صعصعہ بن صوحان لوگوں میں سب سے زیادہ حاضر جواب تھے، ذیل میں ان کی حاضر جوابی کی چند نقلیں ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔

(۱)

ایک مرتبہ صعصعہ معاویہ کے پاس آئے، اس وقت عمرو العاص بھی ان کے قریب تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، معاویہ نے صعصعہ کو دیکھ کر کہا۔ اس ترابیہ کو بھی اس تخت پر جگہ دو، صعصعہ نے جواب دیا۔ بخدا! میں ترابی ہی ہوں، اسی سے پیدا ہوا ہوں اور اسی کی طرف پلٹ جاؤں گا اور اسی سے اٹھایا جاؤں گا لیکن آپ یقیناً جہنم کا ایک شعلہ ہیں (عقد الفرید ۳:۳۱۶)

(۲)

ایک مرتبہ صعصعہ، اہل عراق کے ایک وفد کے ہمراہ معاویہ کے پاس آئے، معاویہ نے ان کا خیر مقدم کیا اور کہا۔ تم کو مبارک ہو اے اہل عراق! تم اللہ کی مقدس سرزمین میں آئے ہو، اسی سے اُٹھو گے اور اسی کی طرف جمع کر کے لائے جاؤ گے، تم بہترین امیر کے پاس آئے ہو جو تمہارے بڑوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اور چھوٹوں کے ساتھ رحم سے پیش آتا ہے اور اگر تمام آدمی ابوسفیان کی اولاد ہوتے تو ضرور بردبار اور عقلمند ہوتے، لوگوں نے صعصعہ کی طرف دیکھا (جواب دینے پر اُکسایا) صعصعہ ایسے موقع پر کہاں چوکنے والے تھے فوراً کہا۔

اے معاویہ! آپ کا یہ کہنا کہ ہم پاک زمین میں آئے ہیں، پس قسم میری زندگی کی، کوئی سرزمین لوگوں کے لئے پاک نہیں ہے، پاکی صرف اعمال کی ہے، نیز آپ کا دوسرا قول کہ اسی سے نشر کئے جائیں گے اور اسی کی طرف جمع کئے جائیں گے، یہ بھی غلط ہے! قسم میری جان کی، مومن کو نہ اس کی نزدیکی کوئی نفع پہنچا سکتی ہے نہ اس کی دوری۔ رہا آپ کا تیسرا قول کہ اگر تمام انسان ابوسفیان کی اولاد ہوتے تو حلیم اور عقلمند ہوتے، یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ وہ اس کی اولاد ہیں جو ابوسفیان سے بہتر تھا (حضرت آدم) پس ان میں حلیم بھی ہیں، کمینے بھی، جاہل بھی اور عالم بھی (عقد الفرید ۳:۳۱۶)

(۳)

ابراہیم بن عقیل بصری کا بیان ہے: ایک مرتبہ صعصعہ، امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کا ایک خط لے کر معاویہ

کے پاس آئے، اس وقت ان کے پاس اور بھی کچھ باوجاہت اصحاب بیٹھے ہوئے تھے، معاویہ نے ان کو دیکھ کر کہا۔

"الارض لله وانا خليفته فما اخذ من مال الله فهو لي وما تركت منه كان جائزاً لي"۔

(زمین اللہ کے لئے ہے اور میں اس کا خلیفہ ہوں، پس جو کچھ میں اللہ کے مال میں سے لے لوں وہ میرا ہے اور جو کچھ اس میں سے چھوڑ دوں تو یہ میرے لئے جائز ہے)

صعصعہ قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، جواب دیا: "تمنيك نفسك ما لا يكون جهلا معاوی لا تأثم" اے معاویہ تو نے اپنے نفس کے لئے اس چیز کی تمنا کی ہے جو جہالت کا متقضا ہو۔ معاویہ نے کہا۔ اے صعصعہ! تم نے بولنا تو خوب سیکھا ہے صعصعہ نے جواب دیا۔ علم سیکھنے ہی سے آتا ہے اور جس میں علم نہ ہو وہ جاہل ہے، معاویہ نے کہا۔ مجھ کو کیا امر مانع ہے کہ تم کو تمہاری گستاخی کی سزا دوں، جواب دیا۔ یہ امر تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، یہ اس ذات کے قبضے میں ہے کہ جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک ساعت کے لئے اس کو نہیں ٹال سکتے، معاویہ نے پھر کہا۔ میرے اور تمہارے درمیان کون حائل ہے؟ جواب دیا:

"الذي يحول بين المرء وقلبه" وہ ذات جو انسان اور اس کے قلب کے درمیان میں حائل ہے۔ معاویہ کہنے لگے تمہارا پیٹ کلام کے لئے اتنا ہی وسیع ہے جتنا اونٹ کا پیٹ جو کے لئے صعصعہ نے کہا نہیں بلکہ اس شخص کے پیٹ کی طرح جو کبھی سیر ہی نہیں ہوتا (مروج الذہب ۲: ۶۲)

(۴)

ایک مرتبہ قریش کے علما اور ربیعہ کے خطیب لوگ اور یمن کے کچھ سردار معاویہ کے دربار میں آئے، معاویہ ان کو دیکھ کر مسجد دمشق کے منبر پر گئے اور اس طرح خطبہ پڑھنا شروع کیا!

"ان الله اكرم خلفاءه فوجب لهم الجنة فانقذهم من النار ثم جعلني منهم وجعل انصاري اهل الشام الذابين عن حرم الله المؤيدين بظفر الله المنصورين على اعداء الله"۔

بیشک اللہ نے اپنے خلفاء کو عزت دی ہے اور ان کے لئے جنت کو واجب کیا اور دوزخ سے ان کو نکالا پھر مجھ کو ان ہی میں سے قرار دیا اور اہل شام کے حامیوں کو حرم الٰہی سے مدافعت کرنے والا اللہ کی فتح سے موید اور اللہ کے دشمنوں پر فتح پانے والا بنایا۔

راوی کا بیان ہے کہ (احنف بن قیس اور صعصعہ بن صوحان اس وقت مسجد میں موجود تھے، انہوں نے معاویہ کا یہ گمراہ کن کلام سنا تو احنف نے صعصعہ سے کہا۔ تم اس کا جواب دیتے ہو، یا میں کھڑا ہو جاؤں، صعصعہ نے کہا۔ تم بیٹھو میں ہی جواب دیئے لیتا ہوں چنانچہ صعصعہ کھڑے ہو گئے اور کہا۔

"اے ابوسفیان کے بیٹے! تو نے کلام کیا اور جو کچھ تو کہنا چاہتا تھا اس میں کوئی کسر اٹھا کرنہیں رکھی لیکن تیرا یہ کلام کیونکر صحیح ہوسکتا ہے حالانکہ تو نے زبردستی ہم پر غلبہ کیا اور جبر وقہر کے ذریعے ہمارا حاکم بنا اور اسباب فضل کے ذریعے تو ہم پر مستولی ہوا، پس تیرا اہل شام کو سراہنا کہاں تک درست ہے، حالانکہ میں نے ان سے زیادہ بندہ مخلوق اور خالق کا نافرمان کسی کو نہیں دیکھا، یہ وہ قوم ہے جس نے حال کے عوض میں تیرے ہاتھ اپنا دین اور اپنے جسم بیچ دیئے ہیں۔ پس اگر تو ان کو دیتا رہے گا تو تیری حمایت کریں گے اور اگر روک لے گا تو بیٹھ رہیں گے اور تجھ سے پھر جائیں گے (امالی شیخ الطائفہ ص ۳)

(۵)

ایک مرتبہ معاویہ نے صعصعہ سے سوال کیا۔ کونسا گھوڑا سب سے بہتر ہوتا ہے؟ کہا: الطویل الثلاثه القصیر الثلاثه العریض الثلاثه الصافی الثلاث۔

وہ گھوڑا جس کی تین چیزیں لمبی، تین چھوٹی، تین چوڑی اور تین صاف ہوں۔ معاویہ نے کہا۔ ذرا اس کو واضح کرو، صعصعہ نے کہا۔ سنو! تین لمبی چیزیں، وہ کان، گردن اور ناک ہیں، اور تین چھوٹی چیزیں وہ پشت، دم کی ہڈی اور عضو تناسل ہیں اور تین چوڑی تو وہ پیشانی، نتھنے اور سرین ہیں اور تین صاف چیزیں وہ چمڑا، آنکھیں اور کھر ہیں! (عقد الفرید ۱:۱۱۹)

(۶)

ایک مرتبہ معاویہ نے ان سے پوچھا: ای النساء اشهی الیك. کونسی عورت تم کو سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے؟ کہا وہ عورت کہ جو بات مرد چاہے اس کو بجالانے والی ہو، معاویہ نے پھر کہا اچھا سب سے ناپسند کونسی عورت ہے؟ کہا! وہ عورت کہ جو بات مرد کو پسند ہو، وہ اس سے دور دور ہو، معاویہ نے کہا۔ هذا النقد العاجل (یہ تو روا روی کی بات ہے) صعصعہ نے کہا: بالمیزان العادل۔ (لیکن بات جچی تلی ہے) (ایضاً ۷: ۱۱۷)

(۷)

ایک مرتبہ صعصعہ نے معاویہ سے کہا۔ اے امیرالمومنین! ہم تم کو کس طرح عقل کی طرف نسبت دے سکتے ہیں جبکہ آدھا انسان تم پر چھایا ہوا ہے یعنی فاختہ بنت قرظہ کی محبت تم پر مستولی ہے، معاویہ نے جواب دیا۔ یہ پری وش صاحبان کرامت پر غالب آتے ہیں اور ہم ان پر غالب آتے ہیں! (ایضاً)

(۸)

کتاب کامل بہائی میں ہے۔ ایک دن معاویہ منبر پر خطبہ کہہ رہے تھے کہ اسی اثناء میں بلند آواز سے ان کے

ایک ریح صادر ہوئی۔ مجمع میں اس سے ایک استعجابی کیفیت پیدا ہوگئی اور لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، معاویہ مجمع کا رنگ دیکھ کر سمجھ گئے، فوراً خطبہ کو موقوف کیا اور اس طرح کہنا شروع کیا۔

الحمد لله الذی خلق ابداننا و اسكنها ارواحنا و جعل فيها رياحا وجعل خروجها للنفس راحة فربما احتبست فی خيرا و امها و انفلتت فی غير و قتها فلا جناح علی من جاء منه ذالك

اس اللہ کا شکر ہے، جس نے ہمارے جسموں کو پیدا کیا اور ان میں ہماری روحوں کو ساکن کیا اور اس میں ریاح قرار دیئے اور ان کا نکلنا نفس کے لئے سبب راحت قرار دیا، پس اکثر وہ بے موقع اور بے وقت بھی نکل جاتے ہیں پس اگر کسی سے ایسا امر سرزد ہو جائے تو وہ ملزم نہیں ہے۔

صعصعہ اس وقت مسجد ہی میں موجود تھے فوراً کھڑے ہو گئے اور کہا۔

"صدقت یا معاویه! ان الله خلق ابداننا واسكن فيها ارواحنا وجعل فيها رياحا وجعل خروجها للنفس راحة ولكن جعل ارسالها فی الكنيف راحة و علی المنبر بدعة"۔

اے معاویہ! آپ سچ کہتے ہیں، بے شک اللہ نے ہمارے بدنوں کو پیدا کیا اور اُن میں ہماری روحوں کو ساکن کیا اور اس میں ریاح قرار دیئے اور جن کا نکلنا نفس کے لئے موجب راحت بنایا، لیکن ان کا ارسال بیت الخلا میں راحت قرار دیا ہے اور منبر پر بدعت۔

یہ کہہ کر نیچے بیٹھ گئے اور اہل شام سے کہا۔ تمہارا امیر ہگ بھرا ہے اب نہ اس کی نماز ہو سکتی ہے نہ تمہاری اور مسجد سے نکل کر مدینہ کی طرف چل دیئے۔ (مجالس المومنین)

(۹)

ایک مرتبہ مکہ جاتے ہوئے صعصعہ ایک قوم کی طرف سے گزرے لوگوں نے پوچھا۔ کہاں سے آرہے ہو؟ جواب دیا "من الفج العمیق"۔ پھر سوال کیا۔ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ کہا "البیت العتیق"۔ لوگوں نے کہا "هل كان من مطر"۔ (کیا وہاں بارش تھی) جواب دیا "نعمه عفی الاثر، وانهر الشجر و دهدة الحجر"۔ (بے شک نشانات مٹ گئے اور درخت سوکھ گئے ہیں اور پتھر تڑخ گئے) پھر لوگوں نے سوال کیا۔ کون سی آیت کتاب اللہ میں سب سے زیادہ محکم ہے؟ کہا۔ **فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره و من يعمل مثقال ذرة شراً يره** (تاریخ ابن عساکر ۶:۴۲۶) (ترجمہ)؟؟؟؟

ایک مرتبہ بنی فزارہ کا ایک شخص صعصعہ سے الجھ گیا اور کہنے لگا اے صوحان کے بیٹے! تم نے صرف اپنی لسانی

سے لوگوں کو مرعوب کرلیا ہے لیکن اگر میں چاہوں اور تمہیں چمٹ جاؤں تو سب بولنا بھول جاؤ گے اور اگر بولو گے تو اس کا جواب تلوار کی دھار سے زیادہ تیز زبان سے پاؤ گے، پھر تم کونے جھانکتے پھرو گے، صعصعہ اس بے سواو کی یہ بات سن کر دل میں ہنسے اور کہنے لگے۔

"لو اجد غرضاً منك لرميته بل ارى شبحاً ولا اخال مثالاً الا كسراب بقيعة يحسبه الظمان ماءً حتى اذا جاءه لم يجده شيئاً. امالو كنت كفئاً لرميت حصائلك باذرب من ذلق السنان ولرشقتك بنبال تردعك عن النضال ولخطمتك بخطام يخرم منك موضع الزمام"

مرد خدا، اگر میں تیرے پاس کوئی نشانہ پاتا تو ضرور تیر اندازی کرتا بلکہ میرے سامنے تو ایک بے روح تصویر، ہے اور ایک ایسی سراب جو ایک طویل وعریض میدان میں ہو جس کو پیاسا پانی سمجھ رہا ہو مگر جب اُس کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا، وہاں اگر تو میری برابر کا ہوتا تو تیری پونجی کو سنان سے زیادہ تیز آلہ سے کاٹ کر پھینک دیتا اور ایسے تیروں سے تیرا مقابلہ کرتا جو تجھ کو جواب میں تیر پھینکنے کا موقع ہی نہ دیتے، پھر تیری ناک میں ایسی نکیل ڈالتا جو تیرے دہانہ کو پھاڑ کر رکھ دیتی۔

مسعودی لکھتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کو جب فزاری کی اس گفتگو کا علم ہوا تو وہ ہنسے اور کہنے لگے۔ اگر یہ مرد فزاری اپنے نفس پر اتنا جبر کر کے جتنا کہ پتھروں کو بلند پہاڑ کی چوٹی سے نیچے آنے میں ہوتا ہے تو یہ بات اس سے زیادہ آسان ہے کہ وہ عبدالقیس کے بھائی سے مقابلہ کرے، وہ کتنا بڑا جاہل ہے کہ عبدالقیس کے بھائی کو جاہل سمجھ رہا ہے (مروج الذہب ۲:۸۲)

ایک مرتبہ معاویہ کے سامنے دیر تک کچھ بات چیت کی جس سے پسینہ آگیا، معاویہ بولے "بهرك القول" بولنے نے تم کو تھکا دیا، صعصعہ نے جواب دیا "ان الجياد نضاحة للماء" بیشک! اصیل گھوڑے کو پسینہ آتا ہی ہے (عیون الاخبار ۲:۱۷۳)

صعصعہ کے آثار علمیہ

مسعودی لکھتا ہے: ولصعصعة بن صوحان اخبار حسان وكلام في نهاية البلاغة والفصاحة والايضاح عن المعاني على ايجاز واختصار (ومن ذالك) خبره مع عبدالله بن عباس وهو ما حدث به المدائني عن زيد بن طليح الذهلي الشيباني"۔ (صعصعہ بن صوحان کی بہت سی دلچسپ چیزیں اور بہت سا ایسا کلام ہے جو فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ نقطہ پر ہے اور ایجاز واختصار کے ساتھ ساتھ نہایت واضح اور سلیس، منجملہ اس کے ان کا وہ کلام بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس کی صحبتوں میں واقع ہوا جس کی روایت مجھ سے مدائنی نے زید بن

طلیح شیبانی کے حوالے سے کی ہے)

اس ذیل میں اُس نے صعصعہ کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں، اس کے علاوہ تاریخ و ادب کی دوسری کتابوں میں بھی جستہ جستہ ان کے حکیمانہ اقوال ملتے ہیں، جن کا استیعاب بہت وقت چاہتا ہے، البتہ نمونہ کے طور پر چند اقوال نقل کرتا ہوں۔

(۱) ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس نے ان سے سوال کیا "ما لسودد فیکم" سرداری کیا ہے۔ صعصعہ نے جواب دیا۔

اطعام الطعام و لین الکلام و بذل النوال و کف المرء نفسه عن السوال والتودد للصغیر والکبیر (مروج الذهب ۶۵:۲)

کھانا کھلانا نرمی سے بات کرنا، جو کچھ موجود ہو اس کو بخش دینا، مرد کا سوال کرنے سے اپنے نفس کو باز رکھنا اور چھوٹوں اور بڑوں سے محبت کرنا۔

(۲) ابن قاسم نے پھر پوچھا۔ حلیم کون ہے؟ صعصعہ نے جواب دیا:

من ملك غضبه فلم يفعل و سعي اليه بحق او باطل فلم يقبل و وجد قاتل ابيه و اخيه فصفي ولم يقتل (مروج الذہب ۶۵:۲)

(حلیم وہ ہے) جو غیظ و غضب کے وقت اقدام نہ کرے اور سچی یا جھوٹی کوئی چغلی اس سے کی جائے تو اس کو قبول نہ کرے اور اپنے باپ اور بھائی کے قاتل کو پالے تو معاف کرے اور قتل نہ کرے۔

(۳) ایک مرتبہ ابن عباس نے ان سے پوچھا۔ فارس (شہسوار) کون ہے؟ صعصعہ نے کہا۔

الفارس من قصر اجله فی نفسه و ضغم علی امله بحرسه و کانت الحرب اهون علیه من امسه ذلك الفارس اذا وقدت الحروب و اشتدت بالا نفس الکروب و تداعوا للنزال و تخالسوا لمهج و اقتحموا بالسیوف اللجج

شہسوار وہ ہے جو موت کو حقیر سمجھتا ہو اور اپنی آرزوؤں پر پورا پورا قابو رکھتا ہو، جنگ اس کے لئے نہایت آسان ہو، شہسوار وہی ہے کہ جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور جانیں سخت کرب میں مبتلا ہوں اور میدان میں ایک دوسرے کو مقابلہ کے لئے بلا رہا ہو اور جان کی بازی لگی ہوئی ہو اور تلواروں کے ساتھ خطرات کی منجدھار میں ڈوب رہے ہوں۔

ابن عباس نے یہ سُن کر کہا "احسنت واللہ یابن صوحان انك لسلیل اقوام کرم خطباء فصحا"

(مروج الذہب ۲:۶۵) (مرحبا اے صوحان کے بیٹے! بے شک تم ان قوموں کے فرزند ہو جو صاحبانِ کرامت اور خطیب و فصیح ہیں)

(۴) ایک مرتبہ امیر معاویہ نے ان سے پوچھا۔ جود کیا ہے؟ جواب دیا:

التبرع بالمال والعطیة قبل السوال (عقد الفرید ۱:۸۳)

مال تبرعاً دے ڈالنا اور سوال سے پہلے عطا کرنا۔

(۵) ایک مرتبہ معاویہ نے مروت کے بارے میں ان سے سوال کیا۔ کہا۔

الصبر والصمت، فالصبر علی ماینوبك الصمت حتی تحتاج الی کلام (ابن عساکر ۶:۴۲۳)

صبر اور خاموشی اس وقت تک جب تک بولنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

ایک مرتبہ امیر معاویہ نے صعصعہ سے کہا۔ تم صرف بولنا ہی جانتے ہو اور کلام کی کجی اور راستی پر غور نہیں کرتے، اچھا اگر سوچ سمجھ کر جواب دو تو بتاؤ افضلِ مال کیا ہے؟ صعصعہ نے جواب دیا اے امیر المومنین! میں اس وقت تک کلام نہیں کرتا جب تک وہ میرے سینے میں پک نہیں جاتا اور اس وقت تک نہیں بولتا جب تک اس کے ہر پہلو پر غور نہ کرلوں، سنیے۔

(۶) ان افضل المال برۃ سمراء فی تربه غبراء، او نعجة صنعراء فی بنعه خضراء او عین خوارۃ فی ارض خوارہ۔

"بے شک بہترین مال وہ دانہ ہے جو مٹی میں ملا ہوا ہو یا وہ بھیڑ جو سرسبز وادی میں چر رہی ہو یا وہ چشمہ جو زمین پر پہاڑ کی بلندی سے گر رہا ہو۔

معاویہ نے کہا۔ خدا تمہارا بھلا کرے سونا چاندی پھر کیا؟ کہا۔

"حران بصطکان، ان اقبلت علیهما نفدا وان ترکتهما"۔ (عقد الفرید ۲:۳۳۹)

(یہ دونوں بھڑکتی ہوئی آگ ہیں، اگر ان کی طرف رُخ کرو گے تو خرچ ہو جائیں گے اور چھوڑ دو گے تو بڑھیں گے نہیں)

ایک مرتبہ اپنے بھتیجے سے انہوں نے کہا۔

(۷) اذا رأیت المومن فخالصه و اذا رأیت الفاجر فخالفه و دینك لا تکله الی احد ان الفاجر یرضی منك بالخلق الحسن، وانه لحق علیك ان تخالص المومن (ابن عساکر ۶:۴۲۶)

جب کسی مومن کو دیکھو تو اس کے ساتھ خلوص سے پیش آؤ اور جب کسی بدکار کو دیکھو تو اس کی مخالفت کرو اور اپنا

دین کسی کے حوالے مت کرو، یقیناً بدکار حسن اخلاق کے ساتھ تم سے راضی ہوجائے گا لیکن مومن کا تم پر یہ حق ہے کہ اس کے ساتھ خلوص رکھو!

صعصعہ کا ایک تاریخی خطبہ

۴۳ھ میں جب مختلف مقامات سے خارجیوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور گورنر کوفہ مغیرہ بن شعبہ کو اس کی اطلاعیں پہنچیں تو اس نے تمام سردارانِ قبائل کو بلا کر ایک تقریر کی اور کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنی قوم کے پاس جائے اور ان کو سنبھالنے میں میرا ہاتھ بٹائے ورنہ مجبوراً مجھے وہ کچھ کرنا پڑے گا جو تمہارے لئے ناپسندیدگی کا سبب ہوگا۔

صعصعہ بن صوحان قبیلہ عبدالقیس کے سردار تھے ان کو اگرچہ معلوم تھا کہ حیان (خارجی) سلیم بن محدوج عبدی کے گھر مہمان ہے مگر انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اُن ہی کے قبیلہ کا صرف اس وجہ سے مواخذہ ہو کہ وہ اہل شام سے جدا ہوگیا ہے اور ان سے ہم آہنگی نہیں رکھتا، اس موقع پر انہوں نے اپنے قبیلہ والوں کو جمع کر کے حسب ذیل خطبہ دیا۔

ایها الناس! ان لله وله الحمد لما قسم الفضل خصکم بأحسن القسم، فاجبتم الی دین الله الذی اختاره لنفسه و ارتضاه لملائکته و رسله ثم اقمته حتی قبض الله رسوله صلی الله علیه (وآله) وسلم ثم اختلف الناس بعده فثبتت طائفة وارتدت طائفة و ادهنت طائفة و تربصت طائفة. فلزمتم دین الله ایماناً به و برسوله و قاتلتم المرتدین حتی قام الدین و اهلك الله والظالمین ولم یزل الله یزدیکم بذلك خیرا حتی اختلفت الامه بینها فقالت طائفة: نُرید طلحة و الزبیر و عائشة وقالت طائفة نرید اهل المغرب و قالت طائفة نرید عبدالله بن وهب الراسبی و قلتم انتبلا نرید الا اهل بیت نبینا الذین ابتدأنا الله عزوجل من قبلهم بالکرامة تسدیدا من الله عزوجل لکم وتوفیقاً فلم تزالوا علی الحق لازمین له آخذین به حتی اهلك الله بکم وبمن کان علی مثل هدیکم الناکثین یوم الجمل والمارقین یوم النهر وسکت عن ذکر اهل الشام لان السطان لهم فلا قوم اعدئ لله ولکم ولاهل بیت بیتکم من هذه المارقة الخاطئة الذین فارقوا امامنا و استحلوا دمائنا و شهدوا علینا بالکفر فایاکم ان تو-هم فی دورکم اوتکتموا علیهم شیئاً فانه لاینبغی لحی من احیاء العرب ان یکون اوداء لهذه المارقة منکم وقد ذکر لی ان بعضهم جی جانب من الحی وانا باحث عن ذلك فان یك حقاً تقربت الی الله بدماءهم فان دماء هم حلال (وقال) یا معشر عبدالقیس ان ولاتنا هؤلاء اعرف شی بکم وبرایکم فلا تجعلوا لهم علیکم سبیلا فانهم

امرع شی الیکم و الی مثلکم (تاریخ کامل ابن اثیر)

(ترجمہ) ایہا الناس! بے شک اللہ نے جس کے لئے تمام تعریفیں ہیں جب فضیلت تقسیم فرمائی تو تم کو اس کے بہترین حصے سے مخصوص کیا، پس تم نے اللہ کے اس دین کو قبول کیا جس کو خدا نے اپنی ذات کے لئے اختیار فرمایا اور اپنے ملائکہ اور اپنے رُسل کے لئے اس کو منتخب کیا، پھر تم رسولؐ اللہ کی وفات کے وقت تک اس دین پر قائم رہے، اس کے بعد لوگوں میں اختلاف ہوا چنانچہ ایک جماعت تو ثابت قدم رہی اور ایک مرتد ہوگئی، ایک نے مداہنت اختیار کی اور ایک نے تربص، مگر تم چونکہ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے تھے اس لئے اسی دین سے وابستہ رہے اور اس وقت تک تم برابر مرتدین سے برسرپیکار رہے جب تک اللہ نے اپنے دین کو استحکام نہ دے دیا اور ظالموں کو برباد نہ کر دیا، اسی کی برکت سے خداوند تعالیٰ برابر تمہاری خیر و برکت میں اضافہ کرتا رہا یہاں تک کہ امت میں پھوٹ پڑ گئی، ایک جماعت کہتی تھی کہ ہم طلحہ، زبیر اور عائشہ کو چاہتے ہیں، ایک کہتی تھی ہم اہل مغرب کو چاہتے ہیں، کچھ لوگ کہتے تھے کہ ہم عبداللہ بن وہب راسی کو پسند کرتے ہیں، مگر تم یہ کہتے تھے کہ ہم صرف اپنے نبی کے اہل بیتؑ کو چاہتے ہیں جن کے ذریعے سے اللہ عزوجل نے پہلی بار ہم کو کرامت عطا فرمائی یہ صرف تمہارے ساتھ اللہ کی تائید اور اس کی توفیق کا نتیجہ تھا، تم برابر حق پر ثابت قدم رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری طرح ہدایت یافتہ دوسرے لوگوں کے ذریعے سے یوم جمل کے ناکثین اور یوم نہر کے مارقین کو تباہ و برباد کر دیا، لیکن وہ اہل شام کی طرف سے بالکل خاموش رہا، کیونکہ غلبہ ان ہی کو حاصل تھا، خوب سمجھ لو۔ کوئی قوم، تمہاری اور تمہارے خدا کی اور تمہارے نبیؐ کے اہلبیتؑ کی ایسی دشمن نہیں جیسے یہ بدبخت اور خاطی لوگ جنہوں نے ہمارے امامؑ سے مفارقت کی اور ہمارے خون کو حلال کر دیا اور ہمارے خلاف کفر کی شہادت دی، خبردار! اگر تم نے ان کو اپنے مکانوں میں پناہ دی یا ان کے خلاف کسی بات کو پوشیدہ رکھا، کیونکہ عرب کے کسی قبیلے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کا کوئی فرد بھی ان مارقہ کا دوست ہو۔ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ ان کے چند آدمی، قبیلے کے ایک جانب موجود ہیں اور میں ان کی تلاش میں ہوں، پس اگر یہ بات سچ ہے تو میں ان کے خون کے ذریعے تقرب الٰہی حاصل کروں گا، کیونکہ ان کے خون حلال ہیں۔

اے قبیلۂ عبدالقیس کے افراد! یاد رکھو کہ ہمارے یہ والیان ملک تم کو اور تمہاری رایوں کو تم سے بہتر جانتے ہیں۔ تم اپنے خلاف ان کو کسی طرح راہ نہ دو کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے امثال میں بہت جلد اثر پیدا کر لیتے ہیں۔

مورخ کامل لکھتے ہیں۔ صعصعہ کی اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ تمام لوگ کہنے لگے "ان پر خدا کی لعنت ہو، خدا ان سے بیزار ہو، ہم ان کو پناہ نہ دیں گے اور اگر ہم کو ان کی جائے پناہ معلوم ہوگی تو ہم آپ کو اس کی اطلاع کر دیں گے۔ البتہ سلیم بن ممدوح عبدی خاموش رہا اور غمگین ہو کر واپس چلا گیا کیونکہ اس کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ اپنے ہمراہیوں کو گھر

سے نکال دے۔

صعصعہ اور کلام امیر المومنینؑ

صعصعہ کی ہستی یوں تو جامع کمالات تھی لیکن ان تمام حیثیات میں ان کی حیثیت خطابت و بلاغت سب سے زیادہ نمایاں ہے جس کو صرف امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے فیض صحبت کا اثر کہا جاسکتا ہے، اس بنا پر یہ ناممکن ہے کہ انہوں نے آپ کے خطبات اور کلام کو محفوظ نہ کیا ہو لیکن افسوس ہے کہ ان کے مرویات بہت کمی کے ساتھ ملتے ہیں، ممکن تھا کہ اگر قدیم مولفین کی تمام مولفات آج موجود ہوتیں تو امیر المومنینؑ کا بہت سا کلام صعصعہ کی روایت کے ساتھ ہم کو مل جاتا۔ بہرحال میری ناقص تحقیق میں حسب ذیل صرف دو کلام ملے ہیں جن کو صعصعہ نے روایت کیا ہے۔

۱۔ لقد رأیت اصحاب محمد صلی الله علیه واله فما اری احداً یشبهم. لقد کانوا یصبحون شعثا غبرا و قد باتوا سجدًا و قیاماً (نہج البلاغۃ ۱: ۱۱۳)

میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا ہے اب میں تم سے کسی کو ان کے مشابہ نہیں پاتا وہ اس حالت میں صبح کرتے تھے کہ غبار میں اَٹے ہوئے ہوتے تھے اور راتیں، سجدے اور قیام کی حالت میں گزارتے تھے۔

یہ کلام جامع نہج البلاغۃ کے استاد شیخ مفید متوفی ۴۱۳ھ نے کتاب الارشاد (ص ۳۸) میں صعصعہ کی روایت سے حسب ذیل طریقہ پر نقل کیا ہے:

ومن کلامه فی ذکر خیار الصحابة وزهادهم ما رواه صعصعه بن صوحان العبدی. قال: صلی امیر المومنین علیه السلام ذات یوم صلوة الصبح فلما سلم اقبل علی القبله بوجهه یذکر الله لا یلتفت یمینا ولا شمالا حتی صارت الشمس علی حائط مسجد کم هذا یعنی جامع الکوفة قدر رمح ثم اقبل علینا بوجهه فقال:

لقد عهدت اقواماً علی عهد خلیلی رسول الله صلی الله علیه واله وانهم یراوحون فی هذا للیل بین جباههم ورکبهم فاذا اصبحوا: اصبحوا شعثا غبرا بین اعینهم شبه راکب المعزی فاذا ذکروا الموت مادوا کما یمید الشجر فی الریح.

نیز امیر المومنینؑ کا کلام خیار صحابہ کے ذکر میں جس کو صعصعہ بن صوحان نے اس طرح روایت کیا ہے کہ ایک دن امیر المومنین علیہ السلام نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی جب سلام سے فارغ ہوئے تو سیدھے ہو کر رو بہ قبلہ بیٹھ گئے یہاں تک کہ سورج تمہاری اس مسجد (جامع کوفہ) کی دیوار سے ایک نیزہ کی بقدر بلند ہوگیا، پھر آپ نے ہماری طرف اپنا رُخ کیا اور اس طرح فرمایا۔

میں نے اپنے خلیل (دوست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ تمام رات عبادت الٰہی میں گزارتے تھے اور جب صبح کرتے تھے تو اس حالت میں کہ ان کے سر غبار آلود ہوتے تھے اور ان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے زانوؤں کی طرح گھٹے پڑے ہوتے تھے اور جب موت کا ذکر ان کے سامنے ہوتا تھا تو اس طرح لرزتے تھے جس طرح پیڑ ہوا سے ہلتا ہے۔

(۴) امیر المومنینؑ کا خط جو آپ نے مالک اشتر کو والی بناتے وقت اہل مصر کے نام تحریر کیا ہے، جس کی ابتدا اس طرح ہے۔

من عبد الله علی امیر المومنین الی القوم الذین غضبوا لله حین عصی فی ارضه.

(نہج البلاغۃ ۲: ۴۴)

بندۂ خدا علی امیر المومنینؑ کی طرف سے اس گروہ کی طرف جو اللہ کے لئے لوگوں کو مورد عتاب بنے جبکہ زمین میں اس کی نافرمانی ہوتی تھی۔

یہ پورا خط ابو العباس احمد بن علی النجاشی متوفی ۴۵۰ھ نے کتاب الرجال (ص ۴۴) میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ صعصعہ سے روایت کیا ہے۔

قال ابن نوح حدثنا علی بن الحسین بن سفین الهمدانی، قال حدثنا علی بن احمد بن علی بن خاتم بن التمیمی، قال حدثنا عباد بن یعقوب قال حدثنا عمرو بن ثابت عن جابر قال سمعت الشعبی، ذکر ذلک عن صعصعه، قال: لما بعث مالک الاشتر کتب الیهم،

من عبد الله امیر المومنین الی نفر من المسلمین، سلام علیکم انی احمد الیکم الله الذی لا اله الا هو، اما بعد فانی بعثت الیکم عبداً من عبید الله لا ینام ایام الخوف ولا ینکل عن الاعداء۔

ابن نوح کا بیان ہے کہ مجھ سے علی بن الحسین سفیان ہمدانی نے بیان کیا، انہوں نے علی بن احمد بن علی بن خاتم بن التمیمی سے، انہوں نے عباد بن یعقوب سے، انہوں نے عمرو بن ثابت سے انہوں نے جابر سے جابر کا بیان ہے کہ مجھ سے شعبی نے صعصعہ کی زبانی بیان کیا کہ جب امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو مصر کا والی بنایا تو اہل مصر کے نام حسب ذیل خط تحریر فرمایا۔

بندۂ خدا امیر المومنینؑ کی طرف سے مسلمانوں کے ایک گروہ کی طرف، تم پر سلام ہو! میں تمہاری طرف اس اللہ کی حمد کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے، بعد ازاں، میں نے تمہاری طرف اللہ کے بندوں میں سے ایک

ایسے بندہ کو بھیجا ہے جو ایام خوف میں سوتا نہیں اور دشمنوں سے دلگیر نہیں ہوتا۔

وفات

یہ امر تعجب سے خالی نہیں کہ صعصعہ جیسی تاریخی شخصیت کی وفات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے، مورخین نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ معاویہ کے عہد خلافت میں ان کا انتقال (تہذیب التہذیب ۳: ۴۲۲، طبقات ابن سعد: ۶: ۱۵۴) ہوا گویا امیر المومنینؑ کی شہادت کے وقت سے جو ۴۰ھ میں واقع ہوئی ۶۰ھ تک ان کی وفات دائر ہے۔

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے ان سے صرف ۴۳ھ تک ان کا وجود کوفہ میں ملتا ہے اس کے بعد کسی مقام پر ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا، معلوم ہوتا ہے کہ صعصعہ کا وجود چونکہ ارباب حکومت کی نگاہوں میں بہت کھٹکتا تھا، اس لئے نامعلوم طریقہ سے ان کو ختم کرانے کی کوشش کی گئی ہے ورنہ عام حالات میں اگر ان کی وفات ہوئی ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی صحیح تاریخ ضبط تحریر میں نہ آتی،

اس خیال کی تائید اصحابہ کی حسب ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

وذکر العلائی فی اخبار زیاد ان المغیرۃ نفی صعصعہ بامر معاویہ من الکوفۃ الی جزیرۃ او الی من البحرین وقیل الی جزیرۃ ابن کافان فمات بہا (اصحابہ ۳: ۲۶۱ مط۔ کلکتہ، ۱۲۳۵ھ) (ترجمہ) ؟؟؟

علائی نے زیاد کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ مغیرہ نے معاویہ کے حکم سے صعصعہ کو کوفہ سے نکال کر ان کو بحرین کے جزیرہ اوال اور ایک روایت کی بنا پر جزیرہ ابن کافان میں بھیج دیا تھا وہیں ان کا انتقال ہوا۔ مرزبانی نے ان پر یہ دو شعر کہے ہیں۔

ھلا سالت بنی الجارود ای فتی عند الشفاعۃ والباب ابن صوحانا کنا و کانوا کام ارضعت و کذب عقت ولم تجز بالاحسان احسانا (ایضا)

حافظ ابن عساکر نے ان دو شعروں کو خود صعصعہ کے کلام کی حیثیت سے نقل کیا ہے (تاریخ ابن عساکر ۶: ۴۲۷)

صعصعہ کے کردار پر ایک نظر

امیر المومنینؑ کے اصحاب میں صعصعہ کو جو چیز ممتاز بناتی ہے وہ ان کے کردار کی عظمت ہے ان کی زندگی کا ایک طویل دور ایسے حالات میں گزرا جب علیؑ کا نام لینا ارباب حکومت کی نظر میں ناقابل عفو جرم تھا اور چن چن کر دوستداران علیؑ کو قتل وقید کی سزائیں دی جاتی تھیں لیکن صعصعہ نے نہایت دلیری اور بلند آہنگی سے ان حالات کا مقابلہ کیا اور کسی وقت اپنے نقطہ سے نہیں ہٹے، انہوں نے جس طرح آزادی کے زمانہ میں اعلائے کلمۃ الحق کیا اسی طرح معاویہ کی قید میں

رہ کر بھی اپنے اس فرض کو بدرجہ اتم انجام دیا، ان کی حق گوئی اور بے باکی کا پہلا مظاہرہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں ہوا جبکہ وہ بالکل نوعمر تھے لیکن اس وقت تک مسلمانوں میں جمہوریت کی روح باقی تھی اس لئے ان کے اس جذبہ کی قدر کی گئی اور حضرت عمر نے یہ کہہ کر ان کی عزت افزائی کی "انت منی وانا معك يا بن صوحان"۔ اس کے بعد حضرت عثمان کے زمانہ میں اگرچہ حالات بدل چکے تھے اور خود ان کی طبیعت میں بھی وہ سادگی نہ تھی جو ان کے پیشروؤں میں تھی، اُن کے لئے کسی کا ٹوک دینا جذبہ اقتدار پسندی پر گراں تھا، لیکن صعصعہ انؓ کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرنے سے نہ چوکے، چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ اس پورے دور میں وہ اموی حکام کے جبر و استبداد کے خلاف برابر احتجاج کرتے رہے، جس کی پاداش میں انہیں قید اور نظر بندی کی سزائیں بھگتنا پڑیں، حالانکہ صعصعہ جن بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے ان کو دیکھتے ہوئے ہر حکومت کو ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی ہے، خود امیر معاویہ ان کی شخصیت کا وزن محسوس کرتے تھے اور کہا کرتے تھے "هذا سهم من سهام علی" صعصعہ علیؓ کے تیروں میں سے ایک تیر ہے اس بنا پر اگر وہ بھی عقیل بن ابی طالبؓ کی طرح معاویہ کے یہاں چلے گئے ہوتے تو مرکزی حکومت میں بہت بڑی جگہ پاسکتے تھے، لیکن انہوں نے حق کے مقابلہ میں دنیوی جاہ و منصب کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک نشر فضائل اہلبیتؑ میں سرگرم رہے۔

امام حسنؓ کی صلح کے بعد امیر معاویہ تمام قلمرو اسلامی کے خودمختار فرماں روا تھے، انہوں نے اپنے تمام عمال کے نام یہ احکام بھیج دیئے تھے کہ علیؓ اور آل علیؓ پر سب و شتم اور عثمان پر طلب مغفرت و رحمت کرنے میں کوئی کمی نہ کی جائے (طبری ۱۴۱:۶) چنانچہ ۴۱ھ میں انہوں نے حسب مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر بنایا تو اس کو بھی یہی نصیحت کی۔۔۔۔ حکومت کے اس تشدد سے شیعیان علیؓ میں خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑ گئی اور علیؓ کا نام زبان سے نکالنے کو وہ اپنے قتل کا مترادف سمجھتے تھے لیکن صعصعہ کے استقلال میں اس وقت بھی کوئی فرق نہیں آیا اور جس سرگرمی کے ساتھ وہ امیر المومنین کے زمانہ خلافت میں آپ کے فضائل بیان کرتے تھے اسی طرح اب بھی ان کا یہی معمول تھا۔ چنانچہ مغیرہ کو ان کے بارے میں جب یہ اطلاع پہنچیں کہ وہ علی الاعلان علیؓ کے فضائل بیان کرتے ہیں تو ان کو بلا کر اس نے حسب ذیل فہمائش کی۔

''خبردار! میں کبھی تمہارے متعلق یہ نہ سنوں کہ تم حضرت عثمان کو متہم کرتے ہو نیز یہ بات بھی میرے کانوں تک نہ پہنچے کہ تم علیؓ کے فضائل بیان کرتے ہو کیونکہ تم سے زیادہ میں خود اس امر سے واقف ہوں، لیکن اب یہ بادشاہ غالب ہوگیا ہے اور اس نے علیؓ کے متعلق لوگوں میں عیب جوئی کرنے پر ہم کو مجبور کردیا ہے، اس لئے ہم ان بہت سی باتوں کو ترک کردیتے ہیں جن کا وہ حکم دیتا ہے اور ایسے امور کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذکر کے سوا چارہ کار نہیں ہے اس کے ذریعے سے ہم ان لوگوں کو اپنے سے دور رکھتے ہیں اس لئے اگر تم علیؓ کے فضائل بیان بھی کرو تو صرف اپنے آپس

میں اور اپنے مکانوں پر باقی رہا یہ امر کہ مسجدوں میں اعلانیہ طریقے سے علیؑ کا ذکر کیا جائے تو خلیفہ ہماری اس بات کو ہرگز برداشت نہیں کرے گا"۔ (طبری ۶:۱۰۸ و کامل ابن اثیر ۳:۱۸۵)

مؤرخ کامل لکھتے ہیں۔ مغیرہ کی اس فہمائش کا صعصعہ پر کچھ اثر نہ ہوا اور بدستور وہ اپنے رویہ پر قائم رہے جس کی وجہ سے مغیرہ کو ان سے کینہ ہوگیا( )

دوسری طرف صعصعہ کے کردار کا یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ حکومت سے اتنے اختلافات کے باوجود کوئی روایت نہیں بتاتی کہ انہوں نے کسی وقت کوئی ایسا قدم اُٹھایا ہو جو فتنہ کا سبب ہوتا، بلکہ اس کے برخلاف تمام جائز حدود تک انہوں نے اپنے حکام کے ساتھ تعاون ہی کیا، چنانچہ اسی مغیرہ کے ایام حکومت میں خارجیوں کے خلاف انہوں نے برابر اس کا ساتھ دیا جو ان کی امن پسند ذہنیت کا روشن ثبوت ہے۔

مغیرہ کی مذکورہ بالا گفتگو سے اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا غلط نہ ہوگا کہ وہ دل سے علیؑ کی فضیلت کا معترف تھا اور آپ کے اصحاب کو وہ برگزیدگان الٰہی میں سمجھتا تھا، لیکن حرص جاہ اس پر چھائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اپنے ضمیر کے خلاف وہ اپنے امیر کی پالیسی پر عمل کرتا تھا اسی کے ساتھ حتی الامکان وہ ایسے اقدامات سے اپنے کو بچائے رکھتا تھا جن کے بغیر اس کو کوئی مادی نقصان نہ پہنچے، چنانچہ کوفہ میں اس نے جب تک حکومت کی حجر بن عدی کے قتل کو ٹالتا رہا اور اپنے بعد میں آنے والے حاکم پر اس کام کو چھوڑ دیا، لوگوں نے جب اس سے اس پر اصرار کیا تو جواب دیا "میں نہیں چاہتا کہ اس شہر کے نیک لوگوں سے قتل کی ابتدا کروں کہ وہ تو سعادت حاصل کریں اور میں شقاوت میں مبتلا ہو جاؤں، معاویہ کو تو دنیا میں عزت ملے اور مغیرہ قیامت کے دن ذلیل ہو"۔ (طبری ۶:۱۴۲)

امیر المومنینؑ نے اس کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ اس کے کردار کی پوری تصویر ہے۔

دعه یا عمار، فانه لم یاخذ من الدین الا ما قاربه من الدنیا و علی عمد لبس نفسه لیجعل الشبهات عاذراً لسقطاته۔ (نہج البلاغہ مط بیروت ۲:۱۲۴)

(اے عمار! اس شخص کو چھوڑ دو، کیونکہ اس نے دین سے فقط اتنا ہی حاصل کیا ہے جس سے دنیا ہاتھ آ جائے اس نے جان بوجھ کر اپنے نفس کو شبہ میں ڈال رکھا ہے تا کہ اپنی لغزشوں سے معذرت خواہ ہونے کے وقت ان شبہات کو عذر میں پیش کر سکے۔)

صعصعہ اور مؤرخین اسلام

عام طور سے صعصعہ اور ان کے اصحاب پر مسلمانوں کی طرف سے فتنہ انگیزی کا الزام عائد کیا جاتا ہے، معین الدین احمد ندوی، حضرت عثمان کے عہد خلافت کے حالات میں لکھتے ہیں۔

کوفہ کے انقلاب پسندوں کے سرغنہ، اشترنخعی، جندب بن کعب، ابن ذی الحبکہ، صعصعہ، ابن الکواء، کمیل اور عمیر بن ضابی تھے ان کا کام حضرت عثمان کو بدنام کرنا تھا، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے، ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آ کر سعید بن العاص اور اشراف کوفہ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ کوفہ کو ان کے شر سے بچانے کے لئے انہیں یہاں سے نکال دیا جائے، آپ نے قیام امن کے خیال سے ان لوگوں کو امیر معاویہ کے پاس شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہیں، اُن کی اصلاح کی کوشش کرو، اگر باز نہ آئیں تو میرے پاس بھیجدو!"
(تاریخ اسلام حصہ اول)

ہمیں تعجب ہے کہ اس علم و تحقیق کے زمانہ میں تاریخ نویسی کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ واقعات پر سرے سے پردہ ڈال دیا جائے اور صرف اپنی رائے پر فیصلہ صادر کر دیا جائے، مؤرخ کا کام کسی کو باغی، سرکش اور فتنہ انگیز کہنا نہیں ہے اس کا کام صرف واقعات و حقائق کو سامنے رکھ دینا ہے، فاضل مؤلف نے جس کو "ذرا ذرا سی بات" فرمایا ہے وہ مظالم کی پوری پوری داستانیں ہیں، مثال کے طور پر سعید بن العاص کا اپنی شہنشاہیت کے نشہ میں یہ کہنا کہ یہ تمام زمینیں قریش کی ہیں، ہم اس میں سے جتنا چاہیں لے سکتے ہیں۔ یا ہاشم بن عتبہ جیسے مقدس صحابیٔ رسول کو صرف اتنی سی بات پر کہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق یہ کہا تھا۔ میں نے چاند دیکھا ہے" زدوکوب کرنا اور جذبہ عناد میں ان کا گھر جلا دینا، ایسی معمولی بات نہیں ہے جس کو آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جاسکتا۔ ان زیادتی پر صعصعہ اور ان کے اصحاب نے اگر کوئی احتجاجی آواز بلند کی تو اس کو فتنہ انگیزی کس طرح کہا جاسکتا ہے اور اگر جابر حکام کے خلاف کوئی آواز اٹھانا یا ان پر تنقید کرنا ہی فتنہ انگیزی ہے تو پھر ہر مصلح فتنہ انگیز قرار پاتا ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ ایک طرف تو یہی مورخین اسلامی جمہوریت کے ثبوت میں ان ہی واقعات کو فخر کے ساتھ پیش کرتے ہیں دوسری طرف جب خلفا کی حمایت پر تلتے ہیں تو اُن کے متعین کردہ فاسق و فاجر عمال پر بھی تنقید گوارا نہیں کرتے۔ سعید بن العاص ولید بن عقبہ، زیاد بن سمیہ، مروان یا حضرت عثمان کے مقرر کردہ دیگر عمال کا فسق و فجور اور بدطینتی، تاریخ اسلام کے کس طالب علم سے پوشیدہ ہے، ان کے مقابلہ میں صعصعہ حارث اعور، عمرو بن الحمق، کمیل بن زیاد جیسے مقدس اصحاب علیؑ کو فتنہ انگیز بتانا، معلوم نہیں کس بنا پر ہے۔

صعصعہ بن صوحان عبدی۔ مجالس میں ہے کہ کتاب خلاصہ میں مذکور ہے۔ وہ حضرت امیرؑ کے اکابر صحابہ میں سے تھے اور امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ حضرت امیر کے صحابہ میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ جو جناب امیرؑ کا حق اس طرح پہچانتا جیسے وہ پہچانتے تھے۔

چنانچہ ابن داؤد کہتا ہے کہ یہی بات ان کی علو قدر اور شرف کے لئے کافی ہے اور کتاب استیعاب میں تحریر ہے

کہ صعصعہ بن صوحان حضرت رسالتؐ کے زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن کسی باعث زیارت نہ کر سکے۔ اپنی قوم عبدالقیس کے بزرگ فصیح وخطیب اور متکلم تھے۔ دیندار صاحب فضل تھے وہ اور ان کے بھائی زید حضرت امیرؑ کے اصحاب کے زمرہ میں شمار ہوتے تھے اور روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے جو عمر کا گورنر تھا۔ ایک لاکھ درہم عمر کے پاس بھیجے عمر نے وہ مال مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ اس میں سے کچھ بچ گیا تو عمر کھڑا ہو گیا اور اس نے خطبہ دیا اور کہا اے لوگو! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مال مسلمانوں کے حقوق سے بچ گیا ہے۔ اس کے متعلق تم لوگ کیا کہتے ہو۔ صعصعہ کھڑے ہو گئے اور وہ اس وقت نوجوان تھے۔ ابھی ان کی ڈاڑھی نہیں نکلی تھی۔ کہنے لگے اے امیر مشورہ اس چیز میں لیا جاتا ہے کہ جس کے بیان میں قرآن نازل نہ ہوا ہو۔ قرآن نے اس کی جو جگہ معین کی ہے اسے وہاں رکھو۔ عمر نے کہا تو سچ کہتا ہے تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں پھر اس باقی ماندہ مال کو بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ شیخ ابوعمرو کشی نے روایت کی کہ صعصعہ ایک دفعہ بیمار تھے۔ حضرت امیر المومنینؑ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس وقت ارشاد فرمایا کہ اے صعصعہ میرا تمہاری عیادت کے لئے جو آنا ہے اس کو تم اپنی قوم پر اپنی بڑائی کا سبب نہ قرار دینا۔ صعصعہ نے کہا خدا کی قسم میں اس کو اپنے لئے فضل واحسان سمجھتا ہوں۔ اسی طرح روایت کی ہے کہ جب معاویہ کوفہ میں آیا تو وہاں کے افراد کہ جن کے لئے امام حسنؑ نے معاویہ سے امان طلب کی تھی اس کی مجلس میں آئے۔ چونکہ صعصعہ بھی اس گروہ سے متعلق تھے، لہٰذا وہ بھی اس مجلس میں آئے۔ جب معاویہ کی نظر ان پر نظری تو کہنے لگا۔ خدا کی قسم اے صعصعہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم میری امان میں رہو۔ صعصعہ نے کہا خدا کی قسم میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ تیرا نام خلافت کے ساتھ لوں۔ پھر خلافت کے نام سے اس پر سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ معاویہ کہنے لگا اگر تم میری خلافت کے تسلیم کرنے میں سچے ہو تو منبر پر جا کر علیؑ پر لعنت کرو۔ صعصعہ مسجد کی طرف متوجہ ہوئے اور منبر پر جا کر حمد الٰہی اور درود رسالتؐ پناہی ادا کرنے کے بعد کہنے لگے اے حاضرین میں ایسے شخص کی طرف سے آرہا ہوں جو اپنے شر کو آگے رکھتا ہے اور اپنی اچھائی کو پیچھے رکھتا ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ علی بن ابی طالبؑ پر لعنت کروں پس اس پر لعنت کرو۔ خدا اس پر لعنت کرے۔ اہل مسجد نے آمین کی آواز بلند کی اس وقت صعصعہ معاویہ کے پاس گئے اور جو کچھ منبر پر کہا تھا اسے اس سے خبردار کیا۔ معاویہ کہنے لگا خدا کی قسم تو نے اس عبارت سے میری لعنت کا ارادہ کیا ہے دوبارہ جا کر صراحت کے ساتھ علیؑ پر لعنت کرو۔ پس صعصعہ دوبارہ آئے اور منبر پر جا کر کہا۔ مجھے معاویہ نے علی بن ابی طالبؑ پر لعنت کرنے کا حکم دیا ہے یہ لو میں اس شخص پر لعنت کرتا ہوں جو علیؑ پر لعنت کرے۔ حاضرین مسجد نے دوبارہ آمین کہا۔ جب معاویہ کو معلوم ہوا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ علیؑ پر لعنت نہیں کریں گے۔ حکم دیا کہ صعصعہ کو کوفہ سے نکال دیا جائے۔

ابوالطفیل عامر بن واثلہ الکنانی

نام ونسب

عامر نام، کنیت ابوالطفیل، مکہ کے رہنے والے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے،

عامر بن واثلہ بن عبداللہ بن عمرو بن جابر بن خمیس بن جدی بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار" (اغانی ۱۳/۱۵۹)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ عمرو بھی ان کو کہا جاتا ہے لیکن پہلا نام زیادہ صحیح ہے (تہذیب التہذیب ۵/۸۲)

صحابیت

ابوالطفیل کی پیدائش غزوۂ احد کے سال ۳ھ میں ہوئی تھی اور بالاتفاق صحابی رسولؐ تھے، اس سلسلے میں حسب ذیل روایات ان کے تذکرہ میں ملتی ہیں۔

(۱) روی عمارۃ بن ثوبان عن ابی الطفیل قال: رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقسم لحماً بالجعرانۃ فجاءت امرأۃ فبسط لہا رداءہ فقلت: من ھذہ! قالو: أمۃ التی ارضعتہ۔

(اسد الغابہ ۳/۹۶)

عمارہ بن ثوبان نے ابوالطفیل سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام جعرانہ میں دیکھا تھا کہ آپ گوشت تقسیم فرما رہے تھے، اتنے میں ایک خاتون آئیں، آنحضرتؐ نے اُن کے لئے اپنی چادر بچھادی، میں نے لوگوں سے پوچھا یہ خاتون کون ہیں؟ انہوں نے بتایا یہ آپ کی رضاعی ماں (حلیمہ سعدیہ) ہیں۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں۔

"واخرج الحافظ من طریق ابی یعلی عنہ رواۃ البیہقی" حافظ نے بطریق ابویعلی اُن (ابوالطفیل) سے اس روایت کا اخراج کیا ہے، نیز بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے (تاریخ ابن عساکر ۷/۲۰۰)

(۲) وروی سعد الجریری بن ابی الطفیل انہ قال لا یحدثك الیوم احد علی وجہ الارض انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیری، قال: فقلت لہ: فھل تنعت من رؤیتہ؟ قال: نعم!

مقصداً ابیض ملیحاً ۔ (اسد الغابہ ۳/۹۷)

سعید جریری راوی ہیں کہ ابوالطفیل کہا کرتے تھے میرے سوا روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسا نہ ملے گا جو تم سے کہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، میں نے کہا۔ کیا آپ آنحضرتؐ کا کچھ حلیہ بیان کر سکتے ہیں؟ کہا بے شک! آپ میانہ قد تھے، رنگ سفید تھا اور ملیح تھے۔

اس روایت کو مسلم اور امام احمد نے بھی قدرے لفظی تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے (ابن عساکر ۷/۲۰۰)

(۳) قال ابن جمیع: قال لی ابو الطفیل: ادرکت ثمان سنین من حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وولدت عام احد

(ابن عساکر ۷/۲۰۰)

ابن جمیع کا بیان ہے۔ مجھ سے ابوالطفیل نے کہا۔ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آٹھ سال پائے ہیں اور احد کے سال میں پیدا ہوا۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد مولف لکھتے ہیں "وقد صحح البخاری هذا" بخاری نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔

(۴) واخرج الحافظ من طریق الامام احمد عنه انه قال: رأیت النبی صلی اللہ علیه وسلم وانا غلام شاب یطوف بالبیت علی ناقة یستلم الحجر بمحجنه۔ ورواه ابو یعلی۔

(ابن عساکر ۷/۲۰۰)

حافظ نے امام احمد کی اسناد سے ابوالطفیل سے اخراج کیا ہے، وہ کہتے تھے۔ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا ہے جبکہ میں بالکل لڑکا ہی تھا، آپ ایک ناقہ پر بیٹھے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کرر ہے تھے اور حجر اسود کو جھک کر چھو رہے تھے۔ اس کو ابویعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔

(۵) وقال یعقوب بن سفیان فی تاریخه: حدثنا عقبة بن مکرم، ثنا یعقوب بن اسحاق ثنا مهدی بن عمران الحنفی، قال: سمعت ابا الطفیل یقول: کنت یوم بدر غلاماً قد شددت علی الازار وانقل اللحم من السهل الی الجبل (تہذیب التہذیب ۵/۸۲: ابن عساکر ۷/۲۰۰)

یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں کہا ہے۔ ہم سے عقبہ بن مکرم نے، یعقوب بن اسحاق نے، مہدی بن عمران حنفی نے بیان کیا، ان کا بیان ہے کہ میں نے ابوالطفیل کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ بدر کے دن میں لڑکا تھا، میری ازار کو اوپر سے باندھ دیا گیا تھا اور میدان سے پہاڑ پر گوشت لے کر جا رہا تھا۔

اس روایت کے بارے میں مولف تہذیب التہذیب لکھتے ہیں۔ مجھے اس روایت کے ایک لفظ "یوم بدر" میں شک ہے اور صحیح "یوم حنین" ہے واللہ اعلم۔

اقوال علماء

ابوالطفیل کے صحابیٔ رسولؐ ہونے کے بارے میں محدثین اسلام کے حسب ذیل اقوال ملتے ہیں جن کے بعد ان کے صحابیٔ رسولؐ ہونے میں کسی قسم کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

(۱) قال مسلم: مات ابو الطفیل سنة مائة وهو اخر من مات من اصحاب رسول الله

(تہذیب التہذیب ۵/ ۸۲)

مسلم کا قول ہے کہ ابوالطفیل کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا اور آپ کا انتقال صحابہ رسولؐ میں سب سے آخر میں ہوا۔

(۲) قال ابن السکن: روی عنه رؤیته لرسول الله صلی الله علیه وسلم من وجوه ثابتة ولم یرو عنه من وجه ثابت سماعه من رسول الله صلی الله علیه وسلم (ایضا)

ابن سکن کا قول ہے۔ ابوالطفیل کا رسولؐ اللہ کو دیکھنا وجوہ ثابتہ کے ذریعہ ان سے مروی ہے البتہ سماع حدیث آنحضرتؐ سے اس طرح ان سے مروی نہیں ہے۔

(۳) قال ابن عدی: له صحبة، قد روی عن النبی صلی الله علیه وسلم قریباً من عشرین حدیثا (ایضا)

ابن عدی کا قول ہے۔ ابوالطفیل کو صحبت رسولؐ حاصل تھی اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً بیس احادیث روایت کی ہیں۔

(۴) قال ابن مندة: رأی النبی صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع واثبت صحبته جماعة من اهل الحدیث (ابن عساکر ۷/ ۲۰۰)

ابن مندہ کا قول ہے۔ (ابوالطفیل) نے حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم کو دیکھا تھا اور ان کی صحبت رسولؐ کو اہل حدیث کے ایک گروہ نے ثابت کیا ہے۔

(۵) قال خلیفه بن خیاط: نزل ابو الطفیل الکوفة، ثم اقام بمکة حتی مات بعد المائة وهو اخر اصحابه موتاً (ابن عساکر ۷/ ۲۰۰)

خلیفہ بن خیاط کا قول ہے۔ ابوالطفیل پہلے کوفہ میں آئے، اس کے بعد مکہ میں قیام کیا، یہاں تک کہ ۱۰۰ھ

کے بعد ان کا انتقال ہوگیا اور وہ رسولؐ اللہ کے اصحاب میں سب کے آخر میں مرے۔

روایت حدیث

ابوالطفیل نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سے احادیث کی روایت کی ہے جس پر قریب قریب تمام محدثین کا اتفاق ہے، صرف ابن سکن نے یہ کہا ہے کہ ابوالطفیل کا سماع براہ راست آنحضرتؐ سے وجہ ثابت کے ذریعے اُن سے مروی نہیں ہے (تہذیب التہذیب ۵ / ۸۲) لیکن اس کا مطلب بھی مطلقاً نفی سماع نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ خود ابوالطفیل نے یہ بیان نہیں کیا کہ میں نے آنحضرتؐ سے حدیث کو سنا ہے۔

آپؐ کے بعد صحابہ میں سے انہوں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علیؑ، معاذ بن جبل، حذیفہ، ابن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابوسریحہ، نافع بن عبدالحارث، زید بن ارقم، وغیرہ سے احادیث کی روایت کی ہے۔ اُن سے روایت کرنے والوں میں امام زہری، ابوالزبیر قتادہ، عبدالعزیز بن رفیع، سعید بن ایاس الجریری، عبدالملک بن سعید بن الجبر، عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی حسین، عکرمہ بن خالد مخزومی، عمارہ بن ثوبان، عمرو بن دینار، فرات القزاز، قاسم بن ابی بزہ، کلثوم بن جبر، کہمس بن الحسن، معروف بن خربوذ، منصور بن حیان، ولید بن عبداللہ بن جمیع، یزید بن ابی صہیب وغیرہ کے نام ملتے ہیں (ایضا)

ان کی ثقاہت وعدالت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، ملاحظہ ہوں حسب ذیل اقوال۔

قال بن سعد کان ابوالطفیل ثقة فی الحدیث و کان متشیعا (ابن عساکر ۷ / ۲۰۰)

ابن سعد کا قول ہے۔ ابوالطفیل ثقہ فی الحدیث تھے لیکن شیعہ تھے۔

وقال صالح بن احمد عن ابیه: ابوالطفیل مکی ثقة (تہذیب التہذیب ۵ / ۸۲)

صالح بن احمد نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ ابوالطفیل مکہ کے رہنے والے اور ثقہ تھے۔

قال ابن عدی: لیس فی روایته بأس (ایضا و ابن عساکر ۷ / ۲۰۰)

ابن عدی کا قول ہے۔ ان کی روایت میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

صرف مغیرہ (بن شعبہ) کے بارے میں یہ قول ملتا ہے کہ وہ ابوالطفیل سے روایت حدیث کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے (تہذیب التہذیب ۵ / ۸۲) امام بخاری بھی باوجود اپنی شدت کے ان کی عدالت میں کوئی قدح نہیں کر سکے البتہ ان سے روایت نہیں کرتے جس کی وجہ صرف ان کا افراط فی التشیع ہے (ابن عساکر / ۲۰۰)

ابوالطفیل کا تشیع

ابوالطفیل کے صحابیٔ رسولؐ ہونے پر جس طرح محدثین کا اتفاق ہے، اسی طرح ان کا شیعہ علیؑ ہونا بھی مسلم

ہے۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"**کان مع امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام و کان من وجوہ شیعتہ ولہ منہ محل خاص یستغنی بشھرتہ عن ذکر**" (تہذیب التہذیب ۵/ ۸۲)

(ابوالطفیل، امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے ساتھ تھے اور آپ کے باوجاہت شیعوں میں تھے، امیر المومنین کو ان سے خاص لگاؤ تھا جو شہرت کی اس حد پر ہے جس کا ذکر کرنا فضول ہے)

اسد الغابہ میں ہے۔ ابوالطفیل، حضرت علیؑ کے ان اصحاب میں سے تھے جو آپ سے حد درجہ محبت رکھتے تھے اور ان کے ہمراہ تمام معرکوں میں شریک رہے ہیں، اسی کے ساتھ مولف یہ بھی لکھتے ہیں کہ فضیلت شیخین کے وہ معترف تھے مگر حضرت علیؑ کو ان پر ترجیح دیتے تھے (اسد الغابہ و استیعاب ۲/ ۴۵۲ و اصابہ ۷/ ۱۱۰) یہی قول ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں نقل کیا ہے۔ اس کے بارہ میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ صرف قول ہی قول ہے، تاریخی شواہد اس کا ثبوت پیش کرنے سے کلیتہً قاصر ہیں، یہ صرف ابوالطفیل کی شخصیت کا اثر ہے کہ شیخین کے لئے ان سے سند فضیلت حاصل کی جارہی ہے۔

امیر المومنینؑ سے اُن کے والہانہ عشق کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے جس کو ابوالفرج اصفہانی نے جابر جعفی سے روایت کیا ہے۔

☆......☆......☆

جابر کا بیان ہے۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شہادت کے بعد امیر معاویہ جب خود مختار ہو گئے تو انہوں نے ابوالطفیل سے خط و کتابت کی اور بڑی خواہش کے ساتھ ان کو بلوایا، ابوالطفیل جب آئے تو معاویہ نے ان سے جابیہ کے بارے میں کچھ سوالات کرنا شروع کئے اتنے میں عمرو عاص بھی اپنے ہمراہ کچھ لوگوں کو لے کر آگئے، معاویہ نے ان سے کہا۔ آپ لوگ اس شخص سے بھی واقف ہیں؟ یہ ابوالحسنؑ کے دوست ہیں، اس کے بعد ابوالطفیل سے مخاطب ہو کر بولے۔ تم کو علیؑ کی محبت کس درجہ پر ہے؟ ابوالطفیل نے جواب دیا اتنی محبت جتنی موسیٰؑ کی ماں کو تھی، معاویہ نے پھر کہا۔ علیؑ پر تمہاری گریہ و بکا کا کیا عالم ہے؟ کہا "**بکاء العجوز الثکلی والشیخ الرقوب والی اللہ اشکر التقصیر**" اتنی بکا جتنی پسر مردہ عورت اور عاجز بوڑھے کو ہوتی ہے اور کمی کا اللہ سے شکوہ کرتا ہوں۔ ابوالطفیل کے اس جواب پر معاویہ نے کہا۔ میرے ان اصحاب سے اگر میری بابت پوچھا جائے تو وہ ہرگز میرے لئے ایسا نہ کہیں گے جیسا کہ تم نے اپنے صاحب کے بارے میں کہا ہے۔ یہ سن کر ان کے اصحاب کہنے لگے بخدا! ہم باطل سے اپنی زبان آلودہ نہ کریں گے، معاویہ بولے۔ بخدا ایسا نہیں ہے، تم لوگ حق بھی نہ کہو گے (الاغانی ۱۳/ ۵۹)

ابوالطفیل اور امیر معاویہ کا ایک دلچسپ مکالمہ

ابوالطفیل کے کردار کا یہ نمایاں پہلو ہے کہ امر حق کے بارے میں انہوں نے کسی وقت اقتدار کی پروا نہیں کی، یہ ان کی خود اعتمادی اور شخصیت کا اثر تھا کہ ارباب حکومت باوجود اپنی کوشش کے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے، چنانچہ ایک موقع پر امیر معاویہ سے ان کی جو گفتگو ہوئی ہے اس سے ان کی حق گوئی اور بے باکی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، ذیل میں یہ پوری گفتگو اوغانی سے نقل کرتا ہوں۔

معاویہ۔ اے ابوالطفیل کیا تم بھی قاتلان عثمان میں تھے؟

ابوالطفیل ۔ میں قاتلوں میں تو نہیں تھا لیکن ان لوگوں میں ضرور تھا جو وہاں موجود تھے لیکن اُن کی نصرت نہیں کی۔

معاویہ۔ تم کو ان کی مدد کرنے سے کیا امر مانع تھا؟

ابوالطفیل ۔ یہ امر کہ مہاجرین و انصار نے ان کی مدد نہیں کی۔

معاویہ۔ لیکن عثمان کا حق اُن (مہاجرین و انصار) پر واجب تھا کہ وہ ان کی مدد کرتے۔

ابوالطفیل ۔ تو پھر اے امیر المومنین! آپ کو ان کی نصرت کرنے سے کس چیز نے باز رکھا جبکہ آپ کے ساتھ اہل شام بھی تھے۔

معاویہ۔ میرا اُن کے انتقام کے لئے کھڑا ہونا ہی ان کی نصرت ہے۔

ابوالطفیل (ہنس کر) سبحان اللہ! آپ اور عثمان! بالکل وہی بات ہے جیسے کسی شاعر نے کہا۔

لا الفينك بعد الموت تندبني　　　وفي حياتي ما زودتني زادي

(تاریخ ابن عساکر ۷ / ۲۰۰ و استیعاب ۲ / ۶۵۳)

(میں اپنے مرنے کے بعد ہرگز تجھ کو نہ پاؤں گا کہ تو میرے اوپر روئے، جبکہ یہ معلوم ہے کہ میری زندگی میں تو نے مجھ کو کیا توشہ دیا)

ابوالطفیل کی سیاسی زندگی

ابوالطفیل نے تاریخ کا ایک طویل دور دیکھا ہے ان کی زندگی میں واقعات نے جتنے پلٹے کھائے اور جس قدر حوادث سے وہ دوچار ہوئے، اس کی مثال ان کے معاصرین میں بہت کم ملتی ہے، اُن کا شعر ہے۔

وما شاب رأسي من سنين تتابعت　　　على ولكن شيبتني الوقائع

(استیعاب ۲ / ۶۵۳ و رجال کشی ص ۶۳)

خصوصاً واقعہ کربلا کے بعد انتقام خون حسینؑ کی جو تحریک شروع ہوئی ہے، وہ ایسی ہمہ گیر تھی جس سے کوئی عہدہ علی مستثنیٰ نہ رہ سکا، چنانچہ ابوالطفیل بھی اس موقع پر مختار کے ساتھیوں میں نظر آتے ہیں۔

مورخین کا بیان ہے۔ محمد بن حنفیہ جب شام سے واپس ہوئے تو عبداللہ بن زبیر نے ان کو گرفتار کر لیا اور عارم کے قید خانہ میں محبوس کر دیا، ان کے چھڑانے کے لیے کوفہ سے جو لشکر روانہ ہوا ہے اس کے سردار ابوالطفیل تھے، یہ لشکر سجن عارم تک پہنچ گیا اور اس کو توڑ کر محمد حنفیہ کو نکال لیا، اس پر ابن زبیر نے اپنے بھائی مصعب کو لکھا کہ محمد حنفیہ کے اصحاب کی عورتوں کو بھیج دو، مصعب نے ان سب عورتوں کو وہاں سے نکال کر بھیج دیا، ان عورتوں میں ابوالطفیل کی زوجہ اور ان کا ایک صغیر السن لڑکا یحییٰ بھی تھا، اس واقعہ پر ابوالطفیل نے حسب ذیل اشعار کہے۔

ان یک سیہا مصعب فانی الی مصعب ذاہب — اقود الکتیبۃ مستلئماً

کانی اخو عزۃ اجرب (اغانی ۱۳/ ۱۶۰ وتاریخ کامل ۴/ ۱۰۵، ۱۰۶)

(ترجمہ) اگر مصعب نے اسے (زوجہ ابوالطفیل) کو بھیجا ہے تو میں مصعب کی طرف تکلیف اٹھا کر جاؤں گا، میں ایک مسلم اور تیار دستۂ فوج کو لے کر وہاں پہنچوں گا، گویا کہ میں ایک صاحب عزت اور جنگ آزما آدمی ہوں۔

اس کے بعد ۶۷ھ میں جب مختار اور مصعب میں جنگ ہوئی اور مختار حروراء پہنچ کر اپنے قصر میں پناہ گیر ہوئے، اس موقع پر ان کے ساتھ دیگر اصحاب میں ابوالطفیل کا نام بھی ملتا ہے، مصعب نے ان کا محاصرہ کر لیا اور سختی شروع کی، اس وقت مختار نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چلو یہاں سے نکل کر ان سے جنگ کریں ورنہ اس طرح ہم اور کمزور ہو جائیں گے مگر کسی نے ان کا کہنا نہ مانا، ابوالطفیل نے اس وقت اپنے کو قلعہ کی فصیل سے گرا دیا اور یہ شعر کہا۔

ولما رأیت الباب قد حیل دونہ — تکسرت باسم اللہ فیمن تکسرا

(اغانی ۱۳/ ۱۶۰)

عبداللہ بن زبیر پر ابوالطفیل کے اشعار

علامہ ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں ایک مرتبہ عبداللہ بن صفوان مکہ میں ابن زبیر کے پاس آئے اور عبداللہ بن عباس کی تعریف کی اور کہا۔ وہ لوگوں کو فقہ کا درس دیتے ہیں اور ان کے بھائی، عبیداللہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، لیکن یہ یاد رکھو کہ اب وہ تمہارے ہاتھ سے جاتے رہے، یہ سُن کر ابن زبیر نے اپنے صاحب شرطہ، عبداللہ بن مطیع کو ان کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ تم نے اس جھنڈے کو پھر نصب کیا ہے جس کو اللہ نے گرا دیا ہے، تمہارے پاس لوگوں کا یہ مجمع کیوں ہوتا ہے۔ اگر تم نے یہ روبیہ نہ چھوڑا تو مجبوراً مجھے کوئی سخت اقدام کرنا پڑے گا!

عبداللہ بن مطیع نے جب یہ پیغام پہنچایا تو ابن عباس کو غصہ آ گیا اور کہا کہ ابن زبیر سے کہنا۔ تیری ماں تیرے

سوگ میں بیٹھے ہمارے پاس دو آدمیوں کے سوا تیسرا نہیں آتا، یا طالب فقہ یا طالب فضل، تم ان دونوں میں سے کس کو روکتے ہو! اس پر ابوالطفیل نے حسب ذیل اشعار کہے۔

لادر درللیالی کیف تضحکنا	منها خطوب اعاجیب و تبکینا
کنا نجیء ابن عباس فیقبسنا	علما ویکسبنا اجراً و یهدینا
ولویزال عبیدالله مترعة	جفا نه مطعماً ضیفا و مسکینا
فبالبر والدین الدنیا بدارهما	ننال منها الذی تبغی اذا شئنا
ان النبی هو النور الذی کشفت	به عمایات باقینا وماضینا
ورهطه عصبة فی دائبنا ولهم	فضل علینا و حق واجب فینا
ولست فاعلمه اولی منهم رحماً	یابن الزبیر ولا اولی به دینا
ففیم تمنعهم عنا وتمنعنا	منهم و تو ذیهموا فینا و توذینا
لن یوتی الله من اخزی ببغضهم	فی الدین عزا ولا فی الارض تمکینا

(اغانی ۱۳/۱۶۱)

(ترجمہ) ا۔ زمانہ کی گردشوں کا برا ہو، اس کے نئے نئے حادثات کس طرح ہم پر ہنستے ہیں اور ہم کو رلاتے ہیں۔

۲۔ ہم ابن عباس کے پاس آتے تھے، وہ ہم کو علم سکھاتے تھے اور اس کے ذریعے سے اجر حاصل کرتے تھے اور ہماری ہدایت کرتے تھے۔

۳۔ اور عبیداللہ ہمیشہ اپنے پیالوں کو بھرا رکھتے ہیں، مہمانوں اور مساکین کو کھلانے کے لئے۔

۴۔ پس نیکی اور دین اور دنیا ان دونوں کے گھروں سے وابستہ ہے، ہم جب اور جو چیز چاہتے ہیں ان کے گھر سے پاتے ہیں۔

۵۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ ایسا نور ہیں جن کے ذریعے سے ہمارے اسلاف کی اور ہماری تاریکیاں دور ہوئیں۔

۶۔ ان کا گھرانا ہمارے دین کا محافظ ہے اور ہمارے اوپر ان کا فضل ہے اور ہم پر ان کا حق واجب ہے۔

۷۔ اے ابن زبیر! جان رکھ کہ تو نہ رحم کے لحاظ سے ان سے اولیٰ ہے نہ دین کے لحاظ سے۔

۸۔ پس تم کس چیز میں لوگوں کو ہم سے اور ہم کو ان سے باز رکھتے ہو اور ہمارے بارے میں ان کو تکلیف

دیتے ہو اور ان کے بارے میں ہم کو۔

۹۔ سمجھ لو کہ ان سے بغض رکھنے والے کو اللہ نہ دین میں عزت دے گا نہ زمین میں تمکین عطا کرے گا۔

ابن الاشعث اور ابوالطفیلؓ

۸۱ھ میں عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث اور اس کے ساتھ عراق کی فوج نے حجاج سے بغاوت کی، جس کی وجہ مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ حجاج نے عبدالرحمن کو بلاو رتبیل کی طرف بھیجا تھا، وہاں پہنچ کر اس نے بہت سے علاقوں کو فتح کرلیا اور حجاج کو اس کی اطلاع دی، اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی لکھا کہ آئندہ کچھ دنوں تک اس کا سلسلہ موقوف رکھا جائے تاوقتیکہ راستوں سے واقفیت نہ ہو جائے اور تمام خراج وصول نہ ہو جائیں، حجاج نے عبدالرحمن کے اس مشورہ کو اس کی کمزوری پر محمول کیا اور فوراً ایک تدیدی خط لکھا کہ کسی حال میں فتوحات کو ملتوی نہ کیا جائے، اس کے بعد دو خط اسی مضمون کے اور لکھے، آخری خط میں تھا کہ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو تمہارے بھائی اسحاق بن محمد کو تمہاری جگہ بھیج دیا جائے گا، ان خطوط کے پہنچنے پر عبدالرحمن نے لوگوں کو جمع کیا اور تمام صورت واقعہ کو ان کے سامنے رکھا، اس موقع پر عبدالرحمن کی تائید کرنے والوں میں سب سے پہلے ابوالطفیل کا نام ملتا ہے، چنانچہ ان کے بیٹے مطرف بن عامر، ناقل ہیں کہ اس موقع پر سب سے پہلے میرے باپ نے جو شاعر بھی تھے اور خطیب بھی، کھڑے ہو کر تقریر کی اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا۔

-اما بعد: فان الحجاج والله ما یری بکم الا ما رأی القائل الاول از قال لاخیه: احمل عبدك على الفرس فان هلك هلك و ان نجا فلك. ان الحجاج والله ما یبالی ان یخاطر بکم فقحمکو بلاداً کثیرة الهوب واللصوب. فان ظفرتم فغنمتم. اکل البلاد وحاز المال وکان ذلك زیادة فی سلطانه. وان ظفر عدوکم. کنتم انتم الاعداء البغضاء الذی لا یبالی عنتهم ولا یبقی علیهم. اخلعوا عدوالله الحجاج وبایعوا عبدالرحمن. فانی شهد کم انی اول خالع۔ (تاریخ طبری ۸/۸)

(حجاج کی مثال اس شخص کی ہے جس نے سب سے پہلے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ تو اپنے غلام کو گھوڑے پر سوار کر، اگر یہ ہلاک ہو گیا تو ہلاک ہو گیا اور اگر زندہ بچ گیا تب بھی تو اس کا مالک ہے، حجاج کو ثمہ برابر بھی تمہاری پروا نہیں ہے، اسی وجہ سے اس نے تمہیں ایسے پرخطر ممالک میں بھیجا ہے، اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر تمہیں فتح ہوئی تو مال غنیمت تو ضرور تم حاصل کرو گے مگر اس علاقہ کی آمدنی سب اس کی ہے، اس طرح اس کی طاقت اور دبدبہ میں اضافہ ہو گا اور اگر دشمنوں نے تم پر فتح پائی تو اس وقت حجاج کی نظر میں تم ایسے حقیر و ذلیل ہو جاؤ گے جن کی تکالیف کا کوئی

خیال نہیں کیا جاتا اور جن پر مطلقاً رحم نہیں کیا جاتا، اس لئے آپ لوگ دشمن خدا حجاج کو چھوڑ دیجئے اور عبدالرحمن کو اپنا امیر بنالیں، میں اس کی ابتدا کرتا ہوں اور آپ سب کو اس پر گواہ بناتا ہوں)

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ ان کے بیٹھنے سے قبل ہر طرف سے یہ آوازیں آنا شروع ہوئیں کہ ہم آپ کی رائے پر عمل کرتے ہیں اور حجاج کو چھوڑتے ہیں۔

طفیل بن عامر کی شہادت

عبدالرحمن اور حجاج کی یہ جنگ تاریخ کا ایک عبرت انگیز واقعہ ہے، اس جنگ میں فقہاء صحابہ و تابعین کی اکثریت نے عبدالرحمن کا ساتھ دیا، جو سب کے سب تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے۔ اسی جنگ میں ابوالطفیل کے ایک بیٹے، طفیل بن عامر بھی شہید ہوئے۔ مؤرخ طبری لکھتا ہے۔ طفیل نے عبدالرحمن کے ہمراہ ان سے آتے ہوئے فارس میں چند شعر کہے تھے، جن میں حجاج کی موت کی آرزو کی تھی، چنانچہ اس کے قتل ہونے کے بعد حجاج نے کہا۔ تو نے میرے لئے ایسی بات کی تمنا کی تھی کہ خدا کے علم میں تو اس کا زیادہ مستحق تھا۔ دنیا میں اس نے فوراً ہی تیرے کیفر کردار کو پہنچادیا اور آخرت میں بھی وہی تجھ کو عذاب دینے والا ہے (تاریخ طبری ۸ / ۱۲)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالطفیل پر اس واقعہ کا بے حد اثر ہوا اور انہوں نے اس پر حسب ذیل مرثیہ کہا۔

(۱) خلی طفیل علی الهطمه و انشعبا — وهدا ذلك ركنى هدة عجبا

(۲) وابنی سمیة لاانسا هما ابدًا — فیمن نسیت وکل کان لی وصبا

(۳) واخطأ تبی المنایا لاتطالعنی — حتی کبرت ولم یترکن لی نشبا

(۴) وکنت بعد طفیل کالذی نضب — عنه المیاه و غاض الماء فانقطبا

(۵) فلابعیر له فی الارض یرکبه — وان سعی اثر من قدفاته لغبا

(۶) وصارمن ارض خاقان التی غلبت — ابناء فارس فی اربا عها غلبا

(۷) ومن سجستان اسباب تزینها — لك المنیة حینا کان مجتلبا

(۸) حتی وردت حیاض الموت فانکشفت — عنك الکتائب لاتخفی لهاعقبا

(۹) وغادروك صریعا رهن معرکة — تری النسور علیالقتلی بها عصبا

(۱۰) تعاهدوا ثمه لم یوفوا ہما عهدوا — واسلمو للعدوا لسبی والسلبا

(۱۱) یاسوء ة القوم اذ تسبی نساء هم — وهم کثیر یرون الخزی والحربا

(تاریخ طبری ۸ / ۱۳ / و ۱۴)

ابوالفرج اصفہانی نے اغانی میں اس مرثیہ کے ۶ شعر نقل کئے ہیں جن میں ابتدائی دو شعر تو یہی ہیں اور چار شعر ان میں مزید ہیں:

(۱) فاملك عزاءك ان رزء بلیت به — فلن یرد بکاء المرء ماذهبا
(۲) ولیس یشفی حزینا من تذکره — الا البکاء اذا ما ناح و انتحبا
(۳) فاذ سلکت سبیلا کنت سالکها — ولا محالة ان یاتی الذی کتبا
(۴) فلما لبطنك من ری ولاشبع — ولا ظلمت بها فی العیش مرتعبا

(اغانی ۱۳/۱۶۱)

مؤرخ کامل نے صرف چار شعر دیئے ہیں جن میں تین تو وہی ہیں جو طبری میں ہیں، اور حسب ذیل ایک شعر زائد ہے:

مهما نسیت فلا انساه اذ حدقت — به الاسنة مقتولا و مسلبا

(تاریخ کامل ۴/۱۹۳)

شاعری

ابوالطفیل کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جس طرح ایک بلند پایہ فقیہ اور محدث تھے اسی طرح اعلیٰ درجہ کے شاعر اور خطیب بھی تھے۔ علامہ ابن عبدالبر ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

وقد ذکره ابن ابی خیثمه فی شعراء الصحابة وکان فاضلاً، عاقلاً، حاضر الجواب فصیحاً و کان متشیعا فی علی

(استیعاب ۲/۶۵۳)

ابن ابی خیثمہ نے شعراء صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور وہ فاضل، عاقل، حاضر جواب اور فصیح تھے اور علیؑ کے شیعوں میں تھے۔

اس سلسلے میں ابوالفرج اصفہانی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ بشر بن مروان، جس زمانہ میں عراق کا گورنر تھا، تو ایک دن اس نے انس بن زنیم سے کہا کہ کنانہ کا کوئی بہترین شعر سناؤ! اس پر اس نے ابوالطفیل کا یہ قصیدہ سنایا:

ایه عوذنی شیخاً و قد حشت حفیة — وهن من الازواج نحوی نوازع

بشر نے جب یہ کلام سنا تو کہنے لگا

"تم نے سچ کہا فی الحقیقت یہ شخص اشعر شعراء ہے" (اغانی ۱۳/۱۵۹)

اسی طرح ایک موقع پر حجاج نے بھی انس سے اس قصیدہ کی فرمائش کی، انس نے جب یہ قصیدہ سنایا تو حجاج نے کہا:

قاتله الله منافقا ما اشعره- الله اس منافق کو ہلاک کرے یہ کتنا بڑا شاعر ہے (ایضا)

ابوالطفیل کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خود ان کے زمانہ ہی میں ان کے اشعار کی اشاعت اس حد تک ہوگئی تھی کہ لوگ اکثر اجتماعات کے موقعوں پر ان کا کلام پڑھتے تھے چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ قریش کے کچھ نوجوان کسی مقام پر بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کررہے تھے اور شعر پڑھے جارہے تھے اتنے میں طویس بھی آگیا اور سلام کرکے بیٹھ گیا، لوگوں نے اس سے کہا۔ اے ابوعبدالمنعم! کیا اچھا ہو کہ اس موقع پر آپ بھی کچھ اشعار سنائیں، طویس نے کہا۔ ضرور، میں تم کو ایسے بزرگ کا کلام سناتا ہوں، جو رسولؐ اللہ کے اصحاب اور علیؑ کے شیعوں میں سے ہے اور ان کے رایت کا حامل ہے، جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے اور اپنی قوم کا سردار اور شاعر تھا، لوگوں نے کہا۔ اے ابوعبدالمنعم! وہ کون شخص ہے؟ طویس نے کہا وہ شخص عامر بن واثلہ ہے، اس کے بعد ان کا حسب ذیل قصیدہ سنایا۔

ایه عوذی شیخا وقد عمرت حقبة — وهن من الازواج نحوی نوازع

(اغانی ۱۳/ ۱۶۲)

مولف اغانی نے ان کے اور بھی بہت سے اشعار نقل کئے ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔

آثار علمیہ

ابوالطفیل کے آثار علمیہ میں ان کے وہ مرویات ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نیز آپ کے اصحاب سے روایت کئے ہیں جن کا جمع کرنا مستقل ایک کام ہے، البتہ امیر المومنینؑ کے چند اقوال اور خطبے جو "رجال نہج البلاغة" کی تالیف کے دوران میں ابوالطفیل کی روایت کے ساتھ میری نظر سے گزرے ہیں، ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

(۱) ایها الناس! ان اخوف ما اخاف علیکم اثنان الحج (نہج البلاغہ مط۔ بیروت ۱/ ۸۵)

اے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف دو چیزوں کا ہے۔

یہ کلام شیخ ابوجعفر طوسی نے اپنی امالی (صہ ۳۷) میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ ابوالطفیل سے روایت کیا ہے۔

وعنه قال: حدثنی الشیخ المفید ابوعلی الحسن بن محمد الطوسی ﷺ قال: حدثنا

الشیخ السعید الوالد قال: اخبرنا الشیخ السعید (ابو عبداللہ) محمد بن محمد (بن النعمان قال: اخبرنی ابوبکر محمد بن عمر الجعابی قال: حدثنا (محمد) بن الولید قال: حدثنا عندر بن محمد قال: حدثنا شعبہ عن سلمہ بن کہیل عن ابی الطفیل عامر بن ثاثلۃ الکنانی قال: سمعت امیر المومنین یقول: ان اخوف ما اخاف علیکم اثنان الخ"

(۲) ایہا الناس! الزھادۃ قصر الامل والشکر عند النعم، والورع عند المحارم الخ۔

اے لوگو! زہد آرزوؤں کا کوتاہ کرنا ہے اور نعمتوں کے وقت شکر بجالانا اور محرمات کے موقع پر ان سے پرہیز کرنا۔

یہ کلام شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ نے کتاب "معانی الاخبار (صہ ۹۲) میں حسب ذیل طریقہ سے ابوالطفیل سے روایت کیا ہے۔

"حدثنا محمد بن الحسن، قال: حدثنا محمد بن الحسن الصفار، عن احمد بن عبداللہ عن ابیہ عن محمد بن سنان، عن مالک بن عطیہ الاحمسی عن معروف بن خربوذ عن ابی الطفیل قال: سمعت امیر المومنین صلوۃ اللہ علیہ یقول: الزھد فی الدنیا قصر الامل و شکر کل نعمۃ والورع عما حرم اللہ علیک الخ"

(۳) لو ضربت خیشوم المومن بسیفی ھذا علی ان یبغضنی ما ابغضنی الخ

(نہج البلاغۃ ۲/۲۸)

اگر میری اس تلوار سے مومن کی گردن ماردی جائے اس بات پر کہ وہ مجھ سے بغض رکھے تو اللہ تعالیٰ کبھی اس پر راضی نہ ہوگا۔

یہ کلام شارح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح (۱/۱۹۹) میں حسب ذیل سند کے ساتھ ابوالطفیل سے روایت کیا ہے:

وروی عبدالکریم بن ھلال، عن اسلم المکی، عن ابی الطفیل، قال: سمعت علیاً وھو یقول: لو ضربت خیاشیم المومن بالسیف ما ابغضنی ولو نثرت علی المنافق ذھباً و فضۃً ما احبنی۔

(عبدالکریم بن ہلال نے اسلم مکی سے ابوالطفیل کی زبانی روایت کی ہے، ان کا بیان ہے کہ میں نے علی ابن ابی طالبؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے "اگر مومن کی گردنیں میری تلوار کے نیچے رکھ دی جائیں تب بھی وہ مجھ کو دشمن نہ رکھے گا

اور منافق پر اگر سونا اور چاندی بکھیر دی جائے تو بھی وہ مجھ کو دوست نہ رکھے گا)

(۴) سلونی قبل ان تفقدونی۔

(نہج ۱/ ۲۰۳)

پوچھ لو مجھ سے، قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اُٹھ جاؤں۔

یہ کلام علامہ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب "الاغانی" (۱۳/ ۱۵۹) میں حسب ذیل طریقہ سے ابوالطفیل سے روایت کیا ہے:

حدثنی ابو عبیداللہ الصیرفی، قال: حدثنا الفضل بن الحسن المصری، قال حدثنا ابونعیم، عن بسام الصیرفی، عن ابی الطفیل، قال: سمعت علیا علیہ السلام یخطب: فقال، سلونی قبل ان تفقدونی فقام الیہ ابن الکواء، فقال: مالذاریات ذروا، قال الریاح، قال فالجاریات یسراً، قال: السفن قال فالحاملات وقرا، قال: السحاب، قال، فالمقسمات امراً قال: الملائکہ قال، فمن الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفراً، قال: الافجران من قریش: بنو امیۃ و بنو مخزوم، قال، فما کان ذوالقرنین انبیاً کان ام ملکاً، قال، کان عبداً مومناً او قال، صالحاً، احب اللہ و احبہ ضرب ضربۃ علی قرنہ الایمن فمات ثم بعث و ضرب ضربۃ علی قرنہ الایسر فمات وفیکم مثلہ۔

مجھ سے ابوعبیداللہ صیرفی نے بیان کیا، انہوں نے فضل بن الحسن سے انہوں نے ابونعیم سے انہوں نے بسام صیرفی سے انہوں نے ابوالطفیل سے سن کر بیان کیا، ابوالطفیل کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ علی علیہ السلام کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے اثناء خطبہ میں فرمایا۔ پوچھ لو مجھ سے قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اُٹھ جاؤں، اس پر ابن الکواء کھڑا ہوگیا اور کہا اے امیر المومنینؑ! ذرا بتایئے "الذاریات ذروا" کے کیا معنی ہیں، آپ نے جواب دیا "الریاح" (ہوائیں) پھر اس نے پوچھا "الجاریات یسراً" کیا ہے؟ فرمایا "کشتیاں، پھر پوچھا "الحاملات وقرا" کیا ہے؟ جواب دیا یہ بادل ہیں پھر پوچھا "المقسمات امراً" فرمایا "ملائکہ"۔ اب اس نے سوال کیا۔ وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے "بدلو نعمۃ اللہ کفرا" (انہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا) آپ نے جواب دیا۔ وہ قریش کے دو فاجر بنو امیہ اور بنو مخزوم ہیں، پھر اس نے سوال کیا ذوالقرنین کون تھا؟ آیا نبی تھا یا فرشتہ، فرمایا وہ ایک بندہ مومن تھا (یا صالحا) جو اللہ سے محبت کرتا تھا اور اللہ اس سے محبت رکھتا تھا، اس نے اپنے دائیں قرن پر ایک ضرب لگائی اور مرگیا پھر زندہ ہوا اور بائیں قرن پر ضرب لگائی اور مرگیا اور تم میں اس کی مثل موجود ہے)

وفات

ابوالطفیل کی وفات کے بارے میں مؤرخین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابوالطفیل ایک جگہ دعوت ولیمہ میں بلائے ہوئے گئے، وہاں ایک مغنیہ نے طفیل کے مرثیہ کا یہ شعر گانا شروع کیا،

خلی طفیل علی الھم وانشعبا
وھد ذلک رکنی ھدۃ عجبا

(طفیل نے میرے لئے ایسا غم چھوڑا ہے جو رگ وپے میں سرایت کر گیا ہے اور جس نے میری قوت کو بالکل ختم کر دیا)

روایت میں ہے کہ ابوالطفیل پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ چیخیں مار مار کر رونا شروع کیا اور ہائے طفیل کہہ کر بے ہوش ہو گئے، لوگوں نے جب دیکھا تو انتقال کر چکے تھے (آغانی ۱۴/ ۱۶۱)

سنہ وفات کے بارے میں رجالیین میں اختلاف ہے اس لئے یقین کے ساتھ کوئی صحیح تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی، پھر بھی ۱۰۰ھ تک ان کا بقید حیات رہنا یقینی ہے، مولف تہذیب التہذیب نے اس سلسلے میں حسب ذیل اقوال نقل کئے ہیں۔

۱۔ قال مسلم: مات ابو الطفیل سنة مائة مسلم کا قول ہے۔ ابوالطفیل کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا۔

۲۔ قال خلیفه: مات بعد سنة مائة ویقال مات سنة سبع

خلیفہ (بن خیاط) کا قول ہے کہ ۱۰۰ھ کے بعد انتقال ہوا اور کہا جاتا ہے کہ ۱۰۷ھ میں انتقال ہوا۔

۳۔ قال ابن البرقی مات سنة (۱۰۲)

ابن البرقی کا قول ہے۔ ۱۰۲ھ میں مرے۔

۴۔ قال وھب بن جویر بن حازم، عن ابیه: کنت بمکة سنة عشر ومائة فرأیت جنازة فسالت عنها، فقالوا: هذا ابوالطفیل وہب بن جریر بن حازم نے اپنے باپ کے زبانی بیان کیا ہے کہ میں ۱۱۰ھ میں مکہ میں تھا کہ میں نے ایک جنازہ کو دیکھا لوگوں سے جب اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔ یہ ابوالطفیل ہے۔

۵۔ قال موسیٰ بن اسمٰعیل، ثنا مبارك بن فضاله ثنا کثیر بن اعین، سمعت ابا الطفیل بمکة سنة سبع ومائة یقول: ضحك رسول الله فذکر قصة

(تہذیب التہذیب ۵/ ۸۲)

موسیٰ بن اسمٰعیل نے مبارک بن فضالہ سے، انہوں نے کثیر بن اعین سے سن کر بیان کیا وہ کہتے تھے کہ میں نے ۱۰۷ھ میں ابوالطفیل کو مکہ میں کہتے ہوئے سنا۔ رسول اللہؐ سے اور اس کے بعد پورا قصہ بیان کیا۔

مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں ان کی وفات ۱۰۰ھ سے ۱۱۰ھ تک دائر ہے لیکن مشہور قول یہی ہے کہ ان کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا۔

الحارث بن عبداللہ الاعور الہمدانی

نام ونسب

حارث نام کنیت ابوزہیر (میزان الاعتدال ۱:۱۷۶) اعور لقب کوفہ کے رہنے والے تھے، سلسلہ نسب اس طرح ہے:

"الحارث الاعور بن عبداللہ بن کعب بن اسد بن یخلد بن حوت و اسمہ عبداللہ بن سبع بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیوان بن نوف بن ھمدان و حوت ھو اخو السبیع وطس ابی اسحاق السبیعی"۔ (ذیل المذیل للطبری ۱۰۹)

علم وفضل

حارث اعور کا شمار امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ان اصحاب میں ہے جن کو صاحبان اسرار کہا جاتا ہے، عام طور سے ان کو ایک عابد و زاہد صحابی کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے، لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شمار اپنے وقت کے متبحر علماء میں تھا۔

انہوں نے علم فقہ و فرائض و حساب، حضرت علیؑ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے حاصل کیا تھا (ایضاً و مراۃ الجنان ۱:۱۴۱) ان علوم میں وہ اپنے امثال میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، جیسا کہ ابن سعد کی حسب ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے:

قال اخبرنا الفضل بن دکین قال حدثنا زھیر عن ابی اسحٰق، قال: کان یقال لیس بالکوفۃ احد اعلم بفریضۃ من عبیدۃ والحارث الاعور۔ (طبقات ابن سعد ۶:۱۱۶)

ابن سعد کا بیان ہے کہ ہم کو فضل بن دکین نے خبر دی، ان کا بیان ہے کہ ہم سے زہیر نے ابو اسحٰق کی زبانی بیان کیا، ان کا قول ہے کہ عام طور سے لوگ کہا کرتے تھے کہ کوفہ میں عبیدہ اور حارث اعور سے زیادہ علم فرائض کا کوئی جاننے والا نہیں ہے۔

شعبی جن کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے وہ حارث ہی کے خوشہ چینوں میں تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے علم فرائض وحساب، حارث اعور سے حاصل کیا ہے اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم حساب کے جاننے والے تھے (ذیل المذیل ص ۱۰۹)

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

وقال ابوبکر بن ابی داؤد: کان الحارث الاعور افقه الناس و افرض الناس و احسب الناس لعلم الفرائض من علی

(میزان الاعتدال ۱:۱۷۶)

ابوبکر بن ابی داؤد کا قول ہے: حارث اعور لوگوں میں سب سے زیادہ علم فقہ کے جاننے والے اور سب سے زیادہ علم فرائض وحساب کے جاننے والے تھے انہوں نے علم فرائض حضرت علیؑ سے حاصل کیا تھا۔ آگے چل کر یہی مولف ایک دوسری روایت لکھتے ہیں۔

قال مرۃ بن خالد، نا محمد بن سیرین قال: کان من اصحاب ابن مسعود خمسة یوخذ عنهم ادرکت منهم اربعة وفاتنی الحرث فلم اره وکان یفضل علیهم

(میزان الاعتدال ۱:۱۷۷)

مرہ بن خالد کا بیان ہے کہ ہم سے محمد بن سیرین نے بیان کیا، وہ کہتے تھے کہ ابن مسعود کے اصحاب میں پانچ آدمی تھے جن سے اخذ و استفادہ کیا جاتا تھا، میں نے ان میں سے چار کا ادراک کیا ہے اور حارث اعور کا ادراک نہ کر سکا، راوی کا بیان ہے کہ وہ حارث کو ان سب پر فضیلت دیا کرتے تھے۔

حارث کی علمی جلالت کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے جس کو ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا:

عن علباء بن احمر ان علیاً خطب الناس فقال: من یشتری علما بدرهم فاشتری الحارث الاعور صحفاً بدرهم ثم جاء بها علیاً فکتب له علما کثیرا ثم ان علیاً خطب الناس بعد فقال یا اهل الکوفة غلبکم نصف الرجل

(طبقات ۶:۱۱۶)

علبا ابن احمر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ علیؑ بن ابی طالبؑ نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کون ہے؟ جو ایک درہم کے عوض علم کو خرید لے۔ یہ سن کر حارث اعور نے ایک درہم دے کر کچھ صحیفے خریدے اور ان کو لے کر امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے، آپ نے علم کثیر اس میں لکھ دیا اس کے بعد جب دوبارہ آپ نے خطبہ پڑھا تو فرمایا اے اہل کوفہ تم پر آدھا آدمی غالب ہے (بسبب اپنے علم کے)

حارث اعور بحیثیت راوی حدیث

حارث اعور نہ صرف عالم اور عابد وزاہد تھے بلکہ روای حدیث ہونے کی حیثیت سے بھی ان کا درجہ کافی بلند ہے، انہوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے احادیث کی روایت کی ہے نیز ان سے روایت کرنے والوں میں عمرو بن مرہ، ابو اسحٰق اور محدثین کی ایک جماعت ہے چنانچہ قریب قریب تمام محدثین اسلام نے حارث کی مرویات کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے: "وحدیث الحرث فی السنن الاربعہ" حارث کی احادیث سنن اربعہ میں لی گئی ہیں۔ ان کی کثرت مرویات کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے جس کو ذہبی نے بندار کی زبانی روایت کیا ہے۔

بندار کا بیان ہے: میں ایک مرتبہ بیٹھا ہوا کچھ احادیث نقل کر رہا تھا کہ یحییٰ اور عبدالرحمن نے میرے ہاتھ سے قلم لے لیا اور تقریباً چالیس احادیث جو حارث نے علی بن ابی طالبؑ سے روایت کی ہیں اسی وقت لکھ ڈالیں (میزان الاعتدال ۱: ۱۷۷)

عام حالات

حارث اعور کے عام حالات زندگی سے تاریخ اسلام کا صفحہ بالکل سادہ نظر آتا ہے تاریخ کا یہ ایک ایسا زبردست خلا ہے جو قدم قدم پر امیر المومنینؑ کے اصحاب نیز آپ کے بعد دیگر ائمہ اہل بیتؑ اور ان کے موالیان کے سلسلے میں ملتا ہے۔

حارث اعور کے رجحان طبع کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیاسی اختلافات سے ان کو دلچسپی نہ تھی، پھر بھی ذات امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے وابستگی کی بنا پر یہ ناممکن ہے کہ جمل اور صفین جیسے اہم موقعوں پر وہ آپ کے ہمراہ نہ رہے ہوں، لیکن تاریخیں ان کے ذکر سے خاموش ہیں، صرف ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں نصر (بن مزاحم) کے حوالے سے جنگ صفین میں ان کی موجودگی کی نشاندہی کی ہے، اس نے لکھا ہے کہ جس وقت امیر المومنین نخیلہ پہنچے ہیں تو آپ نے حارث اعور کو حکم دیا کہ جا کر لوگوں میں منادی کر دیں کہ وہ نخیلہ میں اپنے لشکر گاہ کی طرف چلے جائیں (شرح ابن ابی الحدید ۱: ۱۵۷)

اس سے پہلے ایک مقام پر وہ عثمان کے زمانہ خلافت میں نظر آتے ہیں، چنانچہ ۳۰ھ میں جب سعید بن العاص کوفہ کا گورنر ہوکر آیا ہے اور اس نے وہاں کے لوگوں پر ظلم کرنا شروع کیا تو جو لوگ اس کی شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے ہیں، ان میں مالک اشتر، صعصعہ بن صوحان، کمیل بن زیاد وغیرہ کے ساتھ ان کا نام بھی ہے(طبقات ابن سعد ۵:۲۱)

اس کے بعد حارث اعور ۶۵ھ ہجری تک بقیہ حیات رہے اور اس دوران میں بہت سے اہم تاریخی واقعات رونما ہوئے، خصوصاً واقعہ کربلا جیسا المناک حادثہ پیش آیا، لیکن حارث کا نام کسی مقام پر نہیں ملتا، معلوم نہیں کن وجوہات کی بنا پر واقعہ کربلا میں شرکت نہ کر سکے۔

حارث اعور کے بارے میں رجالیین اہلسنت کی رائیں

حارث اعور اس دور کی شخصیتوں میں ہیں جب مسلمانوں میں سیاسی اختلافات نہایت سرگرمی کے ساتھ رونما ہوچکے تھے جمل وصفین کے خونچکاں مناظر نفاق وشقاق کا بیج بوچکے تھے جس کے نتیجے میں شیعیان علیؑ اور شیعیان عثمان دو مستقل گروہ وجود میں آگئے تھے، حارث اعور اگرچہ زندگی بھر ان اختلافات سے الگ رہے پھر بھی ذات امیر المومنینؑ سے وابستگی کی بنا پر وہ اس زد سے نہ بچ سکے، اس وقت تک اگرچہ اصطلاحی معنی میں شیعوں کا کوئی الگ فرقہ نہ تھا لیکن ایسے تمام اصحاب کے لیے جو حضرت علیؑ سے مذہبی طور پر عقیدت رکھتے تھے، علمائے اہل سنت نے شیعہ غالی کا لفظ استعمال کیا ہے اور آگے چل کر یہی چیز ان کی ثقاہت وعدالت میں قاروح قرار پائی، چنانچہ ایک طرف تو حارث کی علمی جلالت، دوسری طرف اُن کا تشیع ان دونوں باتوں نے ان کے بارے میں علمائے اسلام کے تمام مختلف اقوال نقل کئے ہیں، ملاحظہ ہوں:

۱۔ من کبار علماء التابعین علی ضعف فیہ۔ (حارث اعور) کبار علماء تابعین میں ہیں، لیکن ان میں ضعف ہے۔

۲۔ روی مغیرۃ عن الشعبی، حدثنی الحرث الاعور وکان کذابا۔

مغیرہ نے شعبی سے روایت کیا ہے، وہ کہتے تھے:

مجھ سے حارث اعور نے بیان کیا اور وہ کذاب تھے۔

۳۔ وقال منصور، عن ابراھیم ان الحوت اتھم۔

منصور نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ خرث متہم تھے۔

۴۔ وروی ابوبکر بن عیاش عن مغیرۃ قال لم یکم الحرث یصدق عن علی فی الحدیث۔

ابوبکر بن عیاش نے مغیرہ سے روایت کی ہے:

وہ کہتے تھے کہ حارث، علیؑ سے جو روایت کرتے ہیں اس میں سچے نہیں ہیں۔

۵۔ قال ابن المدینی کذاب ابن مدینی نے ان کو کذاب کہا ہے۔

۶۔ وقال جریر بن عبد الحمید کان زیفا۔

جریر بن عبدالحمید کا قول ہے کہ حارث ۔۔۔ ہیں۔

۷۔ وقال ابن معین: ضعیف۔

ابن معین کا قول ہے: وہ ضعیف ہیں۔

۸۔ قال عباس عن ابن معین لیس بہ بأس و کذا قال النسائی و عنہ قال لیس بالقوی

عباس نے ابن معین کی زبانی بیان کیا ہے کہ حارث سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی طرح نسائی نے کہا ہے اور ان ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ وہ قوی نہیں ہیں۔

۹۔ قال الدار قطنی ضعیف

دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔

۱۰۔ قال ابن عدی: عامة ما یرویہ غیر محفوظ۔

ابن عدی کا قول ہے کہ حارث کی مرویات عموماً غیر محفوظ ہیں۔

۱۱۔ وقال یحیی بن القطان عن سفیان قال کنا نعرف فضل حدیث عاصم علی حدیث الحرث۔

یحییٰ بن القطان نے سفیان کی زبانی بیان کیا ہے ہم عاصم (بن ضمرہ) کی حدیث کی فضیلت کو حارث کی حدیث پر خوب پہچانتے تھے۔

۱۲۔ قال عثمان الدارمی: سألت یحیی بن معین عن الحرث الاعور فقال ثقة۔

عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے حارث اعور کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا وہ ثقہ ہیں۔

۱۳۔ عن الشعبی قال: ما کذب علی احد من ہذہ الامة ما کذب علی علی رضی اللہ عنہ

شعبی کا قول ہے کہ اس امت میں کسی پر اتنا جھوٹ نہیں بولا گیا جتنا علی رضی اللہ عنہ پر۔

۱۴۔ وقال ایوب کان ابن سیرین یری ان عامة ما یروی عن علی باطل

ایوب کا بیان ہے کہ ابن سیرین کی رائے تھی کہ حضرت علیؑ سے حارث کی روایت عموماً باطل ہوتی ہے۔

۱۵۔ وقال مفضل بن مهلهل عن مغيرة سمع الشعبی يقول: حدثنی الحرث واشهد انه احد الكذابين.

مفضل بن مہلہل نے مغیرہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ انہوں نے شعبی کو یہ کہتے ہوئے سنا "مجھ سے حارث نے بیان کیا اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب تھے۔

۱۶۔ وروی محمد بن شيبه الضبی، عن ابی اسحٰق قال زعم الحرث الاعور وكان كذابا۔

محمد بن شیبہ الضبی نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے: حارث اعور کا یہ گمان ہے اور وہ کذاب تھے۔

۱۷۔ قال ابن حبان: كان الحرث غالياً فی التشيع، واهيا فی الحديث (ميزان الاعتدال ۱:۱۷۶۔۱۷۷)

ابن حبان کا قول ہے: حارث غالی شیعہ تھے اور واہی باتیں بیان کرتے تھے۔

یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد مؤلف لکھتے ہیں۔

وحديث الحرث فی السنن اربعة والنسائی مع تعنته فی الرجال فقد احتج به وقوی امره والجمهور علی توهين امره مع روايتهم حديثه فی الابواب هذا الشعبی يكذبه ثم يروی عنه. والظاهر انه يكذب فی لهجته وحكاياته واما فی الحديث النبوی فلا وكان من اوعية العلم (ايضا)

حارث کی احادیث سنن اربعہ میں لی گئی ہیں اور نسائی نے ان کے رجال میں شک کرنے کے باوجود ان سے احتجاج کیا ہے اور ان کے امر کو قوت دی ہے اور جمہور اُن کے امر کو کمزور کرنے پر تلے ہوئے ہیں پھر بھی مختلف ابواب میں ان سے احادیث کی بھی روایت کرتے ہیں، یہی شعبی، ان کو جھوٹا بھی بتاتا ہے اور ان سے حدیث کی روایت بھی کرتا جاتا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ حارث کا کذب لہجہ اور حکایت میں ہے نہ کہ امر واقعہ میں۔

مؤلف کہتا ہے کہ علامہ نے شعبی پر تو یہ طنز کیا کہ وہ حارث کو جھوٹا بھی بتاتے ہیں اور ان سے روایت حدیث بھی کرتے ہیں لیکن اپنے قول پر انہوں نے غور نہیں کیا کہ حارث کو کبار علماء تابعین میں بھی بتاتے ہیں اور ضعیف بھی کہتے ہیں۔ یہی حال ابن معین کا ہے کبھی تو وہ ان کو ضعیف کہتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ حارث سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عثمان داری جب ان سے سوال کرتے ہیں تو کہتے ہیں، حارث ثقہ ہیں۔ ابن سیرین اکابر تابعین میں ہونے کے باوجود ایک موقع پر تو کہتے ہیں کہ ابن مسعود کے پانچ اصحاب جو مرجع علماء تھے حارث ان میں سب سے افضل تھے، دوسری جگہ کہتے ہیں کہ حارث علیؑ سے جو کچھ روایت کرتے ہیں وہ باطل ہے، اسی طرح ابو اسحٰق اپنے علم و

تقدس کے باوجود حارث کو کذاب بھی کہتے ہیں اور اُن سے احادیث کی روایت بھی کرتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ ابن سعد نے لکھا ہے۔

قال اخبرنا الفضل بن دکین قال حدثنا زهیر بن معاویه عن ابی اسحٰق انه کان یصلی خلف الحارث الاعور وکان امام قومه وکان یصلی علی جنائزهم فکان یسلم اذا صلی علی الجنازة عن یمینه مرة واحدة

(طبقات ۶:۱۱۶)

ہم کو فضل بن دکین نے خبر دی ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم سے زہیر بن معاویہ نے ابو اسحٰق کی زبانی بیان کیا ہے کہ وہ حارث اعور کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اور وہ اپنی قوم کے امام تھے اور ان کے جنازوں کی نماز پڑھایا کرتے تھے تو دائیں طرف صرف ایک مرتبہ سلام پھیرا کرتے تھے۔

ان سب باتوں کے علاوہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ علیؑ سے روایت کرنے میں تو حارث جھوٹے ہیں لیکن حدیث نبوی کی روایت میں سچے آخر ایسا کس بنا پر ہے؟

حارث اعور اور کلام علیؑ کی جمع و تدوین

کلام امیر المومنینؑ کی جمع و تدوین میں حارث کی خدمات ان کو اپنے اقران میں ممتاز بناتی ہیں، انہوں نے کلام علیؑ کے محفوظ کرنے میں زندگی بھر یہ التزام رکھا تھا کہ جو کچھ حضرتؑ سے سنتے تھے اس کو فوراً قلمبند کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ صدوق نے ابو اسحٰق کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے عصر کے بعد خطبہ دیا، اس میں اللہ کی عظمت اور اس کے صفات کا ایسے دلکش پیرایہ میں بیان کیا جو سننے والوں کو بے حد پسند آیا، ابو اسحٰق کا بیان ہے کہ میں نے حارث سے کہا، کیا تم نے اس کو محفوظ نہیں کیا، حارث نے کہا نہیں بلکہ میں نے اس کو لکھ لیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی کتاب سے وہ خطبہ ہم کو لکھوایا (کتاب التوحید ص ۱۲)۔

اسی کا سبب تھا کہ حارث کے پاس کلام علیؑ کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ ایک مرتبہ جب امام حسنؑ نے اُن کو لکھا کہ آپ نے امیر المومنینؑ سے وہ احادیث سنی ہیں جو میں نہیں سن سکا تو حارث نے یہ ذخیرہ ایک اونٹ پر بار کر کے ان کی خدمت میں بھیجا (ذیل المذیل الطبری ص ۱۰۹)۔

اس کی تائید ابن سعد کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے جو اُس نے اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ عامر کی زبانی نقل کی ہے۔

قال اخبرنا الفضل بن دکین قال حدثنا شریک عن جابر عن عامر قال لقد رأیت

الحسن والحسین یسلان الحارث الاعور عن حدیث علی (طبقات ابن سعد ۶:۱۱۶)

ہم کو فضل بن دکین نے خبر دی ہے ان کا بیان ہے کہ ہم سے شریک نے، ان سے جابر نے، ان سے عامر نے بیان کیا ہے، عامر کا بیان ہے میں نے حسنؑ حسینؑ کو دیکھا کہ وہ دونوں حارث اعور سے حدیث علیؑ کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے۔

حارث اعور کی مرویات

حارث اعور سے اکثر موقعوں پر امیر المومنینؑ نے وہ باتیں بیان فرمائی ہیں جن کو عامۃ الناس پر ظاہر نہیں کیا اور غالباً ان ہی مرویات کی بنا پر سواد اعظم کے محدثین کا ان کے بارے میں یہ خیال ہے کہ حارث علیؑ سے جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ باطل ہوتا ہے، اسی سلسلے کی وہ حدیث ہے کہ کوئی محب میرا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حالت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ محبوب رکھتا ہے، اور کوئی دشمن میرا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حالت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ مکروہ سمجھتا ہو، اس حدیث کو عبدالعزیز الکشی نے کتاب الرجال میں اور شیخ الطائفہ نے اپنی امالی میں حسب ذیل طریقہ پر وارد کیا:۔

عن الشعبی، سمعت الحارث الاعور وهو یقول: اتیت علیا علیه السلام ذات لیلة فقال: یا اعور ما جاء بك، قال فقلت: یا امیر المومنین! جاء بی والله حبك، قال فقال: اما انی ساحدثك لتشکرها اما انه لا یموت عبد یحبنی فیخرج نفسه حتی یرانی حیث یحب ولا یموت عبد یبغضنی فیخرج نفسه حتی یرانی حیث یکره

(رجال کشی ص ۵۹، امالی شیخ الطائفہ ص ۳۰)

شعبی سے روایت ہے کہ میں نے حارث اعور کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک رات میں علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھ سے فرمایا اے اعور! اس وقت آنے کا کیا سبب ہوا، میں نے کہا، اے امیر المومنینؑ! قسم بخدا! صرف آپ کی یاد اس وقت مجھ کو لائی ہے۔ یہ سن کر امیر المومنینؑ نے فرمایا: میں اس وقت تم سے ایسی بات بیان کرتا ہوں، جس کو سن کر شکر ادا کرو گے، آگاہ ہو جاؤ! کوئی میرا محب اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حیثیت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ محبوب رکھتا ہے اور کوئی دشمن اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حیثیت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ مکروہ رکھتا ہو۔ اس مضمون کو امیر المومنینؑ نے اشعار میں بھی نظم فرمایا ہے۔ جو آپ کے دیوان میں موجود ہیں۔

یا حار همدان من یمت یرنی	من مومن او منافق قبلا
یعرفنی طرفه و اعرفه	بإسمه کذا لکنی وما فعلا

وانت عند الصراط معترضی	فلا تخف عثرة ولا زللا
اقول للنار حین توقف للارض	ذریه لاتقربی الرجلا
ذریه لاتقربیه ان له	حبلا بحبل الوصی متصلا
اسقیک من بارد علی ظمأ	تخاله فی الحلاوة العلا

(مجالس المومنین)

۲۔ ایک مرتبہ حارث اعور، امیر المومنینؑ کے پاس آئے اور عرض کی، اے امیر المومنین! آپ ان لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ ان احادیث کو پکڑ لیا ہے اور کتاب خدا کو پس پشت ڈال رکھا ہے، اس پر آپ نے فرمایا: میں نے رسولؐ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا، میں نے عرض کی: اس فتنہ سے بچاؤ کی کیا تدبیر ہوگی، فرمایا! اللہ کی کتاب! جس میں تمہارے ماقبل کی بھی خبریں ہیں اور مابعد کی بھی، اور جو معاملات تمہارے درمیان میں ہیں ان کا فیصلہ ہے، وہ ایک فیصلہ کن چیز ہے نہ کہ لغو وعبث، سرکشوں میں سے جو اس کو چھوڑے گا اللہ اس کو ہلاک کردے گا اور جو اس کے علاوہ کسی اور چیز سے ہدایت کا طالب ہوگا تو اللہ اس کو گمراہ کردے گا، وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور حکمت سکھانے والا ذکر اور سیدھا راستہ وہ کتاب اللہ وہ ہے کہ عقلیں اس سے ٹیڑھی نہیں ہوتیں نہ زبانیں اس سے ملتبس ہوتی ہیں نہ اس کے عجائب انجام پذیر ہوتے ہیں۔ اس جیسا کوئی علم نہیں ہے وہ ایسا کلام ہے کہ جنوں نے جب اس کو سنا تو کہنے لگے انا سمعنا قرانا عجبا یهدی الی الرشد (ہم نے عجیب کلام سنا جو رشد کی طرف راستہ دکھاتا ہے) جس نے اس کے مطابق کہا وہ سچا ہے اور جو اس سے جدا ہوا وہ زیادتی کا مرتکب ہوا، جس نے اس پر عمل کیا، ماجور ہوا اور جس نے اس سے تمسک کیا وہ سیدھے راستہ پر لگ گیا، خذها الیک یا اعور (مروج الذہب ۲/ ۱۹) اے! اعور! اس کو لے لو!

اس روایت کو علامہ ابن عبدربہ الاندلسی نے عقد الفرید (۲:۹۹) اور ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۲:۳۳) میں بھی باختلاف الفاظ نقل کیا ہے۔

وفات

تمام ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حارث اعور کا انتقال عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۶۵ھ میں ہوا اس وقت عبداللہ بن زبیر کی طرف سے کوفہ کے گورنر عبداللہ بن یزید انصاری تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ حارث اعور کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو انہوں نے وصیت کی کہ میری نماز جنازہ عبداللہ بن یزید انصاری پڑھائیں۔ چنانچہ ان کی حسب وصیت ایسا ہی ہوا۔ ابو اسحٰق کا بیان ہے کہ عبداللہ بن یزید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں

اس کے بعد ہم جنازہ کے ساتھ ساتھ قبر تک آئے، یہاں پہنچ کر عبداللہ بن یزید نے کہا کہ جنازہ کو قبر کی پائنتی کی طرف رکھو، ابو اسحق کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طرح جنازہ کو رکھا اس کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ انہوں نے ان کے اوپر سے کپڑے کو ہٹادیا، پس میں نے ان کے کفن پر ذریرہ کو دیکھا اس کے بعد انہوں نے کہا اس کپڑے کو اُتارلو اس لئے کہ یہ مرد ہیں۔

دوسری روایت اسی ابو اسحق سے اس طرح ہے:

حارث کی نماز جنازہ عبداللہ بن یزید نے پڑھائی، انہوں نے قبر کے دونوں پاؤں کی طرف سے ان کی قبر میں داخل کیا اور کہنے لگے یہی طریقہ سنت ہے اور کہا کہ اب کپڑے کو ان پر سے ہٹالو اس لئے کہ یہ مرد ہیں (مروج الذہب ۲/۱۹)

امیر المومنینؑ کا مکتوب گرامی حارث اعور کے نام

''سید رضی'' جامع نہج البلاغۃ نے مکاتیب کے ذیل میں امیر المومنینؑ کا حسب ذیل خط حارثؓ کے نام نقل کیا ہے اس خط کی کوئی سند مجھے کسی متقدم کتاب میں نہیں مل سکی لیکن اپنے مضامین کے لحاظ سے چونکہ بے حد اہم ہے اس لئے اس کو بجنسہ نقل کیا جاتا ہے:

وتمسك بحبل القرآن و استنصحه واحل حلاله وحرم حرامه وصدق بما سلف من الحق واعتبر بما مضى من الدنيا ما بقى منها فان بعضها يشبه بعضا وآخرها لاحق باولها وكلها حائل مفارق وعظم اسم الله ان تذكره الا على حق واكثر ذكر الموت وما بعد الموت ولا تتمن الموت الا بشرط وثيق، واحذر كل عمل يرضاه صاحبه لنفسه ويكره لعامة المسلمين واحذر كل عمل يعمل به فى السر ويستحى منه فى العلانية، واحذر كل عمل اذا سئل عنه صاحبه انكره او اعتذر منه ولا تجعل عرضك غرضاً لنبال القول ولا تحدث الناس بكل ما سمعت به فكفى بذالك كذبا ولا ترد على الناس كل ما حدثوك به فكفى بذلك جهلا واكظم الغيظ وتجاوز عند المقدرة واحلم عند الغضب واصفح مع الدولة تكن لك العاقبة واستصلح كل نعمة انعمها الله عليك ولا تضيعن نعمة من نعم الله عندك ولير عليك اثر ما انعم الله به عليك.

واعلم ان افضل المومنين افضلهم تقدمة من نفسه واهله وما له فانك ما تقدم من خير يبق لك ذخره وما تؤخره يكن لغيرك خيره. واحذر صحابة من يفيل رايه وينكر عمله فان الصاحب معتبر بصاحبه واسكن الامصار العظام فانها جماع المسلمين واحذر منازل الغفلة والجفاء وقلة الاعوان على طاعة الله واقصر رأيك على ما يعنيك واياك ومقاعد الاسواق فانها محاضر الشيطان ومعاريض الفتن واكثر ان تنظر الى من فضلت عليه فان ذلك من ابواب

الشکر ولا تسافر فی یوم جمعة حتی تشھد الصلاة الا فاصلاً فی سبیل الله او فی امر تعذر به واطع الله فی جمیع امورك فان طاعة الله فاضلة علی ماسواها وخادع نفسك فی العبادة وارفق بها ولا تقهرها۔ وخذ عفوها ونشاطها الا ما کان مکتوباً علیك من الفریضة فانه لابد من قضائها و تعاهدها عند محلها و ایاك ان ینزل بك الموت و انت آبق من ربك فی طلب الدنیا و ایاك و مصاحبة الفساق فان الشر بالشر ملحق ووقر الله واحبب احباءه و احذر الغضب فانه جند عظیم من جنود ابلیس والسلام:

(نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت ۱۲:۱۰۰۷)

قرآن کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور اس سے نصیحت حاصل کرو، اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو اور جو حق (انبیا) گزر گیا ہے اس کی تصدیق کرو ماضی کی تاریخ اور حال کے واقعات سے عبرت حاصل کرو، کیونکہ دنیا کے بعض حصے بعض سے مشابہت رکھتے ہیں، اس کا آخری حصہ اس کے اول حصے سے مل جانے والا ہے، پھر نتیجہ میں پوری دنیا متغیر ہونے والی اور مفارقت کرنے والی ہے، اللہ کے نام کو اس سے بہت بلند سمجھو کہ سوائے حق کے اس کی قسم کھاؤ! موت اور موت کے بعد پیش آنے والی منزلوں کا کثرت کے ساتھ ذکر کرو اور موت کی آرزو نہ کرو مگر شرط محکم کے ساتھ اور ہر ایک ایسے عمل سے پرہیز کرو جس کا صاحب اپنے نفس کے لئے تو اسے پسند کرے لیکن عامہ مسلمین کے لئے مکروہ سمجھے نیز ایسے عمل سے بھی پرہیز کرو جس کو خفیہ طور پر کیا جائے اور اس کے اعلان میں شرم آتی ہو، اور ایسے عمل سے بھی پرہیز کرو کہ جب اس کے صاحب سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے تو وہ یا تو انکار کر دے یا اس کا کوئی عذر نکال کر رکھ دے، اپنی آبرو کو لوگوں کی چہ میگوئیوں کا نشانہ نہ بناؤ اور ہر وہ بات جو تم نے سنی ہو اس کو لوگوں میں بیان نہ کرو! ایسا کرنا تم کو جہالت سے محفوظ رکھے گا، غصہ کو ضبط کرو، غیظ و غضب کے وقت حلم اور بردباری سے کام لو جب بدلہ لینے پر قدرت حاصل ہو تو درگزر کرو، اس سرمایہ سے بے پرواہ ہو جاؤ جو نتیجہ میں تم ہی کو ملنے والا ہے اور ہر اس نعمت کی اصلاح چاہو جو اللہ نے تم کو عطا کی ہے اور اللہ کی کسی نعمت کو جو تمہارے پاس موجود ہے، ضائع نہ کرو نیز یہ کہ جو نعمتیں اللہ نے تم کو دی ہیں اس کے آثار تم پر ظاہر ہوں۔ خوب جان لو کہ مومنین میں افضل وہی ہے جو اپنے نفس اور اہل اور اپنے مال کی جانب سے آخرت کی طرف توشہ بھیج رہا ہے اس لیے کہ جو بھلائی بھی تم آگے بھیجو گے وہ باقی رہے گی اور جس میں تاخیر کرو گے وہ تمہارے غیر کا ہو جائے گا سست اعتقاد اور بدکردار آدمی کی صحبت سے پرہیز کرو کیونکہ انسان اپنے مصاحب کے ساتھ آزمایا جاتا ہے، بڑے بڑے شہروں میں سکونت اختیار کرو کیونکہ وہ مسلمانوں کی جمعیت کے محل ہیں اور ان منزلوں سے پرہیز کرو جہاں رہ کر خدا کی یاد سے غفلت ہو اور جہاں جور و جفا کی جھلک ہو جہاں خدا کی اطاعت پر مدد کرنے والے بہت قلیل ہوں۔ اپنی رائے اور تدبیر اسی کام کے لیے وقف رکھو جو تمہارے اعانت کرے بازاری نشست گاہوں میں بیٹھنے

سے پرہیز کرو کیونکہ یہ جگہیں فتنہ و فساد کا محل اور شیطان کی فرودگاہیں ہیں اس شخص پر کثرت کے ساتھ نظر کرو جس سے تم حیثیت میں زیادہ ہو کیونکہ اپنے سے پست لوگوں کے حال پر نظر کرنا شکر کرنے کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جمعہ کے دن سفر نہ کرو جب تک نماز جمعہ سے فارغ نہ ہو جاؤ سوائے اس صورت کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کوئی روانہ ہو یا پھر کوئی بڑی مجبوری پیش آ جائے۔ اپنے تمام امور میں خدا کی اطاعت کرو کیونکہ خدا کی اطاعت تمام ماسوی اللہ سے افضل ہے عبادت کرنے میں اپنے نفس کو فریب دو اور اس کے ساتھ ملائمت اور نرمی سے پیش آؤ (زیادہ جبر اس پر نہ کرو) اس کو معاف اور خوش وقت کرتے رہو، سوائے ان واجبات کے اس لیے کہ ان کی ادائگی اپنے وقت پر ضروری ہے اور ڈرتے رہو مبادا موت تم پر نازل ہو جائے اور تم طلب دنیا کے سبب اپنے پروردگار کی رحمت سے بھاگ رہے ہو۔ فاسقوں کے مصاحبت سے پرہیز کرو کیونکہ شرارت، شرارت کے ساتھ ملحق ہے۔ اللہ کی تعظیم و توقیر کرو، اس کے دوستوں کو دوست رکھو، غیظ و غضب سے پرہیز کرو کیونکہ یہ شیطان کے لشکروں میں سے ایک عظیم لشکر ہے۔

عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثیؒ

نام و نسب

عبداللہ نام، ابو الولید کنیت، مدینہ کے رہنے والے تھے (تہذیب التہذیب ۵ / ۲۵۲)

سلسلہ نسب اس طرح ہے:

"عبداللہ بن شداد بن الہاد بن عمرو بن عبداللہ بن جابر بن بشیر بن عتوارہ بن عامر بن مالک بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر (ایضاً)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے شداد کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کا اصلی نام "اسامہ تھا اور شداد لقب ہے، اسی طرح "ہاد" کا نام بھی عمرو ہے، لیکن خلیفہ (بن خیاط) کا قول ہے کہ اسراء "ہاد" کا نام ہے نہ کہ شداد کا (ایضاً) "ہاد کے لقب کی وجہ تسمیہ اعلیٰ علماء رجال نے یہ بھی کی ہے کہ اسامہ کا یہ معمول تھا کہ وہ رات کو مہمانوں کی آمد و رفت کے لئے آگ روشن کیا کرتے تھے اس لئے ان کا لقب "ھاد" ہو گیا (اصابہ ۳ / ۱۹۷)

عبداللہ بن شداد اس گرامی خانوادہ کی فرد ہیں جہاں ابتدا سے اسلام کا چرچا رہا ہے ان کے والد شداد بن الہاد مسلمہ طور پر صحابی رسولؐ تھے اور ابن سعد کی صراحت کے بموجب جنگ خندق میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ

موجود تھے (ایضاً)

ان کی والدہ سلمٰی بنت عمیس، اسماء بنت عمیس کی حقیقی بہن تھیں اور پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی زوجیت میں رہ چکی تھیں جن سے ایک لڑکی عمارہ پیدا ہوئی، اس کے بعد حضرت حمزہ جب جنگ احد میں شہید ہو گئے تو شداد بن الہاد نے ان سے نکاح کر لیا، جس سے عبداللہ بن شداد پیدا ہوئے (طبقات ابن سعد ۶/۸۶)

سواد اعظم میں عبداللہ کا شمار تابعین میں ہے (ایضاً)

علم وفضل

ابن سعد، ان کے تذکرہ میں لکھتا ہے: "کان ثقۃ فقیھا کثیر الحدیث متشیعاً (ایضاً)

(عبداللہ بن شداد، ثقہ فقیہ، کثیر الحدیث اور شیعہ تھے) اسی طرح عجلی اور خطیب، نیز ابوزرعہ اور نسائی نے بھی ان کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ وہ کبار تابعین میں تھے (تہذیب التہذیب)

انہوں نے اپنے والد، شداد بن الہاد، حضرت عمر، علی، طلحہ، معاذ، عباس ابن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر، نیز اپنی خالہ، اسماء بنت عمیس اور اپنی مادری خالہ میمونہ بنت الحارث اور اپنی سوتیلی بہن عمارہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب، ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ سے احادیث کی روایت کی ہے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا، مؤلف تہذیب التہذیب نے اس سلسلے میں حسب ذیل اصحاب کا نام لیا ہے۔

سعد بن ابراہیم، ابواسحاق شیبانی، معبد بن خالد، حکم بن عتیبہ، ذر بن عبداللہ، الرھبی، ربعی بن حراش، طاؤس، محمد بن کعب القرظی، ابوجعفر الفراء، محمد بن عبدالصمد بن ابی یعقوب نصیٰ وغیرہ (تہذیب التہذیب ۵/۲۵۱)

استیعاب میں ہے "ولد علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان من اھل العلم روی عن عمر و علی عن ابیہ شداد بن الہاد (استیعاب ۱/۳۸۶)" (عبداللہ بن شداد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے، اہل علم سے تھے، انہوں نے حضرت عمر، حضرت علیؑ اور اپنے والد شداد بن الہاد سے روایت کی ہے۔

عام حالات

عبداللہ بن شداد کے حالات میں اگرچہ تاریخ خاموش ہے، پھر بھی اس قدر یقینی ہے کہ ذات گرامی امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کو گہرا تعلق تھا اس بنا پر یہ ناممکن ہے کہ کم از کم اہم موقعوں پر آپ کے ہمراہ نہ رہے ہوں، لیکن تاریخ میں کسی مقام پر ان کا ذکر نہیں ملتا، صرف ابن المدنی نے نہرواں میں ان کی موجودگی کی نشاندہی کی ہے (تہذیب التہذیب ۵/۲۵۱) اس کی تائید حافظ ابن عساکر کے بیان سے بھی ہوتی ہے، انہوں نے ابن الکواء کے تذکرہ میں عبداللہ بن شداد کی زبانی، حضرت عائشہ سے ان کی طویل گفتگو نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ صفین کے وقت سے نہروان تک وہ برابر امیر المومنینؑ کے ہمراہ رکاب رہے ہیں اور آپ کی ہر نقل وحرکت کا مشاہدہ کیا ہے۔ ذیل میں یہ پوری گفتگو نقل کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن شداد کا بیان ہے: ایک مرتبہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا اس وقت وہ عراق سے واپس آئی تھیں، میں جب جا کر بیٹھا تو کہنے لگیں: اے عبداللہ! اگر تم سچ سچ بیان کرو تو کچھ باتیں تم سے دریافت کروں؟ ذرا ان لوگوں کی بابت کچھ بیان کرو، جن سے علیؑ نے قتال کیا ہے، میں نے کہا:

ام المومنین! کوئی وجہ نہیں کہ میں آپ سے سچی سچی بات بیان نہ کروں کہا: اچھا ان لوگوں کا پورا قصہ بیان کرو! ان کے اس استفسار پر میں نے اس طرح کہنا شروع کیا:۔

علیؑ نے جب معاویہ سے مکاتبت کی اور آخر میں حکمین پر رائے قرار پائی تو آٹھ آدمیوں نے ان پر خروج کیا جن میں سب کے سب قاریان قرآن تھے اور کوفہ کے قریب ایک مقام پر جس کو جروراء کہتے ہیں پڑاؤ ڈال دیا اور امیر المومنینؑ کی بیعت کا انکار کر دیا اور کہنے لگے: اے علی! تم نے اس قمیص کو اُتار پھینکا جو اللہ نے تم کو پہنائی تھی اور جس کے ذریعے سے اس نے تم کو بلند کیا تھا، پھر تم آزاد ہو گئے اور اللہ کے دین میں انسانوں کے حکم کو جائز قرار دے دیا، حالانکہ اللہ کے سوا کسی کے لئے حکم نہیں ہے، امیر المومنینؑ کو جب ان لوگوں کی برہمی کا حال معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ لوگوں میں یہ منادی کر دی جائے کہ امیر المومنینؑ کے پاس صرف وہی لوگ آئیں جو حافظان قرآن ہوں، اس اعلان پر تمام لوگ آ گئے جو سب کے سب حافظ قرآن تھے اور پورا گھر ان سے بھر گیا۔ جب یہ لوگ مجتمع ہو کر بیٹھے تو آپ نے ایک بڑا سا قرآن منگوایا اور اس کو اپنے سامنے رکھا اور آہستہ آہستہ یہ کہتے ہوئے اس کو اپنے ہاتھ پر اُٹھانا شروع کیا "اے قرآن! ان لوگوں سے کلام کر! اس پر چاروں طرف سے یہ آوازیں بلند ہوئیں اے امیر المومنینؑ! اس صامت سے آپ کیا دریافت کر رہے ہیں یہ تو صرف کاغذ اور روشنائی ہے، حالانکہ ہم وہ بات کہہ رہے ہیں جو ہم نے اس سے روایت کی ہے، آخر آپ کا کیا ارادہ ہے؟ امیر المومنینؑ نے فرمایا: تمہارے اصحاب ہی کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی کتاب ہے، سنو! اللہ اپنی کتاب میں مرد اور عورت کے بارے میں فرماتا ہے:

"وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلھا"

(اور اگر تم کو زن وشوہر کے درمیان کسی نا اتفاقی کا خوف ہو تو ایک ثالث مرد کے اہل سے اور ایک عورت کے اہل سے بھیجو)

پس امت محمدیہ اپنی حرمت کے اعتبار سے ایک مرد اور ایک عورت سے کہیں زیادہ ہے، تم لوگ مجھ سے اس بات پر برہم ہو کہ میں نے معاویہ سے مکاتبت کی، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صلح حدیبیہ کے دن کفار

قریش سے معاملہ کیا تھا جبکہ سہیل بن عمرو آیا ہے، پس آپ نے صلح کے بارے میں وہ سب کچھ لکھا جو آپ نے چاہا اور کفار نے چاہا، اور اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر۔

اس کے بعد امیر المومنینؑ نے عبداللہ بن عباس کو اہل حروراء کے پاس بھیجا، عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں بھی ان کے ساتھ چلا، جب ہم دونوں ان کے لشکر کے بیچ میں پہنچے تو عبداللہ ابن الکواء کھڑا ہو گیا اور اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے کہا: اے حاملان قرآن! یہ عبداللہ بن عباس ہیں، جو شخص ان کو نہیں جانتا میں اس کو کتاب اللہ کے ذریعے ان کا تعارف کراتا ہوں یہ وہ شخص ہیں جن کے بارے میں اور جن کی قوم کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے "بل هم قوم خصمون"۔ پس ان کو ان کے صاحب (علیؑ) کے پاس پلٹا دو، اور کتاب اللہ سے ان کے ساتھ معاملہ نہ کرو، ابن الکواء کی اس بات پر اس کے اصحاب کھڑے ہو گئے اور سب نے یک زبان ہو کر کہا: قسم بخدا! ہم ضرور ان کے سامنے اللہ کی کتاب رکھیں گے، پس اگر انہوں نے حق بات کہی اور ہماری سمجھ میں بھی آ گئی تو ہم اس کا اتباع کریں گے اور اگر باطل کہا تو ہم بھی باطل سے اس کی مزاحمت کریں گے اور ان کو ان کے صاحب کے پاس پلٹا دیں گے۔ چنانچہ تین دن تک ان لوگوں نے قرآن پر ان سے بات چیت کی، جس کے نتیجے میں ان کے چار ہزار آدمی ٹوٹ گئے اور امیر المومنینؑ سے رجوع کر لیا۔ یہ سب لوگ قاریان قرآن تھے۔ ابن الکواء ان کو ہمراہ لے کر امیر المومنینؑ کے پاس آیا۔ اب آپ نے بقیہ لوگوں کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور کہا: ایہا العباس! ہماری اور ان لوگوں کی جو بات چیت ہوئی اس کا نتیجہ تم نے بچشم خود دیکھ لیا، اب جہاں چاہو تم ٹھہرے رہنا یہاں تک کہ امت محمد یہ کا امر مجتمع ہو جائے، ہم اس وقت تک اپنے نیزوں کو تم سے بچائیں گے جب تک تمہاری طرف سے ابتداء نہ ہو، پس اگر تم نے کوئی زیادتی کی تو ہم بھی جنگ کریں گے، یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میری یہ گفتگو سن کر ام المومنین نے فرمایا: اے شداد کے بیٹے! تم نے تو قتل ہی کر دیا، میں نے کہا: قسم بخدا! علیؑ نے اس وقت تک اُن کی طرف لشکر نہیں بھیجا جب تک انہوں نے راستے نہیں کاٹے اور خونریزی نہیں کی، انہوں نے حباب کے بیٹے کو قتل کیا اور اہل ذمہ کا جان و مال حلال سمجھا، ام المومنین نے کہا: اللہ! میں نے کہا:

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے، فی الحقیقت ایسا ہی ہے، اس پر وہ کہنے لگیں: عراق والوں سے مجھ کو جو خبریں پہنچی ہیں، ان کی کیا حقیقت ہے اور ذوالثدیہ کا کیا واقعہ ہے؟ میں نے کہا: میں نے اس کو بچشم خود دیکھا ہے اور امیر المومنینؑ کے ہمراہ اس کی لاش پر جا کر کھڑا ہوا ہوں، آپ نے لوگوں کو بلا کر فرمایا تھا: تم میں سے کون شخص

اس کو پہچانتا ہے؟ جس پر بہت سے لوگوں نے یہ بیان کیا کہ ہم نے اس کو بنی فلاں کی مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، وغیرہ وغیرہ ام المومنین نے کہا: اچھا تو علیؑ جب اس کے قریب جا کر کھڑے ہوئے تو وہ کیا کہہ رہے تھے؟ میں نے کہا: میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا "صدق اللہ و رسولہ" اللہ اور اس کا رسول سچا ہے، میری اس بات پر متعجب ہو کر بولیں: کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی تم نے ان کو کہتے ہوئے سنا ہے؟ میں نے کہا: بخدا! کچھ نہیں، فرمایا: بے شک اللہ اور اس کا رسولؐ سچا ہے، اللہ علیؑ پر رحم فرمائے، ان کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی عجیب بات دیکھتے تو کہتے تھے "صدق اللہ و رسولہ"۔ (ابن عساکر ۷/۳۰۱۔۳۰۲)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ، اہل حروراء کے خلاف علیؑ کے اقدام پر متذبذب سی تھیں اور اس لئے آپ حالات کو دریافت کر کے حقیقت کو سمجھنا چاہتی تھیں۔ نیز آخر میں انہوں نے ذوالثدیہ کے بارے میں جو تحقیق کے ساتھ پوچھا اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ آں حضرتؐ کی زبان مبارک سے آپ یہ پیشن گوئی سن چکی تھیں۔ جیسا کہ نسائی کی حسب ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

عاصم بن کلیب، اپنے باپ سے ناقل ہیں کہ میں جناب امیرؑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص سفر کے کپڑے پہنے ہوئے آیا، امیر المومنینؑ اس وقت لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ اس نے عرض کی: مجھ کو کچھ پوچھنے کی اجازت عطا فرمائی جائے، امیر المومنینؑ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، وہ شخص ایک آدمی کے پاس بیٹھ گیا، اس سے اس نے پوچھا، کیا بات ہے؟ کہنے لگا: میں ایک مرتبہ بحالت عمرہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت انہوں نے مجھ سے دریافت کیا: جس قوم نے تمہارے ملک میں خروج کیا ہے اس کو حروریہ کیوں کہتے ہیں، میں نے کہا: چونکہ حروراء سے خروج کیا ہے اس لئے حروریہ کہے جاتے ہیں، حضرت عائشہ نے فرمایا: مبارک ہے وہ شخص جو تم میں سے ان کے قتل کرنے میں شریک ہو، اگر ابن ابی طالبؑ کا منشا ہوتو میں تم کو ان کے حال سے خبردار کروں، لہٰذا اس وقت میں اس لئے آیا ہوں کہ امیر المومنینؑ سے اس کے متعلق دریافت کروں راوی کا بیان ہے کہ امیر المومنینؑ جب لوگوں سے باتیں کر چکے تو اس شخص کی طرف مخاطب ہوئے، اس نے وہی قصہ جو ہم سے بیان کیا تھا آپ سے بھی بیان کیا اس پر امیر المومنینؑ نے فرمایا: میں ایک مرتبہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت، آنحضرتؐ کے پاس بجز حضرت عائشہ کے اور کوئی موجود نہ تھا، آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا: اے علی! تم اس وقت کیا کرو گے جب قوم کا حال ایسا اور ایسا ہوگا، میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسولؐ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، اس کے بعد آپ نے ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا: مشرق کی طرف سے ایک گروہ خروج کرے گا اس جماعت کے لوگ قرآن پڑھتے ہوں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا، وہ دین سے اس طرح بھاگیں گے جس طرح تیر کمان سے بھاگتا ہے، اس میں ایک ناقص الخلقت آدمی ہوگا

جس کا ایک ہاتھ پستان کی طرح ہوگا۔

عبداللہ بن شداد کی وصیت اپنے بیٹے کو

عبداللہ بن شداد کے علمی کارناموں میں ان کی ایک طویل وصیت ہے جو انہوں نے مرتے وقت اپنے بیٹے محمد کو کی ہے۔ اس وصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اشعار عرب اور اقوال حکماء پر پوری پوری بصیرت تھی۔ ذیل میں اس کو پورا نقل کرتا ہوں۔

یابنی، انی أری داعی الموت لایقلع
وأری من مضی لایرجع، ومن بقی
فالیه ینزع، اونی موصیك
بوصیة فاحفظها، علیك بتقوی
الله العظیم، ولیکن اولی الامور
بك شکر الله، وحسن النیة فی
السر والعلانیة، فان الشکور
یزداد، والتقوی خیر زاد، وکن کما قال الحطیئة:
ولست أری السعادة جمع مال
ولکن التقی هو السعید
وتقوی الله خیر الزاد ذخراً
عند الله للاتقی مزید
وما لابد ان یأتی قریب
ولکن الذی یمضی بعید
ثم قال: أی بنی الا یزهدن فی
معروف، فان الدهر ذوحروف،
والایام ذات نوائب، علی الشاهد
والغائب، فکم من راغب أصبح مطلوباً
مالدیه، واعلم ان الممان دوائوان

ومن یصحب الزمان یر الهوان

و کن أی بنی کما قال ابو الاسود الدولی

وعد من الرحمن فضلاً ونعمة

علیك اذا ما جاء للعرف طالب

وان امرء لا یرتجی الخیر عنده

یکن هینا ثقلاً علی من لصاحب

فلا تمنعن ذا حاجة جاء طالباً

فانك لا تدری متی انت راغب

رأیت التوا هذا الزمان بأهله

وبینهم فیه تکون التوائب

ثم قال: أی بنی، کن جواداً

بالمال فی موضع الحق، بخیلاً بالاسرار

عن جمیع الخلق، فان احمد جود المرء

الانفاق فی وجه البر وان احمد

بخل الحر الضن بمکتوم السر، و کن

کما قال قیس بن الخطیم الانصاری:

أجود بمکنون التلاد وانی

بسرك عمن سالنی لضنین

اذا جاوز الاثنین سر فانه

بنث وتکثیر الحدیث قمین

وعندی له یوماً اذا ما ائتمنتنی

مکان بسوداء الفواد مکین

ثم قال: أی بنی، وان غلبت

یوماً علی المال، فلا تدع الحیلة علی حال،

فان الکریم یحتال والدنی عیال

وکن احسن ماتکون فی الظاھر حالاً

اقل ماتکون فی الباطن مالاً

فان الکریم من کرمت طبیعته

وظهرت عند الانفاد نعمته

وکن کما قال ابن خذاق العبدی:

وجدت ابی قد اورثه ابوه

خلالاً قد تعد من المعالی

فأکرم ماتکون علی نفسی

اذا ماقل فی الأزمات مالی

فتحسن سیرتی وأصون عرضی

ویجمل عند اهل الرأی حالی

وان نلت الغنا لم أغل فیه

ولم احصص بجفوتی الموالی

ثم قال: أی بنی، وان سمعت

کلمة من حاسد فکن کأنك لست

بالشاهد فانك ان أمضیتها حیالها،

رجع العیب علی من قالها،

وکان یقال: الاریب العاقب هو الفطن

المتغافل وکن کما قال حاتم الطائی:

وما من شیمتی شتم ابن عمی

وما أنا مخلف من یر تجینی

وکلمة حاسد فی غیر جرم

سمعت فقلت مری فانفذینی

فعابوها علی ولم تسؤنی
ولم یعرق لها یوماً جبینی
وذواللونین یلقانی طلیقاً
ولیس اذا یغیب یأتلینی
سمعت بعیبه فصفحت عنه
محافظة علی حسبی ودینی ثم قال:
أی بنی، لاتواخ امرء حتی تعاشره
وتتفقه موارده ومصادره
فاذا استطعت العشرة ورضیت الخبرة
فواخه علی اقالة العثرة والمواساة فی العسرة
وکن کما قال المقنع الکندی
أبل الرجال اذا ردت اخاءهم
وتوسمن فعالهم وتفقد
فاذا ظفرت بذی اللبابة والتقی
فبه الیدین (قریر عین) فاشدد
واذا رأیت (ولامحالة) زلة
فعلی أخیك بفضل حلمك فاردد
ثم قال: أی بنی اذا احببت فلا تفرط،
واذا بغضت فلا تشطط فانه قد کان
یقال: احبب حبیبك هوناما،
عسی ان یکون بغیضك یوماً ما،
وابغض بغیضك هوناً ما،
عسی أن یکون حبیبك یوماً ما،
وکن کما قال هدبة ابن الخشرم العذاری

و کن معقلاً للعلم واصفح عن الخنا

فانك راء ما حييت وسامع

وأحبب اذا احببت حباً مقارباً

فانك لاتدری متی انت نازع

وابغض اذا أبغضت بغضاً مقارباً

وانك لاتدری متی انت راجع وعليك بصحبة الاخيار و صدق الحديث، واياك و صحبة الاشرار، فانه عار، و کن کما قال الشاعر:

اصحب الاخيار وارغب فيهم

رب من صاحبة مثل الجرب

ودع الناس فلا تشتمهم

واذا شأتمت فاشتم ذا حسب

ان من شاتم وغدا کالذی

يشتری الصفر باعيان الذهب

واصدق الناس اذا حدثتهم

ودع الناس فمن شاء کذب (الامالی للقالی ۲:۲۰۲، البیان والبستین ۲:۵۷ و ۱۳۸)

اے میرے بیٹے! میں دیکھتا ہوں کہ موت کے بلانے والے کو پچھاڑا نہیں جاسکتا اور جو شخص گزر گیا وہ واپس نہیں آتا اور جو باقی ہے وہ اسی کا مشتاق ہے۔ میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں، اس کو یاد کرلو! اللہ بزرگ و برتر سے ڈرتے رہو، نیز یہ کہ تمہارے امور میں سب سے بہتر اللہ کی شکر گزاری ہے اور ظاہر و پوشیدہ ہر حال میں حسنِ نیت ہے، اس لئے کہ شکر کرنے والا بڑھتا ہے اور تقویٰ بہترین زاد ہے، اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ حطیہ نے کہا ہے:

میں مال کے جمع کرنے کو نیک بختی نہیں سمجھتا، نیک بخت وہ ہے، جو اللہ سے ڈرتا ہو اور ذخیرہ کرنے کے لئے بہترین توشہ تقویٰ ہے اور اللہ کے نزدیک متقی ہی کے لئے زیادتی نعمت ہے۔ جو چیز آئندہ، پیش آنے والی ہے اس کو قریب سمجھو اور جو گزر گئی وہ دور ہے۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! نیکی اور بھلائی کے نقطہ سے کبھی مت ہٹو، اس لئے کہ دنیا ایک حال پر قائم رہنے والی نہیں اور زمانہ ہر حاضر و غائب پر نئے نئے حادثات لاتا ہے، پس کتنے ایسے ہیں جنہوں نے مزید کی خواہش کی

اور نتیجہ میں اپنے پاس کا بھی ان سے طلب کر لیا گیا اور جان لو کہ زمانہ نیرنگیوں کا ایک تماشا ہے، جو اس سے دل لگائے گا، ذلت اُٹھائے گا اے میرے بیٹے! ایسے ہو جاؤ جیسا کہ ابوالاسود دوئلی نے کہا:

جب تمہارے پاس کوئی بھلائی کا طلب کرنے والا آئے تو اس کو اپنے اوپر اللہ کا فضل و انعام سمجھو۔ یقیناً وہ شخص جس کے پاس کسی بھلائی کی اُمید نہ کی جا سکے، وہ اپنے مصاحبین پر گراں اور حقیر ثابت ہوتا ہے۔ پس کسی ضرورتمند کو جو تم سے کچھ طلب کرے منع نہ کرو، اس لئے کہ تم نہیں سمجھ سکتے کہ کس وقت تم بھی اسی حالت میں ہو جاؤ۔ میں نے اہل زمانہ کے ساتھ زمانہ کی کجی کو دیکھا ہے اس کے پاس اپنے اہل کے لئے مصائب ہی مصائب ہیں۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! حق کے موقع پر مال کے ساتھ سخی بن جاؤ! اور بھیدوں کے معاملے میں تمام دنیا کے ساتھ بخیل ہو جاؤ، اس لئے کہ انسان کی سخاوت میں سب سے زیادہ قابل تعریف وہ سخاوت ہے، جو نیکی کے راستے میں کی جائے اور بخل میں قابل تعریف بھید کے چھپانے میں بخل کرنا ہے اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ قیس بن خطیم انصاری نے کہا ہے:

میں چھپی ہوئی دولت بے تامل بخش دیتا ہوں، لیکن اگر کوئی شخص مجھ سے تیرا بھید معلوم کرنا چاہے تو اس معاملہ میں بخیل ہوں۔ جب کوئی بھید دو سے تین تک تجاوز کر گیا تو اس کو فاش سمجھو اور پھر جگہ جگہ وہ چرچے کے قابل ہے۔ جب تو نے مجھے اپنے بھید کا امانت دار بنا دیا تو اس کے لئے میرے پاس دل کی گہرائیوں میں جگہ ہے۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے: اگر تم کبھی مال پر غلبہ بھی حاصل کر لو تو حیلہ کو کسی حال میں نہ چھوڑو، اس لئے کہ کریم حیلہ کرتا ہے اور کمینہ دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے اور حال کے لحاظ سے ظاہر میں اپنے کو بہتر سے بہتر بناؤ اور مال کے لحاظ سے باطن میں کمتر سے کمتر بناؤ اس لئے کہ کریم وہ ہے، جس کی طبیعت کریم ہو اور اس کی نعمت فقر و احتیاج کے وقت ظاہر ہو اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ ابن خذاق عبدی نے کہا:

میں نے اپنے باپ کو دیکھا کہ ان کو اُن کے باپ نے اونچے خصائل کا وارث بنایا، میں اپنے نفس کے تقاضہ کے خلاف اس وقت اکرام کرتا ہوں، جب شدت اور قحط کی حالت میں میرا مال کم ہو جاتا ہے، اس کے نتیجے میں میری سیرت بہتر ہو جاتی ہے اور اپنی آبرو کی میں حفاظت کرتا ہوں اور اہل الرائے کے نزدیک میرا حال اچھا ہوتا ہے اور جب میں مال دار ہو جاتا ہوں تو اس میں غلو نہیں کرتا اور اپنے وابستگان کو اپنی جود سے مخصوص نہیں کرتا۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! اگر تم کسی حاسد سے اپنے بارے میں کوئی کلام سنو تو ایسے ہو جاؤ جیسے تم موجود ہی نہیں تھے، اس لئے کہ اگر تم اس سے اغماض کرو گے تو نتیجہ میں عیب، عیب جو کی طرف پلٹ آئے گا، عقلا نے کہا ہے: عاقل و زیرک، وہ ذی ہوش اور متغافل ہے، اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ حاتم طائی نے کہا ہے:

اپنے ابن عم کو برا بھلا کہنا میری سیرت نہیں ہے اور جو شخص مجھ سے کچھ اُمید کرتا ہے، میں اس کو مایوس نہیں کرتا اور بغیر جزم کے حاسد کے برے کلمات سن کر میں ٹال دیتا ہوں، لوگ مجھ کو حاسدوں کی باتوں سے متہم کرتے ہیں، لیکن مجھ کو اس کی مطلق ناگواری نہیں ہوتی اور میری پیشانی پر پسینہ تک نہیں آتا۔ دوغلا آدمی جب مجھ سے ملتا ہے تو بڑی چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے اور جب میرے پاس سے اُٹھ کر چلا جاتا ہے تو میری عیب جوئی میں کوئی کسر اُٹھا کر نہیں رکھتا۔ میں اس کی نکتہ چینیوں کو سنتا ہوں لیکن اپنی شرافت اور دین کا خیال کرتے ہوئے، درگزر کرتا ہوں۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! کسی شخص سے اس وقت تک بھائی چارہ نہ کرو جب تک معاشرت میں اس کو آزمانہ لو اور اس کے تمام حرکات و سکنات پر مطلع نہ ہو جاؤ، پس اگر تم اس سے مل کر رہ سکتے ہو اور اس کے اختیار پر تم راضی ہو تو اس کی کوتاہیوں اور لغزشوں کو نظر میں رکھتے ہوئے اور تنگی میں مواسۃ کا پیمان باندھتے ہوئے، اس سے بھائی چارہ کرو اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ مقنع کندی نے کہا ہے:

لوگوں سے جب تمہارے بھائی چارہ کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اُن کو آزماؤ اور ان کے خصائل و اعمال کی کھوج کرو، پس اگر کوئی دانا اور صاحب تقویٰ تم کو مل جائے تو اس سے (اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک) اپنے دونوں ہاتھوں کو مضبوط کر لو! اور جب اس کی کسی لغزش کو دیکھو اور اس سے چارہ کار نہیں ہے تو اس کو نظر انداز کر دو، کیونکہ تمہارے بھائی پر تمہارا فضلِ حلم واجب ہے۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! جب تم کسی سے محبت کرو تو اس میں افراط نہ کرو اور جب دشمنی کرو و حد سے نہ بڑھ جاؤ، اس لئے کہ حکما کا قول ہے: اپنے دوست سے دوستی پہ حد مناسب رکھو، ممکن ہے کسی دن وہ دشمن ہو جائے، اسی طرح دشمن سے دشمنی میں بھی حد اعتدال ملحوظ رکھو، ممکن ہے کسی روز وہ دوست ہو جائے اور ایسے بنو جیسا کہ مصدیۃ بن الخشرم العذری نے کہا ہے:

حلم کی پناہ بن اور بے ہودگیوں سے درگزر کر اس لئے کہ جب تک تو زندہ رہے دیکھے گا اور سنے گا بھی۔

اور جب کسی سے دوستی کرو تو مناسب حدود میں کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ کس وقت اس سے جھگڑ بیٹھو، اسی طرح جب کسی سے دشمنی کرو تب بھی مناسب حد میں کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کس وقت تم اس سے پلٹ جاؤ۔

تمہارے لئے نیکوں کی صحبت اور سچ بولنا ضروری ہے اور بدوں کی صحبت سے ہمیشہ پرہیز رکھو کیونکہ یہ ایک ننگ ہے۔ اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

نیکوں کی صحبت میں بیٹھو اور ان ہی سے رغبت رکھو، کیونکہ بہت سے وہ لوگ جن کی تم مصاحبت کرتے ہو اخلاق رذیلہ کا مجسمہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

اوران کو برا بھلا نہ کہواور اگر برا بھلا کہنے کا موقع بھی پیش آجائے تو شریف کو کہو، کیونکہ جس شخص نے کمینہ کو منہ لگایا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو سونا دے کر پیتل خریدتا ہے اور جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو اور جھوٹوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

وفات

عبداللہ بن شداد کی وفات کے بارے میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں، واقدی نے لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کے ہمراہ جن لوگوں نے حجاج کے خلاف خروج کیا ان میں عبداللہ بن شداد بھی تھے اور دجیل کے دن قتل ہوئے۔ یہی قول ابن نمیر کا ہے۔ یحییٰ بن بکیر کا قول ہے کہ قتل نہیں ہوئے بلکہ دجیل کی رات میں ۸۲ھ میں کہیں غائب ہوگئے۔ ثوری نے کہا:

ابن شداد اور ابن ابی لیلیٰ جماجم کے مقام پر سے غائب ہوگئے، یہی قول عجلی کا ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ ان دونوں نے اپنے گھوڑے پانی میں ڈال دیئے تھے اور وہیں سے غائب ہوگئے، ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ دجیل میں غرق ہوگئے (تہذیب التہذیب ۵/۲۵۱، طبقات ابن سعد ۶/۸۶)

عبیدۃ السلمانی المراوی

عبیدۃ السلمانی (سلمان قبیلہ مراد کی ایک شاخ ہے (اسد الغابہ ۳:۵۳۶) کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ابو مسلم ہے، کوفہ کے رہنے والے تھے، ان کی اصلی نام اختلاف روایات کی بنا پر حسب ذیل تین طریقہ پر آتا ہے۔

عبادہ بن قیس، عبیدہ بن عمرو، عبیدہ بن قیس، ابن عمرو (تاریخ خطیب بغدادی ۱۱:۱۱۷)

اس اختلاف کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے والد کے دو نام تھے یا یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں تھیں اور نسبت میں غلطی ہوگئی ہے بلکہ اس اختلاف کا منشیٰ یہ ہے کہ علمائے انساب کو اس میں دھوکا ہوا ہے کہ عمرو اور قیس میں ان کے باپ کون تھے اور دادا کون تھے اور چونکہ دادا بھی باپ ہی ہوتا ہے اس لئے کہیں عبادہ بن قیس کہا گیا، کہیں عبادہ بن عمرو: رہا عبیدہ اور عبادہ کا اختلاف اس کی مثالیں کتب رجال میں بکثرت ملتی ہیں اور ایسا اختلاف قرأت کی بنا پر ہے اس سے

شخصیت کے تعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اسلام

تمام مورخین اور علمائے رجال کا اس پر اتفاق ہے کہ عبیدۃ اسلمانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات سے دو سال قبل اسلام لے آئے تھے چنانچہ ان کا حسب ذیل قول محمد بن سیرین کی روایت سے تمام کتابوں میں ملتا ہے۔ ''اسلمت قبل وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ بسنتین وصلیت ولم القہ'' یعنی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات سے دو سال قبل اسلام لایا اور نماز پڑھی لیکن آپ سے ملاقات نہیں کر سکا (ایضاً طبقات ابن سعد ۶ و ۶۲ تہذیب التہذیب ۷: ۸۴)

علم وفضل

عبیدہ سلمانی کا شمار ان اصحاب میں ہے جو اپنے علم وفضل کی بنا پر اکثر صحابہ رسولؐ پر فوقیت رکھتے تھے، انہوں نے حضرت عمر، حضرت علیؑ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن زبیر سے احادیث کی روایت کی لیکن خصوصیت سے ان کا شمار حضرت علیؑ اور عبداللہ بن مسعود کے اصحاب میں کیا جاتا ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حسب ذیل اکابر کے نام ملتے ہیں:

''عبداللہ بن سلمہ مرادی، ابراہیم نخعی، ابواسحٰق سبیعی محمد بن سیرین، ابوحسان الاعرج، ابوالبختری الطائی عامر الشعبی، نعمان بن قلیس، سعید بن ابی ھند (تاریخ خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷ وتہذیب التہذیب ۷: ۸۴)

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ محمد بن سیرین سب سے زیادہ عبیدہ سے روایت کرنے والوں میں تھے، انہوں نے جتنی احادیث ان سے روایت کی ہیں وہ گویا ان کی رائے کے مقامات کو چھوڑ کر سب کی سب علی ابن ابی طالبؑ سے ہیں اسی طرح ابراہیم نخعی نے جتنی احادیث ان سے روایت کی ہیں وہ بجز ایک حدیث کے سب کی سب عبداللہ بن مسعود سے ہیں (خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷)

محمد بن سیرین کا ان کے بارے میں مشہور قول ہے ''ما رأیت اشد توقیا من عبیدۃ'' میں نے عبیدہ سے زیادہ کسی کو اتنا زیادہ محتاط نہیں پایا (ایضاً وتہذیب التہذیب ۷: ۸۴)

اُن کے تبحر علم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قاضی شریح کو جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو کہا کرتے تھے بنی سلمان میں ایک شخص ہے جو اس کو حل کرسکتا ہے اور عبیدہ کے پاس لوگوں کو بھیج دیتے تھے (خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷)

شعبی کا ان کے بارے میں قول ہے:

کان شریح اعلمھم بالقضاء وکان
عبیدۃ یوازی شریحا فی القضاء (ایضاً)

شریح علم قضا کے سب سے بڑے جاننے والے تھے لیکن عبیدہ اس میں ان کی برابر تھے۔

یہی قول سفیان کا ہے کہ عبیدہ علم و فضل میں شریح کے دوش بدوش تھے (خطیب بغدادی ۱۱/۱۱۷)

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں:

ادرکت الکوفة وبها اربعه ممن یعد بالفقه فمن بداء بالحارث ثنی بعبیدة ومن بدأ بعبیدة ثنی بالحارث ثمه علقمة الثالث وشریح الرابع (ایضاً)

میں نے کوفہ میں ایسے چار شخصوں کو پایا ہے جن کو فقہاء میں شمار کیا جاتا ہے، پس جس نے پہلا نمبر حارث کو دیا تو دوسرا نمبر عبیدہ کا ہے اور جس نے عبیدہ کو پہلا نمبر دیا تو دوسرا نمبر حارث کا ہے، پھر تیسرا نمبر علقمہ اور چوتھے درجہ پر شریح ہیں۔

دوسری جگہ محمد بن سیرین کا یہ قول ان الفاظ کے ساتھ ملتا ہے:

کان اصحاب عبداللہ بن مسعود خمسة فمنھم من یقدم عبیدہ ومنھم من یقدم علقمة ولا یختلفون ان شریحا اخرھم۔

عبداللہ بن مسعود کے اصحاب پانچ تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو عبیدہ کو مقدم کرتے تھے اور کچھ علقمہ کو اور اس میں سے کسی کو اختلاف نہ تھا کہ شریح کا درجہ سب سے آخر میں ہے۔

اس پر حماد (قول مذکور کے راوی) سے پوچھا گیا کہ وہ کون پانچ اصحاب ہیں تو انہوں نے کہا:

عبیدہ، علقمہ، مسروق، ہمدانی، شریح (طبقات ابن سعد ۶/ ۶۲)

عبیدہ کی علمی جلالت اور عظمت کا اندازہ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کے حسب ذیل قول سے اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

یا اھل الکوفة اتعجزون ان تکونوا مثل السلمانی والھمدانی (یعنی الحارث ابن الازع ولیس بالاعور) انما ھما شطرا رجل"

اے اہل کوفہ! کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ سلمانی اور ہمدانی کی مثل بن جاؤ (ہمدانی سے آپ کی مراد حارث بن الازع ہے نہ کہ حارث اعور) بے شک وہ دونوں ایک مرد کے دو حصے ہیں (ایضا)

حماد کا بیان ہے کہ عبیدہ اعور تھے (ایضا)

مؤلف تہذیب التہذیب ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

علی بن المدینی نے عبیدہ کا شمار، ابن مسعود کے اصحاب میں فقہاء میں کیا ہے، اسحٰق بن منصور، ابن معین کی زبانی ناقل ہیں کہ عبیدہ ثقہ ہیں، ان کے امثال کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جاسکتا، عثمان دارمی کا قول ہے کہ میں نے

ابن معین سے ایک مرتبہ کہا علقمہ آپ کو زیادہ محبوب ہیں یا عبیدہ تو انہوں نے کسی کو ایک دوسرے پر اختیار نہیں کیا (تہذیب التہذیب ۷/۸۵)

عام حالات

عبیدہ سلمانی کے حالات زندگی سے تاریخ اسلام کا ایک طویل دور بالکل خاموش ہے حد یہ ہے کہ جمل وصفین جیسے اہم مواقع پر بھی ان کا نام کسی جگہ نہیں ملتا، خطیب بغدادی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ مدائن میں حضرت علیؑ کے ہمراہ آپ آئے تھے، اس کے بعد جنگ نہروان کے موقع پر ضرور امیر المومنینؑ کے ہمراہ ملتے ہیں۔ اس موقع پر ان کا بیان ہے کہ جب ہم اصحاب نہر سے فارغ ہوئے تو علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں میں تلاش کرو اس لئے کہ اگر یہ وہی گروہ ہے جس کے لئے رسولؐ اللہ نے پیشن گوئی کی ہے ان میں ایک مخدج الیہ شخص ضرور ہوگا۔ عبیدہ کہتے ہیں کہ ہم نے تلاش کیا اور اس شخص کو پالیا پھر ہم نے امیر المومنینؑ کو اس کے پاس بلایا، آپ تشریف لائے اور اس کے پاس آکر کھڑے ہوگئے، اس وقت آپ نے تین مرتبہ اللہ اکبر، اللہ اکبر فرمایا اور کہا اگر تم مغرور نہ ہوجاؤ تو میں بیان کروں کہ اللہ نے ان لوگوں کے قتل کے بارے میں اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ کی زبان پر کیا الفاظ جاری کئے ہیں، عبیدہ کہتے ہیں کہ اس پر میں نے ان سے عرض کی: کیا آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے ایسا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! قسم کعبہ کے پروردگار کی، قسم کعبہ کے پروردگار کی، قسم کعبہ کے پروردگار کی (تاریخ خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷)

زہد وتقویٰ

عبیدہ سلمانی کو امیر المومنینؑ کے زہد سے بھی حصہ وافر ملا تھا محرمات کا تو ذکر ہی کیا ہے مشتبہات سے بھی وہ اسی طرح پرہیز کرتے تھے جس طرح محرمات سے، چنانچہ نبیذ اسلام میں اگر حرام نہیں ہے تو مکروہ یقینی ہے لیکن عرب چونکہ شراب کے عادی تھے اس لئے اسلام آنے کے بعد بھی یہ عادت ان سے نہ چھوٹی لیکن اب اس کو نبیذ کی شکل دے دی گئی تھی چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے محتاط اصحاب نبیذ کا استعمال کرتے تھے، لیکن عبیدہ اور ان کے امثال نے کبھی اس سے اپنا کام ودہن آلودہ نہیں کیا، محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبیدہ سے نبیذ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: لوگوں نے بہت سی پینے کی چیزیں ایجاد کرلی ہیں میری شراب بیس سال سے بجز پانی اور دودھ اور شہد چوتھی چیز نہیں (طبقات ابن سعد ۶: ۶۲)

ایک مرتبہ کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور مشروبات (پینے کی چیزیں) کے بارے میں اختلاف کرنے لگے جب ان سے رجوع کیا گیا تو جواب دیا: میری شراب تیس برس سے سوائے شہد، دودھ اور پانی کے اور کچھ نہیں ہے (ایضاً)

محبت رسولؐ

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبیدہ سے کہا: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال ہے جو انس (بن مالک) کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا: اگر میرے پاس آپ کا ایک بال ہوتا تو یقیناً سطح زمین پر زرد اور سفید جو کچھ بھی ہے اس سب سے زیادہ محبوب ہوتا (ایضاً)

عقیدۂ رجعت

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبیدہ رجعت کے بھی قائل تھے، چنانچہ نعمان بن قیس راوی ہیں کہ مجھ سے میرے باپ بیان کرتے تھے کہ میں نے عبیدہ سے کہا: مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت سے قبل تم رجعت کرو گے اور تمہارے ہاتھوں میں علم ہوگا اور اس وقت ایسی فتح تم کو حاصل ہوگی جو نہ تمہارے قبل کسی کو حاصل ہوئی نہ تمہارے بعد ہوگی۔ اس پر عبیدہ نے جواب دیا: بے شک اللہ مجھ کو قیامت سے پہلے دو مرتبہ زندہ کرے اور دو مرتبہ مارے تو اس میں سوائے میری بھلائی کے اور کچھ نہ ہوگا (ایضاً)

وفات

عبیدہ کی وفات حسب تصریح ابن سعد ۷۲ھ میں ہوئی (ایضاً)

یہی قول ابن نمیر اور دیگر اصحاب کا ہے (تہذیب التہذیب ۷: ۸۴) قعنب نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی وفات ۷۲ھ یا ۷۳ھ میں ہوئی۔ ترمذی نے ۷۳ھ کے قائل ہیں، ابوبکر بن شیبہ کا قول ہے کہ عبیدہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا، مؤلف تہذیب التہذیب نے اس آخری قول کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ ابن حبان نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب ۷: ۸۴)

وفات کے وقت انہوں نے اپنی تمام کتابوں کو منگوایا اور ان کے تمام نقوش کو مٹا دیا اور کہا: مجھے یہ ڈر ہے کہ میرے بعد وہ کسی ایسے شخص تک پہنچ جائیں جو ان کو نہ سمجھ سکے اور ان کا جو مقام ہے اس کے خلاف ان کو رکھ دے (طبقات ابن سعد ۶/ ۶۲)

اس کے بعد وصیت کی کہ میری نماز جنازہ اسود بن یزید پڑھائیں چنانچہ متوفی کی حسب وصیت اسود ہی نے نماز پڑھائی اس کے بعد روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ اسود جب نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو کہا جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ کذاب یعنی مختار آجائے۔ چنانچہ غروب آفتاب سے قبل ہی نماز پڑھ لی گئی (طبقات ابن سعد ۶: ۶۲)

روایت کے اس آخری ٹکڑے کے بارے میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مختار کا قتل بالاتفاق ۶۷ھ میں ہوا ہے ملاحظہ ہو تاریخ طبری (۷/ ۱۶۱) وکامل (۴/ ۱۱۷) والبدایۃ والنہایہ (۸/ ۲۸۷) اور عبیدہ کی وفات بہ اختلاف

اقوال ۶۷ھ و ۶۷ھ کے درمیان دائر ہے اس بنا پر اگر ۶۷ھ میں بھی ان کی وفات تسلیم کر لی جائے تب بھی اس وقت مختار کے قتل کو آٹھ برس گزر چکے تھے اس لئے یہ کہنا کہ "جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ کذاب آجائے" کہاں تک قرین قیاس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ روایت کے بنانے والے کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ مختار ۶۵ھ ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اب آٹھ سال کے بعد وہ کہاں سے آسکتے ہیں یقیناً روایت میں یہ اضافہ مختار کے مخالفین کا ہے اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مورخین نے ان کے بارے میں کیا کیا جھوٹی روایتیں نہ تراشی ہوں گی۔

بنام نور کائنات!

غلامی

دین اسلام نے دامن انسانیت سے غلامی کے بدنما داغ کو جس جدوجہد سے دور کیا ہے اس کی مثال تاریخ بشریت کے کسی دستور میں نہیں ہے۔ وہ فرزند آدمؑ ہونے کے باوجود انسانی معاشرے میں جگہ پانے کا حق دار نہ تھا۔ دستر خوان پر اُس کے آنے کا حکم نہیں تھا، شادی بیاہ میں رشتۂ تزویج سے وہ محروم، مجلس مشاورت میں اس کو رائے دہی کا کوئی حق نہیں، قوم کی امارت اور راہ نمائی کے لائق نہیں، اسے پہلو میں جگہ نہ دو، زرخرید ہونے کی وجہ سے وہ دوسری خرید کردہ اشیاء کی طرح ملکیت میں ہے۔

طاقت ور طبقہ کمزور پر حکومت کر کے اس کی آزادی سلب کر لیتے ہیں۔ ہمیشہ سے دست ظلم دراز ہوتا ہے اور طاقتور کے سامنے ضعیف غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا۔ تجارت کا گو وسیع میدان تھا، مثلاً زمرد کی کان، عقیق کا مودن، جواہر کی چمک، خرید فروخت کرنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ نباتات میں پھول اور میوے اپنی خوشبو سے دعوت دیتے تھے کہ راشجار سے ثمر، اللہ نے توڑنے کے لئے ہی خلق کیا ہے سواری کے استعمال میں لانے والے چوپائے، قاتر، گھوڑا، شتر، ہاتھی، ادنیٰ سے لے کر بڑی قیمت پر فروخت کئے جاسکتے ہیں۔

مگر افسوس کہ ظالم و جابر انسان نے سیکڑوں چیزوں کو برطرف کر کے بردہ فروشی اختیار کی اور ایک ایسا بھی وقت تھا کہ لونڈی اور غلاموں کے بازار سجائے جاتے تھے، سلاطین کی توجہ نہ تھی کہ یہ کاروبار ممنوع قرار دیا جائے۔

تاریخ بشیرت میں اسلام نے حریت نوازی سے اس ننگ انسانیت روزگار کو ممنوع قرار دیا، لہٰذا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ!

کسی بندۂ خدا نے خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہو کر عرض خدمت کیا کہ!

میں نے اپنے فرزند کو کتابت سکھا دی ہے اور کہا تعلیم دوں، ارشاد ہوا کہ پانچ کاموں کے علاوہ جو چاہو تعلیم دو۔ نمبر ا کفن فروخت کرنا، نمبر ۲ زرگری، نمبر ۳ قصاب کا پیشہ، نمبر ۴ گندم فروخت کرنا اور نمبر ۵ بردہ فروشی کرنا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ!

کفن فروش چاہتا ہے کہ مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو حالانکہ مجھے ایک پیدا شدہ بچہ اپنی اُمت کا ساری دنیا سے عزیز ہے۔

جہاں تک زرگری کا تعلق ہے تو زرگر بھی اپنے کاروبار میں لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

قصائی کا دل رحم سے خالی ہوتا ہے۔

اور گندم فروش غلہ کو ذخیرہ کرتا ہے اور روک کر رکھتا ہے جو چوری سے زیادہ بری عادت ہے۔

اور بدترین اُمت وہ ہے جو انسانوں کی خرید و فروخت کرتا ہے۔

(جلد نمبر ا، خصال، ابن بابویہ)

اسلام کے اس قانون کا مقصد یہ واضح ہوا کہ جب سے سرکار دو عالم کا فرمان صادر ہوا کہ بردہ فروشی ناروا اور لونڈی و غلام فروخت کرنے والا بدترین مردم قرار پایا۔

لیکن جو کنیزیں اور غلام امراء کے گھروں میں موجود ہیں ان کی آزادی کا کیا عنوان ہے اس معاملے کو الفاظ بدل بدل کر تعلیم دیا کہ مثلاً ماہ مبارک رمضان میں وقت افطار فقیر کو روٹی عطا کرنا، اولاد حضرت اسماعیلؑ کے غلام کو آزاد کرنے کے مساوی ہے کہ اس نوع کی احادیث مبارکہ سے غلام آزاد کرنے کے رجحانات پیدا ہوں اور اُس کے بعد صراحت کے ساتھ شرع کی خلاف ورزی میں کفار کی بحث اور دیت کے موقع پر غلام آزاد کرنا، قانون شرح قرار دیا۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ بدسرشت انسان اور ناعاقبت اندیش اُمت میں، سب کے سب پابند حکم نہ تھے، لہٰذا بردہ فروشی جاری رہی اور کبھی بند نہیں ہوگی۔

اسلام کے اس خصوصی حکم کو جب یورپین حکومتوں نے اپنایا تو یورپین حکومتوں میں بھی بردہ فروشی کا رواج رہا اور یہ قبیح و شرمناک تجارت زمانہ حال میں بھی ہے۔

سب سے زیادہ افسوس کا وہ مقام تھا کہ یہ بدبخت طبقہ حضرت یوسفؑ نبی اور نبی زاد کو فروخت کرنے میں کامیاب ہوا، مگر نبی اللہ کے کمالات فروخت نہ ہو سکے اور جمال عصمت بڑھتا گیا۔

یہ وہ قرآنی خبر تھی کہ حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام میں بعض کا کنیز ہونا مقتضی نہ تھا کہ وہ عام کنیزوں میں

محسوب ہوں۔ ظالم کی بدترین تدبیر نے فرزند حضرت یعقوبؑ کو جب غلام بنالیا تو یہ معزز و محترم خواتین جو کسی رویاء صادقہ اور بشارت کے بعد حاضر ہوئیں، ان کا تعلق کسی پست طبقہ سے نہ تھا۔

ہزار بار جو یوسفؑ کے ''غلام'' ہیں •

نبوت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو خواب کا درجہ رکھتا ہے، لہٰذا حاضر ہونے والی خواتین جو بُردہ فروشوں کے ہاتھ سے فروخت ہوئیں زیور کمال سے آراستہ عورتیں تھیں جن کے امامت کے بیت اشرف میں داخل ہونے کا ذریعہ غلامی تھا۔

دشمن اسلام انگریزوں نے رسولِ عربی کی رفعت و منزلت کم کرنے کے لئے اور حضرت عیسیٰؑ کی برتری پر یہ بہتان تراشا۔ جبکہ مرد کی عظمت یہ ہے کہ رشتہ ترویج میں کوشش کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ کنیزی میں قبول کیجئے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا ہے کہ حقیقتاً کنیز یا لونڈی ہے۔

تعلیم یافتہ، ادب شناس خواتین بزرگان دین کی عرضداشت میں تحریر کرتی ہیں کہ وہ راقمہ آپ کی کنیز تو یہ صرف حدِ ادب ہے نہ کہ مکتوب الیہ کی وہ واقعی لونڈی ہرگز نہیں ہے۔

عظمت حضرت ابراہیمؑ کے روبرو جناب ہاجرہؑ کی ہی شان تھی۔

''اسلام اور اُس کے رہنما'' کے فاضل مصنف جناب سید حسین نے ''بائبل'' کی روشنی میں تحریر کیا ہے کہ جناب ہاجرہؑ بادشاہ مصر رقیوں کی صاحبزادی تھیں۔ جس کا لقب ''طوطیس'' تھا یعنی خلیل اللہ اور جناب ہاجرہ ایک ملک ہی سے متعلق تھے۔

اگر جناب سلمانؓ اور جناب بلالؓ، اگر کسی پست طبقہ سے متعلق ہوتے تو ان حضرات کا یہ روشن مستقبل ہرگز ان کو پست گردانے کے لئے تیار نہ تھا۔ غلامی اگر عیب سمجھ لیا جائے تو مسجد نبویؐ کا مؤذن ایسا شخص قرار نہ پاتا اور جناب سلمانؓ محمدی حضرات اہلبیت علیہم السلام میں شامل نہ ہوتے۔

قرآن مقدس میں خالق دو عالم نے غلام کی یہ عزت اور توقیر کی ہے کہ جناب لقمان حبشی غلام تھے۔

(صفحہ ۲۱۹، عرائس التیجان، ثعلبی)

ان سے متعلق پورا سورۂ مبارکہ قرآن مقدس میں موجود ہے۔

اس سلسلے میں جناب مناظر احسن گیلانی کا یہ قول بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے کہ!

''کنیز اور غلام وہ ہیں جو مشرکین سے جنگ میں فتح یابی کے بعد گرفتار ہوں گے''۔

اس قول میں یہ بھی ترمیم کی جاسکتی ہے کہ دختر حاتم لونڈی نہ تھیں۔ جنگ خیبر میں جناب صفیہ کنیز سہی، مگر یہ بھی

حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں ان کا کوئی کفونہ تھا۔ بجز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

غلام اور لونڈی کو اسلام نے احساس کمتری سے بہت دور کیا ہے اور جو رویہ اختیار کیا وہ مساوات تھا۔ پیغمبرؐ اسلام نے قول وفعل سے غلامی کی زنجیروں کو توڑا اور سب کو ایک پرچم کے نیچے جمع کر دیا۔ دعاؤں میں جو صحیفۂ آسمانی کا درجہ رکھتی ہیں ہر عبادت گزار بندہ خدا کہتا ہے کہ!

انت المالک وانا المملوک۔

''پروردگار! تو مالک ہے اور میں مملوک ہوں'' یہ سب مجاز ہیں جس سے کلام عرب مملو ہے۔

جناب قنبرؓ

نام

بچہ کا نام رکھنے میں جو رواج مشرقی دنیا میں چلا آتا تھا وہ جناب والا ہلال بن نافعؓ کی حیات میں درج ہے۔ اس سلسلے میں مزید گزارش یہ ہے کہ حضرت انسان سب مخلوق سے برتر ہوتے ہوئے اپنی بلند پروازی میں بزعم خود کبھی بلند ہوتے کبھی گرتے اور نام رکھنے میں اُن کے خیالات بڑے وسیع تھے۔ مثال کے طور پر تاجداران فارس میں باپ کا نام ہرمز جو مشتری JUPITER جیوپیٹر ستارہ کو کہتے ہیں بہت اونچا اور بقولے زمین سے ۴۸ کروڑ میل دور اور بیٹے کا نام ہوا پرویز جس کے معنی مچھلی کے ہیں، کجا وہ رفعت کجا یہ بحر طبع کی پستی اور روائی برصغیر ہند میں باہر کی آئی ہوئی وہی نسلیں وہی تخیلات وہاں کے سلاطین نے کیوں جاہ ثریا قدر وغیرہ نام رکھنا شروع کیا اس اختیار میں دل کی آرزو شریک تھی کہ بچہ بلند اقبال آسمان جاہ ہو مگر عرب میں عورتوں کا نام فاختہ، ماریہ (مار ماہی)، عنیزہ (بکری)، مجبوبہ، امراء القیس ہونا بھی قبیح نہیں سمجھا جاتا تھا اور یہ چلن بہت پرانا ہزاروں برس پہلے کا نہیں بلکہ بعد میں بھی کم از کم طبقہ اثنا عشریہ میں سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ کی ذات سورج سے زیادہ چمکتی ہے ذوق عرب یقیناً بلند بلند تھا اور وہ نام میں خصوصیات کو سامنے رکھتے تھے۔ چنانچہ وہاں کے پرندوں میں قبعرہ ایک خوبصورت چڑیا ہے جو ہدہد جیسی پیاری ہوتی تھی قنبرؓ کا نام اس سے ماخوذ ہے اس طائر کو انگریزی، فارسی میں کیا کہتے ہیں۔ مختصر حال یہ ہے کہ آواز سریلی اور سر پر تاج وسائل الشیعہ اور دوسری حدیثوں اور امام مظلومؑ کے واقعات میں اس کا ذکر ہے اور اُن چڑیوں میں قرار دیا ہے جو وحدانیت خدا کے ساتھ ہادیان ملت کی مطیع و منقاد ہیں۔ اگر وہ حالات صحیح ہیں جو قنبرؓ کے آغاز میں کتب فضائل میں محفوظ ہیں تو یقیناً یہ نام

حضرات امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کا رکھا ہوا ہے اور انسان کے نام اُس کے حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدلا کرتے ہیں۔کوئی غیر مسلم پرچم اسلام کے نیچے آیا۔ پہلا نام بدل کر اسلامی نام رکھا گیا۔ بردہ فروشی کے ہاتھ سے کسی بدنصیب کا فروخت ہونا اور مالک کے گھر پہنچ کر کسی خوشی کا ظہور کنیز کو مبارک قدم نام دینا۔ قنبر کے ابجد کے حساب سے ۳۵۲ عدد ہیں اور اسماء الٰہی میں ایک نام اُن کا ہم عدد نہیں بلکہ دو نام کامل (۹۱) اور یا ناز (۲۶۱) = ۳۵۲ قرار پاتے ہیں۔ قنبر نام قرار دینے میں یہ واضح ترین اشارہ ہے کہ وہ خوش کردار، خوش گفتار اور مولیٰ کی غلامی سے اُن کے سرعزت پر وہ تاج ہے جو قیصر و کسریٰ کو نصیب نہیں۔ علم رجال میں راوی ہوں یا اہلِ قلم سب کا رویہ ہے کہ وہ جس کا ذکر کرتے ہیں اس کے باپ اور قبیلہ کا نام ضرور لیا جاتا ہے۔ جہاں بھی قنبرؓ کا ذکر ہے راوی خاموش ہے اس سے بھی اندازہ ہے کہ وہ عرب نژاد نہ تھے اور ان کا نام لینے والے دونوں باتوں سے بے خبر ہیں۔

محمدؐ و آلِ محمدؐ کے نام لیوا تبرکاً اپنے بچوں کا نام قنبر علی، قنبر بیگ، غلام قنبر رکھتے ہیں اور علم الرجال کے راویوں میں ائمہ طاہرینؑ سے احادیث نقل کرنے والوں میں ابو محمد اسماعیل بن محمد بن اسماعیل بن ہلال مخزومی مکی کا لقب قنبرہ تھا جن کو ثقہ قرار دیا ہے۔ قنبرؓ کی شخصیت ایسی باوقار ہے کہ مدح خواں کسی طرح نام نہیں بھولتا۔

فغفو ر دربان ورش قیصر غلام قنبرش
خاقان کینہ چاکرش باحشمتش قارون گدا

(حافظؔ)

تحقیق لفظِ قنبر

آپ پڑھ چکے ہیں کہ قنبر ایک پرند کا نام ہے جس کو عربی میں قنبرہ کہتے ہیں اور فارسی میں چکارک اردو میں چندرول، انگریزی میں Lark کہتے ہیں اور علامہ مجلسیؒ کی تحقیق ہے کہ فارسی میں اس کو ہوچہ کہتے ہیں۔ الحاصل یہ طائر وہ پرندہ ہے جو عرب، عجم اور بھارت میں پایا جاتا ہے اس کی خاص صفت خوش الحان ہونا بھی ہے اور علم الحیوان کے ماہر کہتے ہیں کہ وہ ایسی ہوشیار چڑیا ہے جو آسانی سے شکار نہیں ہوتی اور سر کا تاج انبیاء کرامؑ کی بزم میں رسوخ کی دلیل ہے جو ہُدہُد کو حضرت سلیمانؑ کی ہوائی ڈاک پہنچانے میں عطا ہوا وہ حدیث طویل جس میں امام حسین علیہ السلام نے جانوروں کی بولیاں اپنے اصحاب کو سنائی ہیں اس میں قنبرہ کی صدا پر وہ جو عربی آواز دیتا ہے اس کے معنے یہ ہیں اے میرے خدا ہر گناہ گار کی توبہ کو قبول کر۔

آغازِ حیات

سرنامۂ سخن میں بڑی اہم بحث یہ ہے کہ قنبر صحابی رسولؐ تھے یا تابعی ہر خصوصیت کے ثبوت میں اس کثرت

سے واقعات ہیں کہ کسی ایک کو اختیار کرکے دوسرے سے انکار کی جرأت نہیں ہوتی عہد حضرت سرور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اُن کا وجود مولوی مرزا باقر علی مرحوم دہلوی نے ذریعۃ النجاح کے حوالے سے جو طولانی معجزہ اپنی کتاب فضائل مرتضوی ص ۲۵۶ مطبع ممتاز المطابع دہلی میں نقل کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد قنبرؓ کا بحکم امامؑ خوبصورت ہرن کے تعاقب میں دوڑنا، ناکامی پر مشکلات میں پھنسنا پھر باعجاز وہاں مولا کا ورود اور تن تنہا غشام خیبری کو قتل کرنا، اس کے اموال و زر کو اونٹوں پر بار کرکے مدینہ لانا اس سرگذشت کو صحیح سمجھا جائے تو وہ اصحابی تھے اسی طرح قنبرؓ کی وجہ تسمیہ پر کتاب مذکور میں جو بیان ہے وہ بھی اسی قماش کا ہے اور چھبیسویں معجزہ کی تفصیل دیکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قنبرؓ اشکبوس فرمانروائے حبش کے بھتیجے اور فتاح نام تھا۔ ذاتیات کی تحت میں آقائے کونینؐ سے مقابلہ ہوا۔ مغلوب ہونے پر اسلام لائے اور عقیدت کی یہ فراوانی ہوئی کہ غلامی میں قبول کرنے کی خواہش کی۔ اس شرط سے کہ کبھی جدا نہ ہوں گا۔ قدر افزا ذات نے خواہش منظور کی اور فتاح کا نام قنبر رکھا (ملاحظہ ہو ص ۲۲۴ ب ۳)

امکانات میں بڑی وسعت ہے اور حملۂ حیدری کے شعر میری نظر میں اس نثر سے زیادہ ذمہ دارانہ کلام ہے۔ سورۂ ہل اتی نازل ہونے والی ہے۔ اہلبیتؑ نے روزے رکھے ؎

چوں (حملہ حیدری) زہراؑ بدید آنکہ شیر خداؑ
پسندید برخویش محتاج را
فرستادا وتیر آن قرص نان
کہ بد حصہ اش برآن ناتوان
حسینؑ و حسنؑ نیز باضعفِ تپ
گردید تبعیت امِ و اب
دگر قنبرؓ و فضہؓ ہمچنان
شد آن پیر راد امن اینان نان

قنبرؓ کے لئے یہ شرف کافی ہے کہ خاتون جناںؑ کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیاں ان کے دسترخوان کی زینت ہیں دروازہ پر مسکین ویتیم واسیر کا آنا تھا کوکب بخت کی تابندگی اور بڑھ گئی۔ اب قیامت تک اُن کا ایثار فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ قنبر پیغمبرِ خداؐ کے غلام تھے۔ اگر اس راہ سے نہ دیکھا جائے کہ ہر مسلمان رسولؐ کا غلام ہے تو یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ خواجہ امام الدین سمرقندی کا بیان ہے کہ رقعات مرزا قتیل میں ان کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اور زبان ترکی میں نعت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اے (معدن الفوائد ص ۹) چون معراج کیچہ فرق یولدی و کدل کتہ باغی لادتی نخوت بوقلدین خجالت سائے اے چدہ عرق بولدانی براق آت اور دابی قنبر قول ابرور" (ترجمہ) "اس کے واسطے معراج کی رات میں پارہ ہوئیں اور بڑے بڑے باغیوں کی نخوت اس کی قدر سے خجالت کے دریا میں غرق ہوئی براق (تفصیل براق نبوی میں ملاحظہ فرمائیں) اس کا گھوڑا ہے اور قنبرؓ غلام ہے"۔

وطن

وہ ثبوت تو قنبرؓ کی صحابی رسولؐ ہونے کے تھے مگر کیا کیا جائے کہ آیۃ اللہ قاضی نور اللہ شوشتری شہید ثالث علیہ الرحمہ قنبرؓ کو تابعین میں شمار کرتے ہیں تابعین اصطلاح محدثین میں (لغات کشوری) وہ مسلمان ہیں جنھوں نے اصحاب رسولؐ سے ایک یا کئی مرتبہ ملاقات کی ہو اور تبع تابعین وہ ہیں جنھوں نے تابعین سے ملاقات کی۔ دو صورتیں ہیں یا تو قاضی صاحب کے سامنے پردیس میں مجالس المومنین لکھتے وقت یہ واقعات نہ تھے یا وہ ذاتی طور پر قنبرؓ کو تابعی سمجھتے ہوں بہر حال مجالس المومنین میں ان کا حال تابعین کی فہرست میں ہے۔

وہ نظریہ جو اس خادمِ دینؒ نے سلسلۂ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی سوانح حیات "الزہراؑ" میں سب سے پہلے مصری مطبوعات اور یورپین مفکرین کی ہمنوائی سے پیش کیا فضہؓ کا رفیقِ سفر ہونے کے لحاظ سے بھی قنبرؓ کو اصحاب میں شمار کرتا ہے جس کو اس جگہ دہرانا وضاحت کے لئے ضروری ہے۔

نہیں کہا جاسکتا کہ قنبرؓ اور فضہؓ دونوں آپس میں کوئی قریبی ربط رکھتے ہیں یا ایک دیس کے سپوت تھے۔ ایک نسل کے مرد اور عورت، واقعات میں ان سوالات کے جواب مشکل سے ملتے ہیں اور پھر بڑی زحمت یہ ہے کہ اختلاف سے کوئی بیان خالی نہیں۔ ناظر بصیر اجتہاد کرتا ہے تو راہنمائی ہوتی ہے۔ کچھ دونوں کو حبش ((لغات کشوری) کا باشندہ بتاتے ہیں۔ حافظ رجب برسیؒ فضہؓ کو ہندوستان کی شہزادی کہتے ہیں اور دوسرے علماء اہل سنت کا اس کی تائید کے ساتھ رجحان ہے کہ وہ دونوں بھائی بہن تھے۔ امکان میں تو کوئی مانع نہیں ہوسکتا کہ دونوں ایک صلب سے ہوں۔ یہ تخیل فہرست مکتبہ مصر کی چوتھی جلد طبع ۱۹۲۹ء کی ایک کتاب کا نام دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے جس کا نام "قصۃ المیمون والقنبر" کتاب عربی زبان میں علامہ ادیب شیخ احمد درویش کا منظومہ ہے جو قاہرہ میں طبع ہو چکا ہے اور اس کی پہلی سطر یہ ہے کہ **بعدہ باسم الالہ من بالھدیٰ ھادی محمد البدو حتی بالھدیٰ حادی** اس منظومہ کے الحاقی صفحات میں حضرت علیؑ کے راہوار میمون کی وفا کا ذکر ہے جو اُن کو ہندوستان کے شہروں سے لے آیا۔

فہرست کا جامع غیر شیعہ متعصب انسان ہے اس نے فہرست مذکور میں اس اعجاز کا مضحکہ اُڑایا ہے جس کا اس کو حق نہ تھا۔ دشمن کے اس قسم کے انکار و تضحیک کی فہرست اگر پیش کروں تو طول ہوجائے گا شاید ہی کوئی فضیلت آلِ محمدؐ کی

ایسی ہو جس کو غیر نے ٹھنڈے دل سے قبول کیا ہو بالکل اس مدنی طلبہ کا حال ہے جو جواب دعویٰ میں ہر امر سے انکار کرتا ہے اور چاہ کن را چاہ درپیش پر اس کا ایمان نہیں جس نے باعجاز قنبرؓ کی آمد کو نظم کیا اس کو فہرست کا جامع خود علامہ اور ادیب لکھتے ہے لہٰذا ایک گمنام لائبریرین داروغہ کتب خانہ کا انکار ذہنی بالعصبیت پر محمول ہوگا۔ لندن کے عجائب خانہ میں جو کتابیں دنیا کے بہترین تحائف سمجھ کر محفوظ کی گئی ہیں ان میں بھی ایک کتاب ہے جس کا تعارف فاضل جامع ایف میڈن FMADAN نے دیانت کے ساتھ ان لفظوں میں کیا ہے۔

قصۃ المیمون و ماجری للامام علیؑ والامام عمر مع T.I.T الملک زمعہ بن سکوان" میمون کا قصہ اور امام علیؑ اور امام عمر کے بارے میں ان کے القاب کے ساتھ زعہ ابن سکران بادشاہ کے ساتھ جو کچھ ہوا"۔ وہ نواصب کی تنگ نظری اور یہ یورپین مصنف کی وسعت خیالی ہے کہ فہرست مذکور کے صفحہ نمبر ۵ پر نقل کی اس بنا پر مولا کی لونڈی اور غلام کا حبشی ہونا مشکوک ہوجاتا ہے۔ اب ہم دو صورتیں ان کے مدینہ طیبہ پہنچنے کی پیش کرتے ہیں۔ اگر وہ قدیم ہندوستان سے چلے تو عہد رسالتؐ کی تو تاریخ ہند ہمارے سامنے نہیں۔ ماضی میں سندھ کا علاقہ ملتان تک تھا، لہٰذا قنبرؓ اور فضہؓ انڈین تھے تو اب نقشہ ملاحظہ کیجئے ان کا پیدل یا اس زمانہ میں جو سواری ہو تا تر الاغ وغیرہ سوار ہو کر آنا کتنا بڑا سفر ہے۔ نقشہ میں آپ حبش کو بھی دیکھیں دونوں صورتوں میں ریگستان اور سمندر کا سامنا ہوا ہوگا۔ ادھر بحر عرب اور خلیج فارس ادھر بحر احمر پہلی راہ طویل دوسری نسبتاً قریب۔ یہ دونوں صورتیں آج ۱۴۲۸ھ میں اگر واقعہ خیبر کے بعد آمد تسلیم کی جاتی ہے تو ۶ ہجری کو کم کرنے پر چودہ سو بائیس سال ہوتے ہیں۔ اب ناظرین فیصلہ کریں کہ اس زمانہ دراز کے واقعہ پر کسی ایک خبر کو صحیح اور دوسری کو غلط قرار دینا کتنا مشکل امر ہے۔ سلمانؓ کو قریبی مقام دشت ارژن سے آنے میں شیر کا سامنا ہوا جو قریب قریب متواتر خبر ہے لہٰذا ان دو آنے والوں کے لئے اگر معجزہ سے طی ارض ہو تو داروغہ کتب خانہ کے دل میں درد کیوں ہے؟

قنبرؓ پر مصر میں دو کتابیں ہیں اور جامع فہرست نے انڈیا سے ان کی آمد کا ص ۹۴ پر ذکر کیا ہے۔

قصۃ المیمون

اس عنوان کے تحت میں طائرانہ نظر سے جو کچھ دریافت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے استعمال میں بھی یمن و برکت اُس محل پر کہا جاتا ہے جب کسی کی آمد مبارک ہو اور الفاظ دونوں مرادف ہیں کلام عرب میں میمون بھی انہیں معانی میں آیا ہے۔ اسم مفعول ہے اور محاورات میں میمون الطائر اس وقت کہتے ہیں جس کا دیدار مبارک ثابت ہوا ہو اور مسافر کو وداع کرتے وقت محاورہ عرب ہے سر علی الطائر المیمون یہ دعائیہ فقرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سواری میں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ مثلاً راہوار سے گر پڑنا آج کل کے خطرات میں تصادم سے محفوظ رہنا ہے۔ یعنے سفر بخیر و خوبی ختم ہو وہ اردو زبان ہماری جو کئی زبانوں سے مشتق اور مجموعہ و مرکب ہے اس کے روزمرہ میں جلد باز کو کہتے ہیں کہ ہوا کے گھوڑے پر سوار

ہے یہ صفت دنیا کے کسی گھوڑے میں تو نہیں دیکھی امام اہل سنت ابو اسحاق ثعلبی نے حضرت آدمؑ کی تحقیق کے بعد ان کے دنیا میں آنے سے پہلے کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کو فرشتوں نے جس گھوڑے پر سوار کر کے ساتوں آسمانوں کا طواف کرایا تھا اس کا نام میمون تھا۔ اپنی جگہ اسلامی نقطہ نگاہ سے ثابت ہے کہ براق نبویؐ کے سوا کائنات میں براق صفت ایک دوسرا راہوار بھی موجود ہے جس کو قوت پرواز کا مالک ہم نہ کہیں۔

توطی ارض کی خصوصیت کا وہ جامہ زیب ہو سکتا ہے کہ اپنے سواری کو ہند سے عرب یا حبش سے مدینہ پہنچا دے اور سرگزشت کا راوی مضحکہ کے لائق نہیں بلکہ استہزاء اسلامی لٹریچر سے بے خبر ہونے کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

حلیہ اور سراپا کمالات

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ حبش کے تھے تو حسین ہوں۔ ہم تو دل کا نور دیکھتے ہیں اور قرآن حکیم کی آواز قیامت کے دن بداعمال کے چہرے سیاہ ہوں گے خوبصورت عارضی شے ہے جو وہاں خوش رو ہے وہ قابل عزت ہے لیکن واقعات دیکھنے سے اس نتیجے تک بڑی آسانی سے پہنچا جا سکتا ہے کہ قنبرؓ عقلمند اور دانشمند صورت و سیرت دونوں میں ممتاز تھے۔ علم حلم، شجاعت و بہادری، نصاحت و بلاغت، جود و سخا، صابر، مستقل مزاج، ارادوں کے مضبوط اور پامرد تھے۔ کمال ایمان میں اُن کا نظیر نہ تھا۔ یہ اوصاف تو ہر انسان میں جمیل سمجھے جاتے ہیں اور اخیار جمیل صفتوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ہر عہد میں اس کی مثالیں ہیں اور ہوتی رہیں گی مگر قنبرؓ میں صفات انبیاء تھے روحانیت سے قریب اور مادیت سے اتنا دور کہ اُن سے وہ امور سرزد ہوئے جو معصومینؑ کا کردار ہو سکتے ہیں۔

وہ سیرت نگار جو پیغمبرؐ کو ان پڑھ اور اُمی کہتے ہیں وہ اس گھرانے کے لونڈی غلاموں کو تو نوشت و خواند سے معرا سمجھتے ہوں گے اور خادم اور خادمہ اگر پڑھے لکھے نہ ہوں تو تعجب نہیں قنبرؓ کے علوم کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:۔

مولاؑ کا خط قنبرؓ کے نام

اقتباس الانوار کے فاضل (اقتباس الانوار کشکول نواب صاحب کانپور ص ۳۰) مصنف بغیر کسی ذیل کے اپنے مکتبہ کے مآخذ اور مخطوطات کے ماخذ سے لکھتے ہیں یہ وہ جواہر پارے اور علمی خزانے تھے جو بھارت میں رہ گئے۔

وله عليه السلام يا قنبر الامس لی مرت اليوم مثلی و هبتك لمن وهبك لی كتبه علی۔ دل چاہتا ہے ترجمہ نہ کروں اصل کو اردو میں ڈھالنے پر نہ وہ بلاغت رہتی ہے نہ لطف سخن اور یہ مختصر خط تو معلوم نہیں کس حقیقت کو دامن الفاظ میں لئے ہے جس کو لکھنے والا سمجھے یا مکتوب الیہ جس کے نام خط ہے۔ آخری الفاظ ''کتبہ علیؑ'' نے بتایا کہ یہ نوشتہ تھا اشاروں میں کیا کہا اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

''اور اُن جناب کا جن پر درود و سلام ہو یہ بھی کلام ہے۔'' ''اے قنبرؓ کل تم میرے تھے اور آج کے دن میرے

ایسے ہو بخش دیا ہے میں نے تم کو وہ سب جو تم نے مجھے دیا تھا۔ علی بقلم خود"۔

جس طرح عبد معبود میں اتحاد ہوتا ہے غلام اور آقا اُس جادہ پر ہے۔ خدا کہتا ہے بندے (جواہر سنیہ احادیث قدسیہ) میری اطاعت کر۔ میں تجھے اپنا مثل بنادوں۔ قنبرؓ نے اپنے آقا کی اطاعت کی وہ بندہ نوازی کو فلک عزت پر پہنچا کر اس کو اپنا مثل کہتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی علم افروز بزم میں قنبرؓ کی یاد!

ایسا نہ تھا کہ وفا میں ثابت قدم رہنے والا غلام اولاد کی یاد میں بھلا دیا جائے۔ امام جعفر صادقؑ نے قنبر کی ابتدائیہ کو اپنی حدیث میں اس طرح ظاہر کیا ہے کہ جب شاہ ولایت گھر سے برآمد ہوتے تھے تو قنبر بھی تلوار لے کر پیچھے پیچھے چلتے۔ ایک مرتبہ اندھیری رات میں آقاؑ گھر سے نکلے قنبرؓ ساتھ ہو گئے۔ جب احساس ہوا کہ وفادار غلام ساتھ ہے تو پلٹ کر دیکھا اور کہا قنبرؓ تجھے کیا ہو گیا ہے۔ عرض کیا اس لئے آرہا ہوں کہ آپ کے پیچھے پیچھے چلوں۔ فرمایا تجھ پر وائے ہو اہلِ آسمان سے میری حفاظت کرنا چاہتا ہے یا اہلِ زمین سے۔ عرض کیا اہل زمین سے۔ فرمایا جب تک آسمان سے حکم خدا نہ ہو زمین کے دشمن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تم واپس جاؤ (اصول کافی) قنبرؓ اس حکم کے بعد واپس گئے مگر اپنی بہادری اور جانبازی کی وہ مثال قائم کر دی جس کو زمانہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا چونکہ علیؑ ایسے بہادر کے لئے یہ باعثِ ننگ تھا کہ غلام حفاظت کرے اس لئے سخت لہجہ میں خطاب کیا ورنہ آپ کا رویہ غلام کے ساتھ برادرانہ تھا۔

فصاحت و بلاغت

فصحاء عرب نے جس کے کلام کو تحت کلام الخالق فوق کلام البشر کلام اللہ سے پست مگر تمام انسانوں کے خطبات سے بلند قرار دیا۔ اس کے غلام قنبرؓ سے کسی نے پوچھا کس کے غلام ہو، کہا:

انا مولی من ضرب بسیفین و طعن برمحین و صلی القبلتین و بایع البیعتین و هاجر الهجرتین ولم یکفر بالله طرفة عین انا مولی صالح المومنین و نور المجاهدین و وارث النبیین و خیر الوصیین و اکبر المسلمین و یعسوب المومنین و رئیس البکائین و زین العابدین و سراج الماضین وضوء القائمین و افضل القانتین و لسان رسول رب العالمین و اول المومنین من آل یٰس المؤید بجبرئیل الامین المنصور میکائل الوتین رالمحمود عند اهل السموات اجمعین و مجاهد اعد آئد الناصبین و مطفی نیران الموقدین و افخر من مشیٰ من قریش اجمعین و اول ما یجاب و استجاب الله امیر المومنین و وصی نبیته فی العالمین و امینه علی المخلوقین و خلیفة من بعث الیهم اجمعین سیدو المشرکین و سهم من مرامی الله علی المنافقین و لسان

کلمة العابدین و ناصر دین الله و ولی الله ولسان کلمة الله و ناصرة فی ارضه و عیبة علمه کهف دینه وهمام اهل الابرار رضی الله اعلی الجبار سمیح سخی حیی ذکی مطهر البطحی باذل جری همام صبر صوام مهدی مقدام قاطع الاصلاب مفرق الاحزاب عالی الرقراب اربطهم مناماداثمعهم جنانا واشد هم شکیمة باذل باسل مندیر هز بر حق هرغام مام زم عزام حصیف الحجاج کریم الاصلبه شریف الفقله فاصل القمیله نقی العشایرة ذکی الذکایه مودی الامانه من بنی هاشم و ابن عم النبی الامام الهادی المهدی الرشاد مجانب النساء الاشنث الحاتم اصطل الجحاجم واللیث المزجم بدری مکی روحانی شعشعانی من الحیل شواهقها ومن ذی النصابه روسها و من العرب سیدها ومن الوغاء یشها البطل الهمام واللیث المقدام و بدر التمام محك المومنین و وارث المشعرین و ابو السبطین الحسن ﷺ و الحسین ﷺ والله امیر المومنین حقاً حقا علی بن ابی طالب علیه من الصلوت الزاکیة والبرکات السنیه کتاب (مرزا شہید شوستری علیہ الرحم آگرہ سے جو ترجمہ مجالس المومنین چھپا ہے اس کی مجلس چہارم ص ۴۶۱ سے اصلی عبارت کا ترجمہ کیا گیا ہے) کشی میں مذکور ہے کہ قنبرؓ سے کسی نے پوچھا تم کس کے غلام ہو انہوں نے کہا کہ میں اس کا غلام ہوں کہ جس نے دو تلواروں سے جہاد کیا اور دو نیزوں سے قتال کیا اور دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور دو بیعتیں اور دو ہجرتیں کیں اور خدا کے ساتھ ایک آن واحد بھی کفر نہیں کیا میں مولا ہوں اس شخص کا جو صاحب ہے مومنین کا اور نور ہے مجاہدین کا اور وارث النبیین اور خیر الوصیین اور بزرگ ترین مسلمین اور سردار مومنین ہے اور خدا کے خوف سے رونے والوں کا رئیس اور عابدوں کی زینت گزشتہ لوگوں کا چراغ اور موجودہ لوگوں کی روشنی اور تمام دعا کرنے والوں سے افضل (ترجمانِ یا رسولؐ رب العالمین) رب العالمین کا پیغام پہنچانے والا اور آلِ یٰسینؑ سے پہلا ایمان لانے والا ہے جس کی تائید جبرئیل امینؑ اور نصرت میکائیلؑ نے کی اور تمام اہل آسمان اس کی ثناء وصفت کرتے رہتے ہیں۔ مسلمین سابقین کا سردار ناکثین و قاسطین کا قاتل مسلمین کا محافظ ناصبین سے جہاد کرنے والا آگ بھڑکانے والوں کی آگ بجھانے والا اور تمام قریش سے بڑھ کر فقر کو اختیار کرنے والا۔ خدا کی دعوت کو سب سے پہلے قبول کرنے والا امیر المومنینؑ اور تمام عالمین میں وصیٔ نبی مخلوق کے لئے امین خدا اور جن کی طرف نبی بھیجے گئے اُن سب کا خلیفہ مشرکین کا پراگندہ کرنے والا اور منافقین کے لئے خدا کے تیروں میں سے ایک تیر کلمۂ عابدین کی زبان اور دین خدا کا ناصر اللہ ولسان اللہ وکلمۃ اللہ و ناصر اللہ صندوق علم اللہ اور جاء پناہ دین اللہ امام الابرار پسندیدۂ خداوند جبار سخی باذل جری کامل صابر و روزہ دار ہدایت یافتہ پیش قدمی کرنے والا سخت چیزوں کو کاٹنے والا لشکر ولا کو متفرق کرنے والا مالک الرقاب سب سے بڑھ کر مطمئن دل رکھنے والا ارادوں کا مضبوط

باذل باسل ہزبر ضرغام اولوالعزم صاحب عقل کامل دشمنوں پر مثل برق کے حملہ کرنے والا اور خصم کو دلیل قاطع سے ساکت کر دینے والا کریم الاصل شریف المنزل اس کا قبیلہ سب سے افضل خاندان پاک و پاکیزہ صاحب امانت بنی ہاشم ابن عم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام ہادی ہدایت و رشد کے ساتھ مہدی فساد کا ترک کرنے والا شیر میدان و غا چودھویں کے چاند کے مثل روشن رہنے والا صاحب قوت روحانی اور نور شعشعانی سردار عرب ضیغم میدان و غا مومنین کی کسوٹی ابوالسبطین الحسنؑ والحسینؑ کا والد واللہ امیر المومنین یعنے علیؑ بن ابی طالبؑ کا غلام ہوں"۔ انتھی میں پوری سیرت امیر المومنینؑ مرتب ہوسکتی ہے سب سے قطع نظر کر کے تین باتیں شرح تقریر میں قابل لحاظ اور تشریح طلب ہیں جس کو طے کئے بغیر آگے بڑھنے کے لئے تیار نہیں۔

(۱) سیرت نگاروں میں جہاں تک میری قاصر نگاہ کی رسائی ہے حضرت علیؑ کے اسماء والقاب میں شاید ہی کسی نے لکھا ہو کہ آپ سہم اللہ تھے "اللہ کا تیر" یہ قنبر" کا بتایا ہوا لقب ہے جو ہم کو ولی عصر حضرت حجت عجل اللہ ظہورہ کی اس دعا میں نظر آیا جو سلطان العلماء رضوان مآب سید محمد خلف اکبر غفران مآبؒ نے علم سینہ سے اپنے مخلص راجہ محمود آباد مرحوم و مغفور کے بزرگوں کو تعلیم کی اور اُسی علم افروز گھرانہ سے طبع ہوئی یعنے دعاء سبب میں ہے۔ "میں خدا کی قوت کو قلعہ قرار دے رہا ہوں اور دشمن سے مدافعت میں سلطان خدا (میرے لئے بہتر محافظ ہے) درمیتھم بسھم اللہ القاتل اور میں اپنے مخالف کی طرف خدا کا تیر بھی پھینکتا ہوں جو قتل کئے بغیر نہیں رہتا"۔ قنبر" بتاتے ہیں کہ خدا کا تیر علیؑ ہیں۔

(۲) اس گفتگو میں قنبر" کا آقائے کونینؑ کو کسوٹی قرار دینا اُس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو کعبہ کے سانپ کی کیفیت پر ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی نے ہدایۃ السعداء میں نذر قرطاس کیا اور ناظرین نے علیؑ و کعبہ طبع سوئم ص ۶۳ پر پڑھا قنبر" آقا کو کسوٹی قرار دے رہے ہیں ان کی محبت معیار نجابت و ایمان ہے۔

(۳) الضارب بالسیفین دو تلواروں سے جہاد کرنے والے اس کے معنے تو کچھ دشوار نہیں ہیں ذوالفقار ہے جس نے جنگ کی اور اس کے پہلے کی دنیاوی تلوار سے مگر الطاعن بالرمحین دو نیزوں کی خصوصیت سمجھ میں نہیں آتی اس شبہ کو ہم نے اپنی ابتدائی تصنیف فواتح الجنان میں اول الذکر لقب کے حل کے ساتھ شرح و بسط سے لکھا ہے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کوئی لڑائی ایسی تھی جس میں آپ نے دونوں ہاتھوں میں دو نیزہ لے کر جہاد کیا ہو جیسا کہ سیرت ذوالقرنینؑ میں ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے دشمن سے جنگ کرتے تھے اور مولا کا مثیل (مناقب ابن شہر آشوب، بحار الانوار جلد نہم و ارحج المطالب ص ۴۴۴ وغیرہ) ذوالقرنینؑ ہونا مسلمات سے ہے۔

علم

اس سیرت کے تمام و کمال مطالعہ سے ممدوح کے فضل و شرف کا اندازہ اچھی طرح ہوسکتا ہے عبید اللہ امرتسری

نے سبط ابن جوزی کی روایت اس طرح حوالہ قلم کی ہے "جناب امیر علیہ السلام کے دو غلام تھے ایک تو قنبر" جو زیادہ تر مشہور ہیں دوسرے یحیٰی بن کثیر جن سے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ روایت (ارجح لمطالب ص ۶۱۷) کرتے ہیں اور وہ نہایت عالم اور فاضل تھے اور ان کے بیٹے عبداللہ بن یحیٰی بھی بڑے عالم تھے"۔

یہ بات رہ جاتی ہے کہ امام اوزاعی کون تھے اس کو جرجی ہمام شوبری لکھتا ہے وھوابوعمر عبدالرحمان الفقیہ (معجم الطالب ص ۱۲۲۴) المشھور توفی بیروت وہ ابوعمر عبدالرحمان مشہور فقیہ تھے جنہوں نے بیروت میں وفات پائی (اطلاع ملحوظ خاطر ہے کہ لفظ رحمان کو مالف (یہ اشارہ مرزا شاہ عالم کی اُس تحقیق کی طرف ہے جو بھارت میں تحقیق باسم اللہ کے نام سے ۱۹۴۴ء میں دو مرتبہ طبع ہوئی) لکھا ہے۔

دربار معاویہ میں سخت ترین گفتگو

عموماً تو مدینہ علم کے حلقہ بگوش افراد میں طرماح بن عدیؓ کا شام جانا اور بزم غیر میں وہ فصیح و بلیغ گفتگو جس کا ہر جملہ بلاغت کی جان اور فصاحت کی کان تھا کتابوں (مجالس المومنین شہید شوستری وارشادیہ چودھویں رات کا چاند) میں پایا جاتا ہے لیکن صالح ترمذی کشفی مشہور عالم اہل سنت نے اپنے مناقب فارسی میں ایک ایسی ہی گفتگو قنبرؓ کی درج کی ہے جس کا ہر پہلو اُن کی دلیری اور ہمت کی بلندی اور نڈر ہونے کا ثبوت ہے۔ یہ صحیفۂ مبارکہ بمبئی میں چھپا اور آج کل اس کا اردو میں پاکستان میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ میرے سامنے خطی نسخہ کا پانچواں باب (ص ۳۰۲ مکتبہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ) ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

قنبر "مولائے کونینؑ" کا ایک خط لے کر معاویہ کے پاس گئے۔ ان کا بلند و بالا قد دیکھ کر اس نے مسخرے پن میں کہا کہ کچھ آسمان کی بھی خبر ہے؟ قنبرؓ نے جواب دیا **ان العلی ف قضاك و ملك الموت فی هواك**۔ علی بن ابی طالبؑ تیرے عقب میں ہیں اور قبض روح کا فرشتہ تیری گھات میں ہے۔ معاویہ جھینپ گیا۔ دوسرا اعتراض اُن پر یہ ہوا کہ فرش پر جوتے پہنے ہوئے آرہے تھے۔ جب ٹوکا تو کہا کہ یہ وادی مقدس نہیں ہے جو نعلین اتاری جائے۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

غرك عزك نصار قصار ذلك فاخش ناحس فعلك فلعلك تهدی بهذا ۔ "تجھے تیری (وقتی) عزت نے مغرور کردیا۔ تیرا انجام ذلت وخواری ہے اپنی بدکرداری سے ڈر تو شاید خدا تجھے سیدھے راستے پر چلائے، کہا جاتا ہے کہ مطول تفتازانی میں یہ خط موجود ہے اور یہ کتاب اس وقت میرے روبرو نہیں اصل ماخذ کو دیکھ کر مزید بحث ہوسکتی ہے۔ دربار معاویہ میں بھی دنیاء عرب کے کمالات تھے۔ وہ خود تو خط لکھنے میں بدترین مردم تھا اور تاریخ میں موجود ہے کہ سب سے پہلے معاویہ نے خط میں طول دے کر صفحہ کے صفحہ سیاہ کئے، ورنہ انسانیت کی ابتدائی تاریخ میں خط مختصر

ہوا کرتا تھا۔ بہر حال شام کے کسی ادیب نے بڑی مشکل سے مختصر جواب لکھا۔ علی قدری علی قدری۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ "میرے رتبہ سے میری دیگ جوش زن ہے"۔ یہ جملے دیکھ کر مجھے ایک ملنگ کا وظیفہ یاد آتا ہے جو بڑا لمبا ہے۔ اس میں موجود ہے "دیگ پر محمدؐ تیغ پر علیؑ" جواب الجواب میں مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ کھانا پینا جس کا سرمایہ عمر تھا وہ ایسی باتیں بگھارتا ہے۔ یہ جواب علمی نہیں ہے۔

تکبر عزازیل راخوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

درسِ مساوات

اسلامی مساوات کی جھلک اگر دیکھنا ہو تو مولائے کائنات کی سرکار میں آؤ جہاں تم کو ظاہر و باطن یکساں نظر آئے گا اندرونِ خانہ جو رنگ ہے ایک دن گھر کی ملکہ خاتون محشرؑ کا کام کرتی ہیں اور ایک دن کنیز وہی رنگ باہر بھی ہے جو کپڑے آقا کے جسم میں وہی یا اس سے بہتر لباس غلام کے بر میں۔ مساوات پر صرف دو واقعہ پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ابو نواء جو سپید زوئی کے کپڑے بیچتا تھا اس دوکاندار کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جناب امیر علیہ السلام قنبرؓ کو لئے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے دو موٹے کپڑے خریدے اور اپنے غلام قنبرؓ سے فرمایا کہ ان میں سے جو تجھے پسند آئے وہ لے لے۔ قنبرؓ نے ان میں سے ایک کو پسند کیا اور جناب امیرؑ نے دوسرا آپ پہن لیا۔

(۲) ابن شہر آشوب مازندرانی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ایک موقع پر مولاؑ نے اپنی حقیت کے اثبات میں قاضی شریح کے روبرو امام حسنؑ اور قنبرؓ کو پیش کیا اور قاضی نے غلام کی گواہی آقا کے حق میں قبول نہ کی اور اپنے دامن پر وہ دھبہ لگایا جو تا قیامت چھوٹ نہیں سکتا۔ تفصیل مناقب ہے، ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ پہلی سیرت میں غلام کو لباس میں اپنا مساوی قرار دیا اور دوسرے رویہ میں اپنے فرزند امام حسنؑ کا ہمسر قرار دیتے ہوئے خانۂ شہادت میں لائے جو قنبرؓ کی عدالت پر نص جلی ہے۔ پیغمبرِ خداؐ کی حقیت پر نصاریٰ کے مقابلہ میں جس شاہزادہ کی گواہی بچپن میں غیر مذہب عیسائی نے مان لی اس کو قاضی صاحب رد کرتے ہیں اور یہ نہ سمجھے کہ اُن کو اپنا حق لینا نہ تھا بلکہ غلام نوازی اور مساوات اور قنبرؓ کی عدالت ثابت کرنا تھی قاضی شریح کی زندگی میری کتاب سوانح حیات مسلم بن عقیل میں ملاحظہ کریں۔

رفاقت

سیرت مولا علیؑ میں بیشتر مقامات پر قنبرؓ کی معیت (ساتھ رکھنا) موجود ہے۔ ان مقامات کا شمار مشکل ہے۔ ایک مقام یہ ہے:۔

مدینہ میں ایک شخص عبداللہ نامی صاحبانِ عزت سے تھا اس کی بن بیاہی بیٹی کا پیٹ بڑھنے لگا اور دیکھنے والوں

کو گمان ہوا کہ اس نے زنا کیا ہے باپ نے غیرت میں لڑکی کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اس نے بارگاہِ ایزدی میں فریاد کی اور کوفہ کی طرف رُخ کر کے امیر المومنینؑ کو پکارا۔ آپؑ منبر پر وعظ کہہ رہے تھے۔ خطبہ کو ناتمام چھوڑ کر حاضرین سے جلد آنے کا وعدہ کر کے قنبرؓ کو ساتھ لیا اور طی عرض کر کے لڑکی کے بالیں پر اُس وقت پہنچے کہ تلوار بالائے سر تھی، آپ نے دور ہی سے فرمایا کہ لڑکی کو قتل نہ کرنا یہ پاکدامن ہے اس کے بطن میں ۷۲ مثقال کی ایک جونک ہے جس کی وجہ سے شکم میں سنگینی نمایاں ہے۔ عبداللہ آبدیدہ ہوا۔ آپ نے حکم دیا کہ لڑکی پردہ میں جائے اور تھوڑی سی زمین کھود کر پانی بھر دیا جائے اور برف کے ایک ٹکڑے پر لڑکی کو بٹھائیں۔ کچھ دیر کے بعد وہ جونک پانی میں آ گئی اور شکم معمول پر آ گیا۔ وزن جو کیا تو جونک ۷۲ مثقال کی تھی۔ اس حکیمانہ فیصلہ کے بعد آپ باعجاز مسجد کوفہ آئے اس وقت تک کوئی اپنی جگہ سے نہ اٹھا تھا۔ حاضرین سے کیفیت بیان کی۔ (اطلاع) مسجد کوفہ کے آثار قدیمہ میں بیت الطشت بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کوفہ کا ہے ممکن ہے کہ مدینہ سے کوفہ وہ ظرف بطور یادگار منتقل ہوا ہو یا دونوں جگہ یہ واردات ہوئی۔

حزب اختلاف کے بیان میں ذکر قنبرؓ

وہ طبقہ جو اللہ کے لئے عدالت ضروری نہیں جانتا جس نے انبیاءؑ کے دامن تک گناہ، خطا، نسیان کے داغ لگائے اس کے ایک نمائندہ کمال الدین بن طلحہ شافعی نے اپنے نزدیک مدح سمجھ کر رعایت حقوق ناس کے ذیل میں جو داستان لکھی ہے کہ امام حسنؑ نے اپنے مہمان کے لئے نجی طور پر قنبرؓ سے بیت المال کا شہد تقسیم سے پہلے لے لیا اور مولاؑ ناراض ہوئے اور معاذ اللہ امام حسنؑ کے مارنے کا قصد کیا۔ انہوں نے اپنے چچا جعفر طیارؓ کی قسم دے کر جان چھڑائی، قابل قبول نہیں ہے۔ (ارجح المطالب ص ۱۸۵) نہ قنبرؓ اپنی کڑی نگرانی میں ڈھیل دے سکتے تھے نہ امام حسنؑ ایسے چالاک تھے یارانِ طریقت کا یہ افسانہ ہر آل رسولؐ کا وقار گھٹانے کے لئے ہے۔

خدمتِ خلق کا اعلیٰ جذبہ

جود و سخا کا ایک منظر

اگر کسی سرکار میں خزانچی کنجوس ہو تو اس کے سرمایہ سے عوام کو مالی مدد ملنے میں دشواری ہوتی ہے۔ کہاوت ہے ''سخی سے سُوم بھلا جو دے جلدی جواب'' سائل کو روک رکھنا غلط قوانین کی پابندی نیک نامی پر ضرب ہے۔ قنبرؓ کی خدمتِ

خلق اور سیر چشمی کا وہ مشہور ترین واقعہ ہے جو منبروں پر مولاؑ کی سخاوت کے سلسلے میں ذاکرین پڑھتے ہیں کہ گروہ امان کے عوض سائل کو اونٹوں کی قطار دی وہ اسی حکایت کا تتمہ ہے جو قنبرؓ کے آغاز پر معجزات میں کبھی دیکھی تھی اور آج پھر نظر کی اصل ماخذ میں غشام کا خزانہ اپنی انفرادی جنگ میں فتح کر کے اونٹوں پر بار کر کے لا رہے تھے نابینا فقیر نے روٹی مانگی۔ قنبرؓ نے حکم دیا دے دو قنبرؓ نے جواب دیا روٹی دسترخوان میں ہے جو شتر پر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مع قطار کے دے دو۔ قنبرؓ مہار چھوڑ کے سرک گئے۔ پوچھا یہ کیا؟ عرض کیا مبادا مجھے بھی نہ دے دیں (فضائل مرتضوی) قنبرؓ کی یہ اعلیٰ فراست اور دانشوری تھی کہ وہ سمجھے مولاؑ کی نظر میں مال دینا کی قدر نہیں ہے۔ وہ ایک روٹی اور اونٹوں کی قطار دے دینے کو برابر خیال کرتے ہیں اس لئے عنانِ شتر ہاتھ سے چھوڑ دی۔ اس رویہ میں پہلی بات تو یہ کہ قابل غور ہے کہ خیرات میں قرآن حکیم نے جلدی کا حکم دیا ہے۔ قطار سے دسترخوان تلاش کرنا اونٹ کو بٹھانا بڑی دیر لگتی تاخیر فرمانِ ایزدی کے خلاف تھی لہٰذا مع قطار دینا عین عقل تھا۔ واقعہ کا آخری حصہ یہ بھی ہے کہ وہ دامن قبا سے لپٹ کر ننگی سے بھی نجات پا گیا۔ اس فضیلت کو سُن کر کمزور عقیدہ رکھنے والوں کا یہ کہنا کہ یہ مال مسلمین تھا سب کو دینا چاہئے تھا غلط ہے مسلمان جنگ میں شریک نہ تھے تن تنہا فتح پائی تھی اور کہیں اس کی صراحت نہیں ہے کہ واپسی پر کسی نے سوال کیا ہو اور آپ نے تہی دستی کا عذر کیا ہو۔ بعد میں آنے والوں کے لئے بھی دروازہ کھلا تھا۔

سلیمانؑ نبیؑ کی صفت میں شرکت

انبیاء کرامؑ میں لسان قدرت نے فرمایا ہے کہ ہم نے سلیمانؑ کو منطق الطیر پرندوں کی بولی سکھائی۔ یہ صراحت یقیناً اُن کو دوسرے انبیاءؑ سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ قنبرؓ سے کسی چڑیا نے باتیں کیں مگر قنبرؓ کا مرغابیوں سے کلام کتب مناقب میں پایا جاتا ہے اور یہ اُن کے مرتبہ پر اچھی خاصی دلیل ہے۔

کلام عرب میں اسماء اصوات ایک مستقل بحث ہے کہ شتر بانی میں اونٹ ہکاتے وقت کیا کہتے تھے اور گھوڑے کو مہمیز کرنے میں اُن کا کیا رویہ تھا، یہ ایک علیحدہ شے ہے۔ قنبرؓ کا بات کرنا اور پرندوں کا سمجھنا اُن کی خصوصیت ہے۔ چنانچہ برار بن عازب راوی ہیں کہ ایک مرتبہ قازیں اڑتی ہوئی حضرت علی مرتضیٰؑ کے سر مبارک پر سے گزرتی ہیں اور ان کے چیخ سُن کر آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر اور اصحاب پر میرے سلام کر رہی ہیں۔ اس نوید سے منافقین کے چشم و ابرو پر شکن آئے۔ مؤلف عرض کرتا ہے ان کا ایمان قرآن پر نہ تھا۔ نص قرآن ہے کہ نبیؑ کو منطق الطیر کا علم ہو سکتا ہے مگر کیا کیا جائے اُن خبیث ہستیوں کو جو بے بصیرت تھے۔ جب مولاؑ نے یہ تیور دیکھے تو قنبرؓ سے کہا کہ مرغابیوں کو پکار کر کہو:

ایها الاوز اجیبوا امیر المومنین واخا رسول رب العالمین

اے مرغابیو مومنوں کا امیر اور رسولؐ کے بھائی کا جواب دو۔ قنبرؓ نے پکارا اور مرغابیاں نیچی ہو کر معروف پرواز

ہوئیں۔ پھر آپ نے اشارہ کیا کہ زمین پر اُتر آؤ۔ حاضرین کہتے ہیں کہ ہم دیکھ رہے تھے کہ وہ پرند پروں کو سمیٹ کر زمین پر اُترے اور صحنِ مسجد میں آگئے اور آقائے کونینؑ نے ان کی زبان میں کچھ باتیں کیں جو ہم نہ سمجھے اور مرغابیوں نے گردنیں بلند کر کے جواب دیا پھر ارشاد فرمایا کہ خدائے عزیز و جبار کا حکم زبان (حال) سے بولو۔ قازوں نے بڑی فصاحت سے کہا السلام علیکم یا امیر المومنینؑ خلیفۃ رسولؐ رب العالمین" اے جملہ مومنین کے امیر اور رب العالمین کے رسولؐ کے خلیفۂ برحق"۔

لپٹ جاتی ہیں جب مرغابیاں پائے مبارک سے
قنبر کے دست شفقت سے انہیں آقا ہٹاتے ہیں

(میر عشق)

حضرت موسیٰؑ بن عمرانؑ کی جھلک

نص قرآن ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا جب سانپ کی شکل میں آیا تو قدرت کو کہنا پڑا لاتخف موسیٰ ڈرنا نہیں اور سیرت حضرت امیرؑ میں ہے کہ آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ منبر سے قنبرؓ کو حکم دیا کہ حجرۂ مسجد میں جو ملے اُسے لے آؤ۔ قنبرؓ صفِ مومنین سے اُٹھے اور گوشہ میں جا کر دیکھا کہ ایک خوبصورت سانپ لہرا رہا ہے۔ دل میں خوف طاری ہوا مگر حکم کے نہیب میں اس کو پکڑ لیا۔ حارث بن اعور راوی کا بیان ہے کہ قنبرؓ کے ہاتھ سے وہ تڑپ کر چھوٹ گیا اور منبر کی طرف خود چلا اور حیدر کرارؑ کے قریب پہنچ کر گوش مبارک تک گیا اور کان میں اپنی زبان میں باتیں کیں۔ دیر تک وہ کچھ کہتا رہا اور آپ سنتے رہے۔ پھر صفوں کو چیرتا ہوا واپس گیا۔

جانے کے بعد آقائے کونینؑ کے آنسو جاری ہوئے۔ حاضرین نے سبب پوچھا۔ فرمایا یہ وہ جن ہے جس نے رسولِ خداؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور (اس وقت حاضر ہو کے) میری اطاعت کا اقرار کرتا ہے اور کوئی مخالفت، یہ مسجد کوفہ ہے آفرین ہے قنبرؓ کی ہمت پر، اب آنے والے کی دو حیثیتیں قرار پاتی ہیں وہ سانپ جس کے کاٹے کا منتر نہیں اور دراصل قوم جن سے ہے جس کے نام سے انسانیت خوفزدہ ہے۔ یہ دو آتشہ بلا تھی جس کا قنبرؓ نے مقابلہ کیا اور ایسا نہیں ہوا کہ ڈر کر پلٹ آئے ہوں اور کہا ہو وہاں تو سانپ ہے۔ اس روایت و معجزہ کا پس منظر یہ ہے کہ جن کو معرفت میں کمال تھا آقا اور غلام دونوں کو پہچانتا تھا۔ کیا مجال کہ قنبرؓ کے کاٹا ہو اور ایسا بھی نہیں ہوا کہ موجودہ منافقوں میں کسی ایک کو گزند پہنچا ہو، وہ دنیا کو مہلت کی جگہ سمجھتا ہے۔ اُس کے ڈسنے سے زیادہ خطرناک عذاب الٰہی ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ وہ تو دوزخ کے پست ترین طبقہ میں ہوں گے۔

قنبرؓ کا یہ جرأتمندانہ اقدام بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کلیم اور مرسل ہو کر دست مبارک کو کپڑے (ارجح المطالب

ص ۲۱۱) میں لپیٹ کر اژدھے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں اور قنبر مطلق نہیں ڈرے۔

موکلانِ دوزخ جیسی خدمات

مولانا سید ابوالحسن شاہ کشمیری ابن سید نقی شاہ مرحوم و مغفور اپنے استادِ علام تاج العلماء کی زادِ قلیل معرکہ آراء کتاب کی شرح میں اُس طبقہ کو جو مولاؑ کی اولوہیت کا قائل تھا قنبرؓ کے ہاتھوں نذرِ آتش کئے جانے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

مناقب (سواد السبیل شرح زادِ قلیل عربی ص ۱۴۷ طبع مطبع اثنا عشری میر عابد علی لکھنؤ) میں ہے کہ ستر آدمی جنگِ بصرہ کے بعد خدمت امیر المومنینؑ میں لائے گئے جو اپنی زبان میں اُن حضرات کو اپنا معبود سمجھتے تھے اور سجدہ کرتے تھے آپ نے جواب دیا کہ تم پروائے ہو میں تمہارے جیسا مخلوق ہوں۔ انہوں نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا اگر تم اپنے قول سے میرے بارے میں نہ ہٹے اور بارگاہِ ایزدی میں توبہ نہ کی تو تم کو قتل کردوں گا۔ آنے والوں نے راہِ راست پر آنے سے انکار کیا۔ آپ نے خندق کھدوا کر آگ روشن کرائی اور قنبرؓ نے ایک ایک کو اپنے کندھے پر لاد کے آگ میں ڈالا اور کہا:

انی اذا ابصرت امرا منکراً
او قدت ناری و دعوت قنبرا
ثم احتفرت حفراً احفرا
وقنبر یحطم حطماً منکرا

"جب میں نے اُن کی بدخیالی دیکھ لی تو آگ سلگوائی اور (اپنے غلام) قنبرؓ کو پکارا زمین پر گڑھے کھودے قنبرؓ زیرِ زمین لکڑیاں (ایندھن) جمع کر رہے تھے"۔

مجلسی علیہ الرحمہ نے یہ واقعہ رجال کشی سے بروایت امام محمد باقر علیہ السلام بیان کرکے توضیح کی ہے:۔

الزط قوم من السوذان والهنود فسلموا عليه و كلموه بلسانهم۔

"یہ حبش کے لوگ اور ہنود تھے جنہوں نے آکر سلام کیا تھا اور آپ نے انہیں کی زبان میں جواب سلام دیا ان کے سرگروہ کا نام محمد بن النصیر حمیری بصری تھا"

علماء اہل سنت نے بھی اس واقعہ کو نذرِ قرطاس کیا ہے اور قنبرؓ کی خدمات کا اس موقع پر ذکر ہے بہرحال آگ سے جب دھواں بلند ہوا اور وہ جل کر راکھ ہوگئے تو مولاؑ نے ان کو پھر زندہ کیا تو ان کی زبان پر یہ کلمات (یہ اشعار دیوان ص ۲۴۲ کے ہیں) تھے۔

''آگ کا عذاب تو آگ کا رب ہی کر سکتا ہے''۔ نصیری اس گروہ کے عقائد کی تائید کرنے والے ہیں۔

اس واقعہ سے قنبرؓ کی طاقت جسمانی کا اندازہ ہوا کہ وہ ستر آدمیوں کو اٹھا اٹھا کر لائے اور آتشین کنوئیں میں ڈالا جس طرح حکم ایزدی سے دوزخ کے ۱۹ موکل کفار کو جہنم میں پہنچائیں گے اور آگ کی لپک ان پر اثر نہ کرے گی۔

علم ہدایت شیم ہاتھ میں

اسلام میں لواء، رایت، علم کی وہ اہمیت ہے کہ جس کے ہاتھ میں نظر آئے وہ دوسروں سے ممتاز ہے۔ علمداری کی ہوس بڑے بڑے نمودار لوگوں کو تھی اور جس کو سرکار رسالتؐ سے یہ شرف عطا ہوتا تھا وہ زمین پر پیر نہ رکھتا تھا۔ علم کی حفاظت بھی بانیانِ اسلام کے ذمہ تھی کہ مبادا نااہل علم لے کر چل کھڑے نہ ہوں۔ اس لئے وہ کسی امانتدار کے قبضہ میں رہا اور مال خانہ سے علمدار کے ہاتھ میں پہنچانا بھی فضل و شرف سے خالی نہیں۔ قنبرؓ کو یہ عزت بھی حاصل تھی کہ وہ صفین میں علم کے محافظ تھے اور بعید نہیں کہ دشمن سے جنگ بھی کی ہو۔ خود مولاؑ کے منظومہ میں ان کی اس خدمت کا پتہ لگتا ہے۔

اخرمت ناری ودعوت قنبر اقدم لوائی لاتوخر حذرا۔

''جب میں نے آتشِ حرب بھڑکا دی تو قنبرؓ کو صدا دی اور کہا علم لا دیر نہ ہو''۔

صفین کی تصویر کشی لیلۃ الھریر کا کشت و خون ہر دشمن کی خون ریزی پر اللہ اکبر کی صدا صفِ دشمن کے قریب نماز ظہر کے لئے مصلیٰ بچھنا کون نہیں جانتا مگر یہ افادہ کہ علم قنبرؓ لائے مولاؑ کی غلام نوازی تھی احمد درویش نے جس کتابچہ میں قنبرؓ کی آمد کو نظم کیا ہے اس کے ابتدائی شعر کا مصرعہ ثانیہ ٹھیک سے پڑھا نہیں جاتا۔ پہلا مصرعہ یہ ہے "**ھذا اجری السمع انت ماجری دروانہ**" اور دوسرے ابتدائی مصرعہ کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ وہ قنبرؓ کو فوج کے جرنیل کے درجہ پر سمجھتا ہے۔ اور یہ رائے صحیح ہے۔

نہیں بلکہ یقین ہے اور اس رائے پر جو تائید دستیاب ہوئی وہ یہ ہے۔ کان (مناقب ابن شہر آشوب) لہ الف نسمہ آنحضرتؐ کے ہزار غلام تھے۔ دو واقعہ کربلا میں کام آئے اور دو کو حجاج بن یوسف نے (یعنی جس میں قنبرؓ شامل ہیں) قتل کیا''۔

واقعہ کربلا میں شہید ہونے والے غلاموں کے نام سلافہؓ اور (**افاطمہ یابنتہ الخیر قومی واللہ بی نجوم سموات بارض فلوات**) نصرؓ بتائے گئے ہیں۔ عقل قبول نہیں کرتی کہ جن غلاموں کو شہرت نہ ہو وہ تو روز عاشور شہید ہو جائیں اور قنبرؓ جو غیر معمولی شہرت کا مالک وہ رہ جائے اور حجاج بن یوسف کے وقت تک زندہ رہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ مختار ابن ابوعبیدہؓ اور دوسرے دوستدارانِ علیؑ کے ساتھ مقید ہوں گے اور ان کی یہ مدت دراز کی قید واقعہ کربلا میں شرکت سے مانع ہوئی۔

اب انصاف کا مقام ہے کہ قنبرؓ کے دل و دماغ پر آقا زادوں کے مہمان بلا کر شہید ہونے کا کیا اثر ہوگا اور کس طرح زار و قطار روتے ہوں گے۔ اگر شریعت کو زمانہ آزادی اور مہلت دیتا تو قنبرؓ کے کان تک معرکۂ کارزار کے کوائف بھی پہنچنا چاہئیں اور وہ دوسرے افراد سے نقل بھی کر سکتے تھے مگر حریت سلب تھی، زبانوں پر قفل تھے۔ سامعین کا فقدان تھا۔

اب رہا یہ امر کہ دو ہستیاں سلافہ اور نسر کو کیونکر رخصتِ جہاد ملی کیا لڑے، کب شہید ہوئے۔ یہ بھی واقعہ نگار کا احسان ہے کہ سیرت علیؑ میں نام رہ گئے ورنہ آسمان کے لاکھوں ستاروں میں بہت تھوڑے تاروں کے نام دنیا کو معلوم ہیں کربلا میں بقول وکیل وہ آسمان (یہ دو نام نہ تو زیارت شہداء میں ہیں نہ مقاتل میں مگر ابن شہر آشوب کا علمی وقار ثبوت میں کافی ہے) کے ستارے زمین پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرے تھے جو عظمت میں سورج سے بڑے تھے۔

وفادار غلام کے قتل ہونے کی پیشن گوئی

''صدیق اکبر اور لسانِ داورؑ کی یہ پیشن گوئی بھی تھی کہ ایک گروہ (یہ مناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ طبع بمبئی ص ۱۸۲ کی دو سطروں کا ترجمہ ہے) ان کے دوستوں کا دشمن کے ہاتھ سے بے دردی کے ساتھ قتل ہوگا۔ ان میں قنبرؓ کے ذبح ہونے کی خبر دی اور قتل ہونے کی کیفیت بتائی جیسا کہ عنقریب (حال ان کا) آئے گا''۔

اس ذمہ دارانہ بیان کا مطلب یہ ہے کہ قنبرؓ اپنی شہادت کے منتظر اور اصحاب امیر المومنینؑ ان کے انجام بخیر ہونے پر گواہ اور اس عنصر ایمان میں تنہائی کی صحبتوں میں ایک دوسرے کی قربانی کے تذکرے ہوتے تھے اور ہر فرد صبر و تحمل اور ثبات میں پہاڑ تھا جس کے خیالات میں تبدیلی نہ تھی۔

عناصر اربعہ ۴۰ھ سے ۶۰ھ تک

سیرت قنبرؓ میں یہ پہلو بڑا غور طلب اور خامہ فرسائی کے قابل ہے کہ صفین کے معرکہ میں تو اُن کی یاد تازہ ہوتی ہے اور امام حسنؑ کے زمانہ حکومت اور امامت میں بھی ان کا نام آجاتا ہے (ناسخ التواریخ جلد ششم ص ۵۲ طبع بمبئی) اور وہ خدمت گزاری میں عذر نہیں کرتے اور شہادت امام حسنؑ کے بعد دس برس تک اُن کا نام صفحۂ تاریخ میں نظر نہ آیا۔ اگر حجاج بن یوسف کا اُن کو قتل کرنا طشت از بام نہ ہو چکا ہوتا تو سیرت نگار یہ لکھتے کہ وہ واقعہ کربلا کے پہلے مر چکے تھے۔ ورنہ دشتِ غربت میں ضرور شہید ہوتے۔ سالہا سال کا خلا اور حجاج کے دور میں ان کی شیرانہ گفتگو نے کوائفِ عمر کو زندہ کیا اور نتیجہ سامنے آیا کہ وہ عہدِ معاویہ میں دوست دارانِ علیؑ کے ساتھ قید ہوں گے، قید سخت ہو یا قید بامشقت

واقعہ کربلا میں قنبرؓ کیوں شریک نہ ہوئے؟

الحسین ص ۱۹۰ میں یہ سوال اُٹھایا تھا قنبرؓ واقعہ کربلا میں کہاں تھے؟ کیا وہ پیرانہ سالی کا عذر کر کے خانہ نشین

ہو چکے تھے۔ کیا تمام عمر کی خدمت گزاری کے بعد وہ آقا زادوں کو بھول گئے تھے ایسا نہیں ہے اور ناممکن تھا کہ وہ اولادِ مصطفیٰ کو اپنے سامنے کٹتے دیکھتے اور بیٹھے رہتے۔ صفین کی جنگ میں میدانِ حرب اک آتش کدہ تھا اور قنبرؓ اس محاذ پر عملدار تھے۔ روزِ عاشور کی گرمی سے وہ ہرگز نہ ڈرتے۔ امام حسنؑ کے زمانہ تک ان کی موجودگی تاریخ سے ثابت ہے اور شہادت حسینؑ کے دس برس بعد تک صفحۂ تاریخ میں ان کا نام آتا ہے۔ وہ عہدِ امام زین العابدینؑ میں حجاج بن یوسف ظالم کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ واقعۂ کربلا میں وہ قید سخت میں تھے اور مختارؓ ایسے مشاہیر کے ساتھ اسیر تھے۔

اس قید و بند میں کہاں ممکن تھا کہ ان کا نام خاندان حضرت امیرؑ کے حالات میں جگہ جگہ آتا۔ امام حسنؑ زندگی بھر بھولے نہ ہوں گے۔ امام حسینؑ کو یقین تھا کہ قنبرؓ ہوتے تو اُڑ کر آتے۔ امامِ زین العابدین علیہ السلام خود اسیر ہو کر اس سابق کو دل و دماغ میں جگہ دیئے ہوں گے اور جب قنبرؓ کی شہادت کی خبر سنی ہوگی تو ان کا بھی غم منایا ہوگا۔

میں فضلِ خدا سے ابوہریرہ نہیں ہوں نہ غلط حوالوں پر میری زندگی کی اساس ہے۔

امام مظلوم کے مکہ سے سفر میں قنبرؓ کی ایک یاد

واقعہ کربلا میں جبکہ فرزند رسولؐ مدینہ چھوڑ چکے اور مکہ سے بھی نکلنا چاہتے تھے عبداللہ بن زبیر سے جو سخت گفتگو ہوئی اور اس پر مسلمانوں کے جوق جوق آکر بیعت کرنا بار تھا اور وہ آپ کے فروغ کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا اور اس کا الزام تھا کہ مسلمانوں میں افتراق پھیلایا جا رہا ہے۔ عبداللہ ابن عباسؓ جو حج کے سلسلے میں آئے تھے اس کی ریشہ دوانی سے اچھی طرح واقف تھے اور جب امامؑ نے مکہ بھی چھوڑ دیا تو ابن زبیر سے ان کا یہ کہنا **لقد قرت عینیك یا ابن الزبیر**۔ اے ابن زبیر اب تیری آنکھیں روشن ہوئیں۔ فرزند رسولؐ مکہ سے بھی نکل گئے۔ یہ دیکھ کر طرفہ بن عبد شاعر کے چار شعر پڑھے جو ناسخ التواریخ جلد ششم ص ۲۰۹ طبع بمبئی میں دیکھیں پہلا شعر یہ تھا جس میں قنبرؓ کا لفظ آیا۔ **یالك قنبرة بمعمر خلالك الجو فبیضی و اصفری**۔ تحقیقِ لفظ میں وہ حاشیہ میں کہتے ہیں قنبرہ مرغ چکاوک کو کہتے ہیں جس کی جمع قنابر ہے لیکن مفرد کے استعمال میں حرف نون کا اظہار ہوتا ہے اور معمر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سبزہ اور پانی ہو۔ مفہوم یہ تھا کہ امامؑ کی ہوشیاری کے باوجود مکہ سے نکلنے پر اب وہ تیرے شکار ہو سکتے ہیں۔

قنبرؓ نہ تھے تو کچھ پروا نہیں دوسرے غلامانِ علیؑ جن کے نام "الحسینؑ" میں آچکے اپنا خون بہا چکے مومنین کی نیت اور ارادہ ان کے عمل سے بہتر ہے۔

شہادت اور قاتل کا تعارف

حجاج بن یوسف ثقفی کا نام ظالموں میں سرفہرست ہے اور دنیا کا بچہ بچہ اس فرعون بے سامان کے مظالم، آل محمدؐ اور اُن کے دوستوں پر مصائب کے پہاڑ گرانا اور ہنسنا جانتا ہے۔ نمرود و ہامان نے بھی جو ظلم نہیں کیے وہ حجاج کے بائیں

ہاتھ کا کھیل تھا اُس کا طاغوت عہد اور ابلیسِ عصر ہونا دنیائے تاریخ کو تسلیم۔ ابو اسحاق برہان الدین وطواط (غرر الخصائص طبع مصر عربی ص ۲۵۳) نے بالکل شب پرہ چشمی سے کام نہیں لیا اور آزادانہ اپنی تاریخ میں لکھا کہ "اس نے لڑائیوں میں جن لوگوں کو قتل کرایا اُن کا ذکر نہیں۔ ایک لاکھ ۲۰ ہزار نفوس انفرادی اس کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور اس کے قید خانہ میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں جن میں چھ ہزار پردہ نشین تھیں جیل کی سختیاں برداشت نہ کرنے پر زندان میں فوت ہوئیں۔ اس کے وقت کا قید خانہ عورت و مرد کی مخلوط جگہ تھی جہاں سردی اور گرمی سے بچنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ بے سقف کی عمارت دیواروں کے سایہ میں جب دھوپ پڑتی تو قیدیوں کو تمازت میں کھینچ کر لایا جاتا"۔

ایک قنبرؓ وہ سخت جان تھے کہ موت کے چنگل سے زنداں میں محفوظ رہے ان کو اس سرکش کے ہاتھ سے سعادت ابدی حاصل ہونے والی تھی۔

(۱) وفا شعار غلام کی شہادت پر اہلِ تاریخ اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ حجاج نے ایک دن کہا کہ میرا دل چاہتا ہے اگر کوئی دوستِ علیؑ ملے تو میں اس کو قتل کروں اور خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل کروں۔ لوگوں نے کہا کہ قنبر سے زیادہ خدمتِ علیؑ میں حاضر رہنے والا کوئی نہیں۔ اس اطلاع پر قنبرؓ کو قید خانہ سے بلایا۔

حجاج: (قنبرؓ کی طرف دیکھ کر) تو ہی قنبر ہے؟

قنبرؓ: ہاں میں قنبر ہوں۔

حجاج: علیؑ کے غلام ہو۔

قنبرؓ: میرا مولا خدا اور ولی نعمت علیؑ ہیں۔

حجاج: علیؑ کے دین سے بیزاری اختیار کرو۔

قنبرؓ: مجھے اُن کے دین سے بہتر کوئی دین بتا؟

حجاج: میں تمہیں قتل کروں گا کس طرح قتل ہونا پسند کرو گے؟

قنبرؓ: قتل ہونا تیری ہی رائے پر چھوڑتا ہوں۔

حجاج نے اصرار کیا آخر میں قنبرؓ نے فرمایا مجھ سے میرے آقا نے کہا تھا کہ تیری موت نہیں ہوگی مگر بلا وجہ ذبح ہونے سے۔ حجاج نے قنبرؓ کو ذبح کر دیا۔

(۲) شہید شوستری نے رجال کشی کے حوالے سے جو لکھا ہے وہ اصل ماخذ میں میں نے خود بھی بچشم خویش دیکھا مگر مترجم آگرہ مذکورہ الصدر جلد میں اس طرح ترجمہ کرتے ہیں جب قنبرؓ کو حجاج بن یوسف کے پاس لائے تو اس نے پوچھا:

حجاج: (ترجمہ مجالس المومنین ص ۴۶۳ ارجح المطالب میں اس محل پر کفایۃ الطالب محمد بن یوسف گنجی شافعی کے قلم کی جو الفاظ لکھے ہیں وہ یہ ہیں اخبرنی امیر المومنین ان میتی تکون ذبحا ظلماً بغیر حق نامر به فذبح "امیر المومنینؑ نے خبر دی ہے کہ میری موت نہیں ہوگی مگر بلاوجہ ازروئے ظلم ذبح کئے جانے سے حجاج نے اُن کو ذبح کرڈالا"۔ (ارجح ص ۷۷۴ آخر کتاب) علیؑ کی خدمتوں میں سے کون سی خدمت تمہارے متعلق تھی؟

قنبرؓ: میں حضرتؑ کے وضو کے لئے پانی لایا کرتا تھا۔

حجاج: وہ جب وضو سے فارغ ہوتے تو کیا کہتے؟

قنبرؓ: اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے فلما نسوا ما ذکروا به فتحنا علیهم ابواب کل شیء حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذناهم بغتة فاذا هم مبلسون فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمدلله رب العالمین۔ جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے "پس جب بھول گئے وہ لوگ اُس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ہر چیز کے دروازے ان پر کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ پائی ہوئی چیز سے خوش ہوئے تو ہم نے ان کو دفعتاً گرفتار کیا۔ پس وہ نا اُمید رہ گئے۔ پس ظالموں کی جڑ کاٹ ڈالی گئی اور سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں جو تمام عالمین کا پالنے والا ہے"۔

حجاج: (غصہ سے آگ بگولہ ہوکر) میرا گمان ہے کہ وہ اس آیت کی تاویل ہم لوگوں کی شان میں کرتے تھے اور ہمیں لوگوں کو ظالم سمجھتے تھے۔

قنبرؓ: ہاں ایسا ہی ہے۔

حجاج: اگر میں تمہاری گردن مارنے کا حکم دوں تو کیا ہو؟

قنبرؓ: میں سعادت مندوں میں ہوں گا اور تو شقیوں میں سے۔

حجاج نے حکم دیا کہ قنبرؓ کا سر جدا کیا جائے۔ وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

یہ وہ دلیرانہ گفتگو تھی جو قنبرؓ نے بڑھاپے میں کی اور جامِ شہادت پی کر سو گئے۔ شیر خداؑ کی جیتی جاگتی یادگار بظاہر تو ظالم بادشاہ کے نجس ہاتھ سے مٹ گئی مگر تو یہ جب تک آقا کا نام باقی ہے اس وقت تک مظلوم غلام فراموش نہ ہوگا۔ شہادت قنبرؓ کا ذکر لسان الواعظین ص ۳۹۳ میں بھی ہے۔

(توضیح) حجاج بن یوسف کو عبدالمالک بن مروان نے ۷۵ ہجری میں گورنر عراق مقرر کیا اور شوال ۹۵ھ میں اس کی حکومت ختم ہوتی ہے۔ اس لئے قنبرؓ کی شہادت انہیں حدود اور امام زین العابدینؑ کے زمانہ کا حادثہ ہے۔ (کچھ مسلمان کراچی کے، خالد بن ولید کی برسی کررہے ہیں۔ زندہ دلانِ پنجاب سے میری خواہش ہے کہ یوم قنبرؓ منائیں۔ آغا مہدی)

مزارِ قنبرؓ

آخوند (زادالزائرین حصہ اول ص ۲۹ آج کل کے سفرناموں میں بھی بغداد کی زیارتوں میں قبرِ قنبرؓ کا ذکر ہے) مرزا قاسم علی صاحب کشمیری مرحوم ومغفور اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں:

"بغداد کے محلہ یہود ونصاریٰ کے درمیان ایک علاقہ قنبرؓ کے نام سے موسوم ہے وہاں یہ وفا شعار غلام آرام کررہا ہے اور نواب اقبال الدولہ بہادر شاہزادہ اودھ کی رباعی ایک تختہ پر لکھی ہوئی آویزاں ہے۔

هم قطار ملست قنبرِ من
مالكِ هر دو ما است حيدر من
نعل و نعلين و دل دلِ قنبر
جيفه تاج و پرا فرمن

اس مزار کے پاس ایک پتھر کا مینڈھا بنا ہوا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ حاجت مند جس کام کے لئے نیت کرکے اس مینڈھے کو اُٹھا لیتا ہے وہ کام ضرور ہوتا ہے۔ اگر وہ کام نہ ہونے والا ہو تو وہ مینڈھا ہرگز نہیں اُٹھتا۔ عربوں کی یہ جدت مستحسن نہیں ہے۔

جد امجد حضرت غفران مآب اعلی اللہ مقامہ نے بھی بغداد میں اس قبر کی زیارت کی اور اپنی کتاب آخر مسکن القلوب میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے آج بس اور ٹیکسی سے یہ راستے آسانی سے طے ہوتے ہیں اُس وقت قاتر اور پیدل سفر کے سوا دوسرا ذریعہ پہنچنے کا نہ تھا۔

مزار کی دو حیثیتیں ہیں۔ خادمِ مولا کی قبر اور شہید راہ خدا کی آرام گاہ جس سے قاتل کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ وہ قتیل جو اپنی وفا اور کمالات میں قادر الکلام مقرر اور جلیل عالم تھا قنبرؓ سے روایات کا پایا نہ جانا اور دوسرے غیر معروف غلام سے راویوں کا اخذ علوم بتاتا ہے کہ دورِ عصبیت میں یحییٰ بن کثیر سے نقل روایات میں محدثین کو ڈر نہ تھا ان کو عام لوگ علیؑ کا غلام نہیں سمجھتے تھے اور قنبرؓ کا نام زبان پر آنے کے ساتھ آقا کا تصور ہے اس لئے قنبرؓ کی روایات کا فقدان ہے اور ان کے علوم کنزِ مخفی ہو کر رہ گئے۔

اولاد

فضہؓ محترمہ کی اولاد کا کئی پشت تک وجود رہا۔ قنبرؓ کے بارے میں بجز خاموش رہنے کے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ فضہؓ کو نا تخدا سمجھنا شریعت سے اعلانِ جنگ، تاریخ سے تصادم اور جہل پروری ہے۔

مظلوم غلام کی شہادت پر آقازادہ کا تاثر

سیرت امام زین العابدین علیہ السلام میں ہے کہ جب وہ کسی مرنے والے کی سنائی سنتے تو یہ دعا پڑھتے تھے قنبرؓ کا قتل اُن کے مصیبت زدہ دل کے لئے بہت زیادہ رنج و ملال کا سبب ہوگا۔ یہ صحیفہ سجادیہ کی چالیسویں دعا ہے۔

(ترجمہ) اے معبود محمدؐ اور اس کی آلؑ پر رحمت بھیج اور لمبی اُمید سے ہمیں بچا اور سچے عمل کے ذریعے سے اُس اُمید کو ہم سے کم کرتا کہ کسی گھڑی کے بعد کسی دوسری گھڑی کے پورے ہونے اور ایک دن کے بعد دوسرے دن کے کامل ہونے اور ایک سانس کے بعد دوسری سانس سے متصل ہونے اور ایک قدم کے بعد دوسرے قدم سے ملنے کی ہم اُمید نہ کریں اور اس کے دھوکے سے ہمیں محفوظ رکھ اور اس کی برائیوں سے ہمیں بے خوف کر اور موت کو میرے سامنے کھڑا رکھ اور اس کی یاد میں ناغہ نہ ڈال اور نیک کاموں میں سے ہمارے لئے وہ کام قرار دے جس کے ہوتے ہوئے تیرے پاس آنے کے وقت کو دیر سمجھیں اور تجھ سے جلد ملنے کی اُسی کام کے سبب سے خواہش کریں یہاں تک کہ موت ہماری ایسی دلچسپی کی چیز ہوجائے جس سے ہم دلچسپی حاصل کریں اور ایسی الفت کی چیز ہوجائے جس کے ہم مشتاق ہوں اور ایسے ہمارے عزیز و قریب بن جائے جس سے قریب ہونے کو ہم پسند کریں۔ پھر جب تو اُسے ہم پر اُتارے اور اُسے ہمارے پاس لائے تو پھر ہم کو اس کی وجہ سے نیک بخت کر اور اس سے ہم کو مانوس کر جبکہ وہ آئے اور اس کی مہمان نوازی سے ہم کو محروم نہ کر اور اس کی ملاقات سے ہم کو رسوا نہ کر اور اُسے ہماری بخشش کے دروازوں میں سے ایک دروازہ بنا اور اپنی رحمت کی کنجیوں میں سے ایک کنجی۔ ہم کو موت دے تو ہدایت یافتہ نہ راہ بھٹکے ہوئے فرماں بردار نہ مکروہ سمجھنے والے توبہ کرنے والے نہ مخالفت کرنے والے اور نہ اصرار کرنے والے اے نیکوکاروں کے بدلے دینے کے ذمہ دار اور اسے خرابی پیدا کرنے والوں کے کام کے دوست رکھنے والے"۔ (صحیفۂ کاملہ مترجم مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری طبع دوم ۱۹۲۲ء مطبع یوسف دہلی ص ۲۳۴) اصل کو نظر انداز کر کے ترجمہ پر اکتفا کی ہے جس میں دو مقام قابل غور ہیں۔

(۱) اصل دعا میں حامتاہ ہے جس کے معنے عموماً لغت میں یہ ہیں **الحامہ الخامہ و حامۃ الرجل خاصۃ من ولدہ و ذی قرابتہ و تقول ھولاء حامۃ ای اقربائہ**۔ یعنے حامہ خاصہ کے مرادف ہے اور حامۃ الرجل کے معنے یہ ہیں اُس شخص کے خاص لوگ اولاد اور رشتے داروں میں سے چنانچہ عرب کہتا ہے وہ ہیں اس کے حامہ تو مراد قرابتدار ہوتے ہیں۔ یہ لفظ اصل میں آیہ تطہیر کی تفسیر میں قول نبیؐ سے ماخوذ ہے "**ھولاء اھلبیتی و خاصتی و حامتی**"۔ تعجب ہے کہ بنجارہ ترجمہ کیوں کیا گیا اگر بنجارہ کے معنے میں کسی لغت میں استعمال ہوا ہو تو اس جگہ وہ معنے درست نہیں۔ اسی لحاظ سے محترم معاصر مولانا مفتی جعفر حسین صاحب دامت عالیہ نے ان ہی معنوں میں ترجمہ کیا ہے۔

(۲) موت کو امامؑ نے دروازہ قرار دیا ہے اور یہ مطلب دعا سمات میں موجود ہے کہ ہر شے کا دروازہ ہوا کرتا ہے۔ کوئی چیز بغیر دروازہ کے نہیں۔ موت کے بعد آخرت دار القرار ہے۔ خدانہ کردہ کسی عزیز اور دوست کی عمیر وفات پر ہم کو بھی یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔

علمائے دین کی نظر میں قنبرؓ کی وقعت محبت کے جرم میں خونریزی

شیعی علماء اور صاحبانِ کمال میں ابو یوسف ابن اسحاق بن سکیت علم نحو کے مشہور آفاق استاد متوکل عباسی کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے۔ ان کی اعلیٰ قابلیت اور دماغ نے اس عہدہ پر پہنچایا تھا اور وہ بھی زمانہ کے دورِ حاضر میں اس منصب کو غنیمت سمجھتے تھے۔ مرنجاں مرنج رو یہ اوقاتِ تعلیم میں رہا۔ مذہبی چھیڑ چھاڑ کیسی مگر ظالم فرمانروا کو فکر تھی کہ کسی طرح درس دینے والے کو راہِ راست سے ہٹایا جائے مگر محبتِ علیؑ پتھر کی چٹان سے زیادہ مضبوط اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے زیادہ سخت اوقات درس میں متوکل کو آنے کا حق بھی نہ تھا وہ مصاحبت کے لئے نہیں وابستہ ہوئے تھے، پڑھانے کو آتے تھے۔ یکا یک متوکل نشۂ نخوت سے سرشار سامنے آیا اور پوچھا:

متوکل: (مولوی جی) تمہیں میرے دونوں بیٹے معتز اور ـــــ زیادہ پیارے ہیں یا حسنین (علیہما السلام)

ابن سکیتؒ: (غصہ سے بے قابو ہوکر) متوکل! تجھ سے اور تیرے دونوں بیٹوں سے میرے نزدیک قنبرؓ بہتر ہے۔ ط

متوکل نے حکم دیا کہ ان کی زبان گدی سے کھینچی جائے اور وہ ۲۴۴ھ میں سزایاب ہوکر شہید ہوئے۔

(تاریخ زین الدین بن عمروری ص ۲۲۸ مکتبہ ممتاز العلماء) ایک محب علیؑ ہی قتل نہیں ہوا بلکہ علم و کمال کا چراغ گل کر دیا۔

تصویرِ قنبرؓ

یادش بخیر حسین آباد ٹرسٹ لکھنؤ کے مشہور زمانہ شاہی امام باڑہ میں جو شیشہ آلات اور تبرکات سے آراستہ ہے صحنِ حسینیہ کی طویل نہر میں دُلدل (ذوالجناح) کا مجسمہ ہے اور باگ ہاتھ میں لیے ہوئے حبشی غلام معمار عمارت نے کچھ اس طرح سے بنایا ہے کہ انسان دیکھتا رہ جاتا ہے۔ یہ فعل کاریگر کا ابتداء وقت میں کسی طرح صحیح نہ تھا مگر تکمیل کے بعد اس کا توڑنا خالی از اشکال نہیں۔ سرکارِ دو عالمؐ نے بروز بت شکنی جو بت حضرت ابراہیمؑ کی صورت کا تھا اس کو توڑا نہیں دفن کرا دیا (لواعج الاحزان) اس لئے زائرین حرمت و تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور شبِ عاشور محرم کی روشنی دیکھنے خلائق کا وہ ہجوم ہوتا ہے کہ چوک سے آسانی سے راہ گیر گزر نہیں سکتا۔ خداوندِ عالم بھارت کی جملہ مساجد اور مقامات متبرکہ کو کفار اور مشرکین کے شر سے محفوظ رکھے۔

جناب کمیل بن زیاد

آپ مشہور تابعی اور حضرت امیر المومنینؑ کے مخصوص صحابی تھے نہایت زاہد و عابد تھے۔ کوفہ آپ کا وطن تھا اور وہیں آپ پیدا ہوئے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ میں آپ خوب ہوشیار تھے۔ آپ صدوق وثقہ و بزرگ اور اپنے قبیلہ نخع کے رئیس و سردار تھے۔ حضرت علیؑ کے جہادوں میں شریک اور جنگ صفین میں حضرتؑ کی فوج کے نامآوور بہادروں میں تھے۔ حضرت علیؑ کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ آپ کا ہاتھ پکڑ کر شہر سے باہر نکل گئے۔ تنہائی میں آپ کو حقائق و معارف کی تلقین فرمائی اور عجیب و غریب نصیحتیں کیں۔ فرمایا ''اے کمیل! لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اول علماء ربانین و عارفان حق کا طبقہ۔ دوسرے طالبانِ علم و سالکانِ راہِ حق کا گروہ۔ تیسرا عوام کالانعام کا جھنڈ۔ جو نور بصیرت اور ضیاء علم حقیقت سے بے بہرہ رہتا بغیر تمیز حق و باطل ہر داعی مدعی کے پیچھے ہو جاتا۔ ہوا کے ہر جھونکے سے اِدھر اُدھر جھک جاتا اور حق کی پیروی سے محروم رہتا ہے اور کسی ایک رکن رکین کو اپنا ملجاو ماویٰ نہیں بناتا۔ اے کمیل! مال سے کہیں بہتر علم ہے۔ مال کی تمہیں حفاظت کرنا پڑتی ہے اور علم خود تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اے کمیل! دولت کے جمع کرنے والے مر گئے اور بہتیرے زندگی ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن علماء قیام قیامت تک زندہ ہیں۔ ان کا نام ونشان بقائے علم تک باقی رہے گا''۔ اسی سلسلۂ گفتگو میں حضرتؑ نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف (جو درحقیقت گنجینۂ اسرار الٰہی تھا) اشارہ کر کے فرمایا ھا ان ھھنا لعلما جما. لو اصبت له حملة'' آہ!! اس سینہ میں علم کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ کاش میں اس علم کا کسی کو حامل پاتا اور اسے سپرد کر دیتا''۔ جناب کمیل حضرت امیر المومنینؑ کی طرف سے عراق کے بعض قصبات، دیہات وغیرہ کے بھی حاکم رہے ہیں اور حضرتؑ ان کو موقع بموقع مراسلات کے ذریعے سے فہمائش اور سیاسی امور کے متعلق ہدایتیں فرماتے رہتے تھے۔ بعض خطوط نہج البلاغہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ آپ ہی کو حضرت امیر المومنینؑ نے وہ دعا تعلیم کی تھی جو آج تک دعائے کمیل کے نام سے مشہور و معروف ہے اور جس کے پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ جناب کمیل نے عمر بہت پائی۔ ۸۲ھ میں حجاج ثقفی کے ظلم سے شہید ہوئے۔ مختصر واقعہ شہادت یہ ہے کہ ۸۲ ہجری (غالباً ۷۰۱ء) میں جب حجاج نے عراق پر غلبہ پایا اور کوفہ میں داخل ہو کر بے گناہوں کو ظلم و جفا کے ساتھ قتل کرنا شروع کیا اور خاص کر مقدس شیعیان حضرت امیر المومنینؑ چُن چُن کر شہید کئے جانے لگے تو اس نے جناب کمیل کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کر دیا۔ اُس وقت ہیثم بن الاسود ایک شخص حجاج کے پاس آیا حجاج نے اُس سے پوچھا ''کمیل کا پتا ہے

کہ کہاں ہیں؟" ہیثم نے سفارشانہ لہجے میں جواب دیا کہ "کمیل تو ایک بڑھے ضعیف شخص ہیں وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کے لائق بھی نہیں ہیں"۔ مگر حجاج نے اس جواب پر کوئی توجہ نہیں کی اور کمیل کی تلاش شروع کردی۔ کہتے ہیں کہ وہ حجاج کے ظلم کے خوف سے چھپ رہے اور ان کی قوم نے حجاج کو ان کا پتا نہیں لگنے دیا۔ اس پر حجاج نے غضب ناک ہوکر ان کے پورے کنبہ کی آمدنی روک دی اور سب کے وظیفے بند کردیے۔ جناب کمیل نے جب یہ خبر سنی تو ہمت اور قومی جوش سے کہنے لگے۔ میں ایک پیر ضعیف ہوں۔ میرے تو یوں بھی مرنے کے دن آگئے ہیں۔ مجھ سے یہ ممکن نہیں کہ اپنی ایک جان بچا کر اپنی قوم کو سختی اور پریشانی میں مبتلا کردوں"۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھے اور خود حجاج کے پاس آکر حاضر ہوگئے۔ حجاج نے ان کو دیکھ کر سخت کلامی اور درشتی شروع کی جناب کمیل نے بھی ویسا ہی برابر کا جواب دیا۔ اور اس کو ظلم وستم سے باز رہنے اور خدا سے ڈرنے کی نصیحت کی پھر کہا "حجاج! میری عمر کا اب بہت تھوڑا ہی حصہ باقی رہ گیا ہے لیکن اب تیرے قبضہ میں ہوں۔ تیرا جو کچھ جی چاہے میرے ساتھ کرگزر۔ مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کیونکہ میرا اور تیرا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ تیرا حساب وکتاب کل قیامت کے دن حاکم حقیقی کے روبرو ہوگا۔ حجاج! تو جو کچھ میرے ساتھ ارادہ رکھتا ہے مجھے خوب معلوم ہے مجھے حضرت امیر المومنین علیؑ نے آج سے بہت پہلے اس کی خبر دے رکھی ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا"۔ حجاج غضبناک ہوکر بولا "ہاں میں تجھے ضرور قتل کروں گا" "تو حضرت عثمان کے مخالفین سے ہے"۔ غرض جلاد کو حکم دیا گیا کہ کمیل کی گردن ماردے۔ چنانچہ اسی وقت مظلوم کمیل قتل کردیئے گئے اور جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے پیشن گوئی فرمادی تھی لفظ بہ لفظ صحیح واقع ہوا اور آپ شہادت کے درجہ پر فائز ہوگئے۔

اور امیر المومنین کو جب علم ہوا تو رات ہی رات بدائن تشریف لے گئے اور سلمان کو غسل دے کر اسی شب مدینہ واپس ہوئے اس میں کوئی شک نہیں اور کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ سلمان کو حضرت علی علیہ السلام سے نہایت محبت تھی اور اہلبیت کا بہت پاس ولحاظ تھا اسی سے مخالفین علی نے ان پر ہمیشہ سختیاں کیں۔

جناب محمد بن ابو بکرؓ

اسماء بنتِ عمیس کے بطن سے حضرت ابو بکرؓ کے فرزند تھے حجۃ الوداع کے سال پیدا ہوئے، حضرت ابو بکرؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ نے اسماء سے عقد کرلیا تھا محمدؓ انہی کے زیرِ تربیت آگئے آپ نے اپنی اولاد کی طرح ان کی تعلیم وتربیت پر توجہ دی اور انھوں نے وہی مسلک اختیار کیا جو اس تربیت کا تقاضا تھا۔ جمل وصفین کے معرکوں میں شریک

رہے قیس ابن سعد کی برطرفی کے بعد مصر کی امارت ان سے متعلق ہوگی جب ۳۸ھ میں لشکر شام مصر پر حملہ آور ہوا تو دشمن کے ہاتھوں بڑی بے وردی سے شہید ہوگئے۔

محمد بن ابوبکرؓ بن ابوقحافہ جلیل القدر عظیم المرتبت خواص وحوارین امیرالمومنینؑ میں سے تھے بلکہ بمنزلہ آپ کے فرزند کے تھے۔ ان کی والدہ اسماء بنتِ عمیس پہلے جعفر ابن ابی طالبؑ کی بیوی تھیں۔

جعفر کے بعد ابوبکرؓ کی زوجہ ہوئیں اور حجۃ الوداع کے سفر میں محمد پیدا ہوئے۔ ابوبکرؓ کے بعد حضرت علیؑ کے حرم میں داخل ہوئیں تو لامحالہ محمدؓ نے امیرالمومنینؑ کی گود میں تربیت پائی اور حضرت علیؑ کے علاوہ انہوں نے کسی باپ کو نہیں پہچانا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ نے محمدؓ صلب ابوبکرؓ سے میرا بیٹا ہے۔

محمد جنگ جمل وصفین میں حاضر تھے اور جنگ صفین کے بعد امیرالمومنینؑ نے حکومت مصر انہیں عطا فرمائی ۲۸ھ ہجری میں معاویہ تفرقہ افگن نے عمرو بن عاص، معاویہ بن خدیج اور ابواعود سلمی کو ایک گروہ عظیم کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا اور ان لوگوں نے حضرت عثمان کے ہواخواہوں کے ساتھ مل کر محمد سے جنگ کی اور انھیں گرفتار کرلیا۔ لہٰذا معاویہ بن خدیج نے محمد کا سر پیاس کی حالت میں قلم کیا اور ان کا جسم گدھے کے چمڑے میں رکھ کر جلایا۔ محمد کی عمر اس وقت اٹھائیس سال تھی۔ کہتے ہیں کہ جب یہ خبر ان کی والدہ تک پہنچی تو غم وغصہ کی زیادتی کی وجہ سے ان کے پستان سے خون نکل آیا اور ان کی پدری بہن بی بی عائشہؓ نے قسم کھائی کہ جب تک میں زندہ ہوں کوئی پکتی ہوئی چیز نہیں کھاؤں گی اور ہر نماز کے بعد معاویہ عمرو عاص اور ابنِ خدیج پر لعنت کرتی رہیں جب محمد کی شہادت کی خبر حضرت علیؑ کو پہنچی تو آپ بہت محزون وغمگیں ہوئے اور محمد کی شہادت کی خبر ابنِ عباسؓ کو ان کلمات کے ساتھ بصرہ تحریر کی۔

مصر بے شک فتح ہوچکا ہے اور محمد بن ابی بکر پر، خدا اس پر رحمت کرے شہید ہوگیا ہے اس کے ثواب کی امید ہم خدا سے رکھتے ہیں جو کہ مخلص بیٹا تھا اور سخت کام کرنے والا تھا اور چمکنے والی تلوار اور دشمن کو دفع کرنے والا رکن وستون تھا۔ میں نے لوگوں کو اس سے مل جا پر ابھارا تھا اور اس کی فریادرسی کا حکم دیا تھا۔ اس واقعہ کے ہونے سے پہلے انھیں خلوت وجلوت میں جاتے آتے بلایا تھا ان میں کوئی تو کراہت کے ساتھ آتا ہے اور جھوٹے حیلے بہانے بناتا ہے اور کوئی مدد نہ کرتے ہوئے بیٹھا رہتا ہے میں پروردگار سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ مجھے جلد ہی ان سے چھٹکارا دلائے۔ خدا کی قسم اگر دشمن سے ٹکراؤں مجھے شہادت کی اُمید نہ ہو اور میں اپنے نفس کو مرنے کے لیئے پورے طور پر تیار نہ کیا ہوا ہو تو میں دوست رکھتا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ ایک دن بھی نہ گزاروں اور کبھی میری ان سے ملاقات ہو۔

ابن عباس جب محمد کی شہادت سے مطلع ہوئے تو حضرت علیؑ کے پاس تعزیت کے لئے بصرہ سے کوفہ آئے اور حضرت سے تعزیت کی۔ امیرالمومنینؑ کا ایک جاسوس شام سے آیا اور عرض کرنے لگا کہ اے امیرالمومنینؑ معاویہ کو محمد کی

شہادت کی جب خبر ملی تو وہ منبر پر گیا اور لوگوں کو بتایا۔ شام کے لوگ اس قدر خوش ہوئے کہ میں نے انہیں اس طرح کبھی کسی موقعے پر خوش نہیں دیکھا تو حضرت علیؑ نے فرمایا ہم اسی قدر مغموم ہیں جتنے وہ خوش ہیں بلکہ ہمارا غم اندوہ کئی گنا زیادہ ہے اور روایت میں ہے کہ امیر المومنینؑ نے محمد کے حق میں فرمایا کہ میرا پروردہ تھا اور میں اس کا باپ اور اسے اپنا بیٹا سمجھتا تھا۔ محمد مادری بھائی ہیں عبداللہ عون اور محمد اور لاد جعفر تیار کے اور یحییٰ بن حضرت علیؑ کے اور ابن عباس کی خالہ کے بیٹے ہیں اور قاسم فقیہ مدینہ کے باپ ہیں جو کہ امام جعفرؑ صادق کے نانا تھے۔

سلمان فارسی

آپ جب چھوٹے تھے اسی زمانہ سے طلب دین کی فکر تھی اور علمائے یہود و نصاریٰ وغیرہ کے پاس جاتے رہتے تھے اور جو اس سلسلہ میں مصائب ان پر ہوتے تھے ان پر صبر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ دس آدمیوں نے یکے بعد دیگرے ان کو اپنا غلام بنا کر فروخت کر دیا اور بالآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ حضرت رسولؐ خدا نے ان کو ایک یہودی سے خرید کر لیا آپ کی محبت اور اخلاص کا یہ اثر ہوا کہ حضرت رسولؐ خدا نے "السلمان منا اهل البيت" ارشاد فرمایا۔

شیخ محی الدین محمد العربی نے اس حدیث کو سلمان کی عصمت و طہارت کی دلیل قرار دیا ہے اور اپنی کتاب فتوحات کے ایک مقام پر تحریر کیا ہے کہ جب حضرت رسولؐ خدا عبد مخلص یعنی خالص تھے تو خداوند عالم نے ان کو اور ان کے اہلبیتؑ کو طاہر کیا اور ان سے نجاستوں کو دور کیا اور ہر چیز کو جو انہیں پر عیب بناتی اس سے ان کو جدا فرمایا اور جس سے دور کیا۔ جس کے معنی قدرت کے ہیں جیسا فتراانے حکائت کی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے "انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل بيت ويطهركم تطهيرا"۔ پس جس شخص کی نسبت ان کی طرف ہوگی وہ مطہر ہوگا اس لیے کہ اسی کی نسبت وہ لی جائے گی جو ان سے مشابہ ہوا اور جو چیز ان سے مشابہ ہوگی وہ طاہر اور مقدس ہوگی پس یہ پیغمبرؐ خدا کی شہادت ہے) سلمان فارسی کی طہارت اور حفظ الٰہی اور عصمت کے بارے میں۔ پس اب خود اہلبیتؑ کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جب انؑ سے مشابہ معلوم اور مطہر قرار پائے تو شبہ کا کیا ذکر ہے سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ وہ عین طہارت ہے۔ باوجود اس پاکی کے پیش رواں بادشاہت نے خلافت کے معاملہ میں جس قدر اذیتیں پہنچائیں اور مارا کہ ان کی گردن کج ہوگئی اور مرتے دم تک وہ گردن اسی حال میں رہی۔ سید التالیین حیدر بن علی ال آملی نے کتاب

کشکول میں تحریر فرمایا ہے اور یہ روایت مشائخ حدیث میں عبداللہ بن عفیف سے اور پھر ان کے پدر بزرگوں سے مروی ہے کہ سلمان قبل ظہور جناب رسولؐ خدا مکہ میں آئے تھے اور دین حق کی فکر میں رہتے تھے جب جناب رسالت مآبؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے تو یہ حاضر خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور جب رسولؐ خدا نے سلمان کی قابلیت علماء و عملاً ملاحظہ فرمائی تو آپ سے مشورہ فرمایا کہ ابتدا اہل مکہ میں سے کس کو دعوت اسلام دینی چاہئے مقصد حضرتؐ کا یہ تھا کہ سلمان کا خیال معلوم ہو جائے۔ سلمان نے عرض کی ابتدا ابوفصیل عبدالفرئ پسر ابوقحافہ کو دعوت اسلام دینی چاہیے۔ اس لیے کہ وہ تعبیر خواب بیان کرنے میں عرب میں مشہور ہیں اور عرب تعبیر خواب کو ایک قسم کا علم غیب سمجھتے ہیں اور علاوہ بریں علم تاریخ اور انساب عرب سے بھی قدرے واقف ہیں نیز بچوں کی تعلیم بھی کرتے ہیں۔ عرب لوگ اپنے معاملات میں اکثر ان سے رجوع کرتے ہیں ان کے دلوں میں ان کا کافی اثر ہے اگر یہ شخص مسلمان ہو جائے تو آپ کی نبوت کا شہرہ عربوں میں پھیل جائے گا اور وہ بھی اسلام کی طرف رجوع ہو جائیں گے اور یہ شخص بھی بعد اسلام لانے کے چونکہ ان کا مزاج داں ہے ان کو دین اسلام کی طرف مائل کر سکے گا اور معلمی اطفال کی وجہ سے محبت ریاست و جاہ اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے جو معلمی کا خاصہ ہے آپ کی نبوت کا حال بھی کتب سابقہ سے اس کو معلوم ہو چکا ہے لہٰذا اب وہ طمع اور محبت دنیا کی وجہ سے دین اسلام قبول کرلے گا اور عرب ایسے شخص کی اطاعت کو دلیل حقیقت اسلام سمجھنے لگیں گے۔ اگر آپ نے بجائے اس کے ابتدا کسی دوسرے کو دعوت دی تو اس کو حسد اور عناد پیدا ہوگا کہ دوسرا مجھ پر سبقت لئے جاتا ہے۔ لہٰذا وہ آپ کی بدگوئی اور مخالفت کرے گا۔ جناب رسالت مآبؐ نے جناب علیؑ مرتضیٰ اور جناب ابی طالب علیہ السلام سے بھی مشورہ فرمایا ان دونوں حضرات نے سلمان کی رائے پسند کی اس کے بعد حضرتؐ نے ابوبکر سے ملاقات کی اور دین اسلام کے لیے متوجہ کیا چنانچہ وہ اسلام لے آئے۔ حضرت رسولؐ خدا نے اس کی رکنیت جو ابوالفضل پہلے تھی بدل کر ابوبکر کردی اور نام جو عبدالفرئ تھا عبداللہ کردیا اور آپ ہمیشہ اپنے اصحاب کے مجمع میں فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر نے تم پر روزہ و نماز کے سبب سے سبقت نہیں کی اس کی سبقت بسبب ایک شے کے تھی جس کا وقار اس کے دل میں بیٹھا ہوا تھا مراد حضرت کی محبت ریاست تھی۔

ابن قتیبہ نے جو مشاہیر علمائے مخالفین سے ہیں لکھا ہے کہ اٹھارہ آدمی صحابہ میں رافضی تھے جن میں سلمان کا بھی شمار ہے شیخ اجل ابوجعفر طوسی علیہ الرحمہ نے امالی میں منصور بن رواح سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ اے مولا! میں آپ سے سلمان فارسی کا بہت ذکر سنتا ہوں آپ نے فرمایا سلمان فارسی مت کہہ بلکہ سلمان محمدیؐ کہہ اور وجہ اس تذکرہ کرنے کی ان کی تین فضیلتیں ہیں جن سے وہ مزین و آراستہ تھے اولاً یہ کہ وہ اپنی خواہش پر امیر المومنین علیہ السلام کی خواہش کو مقدم کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ فقراء کو دوست رکھتے تھے

اور ان کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دیتے تھے تیسرے ... سے محبت رکھتے تھے۔ تحقیق کہ سلمان ایک عبد صالح مسلمان تھے اور مشرکین سے نہ تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں اپنے اپنے نسب کا ذکر کر رہے تھے اور فخر کر رہے تھے۔ سلمان بھی موجود تھے عمر نے سلمانؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے سلمان تمہارا حسب ونسب کیا ہے؟ سلمان نے جواب دیا کہ میں مسلمان بندہ خدا کا بیٹا ہوں۔ میں گمراہ تھا۔ خدا نے مجھ کو محمدؐ کے سبب سے ہدایت فرمائی۔ میں محتاج تھا۔ خدا نے محمدؐ کی وجہ سے مجھے غنی کر دیا میں غلام تھا خدا نے محمدؐ کی وجہ سے مجھے آزادی دی۔ پس یہ میرا حسب ونسب ہے۔

کتاب کامل بہائی میں ہے کہ سلمان نے بسبب متابعت آل رسولؐ ابوبکر سے بیعت نہیں کی۔ تو ایک اور روز عمر نے ان سے کہا کہ اگر بنی ہاشم نے بیعت سے انکار کیا تو اپنی عزت پر افتخار قرابت کے باعث انکار کیا وہ اپنے کو رسولؐ کے بعد افضل خلق سمجھتے ہیں۔ یہ تم کو کیا ہوا کہ تم بیعت سے انکار کرتے ہو سلمانؓ نے جواب دیا کہ میں دنیا و آخرت میں ان کا شیعہ ہوں وہ جس سے مخالفت کریں اس سے میں بھی مخالفت کروں گا اور جس سے وہ بیعت کریں اس سے میں بھی بیعت کرنے پر تیار ہوں۔

کشف الغمہ میں سلمان سے روایت ہے کہ ہم نے رسولؐ خدا کی بیعت مسلمانوں کی خیر خواہی اور علیؑ بن ابی طالب کو اپنا امام قرار دینے پر کی تھی۔ سید عارف میر مخدومؒ نے سلمان کے متعلق بعض اپنے رسائل میں تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے ظاہر و باطن کسی موقع پر علیؑ کی مخالفت نہیں کی اور علیؑ نے جو چاہا وہ اس کے ہم خیال رہے۔

شیخ شہید علیہ الرحمہ نے حاشیہ قواعد میں کتاب صفوۃ الصفوۃ سے نقل کیا ہے کہ سلمان نے بنی کندہ کی ایک عورت کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے اور بکثرت اولاد ہوئی جو فضل و عقل سے آراستہ ہوئے جیسا کہ رجال سے پتہ چلتا ہے۔ حضرت سلمان کے حالات تفصیلی عہد نامہ امیر المومنینؑ میں ملتے ہیں جو سلمان کے بھائی اور ان کی اولاد نے بحکم پیغمبر لکھا تھا۔ کتاب درج الدرر اور تاریخ گزیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمان کی عمر ڈھائی سو برس کی ہوئی اور بعض روایت سے تین سو پچاس سال کی عمر پائی۔ ۳۶ ھجری میں بمقام مدائن انتقال فرمایا۔

جناب مالک اشتر

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور اور بڑے وفادار صحابی تھے آپ کا نام مالک، لقب اشتر اور باپ کا نام حارث

تحلی تھا۔ آپ کو حضرت امیر المومنینؑ سے نہایت درجہ خصوصیت تھی اور حضرتؑ کے ہاں آپ بڑے عظیم المرتبت تھے۔ جب آپ کے انتقال کی خبر حضرتؑ نے سنی تو فرمایا وہ میرے اپنے خون سے ہی تھے۔ جیسا میں حضرت رسولؐ خدا کے لئے تھا۔ یہ بھی فرمایا رحم اللہ مالکا وما مالک عز علی بہ ھالکا لو کان صخرا لکان صلدا ولو کان جبلا لکان فندا وکانہ قدلی قدا خدا مالک پر رحمت نازل کرے۔ ان کی جدائی میرے لئے بہت شاق ہے وہ اگر شجاعت یا حقیقت اور دانا میں پتھر تھے تو سخت پتھر تھے اور اگر پہاڑ تھے بڑے اونچے پہاڑ تھے ان کی موت نے گویا مجھے قطع کر دیا اور میری کمر توڑ دی۔ جنگ جمل میں جو لشکر حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے گرد تھا اس پر آپ نے تین مرتبہ حملہ کر کے اونٹ کے تین پاؤں کاٹ دیئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر بھی بڑے بہادر تھے اور جنگ جمل میں زبردست حصہ لے رہے تھے۔ جب انہوں نے مالک اشتر کی شجاعت دیکھی تو پکار کر کہا اے دشمن خدا تھوڑی دیر اس جگہ ٹھہر اور کہ میں دیر سے تیری ہی فکر میں ہوں اور دنیا بھر میں بس تجھ ہی پر میری نظر ہے اب دیکھ کیسا مزہ چکھاتا ہوں ذرا مردوں کا وار بھی دیکھ لے۔ یہ کہہ کر نیزہ لئے ہوئے بڑھے اور گھوڑے کو تیز کر کے مالک اشتر پر حملہ کیا دونوں بہادر کچھ دیر تک نیزے کا حملہ ایک دوسرے پر کرتے رہے آخر مالک اشتر کی بنے عبداللہ کو ایسا زبردست نیزہ لگایا کہ وہ گھوڑے سے منہ کے بل زمین پر آ رہے مالک اشتر بھی فوراً گھوڑے سے کود کر عبداللہ کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اب تو عبداللہ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ موت کی صورت نظر آنے لگی۔ مگر مالک اشتر نے ان کو چھوڑ دیا۔ اُس روز آپ روزہ سے تھے اور اس کے پہلے بھی دو روز سے کچھ کھایا نہیں تھا۔ باوجود اس کے ایسی شجاعت دکھائی کہ سب لوگ مبہوت ہو گئے۔ آخر حضرت امیر المومنینؑ اور مالک اشتر وغیرہ کے دلیرانہ جہاد سے جنگ جمل والے نہایت کثرت سے قتل ہوئے اور باقی لوگوں نے راہِ فرار اختیار کی۔

جنگ صفین میں بھی مالک اشتر کے عظیم الشان کارنامے ظاہر ہوئے۔ مثل بپھرے ہوئے شیر ببر کے سخت حملہ کرتے اور ہر طرف کشتوں کا انبار لگا دیتے۔ کسی کو مقابلہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جس طرف رُخ کرتے لشکر کو تہہ و بالا کر دیتے تھے۔ علامہ ابن الحدید معتزلی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ خدا نے عرب و عجم میں بہادری کے اعتبار سے مالک اشتر اور ان کے استاد حضرت علیؑ ایسا کسی کو پیدا نہیں کیا تو میرے خیال میں اس کی قسم جھوٹی نہیں ہوگی۔ جب لوگوں نے ان سے مالک اشتر کی شجاعت کا حال پوچھا تو کہا میں اس بہادر کی شجاعت کیا بیان کروں جس کی زندگی نے معاویہ والوں کو مردہ اور جن کی موت نے حضرت علیؑ والوں کو شکستہ دل کر دیا تھا۔ جب صفین کی مشہور لڑائی لیلۃ الہریر میں بازار موت ایسا گرم تھا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں مالک اشتر کا یہ حال تھا کہ تلوار اور نیزہ لئے ہوئے شیر ژیاں کی طرح حملہ کرتے اور میمنہ و میسرہ کو الٹتے جاتے تھے قریب قریب پوری فتح کر چکے تھے معاویہ کے

لشکر کو شکست عظیم دے چکے تھے کہ عمرو عاص نے قرآنوں کو نیزوں پر نصب کرادیا۔ جس پر حضرت علیؑ کی فوج دھوکہ کھا گئی۔ اور حضرتؑ کو مجبور کیا کہ اب جنگ روک دیجئے حضرتؑ نے ہاتھ روک لیا تو سب نے کہا مالک اشتر کو بھی بلا لیجئے مالک اس وقت بڑی تاک میں تھے دیکھ رہے تھے کہ دشمنوں کے پاؤں اکھاڑا ہی چاہتے ہیں۔ اتنے میں حضرتؑ کا قاصد پہنچا کہ واپس آؤ یہاں نیا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے چاہا کہ لڑائی ختم کر کے ہی آئیں۔ اس پر خارجیوں نے حضرتؑ کو گھیر لیا اور کہا یا تو آپ مالک کو فوراً بلالیں ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے یا ابھی آپ پر حملہ کر دیں گے۔ حضرتؑ نے پھر مالک کے پاس پیغام بھیجا تو آپ نہایت مغموم و محزون واپس آئے۔ پھر جب معاویہ والوں نے چاہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے اور اپنی طرف سے عمرو عاص کو مقرر کیا تو حضرتؑ نے اپنی جانب سے جناب عبداللہ بن عباس یا انہیں مالک اشتر کو مقرر کرنا چاہا مگر خوارج نے اعتراض کیا، تب حضرتؑ نے فرمایا پھر جو چاہو کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ مالک اشتر صرف بہادری ہی میں بے مثل و نظیر نہیں تھے بلکہ عقل و فہم اور سیاست و تدبر میں بھی اس درجہ پر فائز تھے کہ حضرت علیؑ نے ایسے سخت موقع پر عمرو عاص ایسے چالاک شخص کے مقابلہ میں آپ ہی کا انتخاب کیا۔ اور اگر حضرتؑ کی فوج والے اس پر راضی ہو جاتے تو آپ عمرو عاص کی ایک چال بھی کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ معاویہ نے ۳۸ ہجری کے شروع میں حضرت علیؑ کو خوارج سے مشتغل دیکھ کر عمرو عاص کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا۔ اُس وقت حضرت علیؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے۔ ان کو عمرو عاص کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو حضرتؑ کو خط لکھ کر مدد طلب کی۔ حضرتؑ نے مالک اشتر کی کو جو اُس وقت حاکم جزیرہ تھے نصیبین سے بلا کر محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کیا۔

جب معاویہ کو مالک اشتر کی روانگی کی خبر ہوئی تو بہت پریشان ہوا اور سمجھ گیا کہ اب مصر پر قبضہ کرنا بہت دشوار ہے۔ پس ظاہر میں تو لوگوں سے کہا کہ تم اشتر کے لیے روز بددعا کیا کرو اور مخفی طور پر عریش یا قلزم کے زمیندار کو مالک کا حلیہ لکھ کر بھیج دیا اور خوشامد کی کہ مصر جانے کا یہی راستہ ہے اشتر اس طرف سے ضرور گزریں گے۔ تم ان کی دعوت کر کے کسی چیز میں ان کو زہر دے دینا میں اس کے انعام میں بیس سال تمہارا اخراج معاف کر دوں گا۔ وہ زمیندار راضی ہو گیا۔ جس روز مالک اشتر اس مقام پر پہنچے روزے سے تھے اس نے ان کی دعوت کی اور افطار کے وقت شہد کے شربت میں زہر دیدیا۔ جس کے پیتے ہی وہ شہید ہو گئے۔ معاویہ کو یہ خبر ملی تو نہایت خوش ہوا۔ اور خطبہ میں بیان کیا کہ خدا کا لشکر شہد میں بھی ہوتا ہے اب علیؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ کیونکہ عمار یاسر صفین میں شہید ہو چکے تھے اب مالک اشتر بھی ختم ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۵۴)

مگر حضرت علیؑ نے سنا تو آپ کو نہایت صدمہ ہوا اور محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ میں نے مالک اشتر کو بہت قابل سمجھ کر تمہارے پاس بھیجا تھا مگر افسوس وہ راستہ ہی میں شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ ۳۸ ہجری کا ہے۔ مالک اشتر جس طرح

کمال عقل و شجاعت و بزرگی و فضائل سے متصف تھے اسی طرح زیور حلم و زہد و فقر و دور اندیشی سے بھی آراستہ تھے۔ ایک شخص نے نظر حقارت کر کے ایک لکڑی آپ پر پھینک دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ مالک اشتر تھے تو دوڑا ہوا گیا کہ معافی طلب کرے۔ دیکھا وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ جب اس نے قصور معاف کرنے کو کہا تو فرمایا میں اس وقت مسجد میں اسی لیے آیا ہوں کہ نماز پڑھ کر تمہارے کے لیے استغفار کروں۔ آپ ذکاوت۔ فصاحت' بلاغت میں بھی یکتا تھے۔ غرض آپ مجموعہ کمالات تھے اور حضرت امیر المنینؑ کی صحبت کا پورا اثر آپ میں ہوگیا تھا۔

جناب قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ

قیس بن سعد بن عبادہ بہت ہی مشہور اور جلیل القدر صحابی رسول ہیں انہیں کے والد سعد بن عبادہ رئیس خزرج تھے جن میں اور حضرت ابوبکر و عمر میں سقیفہ خلافت کے لئے دھینگا مشتی ہوئی تھی۔

قیس معزز رئیس زیرک و چالاک، سخی و جواد، فصیح اللسان مقرر اور زاہد و صاحب فضیلت افراد میں سے تھے اسی کے ساتھ ان کی ہستی ارکان دین میں سے ایک رکن اور مذہب کے ستونوں میں سے ایک ستون بھی تھی۔

قیس کا فضل و شرف

قیس قبیلہ اخرزج کے سردار تھے اور ان کے باپ دادا سیکڑوں برس پہلے سے سردار ہوتے چلے آرہے تھے زمانہ جاہلیت و اسلام دونوں میں عزت و توقیر کے حامل رہے۔

سلیم بن قیس ھلالی مشہور تابعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں

''قیس بن سعد قبیلہ انصار کے سردار اور سردار کے بیٹے تھے'' کامل میں ہے ''قیس شجاع و جواد اور سید و سردار تھے (جلد ا ص ۳۰۹)

علامہ کشی اپنی رجال صفحہ ۷۳ پر لکھتے ہیں ''قیس جاہلیت و اسلام دونوں زمانوں میں سردار رہے ان کے باپ دادا پر دادا سبھی سردار ہوتے آئے شرف و بزرگی ہمیشہ ان میں رہی۔ قیس اور ان کے باپ دادا جاہلیت و اسلام کے مشہور غریب پروروں میں سے تھے۔

استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۸ پر ہے ''قیس اپنی قوم کے رئیس تھے اور ان کا کوئی ہم سر نہ تھا، یہی حالت ان کے باپ دادا کی بھی تھی''۔

اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵ میں بھی عبارت ہے۔

ابن کثیر اپنی تاریخ جلد ۴ ص ۹۸ میں لکھتے ہیں، قیس واجب الاسلام سردار، کریم سیرت وصفات اور بہادر تھے۔ ان کے والد سعد بن عبادہ ان بارہ نقیبوں میں سے تھے جنہوں نے پیغمبرؐ خدا سے اپنے قوم کے اسلام کی ضمانت کی تھی۔

قیس کی افسری

عہد پیغمبرؐ میں قیس بمنزلہ وزیر پولس کے تھے (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۷) اصابہ جلد ۵ ص ۳۵۴ مصابیح یعقوبی جلد ۲ ص ۱۵۱ استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۸، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵ تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۹۴ تاریخ ابن عساکر جلد ا ص ۸۶۔

بعض غزوات پیغمبرؐ میں قبیلۂ انصار کے علم کے بھی حامل رہے پیغمبرؐ نے انہیں صدقات کا حامل بھی مقرر کیا تھا (تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۹)

امیر المومنینؑ نے اپنے زمانہ میں انہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا اور وہاں بڑی پاکیزہ نفس اور حکمت عملی سے انہوں نے حکومت کی یہ قیس امیر المومنینؑ کے فدائیوں اور خیر خواہوں میں سے تھے۔ امیر المومنینؑ نے ماہ صفر میں انہیں مصر کا گورنر مقرر کیا اور روانہ کرتے وقت بہت سی وصیتیں انہیں کیں اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اپنے ساتھ ایک دستہ بھی فوج کا لے جاؤ۔ مگر قیس کی محبت نے گوارا نہ کیا امیر المومنینؑ کی ہمراہیوں کی تعداد کم کریں اور جس فوج کی حضرتؑ کو زیادہ ضرورت ہے اسے اپنے ساتھ لے جائیں صرف سات آدمیوں کے ساتھ یکم ربیع الاول کو مصر پہنچے۔ منبر پر جا کر تقریر کی جس میں حمد وثنائے الٰہی کے بعد کہا کہ بھائیو! ہم نے اس شخص کی بیعت کی ہے جسے بعد پیغمبرؐ سے سب بہتر جانتے تھے۔ تم بھی اٹھو اور کتاب خدا و سنت نبویؐ پر ان کی بیعت کرو۔ اگر ہم سے وعدہ خلافی ہو تو پھر یہ بیعت قائم نہ رہے گی سب نے اُٹھ کر بیعت کی اور مصر ان کے لئے ہموار ہوگیا۔ ہر ہر حصہ پر انہوں نے اپنے احکام مقرر کر کے بھیج دیئے سوا موضع ''خرتبا'' کے کہ وہاں حضرت عثمان کے ہوا خواہوں کی آبادی تھی اور وہ لوگ قتل عثمان پر برگشتہ خاطر تھے۔ وہاں بنی کنانہ کا ایک شخص یزید بن قیس نامی تھا، اس نے قیس کو کہلا بھیجا کہ میں خود تو تمہارے پاس آؤں گا نہیں البتہ تم اپنے عامل کو یہاں بھیج دو یہ زمین تمہاری زمین ہے البتہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ تا کہ ہم سوچ لیں اور دیکھیں واقعات کا انجام کیا ہوتا ہے۔ مسلمہ بن مخلد ابن صامت انصاری شورش انگیزی پر مستعد ہوا اور اس نے حضرت عثمان کے قتل کا حال بتا کر لوگوں سے تحریک کی کہ انتقام کا مطالبہ کریں۔ قیس نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ تم میرے خلاف محاذ قائم کررہے ہو خدا کی قسم تمہیں قتل کر کے مجھے شام ومصر دونوں کی حکومت بھی مل جائے تو مجھے پسندیدہ نہیں۔ تم اپنی جان

ہلاکت میں نہ ڈالو۔ مسلمہ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم مصر کے گورنر رہو گے میں تم سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ یہ قیس بڑے دوراندیش اور صاحب تدبیر تھے (تاریخ طبری جلد ۵ ص ۲۲۷ تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۰۶ وغیرہ)

امیر المومنینؑ جب جنگ جمل کے لئے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو قیس اس وقت مصر میں تھے جب جنگ جمل سے واپسی ہوئی تب بھی وہیں تھے یہ ۴ مہینے ۵ دن وہاں گورنر رہے پہلی ربیع الاول کو مصر پہنچے تھے اور ۵ رجب کو واپس ہوئے جیسا کہ خطط مقریزی میں ہے استیعاب وغیرہ میں جو یہ مذکور ہے کہ قیس جنگ جمل میں موجود تھے جو کہ جمادی الآخر میں پیش آئی تھی صحیح نہیں ہاں تاریخ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگ جمل کی ابتدائی کارروائیوں میں موجود تھے، بعد میں امیر المومنینؑ نے انہیں آذربائیجان کا عامل مقرر کیا (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۰) عامل مقرر کرتے وقت انہیں خط میں لکھا۔

"امابعد! مال خراج حق وانصاف کے ساتھ وصول کرنا اور اپنی فوج کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرنا اور اپنے پاس کے لوگوں کو جو کچھ تمہیں آتا ہے تعلیم دینا، دوسری بات یہ ہے کہ عبداللہ بن شبیل احمسی نے ہم سے درخواست کی ہے کہ اس کے متعلق تم سے بھلائی کی سفارش کروں۔ میرا خیال ہے کہ وہ بہت ہی متواضع اور منکسر المزاج شخص ہے تم اپنا دروازہ اس کے لئے کھول دو اور حق کی طرف مائل ہو، جو شخص حق کی موافقیت کرے گا اس کا بال بیکا نہ ہوگا۔ خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرنا کہ خدا کی راہ سے بھٹک جاؤ، جو لوگ خدا کی راہ سے گمراہ ہوں گے ان پر روز قیامت سخت عذاب ہوگا"۔

غیاث کا بیان ہے کہ جب امیر المومنینؑ معاویہ سے جنگ پر کمربستہ ہوئے تو قیس کو خط لکھا۔

"امابعد! عبداللہ بن شبیل احمسی کو اپنا نائب مقرر کر کے میرے پاس چلے آؤ۔ مسلمانوں کی جمعیت اکٹھا اور ان کی جماعت ہموار ہو چکی ہے جتنا جلد ہو سکے پہنچو۔ میری روانگی میں جو کچھ تاخیر ہوگی وہ تمہارے ہی لئے ہوگی خداوند عالم ہمیں اور تمہیں تمام معاملات میں نیکی کی توفیق دے"۔

قیس کی زیرکی و دانائی

قیس بڑے زیرک و دانا اور عرب کے مشہور باتدبیر لوگوں میں سے تھے، چالاکی و ہوشیاری میں بڑے بڑوں کے کان کترتے تھے۔ پانچ آدمی (عمرو عاص، معاویہ، مغیرہ بن شعبہ، قیس بن سعد، عبداللہ بن بدیل) عرب کے زبردست ڈپلومیٹ گنے جاتے ہیں اور یہ سب کے استاد تھے۔

استیعاب وغیرہ میں ان کے متعلق مشہور ہے کہ یہ عرب کے مشہور سیاست داں، باتدبیر اور جنگی چالبازیوں کے ماہر لوگوں میں سے ایک تھے اسی کے ساتھ ان میں دلیری، بہادری اور سخاوت کی خوبیاں بھی تھیں۔ (استیعاب جلد ۲ ص

۵۴۸)

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ "معاویہ اور ان کے درمیان جو واقع پیش ہوئے انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عقل و خرد سے کتنا بیش از بیش حصہ انہوں نے پایا تھا"۔

علامہ ابن کثیر بدایہ جلد ۸ ص ۹۹ میں لکھتے ہیں کہ "علی ابن ابی طالبؑ نے انہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا اور یہ اپنی ہوشیاری اور چالاکیوں سے معاویہ اور عمرو عاص دونوں کی سیاست کا مقابلہ کرتے تھے"۔

امام حسنؑ (اپنے عہد خلافت میں) سپہ سالار لشکر عبید اللہ بن عباس کو جو بارہ ہزار بہادران عرب کے سپہ سالار تھے اور مصر کے قاریوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ قیس سے مشورہ لیتے رہیں اور اہم جنگی معاملات اور معاویہ کے مقابل فوجی تنظیم میں ان کی طرف رجوع کریں۔ معاویہ کو ان کا وجود بہت کھلتا تھا۔ جب مصر سے یہ مدینہ چلے آئے تو مروان اور اسود بن ابی البختری نے انہیں بہت ڈرایا دھمکایا۔ قیس امیر المومنینؑ کے پاس کوفے چلے گئے، معاویہ نے مروان اور اسود کو بگڑ کر خط لکھا۔

"تم نے قیس، ان کی رائے اور تدبیروں سے علیؑ کے بازو اور قوی کردیئے خدا کی قسم اگر تم دونوں ایک لاکھ جنگی سورماؤں سے بھی علیؑ کی مدد کرتے تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس سے صدمہ پہنچا کہ تم نے قیس کو مجبور کر کے علیؑ کے پاس بھیج دیا"۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۳)

قیس مکر و تدبیر میں اپنے کو سب سے اونچا اور ہر ایک سے بہتر سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے "میں نے رسول اللہ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ مکر و فریب جہنم میں ہوں گے تو میں اس اُمت کا سب سے بڑا مکار ہوتا"۔

(اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵ تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۴)

اور کہا کرتے کہ اگر اسلام نہ ہوتا تو میں ایک ایسا مکر کرتا جسے عرب والے برداشت نہ کر پاتے"۔

قیس کی اپنی دانائی و ہوشیاری میں مشہور ہونا اسی کے ساتھ دینداری، حفظ ناموس شریعت، مرضی الٰہی کی پابندی، خوف خدا میں ان کی شہرت بتاتی ہے کہ عرب کے تمام شاطروں سے بہتر و افضل تھے اور ۵ شاطر جو مشہور ہیں ان میں کوئی ان کے مقابل کا نہ تھا سوا عبداللہ بن بدیل کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی دیندار متقی ہوا و ہوس سے پاک اور فتنہ سامانی سے مبرا تھے۔

جب امیر المومنینؑ کی بیعت ہوئی تو آپ کو معلوم ہوا کہ معاویہ بیعت سے گریزاں ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر علیؑ ہمیں شام اور ان مقامات کی حکومت پر باقی رکھیں جن پر عثمان نے مقرر کیا تھا تو میں بیعت کرلوں گا، اس پر مغیرہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا امیر المومنینؑ! معاویہ کو تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ سے پہلے جو خلیفہ تھے

انہوں نے اسے خلیفہ مقرر کیا، لہٰذا آپ بھی اسے برقرار رکھیے تاوقتیکہ آپ کے معاملات استوار ہو جائیں پھر آپ کی مرضی ہوگی تو بدل دیجئے گا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تم اس کی ضمانت لیتے ہو کہ انہیں گورنر مقرر کرنے کے بعد جب تک انہیں معزول نہ کرلوں تو زندہ رہوں گا؟ مغیرہ نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا تو میں انہیں رات بھر کے لئے بھی کسی ''مسلمان'' پر حاکم مقرر نہیں کرسکتا میں ان کو اپنا دست و بازو ہرگز نہ بناؤں گا۔ تم اپنا کوئی آدمی وہاں بھیجو انہیں میری بیعت کی دعوت دو اگر انہوں نے قبول کیا تو جیسے دوسرے مسلمان ہوں گے ویسے ہی وہ بھی اگر انہوں نے انکار کیا تو میں اس کا فیصلہ خدا کے حوالے کردوں گا۔ مغیرہ یہ جواب سن کر کہتے ہوئے واپس ہوئے ''تو پھر خدا ہی کے حوالے کیجئے''۔

''خدا ہی کے حوالے کیجئے''۔ اس پر قیس بن سعد نے کھڑے ہو کر کہا۔ امیر المومنینؑ! مغیرہ نے آپ کو ایسی بات کا مشورہ دیا جو خدا کو پسند نہیں، انہوں نے اپنا ایک پیر آگے بڑھایا اور ایک پیچھے رکھا اس مشورے سے ان کی غرض یہ تھی کہ اگر آپ معاویہ پر غالب ہوئے تو اپنی اس نصیحت کے سبب آپ کے مقرب بننے کی کوشش کریں گے اور اگر معاویہ کو کامیابی ہوئی تو اس مشورہ کی وجہ سے اس کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کریں گے''۔

امیر المومنینؑ نے انہیں کی بات کو قبول کرلیا اور مغیرہ وغیرہ سب کی رائیں رد کردیں۔

قیس کی جوانمردی

تاریخ و سیر کی جن جن کتابوں میں قیس کے حالات لکھے گئے ہیں ان میں قیس کی بہادری و شجاعت اور جوانمردی کا ضرور تذکرہ اور مدح و ستائش ہے وہ پیغمبرؐ کے مشہور شمشیر زن اور امیر المومنینؑ کے بعد اپنے زمانہ کے انتہائی بہادر تھے، معاویہ کے لئے اگر کسی کی ذات بوجھ تھی تو انہیں کی ذات تھی جتنا وہ ایک لاکھ سورماؤں کے لشکر سے نہیں ڈرتے اتنا ایک اکیلے قیس سے خوف کھاتے بروز صفین معاویہ کہا کرتے ''اگر خدا نے نہیں روکا تو کل قیس ہمیں نیست و نابود ہی کر کے دم لیں گے''۔

(ارشاد القلوب دیلمی جلد ۲ ص ۲۰۱)

قیس کی بے نظیر شجاعت کے مظاہرے عہد پیغمبرؐ میں بھی ہوئے اور عہد امیر المومنینؑ میں بھی۔ عہد پیغمبرؐ میں جنگ بدر و احد و حنین و خیبر و خندق وغیرہ سب ہی میں انہوں نے کارہائے نمایاں کئے۔ صاحب درجات رفیع لکھتے ہیں کہ یہ پیغمبرؐ کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ پیغمبرؐ کے ساتھ انصار کے علم کے یہی علمبردار تھے فتح مکہ کے دن پیغمبرؐ نے ان کے باپ سعد سے علم لے کر انہیں کو دیا۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ جلد ا ص ۱۷۷ میں لکھتے ہیں کہ بعض غزوات میں حامل لوائے پیغمبرؐ یہی قیس تھے۔ تاریخ طبری و ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۶ میں ہے کہ رسولؐ کے ساتھ انصار کے علم کے ہی علمبردار ہوتے تھے اور یہ صاحبان تدبیر و شجاعت و ہیبت میں سے تھے۔ استیعاب میں ہے کہ بروز فتح مکہ پیغمبرؐ کے

دانیہ کے بھی حامل تھے، پیغمبرؐ نے علیؑ کو بھیجا تھا کہ سعد سے علم لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دو علیؑ نے ایسا ہی کیا۔

عہد امیر المومنینؑ میں ان کی جنگی خدمات جنگ صفین سے ظاہر ہیں۔ معاویہ سے جنگ اور دشمنوں سے لڑنے کی حضرت کو برابر ترغیب دیا کرتے ان کا مقولہ تھا۔

امیر المومنینؑ روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر ہمیں کوئی محبوب نہیں۔ اس لئے کہ آپ ہمارے وہ ستارے ہیں جس سے ہم ہدایت پاتے ہیں اور وہ ٹھکانا ہیں جس کی ہم لوگ پناہ لیتے ہیں اگر ہم آپ کو کھو بیٹھے تو ہمارے زمین و آسمان دونوں تاریک ہو جائیں گے۔ اگر معاویہ کو مکر و فریب کرنے کی اجازت دے دی جائے تو وہ مصر پر چڑھ دوڑے، یمن کو خراب کرے اور عراق کے متعلق بھی اس کو طمع لاحق ہو اس کے ساتھ یمن کے ایسے لوگ ہیں جنہیں قتل عثمان پر بہکایا گیا ہے انہوں نے علم چھوڑ کر ظن و تخمین پر اکتفا کی ہے اور یقین کو چھوڑ کر شک کو کافی سمجھا اور خیر سے قطع نظر کر کے ہوا و ہوس کے ہو رہے آپ اہل حجاز کو لے کر اس کی طرف چل کھڑے ہوں اور ایسے امر کا ارادہ کر لیں جس کی وجہ سے اس کا سانس لینا دشوار ہو جائے اور اس کا دم گھٹ کر رہ جائے"۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ "بہت ٹھیک کہا تم نے"۔ (امالی شیخ الطائفہ ص ۸۵)

جب امیر المومنینؑ نے شام روانہ ہونے کا قصد کیا تو آپ نے اپنے ساتھ کے مہاجرین و انصار کو طلب فرما کر کہا۔

"آپ لوگ مبارک خیال، بہتر علم، صادق القول اور پسندیدہ افعال کے ہیں، ہم اپنے دشمن کی طرف چلنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ قیس نے کھڑے ہو کر کہا:۔

"امیر المومنینؑ ہمیں ساتھ لے کر دشمن کی طرف جلد چلیے اور تاخیر سے کام نہ لیجئے، خدا کی قسم ان شام کے دشمنوں سے جہاد کرنا ہمارے نزدیک ترک اور روم کے کافروں سے جنگ کرنے سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ یہ لوگ دین میں دغا فریب کر رہے ہیں۔ اصحاب پیغمبرؐ مہاجرین و انصار اور نیکوکار تابعین کو ذلیل کر رہے ہیں جب یہ لوگ کسی شخص سے ناراض ہوتے ہیں تو اسے قید کر دیتے یا زدوکوب کرتے ہیں ہمارا مال حلال سمجھتے ہیں اور ہم ان کے خیال میں ان کے غلام ہیں"۔

(کتاب صفین ص ۵۰)

صعصعہ بن صوحان بیان کرتے ہیں کہ جب حضرتؑ نے جنگ صفین کے لئے علم آراستہ کئے تو آپ نے پیغمبرؐ کا لواء باہر نکالا۔ پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد اب تک یہ دیکھا نہیں گیا تھا۔ اسے آراستہ کر کے آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو بلایا اور ان کے حوالے کیا تمام انصار اور بدر میں شرکت کا شرف رکھنے والے اصحاب سمٹ آئے انہوں نے جب لوائے

رسول کو دیکھا تو بے ساختہ رونے لگے قیس نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ:۔

"یہ وہ لواء ہے جس کا ہم پیغمبرؐ کے ساتھ حلقہ کیے ہوتے اور جبرئیل ہمارے مددگار تھے انصار جس کی پشت پناہ ہوں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ نہ کسی دوسرے کی موجودگی کی اسے حاجت ہے انصار وہ لوگ ہیں کہ جب وہ آمادہ پیکار ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھ نیزوں کے ساتھ دراز ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ شہر فتح ہو جائیں کہا"۔

(مناقب خوارزمی ص ۱۱۲، استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۹، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۶، تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۲۴۵)

جب معاویہ کی پریشانیاں بہت بڑھ گئیں تو انہوں نے عمرو بن عاص البسر بن ارطارۃ، عبید اللہ بن عمر، عبدالرحمن بن خالد کو بلایا اور ان سے کہا۔

"ہی ابن ابی طالبؑ کے چند آدمیوں کی طرف سے مجھے بے حد خلق ہے قبیلہ ھمدان کے سردار سعید بن قیس، دوسرے مالک اشتر، تیسرے ہاشم مرقال چوتھے عدی بن حاتم، پانچویں قیس بن سعد، اب تک یمانی قبیلے کے لوگ تمہارے سپر بنے رہے یہاں تک کہ اب مجھے شرم آنے لگی ہے کہ تم لوگ قریش کے سر بر آوردہ افراد ہو میں چاہتا ہوں کہ یہ یمانی لوگ سمجھ لیں کہ تم ان کے محتاج نہیں ہو، میں ان مذکورہ بالا ہر شخص کے مقابلے میں تم میں سے ایک شخص کو مقرر کرنا چاہتا ہوں اس کا فیصلہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔

لوگوں نے کہا۔ آپ کو اختیار ہے۔ معاویہ نے کہا کہ میں سعید بن قیس اور اس کی قوم کا مقابلہ کروں گا اور تم اے عمرو بنی زہرہ کے یک چشم ہاشم مرقال سے مقابلہ کرو اور تم اے بسر قیس بن سعد سے اور تم اے عبید اللہ اشتر نخعی سے اور تم اے عبدالرحمن بن خالد قبیلے طے کے یک چشم یعنی عدی بن حاتم سے"۔

اسی پروگرام کے تحت تیسرے دن لبر نے قیس بن سعد کا مقابلہ کیا گھمسان کا رن پڑا، قیس یوں نکلے جیسے شتر نر بسر نے نیزے سے ان پر حملہ کیا اور قیس نے تلوار سے اور اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ واپس آئے اور میدان اس دن قیس کے ہاتھ رہا۔ (کتاب صفین ص ۳۲۶)

نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب صفین ص ۲۲۷ و ۲۴۰ پر روایت کی ہے کہ معاویہ نے نعمان بن بشیر بن سعد انصاری اور مسلمہ بن مخلد انصاری کو طلب کیا معاویہ کے پاس قبیلے انصار کے بس یہی دو آدمی تھے اور کوئی نہیں تمام انصار امیر المومنینؑ کے علم کے نیچے اور حضرت کے قدموں پر جاں نثار کرنے کی بازی لگائے ہوئے تھے معاویہ نے نعمان اور مسلمہ سے کہا۔

"قبیلہ اوس و خزرج سے ہمیں بے حد صدمات پہنچ رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی تلواریں کاندھوں پر رکھ کر مقابلہ

کرنے کے لئے نکل پڑے ہیں، یہاں تک کہ خدا کی قسم انہوں نے میرے ساتھ کے بڑے بڑے بہادروں کو بزدل بنادیا ہے اب یہ حالت ہے کہ شام کے جس بہادر کا نام لے کر میں دریافت کرتا ہوں یہی جواب ملتا ہے کہ انصار نے اسے قتل کرڈالا۔ خدا کی قسم اب میں پورے ساز وسامان سے ان کا مقابلہ کروں گا اور ان کے ہر بہادر کے مقابلے میں اپنا ایک بہادر کھڑا کردوں گا، جو ان کا گلا چھید دے اور جتنی ان کی تعداد ہے اتنی ہی تعداد میں قریش کے ایسے مردوں کو کھڑا کروں گا جن کی غذا نہ کھجور ہے، نہ طفشیل (ایک قسم کا شوربہ) یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم انصار ہیں، ٹھیک ہے کہ انہوں نے پیغمبر کو پناہ دی تھی اور ان کی نصرت و یاری کی تھی لیکن ان لوگوں نے باطل کی آمیزش کی وجہ سے اپنے حق کو فاسد کردیا ہے"۔

نعمان بن بشیر یہ تقریر سن کر بگڑ گئے اور کہا۔

"معاویہ تم انصار کی ملامت اس وجہ سے نہ کرو کہ انہوں نے جنگ کی طرف سبقت کی وہ جاہلیت میں بھی ایسے ہی تھے (آج اگر وہ تم سے برسرپیکار ہیں تو کل تمہارے باپ دادا سے لڑ چکے ہیں) رہ گیا لڑائی کے لئے ان کا چیلنج تو ہم نے پیغمبرؐ کے ساتھ انہیں دیکھا ہے اور یہ جو تم نے کہا کہ ان کی تعداد کے مقابلہ میں قریش کے اتنے ہی آدمی تم کھڑے کروگے تو قریش والوں کو انصار کے ہاتھوں جتنی شکستیں اور صدمات اٹھانے پڑے ان سے بھی تم بخوبی واقف ہو اگر تم ویسا ہی چاہتے ہو تو کر کے دیکھ لو۔ رہ گیا تمر اور طفیشل تو تمر بے شک ہماری غذا تھی مگر جب تم نے اسے چکھا تو تم بھی کھانے لگے اور طفشیل یہودی کھایا کرتے تھے جب ہم نے کھایا تو ہم یہودیوں سے بڑھ گئے جیسا کہ قریش والے سخینہ کے نام سے بدنام ہیں (سخینہ ایک قسم کی غذا ہے جو گھی اور ستو سے بنائی جاتی ہے قریش والے بہت کھاتے تھے جس کی وجہ سے ان کا نام پڑ گیا تھا" (قریش سخینہ) اس گفتگو کی خبر انصار کو بھی لگ گئی، قیس نے تمام انصار کو اکٹھا کیا اور تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"معاویہ نے تم لوگوں کے متعلق کہا ہے تمہیں معلوم ہی ہوا ہوگا، تمہاری طرف سے تمہارے قبیلے والوں نے جواب بھی دے دیا ہے اپنی جان کی قسم تم لوگوں نے اگر آج معاویہ کو غم وغصہ میں مبتلا کیا ہے تو کل بھی کر چکے ہو۔ اگر اسلام میں تم نے ان کا خون بہایا ہے تو بحالت شرک بھی۔ معاویہ کے نزدیک تمہارا کوئی گناہ اس سے بڑھ کر نہیں کہ تم نے اس دین کی مدد کی جس پر آج تم ہو۔ تم آج کوشش کرکے وہ مزا چکھاؤ کہ پچھلے معاملے گرد ہوجائیں اور کل اس بات کی کوشش کرو کہ وہ آج کے واقعات ہیچ سمجھنے لگیں۔ تم اس رائے کے ساتھ ہو جس کے دائیں جبرئیل قتال کیا کرتے تھے اور بائیں میکائیل اور وہ لوگ (معاویہ اور ان کے ساتھ ابوجہل اور مشرکین کے ساتھ ہیں معاویہ کا یہ طعنہ کہ ہم لوگ کھجور کھاتے ہیں تو کھجور ہم نے نہیں بویا تھا، البتہ ہم لوگ ان لوگوں پر فتح یاب ہوئے تھے جنہوں نے اس کی کاشت کی تھی

اور طفلیش تو یہ ضرور ہماری غذا تھی اور ہم لوگ اس کے ساتھ مشہور بھی ہیں جیسے قریش سخینہ کے ساتھ مشہور ہیں“۔

اس کے بعد قیس نے چند اشعار پڑھے جن میں معاویہ کی مذمت کی تھی۔ جب معاویہ کو ان اشعار کی خبر ملی تو عمرو عاص سے رائے لی۔ کیا حرج ہے ہم لوگ بھی انصار کو گالیاں دیں۔ عمرو عاص نے کہا ہماری رائے یہ ہے کہ تم دھمکی تو ضرور دو مگر گالیاں نہ دو اور گالیاں دو گے بھی تو کیا؟ زیادہ سے زیادہ ان کے جسموں کی مذمت کرو گے مگر ان کے حسب پر کچھ حرف نہیں رکھ سکتے تھے۔ معاویہ نے کہا کہ انصار کے خطیب قیس فرز تقریر کر کے انصار کو ہمارے خلاف برانگیختہ کرتے ہیں، خدا کی قسم قیس کا تو ارادہ ہے کہ کل ہمیں ملیامیٹ ہی کر دیں تو تمہاری رائے کیا ہے۔ عمرو عاص نے کہا دل مضبوط رکھو اور صبر کرو“۔

پھر معاویہ نے قبیلۂ انصار کے کچھ لوگ جن میں عقبہ بن عمرو ابو مسعود، براء بن عازب عبدالرحمن بن ابی لیلی، خزیمہ بن ثابت، زید بن ارقم، عمرو، حجاج بن غزیہ بھی تھے کے پاس پیغام بھیجا اور اپنی ناراضگی ظاہر کی، معاویہ نے ان لوگوں سے فرمائش کی کہ تم لوگ قیس سے ملو۔ چنانچہ یہ سب لوگ قیس کے پاس آئے اور کہا کہ معاویہ ہم لوگوں کو گالیاں دینے سے پرہیز کر رہے ہیں، تم بھی انہیں گالیاں نہ دو۔ قیس نے کہا میرے ایسا آدمی گالی نہیں بکتا۔ البتہ میں ان سے لڑنے سے تو باز نہیں رہ سکتا، مرتے دم تک ان سے لڑتے جاؤں گا۔

دوسرے دن علی الصباح معاویہ کے لشکر نے حرکت کی۔ قیس سمجھے اس میں معاویہ بھی ہیں انہوں نے معاویہ کے خیال میں ایک آدمی پر حملہ کیا اور مار ڈالا، دیکھا تو معاویہ نہ تھے دوسرے آدمی پر اسی دھوکہ میں حملہ کیا اور مار کے پلٹ آئے۔

معاویہ نے شام والوں کو تاکید کی کہ جب تمہارا قیس سے سامنا ہو تو خوب گالیاں دو۔ جب دونوں لشکر کا سامنا ہوا تو معاویہ نے قیس کو بڑی سخت گالیاں دیں ساتھ ہی ساتھ انصار کو بھی، اس پر نعمان اور مسلمہ بن مخلد دونوں بگڑ گئے ان دونوں نے ارادہ کر لیا کہ جا کر اپنے قبیلے والوں سے مل جائیں مگر معاویہ نے بہلا پھسلا کر راضی کر لیا۔

اس کے بعد معاویہ نے نعمان سے فرمائش کی کہ تم قیس کے پاس جاؤ انہیں سرزنش کرو اور مصالحت پر آمادہ کرو۔ نعمان گیا۔ دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہو کر بولا۔

”اے قیس، کیا انصار نہیں جانتے کہ بروز قتل عثمان، عثمان کی مدد سے گریز کر کے انہوں نے خطا کی، تو جس طرح تم نے عثمان کی مدد نہ کی تھی علیؑ کی بھی مدد نہ کرتے تو حساب برابر ہو جاتا۔ مگر مصیبت تو یہ ہے کہ تم نے حق کی مدد سے گریز کیا اور باطل کی مدد پر کمربستہ ہوئے پھر یہ بھی تمہیں گوارا نہ ہوا کہ جیسے اور لوگ بے تعلق ہیں تم بھی بے تعلق رہتے یہاں تک کہ تم لڑائی میں گھس پڑے اور مقابلے کے لئے چیلنج کرتے ہو، علیؑ پر جب کوئی دشواری پڑتی ہے تم لوگ اسے

آسان کر دیئے ہو اور ان سے کامیابی کا وعدہ کرتے ہو، لڑائی نے ہمارا اور تمہارا جتنا نقصان کیا ہے وہ تم دیکھ ہی چکے ہو اب جو بچے کچھے رہ گئے ہیں اُن کے متعلق خدا سے ڈرو"۔

قیس یہ سن کر ہنسے اور کہا:۔

"نعمان مجھے تم سے اس جسارت بھری گفتگو کا وہم وگمان بھی نہ تھا جو شخص خود اپنے نفس کو دھوکہ دے وہ اپنے بھائی کو نصیحت نہیں کر سکتا، تم خدا کی قسم دھوکہ باز گمراہ اور گمراہ کن ہو اور تم نے عثمان کا جو ذکر کیا تو ان کے متعلق خبریں تو تمہیں ملی ہوں گی، ایک بات مجھ سے بھی سن لو، جس نے عثمان کو قتل کیا وہ بھی تم سے بہتر ہے اور جس نے عثمان کی مدد سے گریز کیا وہ بھی تم سے بہتر ہے۔ اصحاب جمل سے ہم نے اس لئے لڑائی لڑی کہ انہوں نے بیعت کر کے بیعت توڑ دی تھی رہ گیا یہ معاویہ تو خدا کی قسم تمام عرب بھی اگر معاویہ کے ساتھ ہو جائیں تب بھی انصار آخر وقت تک ان سے لڑتے رہیں گے، تمہارا یہ کہنا کہ ہم دوسروں جیسے نہیں ہیں تو ہم اس لڑائی میں ویسے ہی تھے جیسے رسولؐ اللہ کے ساتھ ہوا کرتے تھے جب کہ ہم اپنے چہروں سے تلوار روکتے اپنے سینوں سے نیزوں کو ٹالتے تھے یہاں تک حق غالب ہوا، خدا کا امر ظاہر ہو کر رہا اور مشرکین جلتے ہی رہے لیکن نعمان تم یہ دیکھو کہ معاویہ کے ساتھ سوائے آزاد کردہ لوگوں یا بدو عربوں کے اور بھی کون ہے یا قبیلہ یمانی کے وہ لوگ جو اپنے غرور میں ڈوبے ہوئے ہیں دیکھو تو مہاجرین وہاں کہاں؟ انصار کہاں؟ تابعین کے نیکوکار کہاں؟ پھر یہ بھی دیکھو کہ معاویہ کے ساتھ سوا تمہارے اور تمہارے ساتھی (مسلمہ بن مخلد) کے اور کون ہے اور تم دونوں نہ جنگ بدر میں شریک ہوئے نہ احد میں نہ تمہیں اسلام میں سابقیت کا شرف حاصل ہے نہ تمہارے متعلق کلام مجید کی کوئی آیت اُتری خدا کی قسم اگر آج تم نے ہماری مخالفت کی ہے تو تمہارے باپ بھی ہماری مخالفت کر چکے ہیں"۔

(کتاب صفین نصر بن مزاحم۔ شرح نہج البلاغ الامامہ والسیاسۃ جلد ا ص ۹۴)

امام حسنؑ کے مختصر عہد خلافت میں بھی قیس کی مردانگی اور جوانمردی کی یہی کیفیت رہی، امام حسنؑ نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بارہ ہزار عرب کے بہادروں کا ایک لشکر مرتب کر کے عبید اللہ بن عباس کی زیر سرکردگی معاویہ کی طرف روانہ کیا ساتھ میں قیس بن سعد اور سعید بن قیس ہمدانی بھی تھے، امام کی تاکید تھی کہ ہر معاملہ میں ان دونوں کے مشورہ پر عمل کیا جائے اور اگر عبید اللہ قتل ہو جائیں تو قیس بن سعد سردار لشکر ہوں اور قیس کی شہادت کے بعد سعید بن قیس۔ معاویہ بھی لشکر کی آمد کی خبر سن کر مقابلے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، ایک جگہ دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا، جھڑپیں بھی ہوئیں، رات جب آئی تو معاویہ نے عبید اللہ بن عباس کے پاس کہلا بھیجا کہ امام حسنؑ نے مجھے صلح کا پیام بھیجا ہے، وہ یہ حکومت میرے حوالے کرنے والے ہیں اگر تم اس گھڑی خوشی خاطر میری اطاعت قبول کر و تو عزت بھی

رہے گی ورنہ آخرکار تمہیں ذلت کے ساتھ میری اطاعت قبول کرنی پڑے گی اگر اس وقت تم میری بات مان لو تو تمہیں دس لاکھ درہم دوں گا ۵ لاکھ ابھی اور ۵ لاکھ اس وقت جب تم کوفہ پہنچ لو گے عبیداللہ راتوں رات معاویہ کے لشکر میں جا پہنچے معاویہ نے حسب وعدہ ۵ لاکھ درہم انہیں دے دیئے جب صبح ہوئی تو لوگ عبیداللہ کی راہ تک رہے تھے، ڈھونڈا گیا تو ندارد قیس نے لشکر کو جماعت سے نماز پڑھائی اور اس کے بعد ولولہ انگیز تقریر کی سپاہیوں کی ہمت بڑھائی ساتھ ہی عبیداللہ بن عباس کو برا بھلا کہا سپاہیوں کو صبر کی تلقین اور دشمن سے مقابلہ کرنے کی ترغیب دی سب نے لبیک کہی اور کہا خدا کا نام لے کر ہمارے ساتھ دشمن پر حملہ کیجئے قیس انہیں لے کر مستعد کارزار ہوئے ادھر سے بسر بن ارطاق نے چیخ کر کہلوائے ہو تم پر تمہارے سردار (عبیداللہ) تو ہمارے پاس ہیں اور تمہارے امام حسنؑ نے مصالحت کر لی ہے اب کس بات پر تم اپنی جانیں دیتے ہو۔ قیس نے اپنے لشکر والوں سے کہا اب دو ہی راستے تمہارے سامنے رہ گئے ہیں یا تو بغیر امامؑ کے جنگ کرو یا گمراہی کی بیعت کر لو۔ فوج نے کہا نہیں بلکہ ہم بغیر امامؑ کے لڑائی کو ترجیح دیتے ہیں، سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے شام والوں کو پسپا کر کے اپنی صف میں جانے پر مجبور کر دیا۔

معاویہ نے قیس کو خط لکھا جس میں انہیں اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور انہیں بہت کچھ داد و دہش کی اُمید دلائی۔ قیس نے جواب دیا خدا کی قسم ہم میں تم میں کبھی ملاقات نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ ہمارے تمہارے درمیان نیزہ ہو"۔

(ابن ابی حدید جلد ۴ ص ۱۴)

استیعاب برحاشیہ اصابہ جلد ۳ ص ۲۲۸ میں عروہ سے منقول ہے کہ قیس امام حسنؑ کے مقدمۃ الجیش میں تھے اور ان کے ساتھ ۵ ہزار آدمی تھے جنہوں نے امیرالمومنینؑ کی شہادت کے بعد اپنے سر منڈوا دیئے تھے اور مرنے مارنے پر بیعت کر لی تھی جب امام حسنؑ سے معاویہ کی مصالحت ہو گئی تو قیس نے معاویہ کی بیعت کرنے سے انکار کیا اور اپنے اصحاب سے کہا تمہاری کیا خواہش ہے اگر تم کہو تو تمہارے ساتھ معاویہ سے لڑوں یہاں تک کہ ہم لوگ شہید ہو جائیں اور کہو تو تمہارے لئے امان لے لوں۔ ان لوگوں نے کہا امان لے لو۔ قیس نے ان کے لئے امان لے لی اور حقوق حاصل کئے اور اپنے کو بھی انہیں کا ایک فرد قرار دیا اپنے لئے کوئی بھی خصوصی مراعات قبول نہ کیں اس کے بعد قیس اپنے اصحاب سمیت مدینے کو روانہ ہو گئے۔

قیس بن سعد کا جود و سخا

گنجائش نہیں کہ ہم تفصیل سے قیس کے بذل و عطا پر روشنی ڈال سکیں صرف چند نمونے نذر ناظرین کرتے ہیں۔

قیس نے اپنا کوئی مال معاویہ کے ہاتھ ۹۰ ہزار درہم میں بیچا اس کے بعد مدینہ میں منادی کرا دی کہ جسے

روپیہ قرض لینا ہو آ کر لے جائے۔ چالیس پچاس ہزار بطور قرض لوگوں کو دینے اور باقی داد و دہش کے طور پر دے ڈالے جن لوگوں کو قرض دیا تھا ان سے قرض کی ادائیگی کا اقرار نامہ بھی لکھوایا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد قیس بیمار پڑے تو بہت کم لوگ عیادت کو آئے، انہوں نے اپنی بیوی قریبہ ہمشیرہ ابی بکر سے کہا قریبہ؟ دیکھتی ہو عیادت کے لئے کتنے کم لوگ آئے، قریبہ نے کہا اس کی وجہ وہ مال ہے جو تم نے لوگوں کو بطور قرض دیا ہے۔

قیس نے جتنی تحریریں لوگوں سے لکھوائی تھیں وہ سب واپس کردیں اور مال جو انہیں دیا تھا وہ انکیں ہبہ کردیا۔ اس کے بعد اتنی کثرت سے لوگ ان کی عیادت کو آئے کہ مکان کا زینہ منہدم ہوگیا اور دوسری روایت کی لفظ ہے کہ چوکھٹ ٹوٹ گئی۔

(تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱ ص ۱۷۷ تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۹ ربیع الابرار زمخشری، استیعاب بدایہ ونہایہ جلد ۸ ص ۱۰۰)

جابر بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک رسالہ کے ساتھ دشمن کی طرف روانہ ہوئے۔ اس میں قیس بھی تھے۔ قیس نے رسالے کی ضیافت کے لئے ۹ اونٹ سواری کے ذبح کرائے جب ہم لوگ رسول اللہ کے پاس واپس آئے تو یہ سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا جود ہمیشہ اس گھر کی خصلت میں داخل رہا اور جب یہ قیس امام حسنؑ کی صلح کے بعد اپنے اصحاب سمیت مدینہ واپس گئے تو ہر دن ان کے لئے ایک ناقہ ذبح کرتے یہاں تک کہ سب ناقے ختم ہوگئے"۔

(استیعاب جلد ۲ ص ۵۲۹ تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۹۴)

معاویہ نے مروان کو خط لکھا کہ کثیر بن صلت سے اس کا گھر خرید لو کثیر نے انکار کیا، معاویہ نے پھر مروان کو لکھا کہ جو مال کثیر اُن کے ذمہ واجب الادا ہے اس کے بدلے مکان لے لو اگر مال دے دے تو خیر ورنہ ان کا مکان بیچ ڈالو۔ مروان نے کثیر کے پاس معاویہ کا پیغام کہلا بھیجا، اس نے تین دن کی مہلت لی۔ ادھر ادھر سے جتنے روپے فراہم ہو سکے جمع کئے ۳۰ ہزار کی کمی رہ گئی، لوگوں نے قیس کا تذکرہ کیا، اس نے آ کر قیس سے ۳۰ درہم لئے اور پوری رقم لے جا کر مروان کو پیش کردی جب مروان نے دیکھا کہ اس نے روپیہ فراہم کر کے ادا کردیئے تو اس نے مکان بھی لوٹا دیا اور روپے بھی کثیر نے ۳۰ ہزار درہم قیس کو واپس کرنا چاہے قیس نے واپس نہیں لیا (استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۹ اصابہ جلد ۵ ص ۲۵۴)

جزری نے کامل جلد ۱ ص ۳۰۹ پر روایت کی ہے کہ ایک بوڑھی عورت نے قیس سے شکایت کی کہ میرے گھر میں چوہے بالکل نہیں رہے قیس نے کہا کیا عمدہ سوال کیا تو نے، میں تیرے گھر کو چوہوں سے بھر دوں گا چنانچہ قیس نے اشیاء خورد و نوش سے اس کے گھر کو بھر دیا۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ یہ قصہ مشہور ہے اور صحیح ہے۔

کامل میرو جلد ا ص ۳۰۹ میں یہ واقعہ بھی ہے کہ قیس کے والد سعد جب مدینہ سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے اپنا مال ومتاع اپنے لڑکوں میں تقسیم کر دیا مگر ان کی بیوی کو حمل تھا جس کا علم سعد کو نہ ہوسکا۔ سعد کے مرنے کے بعد وہ بچہ پیدا ہوا۔ ابوبکر وعمر نے قیس سے کہا کہ سعد کے مال میں اس بچہ کا بھی حصہ ہے لہٰذا تم لوگ اپنے اپنے حصے میں سے کم کر کے اس بچہ کو حصہ دے دو، قیس نے کہا میں اپنے حصہ کا سارا مال اس بچہ کو دیتا ہوں مگر میرے باپ جو تقسیم کر گئے ہیں اس میں تغیر مجھے گوارا نہیں اور نہ میں کسی کا حصہ کم کروں گا۔

پیغمبرؐ نے مشرکین سے لڑنے کے لئے ایک رسالہ روانہ کیا اس میں قیس بھی تھے اور حضرت عمر و ابوبکر بھی، قیس قرضہ لے لے کر رسالہ کے مسلمانوں کی ضیافت کرتے، ابوبکر وعمر نے کہا اگر اس جوان قیس کو یونہی چھوڑ دیا گیا تو یہ اپنے باپ کو کنگال کر دے گا۔ ان حضرات نے لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی انہیں قرض نہ دے جب سعد کو خبر ملی تو انہوں نے پیغمبرؐ سے شکایت کی کہ ابوبکر وعمر میرے لڑکے کو بخالت سکھاتے ہیں"۔ (اسد الغابہ) جلد ۴ ص ۱۵)

قیس کی خطابت

قیس بہت بڑے فصیح اللسان اور جادو بیان مقرر تھے ان کی اس خوبی کا اندازہ معاویہ کے اس فقرہ سے با آسانی ہوسکتا ہے، انصار کے خطیب قیس بن سعد ہر دن تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں خدا کی قسم قیس کا ارادہ ہے کہ وہ ہمیں کل نیست و نابود کر کے رکھ دیں۔

قیس کی جلالت و عظمت

قیس کی تحریر و تقریر اُن کے کلمات و مقالات جو سیرۃ و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں وہ روشن ثبوت ہیں کہ قیس کتنے بامعرفت اور کتاب و سنت کے کتنے بڑے عالم تھے۔ پیغمبرؐ کی خدمت میں دس برس رہے (بدایہ و نہایہ جلد ۸ ص ۹۹) بلکہ مدت دراز تک رہے ان کے باپ سعد بن عبادہ نے قیس کو پیغمبرؐ کے حوالے کر دیا تھا کہ ہر وقت حضرتؐ کی خدمت میں رہیں (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵) سفر و حضر ہر حال میں پیغمبرؐ کے ساتھ رہا کئے، پیغمبرؐ کی ہر وقت کی رفاقت اس پر فطری عقل و خرد و دور اندیشی اور اصابت رائے سونے پر سہاگے کا کام کر گئی، پیغمبرؐ نے ان کی تعلیم و تربیت میں کمال شفقت سے کام لیا۔ مکارم اخلاق سکھائے اور ہر وہ باتیں تعلیم کیں جو انسان کو انسان کامل بناتی ہیں پیغمبرؐ کی خدمت میں ان کا ہر وقت رہنا نوکر چاکر کی حیثیت سے نہ تھا اس لئے کہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے بلکہ جیسے شاگرد استاد کی خدمت میں ہر وقت رہتا ہے اور استاد کے کمالات کا اکتساب کرتا رہتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبرؐ کو جب بھی موقع ملتا قیس کو دین و مذہب کے علوم تعلیم دیتے، قیس بھی موقع کے متلاشی رہتے اور پورے ذوق و شوق سے کسب کمالات کرتے اس کا پتہ علامہ ابن اثیر کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ قیس بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ خدا کا گزر میری طرف سے ہوا میں نماز

سے فارغ ہو چکا تھا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا قیس تمہیں جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا پتہ نہ دوں میں نے عرض کیا رسولؐ اللہ ضرور آپ نے فرمایا "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" جنت کا ایک دروازہ ہے۔

پیغمبرؐ کی وفات کے بعد امیر المومنینؑ سے پیغمبرؐ کے ارشادات حاصل کئے اور آپ سے کتاب وسنت کا استفادہ کیا جیسا معاویہ سے ایک گفتگو میں اس کا تذکرہ بھی ہے۔ معاویہ اور قیس میں بحث ہوئی قیس نے وہ تمام آیتیں پیش کیں جو امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں وہ تمام حدیثیں بیان کیں جو پیغمبرؐ علیؑ کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے۔ معاویہ نے جل کر کہا کہ سعد کے فرزند یہ سب کس سے تمہیں معلوم ہوا کس سے تم نے سنا؟ تمہارے باپ نے یہ سب تمہیں بتایا تھا۔ قیس نے کہا یہ سب میں نے اس سے معلوم کیا جو میرے باپ سے بہتر تھا اور اس کا حق میرے باپ کے حق سے بڑا تھا۔ معاویہ نے پوچھا وہ کون؟ کہا علیؑ ابن ابی طالب جو اس اُمت کے عالم اور صدیق ہیں۔

قیس کے کمال علم کے منجملہ دیگر شواہد کے یہ بھی ہے کہ وہ پکے مسلمان سچے مومن تھے انہیں پیغمبرؐ خدا کے حقیقی جانشینوں کی معرفت حاصل کی تھی وہ ان کی محبت میں غرق اور ان کے قدموں پر اپنی جان چھڑکتے تھے، دنیا والے لاکھ طعن وتشنیع کرتے مگر انہیں اس کی پرواہ نہ ہوتی۔ مصر کی حکومت سے جب انہیں امیر المومنینؑ نے واپس بلالیا تو حسان بن ثابت نے جو عثمانی تھے قیس پر فقرے کسے اور کہا علیؑ نے تم سے مصر کی حکومت چھین لی، تم عثمان کے قاتل بھی ہو، علیؑ نے تمہیں کوئی بدلہ بھی نہ دیا اور قتل عثمان کا گناہ بھی تمہارے سر رہا۔ قیس نے کہا اے آنکھ اور دل کے اندھے اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے اور تمہارے قبیلے میں جنگ چھڑ جائے گی تو میں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔ پھر قیس نے دھکے دے کر اپنے پاس سے نکال دیا۔

اگر قیس ویسے ہی خزینہ دار علوم ومعارف سرچشمہ معارف دین اور مرکز فضل وشرف نہ ہوتے جیسا کہ سیاست و دور اندیشی میں طاق تھے تو امیر المومنینؑ مصر کے دینی و دنیوی معاملات کا ناظم مقرر کر کے انہیں نہ بھیجتے اور یہ فقرہ انہیں نہ تحریر کرتے "وعلم من قبلک مما علمک اللہ" خدا نے جو تمہیں علم بخشا ہے وہ اپنے پاس کے لوگوں کو تعلیم کرو۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۸)

قیس کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے والا یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ قیس ابن سعد دین کے ستون میں سے ایک ستون ہدایت کے ارکان میں سے ایک رکن، اکابر اُمت کی ایک نمایاں فرد اور حق کے بہت بڑے مبلغ تھے اور کتب سیر وتواریخ میں ان کے جتنے بھی مناقب وفضائل مذکور ہیں وہ کچھ ان سے بھی فزوں تر تھے۔

اگر قیس کے ایسا آدمی سعد کی نسل میں نہ ہوتا تو پیغمبرؐ ہاتھ اٹھا کر یہ دعا نہ کرتے، اللھم اجعل صلواتک ورحمتک علی آل سعد بن عبادہ" خداوندا تو اپنی رحمت و برکت نازل کر سعد بن عبادہ کی اولاد پر غزوۂ ذی قرد میں نہ فرماتے۔

"اللهم ارحم سعدا و آل سعد نعم المرء سعد بن عبادہ، خداوندا تو سعد اور ان کی آل پر رحمت نازل کر کیا ہی اچھا آدمی ہے سعد بن عبادہ سعید کے یہاں غذا نوش فرمانے کے بعد پیغمبرؐ فرماتے تمہارے یہاں نیکو کاروں نے غذا نوش کی تمہارے لئے ملائکہ نے دعائے رحمت کی اور روزہ داروں نے تمہارے یہاں افطار کیا۔ سعد سے پیغمبرؐ فرماتے اے ابو ثابت (کنیت سعد) خوشخبری ہو تمہیں بلاشبہ تم کامیاب ہوئے اولاد خدا کے ہاتھ میں ہے خدا جسے چاہتا ہے خلف صالح دیتا ہے تمہیں بھی اس نے خلف صالح عنایت کیا ہے"۔ یہ تمام حدیثیں مقریزی کی کتاب الامتاع ص ۲۶۳ و ۵۱۵ تاریخ ابن عساکر جلد ۶ ص ۸۲ و ۸۸ سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۸ پر موجود ہیں۔

قیس بن سعد اور معاویہ جنگ صفین سے پہلے

سوانح عمری حضرت امیر المومنینؑ کی چھٹی جلد حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثالثہ میں تفصیل سے یہ باب مذکور ہے ہم یہاں اس کا خلاصہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

صفین کی لڑائی جب سر پر آ گئی تو معاویہ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ علیؑ اپنے لشکر جرار کو لے کر عراق سے آ دھمکیں اور ادھر مصر سے قیس بن سعد حملہ کر دیں اور ہم دونوں فوجوں کے درمیان پس کے رہ جائیں قیس کی حکمت عملی ایسی تھی کہ معاویہ کافی عرصہ تک پتہ نہ چلا سکے کہ قیس ہمارے ہیں یا مخالف انہوں نے ایسی تدبیریں کرنے میں دیر نہ کی جن کی وجہ سے قیس کھل کر سامنے آ جائیں۔ انہوں نے قیس کو ایک خط لکھا۔

"اگر تم لوگ جانبداری اور اعزہ پروری یا ضرب و تادیب یا کسی شخص کو برا بھلا کہنے یا کسی کو جلاوطن کرنے کی وجہ سے عثمان سے ناراض ہوئے یا نوجوانوں کو حکومت دینا جرم قرار دیا تو یہ سب سہی مگر تم یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ ان امور کے سبب ان کا خون تمہارے لئے مباح نہیں تھا تم نے سنگین جرم کا ارتکاب کیا امر مکروہ و ناپسندیدہ وحرام پر عمل کیا تو اے قیس! اللہ کے دربار میں توبہ کرو تم ان لوگوں میں سے ہو جو حضرت عثمان پر بلوہ کر کے آئے تھے یاد رکھو کہ یہ خون تمہارا پیچھا نہ چھوڑے گا اور تمہاری قومی شرافت وعزت کا کچھ پاس و لحاظ نہ کرے گا۔ اگر تم کو اپنی جان کی فکر اور اس کی حفاظت مطلوب ہے تو حضرت عثمان کے قصاص طلب کرنے والوں میں مل جاؤ۔ اس امر میں ہمارے تابع ہو کر معین و مددگار ہو۔ بروقت فتح ہم تم کو مصر و عراق دونوں کی حکومت دیں گے اور اپنی زندگی تک تمہاری قوم میں سے جس کو تم چاہو گے حجاز کی حکومت دیں گے اور جو تمہاری خواہش ہوگی جلد پوری کریں گے اپنی رائے سے جلد اطلاع دو"۔

قیس کے پاس جب یہ خط پہنچا وہ خط پڑھ کر یہ سوچے کہ ابھی معاویہ کو باتوں میں ٹالنا چاہئے اپنے ذاتی خیالات کا اظہار مناسب نہیں۔ فی الحال ان سے ظاہر داری کرنا اور جنگ سے بچنا مناسب ہے، انہوں نے کہا۔

"بعد حمد و نعت کے جو تم نے لکھا مجھے معلوم ہوا میں خوب سمجھا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بارے میں جو لکھتے ہو

یہ محض تمہارا خیال ہے مجھ کو اس واقعہ سے دراصل کوئی تعلق نہ تھا نہ میں اس میں کسی طرح شریک تھا بلکہ اس کام کے پاس تک نہ گیا نہ مجھ کو حضرت علیؑ کی شرکت اس ہنگامہ میں نظر آئی۔ میں جہاں تک غور کرتا ہوں وہ بھی بالکل اس سے بے تعلق ہیں۔ رہی تمہاری اطاعت یہ معمولی بات نہیں کہ میں اس کا جواب فوری دے دوں۔ اس معاملے میں ابھی غور و تامل کر رہا ہوں یہ عجلت کا کام نہیں ہے حالانکہ میں ہر طرح تمہارے لئے کافی ہوں تاہم میری طرف سے کوئی ایسا امر نہ ہوگا جو تم کو ناگوار و شاق گزرے اس کو سمجھ بوجھ کر انشاء اللہ جواب دوں گا"۔

معاویہ نے یہ خط پڑھ کر پھر دوسرا خط اس مضمون کا لکھا۔

"میں نے تمہارا خط پڑھا اس میں کوئی بات صاف نظر نہیں آتی، تم میری خواہش کے قریب نہیں آتے کہ میں تم کو صلح جو خیال کروں اور نہ تمہارے اس خط سے دوری اور اختلاف ظاہر ہوتا کہ میں تم کو اپنا دشمن سمجھ لوں، تم کو صلح کیلئے بلاتا ہوں تم اس سے نہ بھاگو، میں تمہیں لڑائی سے بچاتا ہوں، میرا کہنا مانو اور جعل و فریب کی باتیں مجھ سے نہ کرو مجھ سا شخص ہرگز تمہارے دام تزویر میں نہیں آسکتا اور نہ تم ایسوں کے فقرے میں آکر کسی حیلہ میں گرفتار ہوسکتا ہے"۔

قیس نے یہ خط دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب معاویہ حیلہ و حوالہ سے نہیں مانیں گے اور نہ ٹالنے سے ٹلیں گے جو کچھ دل میں تھا اس کو صاف الفاظ میں تحریر کر دیا اور نہایت طعن آمیز خط معاویہ کو لکھا۔

"مجھ کو سخت تعجب ہے کہ تم مجھ کو کس قدر فریب دے رہے ہو مجھ سے اطاعت کی طمع رکھتے ہو، تم نے مجھے بالکل حقیر و کمزور سمجھ لیا ہے کیا تم مجھ کو مستحق امارت و خلافت (علیؑ) کی اطاعت سے نکالنا چاہتے ہو وہ شخص بہت عالی مرتبہ ہے۔ سب لوگوں میں امارت کے لائق، سب میں حق بات کہنے والا، راہ حق کا ہادی، آنحضرتؐ سے باعتبار تعلقات سب سے قریب ہے تم مجھ سے اپنی اطاعت کیلئے کہتے ہو تم اپنی حقیقت بھولے ہوئے ہو، تم ایسے ہو جو اس امامت میں سب لوگوں سے دور سب مکاروں سے زیادہ مکار آنحضرتؐ سے باعتبار تعلق بہت بعید اور گمراہ کرنے والے کی اولاد ایک شریر شیطان ابلیس کی جماعت سے ہو اگر میں تم کو مجبور اور اپنی لڑائی میں مصروف نہ کر دوں کہ تم کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں تو سمجھنا کہ تم بڑے خوش نصیب ہو"۔

جب معاویہ کو قیس کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی تو انہوں نے لکھا:

اما بعد! تم یہودی ہو اور یہودی کے بیٹے ہو اگر دونوں فریق میں تمہارا محبوب فریق کامیاب ہوا تو تمہیں معزول اور تبدیل کر دے گا اور اگر وہ فریق کامیاب ہوا جو انتہائی مبغوض تمہارا ہے تو وہ تمہیں مار ڈالے گا اور انتہائی اذیت پہنچائے گا تمہارے باپ نے اپنی کمان چڑھائی غلط نشانہ تاکا۔ خطا ہی خطا کی۔ اس وجہ سے اسے زمانہ نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور اس کی موت نے اسے آدبوچا اور وہ جلاوطنی کے عالم میں بمقام حوران جان بحق ہوا"۔

اس کے جواب میں قیس نے لکھا۔

اما بعد! تم بت پرست ہو، بت پرست کے بیٹے ہو اسلام میں جبراً وقہراً داخل ہوئے اور بخوشی خاطر باہر ہو گئے تمہارا ایمان پرانا نہیں اور تمہارا نفاق نیا نہیں، میرے باپ نے اپنی ہی کمان چڑھائی اور صحیح نشانہ تاکا، ان پر یورش ان لوگوں نے کی جوان کے ٹخنوں تک بھی نہ پہنچتے تھے ہم خدا کے اس دین کے انصار ہیں جس سے تم باہر ہو گئے ہو اور اس دین کے دشمن ہیں جس میں تم داخل ہو گئے ہو۔"

(کامل لمبرد جلد ا ص ۳۰۹ البیان والتبیین جلد ۲ ص ۴۸ تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۸ عیون الانبیاء ابن قتیبہ جلد ۲ ص ۲۱۳، مروج الذہب جلد ۲ ص ۶۲، سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی جلد سوم)

علامہ جاحظ نے اپنی کتاب التاج کے ص ۱۰۹ پر قیس کے آخری خط کو ان لفظوں میں ذکر کیا ہے۔

"اے بت پرست، بت پرست کے بیٹے، تم مجھے خط لکھ کر اس امر کی دعوت دے رہے ہو کہ میں علیؑ سے جدا ہو جاؤں اور تمہاری اطاعت میں داخل ہوں، تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ علیؑ کے اصحاب ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور تمہارے پاس ٹوٹ ٹوٹ کر آرہے ہیں۔

خدائے وحدہ لاشریک کی قسم اگر علیؑ کے پاس سے سب لوگ چلے جائیں اور سواء میرے کوئی باقی نہ رہے تو جب تک تم ان سے برسرپیکار رہو گے میں کبھی تم سے مصالحت نہ کروں گا اور ہرگز ہرگز تمہاری اطاعت میں نہ داخل ہوں گا جب تک تم ان کے دشمن رہو گے خدا کے ولی اور دوست کو چھوڑ کر دشمن خدا کو اختیار نہیں کر سکتا نہ خدا کی جماعت چھوڑ کر شیطان کی جماعت میں داخل ہوں گا"۔

معاویہ قیس کا یہ خط پڑھ کر قیس کی طرف سے ناامید ہو گئے اور سمجھ لیا کہ قیس دام میں نہ آئیں گے تب دوسرا جال پھیلایا اہل شام پر ظاہر کیا کہ قیس ہمارے مطیع ہو گئے انہوں نے اہل شام کے سامنے تقریر کی۔

"شام والو، قیس تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ان کے لئے خدا سے دعا کرو اور انہیں بُرا بھلا نہ کہو ان سے لڑنے کی تیاری نہ کرو"۔ اب وہ ہمارے طرف دار ہو گئے ہیں....."

(سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی)

پھر ایک فرضی خط قیس کی طرف سے اپنے نام تصنیف کیا:۔

"امیر معاویہ ابن ابی سفیان کے نام قیس بن سعد کی طرف سے اما بعد جب ہم نے اپنے نفس اور اپنے دین کے متعلق غور کیا تو ہمیں مناسب نہ معلوم ہوا کہ ہم ایسے لوگوں کی پشت پناہی کریں جنہوں نے امام (عثمان) کو قتل کر دیا حالانکہ وہ مسلمان تھے ان کا خون بہانا حرام تھا۔ نیکوکار تھے پرہیزگار تھے، ہم اپنے گناہوں پر خدا سے استغفار کرتے

ہیں اور دست بدعا ہیں کہ ہمارے دین کو سلامت رکھے، آپ کی اطاعت قبول کررہے ہیں اور قاتلین عثمان سے جنگ کرنے پر تیار ہیں جو ہدایت کے امام اور مظلوم تھے فوج سپاہ اور مال و متاع کی جس قدر آپ کو ضرورت ہو لکھیے میں فوراً ہی آپ کے پاس روانہ کردوں گا"۔ (تاریخ کامل جلد ۵ ص ۲۹، سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی وغیرہ)

کذب وافترا جعل فریب جس کی فطرت میں داخل ہو اس سے اس قسم کی چھچھوری حرکتیں بعید بھی نہیں، معاویہ ہی کے زمانے میں سے ان خود ساختہ اور خانہ ساز حدیثوں کی شروعات ہوئیں جن پر بنی اُمیہ کے فضائل اور بنی ہاشم خانوادہ نبوتؐ ورسالت کے نقائص بیان ہوتے تھے سوانح عمری حضرت امیر المومنینؑ شائع کردہ دفتر اصلاح کی جلد اول اعجاز الولی میں بہت تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے کہ معاویہ نے جھوٹی حدیثوں کے اختراع و اشاعت میں کتنا اہتمام کیا اور ان کی خوشنودی کے لئے پیغمبرؐ پر الزام لگانے والے کتنی کثرت سے پیدا ہوگئے اور کس قدر بے حد و حساب ایسی حدیثوں کا انبار لگ گیا۔ تو جو شخص پیغمبرؐ کے متعلق اس حد تک افتراء و بہتان کرسکتا تھا علیؑ ابن ابی طالب اور خاندان اہلبیت کی طرف ایسی باتیں منسوب کرسکتا تھا اس کا قیس کے متعلق ایسا خط تصنیف کرلینا کیا مشکل تھا۔

مصر کے مشہور فلسفی مورخ ڈاکٹر طٰہ حسین لکھتے ہیں:۔

"معاویہ سمجھ گئے کہ قیس ہمارے جال میں پھنسنے کے نہیں، نہ تو نرمی و چاپلوسی کی پالسی ان پر اثر انداز ہوسکتی ہے نہ سختی و درشتی اور تخویف و تہدید لہٰذا انہوں نے مصر میں داؤں کرنے کے بجائے عراق میں ان پر اداؤں کیا۔ قیس کی طرف سے اپنے نام ایک فرضی خط لکھا جس میں ظاہر کیا کہ قیس علیؑ سے برگشتہ ہوچکے ہیں، عثمان کے قتل پر غضبناک ہ اور ان کے انتقام کے حامی ہیں اس خط کو انہوں نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے کوفہ والوں میں مشتہر کیا علیؑ نے تو اس خط کی تصدیق نہ کی انہوں نے اپنے اصحاب سے صرف اتنا کہا کہ میں تم لوگوں کی بہ نسبت قیس کو زیادہ جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں یہ معاویہ کی چالوں میں سے ایک چال ہے لیکن آپ کے ساتھیوں نے اس خط پر یقین کرلیا اور بگڑ کھڑے ہوئے اور حضرتؑ سے شدید اصرار کیا کہ قیس کو آپ فوراً معزول کردیجئے علیؑ نے اس شدید اصرار کے باوجود توقف سے کام لیا اور قیس کو خط لکھا کہ مصر کے جن لوگوں نے بیعت سے کنارہ کشی کی ہے ان سے بزور بیعت لو اور سوا بیعت کے کوئی چیز قبول نہ کرو، قیس کو اس خط سے بڑی حیرت ہوئی انہوں نے حضرتؑ کو لکھا کہ جلد بازی مناسب نہیں اور نہ ان لوگوں کو ابھی چھیڑنا ٹھیک ہے جو خاموش صلح و سلامتی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں آپ مصر کا انتظام میرے اوپر چھوڑ دیں اور مجھے اپنی مرضی کے مطابق یہاں کے کام کرنے دیں آپ یہاں سے دور ہیں صحیح حالات آپ کے پیش نظر نہیں اور میں انہی لوگوں کے درمیان موجود ہوں مجھے ڈر ہے کہ اگر ان لوگوں کو چھیڑا گیا تو بنی بنائی بات بگڑ جائے گی یہ لوگ لڑنے بھڑنے پر تل جائیں گے اور بہت سے مددگار بھی ان کے پیدا ہوجائیں گے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ معاویہ سے مدد کے طالب ہوں

اور وہ ان کی مدد کرے"۔

قیس کے اس جواب سے کوفہ والوں کو یقین ہو گیا کہ قیس کے دل میں کھوٹ ہے اور وہ در پردہ امامؑ کے مخالف ہیں۔ وہ لوگ پیچھے پڑ گئے کہ قیس کو فوراً معزول کر دیجئے اتنا اصرار ان کا بڑھا کہ آخر حضرتؑ نے مجبور ہو کر قیس کو مصر سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ محمد ابن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔ (الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۳۰)

مؤرخین کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس موقع پر بعینہ وہی صورت پیدا ہو گئی تھی جو جنگ صفین میں تحکیم کے متعلق پیش آئی حضرت امیر المومنینؑ جس طرح تحکیم پر ہرگز آمادہ نہیں تھے اسی طرح قیس کو مصر کی حکومت سے ہٹانا بھی آپ کو منظور نہ تھا مگر جب ساتھ والے ہی اڑ جائیں تو ایک اکیلے امیر المومنینؑ کیا کر سکتے تھے۔ جنگ صفین میں فتح یقینی ہو جانے کے بعد ہمراہیوں کی ضد نے تحکیم پر مجبور کیا اسی طرح قیس کی معزولی میں ان کی ضد کے آگے حضرتؑ کی ایک نہ چلی۔

قیس اور معاویہ میں صلح

شرط الخمیس (شیعان امیر المومنینؑ کی وہ جماعت جس نے معاویہ کے استیصال کے لئے اپنی جان کی بازی لگائی تھی) نے قیس بن سعد کو اپنا امیر مقرر کیا تھا اور قیس صاحب شرطۃ الخمیس کے نام سے مشہور تھے۔ امیر المومنینؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کی صلح کے بعد بھی یہ جماعت معاویہ کے لئے کافی دردسری کا باعث تھی آخر کار معاویہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر کے قیس کے پاس بھیجا اور خط میں لکھا کہ جو شرائط و مصالحت کے تم چاہو لکھ لو ہمیں منظور ہے۔ عمرو عاص نے مخالفت کی کہ قیس کو اتنی آزادی نہ دو بلکہ ان سے جنگ کرو۔ معاویہ نے کہا قیس اور ان کی جماعت سے جنگ کرنا اتنا آسان نہیں ہم ان کا صفایا اس وقت تک نہیں کر پائیں گے جب تک اتنے ہی شام کے لوگ بھی صاف نہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر جینے کا مزہ ہی کیا میں قیس سے بس اسی وقت جنگ کروں گا جبکہ جنگ کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ جب معاویہ کا وہ کاغذ قیس کے پاس پہنچا تو قیس نے اپنے اور شیعان امیر المومنینؑ کیلئے یہ شرط لکھی کہ ان کے ہاتھ سے جتنے بھی خون کئے ہیں یا جنگ میں انہوں نے جتنا مال لوٹا تھا اس کا کوئی مواخذہ ان سے نہ ہوگا۔ اس کاغذ پر قیس نے اپنے لئے کوئی خصوصی مراعات نہیں طلب کیں۔

معاویہ نے قیس کی شرط مان لی اور قیس اپنے ساتھیوں سمیت حلقہ اطاعت میں داخل ہو گئے۔

(طبری جلد ۶ ص ۹۴، کامل جلد ۳ ص ۱۶۳)

ابوالفرج کا بیان ہے کہ اس کے بعد معاویہ نے انہیں بلایا کہ آ کر ہماری بیعت کرو، قیس نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ معاویہ سے جب بھی ملوں گا میرے اس کے درمیان یا نیزہ ہوگا یا تلوار۔ معاویہ نے نیزہ اور تلوار منگائی دونوں

چیزیں سامنے رکھی گئیں تا کہ قیس کی قسم پوری ہو سکے جب قیس آئے تو امام حسنؑ بھی تشریف فرما تھے۔ قیس نے امام حسنؑ سے عرض کیا کہ آپ اپنی بیعت سے کل فرماتے ہیں امام نے اثبات میں جواب دیا، قیس کے لئے ایک کرسی ڈال دی گئی، معاویہ اور امام حسنؑ تخت پر بیٹھے۔ معاویہ نے پوچھا قیس تم بیعت کرتے ہو، قیس نے کہا ہاں اور ہاں کہہ کر انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے زانو پر رکھ لیا اور معاویہ کی طرف نہیں بڑھایا، معاویہ تخت سے اترے قیس پر جھکے اور اپنا ہاتھ قیس کے ہاتھ سے مس کیا، قیس نے اپنا ہاتھ بھی نہ اٹھایا۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص ۱۱۷)

علامہ یعقوبی اپنی تاریخ جلد ۲ ص ۱۹۲ پر لکھتے ہیں کہ کوفہ میں جب معاویہ کی بیعت ہونے لگی تو کوئی کہتا میں تمہاری بیعت تو کر رہا ہوں مگر دل سے تمہیں ناپسند کرتا ہوں۔ معاویہ کہتے بیعت کرلو، خداوند عالم نے ناپسندیدہ باتوں میں بہت سی بھلائیاں مضمر کر رکھی ہیں کوئی آتا اور کہتا تم سے خدا کی پناہ یہاں تک کہ قیس بن سعد آئے معاویہ نے کہا قیس تم بھی بیعت کرو، قیس نے کہا معاویہ میں ایسے ہی دن سے ڈرتا تھا، معاویہ نے کہا جانے بھی دو، خدا تم پر رحم کرے قیس نے کہا میری انتہائی خواہش تو یہ تھی کہ ایسا دن آنے سے پہلے ہی تمہاری روح و تن میں جدائی ڈال دوں مگر خدا کو منظور نہ ہوا۔ معاویہ نے کہا خدا کا حکم کون ٹال سکتا ہے اس کے بعد قیس نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا۔

”لوگو! تم نے خیر کو چھوڑ کر اس کے عوض میں شر قبول کر لیا۔ عزت کے بدلے میں ذلت لے لی ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیا۔ امیر المومنینؑ سید المرسلین ابن عم رسولؐ رب العالمین کی حکومت کے بعد اب طلیق بن طلیق کی حکومت میں تم آ گئے جو تمہیں ذلیل و رسوا کرتا اور تشدد سے پیش آتا ہے بھلا تمہارے نفوس اس بات کو کیونکر بھول گئے یا خدا نے تمہارے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور تم سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہو“۔

معاویہ نے قیس کا گھٹنا پکڑ لیا اور کہا، میں تمہیں قسم دیتا ہوں، پھر ان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا لوگوں نے کہا قیس نے بیعت کر لی، قیس نے کہا تم جھوٹے ہو، خدا کی قسم میں نے بیعت نہیں کی۔

اس موقع پر معاویہ کی بیعت جس نے بھی کی معاویہ نے اس سے قسمیں بھی لیں اور معاویہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیعت پر لوگوں سے حلف لیا۔

حافظ عبدالرزاق بن عیینہ ناقل ہیں کہ قیس بن سعد معاویہ کے یہاں آئے، معاویہ نے کہا قیس تم بھی مجھ پر چڑھائی کرنے والوں میں سے تھے۔ خدا کی قسم دلی تمنا تو یہ تھی کہ یہ دن آنے سے پہلے ہی میرا قابو تم پر چل گیا ہوتا اور تمہارا قصہ ہی پاک کر چکا ہوتا قیس نے کہا خدا کی قسم مجھے خود بھی یہ بات انتہائی ناپسند تھی کہ یہ دن آئے اور میں یہاں کھڑے ہو کر تمہیں خلافت والا اسلام کروں۔ معاویہ نے کہا۔ یہ کیوں؟ کیا تم علماء یہود میں سے ہو۔ قیس نے کہا، معاویہ اور تم خود کیا ہو، تم خود جاہلیت کے اصنام میں سے ایک صنم تھے اسلام میں با دل نخواستہ داخل ہوئے اور خوشی خاطر نکل

گئے، معاویہ نے کہا خدا معاف کرے، اچھا ہاتھ بڑھاؤ۔ قیس نے کہا اگر چاہو تو کچھ اور مزید سناؤں"۔

(تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۹)

قیس اور معاویہ صلح کے بعد

مصالحت کے بعد قیس انصار کی ایک جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس آئے، معاویہ نے کہا، اے انصار تم کیوں ہم سے مال وزر کے خواہش مند ہو، حالانکہ اس سے پہلے تمہارے گنتی کے لوگ میرے ساتھ تھے اور تمہاری بہت بڑی اکثریت علی کے ساتھ تھی۔

بروز صفین تم نے ہماری باڑھ کند کر کے رکھ دی تھی کہ تمہارے نیزوں کی انیوں میں مجھے موت شعلہ بداماں نظر آنے لگی اور تم نے میرے آباؤ اجداد کی جتنی شدید ہجو کی وہ نیزوں کے وار سے بھی زیادہ کاری تھی یہاں تک کہ خداوند عالم نے اس معاملے کو استوار کر دیا جسے تم بگاڑنے پر ہی تلے ہوئے تھے تو اب تم لوگ کہتے ہو کہ رسول اللہ نے ہم لوگوں کے متعلق جو وصیت کی تھی اس کا پاس ولحاظ کیجئے"۔

قیس نے کہا، ہم تم سے اسی کے طالب ہیں جو خداوند عالم نے اسلام کے سبب ہمیں دیا ہے، تمہارے گھر سے کچھ نہیں مانگتے، رہ گیا یہ کہ ہم تم سے عداوت رکھتے ہیں اس کا سبب بھی خود تم ہی ہو تم سے اگر ایسی حرکتیں نہ ہوتیں تو ہم بھی عداوت نہ رکھتے۔ تمہارے آباؤ اجداد کی ہجو، باطل کی بیخ کنی اور حق کی حمایت و اشاعت تھی، تمہارے معاملہ کی استواری با دل نخواستہ ہوئی ہم اس پر ہرگز راضی نہ تھے ہم نے تمہاری باڑھ بروز صفین جو کند کر دی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم ایک ایسے شخص کی بیعت میں تھے جس کی اطاعت کو ہم خدا کی عبادت سمجھتے تھے۔

رہ گئی رسولؐ کی وصیت ہمارے متعلق تو جسے پیغمبرؐ پر ایمان تھا اس نے بعد پیغمبرؐ وصیت رسولؐ کی رعایت بھی کی۔ الخ۔ (عقد فرید جلد ۲ ص ۲۱: مروج الذہب جلد ۲ ص ۹۳ المتاع والموانسہ جلد ۳ ص ۱۷۰)

قیس اور معاویہ مدینہ میں

تابعی کبیر سلیم بن قیس ہلالی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

امام حسنؑ کی شہادت کے بعد معاویہ نے حج کیا اسی سلسلے میں مدینہ بھی آئے۔ مدینہ کے باشندوں نے ان کا استقبال کیا، معاویہ نے جب استقبال کرنے والوں پر نظر کی تو وہ سب قریش کے معمولی آدمی تھے معاویہ نے قیس سے پوچھا انصار کو کیا ہوا وہ کیوں نہیں ہمارے استقبال کو آئے۔ کسی نے جواب دیا انصار محتاج ہو رہے ہیں، اُن کے پاس سواریاں نہیں رہیں۔ معاویہ نے پوچھا ان کے اونٹ کیا ہوئے۔ قیس نے کہا انہیں تو انصار نے جنگ بدر و احد اور دیگر غزوات رسولؐ میں فنا کر دیا جبکہ وہ تم سے اور تمہارے باپ ابوسفیان سے اسلام کے لئے نبرد آزما تھے یہاں تک کہ خدا

کا حکم غالب ہو کر رہا اور تم جلتے ہی رہ گئے۔ معاویہ نے کہا خدا معاف کرے۔

قیس: رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ تم عنقریب میرے بعد جانب داری اور ترجیح بلا مرجح دیکھو گے۔

معاویہ: تو ایسے وقت میں رسولؐ اللہ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا۔

قیس: یہی کہ ہم صبر کریں۔

معاویہ: تو پھر صبر ہی کرو۔

پھر قیس نے کہا: معاویہ تم ہمیں ہمارے اونٹوں کا طعنہ دیتے ہو۔ خدا کی قسم ہم نے انہیں پر بیٹھ کر جنگ بدر کے دن تم سے ملاقات کی تھی اس وقت تم خدا کے نور کو بجھانے اور شیطان کے کلمہ کو سربلند کرنے کے لئے کوشاں تھے پھر تم اور تمہارے باپ چاروناچار اسلام میں داخل ہوئے جس کے لئے ہم نے تمہیں تلوار کا مزہ چکھایا تھا۔

معاویہ! تو گویا تم ہم پر احسان جتا رہے ہو کہ تمہارے ہی دم سے اسلام کو فروغ ہوا۔ حالانکہ احسان جو کچھ ہے وہ خدا کا اور قریش کا ہے، پیغمبرؐ خدا ہمارے ابن عم تھے اور ہم سے تھے لہٰذا احسان ہوا بھی تو ہمارا ہی کہ خداوند عالم نے تمہیں ہمارے انصار اور پیرو بنایا اور ہمارے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی۔

قیس نے کہا۔ خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفیؐ کو تمام خلائق پر نبی بنا کر مبعوث کیا جن وانس کالے اور گورے سرخ وسپید سب پر انہیں اپنی رسالت کے لئے مخصوص کیا چنانچہ سب سے پہلے جو شخص ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی وہ آنحضرتؐ کے ابن عم علی ابن ابی طالبؑ تھے اور ابو طالب پیغمبرؐ کی حفاظت کرتے، دشمنوں کو ان سے دفع کرتے اور پیغمبرؐ اور قریش کی ایذا رسانیوں کے درمیان حائل ہو جاتے اور انہیں تاکید کرتے کہ رسالت کے فرائض انجام دیتے رہیں چنانچہ پیغمبرؐ ہر ظلم واذیت سے محفوظ رہے یہاں تک کہ ان کے چچا ابو طالب نے انتقال کیا اور وہ اپنے بیٹے کو تاکید کر گئے کہ پیغمبرؐ کا بوجھ بٹائیں، چنانچہ انہوں نے پیغمبرؐ کی ہر ممکن حضرت دیاوری کی اور ہر سختی وتنگی وخوف سے اپنے کو سپر بنالیا پیغمبرؐ کا خداوند عالم نے تمام قریش میں خصوصیت کے ساتھ علیؑ ہی کو اس شرف سے ممتاز کیا اور تمام عرب وعجم میں انہیں کو فوقیت بخشی، رسولؐ اللہ نے تمام فرزندان عبدالمطلب کو جمع کیا۔ اس میں ابو طالب بھی تھے، ابولہب بھی غرض کہ چالیس آدمی تھے رسولؐ اللہ نے اور ان کے خدمت گزار علیؑ ابن ابی طالب نے انہیں ابو طالب کے مکان میں مدعو کیا۔ رسالت مآبؐ نے فرمایا تم میں کون ہے ایسا جو میرا بھائی اور میرے بعد ہر مومن کا ولی ہو، سب لوگ خاموش رہے یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے دوبارہ اور سہ بارہ کہا۔ اس پر علیؑ نے کہا میں حاضر ہوں یا رسولؐ اللہ۔ رسولؐ اللہ نے علیؑ کا سر اپنے کلیجہ سے لگالیا اور اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں دیا اور دعا کی خداوندا علیؑ کے باطن کو علم وفہم اور حکمت سے لبریز کر دے پھر آنحضرتؐ نے ابو طالب سے کہا چچا جان اپنے فرزند کی بات سنیے اور اس کا کہا مانیے خداوند عالم نے اسے اپنے نبیؐ کے لئے ویسا ہی

قرار دیا ہے جیسا موسیٰ کے لئے ہارون تھے اور آنحضرت نے اپنے اور علیؑ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔

اسی سلسلے میں قیس نے امیر المومنینؑ کے جتنے مناقب تھے ایک ایک کر کے گنا دیئے پھر کہا انہیں علیؑ و رسولؐ کے گھرانے سے جعفر ہیں جو جنت میں دو پروں سے محو پرواز ہیں، خداوند عالم نے انہیں خصوصی شرف عنایت کیا ہے انہیں میں سے حمزہ سید الشہداء ہیں، فاطمہؑ سیدہ نساء اہل جنت ہیں تو اے معاویہ اگر قریش سے تم رسول اللہ اور ان کے اہلبیتؑ اور عترت طاہرین کو نکال لو تو قسم بخدا ہم قریش والوں سے کہیں زیادہ بہتر اور خدا و رسولؐ اور اہلبیت رسولؐ کے کہیں زیادہ محبوب ہیں جب رسولؐ اللہ کا انتقال ہوا تو تمام انصار میرے باپ کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہم سعد کی بیعت کریں گے، یہ خبر سن کر قریش والے دوڑ پڑے اور علیؑ اور اہلبیتؑ کے نام پر ہم سے جھگڑا کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ وہ رسولؐ اللہ کی قرابت کی وجہ سے زیادہ حق دار ہیں مگر آخر کار انہی قریش نے انصار کا حق بھی غصب کر لیا اور آل محمد کا بھی اور اپنی جان کی قسم علیؑ اور ان کی اولاد کے مقابلہ میں خلافت کا کوئی حق نہ انصار کو ہے نہ قریش کو نہ عرب و عجم کے کسی شخص کو"۔

اس تقریر سے معاویہ غضب ناک ہو گئے اور کہا فرزند سعد یہ سب باتیں تم نے کس سے سنیں؟ کس سے روایت کی کس سے معلوم کیا؟ کیا تمہارے باپ نے یہ سب باتیں تمہیں بتائی ہیں۔ قیس نے کہا میں نے یہ سب باتیں اس شخص سے سنی ہیں جو میرے باپ سے بھی بہتر تھا اور جس کا حق مجھ پر میرے باپ سے بھی زیادہ ہے۔ معاویہ نے پوچھا وہ کون؟ کہا علیؑ ابن ابی طالب جو اس اُمت کے عالم اور صدیق ہیں جس کے متعلق خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی "قل کفی باللہ شھیدا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب"۔ اسی سلسلے میں قیس نے وہ تمام آیتیں تلاوت کیں جو امیر المومنینؑ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

معاویہ نے کہا۔ اسلام کے صدیق ابوبکر ہیں فاروق عمر ہیں اور "الذی عندہ علم الکتاب" سے مراد عبداللہ بن سلام ہے، قیس نے کہا، ان سب چیزوں کا زیادہ حق دار وہی ہے جس کے متعلق خداوند عالم نے فرمایا ہے۔

"افمن کان علی بینۃ من ربہ و یتلوہ شاھد منہ" اور وہ ہے جسے رسولؐ اللہ نے بروز غدیر بالائے منبر ایستادہ کر کے فرمایا۔ "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" اور غزوہ تبوک میں کہا "انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ"۔ قیس نے اس موقع پر جتنی آیتیں اور حدیثیں پیش کیں انہیں بڑے بڑے علماء و حفاظ حدیث نے اپنی تفاسیر و صحاح و سنن و مسانید میں بیان کیا ہے۔ سوانح عمری حضرت امیر المومنینؑ جلد دوم، قرآن ناطق جلد سوم ثقل اکبر میں ہم نے بھی ان آیات و احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

قیس کا قدوقامت

شکل وصورت اور قدوقامت کو بھی انسان کی وجاہت ووقار میں بڑا دخل ہوتا ہے اگر کوئی شخص غیر معمولی ڈیل و ڈول اور پر ہیبت منظر کا ہوتا ہے تو عوام پہلی ہی نظر میں مرعوب ہو جاتے ہیں بادشاہوں، رئیسوں اور معزز لوگوں کے لئے یہ بہت ہی ضروری چیز ہے۔

خداوند عالم نے قیس بن سعد کو جہاں باطنی خوبیوں سے سرفراز تھا وہاں ظاہری وجاہت و ہیبت سے بھی سرفراز کیا جس طرح انہیں علم وعمل، زہد وورع، عقل وخرد، حزم واحتیاط، چالاکی وہوشیاری، امارت وحکومت، ریاست و سیاست، شجاعت ومردانگی، جود وسخا، رشد ایسے فضائل وکمالات سے پورا پورا حصہ مرحمت فرمایا وہاں ڈیل ڈول قد و قامت سے بھی امتیازی درجہ بخشا۔ علامہ دیلمی اپنی ارشاد جلد ۲ ص ۳۲۵ پر لکھتے ہیں قیس بن سعد ۱۸ بالشت لمبے اور ۵ بالشت چوڑے تھے اور امیر المومنینؑ کے بعد اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ سخت وشدید تھے۔

ابو الفرج کا قول ہے کہ قیس اتنے لمبے قد کے تھے کہ اونچے سے اونچے گھوڑے پر بیٹھتے مگر پھر بھی ان کے پیر زمین پر کھنچتے ہوئے جاتے۔

علامہ کشی رجال کشی ص ۷۳ پر لکھتے ہیں کہ یہ قیس پیغمبرؐ خدا کے ان دس اولین مخصوصین میں سے ہیں جن کا قد خود ان کے بالشت سے دس بالشت تھا، ابراہیم ثقفی کی کتاب الغارات میں مذکور ہے کہ قیس سب سے زیادہ دراز قامت اور چوڑے چکلے تھے چندیا پر بال نہیں تھے معزز ومحترم، بہادر وآزمودہ کار علیؑ واولاد علیؑ کے انتہائی جاں نثار، مرنے کے وقت تک قیصر روم نے روم کا ایک مشہور پہلوان جو انتہائی غیر معمولی ڈیل ڈول کا تھا معاویہ کے پاس بھیجا، معاویہ کی نظروں میں قیس کے علاوہ کوئی ایسا نہ تھا جو اس کے مقابلے پر لایا جا سکے ایک مرتبہ وہی رومی پہلوان معاویہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قیس بھی آ گئے، معاویہ نے کہا گھر پہنچنے کے بعد ذرا تم اپنا پائجامہ بھیج دینا، قیس مطلب سمجھ گئے، انہوں نے اپنا پائجامہ اُتار کر اس رومی پہلوان کی طرف پھینک دیا رومی پہلوان نے وہیں اسے پہنا اور وہ پائجامہ اس کے سینے تک گیا، پہلوان نے شکست کی شرمندگی سے سر جھکا لیا لوگ قیس پر فقرے کسنے لگے کہ انہوں نے معاویہ کے سامنے پائجامہ اُتار دیا۔ اس پر قیس نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ "میری اس حرکت کا مدعا یہ ہے کہ سب لوگ یقین کر لیں کہ یہ پائجامہ قیس ہی کا ہے گھر جا کر پائجامہ بھجواتا تو لوگ یہ کہتے کہ یہ پائجامہ آج کل کے زمانہ کا تھوڑا ہی ہے یہ تو قوم عاد وثمود کا پائجامہ ہے"۔

(ثمار القلوب ثعالبی ص ۴۸۰)

ابن کثیر نے بھی بدایہ ونہایہ جلد ۸ ص ۱۰۲ پر اس واقعہ کو ذرا سے تغیر کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد لکھا

ہے۔

"ایک روایت میں ہے کہ بادشاہ روم نے اپنے لشکر کے دو آدمی معاویہ کے پاس بھیجے، بادشاہ کا دعویٰ تھا کہ ان میں سے ایک اس کی بادشاہت بھر میں سب سے زیادہ طاقتور ہے اور دوسرا سب سے زیادہ طویل القامہ۔ اس نے معاویہ کو کہلا بھیجا کہ اگر تمہارے لشکر میں کسی نے انہیں مات دے دی تو میں تمہیں اتنے تحفے تحائف دوں گا ورنہ تمہیں یہ سب کچھ دینا پڑے گا۔ جب سب معاویہ کے پاس اکٹھا ہو گئے تو محمد بن حنیفہ نے رومی پہلوان سے کہا، میں بیٹھتا ہوں میرا ہاتھ پکڑ کر تم مجھے اٹھا دو یا تم بیٹھو میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دوں، رومی پہلوان نے کہا" آپ بیٹھیے میں اٹھا دوں گا محمد بن حنیفہ بیٹھ گئے، رومی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پوری طاقت صرف کر دی مگر انہیں کھڑا نہ کر سکا بلکہ محمد ابن حنیفہ ہی نے اسے بٹھا لیا۔ پھر محمد ابن حنیفہ کھڑے ہوئے، رومی بیٹھا اور محمد بن حنیفہ نے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا رومی پہلوان شرمندہ ہو کر بیٹھ رہا۔ اس کے بعد قیس اُٹھے ایک گوشہ میں گئے اور اپنا پائجامہ اُتار کر دوسرے رومی کی طرف پھینکا، اس نے پہنا تو اس کے گلے تک وہ پائجامہ آیا اور پھر بھی پائنچے زمین پر لٹک رہے تھے"۔

اس قسم کے تاریخی حقائق دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مشکل وقتوں میں اہلبیتؑ و پیروان اہلبیتؑ ہی مرجع ہوا کیے جس قسم کی بھی پریشانی لاحق ہوئی انہیں کے ذریعے دور ہوئی جیسے امیر المومنینؑ صدر اول میں حلال مشکلات تھے۔

قیس کی وفات

۵۹ھ یا ۶۰ھ میں مدینہ میں ہوئی آخر زمانہ خلافت معاویہ میں"۔ (اسد الغابہ استیعاب وغیرہ)

اقتباس و ترجمہ از الغدیر جلد اول)

میں نے اللہ کے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ تمہاری طرف بھیجا ہے جو اندیشہ کے دنوں میں سوتا نہیں، خوف کی گھڑی میں دشمن سے ڈرتا نہیں۔ فاجروں پر بلائے بے درماں ہے۔ وہ مالک بن الحارث المذحجی ہے تم اس کی سنو اور اس کے حکم کی اطاعت کرو اگر حق کے مطابق ہو، یہ شخص اللہ کی تلوار ہے ایسی تلوار جس کی باڑھ کند نہ ہوتی ہے نہ کاٹ میں کمی کرتی ہے اگر وہ تمہیں حکم دے کہ چلو تو چل پڑو۔ حکم دے کہ بیٹھے رہو تو بیٹھے رہو، کیونکہ وہ میرے حکم کے بغیر نہ آگے بڑھنے کا نہ پیچھے ہٹنے کا۔ نہ کوئی پس و پیش کرے گا۔ مجھے خود اس شخص کی ضرورت تھی مگر میں نے اپنے مقابلہ میں ترجیح دی وہ تمہاری خیر خواہی کرے گا اور تمہارے دشمن پر سخت تاب ہوگا"۔

(ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی)

سیرت جناب مقداد بن اسود کندی

اسم گرامی:۔ مقداد

آپ کے والد کا نام:۔ مرو بن عمرو کندی

کنیت:۔ بعض لوگوں نے آپ کی کنیت ابو الاسود تحریر کی ہے جب کہ بعض روایوں کے مطابق آپ کی کنیت ابوسعید تھی۔

آپ کا قبیلہ:۔ بعض مؤرخوں کے نزدیک آپ کا تعلق قبیلہ قضاعہ سے تھا۔ جب کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ حضرت موت کے رہنے والے تھے۔ چونکہ آپ کے والد کا قبیلہ کندہ سے ہم قسم ہو گئے تھے اس لئے آپ کو اس قبیلہ سے منسوب کیا جاتا ہے اور چونکہ مقدادؓ اسود بن عبد غیوث زہری کے ہم قسم تھے اسی لیئے لوگ آپ کو زہری کہنے لگے اور یہ وجہ ہے کہ آپ کو بان اسود بھی کہا جاتا ہے۔

بعض راویوں کے قول کے مطابق مقداد کو اسود نے پالا تھا۔ ابن عبدالبر کی تحقیق کے مطابق وہ اسود بن عبد غیوث کے غلام تھے۔ اور چونکہ اسود نے ان کو اپنے فرزندی میں لے لیا تھا۔ لہٰذا ان کو اسی نسبت سے پکارا جاتا ہے۔

آپ کی عمر:۔ بوقت وفات آپ کی عمر ۷۰ سال کی تھی۔

سنہ وفات:۔ آپ کی وفات ۳۳ھ میں مقام جرف پر ہوئی جو کہ مدینہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر ہے۔

مدفن:۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی میت کو مدینہ لایا گیا اور بقیع میں دفن کیا گیا۔ تاریخ ابن واضح کے مطابق آپ کی وفات جناب عبداللہ ابن مسعودؓ کی وفات کے بعد ۳۳ھ میں واقع ہوئی۔ اور مقداد کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین جناب عمار یاسرؓ نے کی اور ان ہی نے حضرت مقدادؓ کی نماز جنازہ پڑھی۔ (تاریخ احمدی)

آپ کا عقد:۔ جناب یعقوب کلینیؒ نے بہ سند معتبر حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جناب مقدادؓ کا عقد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صباعہ دختر عبدالمطلب سے کیا تھا۔

اس عقد کی روایت کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ابن بابویہ نے اسند حضرت امام رضاؑ سے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت جبرائیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے بعد از سلام اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ پھول دار درخت پر جب پھول تیار ہو جاتے ہیں تو ان کا علاج سوائے توڑ کر ان کو استعمال کرنے کے کچھ اور نہیں ہوتا۔ اگر ان کا استعمال نہیں کیا جائے گا تو وہ موسمی اثرات یعنی تیز ہوا اور دھوپ کی تپش سے متاثر ہو کر ناکارہ ہو جائیں گے۔ اسی

طرح باکرہ لڑکیاں جب سن بلوغ کو پہنچ جاتی ہیں تو ان کی شادیاں لازمی ہو جاتی ہیں۔ اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو معاشرہ کی برائیوں سے ان کو محفوظ رکھنا ممکن نہیں رہے گا۔ یہ پیغام سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے لوگوں کے سامنے اپنا خطبہ ارشاد فرمایا اور حاضرین کو اس پیغام سے آگاہ کیا جو کہ ابھی وقت آپ کو موصول ہوا تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنی لڑکیوں کو کس کے ساتھ تزویج کریں تو جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے کفو اور ان کے برابر والوں کے ساتھ۔ مزید سوال کیا گیا کہ آخر ان کے کفو اور ہمسر کون ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ مومنین آپس میں ایک دوسرے کے کفو و ہمسر ہیں۔

یہ سب کچھ فرمانے کے بعد آپ ممبر سے نیچے تشریف لائے اور ضباعہ کو مقداد بن اسود کے ساتھ تزویج فرما دیا۔

جناب مقداد کا مقام :۔

جناب مقداد بن اسود کندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ وہ عبادت گزار زندہ دار اور انتہائی متقی اور پرہیز گار شخص تھے۔ ان کا شمار ارکان اربع میں کیا جاتا ہے۔ وہ اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ اور اپنے عقیدہ توحید، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور علیؑ کی ولایت و امامت پر صدق دل کے ساتھ اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک مستقیم و کاربند رہے۔

گو کہ آپ کا شمار سابقون الاولین میں ہوتا ہے جن کی تعریف قرآن مجید میں بھی موجود ہے لیکن چونکہ آپ خانوادہ رسالت سے حقیقی طور پر عقیدت و محبت و وابستگی رکھتے تھے اسی لئے شاید تاریخ کے صفحات پر وہ اتنا مقام حاصل نہیں کر سکے۔ جس کے وہ حقدار تھے شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کے حالات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں کچھ کم ہی ملتے ہیں۔ احسن المقال میں شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ بزرگوار قدیم الاسلام اور خواص صحابہ سید انام اور ارکان اربعہ سے ایک ہیں۔ بہت شریف المنزلت ہیں۔ ان کی دینداری اور شجاعت اس سے زیادہ ہے کہ تحریر میں آسکے۔"

چونکہ آپ کا شمار قدیم الاسلام صحابہ میں ہوتا ہے لہذا آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے اسلام کی تقریباً تمام جنگ بدر و احد میں بھی حصہ لیا تھا۔ اس ضمن میں آپ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ "اے عبدالرحمن آگاہ ہو کر انصار کو مددگار پاتا تو قسم خدا کی قریش کے ساتھ اسی طرح قتال کرتا جس طرح میں نے جنگ بدر میں کیا تھا۔" (تاریخ احمدی)

بے محل نہ ہوگا اگر ہم یہاں جنگ بدر کے موقع پر جناب مقداد کے کردار پر کچھ روشنی ڈالتے چلیں:۔

مشاہدہ اس بات پر گواہ رہا ہے کہ بعض اوقات وقوع پذیر ہونے والے بعض انتہائی معمولی نوعیت کے

اقدامات واقعات انسانی زندگیوں پر انتہائی اہم اثرات مرتب کرتے ہیں اور وہ دور رس نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ صورتحال انسانوں کو ان کی انفرادی حیثیت میں بھی پیش آسکتی ہے اور ان کے مجمع یا کسی معاشرہ کو حیثیت مجموعی بھی۔ ہم اپنے اس خیال کی وضاحت کچھ اس طرح کریں گے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے مقام پر منعقد ہونے والا اجلاس گو کہ ایک معمولی اجلاس تھا۔ اس میں شمولیت اختیار کرنے والے اکثر معدودین کسی غیر معمولی عظمت وجلالت و کردار واہمیت کے حامل نہیں تھے لیکن اس اجلاس میں کئے جانے والا فیصلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ اس تاریخ اسلام کا رخ ہی یکسر طور پر تبدیل کر دیا۔ وہ فیصلہ زمانہ کی حدود قیود کو توڑتا ہوا پوری کی پوری اسلامی ہیئت پر اثر انداز ہو گیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اجلاس کے منتظمین یا شرکاء کو بھی اس وقت اسکی اہمیت کا صحیح طور پر اندازہ نہ ہو۔

اپنے مقصد کو مزید واضح کرنے کے لئے ہم یہاں ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ کریں گے۔ جنگ احزاب کے موقع پر لشکر مخالف سے ایک شخص نکل کر آتا ہے۔ مسلمانوں کو للکارتا ہے اور دعوت جنگ دیتا ہے۔ لشکر اسلام کی جانب سے علیؑ اس سے مقابلہ کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ دو افراد کے درمیان شمشیر زنی ہوتی ہے۔ علی عمر ابن عبدود کو قتل کر دیتے ہیں اور بس لیکن اگر اس واقعہ کو اس کے صحیح پس منظر میں نیز اس سے حاصل شدہ نتائج کو پیش نظر رکھا جائے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس معرکہ کے موقع پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ "خندق کے دن علی کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے" یا یہ جس وقت حضرت علی مقابلہ پر نکلتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "آج کل ایمان کل کفر کے مقابلہ پر جا رہا ہے" اس دن علیؑ کی فتح اسلام کی فتح تھی اور اس کے اہم نتائج تاریخ اسلام پر مرتب ہوئے۔ ہوسکتا ہے کہ علی اگر اس وقت عمر ابن عبدود پر سبقت حاصل نہ کرتے تو مستقبل کے اسلام کے کچھ مختلف خدوخال ہوتے۔

اب ہم اس مختصر سی تمہید کے بعد اپنے مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔

جنگ بدر کفر واسلام کے درمیان پہلا معرکہ تھا۔ یہ مسلمانوں کا پہلا امتحان تھا۔ اس جنگ کے موقع پر مسلمان وسائل کے اعتبار سے انتہائی کمزور و ناتواں تھے ایسے موقع پر ان کے ایمان کے امتحان کا وقت آپہنچا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آج جنگ کیلئے صرف تین سو تیرہ افراد تھے۔ جن میں ۹۷ مہاجر اور بقیہ ۲۱۶ انصار شامل تھے۔ جو جنگ کیلئے دستیاب تھے۔ جہاں تک وسائل جنگ کا تعلق ہے تو مسلمانوں کے لشکر میں ۷۰ اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ اسلحہ کی مد میں چھ زرہیں اور صرف سات تلواریں تھیں جبکہ کفار قریش کی تعداد ایک ہزار یا اس سے زیادہ تھی۔ ان کے لشکر میں چار سو اونٹ تھے۔ اسی تناسب سے دیگر سامان حرب بھی ان کے پاس تھا۔

ایسے موقع پر حضرت کی خدمت میں جبرائیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے حضرت کو خبر دی کہ کفار قریش آپ کی

طرف متوجہ ہیں لہذا آپ ان کے ساتھ جنگ کریں۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔ اس وقت مسلمانوں کا گروہ بدر سے ایک منزل پہلے قدم پر تھا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کے لوگوں کو طلب کیا اور انہیں جبرائیلؑ کے پیغام سے مطلع کیا۔ بعض اصحاب یہ پیغام سن کر بہت ڈرے اور رنجیدہ ہوئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے اس سلسلہ میں ان کی رائے طلب کی۔ ایسے موقع پر جناب ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یہ قریش تو ایسے مغرور ہیں کہ جب سے انہوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ ہرگز ایمان نہ لائے اور جب سے انہوں نے غلبہ حاصل کیا ہے وہ کبھی حقیر و ذلیل نہیں ہوئے۔ ساتھ ہم بھی جنگ کے ارادہ سے گھر سے نہیں نکلے ہیں اور نہ ہی جنگ کے لئے سامان رکھتے ہیں۔ جناب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند نہیں آئی چونکہ یہ رائے احکام خداوندی کے خلاف تھی لہذا آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ پھر حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بھی ان ہی خیالات کا دہرایا جن کا اظہار اس سے قبل حضرت ابوبکرؓ کر چکے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ تم بھی بیٹھ جاؤ۔

اب ذرا ملاحظہ فرمایئے۔ کہ ایسے نازک وقت میں جناب رسالت مآب کے جذبات و احساسات کیا ہوں گے۔ ایک جانب حکم الٰہی جب کہ دوسری جانب مصاحبوں کی طرف سے عدم تعاون کا اظہار۔ اگر آج کفار قریش غلبہ حاصل کر لیتے ہیں تو پھر اسلامی تحریک کا مستقبل کیا ہوگا۔ ایسے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور جانثار صحابی جناب مقداد اٹھے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ قریش ہیں بیشک یہ صاحب قوت و طاقت ہیں یہ بھی درست ہے کہ یہ مغرور بھی ہیں ساتھ ہی یہ ایک لشکر لے کر آ رہے ہیں کہ جو کچھ آپ کے اوپر خدا کی جانب سے نازل ہوا ہے وہ حق ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو ہم آگ میں کود پڑیں۔ اگر حکم دیں تو ہم اپنے آپ کو کانٹوں پر ڈال دیں۔ ہم مقابلہ کیلئے تیار ہیں اور ہمیں کچھ پرواہ نہیں ہم کسی بھی صورت میں وہ بات کہنا پسند نہیں کرتے جو بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ سے کہی تھی۔ "اے موسیٰ تم اور تمہارے پروردگار دونوں جاؤ اور جنگ کرو ہم یہیں بیٹھے ہیں۔" (پ ۶ آیت ۲۴ سورۃ المائدۃ) مزید فرمانے لگے آپ چلئے ہم حکم خدا کے مطابق آپ کی معیت میں جنگ کریں گے۔ جناب مقداد کی جانب سے تائیدی کلمات سن کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعا دی اور فرمانے لگے۔ کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس حمایت کے سلسلہ میں جزائے خیر دے۔

جناب مقداد کے افکار و خیالات سن کر بہت سے حاضرین میں جذبہ جہاد پیدا ہو چکا تھا۔ اور اب صورتحال یکسر تبدیل ہو چکی تھی۔ اس کے بعد جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ فتح و نصرت عطا فرمائی۔

یہ تو رہا جنگ بدر کے موقع پر جناب مقداد کا کردار جنگ احد کے موقع پر رونما ہونے والے اہم واقعات میں گو کہ جناب مقداد کا نام کسی جنگی معرکہ کے حوالے سے تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا ہم ان کا نام ان لوگوں کی فہرست

میں بھی شامل نہیں ملتا جنہوں نے اس جنگ کے موقع پر راہ فرار اختیار کی تھی اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مذمت کے مقدار پائے تھے۔ ہاں البتہ بعض کتابوں میں ان لوگوں کا نام اس فہرست میں ضرور شامل ہے جو لوگ کہ اس جنگ کے کٹھن مرحلہ پر ثابت قدم رہے ان کے پائے استقلال میں لحہ بھر لغزش نہیں آئی۔ وہ حضرت علیؑ تھے ابو دجانہؓ انصاری تھے سہل بن حنیفؓ تھے عاصم ابن ثابت تھے اور مقداد تھے۔

فتح مکہ کے موقع پر شہر مکہ میں داخل ہوتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دستہ ذیئے تھے اور ان دستوں پر علمدار بھی مقرر فرمائے تھے ایسے ہی ایک دستہ کا علم جناب مقداد کو مرحمت فرمایا گیا تھا۔

جناب مقدادؓ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم وآل رسولؑ:۔

جناب مقداد بن اسود کندی کا شمار صحابہ کرام کے اس گروہ میں ہوتا ہے جن اصحاب نے حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مودت اہلبیت کو اپنا جزو ایمان قرار دیا ہوا تھا۔ یہ محبت وانس صرف یکجانبہ نہیں تھا بلکہ خانوادہ رسالت کے افراد بھی ان حضرات سے اسی درجہ محبت کرتے تھے۔ ہم اس کی ایک مثال یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ابو القاسم دمشقی نے ابو سعید خذری سے روایت کی ہے ایک روز جناب امیرؑ نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے دو پہر کا کھانا طلب کیا تو جواب میں بی بی نے قسم کھا کر بتایا کہ گھر میں کچھ بھی نہیں ہے اور حیا کے سبب آپ سے اس کا ذکر تک نہیں کر سکی اس لئے کھانا تیار نہیں ہو سکا۔ یہ سن کر حضرت علیؑ اس فکر میں اپنے گھر سے باہر نکلے کہ کچھ انتظام کیا جائے۔ آپ ایک دینار کسی سے قرض حاصل کیا اور بازار کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اس سے کھانے کا کچھ سامان حاصل کیا جا سکے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ باحال پریشان چلے آرہے ہیں اور دھوپ کی شدت کے سبب ان کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی صورت ہی بدلی ہوئی معلوم ہو رہی ہے۔ جناب امیرؑ نے جب ان کی پریشانی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگے کہ اس وقت کچھ نہ پوچھیئے اور مجھے جانے دیجئے۔ ایسے میں حضرت علی علیہ السلام مقدادؓ سے کہنے لگے کہ تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تم مجھ سے اپنا احوال چھپا رہے ہو۔ ایسے موقع پر مقداد سے صبر نہ ہو سکا اور وہ کہنے لگے کہ مولا میں آپ سے عرض کروں کہ میرے بچے اس وقت بھوک سے رو رہے ہیں اور مجھ سے ان کا یہ حال دیکھا نہیں جا رہا۔ بس اس پریشانی میں گھر سے نکلا ہوں کہ ان کے کھانے کا کچھ انتظام کیا جائے۔ حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرمانے لگے کہ اے مقدادؓ جو بات تمہارے گھر سے باہر نکلنے کی باعث بنی ہے وہی مجھے بھی درپیش ہے۔ مگر میں اپنے سے زیادہ تمہاری ضرورت کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دینار آپ نے مقداد کے حوالے کر دیا اور خود خالی ہاتھ واپس گھر لوٹ آئے۔

اس واقعہ سے جو قابل ذکر نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہو سکتے ہیں:۔

الف:۔ صحابہ کرام کا وہ گروہ جس نے اسلام کسی لالچ، مالی منفعت غرض یا کسی اور مجبوری کے تحت قبول نہیں کیا تھا بلکہ وہ اسلام میں موجود اچھائیوں نیز آنحضرت کی سیرت وکردار سے متاثر ہو کر اس میں شامل ہوئے تھے وہ عموی طور پر غربت وتنگدستی کی زندگیاں گزار رہے تھے وہ مالی طور پر فارغ البال نہیں تھے دولت جمع کرنا ان کا مطمع نظر نہیں تھا بلکہ ان کو جو کچھ بھی میسر آجاتا تھا اسی پر وہ صبر وشکر کیا کرتے تھے اپنی ضرورت سے زیادہ مال کو وہ رہ خدا میں خیرات کر دیا کرتے تھے اور خود مجبور رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں جناب سلمان فارسیؓ، جناب عمار یاسرؓ اور خصوصیت کے ساتھ جناب ابوذر غفاریؓ کی پاکیزہ زندگیاں ہمارے پیش نظر ہیں۔

ب:۔ مقصد اسلام سے محبت اور انتھک لگاؤ کے سبب اس گروہ میں اخوت ومحبت، جذبہ ایثار قربانی اس حد تک سرائیت کر گیا تھا کہ وہ اپنی ضرورت زندگی کو پس پشت ڈال کر اپنے دیگر ساتھیوں اپنے ہم نشینوں اور اپنے جانثاروں کی ضرورت کو پورا کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

اے کاش یہ جذبہ قربانی تمام صحابہ کرام میں پیدا ہو جاتا۔ وہ حق کو حق سمجھتے اور باطل کو باطل ویسے خانوادہ رسالت سے تعلق رکھنے والے افراد کا تو بس یہی طریقہ تھا کہ وہ خود تو بھوکے رہتے تھے لیکن دوسروں کی بھوک واحتیاج وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے اسی جذبہ ایثار وقربانی کی ستائش تو سورۃ دہر میں کی گئی ہے۔

جناب مقداد بن اسود کا مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آل صلی اللہ علیہ وسلم رسولؐ کی نظر میں:۔

جیسا کہ اس سے قبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ جناب مقداد کا شمار ارکان اربعہ میں ہوتا ہے۔ ارکان اربعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اصحاب کرام شامل ہیں وہ جناب سلمان فارسیؓ، جناب ابوذر غفاریؓ، جناب عمار یاسرؓ اور جناب مقدادؓ ہیں۔

تاریخ وسیرت کی کتابوں میں ان ارکان اربعہ کی توصیف تعریف جا بجا اور مختلف طریقوں سے ملتی ہے۔ ہم یہاں ان میں سے چند روایتوں کو نقل کر رہے ہیں۔

حضرت امام رضاؑ سے بسند معتبر روایت ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب امیر المومنینؑ سے ارشاد فرمایا کہ بہشت جن چار اشخاص کی مشتاق ہے وہ سلمان، ابوذر، عمار اور مقداد ہیں۔

علی ابن ابراہیم نے بسند معتبر حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ سورۃ کہف کی آیت ۱۰۷ پ ۱۶ یعنی "بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اعمال نیک بجالاتے رہے ان کی منزل جنت الفردوس ہے۔" ابوذر، سلمان، عمار

اور مقداد رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی اور پروردگار نے جنت الفردوس کو ان کی منزل اور مسکن قرار دیا ہے۔

جناب یعقوب کلینیؒ نے بہ سند معتبر حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ایمان کے دس درجے ہیں جب کہ جناب مقدادؓ ان میں سے آٹھ درجوں پر فائز ہیں۔

کتاب روضۃ الواعظین وغیرہ میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کی جانب سے منادی ندا لگائے گا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حواری کہاں ہیں کہ جنہوں نے بعد ان کی رحلت کے ان سے کئے گئے عہد و پیمان کو نہیں توڑا اور اپنے عقیدہ ایمان پر مستقیم رہے یہاں تک کہ انہوں نے دنیا سے رحلت فرمائی تو ایسے میں جو لوگ بارگاہ احدیت میں پیش ہوں گے وہ جناب سلمان فارسی، جناب ابوذر غفاری اور جناب مقداد ہوں گے۔

جناب امام محمد باقرؑ سے روایت کی گئی ہے کہ جناب جابر ابن عبداللہ انصاریؓ نے حضور ختمی مرتبتؐ سے دریافت کیا کہ مقداد کا کیا مقام ہے تو آپ ارشاد فرمانے لگے وہ ہم میں سے ہیں۔ خدا دوست رکھتا ہے ان لوگوں کو جو ان سے دوستی رکھتے ہیں اور دشمنی رکھتا ہے ان کی جو ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔

غرض کہ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں اس قسم کی متعدد روایتیں ایسی ملتی ہیں جن میں جناب مقداد کی توصیف و تعریف ان کے ایمان و عقیدہ ان کے سیرت و کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کی مدح و ثناء بیان کی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ ترین اصحاب کرام میں جناب مقدادؓ منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ وہ ایسے صحابی تھے جن کے پایہ ثبات میں زمانہ سختیاں، سیاسی ریشہ دوانیاں، حب جاہ و منصب، طمع و لالچ وغیرہ ایک لحہ بھر کے لئے بھی لغزش پیدا نہیں کر سکیں۔ وہ ہر وقت ہر لحہ زمانہ کے نشیب و فراز سے بے نیاز ہو کر تادم حیات رسولؐ و آل رسول علیہم السلام کی محبت و مودت میں سرشار ہے اور سر مو اس سے روگردانی نہیں کی۔ آپ کے اس مقام کی توصیف و تعریف بیان کرتے ہوئے کتاب اختصاص میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک عجیب و غریب روایت بیان کی گئی ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ صرف "الف" ہی وہ حرف ہے کہ جس سے کوئی حرف نہیں ملتا۔ اسی طرح کمال و شرف میں کوئی دوسرا شخص مقدادؓ کے کمال سے لحق نہیں ہوتا۔

جناب مقداد کا کردار رحلت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد:۔

شیخ کشی بہ سند معتبر روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام میں بعد وفات جناب پیغمبر اکرم کوئی اور ایسا شخص موجود نہیں تھا جس سے کوئی چھوٹی یا معمولی حرکت یا لغزش سرزد نہ ہوئی ہو۔ بجز جناب مقدادؓ کے کیونکہ ان کا دل حق کی طرفداری میں آہنی عزم رکھتا تھا۔ ان کا ایمان غیر متزلزل تھا وہ اپنے عقائد میں راسخ تھے۔

اس سلسلہ میں حضرت امام محمد باقرؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ بعد از وفات جناب ختمی مرتبت اگر کسی ایسے شخص کی نشاندہی چاہتے ہو جس کے دل میں کبھی کوئی شک نہ گزرا ہو تو وہ ذات مقداد کی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام رضا علیہم السلام سے روایت بیان کی گئی ہے کہ ان مومنوں کی محبت اور ولایت واجب قرار دی گئی ہے جنہوں نے اپنے پیغمبرؐ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ اس کے خلیفہ اور اس کے بھیجے ہوئے دین میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا مثل سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقداد بن اسود کندیؓ، عمار بن یاسرؓ، جابر بن عبداللہ انصاریؓ، حذیفہ ذوالشہادتینؓ اور سعید خذریؓ کے اور جو لوگ ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور ان کے جیسے کام انجام دیئے۔

رسول اکرمؐ ۱۱ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں حالات کروٹ لیتے ہیں وہ لوگ جو رسولؐ کی حیات میں صرف زبانی دعوائے محبت کیا کرتے تھے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں یہاں تک کہ رسولؐ کے دفن و کفن میں بھی شامل نہیں ہوتے۔ صرف چند افراد جن کی تعداد کو انگلی پر گنا جا سکتا ہے۔ رسولؐ کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیتے ہیں ان افراد میں مقدادؓ بھی شامل تھے۔

اسی دوران سقیفہ میں خلافت کا معاملہ طے کرلیا جاتا ہے۔ لوگ بخوشی یا پھر مجبوری کے ساتھ بیعت کرتے ہیں لیکن جن لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی ان میں جناب مقداد بھی شامل تھے۔ چنانچہ تاریخ ابولفدا میں ہے کہ بنی ہاشم کی ایک جماعت نیز مقدادؓ اور سلمان فارسیؓ نے جناب ابوبکرؓ کی بیعت سے کنارہ کشی کی تھی (تاریخ احمدی)

حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد جب خلافت سوئم کے قیام کا مرحلہ درپیش ہوا تو جناب عبدالرحمن بن عوف نے جو کہ شوریٰ کے ایک رکن تھے کمال ہوشیاری کے ساتھ اگلی خلافت کے قیام کے لئے سیرت شیخین پر عمل کرنے کی جو شرط عائد کردی تو اس کے نتیجہ میں حضرت علیؑ کے انکار کے بعد خلافت کا رخ حضرت عثمانؓ کی جانب موڑ دیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی خلافت قائم ہوتے وقت حضرت علیؑ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج یہ پہلا دن نہیں ہے جب کہ تم لوگوں نے مل کر ہم پر غلبہ حاصل کرلیا ہے۔ خیر صبر ہی بہتر ہے۔ اے عبدالرحمن خدا کی قسم تم نے عثمانؓ کی بیعت صرف اس لئے کی ہے کہ کسی مرحلہ پر یہ امر خلافت تمہاری طرف پھیر دیا جائے۔ جواب میں عبدالرحمن بولے کہ اے علی تم اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ تو حضرت علی یہ فرماتے ہوئے کہ سیبلغ الکتاب اجلہ وہاں سے چلے گئے۔ پس اس وقت جناب مقداد سے خاموش نہ رہا گیا۔ اور وہ فرمانے لگے کہ اے عبدالرحمن افسوس کہ تم نے علیؑ کو ترک کیا حالانکہ واللہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو حق کے ساتھ حکم اور عدل کرتے ہیں۔

تاریخ کامل اور تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ بعد ازاں مقداد نے کہا کہ میں نے ایسا برتاؤ نہیں دیکھا جیسا کہ اہلبیتؑ نبوت کے ساتھ ان کے نبی کے بعد روا رکھا گیا۔ مجھے تعجب ہے کہ قریش نے ایک ایسے شخص کو ترک کیا ہے جس سے بڑھ کر نہ میں کسی اور کو عالم جانتا ہوں اور نہ ہی کوئی اور ان کے مقابلہ میں اقضی یا اعدل ہو سکتا ہے۔ خدا کی قسم اگر ناصر و مددگار پاتا۔ مقداد ابھی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ عبدالرحمن نے کہا کہ اے مقداد خدا سے ڈرو مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر فتنہ نہ برپا ہو جائے۔

مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ جناب عمار یاسر کے بعد جناب مقداد بولے کہ اہلبیتؑ رسول کو میں جب رسولؐ ہی کی وجہ سے دوست رکھتا ہوں اور بیشک حق انہی کے ساتھ ساتھ ہے اور انہی میں ہے اے عبدالرحمن بن عوف میں تعجب کرتا ہوں ان قریش کی بابت جن کو تم غلبہ دلانے کی کوشش کرتے ہو اور قریش جو اس بات پر جمع ہوتے ہیں کہ رسولؐ کی حجت اور عظمت کو آنحضرت کے بعد ان کے اہلبیتؑ سے چھین لیں۔ اے عبدالرحمن آگاہ ہو کہ اگر میں انصار و مددگار پاتا تو قسم ہے خدا کی میں قریش کے ساتھ اسی طرح قتال کرتا جس طرح میں نے جنگ بدر میں قتال کیا تھا۔

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں حتمی طور پر یہ رائے قائم کرنا دشوار نہیں کہ صحابہ کرام کا یہ محترم و معزز مگر چھوٹا سا گروہ حضور ختمی مرتبت کی تعلیمات و ارشادات کی روشنی میں آپ کی جانب سے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں پر قائم ہونے والی حجت کے نتیجہ میں آپ کی رحلت کے بعد صرف علیؑ کو امر خلافت کا صحیح اور جائز حقدار سمجھتا تھا۔ تاہم موقع و محل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ساتھ ہی حضرت علیؑ کی مکرر ہدایت کے بموجب ان حضرات نے اپنے واسطے جو مناسب خیال کیا وہی طریقہ کار اختیار کیا۔ کبھی انہوں نے قائم ہونے والی خلافتوں کی اعلانیہ مخالفت کی اور علیؑ کے حق خلافت کا اعادہ کیا اور کبھی خاموشی اختیار کی۔ چونکہ یہ ایک چھوٹا گروہ تھا نیز ان کے پاس کافی وسائل بھی موجود نہیں تھے۔ ساتھ ہی حضرت علیؑ نے بھی اسلام کے عظیم تر مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات کی کہ اسلام کی حفاظت کی جائے لہٰذا یہ تمام امور مانع رہے کہ یہ لوگ اپنے مقصد کے حصول کے لئے یا اس ناانصافی کے ازالہ کے لئے کوئی راست اقدام کرتے۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حذیفہ یمانی

اصحاب لفظ صحابی کی جمع ہے جو کہ صحبت سے مشتق ہے۔ صحابیت اپنے میں کوئی خاص اہمیت، بزرگی یا فضیلت نہیں رکھتی بلکہ تمام خوبیوں، تمام اچھائیوں کا مرکز وہ ذات، وہ شخصیت ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ تعلق رکھنے کی بناء پر وہ

اس کا صحابی کہلاتا ہے۔

اس ضمن میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ ہر صحبت اختیار کرنے والے نے وہ صحبت خلوص نیت کے ساتھ اختیار کی ہو یا یہ کہ اس کے پس پردہ کوئی ذاتی منفعت کوئی ذاتی غرض کارفرما نہ ہو۔

صحابی کا اپنے صاحب کے ساتھ وفادار ہونا، ان کے ساتھ ہمدردی رکھنا، ان کے ہم خیال وہم عقیدہ ہونا بھی کوئی ضروری امر نہیں۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مختلف اشخاص اپنے میں مختلف درجہ کی صلاحیتیں رکھتے ہیں ان کی عادات واطوار میں فرق ہوتا ہے وہ الگ الگ ذہنی استعداد ورجحانات رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا امور یا ان جیسے بعض دیگر عوامل جو کہ انسانی رویوں پر اثر انداز ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنا غیر منطقی غیر حقیقت پسندانہ یا غیر منصفانہ کہلائے گا کہ کسی بھی شخصیت کے ساتھ مصاحبت رکھنے والے یا ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے تمام اصحاب یکساں خصوصیات کے حامل ہو سکتے یا یہ کہ تمام ساتھی یکساں طور پر فیض حاصل کر سکتے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم مسلمانوں میں رائج تصور صحابیت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں صحابی اس ذات گرامی کو کہا جاتا ہے جنہوں نے کچھ نہ کچھ وقت صحبت رسولؐ میں گزارا ہو۔

یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں کہ جن بزرگوں کو صحبت جناب ختمی مرتبتؐ میں رہنے کا شرف حاصل رہا ہو۔ جنہوں نے آنجنابؐ سے براہ راست ہدایت حاصل کی ہو وہ قابل عزت واحترام نہیں "یقیناً" اصحاب رسولؐ قابل احترام ہیں ان کی جتنی بھی عزت وتکریم کی جائے وہ کم ہے۔ انہوں نے ترویج دین کے لئے بیش بہا قربانیاں دیں، انہوں نے اسلام کی خاطر بڑی صعوبتیں برداشت کیں گھر بار چھوڑے، دیار بہ دریار پھرے، اپنے شکموں پر پتھر باندھے، محصور رہے جنگیں لڑیں، یہاں تک کہ اپنے اعزہ واقرباء کی جانوں کے نذرانے خدمت اسلام میں پیش کئے۔

لیکن ہم ایک بار پھر اپنی تمہیدی گفتگو کی طرف رجوع کرتے ہوئے قارئین کرام سے دست بستہ ادب کے ساتھ یہ سوال کریں گے کہ کیا تمام کے تمام اصحاب ایک ہی جیسی خصوصیات کے حامل تھے؟ کیا ان کے درمیاں درجہ بندیاں نہیں تھیں؟ کیا تمام اصحاب دین اسلام کے ساتھ یکساں طور پر مخلص تھے کیا دین کی خاطر سب ہی لوگوں نے ایک جیسی قربانیاں پیش کی تھیں۔ اس سلسلہ میں ہر سنجیدہ ہر دیانتدار قاری کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

یہی وہ ابتدائی نقطہ ہے جہاں سے عامتہ المسلمین کے مابین اختلافات کی ابتدا ہوتی ہے۔

ایک عام مسلمان بھلا صحابہ کرام کی تنقیص کی جرات کیونکر کر سکتا ہے لیکن تاریخ اسلام کے مطالعہ سے اس بات کا بخوبی طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دین اسلام کے لئے کس کس نے کتنی کتنی قربانیاں دیں۔ وہ یہ نتیجہ ضرور نکال کر سکتا

ہے کہ تعلیمات قرآن، ہدایات وارشادات رسولؐ پر کس کس نے کس حد تک عمل کیا اور کس نے ان سے اعراض برتا۔ اس قسم کی درجہ بندی کو کسی کی تنقیص تصور کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔

یہ ایک کلیہ ہے کہ عالم اور جاہل، ظالم و مظلوم عقلمند اور بیوقوف، بہادر اور بزدل، سچے اور جھوٹے کسی مہذب معاشرہ میں برابری کا درجہ نہیں رکھ سکتے تو پھر یہ کلیہ سراسر خلاف عقل، خلاف انصاف اور دیانتداری کے خلاف کہلائے گا کہ تمام کے تمام اصحاب عادل تھے لہذا ان میں سے کسی سے بھی رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

عدل کی ضد ظلم ہے۔ علماءِ حکماء نے ظلم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ کسی شے کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنا ظلم ہے اس تعریف کی روشنی میں کیا اسلامی تاریخ کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم یہ اقرار کرسکتا ہے کہ اولادِ رسولؐ کے ساتھ بعد از وفات جناب ختمی مرتبتؐ وہی سلوک کیا جس کے وہ روادار تھے۔ کیا یہ بات درست نہیں کہ آنحضرتؐ کے بار بار اور تصریح کے ساتھ ارشادات کے باوجود غیابت رسولؐ کے ناقہ کو اس دروازہ پر بٹھا دیا گیا جو کہ منشائے رسولؐ کے خلاف تھا جن جن حضرات نے اس تقرری میں جتنا جتنا اہم کردار ادا کیا یقیناوہ بزرگ اتنے ہی عدل سے دور ہوگئے۔

زیر نظر مضمون میں ایک معتمد صحابی رسولؐ جناب حذیفہ یمانیؓ کا کچھ تذکرہ مقصود ہے ایک واقعہ نقل کردیں۔ کہ تمام اصحاب زمانہ رسول اکرمؐ میں بھی یکساں طور پر خدمات انجام نہیں دیتے تھے۔ اس روایت کو مسلمانوں کی ایک مستند تاریخ یعنی تاریخ طبری سے ہم یہاں نقل کررہے ہیں۔

"اس واقعہ کے متعلق محمد بن کعب القرظی سے مروی ہے کہ کوفہ کے ایک شخص نے حذیفہ یمانیؓ سے پوچھا اے ابوعبداللہ تم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے اور ان کی صحبت میں رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ تم کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان کی اطاعت میں پوری کوشش کرتے تھے۔ اس شخص نے کہا کہ بخدا اگر ہم نے آپ کا عہد پایا ہوتا تو ہم آپ کو زمین پر نہ چلنے دیتے۔ اپنی گردنوں پر بٹھاتے۔ حذیفہؓ نے کہا اے میرے بھتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ خندق میں موجود تھا۔ آپؐ نے کچھ رات گئے نماز پڑھی اور پھر ہماری طرف مڑ کر دیکھا اور فرمایا کوئی ایسا ہے جو دشمن کی فرودگاہ میں جاکر اس خبر کی تصدیق کرکے آئے جو ہمیں معلوم ہوئی اور رسول اللہ عہد کرتے ہیں کہ جب وہ اللہ کے یہاں جائے گا تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (تو مجمع میں سے) کوئی بھی شخص اس کے لئے کھڑا نہیں ہوا۔ آپؐ نے پھر رات گئے تک نماز پڑھی اور اس کے بعد پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر اپنا وہی قول دہرایا۔ مگر اس مرتبہ پھر ہم میں سے کوئی اس کے لئے آمادہ نہیں ہوا۔ آپؐ پھر نماز پڑھنے لگے اور بعد فراغت نماز ہم سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ کون ہے جو دشمن کے یہاں جاکر اس خبر کی تصدیق کرکے آجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لئے شرط کرتے ہیں کہ جب وہ مرے گا تو میں اللہ

سے درخواست کروں گا کہ وہ جنت میں میرا رفیق بنایا جائے۔ اس ارشاد پر بھی چونکہ لوگ بہت خوف زدہ اور بھوکے تھے اور سردی بھی نہایت شدید تھی کسی نے وہ کام انجام دینے کی حامی نہ بھری۔ جب کوئی بھی اس کام کے لئے کھڑا نہیں ہو اتب رسول اللہؐ نے مجھے آواز دی۔ اب تو مجھے کھڑے ہوئے بغیر چارہ نہ تھا چونکہ آپ نے مجھے خود آواز دی تھی، میں پاس گیا فرمانے لگے حذیفہ تم دشمن کے یہاں جاؤ اور دیکھ کر آؤ کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ جب تک میرے پاس آؤ کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔ میں حسب ارشاد دشمن کی چھاؤنی میں گیا"۔ اس طرح جناب حذیفہ یمانیؓ نے اپنی جان پر کھیلتے ہوئے حضورؐ کو مطلوبہ اطلاعات فراہم کیں۔

یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ غزوہ خندق ہجرت کے پانچویں سال یعنی ۵ھ کا واقعہ ہے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب عمر ابن عبدود کا سر قلم کیا جا چکا تھا۔ صحابہ میں سے تمام کے تمام ایسے جلیل القدر اشخاص موجود تھے جن کی توصیف و تعریف سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔ جن کی شجاعت و بہادری کے قصے ہم ہر روز سنے رہتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہ نکلا جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس کے زندہ رہنے کے ساتھ ساتھ اس کی شفاعت کا بھی وعدہ فرما رہے تھے۔

اب ہم ایک دیانتدار قاری سے یہ دریافت کرنا چاہیں گے کیا مجمع میں موجود دیگر اصحاب اور جناب حذیفہ کا مرتبہ برابر ہے کیا وہ سب ایک جیسے تھے۔

جناب حذیفہ یمانیؓ کا تعارف

جناب حذیفہ یمانی عنسیؓ کا تعلق انصار سے تھا۔ آپ کا شمار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ ترین اصحاب میں ہوتا ہے۔ آپ احکامات قرآنی نیز ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق دیگر صحابہ کرام پر جناب امیرؑ کی فضیلت پر ایمان رکھتے تھے۔ اہلبیت رسولؐ کے ساتھ خصوصی محبت وانس کی وجہ سے آپ کا شمار اس صحابہ کے گروہ میں کیا جاتا ہے جو کہ سقیفہ کی سیاست سے آزاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ان کی عظمت و بزرگی کے تاریخ اسلام میں آپ کی خدمات کو نظر انداز کیا گیا۔ نتیجتاً آپ کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں بس برائے نام ہی ملتا ہے۔

شیخ عباس قمی اپنی کتاب احسن المقال میں رجال بن داؤد کا قول نقل کرتے ہیں کہ جناب حذیفہ یمانی کا شمار ارکان اربعہ میں ہوتا ہے۔ آپ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ جناب حذیفہؓ حضرت امیر المومنینؑ کے خواص میں شمار کئے جاتے تھے۔ جناب ختمی مرتبتؐ کی رحلت کے بعد اس وقت کی سیاست سے دل برداشتہ ہو کر آپ نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

آپ کے والد کی شہادت

آپ کے والد، بھائی اور آپ خود اسلام کے ابتدائی دنوں میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے لہٰذا جنگ احد کے موقع پر باوجود ضعیف العمری کے آپ کے والد جناب حسیل بن جابر بن یمانی نے اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ اس جنگ میں شرکت فرمائی تھی۔ آپ کے والد گرامی کے اسلام کی راہ میں شوق شہادت کا تذکرہ ہم تاریخ طبری سے یہاں نقل کر رہے ہیں۔ ''محمود بن لبید سے مروی ہے کہ جب رسول اللہصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد روانہ ہو گئے حسیل بن جابر یمان، ابو حذیفہ بن یمان اور ثابت بن رقش بن رعوار عورتوں اور بچوں کے ساتھ گڑھی میں بٹھائے گئے تھے۔ یہ دونوں نہایت سن رسیدہ بوڑھے تھے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اب کس چیز کا انتظار ہے۔ ہماری عمریں بہت کم رہ گئی ہیں۔ ہم صبح وشام کے یونہی مہمان ہیں کیوں نہ تلواریں سنبھالیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملیں۔ شاید آپ کی معیت میں اللہ ہمیں شہادت سے متمکر کردے۔ پس دونوں نے تلواریں اٹھائیں اور اپنے مقام سے چل کر دیگر لوگوں میں شامل ہو گئے لیکن مسلمان ساتھیوں کو ان کی آمد کا علم نہیں ہوسکا۔ جناب ثابت بن رقش کو مشرکوں نے شہید کردیا جب کہ حسیل بن جابر یمان پر خود مسلمانوں کی ایک دم کئی تلواریں برس پڑیں جس وہ شہید ہو گئے مسلمان ان کو پہچانتے نہ تھے۔ حذیفہ نے کہا یہ میرے باپ ہیں جب کہ ان کے قاتل مسلمانوں نے یہ غدر پیش کیا کہ بخدا ہم انہیں جانتے نہیں تھے، تب حذیفہ ارشاد فرمانے لگے کہ اللہ تمہیں معاف کردے گا چونکہ وہ سب سے بڑھ کر مہربان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ ان کی دیت دیں لیکن حذیفہ نے اپنے باپ کے خون بہا کو مسلمانوں پر تصدق کردیا۔ اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں کی نیکی اور شرافت اور بڑھ گئی۔

جناب حذیفہ یمانی جنگ خندق میں

جنگ خندق جس کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں ۵ھ میں وقوع پزیر ہوئی۔ اس جنگ میں جناب حذیفہ یمانی نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ خندق کی کھدائی کی تجویز جناب سلمان فارسیؓ نے پیش کی تھی جس کو منظور کرلیا گیا تھا۔ خندق کی کھدائی کے لیے دس دس آدمیوں کے گروہ ترتیب دیئے گئے تھے۔ ہر گروہ کے ذمہ چالیس گز خندق کی کھدائی کا کام دیا گیا تھا۔ گروہ ترتیب دیئے جانے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یقیناً لوگوں کے مابین ذہنی ہم آہنگی کو مدنظر رکھا ہوگا چنانچہ طبری کے مطابق جنگ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کا نشان رجم الشیخین سے بنی حارثہ کی طرف مذار تک ڈالا۔ ہر چالیس گز خندق کے لئے دس آدمی مقرر کئے۔ سلمان فارسیؓ چونکہ بہت قومی آدمی تھے اس لئے مہاجرین نے کہا یہ مہاجر ہیں، انصار نے کہا یہ انصار ہیں۔ ایسے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سلمان ہم اہل بیتؑ میں سے ہیں۔ عمرو بن عوف کہتے ہیں کہ میں، سلمان فارسی، حذیفہ یمانی، نعمان بن مقرن

المزنی اور چھ دیگر انصاری چالیس گز خندق کے ایک حصہ پر متعین ہوئے تھے۔

جناب حذیفہ یمانیؓ اور عقد مواخات

ہجرت کے بعد آنحضرتؐ رب العزت کی جانب سے مامور ہوئے کہ مسلمانوں کے مابین اتحاد و اتفاق کو فروغ دینے کے لئے ان میں اخوت و برادری کا رشتہ قائم کیا جائے یہ ایک نازک مرحلہ تھا۔ چونکہ اخوت قائم کرنے کے اُس وقت ہر دو اشخاص کے مابین ذہنی ہم آہنگی، تقویٰ و پرہیز گاری کا معیار، ان کے مابین قدر مشترک کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری تھا ورنہ وہ اخوت دیر پا ثابت نہیں ہوسکتی پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے مہاجر اور انصار کے مابین رشتہ اخوت قائم کیا۔ ایک مہاجر کو ایک انصاری کا اخی قرار دیا۔ اس موقع پر جناب عمار یاسرؓ اور جناب حذیفہ یمانیؓ کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا گیا۔ (ینابیع المودۃ)

حذیفہ یمانیؓ صاحب سر رسولؐ اللہ فی المنافقین

اب ہم اپنی تمہیدی گفتگو میں بیان کردہ اس نکتہ کی جانب ایک بار پھر رجوع کرتے ہیں کہ یہ بات ہرگز مبنی بر حقیقت تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ کسی بھی فرد یا تحریک کے ساتھ وابستگی اختیار کرنے والا ہر شخص ایک ہی جذبہ ایک ہی مقصد کے حصول کی خاطر اس میں شمولیت کے ساتھ جب کوئی تحریک زیادہ شہرت اختیار کرلیتی ہے تو اس قسم کے خدشات مُس کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو جاتا ہے، لوگ جوق در جوق اس میں شمولیت اختیار کرتے ہیں ان حضرات میں یقیناً ایسے افراد ضرور شامل ہوتے ہیں جو اس تحریک کے بنیادی مقاصد سے اتفاق رکھتے ہوں ساتھ ہی ایسے افراد کی شمولیت مقاصد کے حصول کی خاطر اس میں شمولیت اختیار کی ہو اس بات کا امکان ہے کہ مخلص لوگوں کے ساتھ ہی کچھ موقع پرست افراد بھی اس تحریک کی صفوں میں شامل ہوگئے ہوں اور اس مناسب وقت کا انتظار کر رہے ہوں کہ تحریک میں سرگرمی کے ساتھ شامل رہتے ہوئے اندرونی کیفیت سے واقفیت رکھتے ہوئے کب کس وقت اور کس طرح اس تحریک کو نقصان پہنچایا جائے۔

جناب حذیفہ یمانی سے منسوب ایک ایسے ہی واقعہ کو ہم یہاں بعض مستند کتابوں سے نقل رکرر ہے ہیں۔

غزوہ تبوک سن ۹ ھ کا واقعہ ہے یہ جنگ رومیوں اور مسلمانوں کے مابین وقوع پزیر ہوئی یہ غزوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری غزوات میں شمار کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعثت کے بیس سال سے زیادہ عرصہ گزار چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو اپنی ظاہری زندگی کے خاتمہ کی خبر مل چکی تھی لہذا آپ اپنی زندگی کے بعد کے حالات کے متعلق پریشان رہتے تھے۔ اگر چہ دعوت ذوالعشیرہ سے لیکر اپنی زندگی کے آخری ایام تک اپنی نیابت کے سلسلہ میں آپ نے جناب امیرالمومنینؑ کی نامزدگی کو کبھی صیغہ راز میں نہیں رکھا کبھی ان کو اپنا وصی کہا،

کبھی اپنا وزیر۔ کبھی کل ایمان کے لقب سے یاد کیا تو کبھی چادر تطہیر میں داخل کر کے اپنے اہل بیتؑ میں شامل کیا۔ کبھی آپ کو کرار غیر فرار کے خطاب سے نوازا تو کبھی من کنت مولا کی سند سے سرفراز کیا۔ یہاں تک کہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں قرطاس وقلم طلب کر کے مسلمانوں کی ہدایت کا انتظام کرنا چاہا لیکن افسوس کہ رسولصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ غرض کہ جوں جوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیابت علیؑ کا تذکرہ فرماتے تھے، باطل قوتیں اس کے خلاف نئی نئی صف بندیوں میں مشغول ہو جاتی تھیں۔ اور اس فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے کہ جھوٹ کو اتنی بار اور تکرار کے ساتھ بیان کیا جائے کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے یہ بات عیان کی جاتی رہی اور اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا وصی کسی کو بھی مقرر نہیں کیا تھا۔

غرض کہ حضورؐ غزوہ تبوک میں شرکت کے لئے جناب امیرؑ کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے تھے بلکہ اپنا نائب بنا کر مدینہ ہی میں چھوڑ گئے تھے جب حضرت علیؑ نے حضورؐ سے یہ عرض کیا کہ منافق یہ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے دو بھر سمجھا اور اس طرح مجھے مدینہ میں قیام کا حکم دیکر اپنا بوجھ ہلکا کیا ہے تو حضورؐ نے فرمایا وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ (تاریخ طبری)

آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم کو میرے پاس وہ درجہ نصیب ہو جو ہارونؑ موسیٰؑ کے پاس تھا اگر چہ میرے بعد اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ (تاریخ طبری) سیرت ہشام)

جناب پیغمبر اکرمؐ نے ایک روایت کے مطابق ۱۰ دن جب کہ ایک دوسری روایت کے مطابق ۲۰ روز تک تبوک میں قیام کیا آخر کار فوج مخالف کو مقابلہ میں موجود نہ پا کر واپسی کا فیصلہ کیا اور خالدؔ کو دومہ روانہ کرنے کے بعد خود مدینہ کی طرف روانہ ہوئے چونکہ حضرت علیؑ اس لشکر میں شامل نہیں تھے اس لئے منافقوں کے ایک گروہ نے جس میں آٹھ افراد قریش کے اور مہاجر تھے جب کہ چار افراد انصار کے شامل تھے۔ ایک منصوبہ بنایا جس میں طے کیا گیا کہ مدینہ اور شام کی راہ میں واقع گھاٹی میں ایک پہاڑی درہ سے گزرتے ہوئے پیغمبرؐ کے اونٹ کو ڈرائیں تا کہ وہ بدک کر آنحضرتؐ کو پہاڑ کے نیچے گہرے کھڈ میں گرا دے جب لشکر اسلام اس کھائی کے موڑ پر پہنچا تو یہ طے پایا کہ لشکر کو سفر جاری رکھنے کے لئے میدانی راستہ اختیار کرنا چاہئے جب کہ خود حضورؐ نے اپنے لئے اس گھاٹی والے راستہ کا انتخاب کیا پیغمبر اکرمؐ کے اونٹ کو جناب حذیفہ یمانی ہانک رہے تھے جبکہ جناب عمار یاسر اس کی مہار پکڑے ہوئے تھے ابھی حضورؐ کا اونٹ اس پہاڑی راستہ پر کچھ زیادہ بلندی تک نہیں پہنچا تھا کہ آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو چند سوار آپ کا تعاقب کر رہے ہیں، نصف شب کی چاندنی تھی آپ نے ملاحظ فرمایا کہ وہ گروہ اپنے چہرہ ڈھانپے ہوئے تھا تا کہ لوگ پہچانے نہ جاسکیں وہ لوگ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ حضورؐ نے جوں ہی ان لوگوں کو دیکھا آپ ان پر غضبناک ہوئے اور ان کا للکارا ساتھ ہی آپ نے حذیفہ کو حکم دیا کہ وہ ان کے اونٹوں کو اپنی لاٹھی سے دور ہنکا دیں۔

آنحضرتؐ کی للکار نے اس گروہ منافقین کے دلوں پر سخت رعب ڈالا اور وہ یہ بات سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو اس گروہ کے ناپاک منصوبے سے آگاہ کر دیا ہے لہذا وہ لوگ جس راہ سے آئے تھے۔ اسی راستہ پر واپس لوٹ گئے اور جا کر لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان کے اونٹوں کے نشان سے شناخت کیا اور پیغمبر اکرمؐ سے درخواست کی کہ اس گروہ منافقین کو ان کے کئے کی سزا دی جائے تو حضورؐ نے اپنے رحم بھرے لہجہ میں ارشاد فرمایا اور حکم دیا کہ میں اس راز کو فاش نہ کروں۔ شاید وہ توبہ کی راہ اختیار کریں۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ اگر میں ان کو سزا دوں گا تو لوگ کہیں گے کہ محمدؐ نے جب اوج اقتدار کو پالیا تو انہوں نے اپنے اصحاب ہی کی گردنوں پر تلوار رکھ دی (سیرت النبی بحوالہ مغازی، سیرت حلبی وغیرہ) ماخوذ (حیات القلوب علامہ باقر مجلسی)

یہی وجہ ہے کہ جناب حذیفہ یمانیؓ کو "صاحب سر رسول فی المنافقین" کہا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے سوائے آپ کے کسی اور صحابی کو ان بارہ یا ایک اور روایت کے مطابق چودہ منافقین کے نام نہیں بتائے تھے بلکہ اپنے اعجاز کے ذریعہ ان کی شکلیں تک دکھائی تھیں جو حضورؐ کو ہلاک کرنے کی سازش میں شامل تھے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب کسی صحابی کا انتقال ہوجاتا تو حضرت عمر اس صحابی کی نماز جنازہ اس وقت تک نہیں پڑھاتے تھے تاوقتیکہ وہاں جناب حذیفہ یمانی موجود نہ ہوں۔

• ہم لوگوں کی دل آزادی کے سبب یہاں ان کے اسمائے گرامی تحریر نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن اتنی بات ضرور عرض کر رہے ہیں کہ ان حضرات میں جلیل القدر اصحاب موجود تھے۔ دلچسپی رکھنے والے قاری ان کے نام تاریخ کی مستند کتابوں میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

بعد از وفات جناب ختمی مرتبتؐ آپ نے اہلبیت رسولؐ سے اپنا تمسک جاری رکھا۔ وہ خلافت کے سلسلے میں قرآن کریم اور ارشادات رسولؐ اکرم کی روشنی میں جناب علی ابن ابی طالبؑ کو افضل ترین شخص سمجھتے تھے اسی لئے وہ سقیفہ والے اجلاس میں شامل نہیں ہوئے تھے اس کے بعد بھی آپ نے کافی عرصہ تک بیعت خلیفہ وقت سے دوری اختیار کی۔

جناب حذیفہ یمانیؓ نے بی بی فاطمۃ الزہراؑ کی نماز جنازہ پڑھی تھی

بعد وفات جناب ختمی مرتبت حکومتی لوگوں نے اہل بیت رسولؐ کی عظمت کو فراموش کر کے ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ اب عوام الناس ان حضرات سے قربت اختیار کرنے میں خطرہ محسوس کرتے تھے۔ خاندان رسولؐ کا ایک المناک حصہ ہے۔ کل تک صبح شام جس در دولت پر حضور اکرمؐ بذات خود حاضر ہو کر سلام بھیجا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ "اسلام وعلیکم یا اہل بیت النبوت" آج اس دروازہ پر آگ روشن کی جا رہی ہے

غرض کہ مصائب زمانہ سے تنگ آ کر جناب بی بی فاطمۃ الزہراؑ نے رسول مقبولؐ کی وفات کے بعد ۷۲ دن یا

۷۵ دن کے بعد رحلت فرمائی۔

ذرا غور تو فرمایئے کہ حالات زمانہ کس حد تک سنگین صورت اختیار کر چکے تھے کہ دین و دنیا کے مالک حضور ختمی مرتبتؐ نے جب اس دینا سے رحلت فرمائی تھی تو مدینہ اور قرب و جوار کی آبادیوں میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد رہتی تھی۔ مگر آپ کے جنازہ میں مسلمانوں کی عدم شرکت آج ایک غیر متعصب قاری کو دعوت فکر دیتی ہے۔ کیا ہوا ان جانثاروں کو جو ہر لحظہ آپ کے ارگرد جمع رہتے تھے نماز جنازہ جناب امیر المومنینؑ نے ادا کی جب کہ دفن میں جناب امیرؑ نے عباس و فضل وغیرہ سے مدد حاصل کی۔ البتہ دعا پڑھنے کیلئے دس دس افراد حجرہ میں داخل ہوتے تھے اور دعا کے بعد واپس چلے جاتے تھے۔ جب دختر رسول بی بی فاطمۃ الزہراؑ کا انتقال ہوا تو ان کے دفن میں صرف چند افراد نے شرکت کی جناب امیرؑ سے روایت کی جاتی ہے کہ سات اشخاص نے جناب فاطمہؑ کے جنازے پر نماز پڑھی جن میں ابوذر، سلمان، مقداد، عمار یاسر، حذیفہ یمانی اور عبداللہ ابن مسعود شامل تھے جب کہ میں ان کا امام تھا۔ (جلاء العیون علامہ مجلسی) ہو سکتا ہے کہ کسی جانب سے یہ عذر پیش کیا جائے کہ لوگوں کو بی بی کے انتقال یا پھر دفن کرنے کے وقت کا علم نہ ہو سکا ہوتا مکانات بڑے بڑے اور دور دور فاصلہ پر واقع تھے اور خانہ جناب سیدہؑ تو مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا۔ حقیقت میں اس پورے واقعہ کو مسلمانوں کے اس رویہ کے تناظر میں دیکھنا چاہیے جو اہل مدینہ کی اکثریت نے بعد وفات رسولؐ اہل بیت رسولؐ کے ساتھ روا رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی نے مرتے وقت اپنی وصیت میں خصوصیت کے ساتھ چند لوگوں کے جنازہ میں شمولیت اختیار نہ کرنے کی تاکید کردی تھی۔

بعد وفات جناب ختم رسلؐ اہلبیت رسولؐ اور ان کے حلقہ احباب پر عجب نازک وقت آن پڑا تھا اگر وہ تعلیمات قرآن ارشادات رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے حق طلبی کا مطالبہ کرتے ہیں اور حزب اقتدار سے ان کے اختیارات کی سند طلب کرتے ہیں تو ایسی صورت میں انہیں۔

الف۔ ارتداد جیسے الزام کا سامنا کرنے کا خطرہ ہے۔

ب۔ اگر وہ حق کے حصول کے لیے برسر پیکار ہوتے ہیں تو اسلام کے اس نوخیز پودے کو اپنے وجود کا خطرہ ہے۔

ج۔ جب کہ ان کے خاموش رہنے کی پالیسی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جانے کا امکان ہے کہ اگر نیابت رسولؐ کیلئے استحقاق رکھتے تھے تو پھر انہوں نے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کیوں نہیں کی۔

ایسے میں جناب امیرؑ نے جو طریقہ اختیار کیا اس میں اقتدار چھن جانے پر احتجاج بھی شامل ہے اور خدمت اسلام کی خاطر تعاون بھی شامل ہے۔ اس حکمت عملی کا جو نتیجہ نکلا وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ اسلام قیام قیامت تک کے

لئے باقی رہ گیا گو کہ اس کو بڑا نقصان اٹھانا پڑ گیا۔ اسی پالیسی کے نتیجہ میں جناب علیؑ مرتضیٰ اور ان سے قربت رکھنے والے احباب نے خدمت اسلام کے سلسلے میں انہیں جو بھی ذمہ داریاں سپرد کی گئیں انہوں نے ان کو احسن طریقہ پر انجام دیا وہ اس حکمت عملی کے نتیجہ میں اس وقت کے معاشرہ میں رہتے ہوئے اعلائے کلمۃ الحق بیان کرتے رہے۔ چاہے اس کے نتیجہ میں انہیں معاشی بدحالی کے سامنا رہا ہو یا پھر دربدری کا۔

چنانچہ حزب اقتدار کی جانب سے جناب امیرؑ سے جب بھی کوئی مشورہ طلب کیا جاتا آپ اسلام کے بہترین مفاد میں ان لوگوں کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے۔ اگر کوئی شرعی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو احکام الٰہی کی روشنی میں آپ فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں حکومتی حلقے کے ذمہ دار افراد کہتے ہوئے نظر آتے ہوں گے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بعد وفات رسولؐ حکومتی حلقے نے ان میں سے بعض ایسے اصحاب رسول کو جو کہ اہلبیت سے قرب وانسیت رکھتے تھے کبھی کبھی کچھ ذمہ داریاں بھی سپرد کیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اب ذمہ داریاں سپرد کرتے وقت تقویٰ و پرہیزگاری سے کہیں زیادہ انتظامی صلاحیت کو ملحوظ خاطر رکھا جانے لگا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے منظور نظر عمال حکومت پر مالی بے ضابطگی، خراب چال چلن جیسے سنگین الزامات عائد کئے جانے کے باوجود ان الزامات کی نہ تو ان سے خاطر خواہ طور پر پرسش کی گئی اور اگر کی بھی گئی تو وہ بھی لوگوں کے دکھاوے کے لئے۔ چند دنوں کی معزولی کے بعد ان حضرات کو دوسری ذمہ داریاں سپرد کی گئیں۔ اس سلسلہ میں جناب مغیرہ بن شعبہ، جناب سعد بن ابی وقاص، جناب خالد بن ولید وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس پورے عہد میں اکثر ان لوگوں کو انتظامی ذمہ داریاں سپرد کی گئیں جن کے اسما منافقین کی اس فہرست میں شامل تھے جو کہ حضورؐ نے جناب حذیفہ یمانی کو بتلائی تھی۔

جناب حذیفہ یمانیؓ اور حکومتی ذمہ داریاں

(۱) جناب حذیفہ یمانی کو جناب رسول اکرمؐ نے جناب بلالؓ کے ساتھ پھلوں کے صدقات کا والی مقرر کیا تھا۔ (حیات القلوب)

(۲) سن ۱۸ھ میں جنگ نہاوند کے موقع پر خلیفہ ثانی نے جناب حذیفہ یمانی کو کوفہ سے اس جنگ کے لئے روانہ ہونے والی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اس جنگ میں اہل کوفہ کی فوج نے سب سے پہلے شرکت کی۔ (تاریخ طبری)

جناب نعمان بن مقرون کی دوران جنگ شہادت کے بعد جناب حذیفہ اس پوری فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے (طبری)

بالآخر اس جنگ میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کیہاتھ آیا جناب حذیفہ یمانی نے وہ مال غنیمت لشکریوں میں

تقسیم کیا ایک سوار کے حصہ میں چھ ہزار جب کہ پیادہ کے حصہ میں دو ہزار کی رقم آئی اس کے علاوہ غیر معمولی بہادری دکھانے والے افراد میں آپ نے اپنی مرضی سے مزید رقم تقسیم کی (طبری)

جنگ کے خاتمہ پر جناب حذیفہ یمانی نے اہل نہاوند کیلئے یہ معاہدہ لکھ کر دیا یہ معاہدہ حذیفہ یمانی نے اہل دینار کے لئے لکھ کر دیا ہے۔ وہ انہیں جان ومال اور اراضی دینے پر پناہ دیتے ہیں۔ وہ ان کی قوم پر حملہ نہیں کریں گے ان کے مذہب اور قوانین میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ مسلمانوں پر ان کی حفاظت اس وقت تک (فرض) ہے جب تک وہ سالانہ جذیہ مسلمان حاکم کو ادا کرتے رہیں گے جو ہر بالغ پر اس کی حیثیت اور طاقت کے مطابق اس کے جان ومال پر ہے، وہ مسافر کو راستہ بتائیں اور راستوں کو درست رکھیں اور مسلمان سپاہیوں میں سے جو کوئی ان کے پاس گزرے تو اسے ایک دن ایک رات ٹھہرائیں، وہ ان کے خیر خواہ رہیں۔ اگر آپ لوگ تبدیل ہو گئے اور دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے تو ہماری ذمہ داری (حفاظت کی) ان پر سے ساقط ہو جائے گی۔

۳۔ خلافت ثانیہ میں آپ کچھ دنوں کے لئے مدائن کے حاکم رہے پھر انہیں معزول کر کے سلمان فارسیؓ کو ان کی جگہ وہاں کا والی مقرر کیا پھر جناب سلمان فارسیؓ کی وفات کے بعد انہیں دوبارہ وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا۔ (احسن المقال شیخ عباس قمی)

خلافت ثلاثہ کے عہد میں کبھی کبھی اور کہیں کہیں تقاضائے رواداری کے تحت یا پھر احتک سوئی کی خاطر اہل بیتؑ رسولؐ کے ساتھ وابستگی رکھنے والے بعض افراد کو کچھ ذمہ داریاں سونپی تو گئیں۔ لیکن ان کے طریقہ کار کی سخت نگرانی کی جاتی تھی اور ذرہ ذرہ سی بات پر ان کے کام میں نقص نکالے جاتے تھے جیسا کہ جناب عمار یاسر کے ساتھ ہوا اسی طرح ہم یہاں جناب حذیفہ یمانی کے ساتھ پیش آنے والے ایک واقعہ کو تاریخ طبری سے نقل کر رہے ہیں۔

جناب سعید بن جبیر فرماتے ہیں۔ ''جب حضرت عمر بن الخطاب نے حذیفہ کو مدائن کا حکام بنایا اور مسلم خواتین کی کثرت ہو گئی تو اسی وقت حضرت عمر نے یہ لکھ کر بھیجا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے مدائن کے اہل کتاب (عیسائی یا یہودی) کی خاتون سے شادی نکاح کر لیا ہے تم اسے طلاق دے دو۔ حضرت حذیفہ نے (جواب میں) تحریر کیا میں اس وقت تک تعمیل حکم نہیں کروں گا۔ جب تک تم مجھے نہ بتاؤ کہ آیا یہ فعل حلال ہے یا حرام۔ نیز یہ کہ تمہارا اس سے کیا مقصد۔ حضرت عمر نے تحریر فرمایا یہ (نکاح) حلال ہے لیکن عجمی خواتین میں اس قدر دلربائی ہے کہ اگر تم ان کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ تمہاری دوسری خواتین پر غالب آجائے گی جب کہ جناب مغیرہ بن شعبہ کو ان کے عہدہ پر برقرار رکھا جب کہ ان کے خلاف ام جمیل کے ساتھ زنا کی ایک سے زیادہ گواہیاں ملی تھیں دیکھو تاریخ طبری۔

تاریخ کی کتابوں میں شہادت حضرت عثمان کے دلخراش واقعہ کے سلسلہ میں بھی ہمیں جناب حذیفہ یمانیؓ کا

وہی موقف ملتا ہے جو ان کے سید و سردار جناب علی ابن ابی طالبؑ کا تھا قتل کسی کا بھی ہو اور کہیں بھی ہو قابل مذمت ہوتا ہے تاہم ہر قتل کو اس کے معروضی حالت کے پس منظر میں دیکھا جاتا ہے، اس کے اسباب پر غور کیا جاتا ہے اس کے عوامل کا پتہ لگایا جاتا ہے، اس سے اظہار ہمدردی اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے کہ مقتول ظالم تھا یا مظلوم اس کے قتل کے مقاصد کیا تھے وہ قتل فتنہ وفساد کو کم کرنے کی خاطر کیا گیا ہے یا پھر اس میں اضافہ کی خاطر وغیرہ وغیرہ۔ غرض کہ حضرت عثمان کے ایام حکومت کے آخری دور تک جناب حذیفہ یمانی کوفہ پر گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ (احسن المقال)

آپ نے بلنجر پر ہونے والی تین جنگوں میں حصہ لیا آخری جنگ کے دوران ہی آپ کو حضرت عثمانؓ کے قتل کئے جانے کی اطلاع ملی تو بقول طبری آپ کہنے لگے اے اللہ تو قاتلان عثمان پر لعنت بھیج اور ان کو ملعون قرار دے جو عثمان سے جنگ کر رہے تھے۔ اے اللہ ہم کو ان سے شکایت تھی اور وہ بھی ہمیں ملامت کرتے تھے جس طرح ان سے پہلے کے خلفاء کے ساتھ ہوتا تھا۔

شیخ عباس قمی احسن المقال میں تحریر فرماتے ہیں جب حضرت علیؑ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس وقت آپ مدائن کے گورنر تھے اور آپ نے ان کی گورنری کو برقرار رکھا۔ پس مدینہ سے آپ کا جو فرمان جاری ہوا اس میں اپنی خلافت اور حذیفہ کی استقراری کی اطلاع دی گئی تھی لیکن جب اصحاب جمل کے فتنہ کو فرد کرنے کے لئے آپ نے مدینہ سے بصرہ کی طرف روانگی اختیار کی اور قبل اس کے کہ آپ کوفہ میں داخل ہوتے حذیفہ نے وفات پائی اور وہیں مدائن میں ہی مدفون کئے گئے۔

رجال بن داؤد وغیرہ سے روایت ہے جناب حذیفہ یمانی نے جناب رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد کوفہ میں سکونت اختیار کرلی تھی اور امیر المومنین کی بیعت کے چالیس دن بعد مدائن میں وفات پائی اور وقت وفات ان کے بیٹے صفوان نے اپنے باپ کی وصیت پر عمل کیا اور ان کے دونوں بیٹے جنگ صفین میں علیؑ کی جانب سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ (احسن المقال)

جب ان پر موت کی کیفیت طاری ہوئی تو انہوں نے بہت گریہ وزاری کی۔ کسی پوچھنے والے نے سبب گریہ دریافت کیا تو کہنے لگے کہ میں اس دنیا کے چھوڑنے کی وجہ سے نہیں روتا ہوں بلکہ روتا اس لئے ہوں کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں خدا کی رضامندی کی طرف جا رہا ہوں یا ناخوشی کی طرف۔ (تاریخ آئمہ)

جناب حذیفہ یمانی کی اپنے بیٹوں کو وصیت

جب ان کا وقت آخر قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو اپنے پاس طلب کیا اور ان کو بعض نفع نصائح پر عمل

کرنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا جو کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے مایوس ہو جاؤ کیا س ونا امیدی میں غنی وتونگری ہے اور لوگوں سے اپنی حاجت طلب نہ کرنا کیونکہ یہ فقر حاضر ہے، ہمیشہ اس طرح رہنا کہ جس دن تم زندہ ہو تو تمہارے گزشتہ دن سے بہتر اور تم نماز پڑھو تو اس طرح سے پڑھو کہ گویا یہ تمہاری الوداعی اور آخری نماز ہے اور دیکھو ایسا کام نہ کرو جس کا تمہیں عذر پیش کرنا پڑے۔ (احسن المقال)

اس مرحلہ پر ہم جناب ابوذر غفاری اور جناب حذیفہ یمانی کے درمیان ہونے والی خط وکتابت سے دو خطوط علامہ مجلسی کی کتاب حیات القلوب سے یہاں نقل کر رہے ہیں۔ تا کہ قارئین کرام ان دو بزرگ اصحاب رسولؐ کی عظمت و بزرگی ان کی تقویٰ و پرہیز گاری کا اندازہ لگا سکیں۔

قارئین کرام آپ نے ملاحظ فرمایا کہ ان دو بزرگ ترین اصحاب رسولؐ نے اس وقت کے حالات کی کتنی واضح اور خوف رلانے والی تصویر کشی فرمائی ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے جو لوگوں میں موجود بداعمالیوں، ظلم وزیادتی اور ان میں موجود طلب دنیا کے بارے میں ارشادات فرمائے ہیں وہ سب ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو کہ اصحاب رسولؐ کہلاتے تھے ہماری سمجھ سے یہ بات مالاتر ہے کہ افعال واعمال وکردار میں اتنی خامیوں کے باوجود ہر صحابی رسولؐ عادل کیونکر کہلایا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ اس سے پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ جناب حذیفہ یمانی کا صحابہ کے اس گروہ سے تعلق تھا جو رسول اکرمؐ کے بعد جناب امیرؑ کو برحق وصی رسولؐ سمجھتے۔ اسی لئے یہ گروہ ہمیشہ ہی حکومتوں کے ظلم وزیادتی کا نشانہ بنتا رہا۔

احادیث کی معتبر ترین کتابوں میں جناب حذیفہ یمانی کی روایت کردہ متعدد ایسی احادیث ملتی ہیں جو اہل بیت اطہارؑ کی شان میں بیان کی گئی تھیں۔ ان میں سے چند ہم جناب علامہ سید سلیمان حنفی سنی قندوزی کی کتاب ینابیع المودۃ سے یہاں نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ مناقب میں جناب حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جنگ خندق کے روز علیؑ کی تلوار کی ایک ضرب میری امت کے قیامت تک ہونے والے اعمال سے افضل ہے۔

۲۔ حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہ جائے گا تب بھی اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا لمبا کر دے گا حتیٰ کہ اس ایسے آدمی کو مبعوث کرے گا جس کا نام میرے نام پر ہوگا۔ سلمانؓ نے ایسے موقع پر دریافت کیا یا رسول اللہؐ وہ آپ کے کسی فرزند سے ہوگا تو جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا میرے اس فرزند سے ہوگا، آپ نے اپنا ہاتھ امام حسینؑ پر مارا۔

۳۔ جناب حذیفہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا علی ابن ابی طالبؑ لوگوں میں اس طرح ہیں کہ جس طرح

(سورہ) قل ھو اللہ قرآن میں ہے

۴۔ جواہر العقدین میں حذیفہ یمانی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا اے لوگو انبیا میں سے یوسفؑ بن یعقوب بن ابراہیمؑ کے سوا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر منزلت اور عزت کسی نبی کی اولاد کو حاصل نہیں ہوئی جس قدر حضرت امام حسین علیہ السلام کو حاصل ہوئی ہے۔ اے لوگو فضیلت، شرافت، منزلت اور ولایت رسول اللہ کی اولاد کو حاصل ہے بے معانی باتیں تمہیں (حق سے) برگزشتہ نہ کردیں اس روایت کو ابن حیان نے کتاب علیسہ اور جمال الدین نے کتاب دار السمطین میں نقل کیا ہے۔

۵۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ علیؑ کو امیر المومنینؑ کب کہا گیا تو ان کے فضائل کا ہرگز انکار نہ کرتے۔ آپ کا نام امیر المومنین تب پڑا جب آدمؑ روح اور جسم کے منازل طے کر رہے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو ارواح نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے محمد تیرے نبی ہیں اور ان کے وصی جناب امیر ہیں۔

۶۔ جناب حذیفہ یمانی نے فرمایا علیؑ بہترین انسان ہیں جس شخص نے اس بات کا انکار کیا وہ کافر ہے۔

غرض کہ جناب حذیفہ یمانی کی بیان کردہ متعدد احادیث ہمیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں طوالت کلام کے سبب ہم انہیں یہاں نقل نہیں کر رہے ہیں۔

اختتامیہ۔ قارئین کرام جناب حذیفہ یمانی کے حالات زندگی جو کچھ ہمیں مختلف کتابوں سے حاصل ہو سکے اس مختصر سے مضمون میں ہم نے ان کو جمع کر دیا ہے ہمیں اپنی کم علمی کا احساس اور اعتراف ہے ہم بارگاہ رب العزت میں دست بہ دعا ہیں کہ وہ ہماری اس حقیری کوشش کو شرف قبولیت بخشے۔ والسلام۔

ابو فراس فرزوق ایک شاعر اہلبیت

حرف آغاز!

لفظ ادب دنیا کی تمام زبانوں میں اپنے وسیع تر مفہوم میں ہر دو اصناف سخن یعنی نظم ونثری کی کاوشوں پر محیط ہے۔ نثری تصانیف کے خالق کو ہم اپنی زبان میں ادیب جبکہ افکار وخیالات کو منظوم شکل میں پیش کرنے والوں کو شاعر کہا جاتا ہے۔

اگر ہم ادب کی تاریخ کا کھوج لگانے کی کوشش کریں تو شاید یہ اتنی ہی پرانی اور قدیم ہو جتنی کہ انسانی تمدن کی کہانی۔ کہا جاتا ہے کہ اشاروں کی زبان تمام زبانوں سے قدیم ترہے اور مؤثر بھی جس کی تائید آج کے عہد میں مختلف زبان بولنے والے افراد کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ جب لوگ ایک زبان بولنے والے ملک سے کسی دوسری زبان بولنے والے ملک کا سفر کرتے ہیں تو یہ اشاروں ہی کی زبان ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنا مدعا بیان کرتے ہیں، اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہیں۔

رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، انسانی ضروریات کے پیش نظر، دنیا کے مختلف خطوں میں زبانیں وجود میں آتی گئی ہوں گی تاکہ لوگ اپنا مقصد اپنا مدعا زیادہ واضح اور غیر مبہم طور پر بیان کرسکیں۔

مختلف زبانوں میں تخلیق کردہ قدیم ادب اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ انسان قوت گویائی کے حصول کے ساتھ ہی لکھنے پڑھنے کی صلاحیت حاصل کرنے کے لئے کوشش میں مشغول ہوگیا ہوگا تاکہ وہ اپنی بات سلیقہ کے ساتھ بیان کرسکے۔ چنانچہ ہم سادہ الفاظ میں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ادب نام ہے افکار وخیالات کو عمدگی اور سلیقہ کے ساتھ بیان کرنے کا۔

مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف ادوار میں دنیا کے مختلف خطوں میں ادب کی تخلیق کو مختلف مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ کبھی اس کا دائرہ کار حسن وعشق کی چہار دیواری میں محصور رہا تو کبھی داستان گوئی اس کا طرہ امتیاز ٹھہرا۔ جب ادب کا گزر سرداران قبائل اور شاہان وقت کی محفلوں میں ہوا تو اس کا عمدہ حکمی مدح اور مخالفین کی قدح کیلئے استعمال کیا جاتا رہا جبکہ مذہبی افکار وخیالات رکھنے والے ادیبوں اور شاعروں نے اس کو مذاہب کی ترویج و اشاعت کے لئے خوب خوب استعمال کیا۔ قصائد، نعتیں، مراثی ودیگر نثری مضامین کی اشاعت اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

ہمارے عہد میں ادب کے تصور کو ایک نئی جہت عطا ہوئی اور ادب برائے زندگی کا مفید تصور منظر شہود پر آیا چونکہ یہ تصور حقائق کا ترجمان تھا اس لئے اس کی خوب پذیرائی ہوئی۔

متذکرہ بالا تمہیدی گفتگو کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کو ادب زندگی ہے، ادب حیات ہے، ادب کائنات کا ترجمان ہے۔ ادب روح کی غذا ہے، ادب جذبات کا ترجمان ہے، ادب محبت کا بیان ہے، ادب کو واقعات نگاری کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ادب کو اشتعال انگیزی کیلئے بروئے کار لایا جاسکتا ہے، ادب لوگوں کی منقبت میں تخلیق کیا جاسکتا ہے، ادب مخالفین کی منقصت میں تخلیق کیا جاسکتا ہے، غرض کہ وقت اور زمانہ کے مسائل کا عکس اور ان کے حل کی طرف اشارے ادیب وشاعر کے افکار وخیالات کی تہوں میں تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ معاشرہ

فنون لطیفہ کی اس صنف سے تعلق رکھنے والے بامقصد تخلیقات کے حامل ادیب یا شعراء کی تصانیف سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

ادیب یا شاعر چونکہ حساس ذہن رکھتا ہے اس لئے وہ اپنے عہد، اپنے معاشرہ میں راسخ اچھائیوں اور برائیوں کا قدرے بہتر طور پر ادراک رکھتا ہے۔ اگر چہ وہ کوئی مصلح تو ہوتا نہیں تاہم وہ اچھائی اور برائی کے مابین ایک خط ضرور کھینچ سکتا ہے۔ وہ اچھائیوں اور برائیوں، عدل وظلم کی نشاندہی کر کے ان افراد پر نکتہ چینی کرتا ہے تو اس کی یہ کوشش جہاد فی القلم کا درجہ رکھتی ہے جو کہ کسی بھی طور پر جہاد فی السیف سے کم درجہ نہیں۔ ظاہر ہے اس جہاد فی السیف کی قیمت بذات خود اس کو ادا کرنی پڑتی ہے۔

تاریخ عالم وآدم ایسے افراد کی قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ جس کو حق گوئی کے جرم کی پاداش میں بڑی سے بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔

اسلامی تاریخ کے حوالے سے ابو فراس فرزدق کا شمار بھی ایسے لوگوں کی فہرست میں آتا ہے جن کو اپنی حق گوئی کی پاداش میں شاہان وقت کے ذریعہ قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ان شاہان وقت کا آج کوئی نام لیوا نہیں لیکن فرزدق کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ آج بھی منارۂ ہدایت ہیں۔

ابو فراس فرزدق
ایک شاعر ایک محب آل محمدؐ

بیان کردہ تمہیدی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے اب ہم یہاں تذکرہ کریں گے ابو فراس فرزدق کا۔ ایک شاعر کا جو قصائد کہتا تھا محمد وآل محمد علیہم السلام کی شان میں اور ہجو کہتا تھا ان کے دشمنوں کے لئے۔

اس نے نہ جانے کن مجبوریوں کے سبب آل محمد علیہم السلام کے گھرانے کے مختلف افراد کی مدد و تائید میں جہاد فی السیف تو نہیں کیا لیکن جہاد فی القلم اس زور وشور سے کیا کہ اس کے قصیدہ کا ایک ایک شعر معرفت وعقیدت میں ڈوبا ہوا ہے اور جس کی تشریح میں دفتر کے دفتر تحریر کئے جا سکتے ہیں۔ لہذا اس کے ناقد بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ "اس کی طرف ایک کریمانہ فعل منسوب کیا جاتا ہے جس سے اس کے لئے جنت کی امید کی جا سکتی ہے۔" موصوف کا اشارہ اس قصیدہ کی طرف ہے جس کو ہم آئندہ صفحات میں تحریر کریں گے۔ یہی اس مقالہ کو تحریر کرنے کا مقصد ہے۔

فرزدق کے سلسلہ میں جو حالات وواقعات تاریخ کے حوالہ سے ہم تک پہنچتے ہیں وہ کچھ زیادہ قابل تعریف نہیں ہیں لیکن آپ اس بات کے امکان کو مسترد نہیں کر سکتے کہ چونکہ موصوف محب آل محمد تھا، آل محمد علیہم السلام کی مدح میں ان کے دشمنوں کے سامنے قصائد پڑھتا تھا لہذا ان کا یہ قصور ان کو قابل ملامت قرار دینے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

شاید یہی وجہ ہو کہ ان کے کردار کی خامیوں کو تاریخ کے صفحات پر زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا گیا ہو۔

مثال کے طور پر وفیات اعیان میں فرزدق سے متعلق ایک مضمون میں بیان کیا گیا ہے کہ فرزدق سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں تھا اور اس نے اس کو قصیدہ میمنہ کو سناتے ہوئے جب وہ اپنے ان اشعار پر پہنچا جس کے معنی تھے۔

(۱) دو اور تین پانچ ہوئیں اور چھٹی شام کی طرف مائل ہے۔

(۲) انہوں نے میرے دونوں پہلوؤں میں لیٹے ہوئے رات بسر کی اور میں نے مہروں کے قفل کو توڑتے رات بسر کی۔

(۳) گویا اس میں انار کی پیٹیں تھیں اور جنڈ کے انگارے تھے اور ان پر پرہیز گار بیٹھا ہوا تھا۔

یہ سن کر سلیمان کہنے لگا کہ اے فرزدق تو نے میرے سامنے زنا کا اقرار کیا ہے اور میں امام ہوں اور تجھ پر حد کو قائم کرنا میرے لئے ضروری ہے۔

فرزدق نے جواب میں کہا یا امیر المومنین آپ نے کہاں سے مجھ پر حد کو واجب کر دیا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زانیہ اور زانی میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ فرزدق نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس حد کو مجھ سے ہٹاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''شعراء کی پیروی گمراہ کن لوگ کرتے ہیں کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں کرتے نہیں ہیں۔ لہذا میں نے اشعار میں جو بات کہی ہے جو میں نے کی نہیں۔ یہ جواب سن کر سلیمان ہنس پڑا اور کہنے لگا تیرے لئے ہلاکت ہو۔

اس طرح کے بعض دیگر واقعات اس کے کلام کے حوالے سے ملتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے بیان کرنے کے پیچھے فرزدق کی کردار کشی کا مقصد پوشیدہ ہو۔

فرزدق کا خاندان:

ابوفراس ہمام جبکہ ابو عبیدہ نے طبقات الشعراء میں اس کا نام ھمیم بن غالب بیان کیا ہے۔ اس کی کنیت ابوالاخطل تھی۔ اس کا سلسلہ نسب صعصعہ بن ناجیہ بن عقال بن محمد بن سفیان بن درام تک جاتا ہے۔

فرزدق کے خاندان کی بڑائی کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے اس کا دادا صعصعہ بن ناجی کا دور جاہلیت میں عظیم القدر آدمیوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ وہ اس خاندان کا پہلا شخص تھا جو مسلمان ہوا تھا اور کتاب استیعاب میں اسے جملہ صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں اس بات کا رواج تھا کہ لوگ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے تو فرزدق کے دادا

صعصعہ نے ایسی زندہ در گور لڑکیوں کو خرید کر ان کو زندگی بخشی تھی۔ فرزدق اپنے دادا کے اس کارنامہ پر فخر کیا کرتا تھا۔

فرزدق کا باپ غالب بھی اچھی شہرت کا حامل تھا۔ یہ گھرانہ ایک متمول گھرانہ جو کہ اپنی فیاضی میں بھی کمال رکھتا تھا۔ اس کا شمار اپنے قبیلہ کے بزرگ افراد میں ہوتا تھا۔ فرزدق کی ماں کا نام لیلیٰ تھا جو کہ حابس کی بیٹی تھی۔

فرزدق کے والد کی فیاضی کے باب میں ایک واقعہ شہرت رکھتا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ حضرت علی کے عہد حکومت میں کوفہ کے لوگوں کو بھوک نے ستایا۔ غالب ان دنوں کوفہ ہی میں مقیم تھا۔ بھوک سے تنگ آ کر بہت سے لوگ نقل مکانی کر گئے۔ غالب اپنے قبیلہ کا سردار تھا جبکہ سحیم بن وثیل ریاحی اپنی قوم کا سردار تھا۔ دونوں قبائلی اور ان کے سردار مقام صوار پر اکٹھے ہوئے۔ یہ مقام کوفہ سے ایک روز کی مسافت پر واقع ہے۔ اس مرحلہ پر غالب نے اپنے اہل کے لئے ایک اونٹنی کو ذبح کیا اور اس کھانا تیار کیا اور بنی تمیم کے کچھ بڑے افراد کے لئے ثرید کے پیالے بھیجے۔ ساتھ ہی ایک پیالہ سحیم کے لئے بھی بھیجا۔ سحیم نے اس کو اپنی بے عزتی پر محمول کیا پس اس پیالہ کو الٹ دیا اور جو شخص اس پیالہ کو لے کر آیا تھا اسے مارا اور اس سے کہا کہ میں غالب کے کھانے کا محتاج نہیں ہوں کہ جب وہ اونٹنی ذبح کرے گا تو میں کھانا کھاؤں گا۔ پس اس نے دوسری اونٹنی ذبح کی اور اس سے اپنے قبیلہ والوں کے لئے کھانا تیار کیا۔ جب دوسرا دن نمودار ہوا تو غالب نے اپنے لوگوں کے لئے دو اونٹنیاں ذبح کیں اور سحیم نے بھی ایسا ہی کیا۔ غالب اور سحیم نے تیسرے دن بھی اسی عمل کو دہرایا اور دونوں قبائل کے مابین ایک مقابلہ کی سی فضا پیدا ہو گئی۔

چوتھے روز غالب نے ایک سو اونٹوں کو ذبح کیا اور لوگوں کی اس گوشت سے تواضع کی مگر سحیم کے پاس اس قدر اونٹنیاں نہیں تھیں لہذا وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ جب بھوک کا وہ زمانہ گزر گیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹنے لگے تو ریاح نے سحیم سے اپنی بے عزتی کا شکوہ کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہم تجھے ایک اونٹنی کے عوض دو اونٹنیاں دیتے لیکن تجھے اس کا مقابلہ سے دست بردار نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اس نے اپنے لوگوں کے سامنے عذر پیش کیا کہ اس کے اونٹ غائب ہو گئے تھے اس لئے وہ ایسا نہیں کر سکا تھا۔ تاہم اس وقت اپنی خفت مٹانے کے لئے تین سو اونٹنیوں کو ذبح کیا او رلوگوں سے کہا کہ انہیں کھانا اب تمہارا کام ہے۔

یہ واقعہ حضرت علیؑ کے دور حکومت کا ہے لہذا معاملہ کو ان کے سامنے پیش کیا گیا معاملہ کی پیچدگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے اس کی حرمت کا فیصلہ کیا۔ اپنے فیصلہ میں آپؑ نے فرمایا کہ اونٹ انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نہیں بلکہ مباحات ومفاخرت کے حصول کے لئے ذبح کئے گئے تھے۔ پس اس گوشت کی کوڑا کرکٹ کی جگہ پھینک دیا گیا۔ (وفیات الاعیان)

مذکورہ واقعہ میں مولا کے ماننے والوں کے لئے آج بھی ایک تنبیہ پنہاں ہے، کاش اس پر عمل کیا جائے۔

اس ضمن میں ہم یہاں فرزدق کی سخاوت کا ایک واقعہ طبری کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں۔ فرزدق کہتا ہے کہ میرے باپ غالب نے اپنے اونٹوں اور دنبوں کے ریوڑ کے ساتھ مجھ کو بھیجا تھا کہ اسے فروخت کر کے غلہ اور کپڑا خریدوں۔ میں نے بصرہ پہنچ کر تمام دنبے بیچ دیئے اور اس فروخت سے حاصل شدہ رقم کو اپنے کپڑے میں باندھ لیا۔ میں اس رقم کی حفاظت کر رہا تھا کہ دوران سفر مجھے ایک شخص ملا گویا کہ وہ کوئی بھوت تھا۔ وہ کہنے لگا کہ اگر تمہاری جگہ ایک شخص ہوتا جسے میں جانتا ہوں تو اس سے اتنا جبر کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے پوچھا وہ شخص کون ہے تو اس نے جواب میں کہا وہ شخص غالب بن صعصعہ ہے۔ باپ کا نام سن کر اس کے خون نے جوش مارا مقام مربد پر موجودہ لوگوں کو پکارا اور تمام رقم اس کے حوالے کر دی اور کہا یہ لے لو۔ ان میں موجود ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ابن غالب اس میں اپنی چادر بھی ڈال دے میں نے چادر بھی ڈال دی۔ دوسرا شخص بولا اپنی قمیض بھی اتار دے میں نے قمیض بھی دے دی۔ تب ایک اور شخص بولا اپنا عمامہ بھی دے دو میں نے عمامہ بھی دے دیا۔ اب میرے جسم پر صرف تہبند رہ گیا تھا ان لوگوں نے اس تہبند کا بھی مطالبہ کر دیا۔ تو میں نے جواب میں ان سے کہا کہ یہ تہبند تو میں تمہیں نہیں دوں گا۔ کیا یہ دے کر خود ننگا پھروں میں کوئی دیوانہ شخص نہیں ہوں۔

ان دنوں فرزدق کے دو چچا جن کے نام ذمیل بن صعصعہ اور زحاف بن صعصعہ تھے۔ زیاد کے پاس ملازم تھے۔ جب ان لوگوں کو فرزدق کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے ان چیزوں کے بارے میں دریافت کیا جو کہ اس کے والد نے منگوائی تھیں۔ غرض کہ وہ تمام اشیاء فرزدق کے چچاؤں نے خرید کر اسے دے دیں تا کہ وہ اپنے والد کو مطلوبہ چیزیں پہنچا دے۔ قبل اس کے کہ فرزدق اپنے باپ تک پہنچے غالب کو اس واقعہ کا علم ہو چکا تھا۔ میری زبان سے سارا قصہ سن لینے کے بعد وہ کہنے لگا بے شک تیرے احسانات ایسے ہی ہونے چاہئیں اور شفقت سے انہوں نے اپنے ہاتھ میرے سر پر ہاتھ پھیرے۔

فرزدق انتقال کے بعد بھی اپنے والد کو بہت یاد کرتا رہا تھا۔ وہ ان کی قبر کی تعظیم اس حد تک کرتا تھا کہ اگر کوئی سائل اس کے باپ کے حوالے سے کوئی مدد طلب کرتا تھا تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوتا تھا اور اس کی مدد کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ مبرد نے الکامل میں یوں بیان کیا ہے۔ ''جب حجاج بن یوسف ثقفی نے تمیم بن زید القینی کو بلاد سندھ کا والی مقرر کیا تو وہ بصرہ آیا اور وہاں کے باشندوں میں سے جسے چاہا اپنے ساتھ لے گیا۔ اس سلسلہ میں ایک بڑھیا فرزدق کے پاس آئی اور کہنے لگی میں نے تیرے باپ کی قبر کی پناہ لی ہے اور وہ اس قبر پر سے کچھ سنگریزے بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ فرزدق نے پوچھا کہ تیرا کیا کام ہے تو اس بڑھیا نے جواب میں کہا کہ تمیم بن زید میرے بیٹے کو گھر سے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ میرے لئے نہ کوئی راحت کا سامان ہے۔ اور نہ ہی بجز اس کے کوئی کمانے والا ہے۔ فرزدق نے

بڑھیا سے اس کے بیٹے کا نام پوچھا تو جواب میں اس نے اس کا نام خنیس بتایا۔ پس اس نے ایک جاننے والے کے ہمراہ ایک رقعہ روانہ کیا جس میں تحریر کیا گیا کہ "اے تمیم بن زید میری حاجت کو پس پشت نہ ڈال اور نہ میں اس کے جواب سے عاجز ہوں۔

مجھے خنیس خیال کرو اس میں اس ماں کے آنسوؤں کیلئے جس کا کھانا پینا خوشگوار نہیں رہا احسان سمجھ۔

وہ میرے پاس آئی اور تمیم اس نے غالب کی اور اس قبر کی جس کی مٹی اس پر اڑتی ہے پناہ لی اور لوگوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ تو بزرگی والا ہے اور جب جنگ کا شعلہ بھڑکتا ہے تو تو شیر ہے۔ جب تمیم کے پاس وہ خط پہنچا تو اسے نام کے بارے میں کچھ شک ہوا۔ دریافت کرنے پر پتا چلا کہ خنیس یا جیس نام کے لشکر میں چھ آدمی موجود ہیں۔ تو اس نے ان تمام لوگوں کو فرزدق کے پاس بھیج دیا۔

قبیلہ داری نظام اپنے کچھ مخصوص قدریں رکھتا ہے۔ اس نظام کے تحت سرداران قبیلہ طاقت وقوت کا اصل سر چشمہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی انا کی خاطر چھوٹی سے چھوٹی بات پر مرمٹنے کے لئے آمادہ تیار ہو جاتے ہیں۔ معمولی سی معمولی بات پر ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسر پیکار ہو جاتا ہے اور اس پیکار کے دورانیہ کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ کون سا قبیلہ وسائل کے اعتبار سے کتنا طاقت ور ہے۔ وہ دشمنی طولانی بھی ہو سکتی ہے یہاں تک کہ ان کے مابین صلح قائم ہو جائے۔

یہ صورتحال اب سے صدیوں سال قبل بڑے شدومد کے ساتھ جاری تھی۔ حکمران طبقے بھی اپنے دور اقتدار کو طول دینے کے لئے انہی قبائل سے فوجی مدد کے طلب گار رہتے تھے۔

اس پس منظر میں اس وقت کے معاشرہ میں شعراء کا کردار کچھ زیادہ ہی موثر تھا۔ ہر حکمران، ہر سردار اس بات کی خواہش رکھتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کی ثنا خوانی کریں، زیادہ سے زیادہ شعراء اس کی شان میں قصیدہ خوانی کریں۔

اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے شعراء کے لئے باقاعدہ وظائف کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

قصیدہ کی ضد ہوتی ہے۔ بعض شعراء اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لئے ہجو کا سہارا لیتے تھے لہذا حکمران یا سردار قبیلہ ایسے افراد سے عموی طور پر ٹکرانے سے پرہیز کرتے تھے۔ دوسری جانب شعراء میں یقیناً کچھ تعداد اگرچہ وہ کم ہی سہی ایسے لوگوں کی ضرور ہوتی ہوگی۔ جو اپنے ضمیر کا سودا نہ کرتے ہوئے حق بات کہنے کی جسارت رکھتے ہوں۔ شاید ابوفراس ان فرزدق کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

غیر ضروری نہ ہوگا اگر ہم اس مقام پر ضمیر کی اس خرید و فروخت کا کچھ مختصر سا تذکرہ کرتے چلیں۔

طبری جلد چہارم میں تحریر کرتے ہیں کہ معاویہ کے پاس اس کے بعض شعراء جن میں احنف بن قیس اور جاریہ بن یزید وغیرہ شامل تھے انعام واکرام کی غرض سے حاضر ہوئے۔ معاویہ نے ان میں سے بعض کو ایک ایک لاکھ عطا کیے جبکہ حتات کو صرف ستر ہزار ہی ملے۔ یہ لوگ وہاں سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک دوسرے نے رقم کے بارے میں دریافت کیا۔ سب نے اپنی اپنی رقم کے بارے میں بتایا۔ چونکہ حتات کو ملنے والی رقم دیگر شعراء کے مقابلہ میں کم تھی لہذا اس نے اس بات میں اپنی سبکی سمجھی۔ وہ وہیں سے پلٹا اور معاویہ کے پاس پہنچا۔ معاویہ کے دریافت کرنے پر حتات نے کہا کہ آپ نے بنی تمیم میں مجھے ذلیل کیا ہے۔ کیا میں معزز خاندان سے نہیں ہوں؟ کیا میں معمر آدمی نہیں ہوں؟ کیا میں اپنے قبیلہ کا رئیس نہیں ہوں؟ معاویہ نے جواب میں یہ بات کہی کہ ان لوگوں کو زیادہ رقم ادا کر کے میں ان کا ایمان خرید لیا ہے۔ اور تم کو تمہارے ایمان پر رہنے دیا ہے اور تمہارے اس اعتقاد پر جو عثمان بن عفان کے ساتھ تم کو ہے۔ حتات معاویہ کی باتوں میں نہیں آیا اور کہنے لگا کہ تم میرا بھی ایمان لے لو۔ پس اس کو بقیہ رقم ادا کردی۔ فرزدق ان انعام لینے والوں میں شامل نہیں تھا لہذا اس نے معاویہ کی منقصت میں اور اپنی مفاخرت میں ایک قصیدہ کہا جس سے معاویہ اور اس کے حواری جن میں زیادہ بھی شامل تھا ناراض ہوگئے۔ یہ ۵۰ ھ کی بات ہے۔ اب معاویہ اور اس کے حواری کبھی کبھی حیلہ بہانے سے فرزدق کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوگئے۔ کبھی کسی کی شکایت پر اس کو گرفتار کرنے کی کوشش کی جاتی تھی تو کبھی اس کی گرفتاری کے لئے کوئی اور جواز تلاش کیا جاتا تھا۔ وہ ہر لوگوں کے تعاون سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوجاتا تھا۔ طبری نے اس سلسلہ میں بہت سے واقعات تحریر کئے ہیں۔ دلچسپی رکھنے والے افراد ان کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

۶۰ ھ میں فرزدق کی حضرت امام حسینؑ سے ملاقات تاریخ کی کتابوں میں کچھ اس طرح بیان کی ہے۔ شیخ مفید نے فرزدق شاعر سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا میں ۶۰ قصد حج اپنی ماں کے ہمراہ جارہا تھا میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ سلاح جنگ لگائے ہوئے حرم خدا سے تشریف لئے جارہے ہیں میں نے پوچھا کہ قطار کس شخص کی ہے تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ حضرت امام حسینؑ کی اس کے بعد میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا اور عرض کیا حق تعالیٰ آپ کو بہ مقاصد ولی پہنچائے اور آپ کے مطالب دینی و دنیوی کو برلائے۔ یابن رسولؐ اللہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، حج سے پہلے آپ کیوں جارہے ہیں؟ آپؑ نے جواب میں ارشاد فرمایا اگر میں ایسا نہ کرتا تو گرفتار ہوجاتا۔ پھر آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو کہاں کا باشندہ ہے؟ جواب میں میں نے عرض کیا عراق کا رہنے والا ہوں۔ خدا کی قسم اس سے زیادہ حضرت نے میرے احوال کی تحقیق نہیں کی۔ اس کے بعد انہوں نے احوال عراق مجھ سے پوچھا' تو میں نے کہا کہ ان کے دل آپ کی طرف ہیں جبکہ تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ جو کچھ حق اللہ تعالیٰ چاہتا ہے

کرتا ہے۔ قضائے الٰہی موافق خواہش نازل ہو تو اس کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس شکر کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اس سے توفیق باری تعالیٰ طلب کرتا ہوں اور قضائے الٰہی برخلاف امید جاری ہو تو بلاؤں کی پرواہ نہیں رکھتا۔ میں نے عرض کیا یا حضرت آپ نے حق فرمایا۔ خدا آپ کو بہ مطلب ولی پہنچائے اور جس چیز سے آپ پرہیز رکھتے ہیں محفوظ رکھے۔ اس کے بعد میں نے حج کے کئی مسائل حضرت سے دریافت کئے۔ اس کے بعد حضرت نے براحلہ آگے بڑھا کر فرمایا السلام علیک اور وداع کیا۔ طبری میں بھی اس واقعہ کو اسی طرح تحریر کیا گیا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مکہ میں جنگ سے انکار:

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے مکہ میں دیکھا کہ امام حسینؑ بن حضرت علیؑ اور عبداللہ ابن زبیر دونوں کھڑے ہوئے ہیں اور چپکے چپکے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ پھر وہ ہماری طرف مڑے۔ ہمارے دریافت کرنے پر حضرت امام حسینؑ فرمانے لگے کہ ابن زبیر کہہ رہے تھے آپ مسجد الحرام میں ہی رہئے۔ میں آپ کی نصرت کے لئے لوگوں کو جمع کرلوں گا۔ تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ اگر میں ایک بالشت بھر بھی مسجد کے اندر قتل ہو جاؤں تو اس سے بہتر ہوگا واللہ میں ایک بالشت بھر مسجد کے باہر قتل ہوں۔

حجاج بن یوسف کے ہاتھوں کعبۃ اللہ کی ہونے والی بے حرمتی اسلامی تاریخ کا ایک المناک باب ہے اور ادھر امام کی بصیرت بھی قابل ستائش ہے۔ ورنہ تاریخ اسلام کا متعصب مورخ یہی تحریر کرتا کہ کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کے ذمہ دار امام حسینؑ تھے جنہوں نے جدال کے لئے کعبہ کی سرزمین کا انتخاب کیا تھا۔ جیسا کہ جناب عمار یاسر کی شہادت کے ضمن میں معاویہ نے اپنے لوگوں کو بہکانے کے لئے کہا تھا۔

اس مرحلہ پر ہوسکتا ہے کہ بعض احباب کے ذہنوں میں فرزدق کے خاندان رسالت سے عقیدت و محبت کے ضمن میں شکوک وشبہات پیدا ہو گئے ہوں۔ یہ کہ انکے تئیں فرزدق کے کردار کے ضمن میں کچھ صداقت بھی ہو۔ اس کے علاوہ آپ اس بات کو یکسر مسترد نہیں کر سکتے کہ یہ تصور ہی سرے سے ناقابل قبول ہو۔ تاہم کسی بھی حتمی فیصلہ پر پہنچنے تک درج ذیل باتوں کو پیش نظر رکھنا بھی بر دیات ہوگا۔

آپ اس بات سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ ایک عام آدمی اپنے روزمرہ کے معمولات میں چھوٹے یا بڑے اہم یا غیر اہم فیصلے بعض معروضی حالات میں ان کو صحیح اور درست سمجھتے ہوئے کرتا ہے۔ کبھی وہ فیصلے واقعی درست ثابت ہوتے ہیں جبکہ کبھی ان فیصلوں کے نتیجہ میں نقصانات بھی اٹھانے پڑتے ہیں۔ بہر حال مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں فیصلوں کے ضمن میں فیصلہ ساز کی سنجیدگی کو معرض بحث نہیں لایا جاتا۔

مندرجہ بالا تمہیدی گفتگو کے بعد جب ہم فرزدق کی واقعہ کربلا میں عدم شرکت کو دیکھتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچے

میں صرف چند نفوس کے علاوہ جن میں ان جید اصحاب کرام جن کی بزرگی کے گن آج تک ممبروں سے بیان کیے جاتے ہیں مستقبل میں رونما ہونے والے خطرات سے حضرت امام حسینؑ کو آگاہ تو ضرور کرتے رہے لیکن انہوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے امامؑ کے ساتھ مقاومت میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اب ان لوگوں کی امامؑ کے ساتھ وابستگی یا ان سے عقیدت ومحبت کے سلسلہ میں ان کی سنجیدگی کے باب میں جو بھی فیصلہ کیا جائے اسی فیصلہ کا اطلاق آپ فرزدق کے رویہ پر بھی کر سکتے ہیں۔

دوسری بات اس ضمن میں یہ قابل ذکر ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ فرزدق نے اپنی زندگی کے کسی حصہ میں دشمنان اہلبیت علیہم السلام سے کبھی کوئی سمجھوتہ کیا ہو۔

بنی امیہ اور ان کے تمام شہزادوں کے خلاف ہجو کی شکل میں انہوں نے ہمیشہ ہی اظہار بیزاری یا دوسرے الفاظ میں جہاد بالقلم ضرور کیا ہے۔ جس کی سزا انہیں ہر وقت برداشت کرنی پڑی۔ اس صورتحال کا صحیح اندازہ ان چند جملوں سے لگا سکتے ہیں جو ہم تاریخ طبری سے یہاں نقل کر رہے ہیں۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ "اب فرزدق نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ جب زیاد بصرہ میں ہوتا تو یہ کوفہ میں چلا جاتا وہ کوفہ میں آتا تو یہ بصرہ میں چلا جاتا۔ زیاد کو یہ حال بھی معلوم ہو گیا۔ اس نے عامل کوفہ عبدالرحمن بن عبید کو لکھ بھیجا کہ وحشی شاعر ویرانوں میں چرتا پھرتا ہے۔ جہاں انسانوں کو دیکھتا ہے بھڑک کر دوسرے میدانوں میں جا کر چرتا ہے جب تک اسے پکڑ نہ پاؤ اس کی تلاش سے باز نہ آنا۔"

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ بیان کی جا سکتی ہے کہ فرزدق کی امامؑ سے ملاقات اور اس کے بعد بھی بہت سے لوگوں کو جن میں عمال حکومت بھی شامل تھے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ خاندان عصمت وطہارت کے ساتھ اس قدر ہولناک واقعہ پیش آنے والا ہے۔ جناب حر کا اس بات کی دلیل فراہم کرتا ہے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ واقعہ کربلا ہے کے کرداروں کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہو جاتی ہے کہ کربلا میں امام حسینؑ نے صرف انہی کرداروں کو شامل کیا تھا جن کی ان کو ضرورت تھی چاہے انہیں خط بھیج کر کیوں نہ بلانا پڑے۔ ورنہ شب عاشور کو امام حسین علیہ السلام نے تو چراغ گل کر کے اپنے جانثاروں کو یہ پیغام دیا تھا کہ میں تمہارے کاندھوں سے اپنی بیعت کا بوجھ اتارتا ہوں قیامت کے دن شفاعت کا بھی وعدہ کرتا ہوں لہذا اس رات کے اندھیرے میں جس کا جہاں دل چاہے چلا جائے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ طبری کی تحریر کے مطابق فرزدق کو عراق میں سرسام (فالج) ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ان کی زبان میں لکنت آ گئی تھی۔

فرزدق کی معرکہ کربلا میں شرکت یا عدم شرکت کے اسباب ووجوہ کے باب میں بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں

جن کو فی الحال ہم طوالت گفتگو کے خوف سے نظر انداز کر رہے ہیں۔

حجر اسود امام زین العابدینؑ:

۶۳ھ میں مسلم بن عقبہ اور اس کا لشکر تین دن تک مدینہ والوں کی لوٹ مار سے جب فارغ ہوا تو اس نے اپنے لشکر کا رخ مکہ کی طرف کیا۔ محرم ۶۴ھ کے آخر میں دوران سفر اس کا انتقال ہو گیا تو حاکم شام کی ہدایت کے مطابق حصین ابن نمیر کو سردار لشکر مقرر کیا گیا۔

حصین ابن نمیر محرم کی چھبیسویں تاریخ کو ابن زبیر سے لڑنے کی غرض سے مکہ پہنچا اور اس کے فوجی مکہ والوں سے محرم اور کل ماہ صفر کے دوران جدال اور قتال کرتے رہے۔ ربیع الاول ۶۴ھ کی تیسری تاریخ کو بروز شنبہ ان لوگوں نے خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور آگ لگا دی۔ وہ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ "یہ منجنیق ایک شتر مست ہے کہ ہم اس سے کعبہ پر نشانہ لگا رہے ہیں۔" ام فروہ اس نے اس منجنیق کا نام رکھا تھا۔ اس نے ۶۴ دن تک ابن زبیر کا مقابلہ کیا آخر کار ربیع الاول کو یزید کے مرنے کی خبر سن کر محاصرہ ختم ہوا۔ "تاریخ طبری جلد ۴" ابن زبیر نے ۶۴ھ کے اواخر میں خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر انہی پرانی بنیادوں پر کی۔

مکہ مکرمہ پر دوسری بار منجنیق کے ذریعہ سنگباری اور آتشزنی ۷۳ھ میں کی گئی اور کعبۃ اللہ کو منہدم کیا گیا اس بار لڑنے والوں میں ایک جانب حجاج بن یوسف تھا جبکہ دوسری جانب عبداللہ ابن زبیر۔ یہ لڑائی بطن مکہ میں چھ مہینہ اور سترہ روز تک لڑی گئی۔

محاصرہ کی حالت میں جب منجنیقوں سے پتھر برسائے جا رہے تھے تو اس وقت آسمان پر گرج چمک شروع ہوئی بادلوں کی گرج بجلی کی چمک نے ان پتھروں میں جو پھینکے جا رہے تھے ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔ حجاج بن یوسف نے اپنی قبا کا دامن کمر کے پٹکے میں لپیٹ لیا اور خود پتھر اٹھا کر منجنیق میں رکھے اور فوج کو حکم دیا کہ پتھر برساؤ۔ (طبری حصہ ۵)

کعبہ ایک بار پھر مسمار ہو گیا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد حجاج کعبہ کی تعمیر نو کی طرف متوجہ ہوا لیکن تعمیر میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ آخر کار حضرت علی ابن الحسینؑ سے مدد طلب کی گئی۔ آپ نے اس کی بنیاد استوار کی اور حجاج سے کہا کہ اس بنیاد کے اوپر تعمیر کراؤ۔

تعمیر کعبہ کے بعد حجر اسود کے نصب کرنے کا مرحلہ آیا۔ حجاج نے کوشش کی کہ حجر اسود کو اپنے دل پسند علماء یا قاضی کے ہاتھوں نصب کرا دے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا' چونکہ اسود نصب ہونے کے بعد بھی حرکت میں رہتا تھا۔ آخر کار امام سے ایک بار پھر مدد طلب کی گئی آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اس کو اس کے صحیح مقام پر نصب کر دیا۔ لوگوں نے نعرہ تکبیر بلند

کیا۔ فرزدق بھی اس وقت وہاں موجود تھا ان نے مدح میں امامؑ میں ایک شعر کہا جس کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح ہے۔

قریب ہے کہ کعبہ کی دیوار کا رکن حجر اسود اس کے ہاتھوں کو پہچان کر تھام لے جبکہ وہ اسے چومنے کے لئے آئے (بحار الانوار جلد ۶)

قصیدہ کا واقعہ فرزدق کی زبانی:

اس مقالہ کے اختتام پر ہم اس عظیم الشان قصیدہ کا اردو ترجمہ بحارا الانوار جلد ۴ سے یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں فرعان جو کہ فرزدق شاعر کے راویوں میں سے ایک شخص ہیں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ ہشام بن عبدالملک مروان اپنے باپ کے عہد حکومت میں حج بیت اللہ کے لئے گیا۔ مناسک حج بجالانے کے دوران طواف کعبہ کے بعد چاہتا تھا کہ حجر اسود کو بوسہ دے لیکن کثرت حجاج کی وجہ سے وہ حجر اسود تک نہیں پہنچ سکا۔ آخر کار ایک کرسی پر بیٹھ کر وہ بھیڑ کم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

اسی دوران فرزند رسولؐ حضرت امام زین العابدینؑ برآمد ہوئے۔ آپ نے طواف کے بعد جونہی حجر اسود کی طرف رخ کیا مجمع چھٹنے لگا اور راستہ صاف ہوتا گیا۔ آپ قریب پہنچ کر تقبیل فرمانے لگے۔ ہشام کرسی پر بیٹھا ہوا حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ لہذا اس نے اس بات میں اپنی خفت محسوس کی۔ کسی خوشامدی نے بڑھ کر دریافت کیا کہ آنے والا شخص کون ہے؟ تو اس نے امامؑ کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ وہیں جناب فرزدق بھی موجود تھے بس ان سے نہ رہا گیا اور فرمانے لگے اگر تو نہیں جانتا تو میں بتائے دیتا ہوں کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے فی البدیہہ قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہشام کا والد عبدالملک مروان فرزدق کو وظیفہ کے طور پر ایک ہزار دینار سالانہ دیا کرتا تھا لیکن اس واقعہ کے بعد اس نے فرزدق کا وہ وظیفہ بند کر دیا۔ اس صورتحال سے جب امام زین العابدینؑ کا آگاہی ہوئی تو آپ فرمانے لگے کہ میں تمہیں وہ کچھ دوں گا جو تمہیں عبدالملک مروان کی طرف سے ملتا ہے۔ یہ بات فرزدق کو اچھی نہیں لگی اور کہنے لگا کہ اے فرزند رسولؐ میں نے مال لینے کے لئے تو یہ قصیدہ نہیں کہا تھا۔ میں نے تو صرف حصول ثواب کے لئے مدح کی تھی۔ مجھے اللہ کی طرف سے آخرت کا ثواب اس دنیا کے ثواب سے زیادہ محبوب ہے جو فوراً ملتا ہے۔ اس مدح کا ثواب تو مجھے خداوند عالم آخرت میں عنایت فرمائے گا۔

فرزدق کا مزید کہنا ہے کہ میرا معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار سے ربط ضبط قائم ہوا جو بنی ہاشم کے دولت مندوں میں شمار کئے جاتے تھے اور صاحب شرف تھے۔ ان کا شمار ادیبوں میں ہوتا تھا اور وہ ایک عظیم الشان حیثیت کے مالک تھے۔ وہ فرزدق سے دریافت کرنے لگے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہاری کتنی عمر اب مزید باقی رہ گئی ہوگی۔

جواب میں فرزدق کہنے لگے کہ میرے اندازے کے مطابق بیس سال باقی رہ گئی ہے۔ تب جناب عبداللہ کہنے

لگے کہ میں تمہیں بارہ ہزار دینار اپنے مال سے دیتا ہوں تم اس سلسلہ کو زحمت نہ دو کہ وہ تمہارے یا کسی کی مدد کے بارے میں کسی سے گفتگو کریں اور سوال کریں۔

تب فرزدق نے انہیں بتایا کہ میں حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک ہزار دینار دیئے تھے تو میں نے یہی عرض کیا تھا کہ میں نے تو اس قصیدہ کے صلے کو آخرت کے بدلہ پر موخر کر دیا ہے۔ اس کا اجر دنیا میں نہیں بلکہ خدا آخرت میں دے گا۔

قصیدہ کا ترجمہ:

(۱) اے جود و کرم کا مقام پوچھنے والے میں تجھے بتاتا ہوں کہ کرم و سخاوت کہاں ہیں۔ یہی تو ہیں جن کے نقش قدم کو مکہ پہچانتا ہے اور خانہ کعبہ اور حل و حرم اچھی طرح جانتے ہیں۔

(۲) یہ خدا کے بندوں میں سے افضل ہستی کے فرزند ہیں۔ یہ پرہیزگار پاک و پاکیزہ اور سردار ہیں۔ یہ وہ ذات ہیں کہ حضرت احمد مختار جن کے پدر بزرگوار ہیں اور جن پر روز ازل سے خداوند عالم درود و سلام بھیجتا ہے۔

(۳) اگر رکن کعبہ اس آنے والے کو جان لے کہ جو اس کا بوسہ لے رہا ہے تو وہ اس کے نشان قدم کا بوسہ لیتے ہوئے گر جائے۔

(۴) یہ امام علی ابن الحسینؑ ہیں کہ جن کے پدر بزرگوار حضور ختمی مرتبتؐ ہیں کہ جن کے نور ہدایت سے امتوں نے ہدایت پائی۔

(۵) جن کے چچا جعفر طیارؓ اور جناب حمزہؓ شہید ہیں جو مکہ کے شیر ہیں کہ جن کی محبت کی قسم کھائی جاتی ہے۔

(۶) یہ وہ ہستی ہیں جو عالمین کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ زہراؑ کے فرزند ہیں اور ان کے مرد میدان وصی رسولؐ کے لخت جگر ہیں کہ جن کی شمشیر میں دشمنان اسلام کے لئے عذاب ہے۔

(۷) جب انہیں قریش دیکھتے ہیں تو ان میں کا کہنے والا بول اٹھتا ہے کہ ان کی جوانمردی پر کرم کا خاتمہ ہوا ہے۔

(۸) قریب ہے کہ دیوار کعبہ حجر اسود ان کے ہاتھ کو پہچان کر پکڑ لے جبکہ وہ اسے چومنے کے لئے آئیں۔

(۹) تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہیں ان کے لئے ضرر رساں نہیں ہے۔ سارا عرب و عجم جانتا ہے کہ تو نے کس شخص کی عظمت کا انکار کیا ہے۔

(۱۰) یہ ہستی عزت کی بلندی پر اس طرح چڑھی ہے کہ اس کے حاصل کرنے سے عرب اور عجم کے مسلمان قاصر ہو گئے۔

(۱۱) حیا سے نگاہ کو نیچا رکھتے ہیں اور ان کے سامنے ہیبت سے لوگوں کی نگاہ نیچی رہتی ہے ان کے ساتھ بات نہیں کی جاتی مگر جبکہ وہ مسکراتے ہوں۔

(۱۲) ان کی پیشانی کے نور سے اندھیرے میں اجالا آجاتا ہے جس طرح سورج کی روشنی سے رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔

(۱۳) ان کے ہاتھ بید خشک ہے جس کی خوشبو ہر سمت ہوئی ہے اور وہ اس خوش جمال کے ہاتھ میں ہے کہ جس کی ناک اونچی ہے۔

(۱۴) انہوں نے سوائے تشہد کے لا کبھی نہیں کہا اگر لا الہ الا اللہ میں لا نہ ہوتا ان کا لا نعم بن جاتا۔

(۱۵) ان کے وجود کی کونپل رسول اللہؐ کے درخت کے وجود سے ہوئی ان کے جسمانی عناصر اور عادات وخصلت پاک وپاکیزہ ہیں۔

(۱۶) یہ قوموں کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں جبکہ وہ قرض کے بوجھ تلے دب جاتی ہیں۔ وہ شیریں عادت رکھنے والے ہیں۔

(۱۷) ان کے پاس ساری نعمتیں شیریں ہوئی ہیں جو کچھ کہتے ہیں وہی تو تمام لوگ کہتے ہیں اور جب یہ کلام کرتے ہیں تو ان کے کلمات انہیں زینت بخشتے ہیں۔

(۱۸) اگر تو نہیں جانتا تو سن کہ یہ جناب فاطمہ زہراؑ کے بیٹے ہیں اور انہی کے جد بزرگوار پر نبوت کا اختتام ہوا ہے۔

(۱۹) خدا نے ازل سے انہیں فضیلت دی ہے ان کے شرف وبزرگی کے لئے قلم کو لوح پر چلایا ہے۔

(۲۰) ان کے جد بزرگوار وہ ہستی ہیں کہ سارے انبیاء کی فضیلتیں انہی کے لئے ہیں اور ان کی امت کی وہ فضیلت ہے کہ تمام امتیں جس سے واقف ہیں۔

(۲۱) انہوں نے احسان سے تمام مخلوق کو گھیر لیا ہے جس کی وجہ سے مخلوق سے رنج وغم محتاجی وافلاس جاتا رہا۔

(۲۲) ان کے دونوں ہاتھ مخلوق کے فریادرس ہیں کہ جن کا نفع اور احسان عام ہے اور جو اپنے فیض کو جاری کرنا چاہتے ہیں جن پر افلاس اور محتاجی نہیں آتی۔

(۲۳) یہ نہایت نرم عادت والے ہیں ان کے جلدی کے کاموں سے کوئی خوف نہیں آتا۔ ان کی دو خصلتوں بردباری اور کرم نے انہیں آراستہ اور مزین کر دیا ہے۔

(۲۴) یہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔ یہ تو مبارک خیالات والے ہیں' ان کا صحن وسیع ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آئے تو یہ دانا اور عقل مند نظر آتے ان سے عداوت رکھنا کفر ہے اور جن سے قربت رکھنا نجات کا باعث ہے۔

(۲۵) یہ اس گروہ میں سے ہیں کہ جن کی محبت دین وایمان ہے اور جن سے عداوت رکھنا کفر ہے اور جن سے قربت رکھنا نجات کا باعث ہے۔

(۲۶) انہی سے محبت کی بدولت سخت سے سخت مشکلات اور سختیاں دور ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے نیکیوں میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۲۷) خدا کے ذکر کے بعد فریضہ میں انہی کے ذکر کا درجہ ہے لہذا انہی کے ذکر پر اختتام ہے۔

(۲۸) اگر متقیوں کو شمار کیا جائے تو یہ ان کے امام ہیں اور اگر یہ پوچھا جائے کہ روئے زمین پر بہتر کون ہیں تو یہی نظر آتے ہیں۔

(۲۹) جہاں یہ پہنچتے ہیں وہاں کسی جوانمرد کے پہنچنے کی طاقت نہیں کوئی قوم ان کی برابری نہیں کرسکتی خواہ سخاوت والے ہی کیوں نہ ہوں۔

(۳۰) جب قحط تکلیف لوگوں کو بگاڑ دیتی ہے تو یہ باران رحمت بن کر برستے ہیں اور جب جنگ کا معرکہ گرم ہوجائے تو یہ کوہ سلمیٰ کے شیروں کے بیٹے کے شیر ہیں۔

(۳۱) مذمت ان کے صحن میں اترنے سے انکار کرتی ہے اور ان کے ہاتھ عطا و بخشش میں بڑھے ہوئے ہیں۔

(۳۲) تنگی ان کے ہاتھوں کی فراخی کو روک نہیں سکتی' ان کے سامنے دونوں ہی برابر ہیں خواہ مالدار ہوں یا نہ ہوں۔

(۳۳) وہ کون سے قبائل ہیں جو ان کی اس فضیلت کو بھی خوب جانتا ہے اور انھوں نے دین کو انہی کے گھر سے پایا ہے۔

(۳۵) ان کے گھر قریش میں ہیں کہ جن سے آفتوں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے اور فیصلہ کرتے ہیں۔

(۳۶) ان کے جدا بزرگوار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الاصل ہیں اور آپؐ کے بعد حضرت علیؑ مرتضیٰ سید وسردار ہیں۔

(۳۷) جن کی شجاعت کی بدر گواہ ہے اور احد کی گھاٹیاں شاہد ہیں اور خیبر وخندق نیز فتح کے دن جنہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔

(۳۸) معرکہ خیبر و حنین ان کی شجاعت کی گواہی دیتے ہیں اور فریضہ میں وہ دن گواہ ہے جو سخت تھا اور جنگ کا غبار اٹھ رہا تھا۔

(۳۹) بہت سے مواقع گواہی دیتے ہیں جو صحابہ پر مصیبتیں لائے تھیں ان کو نہیں چھپا سکتا چاہے کہ دوسرے لوگوں نے ان واقعات پر پردہ ڈال دیا۔

اس قصیدہ کو سن کر ہشام غصہ میں آ گیا اور اس نے قصیدہ کے اشعار کی نشر و اشاعت پر پابندی لگادی۔ مزید یہ کہ اس نے کہا کہ تو ہمارے بارے میں ایسا نہیں کہہ سکتا۔

تو فرزدق نے جواب دیا کہ ان کے جدا اور ماں باپ جیسا تو کسی کو لے آ تو میں اس جیسی مدح کرنے کو تیار ہوں۔

نتیجہ یہ کہ ہشام نے مکہ اور درمیان میں واقع مقام عسقان میں فرزدق کو قید کر دیا۔ امام زین العابدینؑ کو جب اس گرفتاری کی خبر ہوئی تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو دینے کا حکم دیا اور کہلا بھیجا کہ اے ابو فراس ہماری جانب سے عذر قبول کرو اگر ہمارے پاس ہوتا اس سے زیادہ صلہ بھیجتے۔

فرزدق نے اس رقم کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اے فرزند رسولؐ میں نے جو کچھ کہا ہے خدا اور رسول کے غضب سے نجات پانے کے لئے کہا ہے اور اس کے عوض میں کچھ بھی قبول نہیں کروں گا۔ امامؑ نے وہ درہم فرزدق کو واپس کر دیئے اور اپنے حق کی قسم دے کر فرمایا کہ انہیں قبول کر لو۔ چنانچہ فرزدق نے اس رقم کو قبول کر لیا۔

فرزدق نے اپنی قید کے دوران ہشام کی ہجو لکھ کر اسے روانہ کر دی۔ اس ہجو سے دو اشعار کا ترجمہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

"کیا اس نے مجھے مدینہ اور اس جگہ کے درمیان قید کر دیا ہے جس کی طرف لوگوں کے دل معافی مانگتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ وہ سر کو پھٹکار رہتا ہے جو کسی سردار کا سر نہیں ہے اور آنکھوں کو گردش دیتا رہتا ہے جو بھینگی ہیں اور جن کے عیب ظاہر ہیں۔"

جب ہشام کو اس ہجو کی خبر ہوئی تو اس نے فرزدق کو رہا کر دیا۔ اس قصیدہ کی صحت کو علمائے متقدمین، متوسطین اور متاخرین غرض کہ ہر دور کے اہل علم لوگوں نے تسلیم کیا ہے۔ خواہش مند حضرات علامہ باقر مجلسی کی کتاب بحار الانوار سے رجوع کر سکتے ہیں۔

فرزدق نے تقریباً ایک سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ وفات کے سن کے سلسلہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ اس نے ۱۱۰ھ میں بعض کے نزدیک ۱۱۱ھ یا پھر ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

جناب اصبغ بن نباتہ مجاشعی

جن کی جلالت شان زیادہ ہے۔ وہ عراق کے مشہوروں اور امیر المومنینؑ کے خصوصی صحابہ میں تھے اور خدا ان پر رحم نازل فرمائے۔ عابد و زاہد اور امیر المومنینؑ کے ذخائر میں سے تھے۔ قاضی نور اللہ نے کہا ہے کتاب خلاصہ میں مذکورہ ہے کہ وہ امیر المومنینؑ کے خواص میں سے ایک تھے اور قدر دانی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ کتاب کشی میں ابوالجارود سے روایت ہے۔ وہ کہتا ہے میں نے اصبغ سے پوچھا کہ امیر المومنینؑ کی قدر و منزلت تمہارے ہاں کتنی ہے وہ کہنے لگے ہمارے خلوص کا خلاصہ آپ کے متعلق یہ ہے کہ ہم نے اپنی تلواریں اپنے کندھوں پر رکھی ہوئی ہیں۔ جس کی طرف آپ اشارہ کریں۔ اسے اپنی تلوار سے ہم مارنے کے لئے تیار ہیں نیز روایت کی ہے۔ اصبغ سے پوچھا گیا کہ کس لیے امیر المومنینؑ نے تمہارا اور تمہارے جیسے افراد کا نام شرطۃ الخمیس رکھا کہنے لگے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے حضرت سے شرط کی تھی کہ ان کے راستہ میں جہاد کریں گے یہاں تک کہ فتح حاصل کرلیں یا قتل ہو جائیں اور انہوں نے شرط کی اور ضامن ہوئے کہ ہمیں اس مجاہدہ کے عوض جنت میں پہنچائیں مخفی نہ رہے کہ خمیس لشکر کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ حضرت امیر المومنینؑ کے شرطۃ الخمیس میں سے ہیں۔ اس کا معنی یہ کہ ان لشکریوں میں سے ہیں کہ جن کے اور حضرت کے درمیان شرط مذکورہ کا معاہدہ ہوا تھا اور اس طرح روایت ہے کہ جن اشخاص نے حضرت سے یہ شرط کی تھی وہ چھ ہزار جوانمرد تھے اور جنگ جمل کے دن عبداللہ بن یحییٰ حضرمی سے حضرت نے کہا تھا کہ تجھے بشارت ہو اے یحییٰ کے بیٹے تم شرطۃ الخمیس میں سے ہو۔ اور نبی اکرمؐ نے مجھے تیرے اور تیرے باپ کے نام کی خبر دی تھی اور خداوند عالم نے زبان رسالت میں تمہیں شرطۃ الخمیس کا نام دیا ہے اور کتاب میزان ذہبی میں مسطور ہے جو کہ اہل سنت سے ہے کہ علماء رجال اہل سنت اصبغ کو شیعہ سمجھتے ہیں۔ اسی لیے اس کی حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ابن حیان سے نقل کیا ہے کہ اصبغ ایسا شخص تھا جو محبت علی بن ابی طالبؑ میں مفتون تھا۔ عجیب و غریب باتیں اس سے سرزد ہوتی تھیں۔ اس لیے اس کی حدیث ترک کر دیتے تھے۔ (انتھیٰ)

بہر حال اصبغ نے عہد نامہ مالک اشتر اور امیر المومنینؑ کا اپنے بیٹے محمد کے نام وصیت نامہ لکھنے والی حدیث کو روایت کیا ہے اور اصبغ کی گفتگو حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ ابن ملجم کے آپ کے ضربت لگانے کے بعد حضرت کی شہادت کے بیان میں ذکر ہو چکی ہے۔

جناب عبداللہ بن ابی طلحہ

یہ امیر المومنینؑ کے نیک اصحاب میں سے تھے اور یہ ہی ہیں کہ جن کے لیے رسول خداؐ نے دعا کی۔ اس وقت جبکہ یہ اپنی ماں کے بطن میں تھے۔ کیونکہ ان کی والدہ انس بن مالک کی ماں ہے اور وہ انصار کی عورتوں میں افضل تھیں۔

اور جب رسول کریمؐ مدینہ میں تشریف لے آئے تو ہر شخص آپ کے لئے کوئی نہ کوئی ہدیہ لے آیا۔ انس کی والدہ نے انس کا ہاتھ پکڑا اور حضورؐ کی خدمت میں لے آئیں۔ اور کہنے لگیں اے رسولؐ خدا میرے پاس کوئی چیز نہیں جو آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ کے حاضر کروں سوائے اس بیٹے کے لہذا یہ آپ کی خدمت میں رہیگا اور آپ کی خدمت کرے گا۔ پس انس آنحضرتؐ کا خادم ہوگیا۔ اور انس کی والدہ مالک کے بعد طلحہ کی بیوی ہوگئیں۔ اور ابو طلحہ بہترین اصحاب میں سے تھے۔ رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزے رکھتے تھے ان کی کچھ زمین تھی جس میں وہ دن کو کام کرتے۔ خداوند عالم نے انس کو دیکھتے یہاں تک کہ ایک دن وہ بچہ مرگیا۔ ابو طلحہ رات سے کہنے لگی۔ اگر کسی قوم کو ایک ہمسایہ کوئی چیز عاریۃً دے اور وہ اس چیز سے فائدہ اٹھائے اور جب وہ عاریۃً دی ہوئی چیز مالک واپس لے تو وہ لوگ رونے لگیں۔ ایسے لوگوں کو کیا کہنا چاہیے۔ اس نے کہا وہ پاگل اور بیوقوف ہیں تو وہ خاتون کہنے لگی۔ پس آپ غور کریں۔ تاکہ ہم بیوقوف نہ بنیں۔ آپ کا بیٹا وفات پا چکا ہے اور وہ عاریۃً تھا جسے خدا نے لے لیا ہے پس صبر کریں اور خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں اور اسے جا کر دفن کریں۔ ابو طلحہ نے یہ بات رسولؐ خدا کی خدمت میں نقل کی۔ آنجنابؐ کو اس عورت کی اس بات پر بڑا تعجب ہوا۔ اور دعا کی اللھم بارک لھما فی لیلتھما خدایا انہیں ان کی اس رات میں برکت دے اور وہ اسی رات عبداللہ سے حاملہ ہوئی۔ جب عبداللہ پیدا ہوتو اسے ایک پارچ میں لپیٹ کر انس کے حوالہ کیا اور کہا کہ اسے رسول کی خدمت میں لے جاؤ آنجناب نے اس بچہ کو اٹھایا اور اس کے لیے دعا فرمائی لہذا عبداللہ انصار کی اولاد میں افضل قرار پائے۔

جناب عبداللہ بن بدیل بن ورقہ خزاعی

قاضی نوراللہ کہتے ہیں کہ کتاب "استیعاب" میں ہے کہ عبداللہ اپنے باپ کے ساتھ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ وہ قبیلہ خزاعہ کے سردار تھے۔ قبیلہ خزاعہ رسول خداؐ کے راز داں تھے اور عبداللہ جنگ حنین وطائف وتبوک میں حاضر تھے۔ ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ جنگ صفین میں اپنے بھائی کے ساتھ شہید ہوئے۔ اس دن وہ امیر المومنینؑ کی پیادہ فوج کے سپہ سالار تھے اور آپ کے اکابر اصحاب میں سے تھے اور شعبی سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن بدیل نے جنگ صفین میں دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ اور ان کے پاس دو تلواریں تھیں اور اہل شام پر تلوار سے وار کرتے تھے۔ (ترجمہ اشعار)

توکل کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا سوائے اگلے گروہ کے ساتھ چلنے کے کہ جس طرح اونٹ پانی کے حوضوں کی طرف جاتے ہیں۔ خدا جو چاہتا ہے اس کا فیصلہ کرتا اور کام کرتا ہے۔

اس طرح تیغ زنی کرتے اور مبارز طلبی کرتے یہاں تک کہ معاویہ تک پہنچ گئے اور اسے اس جگہ سے ہٹایا اور اس کے گروہ جو اس کے ساتھی تھے انہیں بھی ہٹا دیا۔ اس کے بعد معاویہ کے ساتھیوں نے اتفاق کر کے ان پر سنگ باری

کی۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ پھر معاویہ اور عبداللہ بن عامر جو کہ ایک جگہ کھڑے تھے ان کی لاش پر آئے۔ عبداللہ نے اپنے عمامہ سے ان کا چہرہ ڈھانپ دیا اور ان کے لیے طلب رحمت کی معاویہ نے اس ارادہ سے کہ ان کے کان ناک قطع کرے۔ کہا کہ اس کے منہ سے کپڑا ہٹاؤ۔ عبداللہ نے قسم کھائی کہ جب تک میری جان میرے بدن میں ہے کسی کو ان سے متعرض نہیں ہونے دوں گا۔ معاویہ کہنے لگا اس کے منہ سے کپڑا تو ہٹاؤ۔ ہم نے عبداللہ بن عامر کو بخشش دیا۔ جب عمامہ ان کے چہرہ سے ہٹایا گیا اور معاویہ کی نگاہ ان کی شوکت وشان پر پڑی تو کہنے لگا خدا کی قسم یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ خداوندا مجھے اشتر اور اشعث بن قیس پر کامیابی دے کیونکہ اس شخص کی مانند اس لشکر میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں۔ اس کے بعد معاویہ نے کہا کہ قبیلہ خزاعہ کو علیؑ سے اتنی محبت ہے کہ اگر ان کی عورتوں میں قوت وطاقت ہو تو وہ تو وہ بھی علیؑ کے دشمن سے جنگ کریں چہ جائیکہ ان کے مرد۔ (انتہیٰ)

فقیر کہتا ہے کہ عبداللہ بدیل پر جا کر نسب ختم ہوتا ہے۔ شیخ امام سعید قدوۃ المفسرین ترجمان قرآن مجید جناب حسین بن علی بن محمد بن احمد خزاعی کا (جو شیخ ابو الفتوح رازی) کے نام سے مشہور ہیں اور روض الجنان فی تفسیر القرآن کے مصنف ہیں۔ ان کے دادا محمد بن احمد اور پڑ دادا احمد کے والد کے چچا عبدالرحمن بن احمد بن حسین خزاعی نیشاپوری میں مقیم اور مفید نیشاپور کے نام سے مشہور تھے۔ اور ان کے بیٹا ابو الفتوح محمد بن حسین اور بھانجا احمد بن محمد سب کے سب علما وفضلاء میں سے تھے۔ اور خدا ان پر رحم کرے معدن علم اور اصل علم تھے اور ان کا شرف پے در پے اب وجد سے تھا۔ جس طرح نیزے کی لکڑی کے جوڑ ہوتے ہیں۔ اور یہ بزرگوں ابن شہر آشوب کے اساتذہ میں سے ہیں اور ان کی قبر شریف ری میں شہزادہ عبدالعظیم کے جوار میں اور امام زادہ حمزہ کے صحن میں ہے۔

جناب عبداللہ بن جعفر طیار

مجالس میں ہے کہ یہ پہلے بچے ہیں جو حبشہ کی سرزمین میں اہل اسلام میں سے پیدا ہوئے اور ہجرت نبوی کے بعد اپنے والد کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ اور پیغمبر اکرمؐ کے شرف ملازمت سے فائز ہوئے۔ عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد جعفر کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو پیغمبر اکرمؐ ہمارے گھر تشریف لائے اور میرے باپ کی تعزیت کی اور دست مبارک میرے اور میرے بھائی کے سر پر پھیرا انہیں بوسے دیئے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور آپ کے محاسن مبارک پر گر رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے کہ جعفر بہترین ثواب میں پہنچ گئے۔ اب تم ان کی اولاد میں ان کے جانشین بنو۔ تین دن کے بعد پھر ہمارے گھر تشریف لائے۔ سب پر نوازش فرمائی۔ دلداری کی، لباس عزا اتروائے اور ہمارے حق میں دعا کی اور ہماری والدہ اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ غم نہ کرو میں ان کا دنیا وآخرت میں ولی ہوں۔ عبداللہ انتہائی درجہ کے کریم ظریف، حلیم اور عفیف وپاکدامن تھے۔ ان کی

سخاوت اس درجہ پر تھی کہ انہیں بحر الجود (سخاوت کا سمندر) کہتے تھے۔ منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے انہیں زیادہ سخاوت پر ملامت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک مدت سے میں نے لوگوں کو اپنے انعام واکرام کا عادی بنا رکھا ہے۔ اب مجھے خوف ہے کہ اگر میں ان سے اپنا انعام واحسان روک لوں تو خداوند عالم مجھ سے بھی اپنی بخشش وعطا قطع کر دے۔ انتہیٰ"

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول خدا عبداللہ کے قریب سے گزرے۔ ان کا بچپن تھا وہ کھیل رہے تھے اور مٹی کا ایک گھر بنا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اسے کیا کرو گے۔ کہنے لگے اسے بیچوں گا۔ آپ نے فرمایا اسے کیا کرو گے۔ تو کہنے لگے اس سے تازہ کھجوریں خرید کر کھاؤں گا۔ حضرت نے اس کے حق میں دعا کی کہ خدایا اس کے ہاتھ میں برکت دے اور اس کے سودے کو نفع قرار دے پس آپ کی دعا سے ایسا ہی ہوا کہ انہوں نے کوئی چیز نہیں خریدی کہ جس میں نفع نہ ہوا ہو اور اتنا مال جمع کیا کہ ان کی بخشش ضرب المثل ہوگئی۔ اور اہل مدینہ جب کسی سے قرض لیتے تو اس سے وعدہ کرتے کہ عبداللہ بن جعفر کی عطا وبخشش ملے گی۔ تو قرض ادا کریں گے۔ روایت ہے کہ انہیں زیادہ بخشش وسخاوت پر ملامت کی گئی۔ تو عبداللہ نے کہا: (ترجمہ اشعار)

"میں مال کی کمی سے نہیں ڈرتا اور نہ کرم واحسان کرنے پر خدا کا خوف رکھتا ہوں۔ جب میں خرچ کرتا ہوں تو وہ اس جگہ پر اور دیتا ہے۔ میرا رب وسیع نعمتوں والا ہے۔"

فقیر کہتا ہے جو واقعات ان کے جود وسخاوت کے سلسلہ میں منقول ہیں وہ اس سے بے نیاز ہیں کہ بیان کیے جائیں۔ میں نے مروج الذہب میں دیکھا ہے کہ جب عبداللہ بن جعفر کا مال ختم ہوگیا تو جمعہ کے دن مسجد میں جا کر خدا سے مرنے کی دعا کی اور عرض کیا خدا تو نے مجھے جود وسخا کی عادت ڈالی ہے اور میں نے لوگوں کو بذل وعطا کا عادی بنایا ہے۔ اب اگر مال دنیا مجھ سے منقطع کرنا ہے تو مجھے دنیا میں باقی نہ رکھ۔ پس وہ ہفتہ نہیں گزرا کہ آپ کی وفات ہوگئی اور عمدۃ المطالب میں ہے کہ ۸۰ھ میں عبداللہ نے مدینہ میں وفات پائی۔ ابان بن عثمان بن عفان نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ایک قول ہے کہ ابواء میں ۹۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور سلیمان بن عبدالملک بن مروان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہیں دفن ہوئے۔ اور ایک قول ہے کہ آپ کے چوبیس بیٹے تھے ان میں سے ایک معاویہ بن عبداللہ بن جعفر تھے جو اپنے باپ کے وصی تھے اور عبداللہ نے ان کا نام معاویہ کی خواہش پر معاویہ رکھا۔ اور لوگوں نے اس کی بیعت کر لی پھر جبل پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ پس اسی طرح ۱۲۹ھ تک یہ معاملہ رہا یہاں تک کہ ابو مسلم مروزی نے مکر وحیلہ سے اسے گرفتار کر کے ہرات میں قید رکھا۔ وہ مسلسل قید رہا یہاں تک کہ ۱۸۳ھ میں قید خانہ میں وفات پائی اور ہرات میں دفن ہوا وہاں اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ صاحب عمدہ کہتا ہے کہ میں نے اس کی قبر ۷۶ھ میں دیکھی ہے اور ایک

شخص اولاد عبداللہ بن جعفر میں اسحاق عریضی ہے اور وہ قاسم امیر یمن کا باپ تھا اور قاسم جلیل القدر انسان تھا۔ قاسم کی والدہ ام حکیم بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر ہے۔ لہذا قاسم بن اسحاق جناب صادقؑ کی خالہ کا بیٹا ہے۔ اور وہ ابو ہاشم جعفری کا باپ ہے اور عبداللہ کی اولاد میں سے ایک علی زینبی ہیں جن کی والدہ جناب زینب بنت علی امیر المومنینؑ ہیں اور عبداللہ کے دو بیٹے لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلبؑ سے ہیں۔ ایک محمد (اریس) رئیس اور دوسرا اسحاق اشرف۔ محمد (اریس) رئیس ابو الکرام عبداللہ اور ابراہیم اعرابی کا باپ ہے جو اجلاء بنی ہاشم میں سے تھا۔ ابو یعلیٰ جعفری کا نسب جو شیخ مفید کا جانشین تھا جس کی وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی ہے یہاں تک پہنچتا ہے اور عبداللہ بن جعفر کی اولاد میں سے محمد اور عون ہیں جو کربلا میں شہید ہوئے اور سید الشہدا کے حالات میں ان کا ذکر شہادت اور پانچویں فصل میں عبداللہ کے غلام کی ان سے ان کے بیٹوں کی شہادت کے متعلق گفتگو اور عبداللہ کا اس کو جواب دینا بیان ہوگا۔ یہ عون و محمد جناب زینب بنتِ امیر المومنین کے صاحبزادگان ہیں۔

جناب عبداللہ بن خباب بن الارت

اصحاب امیر المومنینؑ میں سے ہیں اور ان کے باپ کو راہ خدا میں تکلیفیں اور اذیتیں دی گئیں۔ اور عبداللہ وہی ہیں کہ جب خوارج نہروان کی طرف جا رہے تھے تو ان کا گزر ایک نخلستان اور چشمہ سے ہوا۔ عبداللہ کو انہوں نے دیکھا کہ اس نے قرآن کو اپنے گلے میں حمائل کیا ہوا ہے اور وہ ایک گدھے پر سوار ہیں اور ان کے بچے بھی ان کے ساتھ ہیں۔ جبکہ ان کی بیوی حاملہ تھی۔ عبداللہ سے کہنے لگے تحکیم کے بعد علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو۔ وہ کہنے لگے۔ علیؑ اللہ کے متعلق زیادہ علم رکھتے ہیں اور وہ اپنے دین کی زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔ اور وہ زیادہ بالبصیرت ہیں۔ وہ کہنے لگے یہ قرآن جو تیرے گلے میں ہے ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم تجھے قتل کر دیں۔ پس اس بیچارے مظلوم کو نہر کے قریب لا کر لٹایا اور گوسفند کی طرح اس کا گلا کاٹا اس کا خون پانی میں جانے لگا۔ اور اس کی بیوی کا پیٹ چاک کیا اور چند اور عورتوں کو بھی قتل کیا اور اتفاقاً اس نخلستان میں کھجوریں گر پڑی تھیں۔ ان میں سے ایک شخص نے کھجور کا ایک دانہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تو چیخ کر اسے کہنے لگے یہ تو نے کیا کیا ہے۔ اس نے فوراً منہ سے نکال کر پھینک دیا۔ اور خنزیر کو انہوں نے دیکھا۔ ایک نے ان میں سے اسے مار ڈالا تو کہنے لگے تو نے زمین میں فساد کیا ہے اور اس کے فعل کا برا منایا۔

نو صحابہ کرامؓ جن کو اہلبیت علیہم السلام میں شامل کیا گیا ہے۔

ا۔ حضرت ابوذر غفاری رضوان اللہ

الحدیث!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابو ذرؓ! تم ہم اہلبیت سے ہو۔ (امالی طوسیؒ ۵۲۵ھ/۱۱۶۳، مکارم الاخلاق جلد نمبر ۲ ۳۶۳ھ/۲۶۶۱، تنبیہ الخواطر جلد نمبر ۲۔۵۱ روایت ابوذر)

۲۔ حضرت سلمان محمدی رضوان اللہ

الحدیث!

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا کہ سلمانؓ ہم اہلبیتؑ سے ہیں اور مخلص ہیں لہٰذا انہیں اپنے لیے اختیار کریں۔

مسند ابو یعلی جلد نمبر ۶۔۱۷۷/۶۷۳۹، روایت سعد الاسکاف عن امام الباقر

الفردوس جلد نمبر ۶۔۷ ۳۳/۳۵۳۲، ابن شہر آشوب مناقب

میں تحریر کرتے ہیں کہ لوگ خندق کھود رہے تھے اور گنگنا رہے تھے صرف جناب سلمانؓ اپنے دھن میں لگے ہوئے تھے اور زبان سے معذور تھے کہ پیغمبرؐ اسلام نے اللہ کے حضور دعا فرمائی۔

''پروردگار! سلمانؓ کی زبان کی گرہ کھول دے چاہے دو شعر ہی کیوں نہ ہوں۔''

لہٰذا سلمانؓ نے یہ اشعار شروع کر دیے۔

''میرے پاس زبان عربی نہیں ہے کہ میں شعر کہوں۔ میں تو اللہ رب العزت سے قوت اور نصرت کا طلب گار ہوں۔

اپنے دشمن کے مقابلے میں اور نبیؐ طاہر کے دشمن کے مقابلے میں وہ پیغمبرؐ جو پسندیدہ اور تمام فخر کا حامل ہے۔

تا کہ جنت میں قصر حاصل کر سکوں اور ان حوروں کے ساتھ رہوں جو چاند کی طرح روشن چہرہ ہوں۔

مسلمانوں میں یہ سن کر شور مچ گیا اور سب نے جناب سلمانؓ کو اپنے قبیلہ میں شامل کرنا چاہا تو رسولؐ اکرم نے ارشاد فرمایا کہ!

''سلمانؓ ہم اہلبیتؑ سے ہیں۔'' (مناقب جلد نمبر ۱۔ ۸۵)

الحدیث!

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا کہ سلمانؓ! تم ہم اہلبیتؑ سے ہو اور اللہ نے تمہیں اول و آخر کا علم عنایت فرمایا ہے اور کتاب اول و آخر کو بھی عطا فرمایا ہے۔ (تہذیب تاریخ دمشق جلد نمبر ۶۔ ۲۰۳، روایت زید بن ابی اوفیٰ)

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا کہ!

''سلمانؓ نے اول و آخر کا سارا علم حاصل کر لیا ہے اور وہ سمندر ہے جس کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہو سکتا ہے اور وہ ہم اہلبیتؑ سے ہیں۔''

(تہذیب تاریخ دمشق جلد نمبر ۶۔ ۲۰۱، روایت ابوالبختری۔ امالی صدوقؒ، ج نمبر ۸۔ ۲۰۹ روایت مسیب بن نجیہ، اختصاص ۱۱، رجال کشیؒ جلد نمبر ۱۔ ۵۲/ ۲۵۔ روایت زیاد، الطرائف نمبر ۱۱۹۔ ۱۸۳۔ روایت ربیعہ السودی، الدرجات الرفیعہ ۲۰۹۔ روایت ابوالبختری)

ابن الکواء! یا امیر المومنینؑ! ذرا سلمانؓ فارسی کے بارے میں فرمایئے!

ارشاد فرمایا کہ! کیا کہنا، مبارک ہو سلمانؓ ہم اہلبیتؑ سے ہیں اور تم میں لقمان حکیم جیسا اور کون ہے؟ سلمانؓ کو اول و آخر سب کا علم ہے۔

(احتجاج جلد نمبر ۱۔ ۶۱۶/ ۳۱۹۔ روایت اصبغ بن نباتہ، الغارات جلد نمبر ۱۔ ۱۷۸۔ روایت ابوعمرو الکندی، تہذیب تاریخ دمشق جلد نمبر ۲۔ ۲۰۴)

امام باقرؑ نے ارشاد فرمایا کہ! ابوذرؓ جناب سلمانؓ کے پاس آئے اور پتیلی میں کچھ پکا رہے تھے دونوں محو گفتگو تھے کہ اچانک پتیلی الٹ گئی اور ایک قطرہ سالن نہیں گرا۔

سلمانؓ نے اسے سیدھا کر دیا۔ ابوذرؓ کو بے حد تعجب ہوا، دوبارہ پھر ایسا ہی ہوا تو ابوذرؓ دہشت زدہ ہو کر سلمانؓ کے پاس سے نکلے اور اسی سوچ میں تھے کہ اچانک امیر المومنینؑ سے ملاقات ہوگئی۔

ارشاد فرمایا کہ ابوذرؓ سلمانؓ کے پاس سے کیوں چلے آئے اور یہ چہرے پر دہشت کیسی ہے؟

ابوذرؓ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔

حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا کہ ابوذرؓ! اگر سلمانؓ اپنے تمام علم کا اظہار کر دیں تو تم ان کے قاتل کے لیے دعائے

رحمت کرو گے اور ان کی کرامت کو برداشت نہ کر سکو گے۔

ملحوظ خاطر رہے کہ سلمانؓ اس زمیں پر خدا کا دروازہ ہیں۔ جو انہیں پہچان لے وہ مومن ہے اور جو انکار کردے وہ کافر ہے۔ سلمانؓ ہم اہلبیتؑ سے ہیں۔ (رجال کشی جلد نمبر ا۔ ۵۹/ ۳۴ روایت جابر)

جناب حسن بن صہیب امام باقرؑ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرتؑ کے سامنے سلمانؓ فارسی کا ذکر آیا تھا تو ارشاد فرمایا کہ خبردار! انہیں سلمانؓ فارسی مت کہو بلکہ سلمانؓ محمدی کہو کہ وہ ہم اہلبیتؑ میں سے ہیں۔

(رجال کشی جلد نمبر ا۔ ۵۴/ ۳۶ ۔ ۱۷/ ۳۳۔ روایت محمد بن حکیم، روضۃ الواعظین ۱۰۲)

۳۔ راہب بلیخ!

جناب حبہ عرنی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ ابن ابیطالبؑ بلیخ نامی جگہ پر فرات کے کنارے تشریف فرما ہو گئے تو ایک راہب صومعہ میں برآمد ہوا اور اس نے عرض خدمت کیا کہ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو ہمیں آباؤ اجداد سے وراثت میں ملی ہے اور اسے اصحاب جناب عیسیٰؑ بن مریم نے لکھا ہے۔ میں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ وہ کہاں ہے پیش کرو۔ اس نے عرض خدمت کیا کہ اس کا مفہوم یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس خدا کا فیصلہ ہے جو اس نے کتاب میں لکھ دیا ہے کہ وہ مکہ والوں میں ایک رسولؐ بھیجنے والا ہے جو انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے گا۔ اللہ کا راستہ دکھائے گا اور نہ بد اخلاق ہو گا اور نہ تند مزاج اور نہ بازاروں میں چکر لگانے والا ہو گا۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا بلکہ عفو و درگزر سے کام لے گا۔ اس کی امت میں وہ حمد کرنے والے ہوں گے جو ہر بلندی پر شکر پروردگار کریں گے اور ہر صعود و نزول پر حمد خدا کریں گے ان کی زبانیں تہلیل و تکبیر کے لیے ہموار ہوں گی۔ خدا اسے تمام دشمنوں کے مقابلہ میں امداد دے گا اور جب اس کا انتقال ہو گا تو امت میں اختلاف پیدا ہو گا۔ اس کے بعد پھر اجتماع ہو گا اور ایک مدت تک باقی رہے گا۔ اس کے بعد ایک شخص کنارۂ فرات سے گزرے گا جو نیکیوں کا حکم دینے والا اور برائیوں سے روکنے والا ہو گا۔ حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور اس میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے گا۔ دنیا اس کی نظر میں تیز و تند ہواؤں میں راکھ سے زیادہ بے قیمت ہو گی اور موت اس کے لیے پیاس میں پانی پینے سے زیادہ آسان ہو گی۔ از حد خوف خدا رکھتا ہو گا اور باہر پروردگار کا مخلص بندہ ہو گا۔ خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ نہ ہو گا۔

اس شہر کے لوگوں میں سے جو اس نبیؐ کے دور تک باقی رہے گا اور اس پر ایمان لے آئے گا۔ اس کے لیے جنت اور رضائے خدا ہو گی اور جو اس بندہ نیک کو پالے اس کا فرض ہے کہ اس کی امداد کرے کہ اس کے ساتھ قتل شہادت

ہے۔

اس کے بعد راہب نے عرض خدمت کیا کہ اب میں آپ کے ساتھ رہوں گا اور ہرگز جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ آپ کے ہر غم میں شرکت کروں گا۔

حضرت علیؑ یہ سن کر گریہ کرنے لگے اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے نظر انداز نہیں کیا ہے اور تمام نیک بندوں کی کتابوں میں میرا ذکر کیا ہے۔

راہب یہ سن کر بے حد متاثر ہوا اور مستقل مولائے متقیان کے ساتھ رہنے لگا یہاں تک کہ صفین میں درجۂ شہادت پر فائز ہو گیا تو جب لوگوں نے مقتولین کو دفن کرنا شروع کیا تو امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا کہ راہب کو تلاش کرو۔

لہٰذا جب راہب مل گیا تو حضرت علیؑ نے نماز جنازہ ادا کر کے دفن کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ "یہ ہم اہلبیتؑ سے ہے اور اس کے بعد بار بار اس کے لیے استغفار فرمایا۔

ہمارا سلام ہو راہب شہید حق پر۔ (مناقب خوارزمی ۲۴۲، وقعۂ صفین ۱۴۷)

۴۔ جناب ابو عبیدہؓ!

جناب ابوالحسن روایت بیان کرتے ہیں کہ جناب ابو عبیدہ کی زوجہ ان کے انتقال کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں اس لیے رو رہی ہوں کہ انہوں نے غربت میں انتقال کیا۔

امام صادقؑ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ وہ غریب نہیں تھے وہ ہم اہلبیتؑ سے ہیں۔ (مستطرفات السرائر ۴/۴)

۵۔ جناب سعد الخیرؓ!

جناب ابو حمزہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جناب سعدؓ بن عبدالملک جو عبدالعزیز بن مروان کی اولاد میں سے تھے امام محمدؑ باقرؑ انہیں سود الخیر کے نام سے یاد فرماتے تھے۔ ایک دن امام باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عورتوں کی طرح گریہ کرنا شروع کر دیا۔

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ اس رونے کا سبب کیا ہے؟

سودؓ نے عرض خدمت کیا کہ "کس طرح نہ روؤں جبکہ میرا شمار قرآن مقدس میں شجرۂ ملعونہ میں کیا گیا ہے۔"

امام معصوم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس میں سے نہیں ہو۔ تم اموی ہو لیکن ہم اہلبیتؑ میں ہو۔

کیا تم نے قرآن مجید میں جناب ابراہیمؑ کا یہ قول نہیں سنا ہے جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے

ہوگا۔(اختصاص ۸۵)

۶۔ جناب عیسیٰ بن عبداللہ قمی!

جناب یونس بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ رسولؐ میں تھا تو ایک کوچہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا سامنا ہوگیا۔

امامؑ نے ارشاد فرمایا کہ! یونس جاؤ دیکھو دروازہ پر ہم اہلبیتؑ میں سے ایک شخص کھڑا ہے۔ لہٰذا میں دروازہ پر آیا تو دیکھا کہ عیسیٰ بن عبداللہ بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟

فرمایا میں قم کا ایک مسافر ہوں ابھی چند ہی لحہ گذرتے تھے کہ حضرتؑ تشریف لے آئے اور بیت الشرف میں مع سواری کے داخل ہوگئے۔ پھر مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یونس! شاید تمہیں میری بات عجیب دکھائی دی ہے۔

یاد رکھو عیسیٰ بن عبداللہ ہم اہلبیتؑ سے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ میری جان آپؑ پر قربان یقیناً مجھے تعجب ہوا ہے کہ عیسیٰ بن عبداللہ تو قم کے رہنے والے ہیں یہ آپؑ کے اہلبیت کس طرح ہوگئے۔

ارشاد فرمایا کہ یونس! عیسیٰ بن عبداللہ ہم سے ہیں زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔(امالی مفیدؒ۔ ۱۴/۶/۱، اختصاص ۶۸، رجال کشی، جلد نمبر ۲۔ ۶۲/۶۰۷)

یونس بن یعقوب بیان کرتے ہیں کہ جناب عیسیٰ بن عبداللہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر چلے گئے تو آپؑ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ انہیں دوبارہ بلاؤ۔

لہٰذا اس نے بلایا اور جب وہ حاضر ہوئے تو امام معصوم نے انہیں کچھ وصیتیں فرمائیں اور پھر ارشاد فرمایا کہ عیسیٰ بن عبداللہ! میں نے اس لیے نصیحت کی ہے کہ قرآن حکیم نے اہل کو نماز کا حکم دینے کا حکم دیا ہے اور تم ہمارے اہلبیتؑ میں ہو۔

توجہ کرو جب آفتاب یہاں سے یہاں تک عصر کے ہنگام تک پہنچ جائے تو چھ رکعت نماز ادا کرنا اور یہ فرما کر رخصت کردیا اور پیشانی کا بوسہ بھی دیا۔(رجال کشی جلد نمبر ۲۔ ۶۲۵/۶۱۰، اختصاص ۱۹۵)

۷۔ جناب یونس بن یعقوب!

جناب یونس بن یعقوب بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادق یا امام علی رضا نے کوئی مخفی بات بیان کی اور پھر ارشاد فرمایا کہ تم ہمارے نزدیک متہم نہیں ہو۔ تم ایک شخص ہو جو ہم اہلبیتؑ سے ہو۔ اللہ تمہیں رسولؐ اکرم اور

اہلبیتؑ کے ساتھ محشور کرے اور خدا انشاء اللہ ایسا کرنے والا ہے۔ (رجال کشی جلد نمبر ۲۔ ۶۸ھ/ ۲۴/ ۷)

۸۔ جناب فضیل بن یسار!

صادق آل محمدؑ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فضیل بن یسار پر رحمت نازل کرے کہ وہ ہم اہلبیتؑ سے تھے۔ یہ روایت ربعی بن عبداللہ فضیل بن یسار کے غسل دینے والے کے حوالے سے درج کی گئی ہے۔ (الفقیہ جلد نمبر ۴۔ ۱۴۱، ۴۴۰، رجال کشی جلد نمبر ۲۔ ۴۷۳/ ۳۸۱)

۹۔ جناب عمر بن یزید!

جناب عمر بن یزید خود روایت بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا کہ!

''اے ابن یزید خدا کی قسم تم ہم اہلبیتؑ سے ہو۔ میں نے عرض کیا میں آپؑ پر قربان۔ آل محمدؑ سے؟ ارشاد فرمایا! بے شک انہیں کے نفس سے۔!

عرض خدمت کیا کہ انہیں کے نفس سے؟ فرمایا لاریب! انہیں کے نفس سے! کیا تم نے قرآن مقدس کی یہ آیت نہیں پڑھی ہے ''یقیناً ابراہیم سے قریب تر ان کے پیرو تھے اور پھر یہ پیغمبرؐ اور صاحبان ایمان ہیں اور اللہ صاحبان ایمان کا سرپرست ہے۔'' (آل عمران آیت نمبر ۶۸)

اور پھر یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''جس نے میرا اتباع کیا وہ مجھ سے ہے اور جس نے نافرمانی کی تو بے شک خدا غفور و رحیم ہے۔ (سورۂ ابراہیم۔ آیت ۳۶) (امالی طوسیؒ ۴۵ / ۵۳، بشارۃ المصطفیٰ ۶۸)

صحابیات

ا۔ حذیفہ بنت حلیمہ سعدیہ

امیرالمومنین حضرت علیؑ کے کمالات کی ایک شیدائی

نسبی وادبی اصول

حذیفہ کے نام سے بہت کم لوگ آشنا ہوں گے۔ لیکن ان کی ماں کے نام سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہوا ان کی والدہ حلیمہ سعدیہ بنت ابوذدیب (عبداللہ بن شجنہ بن زرام بن ناظیرہ بن سعد بن بکر بن ہوازن) کافی مشہور ہیں۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق شہری بچوں کی ابتدائی تربیت دیہات میں ہوتی تھی۔ جناب رسول خداؐ نے بھی چھ سال تک حلیمہ کی آغوش کو سرفراز فرمایا۔ یہ نسبت قبیلہ ہوازن کے لیے ایک پروانۂ شرف بن گئی جناب رسول خداؐ حلیمہ کا ادب کرتے۔ ایک بار وہ حضرت سے ملنے آئیں۔ حضرت اطلاع پاتے ہی اُمّی اُمّی فرماتے ہوئے دوڑے اور ان کے لیے اپنی عبا بچھادی (طبقات بن سعد)۔

ایک بار حلیمہ کو جناب رسول کی آ کلی زندگی کے دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ حضرت خدیجہ کاشانۂ رسالت کا چراغ بن چکی تھیں۔ قبیلہ ہوازن قحط کا شکار ہوا حلیمہ کے جانور بھی مر گئے۔ وہ جناب رسولؐ کے پاس آئیں۔ تو حضرت نے ان کو جناب خدیجہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت خدیجہ نے اس نسبت کی وجہ سے انہیں عقیدت و اخلاص کی نگاہ سے دیکھا۔ انہیں چالیس بکریاں۔ چالیس قیمتی اونٹ پورے ساز وسامان کے ساتھ دیے۔'' (طبقات بن سعد)''

''مورخ مغلطائی'' کا خیال ہے کہ انہیں اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔ حلیمہ پر موصوف نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ حذیفہ کی ماں کا نام جس قدر مشہور ہے اتنا ہی ان کے والد حرث عبدالعزی بن رقاعہ مُصری ''ا/۱۹ مناقب ماژندرانی) کا نام گوشۂ گمنامی میں ہے۔ اصابہ ابن حجر سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ حذیفہ کے ایک بھائی اور تین بہنیں تھیں۔

(۱) عبداللہ (۲) انلیہ (۳) حذیفہ (۴) حذافہ (شیما) (طبقات بن سعد ۹ / ۱۳۳ اصابہ بن حجر عسقلانی)

ابن سعد عبداللہ العد اور شیما کے اسلام کا ذکر کرتے ہیں۔

خذافہ جن کو شیما بھی کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی تھیں یہ ماں کے ساتھ رسول خداؐ کی تربیت میں

حصہ لیتی تھیں تاریخ میں ان کی لوریاں ابھی تک محفوظ ہیں وہ جناب رسولؐ کی دلچسپی کے لیے کہا کرتی تھیں۔

(ترجمہ) یہ میری ماں کی شکم اور میرے باپ اور چچا کے صلب سے نہیں ہیں۔ (زرقانی مواہب لدینہ ۱/۱۷۶

ایک اور لوری میں یہ شعر ہیں — (ترجمہ) پروردگار محمدؐ کو زندہ رکھ۔ میں ان کو جوان دیکھوں۔ پھر میں ان کو سردار دیکھوں پروردگار اس کو لافانی عزت عطا کر۔'' ان لوریوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حذافہ میں اجابئیت کا عنصر کافی تھا فتح مکہ کے بعد قبیلہ ثقیف و ہوازن نے متحدہ محاذ بنایا اور مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس معرکہ کو جنگ حنین کہتے ہیں۔

یہ قبائل مغلوب ہوگئے۔ اسیروں میں شیما (خذافہ) کا نام بھی آتا ہے۔ کافی عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی۔ انہوں نے خود ہی جناب رسول سے اپنا تعارف کرایا۔ حضرت علیؑ نے عزت سے انہیں اپنی چادر پر بٹھایا۔ قبیلہ ہوازن کے بعض افراد نے جناب رسولؐ سے کہا۔ اسیروں میں آپ کی خالائیں پھوپھیاں اور بہنیں ہیں۔ حضرت نے اپنا اور بنی عبدالمطلب کا حصہ واپس کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی اس نسبت کا احترام کیا اور اپنے حصے واپس کر دیے۔ (۱/۴۳ے طبقات بن سعد)

جناب رسولؐ نے شیما (خذافہ) کو تین لونڈی غلام۔ کچھ درہم اور چند بکریاں دے کر رخصت کیا ۲/۷۶۲ استیعاب ابن عبدالبر اس موقع پر بھی عبداللہ انثیہ کے نام تاریخ کی زبان پر نہیں آئے۔ غالباً شیما (خذافہ) میں سے سب سے بڑی تھیں۔

انہیں سے جناب رسولؐ سے گفتگو ہوئی اور تاریخ کو ان کا نام یاد رہ گیا۔ علامہ ابن شہر آشوب نے (۱/۸۹) یہ لکھا ہے کہ جناب رسول خداؐ کے بھائی بہن حرث کی اولاد سے عبداللہ وانثیہ اور خذافہ تھے۔

میرا خیال ہے کہ حلیمہ کی اولاد میں حذیفہ ذہنی صلاحیتوں کے لحاظ سے سب میں ممتاز تھیں۔ انہوں نے اسلام کا آغاز دیکھا ان کے سامنے جناب رسول خداؐ کی مکی مدنی زندگی اور خلفا کا دور اور امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کا زمانہ خلافت، اموی دور کا اچھا خاصہ گزرا انہوں نے عمر بھی کافی پائی۔ تاریخ کی تبدیلیوں پر ان کی نظر معلوم ہوتی ہے۔ حالات کے مطالعہ نے ان میں بصیرت پیدا کر دی تھی۔

حذیفہ کے نام میں تصحیف

زندگی کے آخری دور میں خذیفہ نے حجاج بن یوسف ثقفی کے سامنے جناب امیر المومنینؑ کے متعلق جو دلیرانہ بیان دیا ہے اس سے حذیفہ کی شخصیت کے خاکے میں رنگ بھرا جا سکتا ہے۔ حذیفہ کا یہ کارنامہ حلیمہ کی نسل کے لیے سرمایہ شرف ہے۔ اور تاریخ اُسے ہمیشہ آنے والی نسلوں کے سامنے رکھے گی حجاج نے اچانک حذیفہ کے سامنے ایک مسئلہ رکھا۔ یہ مسئلہ پیچیدہ تھا۔ اس کا صحیح جواب حجاج کے لیے ایک تلخ حقیقت تھا۔ ناگوار حالات میں حذیفہ نے اپنے

عقیدہ کو جس طرح استدلال سے مسلح رہ کر پیش کیا ہے دل اس پر بے ساختہ آفریں کہنے لگتا ہے۔
بے شک وہ طلیق اللسان۔ جری۔ مخلص۔ وفادار تھیں۔ بادۂ ولائے آل محمدؐ سے سرشار تھیں۔ سادات کرام اور آل محمدؐ کے شیدائیوں کو جس قدر حجاج نے تہ تیغ کیا ہے ایک قصاب اپنی پوری زندگی میں اتنے جانور نہ ذبح کرسکا ہوگا۔
علامہ فرید وجدی مصری نے دائرۃ المعارف القران القرین (۳/ ۵۳) میں لکھا ہے حجاج نے قتل وخونریزی میں ایسے نئے ڈھنگ نکالے جس کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی۔
عہد اموی کے وحشیانہ تشدد نے سرفروشوں کی نظر میں ظلم کی دہشت کم کردی تھی۔ واقعہ کربلا نے دل وجگر میں ہمت وجرأت کا خون دوڑایا تھا۔ ایک قرشی سے جب کہا گیا کہ یزید کی غلامی کا اقرار کرو ورنہ قتل کردیے جاؤ گے تو اس نے یہ کہتے ہوئے جان دے دی۔ حسینؑ بن علیؑ بن رسولؐ اللہ کے بعد میرے قتل کی کیا حیثیت ہے (۱۱۰) روضۂ کافی کلینی بحار الانوار مجلسی ۱/ ۴۰ حذیفہ حجاج کے سامنے آئیں۔ اس نے دیکھتے ہی کہا تم ہو (حذیفہ) حذیفہ نے کہاں ہاں میں وہی ہوں یہ ایک غیر مومن کی فراست ہے۔ حجاج کے طرز خطاب میں استبداد وآمریت کی بوتھی۔ حذیفہ نے محسوس کیا کہ اس کی رگ نخوت پر نشتر زنی کا صحیح وقت یہی ہے۔

قتل کی دھمکی

حجاج نے فوراً کہا خدا نے تم کو میرے پاس بھیجا ہے ان لفظوں میں حجاج نے قتل کی دھمکی دی حجاج نے پھر کلام شروع کیا مجھے تمہارے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ تم علی بن ابی طالبؑ کو ابوبکر وعمر وعثمان پر فضیلت دیتی ہو۔
شوق شہادت نے حذیفہ کے عقیدت وعمل کے شعلہ کو بھڑکا دیا۔ وہ عہد رسولؐ اور عہد خلفا اور خود حضرت علیؑ کے دور میں ان کی زندگی کے مطالعہ کا پورا پورا موقع پر پا چکی تھیں حجاج کے اس سوال کے بعد ان کے سامنے موت مجسم ہو کر آ گئی لیکن ان کا اطمینان اور انجام آخرت پر یقین دیکھنے کے قابل ہے۔
خوف وہراس کا نام ونشان نہیں۔ نہ جسم میں تھرتھراہٹ نہ زبان میں لکنت نہ آواز میں ارتعاش وہ ہمہ تن سکون بنی ہوئی ہیں۔ وہ غور وفکر کے وقفہ بھی نہیں چاہتی۔ ایسے پرخطر موقع کے لیے جس میں خوف اور حقیقت سامنے آجائے۔ دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرض شناسی اور وسیع علیم، حذافہ ان دونوں زیوروں سے مرصع معلوم ہوتی ہیں۔

استدلال ومنطق وحاضر جوابی

حذیفہ نے جواب میں استعجابی پہلو پیدا کرتے ہوئے کہا جن لوگوں نے بالخصوص ان لوگوں پر حضرت علیؑ کی تفضیل کو میری طرف منسوب کیا ہے۔ وہ جھوٹے ہیں۔ حجاج کے گمان میں بھی نہ تھا کہ حذیفہ اس سے کچھ آگے کہہ سکیں

گی۔ جب حذیفہ نے خود دعوے کو وسیع کیا۔ تو حجاج نے کہا (میرے خیال میں حیرت سے کہا) کیا خلفا کے علاوہ اور بھی کسی پر ان کو فضیلت ہے۔

حذیفہ نے کہا۔ میں نہیں کہتی بلکہ خدا نے ان کو فضیلت دی۔ آدمؑ ونوحؑ وابراہیمؑ داؤدؑ وعیسیٰؑ بن مریم پر۔ حجاج نے خیال کیا کہ حذیفہ نے طیش میں آ کر یہ دعویٰ کیا ہے وہ ثابت نہ کر سکیں گی۔ اس نے غالباً تشدد آمیز لہجہ میں کہا اگر تم ثابت نہ کر سکیں تو قتل کر دی جاؤ گی۔ حذیفہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا کہ اگر تم ثابت نہ کر سکیں تو قتل کر دی جاؤ گی گویا ظاہر کیا کہ قتل کی دھمکی سے وہ متاثر نہیں۔ لیکن دعوئی کے اثبات کو وہ بھی اہمیت دیتی ہیں۔ حذیفہ نے استدلال کی تمہید شروع کی۔

قرآن میں حضرت آدم وابراہیم وداؤد وسلیمان وعیسیٰ بن مریم کا ذکر آیا ہے اور حضرت علیؑ کا بھی ذکر ہے۔ ان مقامات کے مطالعہ سے حضرت علیؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ حذیفہ نے استدلال شروع کیا کہا۔

(۱) قرآن میں حضرت آدم کے متعلق ہے آدم نے امر الٰہی کی مخالفت کی (ترک اولیٰ کیا) ۱۶/۱۲۰ طٰہٰ اور حضرت علیؑ کے متعلق ہے تمہاری سعی مقبول ہوئی۔ (۹۱/ ۲۹ دہر)

(۲) حضرت نوح ولوط کی بیویوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی (۱۰/ ۲۸ تحریم ۶۶۔ حضرت علیؑ کی بیوی حضرت فاطمہ زہراؑ کے متعلق جناب رسول خداؐ کی حدیث ہے۔ فاطمہؑ کی رضا خدا کی رضا ہے۔ فاطمہؑ کی خفگی خدا کی خفگی ہے۔ (۸/ ۱۵۸) اصابہ ابن حجر عسقلانی)۔

(۳) حذیفہ نے کہا ابو الانبیاء، حضرت ابراہیم کا قول ہے قرآن میں نقل کیا ہے۔ معبود مجھے دکھا دے تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ خدا نے فرمایا کیا تم ایمان لائے۔ کہا ہاں لیکن اطمینان قلب چاہتا ہوں۔ (۲/ ۳ بقرہ) اور حضرت علیؑ کا ارشاد ہے اگر پردے میری نگاہ سے ہٹا دیے جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا۔ یقین کی آخری حد تک پہنچ گیا ہوں۔

(۴) حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے متعلق قرآن میں قصص ہے۔ وہ شہر سے امید وبیم کی حالت میں نکل پڑے ۲۰/ ۲۱ قصص اور حضرت علیؑ شب ہجرت (ہجوم مشرکین) میں بستر رسولؐ پر سوئے اور خدا نے ان کی مدح میں فرمایا کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا کی مرضی کے عوض اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں۔ (۹/ ۲ بقرہ)

(۵) حضرت داؤد وسلیمان کے متعلق قرآن میں ہے۔ اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا تم لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ (۱۶/ ۱۷ انبیاء) حضرت داؤد کے پاس ایک مقدمہ آیا ایک کی بھیڑ نے دوسرے کے انگور کے درخت کھائے حضرت داؤد نے فرمایا بھیڑوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے انگور کی کاشت کی جائے۔ حضرت

سلیمان بھی موجود تھے آپ نے یہ جواب سن کر فرمایا ان بھیڑوں کے دودھ اور صوف سے تاوان ادا کیا جائے۔ خدا نے حضرت سلیمان کے جواب کو القاء ربانی کہا۔

حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے عرش کے اوپر کی باتیں پوچھو۔ عرش کے نیچے کی باتیں پوچھو قبل اس کے کہ میں دنیا سے اٹھ جاؤں مجھ سے پوچھ لو۔

فتح خیبر کے موقع پر جناب رسول خدا نے مجمع عام میں فرمایا تھا۔ علیؑ تم میں سب سے زیادہ عالم و فاضل اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔

(۶) حضرت سلیمان کا قول قرآن میں ہے۔ پروردگار مجھے وہ ملک دے کہ میرے بعد کسی کو نہ شایاں ہو (۱۱/ ۲۳ ص)

اور حضرت علیؑ نے فرمایا میں نے دنیا کو تین بار طلاق دی اور ان کی فضیلت میں یہ آیت ہے۔ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے قرار دیا ہے جو زمین پر استیلا نہیں چاہتے۔ اور نہ فساد برپا کرتے ہیں۔ (۱۱/ ۲۰ قصص)

(۷) حضرت عیسیٰؑ کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے کیا تم نے کہا ہے کہ خدا کے مقابلہ میں مجھے اور میری ماں کو خدا کہو۔

حضرت عیسیٰؑ نے کہا سبحان اللہ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ اگر میں کہتا تو تجھے ضرور علم ہوگا (۵/ ۷ مائدہ)

حضرت عیسیٰ کی شان میں جن لوگوں نے مبالغہ کیا۔ آپ نے ان کا فیصلہ حشر پر اٹھا رکھا۔ اور حضرت علیؑ نے نصیری کو سزا دی حجاج یہ استدلال سن کر مبہوت ہو گیا۔

اس کا اظہار اس کے طرز عمل سے ہوتا ہے کہ اس کی وہ تلوار جو آل محمدؐ کے ہزاروں فدائیوں کا خون پی چکی تھی۔ آج نیام میں منہ چھپائے ہوئے ہے۔ حذیفہ کی قوت ایمان جرأت اظہار حجاج کے ارادہ قتل پر غالب آ گئی۔

حذیفہ کے استنباط کی بنیاد

قرآن میں جو آیتیں انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہیں حذیفہ نے ان کو سامنے رکھا۔ اور حضرت علیؑ کے متعلق جو آیات احادیث تھیں انہیں سامنے رکھا اور ان کو میزان فضیلت پر تولا اور اس کے نتائج حجاج کے سامنے رکھ دیے۔ لیکن یہ استنباط قیاس پر مبنی تھا۔ حدیث تشبیہ میں جناب رسولؐ خدا نے انبیاء کرام کے اعلیٰ صفات کا حضرت علیؑ میں پتہ دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء کرام کے انفرادی صفات حضرت علیؑ کی ذات میں جمع ہو گئے تھے۔ حدیث صنف انبیاء میں حضرت علیؑ کو سر بلند کرتی ہے۔ علامہ اہل سنت فخر الدین رازی ۶۰۶ھ نے (الاربعین فی اصول الدین میں) اس حدیث

کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ علیؑ الانبیاء کے ان صفات میں مساوی تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ انبیاء کل صحابہ سے افضل تھے اور افضل کا مساوی افضل ہوتا ہے۔ لہٰذا لازم آیا کہ علیؑ کل صحابہ سے افضل ہو گئے۔

امام احمد بن حنبل نے کتاب المناقب میں لکھا ہے کہ جب جابر بن عبداللہ انصاری کافی بڑھے ہو چکے تو ان سے عقبہ بن سعد عوفی نے حضرت علیؑ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے یہ کہا یہ خیر البشر ہیں۔

حذیفہ صحابیہ رسولؐ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا۔ علی خیر البشر من ابی فقد کفر۔ (ابن مردویہ)

حذیفہ صحابیہ رسولؐ نے جناب رسولؐ سے جو حدیث نقل کی حذیفہ صحابیہ۔ حلیمہ۔ سعدیہ کی دختر نے اسے قرآن واحادیث سے اور مدلل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فضیلت کے اقسام نفس رسولؐ حضرت علیؑ میں اس طرح سمو گئے تھے جس طرح برگ گل میں خوشبو ہوتی ہے۔ خواہ نفسانی فضیلت ہو یا جسمانی یا خارجی۔

حضرت علیؑ ان تینوں کا مرکز تھے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ جناب رسولؐ خدا کا معجزہ ہیں۔ یعنی حضرت رسولؐ نے امیر المومنینؑ کی تربیت و تکمیل اس طرح کی کہ وہ تاریخ بشریت کے منفرد انسان بن گئے۔ حذیفہ بنت حلیمہؑ سعدیہ حضرت علی کے کمالات کو امانت الٰہی سمجھتی تھیں۔ انہوں نے حجاج کی خون آشام تلوار کے سامنے انتہائی جرأت کے ساتھ ان کمالات کو پیش کیا۔ جنہوں نے اس کی ظلم کی تلوار کے لوہے کو پگھلا دیا۔ سچائی کے ساتھ ایسا خلوص بے حد گرانقدر ہے۔ اور اعلیٰ معاشرے کی تعمیر کے لیے ہمیشہ اس کی ضرورت رہے گی۔

حذیفہ نے اس موقع پر ثبات قدم دکھا کر تاریخ میں اپنی جگہ بنالی۔ حریت۔ آزادی ضمیر۔ وفاداری و اظہار حق کا صراحت وشہامت و جرأت کے لیے جب بھی زندہ مثالوں کی ضرورت ہوگی تو حذیفہ کا کردار شمع بن کر اندھیرے میں اجالا پیدا کرے گا۔

۲۔ زرقاء بنت عدی

حق وصداقت کی پرستاری، اعلائے کلمہ حق کے لیے جان کی پروانہ کرنا، اور خون کے پیاسے دشمنوں کے سامنے بھی حق کا اعلان کرنے سے باز نہ رہنا صرف مردوں ہی سے مخصوص نہیں بلکہ عورتوں نے بھی اس میں کافی حصہ لیا۔ پیغمبرؐ کے عہد میں جہاں وہ مخلص اصحاب تھے جنہوں نے مشرکین کی انتہائی ایذا رسانیوں کے باوجود کلمہ اسلام کی آشاعت

میں کمی نہ کی وہاں بہت سی خواتین بھی تھیں جنہوں نے قید و بند، مصائب، آلام تباہی و بربادی سب کچھ برداشت کیا مگر پیغمبرؐ اسلام کی اطاعت سے منہ نہ موڑا۔ یہی کیفیت عہد امیر المومنینؑ میں بھی رہی۔ شمع امامت کے پروانے اور جانشین رسولؐ کے فدائی جہاں ہزاروں اصحاب تھے وہاں سیکڑوں خواتین بھی اور وہ جو مثل ہے اول ب آخر نسبتے وارد جس طرح صحابیات پیغمبر کو مشرکین قریش اور سرداران بنی امیہ کے ہاتھوں میں مصائب و شدائد اٹھانے پڑے صحابیات امیر المومنینؑ کو بھی انہیں کی اولاد کے ہاتھوں ہر ممکن ذلت و اہانت مصیبت و پریشانی اٹھانی پڑی ہم یہاں صرف آٹھ خواتین کا ذکر کرتے ہیں تاکہ سرفرازی کا یہ اصحاب امیر المومنین نمبر صحابیات کے تذکرہ سے خالی نہ رہ جائے موقع ملا تو ہم انشاءاللہ جلد ہی اس موضوع پر تفصیلی حیثیت سے لکھیں گے۔

زرقاء بنت عدی

زرقاء بنت عدی بن غالب، امیر المومنینؑ کی مشہور دوستدار اور پرخلوص صحابیہ اور فصاحت و بلاغت، عقل و خرد میں ممتاز ترین خاتون تھیں۔ جنگ صفین میں اپنی آتش فشاں تقریروں سے لوگوں کو امیر المومنینؑ کی حمایت کی ترغیب دلاتیں اور دشمن سے جنگ کرنے پر ابھارا کرتیں۔ جب امیر المومنینؑ کی شہادت ہوگئی اور نیرنگی زمانہ کی بدولت امیر معاویہ مملکت اسلامیہ کے مالک بن گئے تو انہوں نے حاکم کوفہ کو خط لکھا کہ زرقاء کو فوراً ہمارے پاس روانہ کردو۔ امیر معاویہ کے کانوں میں زرقاء کی آتشیں تقریریں ابھی تک گونج رہی تھیں بلاشرکت غیرے اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہونے کے بعد بھی زرقاء کے لگائے ہوئے زخم ان کے دل پر تازہ تھے۔

حاکم کوفہ نے حکم کی تعمیل کی اور زرقاء سپاہیوں کی نگرانی میں شام روانہ کردی گئیں جب دربار میں داخل ہوئیں تو معاویہ نے پوچھا۔

"جانتی ہو میں نے تمہیں کس لیے بلایا ہے؟"

زرقاء: سبحان اللہ! مجھے غیب کی باتوں کی کیا خبر؟ دل کی باتیں تو اللہ ہی جانتا ہے۔

معاویہ: میں نے تمہیں یہ پوچھنے کے لیے بلایا ہے کہ کیا تم ہی وہ نہیں ہو جو جنگ صفین میں صفوف لشکر کے درمیان اونٹ پر سوار ہو کر اپنی شعلہ فشاں تقریروں سے لڑائی کی آگ بھڑکاتیں اور مجھ سے جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کرتیں؟

زرقاء: حضور۔ وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیانہ تھا۔ یہ دنیا نت نئے رنگ بدلتی رہتی ہے ایک بات کے بعد دوسری بات پیدا ہوتی رہتی ہے۔

معاویہ: سچ کہتی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ صفین کے دن کی اپنی وہ تقریر بھی تمہیں یاد ہے؟

زرقاء: نہیں حضور میں نے یاد رکھنے کی کوشش ہی نہ کی۔

معاویہ: لیکن مجھے خدا کی قسم حرف بہ حرف یاد ہے۔ میں نے تمہیں کہتے سنا تھا۔

"اے لوگو تم بہت بڑے فتنہ سے دو چار ہو۔ جس نے تم لوگوں کو ظلم و جوار اور تاریکی کی چادریں اڑھا دی ہیں اور جس نے تم لوگوں پر ضلالت و شیطنت کے پردے ڈال دیے ہیں اور تم اور تم کو سیدھے صاف راستے سے موڑ کر گمراہی کے گڑھے میں گرا دیا ہے ہائے کتنی اندھی اور بہری! یہ آزمائش و مصیبت ہے جو نہ اپنے پکارنے والے کی سنتی ہے اور نہ اپنے سوار کے قابو میں آتی ہے۔ چراغ آفتاب کے سامنے نہیں جلتا نہ ستارے چاند کے سامنے روشنی دیتے ہی۔ خچر گھوڑے سے آگے نہیں بڑھ سکتا نہ ذرہ پتھر کے برابر ہو سکتا ہے۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے دیکھو جو ہم سے فلاح کا راستہ پوچھے گا ہم اس کی رہبری کرنے کو تیار ہیں جو ہم سے حقیقت حال کا پتہ چلانا چاہے ہم اسے صحیح حالات بتانے کو آمادہ ہیں۔ حق اپنے کھوئے ہوئے مقصد کو ڈھونڈ رہا تھا اب اس نے اپنے مقصد کو پالیا ہے۔ گروہ مہاجرین و انصار! صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے جانے نہ پائے اب یہ پراگندگی دور ہی ہونے والی ہے۔ عدل و انصاف کا بول بالا ہونے والا ہے اور حق باطل پر غالب آنے کو ہے۔ دیکھو عورتوں کا خضاب مہندی ہے اور مردوں کا خضاب خون ہے اور صبر بہترین انجام کار! بڑھو لڑائی کی طرف بڑھو، پیر پیچھے نہ ہٹیں نہ عزم و ارادہ میں کمزوری آنے پائے۔ آج کی مشقوں کا بڑا اچھا صلہ آگے چل کر تمہیں نصیب ہوگا۔"

معاویہ یہ تقریر نقل کرتے جاتے اور غیظ و غضب سے چہرہ سرخ ہوتا جاتا غصہ میں بھر کر بولے۔

"خدا کی قسم علیؑ نے جتنے خون بہائے تم ہر خون میں اُن کی شریک رہیں۔

زرقاء: خدا آپ کا بھلا کرے اور آپ کو صحیح و سالم رکھے آپ ایسے لوگوں کو بھلائی ہی کی خوش خبری ملتی رہے اور ان کے مصاحبوں کو خوشی ہی حاصل ہوتی رہے۔

معاویہ: کیا اس بات سے تمہیں خوشی ہوئی؟

زرقاء: ہاں خدا کی قسم آپ نے میری باتیں سنا کر مجھے نہایت درجہ خوش کیا اے کاش میں اپنے عمل سے بھی اپنی تقریر کی تصدیق کر دیتی (یعنی اس روز آپ کی فوج کے خلاف لوگوں کو ابھارنے کے علاوہ اپنے ہاتھ سے آپ کے لشکر والوں کو قتل بھی کیا ہوتا)

معاویہ امیر المومنینؑ سے زرقاء کے اس بے پناہ خلوص اور حیرت انگیز وفاداری پر مبہوت ہو کر رہ گئے بولے:

"خدا کی قسم علیؑ کے مرنے کے بعد بھی ان سے تمہاری اتنی شدید وفاداری مجھے زیادہ پسند آئی بہ نسبت تمہاری اس محبت کے جوان کے جیتے جی ہوا کرتی تھی اچھا بتاؤ تمہاری کیا حاجت ہے؟

زرقاء: میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ کسی ایسے امیر سے جس کی میں مخالف رہ چکی ہوں ہرگز سوال نہ کروں گی آپ کے ایسے آدمی کو تو بے مانگے ہی دینا چاہیے (بلاغات النساء طبع نجف ص ۳۲ المطرف صبح اعشیٰ وغیرہ۔

۳۔ ام الخیر بارقیہ

ام الخیر بنت حریش بارقیہ بھی بڑی معزز و محترم خاتون تھیں اور امیر المومنینؑ کی فدائی تھیں۔ جنگ صفین میں یہ بھی اپنے کمال خطابت سے لوگوں کو جوش دلاتیں اور معاویہ سے جنگ پر آمادہ کرتیں۔ معاویہ ان کی سرگرمی عداوت سے انتہائی نالاں رہے۔ امیر المومنین کی شہادت اور اپنے اقتدار کے جم جانے کے بعد انہوں نے اپنے گورنر کو لکھا کہ ام الخیر کو ہمارے پاس روانہ کردو چنانچہ یہ بھی شام لائی گئیں۔ دربار میں پہنچیں تو سطوت شاہی سے مرعوب ہو کر امیر المومنین کہہ کے سلام کیا۔ معاویہ نے جواب سلام کے بعد کہا:

معاویہ: امیر المومنین کہہ کر پکارتے ہوئے تو تمہیں بڑا کھلا ہوگا۔

ام الخیر: ایسی باتیں نہ کیجیے بادشاہ کے لیے زیبا نہیں۔

معاویہ: خالہ! ٹھیک کہتی ہو اچھا یہ بتاؤ تمہارا سفر کیسا رہا۔

ام الخیر: بڑے آرام و سلامتی کے ساتھ میں یہاں تک آئی۔

معاویہ: میں اپنی نیت ٹھیک ہونے ہی کی وجہ سے تم لوگوں پر فتح یاب ہوا۔

ام الخیر: آپ غلط سلط باتیں ہی کرنے پر تلے ہوئے ہیں نتیجہ کیا ہوگا اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

معاویہ: میرا یہ مقصد نہ تھا اور ان باتوں پر بحث کرنے کے لیے تمہیں بلایا ہے۔

ام الخیر: میں تو آپ ہی کی چال چلتی ہوں جیسا آپ نے کہا ویسا میں نے جواب دیا آپ کو جو پوچھنا ہو پوچھیے۔

معاویہ: جس دن عمار قتل ہوئے اس دن کیا تقریر کی تھی تم نے؟

ام الخیر: حضور! نہ تو تقریر کرنے کے پہلے میں نے وہ تقریر بنائی تھی نہ تقریر کرنے کے بعد اسے یاد رکھنے کی کوشش کی۔ چند فقرے تھے جو صدمہ پہنچنے پر زبان سے نکل گئے اگر آپ چاہیں تو دوسرے موضوع پر بات چیت کروں۔

معاویہ: نہیں میں کچھ اور نہیں چاہتا۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مڑ کر پوچھا۔ تم لوگوں میں سے کس کس کو ام الخیر کی اس دن والی تقریر یاد ہے؟ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا حضور مجھے ان کی تقریر اسی طرح یاد ہے جس طرح سورۂ حمد۔ معاویہ نے کہا سناؤ اس شخص نے کہا۔

''وہ سماں جیسے اب تک میری آنکھوں میں ہے کہ یہ ام الخیر خاکستری رنگ کے اونٹ پر چوڑے حاشیہ کی ردا اوڑھے کھڑی ہیں۔ فوج کے سپاہی ان کے ارد گرد حلقہ کیے ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھ میں ایک درہ ہے اور مثل سانڈ کے ہمہمہ کر رہی ہیں۔

''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو قیامت کا زلزلہ بڑا ہولناک ہوگا۔ خداوند عالم نے حق کو ظاہر کیا، دلیل کو روشن، راستہ کو واضح اور ہدایت کے علم کو ایستادہ کر دیا ہے، اس نے تمہیں ایسے اندھیرے میں نہیں رکھا جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ خدا تم پر رحم کرے تم کہاں جانا چاہتے ہو؟ امیر المومنینؑ سے فرار اختیار کرنا چاہتے ہو؟ یا معرکہ سے پیٹھ موڑنے کا ارادہ ہے یا اسلام سے روگردانی کرنے پر تلے ہو یا حق سے برگشتہ ہو جانے کا ارادہ ہے۔ کیا تم نے خداوند عالم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ

''ہم تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے۔ دیکھنے کے لیے کہ جہاد کرنے والے تم میں کتنے ہیں اور تمہارے نیکو کاروں کو آزمائیں گے.....''

پھر ام الخیر نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ خداوندا اب تاب صبر باقی نہ رہی یقین کمزور ہو گیا مرعوبیت عام ہو گئی۔ دلوں کی باگ ڈور تیرے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارے شیرازہ کو پرہیز گاری پر مجتمع کر دے اور ہدایت کے معاملہ میں متحد کر دے اور حق کو حقدار کے پاس واپس لا۔ آؤ آؤ خدا تم پر رحم کرے امام عادل کی طرف آؤ جو وصی پیغمبرؐ ہیں مجسمہ وفا ہیں صدیق اکبر ہیں۔ ارے یہ جنگ بدر کے کینے جاہلیت کی عداوتیں اور جنگ احد کے غم و غصے ہیں جن کو لے کر معاویہ پھاند پڑے ہیں تاکہ وہ بنی عبد شمس کا انتقام لیں.....''

پھر ام الخیر نے کہا۔

لوگو ان کفر کے اماموں سے جنگ کرو ان کو ایمان سے کوئی واسطہ نہیں اسی طرح یہ لوگ راہِ راست پر آئیں گے۔ اپنی زیادتیوں سے باز رہیں گے۔ صبر کرو اے گروہ مہاجرین جنگ پر ثابت قدم رہو کہ تمہیں اپنے پروردگار سے بصیرت حاصل ہے۔ تم نے شام والوں کو یوں دیکھا جیسے وہ وحشی گدھے ہیں کہ شیر سے (دم دبا کر) بھاگتے ہیں۔ جنہیں یہ پتہ نہیں کہ زمین کا نشیب و فراز انہیں کہاں جا پہنچائے گا، ان لوگوں نے آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دیا ہے۔ ہدایت

کے بدلہ میں گمراہی خرید لی ہے۔ بصیرت کے بدلے اندھا بننا اختیار کیا ہے عنقریب ہی شرمسار اور نادم ہوں گے اور جب ان پر ندامت طاری ہوگی تو معافی کے خواہاں ہوں گے کوئی شک نہیں اس میں کہ جو شخص حق سے بھٹکے گا وہ باطل ہی میں گرے گا۔ اور جو جنت میں مقیم نہ ہوگا وہ جہنم جائے گا۔ اے لوگو عقل والوں نے دنیا کی زندگی کو مختصر سمجھا اس لیے ٹھکرا دیا آخرت کی مدت کو طولانی سمجھا اس لیے اس کے لیے کوششیں کیں۔ خدا کی قسم اے لوگو اگر اس کا خدشہ نہ ہوتا کہ حقوق ضائع ہوجائیں گے حدود معطل ہوں گے ظالموں کو غلبہ ہوگا اور شیطان کی بات پوری ہوگی تو ہم راحت و آرام چھوڑ کر موت کے گھاٹ پر آنے کو اختیار نہ کرتے۔

کہاں کا ارادہ کرتے ہو تم لوگ خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ ارے کیا رسولؐ کے چچا زاد بھائی آپ کی دختر کے شوہر اور آپ کے نواسوں کے باپ سے تم راہِ فرار اختیار کر رہے ہو جن کی خلقت پیغمبرؐ کی طینت سے ہوئی جن کی اصل وہی ہے جو پیغمبرؐ کی اصل تھی۔ جنہیں پیغمبرؐ نے اپنے رازوں سے مخصوص کیا اپنے شہرِ علم کا دروازہ مقرر کیا جس کی محبت مسلمانوں پر واجب قرار دی ہے۔ جن سے بغض رکھنے والے کو منافق کہا۔ جو اپنی یاری و نصرت سے ہمیشہ پیغمبرؐ کی مدد کرتے رہے اور پیغمبرؐ کے مقرر کردہ جادہ پر برابر گامزن رہے۔ دنیاوی مزوں کی طرف کبھی رُخ بھی نہیں کیا۔ اسی کے ساتھ وہ مردوں شگافتہ کرنے اور بتوں کو توڑنے والے ہیں انہوں نے اس وقت نماز پڑھی جب سب لوگ مشرک تھے۔ اس وقت پیغمبرؐ کی اطاعت کی جب لوگوں کو آپ کی نبوت ہی میں شک تھا یہی کیفیت ان کی ابتداء سے رہی یہاں تک کے بدر کے سورماؤں کو قتل کیا احد کے شہسواروں کو خاک میں ملایا۔ ہوازن کے گروہ پراگندہ کیے۔ ہائے یہی باتیں تھیں جنہوں نے ان لوگوں کے دلوں میں نفاق و ارتداد اور عداوت کی تخم ریزی کی۔ میں نے بہت کچھ کہا۔ اور امکان بھر نصیحت کی۔ اللہ ہی مددگار ہے تم پر سلام ہو اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔"

معاویہ کا وہ درباری ام الخیر کی یہ تقریر دہراتا جاتا اور معاویہ کے غیظ و غضب کا پارہ چڑھتا جاتا تقریر کے خاتمہ پر آگ بگولہ ہو کر بولے:

"خدا کی قسم ام الخیر تم یہی چاہتی تھیں کہ مار ڈالا جاؤں، خدا کی قسم اگر میں تمہیں قتل کر ڈالوں تو کوئی حرج نہ ہوگا۔"

ام الخیر نے بہت بے باکی سے جواب دیا۔

"ہند کے بیٹے خدا کی قسم مجھے ذرا بھی رنج نہ ہوگا تمہاری شقاوت کے ذریعے مجھے اور سعادت نصیب ہوگی۔

معاویہ: ہائے ہائے بکواسی عورت اچھا بتاؤ عثمان کے متعلق کیا کہتی ہو؟

ام الخیر: عثمان کے متعلق میں کیا کہوں۔ عثمان کو بادل ناخواستہ لوگوں نے خلیفہ بنایا اور خوشی کی خاطر قتل

کرڈالا۔

اس کے بعد اور بہت سی باتیں ہوئیں آخر میں معاویہ نے ان کی جاں بخشی کی اور انہیں گھر واپس جانے کی اجازت دے دی۔

(اعلام النساء ص ۳۳۲ بلاغات النساء ص ۳۶)

۴۔ سودہ بنتِ عمارہ

سودہ بنتِ عمارہ بن اشتر ہمدانی عراق کی بہت معزز و محترم صاحب علم و فضل اور فصیح اور بلیغ خاتون تھیں۔ محبت امیر المومنینؑ ان کی گھٹی میں پڑی تھی اور حضرت کی جان نثاری و فدا کاری اپنے باپ دادا سے میراث میں پائی تھی جن کی غیر معمولی عقیدت اور انتہائی اخلاص امیر المومنینؑ سے مشہور عالم ہے یہ معاویہ کے کسی عامل کی شکایت لے کر معاویہ کے پاس پہنچیں جب یہ دربار میں داخل ہوئی تو معاویہ نے کہا۔

"بروز جنگ صفین کیا تم ہی نے یہ اشعار نہیں لکھے تھے۔

شمر کفعل ابیك یا ابن عمارة	یوم الطعان وملتقی الاقران
والصر علیا والحسین ورهطه	واقصد لهند وابنها بهوان
ان الامام اخا النبی محمد	علم الهدی ومنارة الایمان
فقد الجیوش وسر امام لوائه	قدما بابیض صارم سنان

اپنے باپ کی طرح اے عمارہ تم بھی اپنے دامن گردان کو جنگ اور بہادروں سے مڈبھیڑ کے دن علیؑ اور حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی مدد کرو۔ اور ہند کے بیٹے کی ہر ذلت و خواری کی کوشش کرو۔ کوئی شک نہیں کہ امام حضرت محمد مصطفیٰؐ کے بھائی۔ ہدایت کا پہاڑ اور ایمان کا منارہ ہیں۔

لہٰذا لشکر کی قیادت کرو اور امیر المومنینؑ کے علم کے آگے آگے چلو۔ صیقل دار تلوار اور چمکتے ہوئے نیزے کے ساتھ۔

سودہ: ہاں خدا کی قسم یہ اشعار میں نے ہی کہے تھے میرے ایسا آدمی حق سے انکار نہیں کرتا اور نہ جھوٹے بہانے بناتا ہے۔

معاویہ: کس چیز نے تم کو یہ اشعار کہنے پر آمادہ کیا؟

سودہ: علیؑ کی محبت اور حق کی اطاعت نے۔

معاویہ: علیؑ کے احسانات کا تو کوئی اثر میں تم میں نہیں دیکھتا۔

سودہ: حضور آں قدح بشکست آں ساقی نماند۔ جو باتیں گزر چکیں انہیں یاد کر کے یا دہرا کے کیا کیجیے گا۔

معاویہ: نہیں نہیں تمہارے بھائی کا کردار ایسا نہیں جو بھلایا جا سکے میں نے اتنی مصیبتیں کسی سے نہیں اٹھائیں جتنی تمہاری قوم اور تمہارے بھائی سے اٹھانی پڑیں۔

سودہ: سچ کہا آپ نے میرا بھائی کوئی ایسا ویسا نہیں تھا وہ تو ویسا ہی تھا جیسا خنساء شاعرہ نے اپنے بھائی کے متعلق کہا ہے۔

وان صخرا لتاتم الهداة به

كانه علم فى راسه نار

صخر وہ ہے جس کی رہبران قوم اقتدا کرتے ہیں۔ گویا وہ پہاڑ کی بلند چوٹی ہے جس پر آگ روشن ہو۔

معاویہ: سچ کہتی ہو تمہارا بھائی ایسا تھا۔

سودہ: حضور بات رفت گزشت ہو چکی ہے میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر سوال کرتی ہوں کہ اب ان باتوں کو نہ چھیڑیے۔

معاویہ: اچھی بات ہے جانے دو بتاؤ تمہاری حاجت کیا ہے کس لیے آئی ہو؟

سودہ: حضور آپ اب لوگوں کے سردار و حاکم ہو چکے ہیں خداوند عالم بروز قیامت ہماری راحت و تکلیف اور ہمارے حقوق کے متعلق آپ سے باز پرس کرے گا۔ ہم پر ہمیشہ ایسا ہی شخص حاکم بن کر آتا ہے جو آپ کی سطوت و شوکت کے سہارے ہم لوگوں پر جور و ظلم کرتا ہے اور یوں کاٹ ڈالتا ہے جس طرح خوشہ گندم کاٹا جاتا ہے ہمیں ذلیل باتوں پر مجبور اور عزت کے کاموں سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ بسر ابن ارطاۃ آپ کی طرف سے ہمارا حاکم بن کر آیا ہے اس نے ہمارے مردوں کو قتل کیا ہمارا مال چھین لیا۔ اگر ہم اطاعت کا عہد و پیمان نہ کر چکے ہوتے تو ہم میں بھی تاب مقاومت تھی اور ہم بھی اپنی عزت کے بچاؤ کی صلاحیت رکھتے تھے اگر آپ اسے معزول کر دیں تو ہم شکر گزار ہوں گے نہیں معزول کریں گے تو آپ جیسے ہیں وہ ہم جانتے ہی ہیں۔

معاویہ: تم ہمیں اپنی قوم والوں کی دھمکی دیتی ہو۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تمہیں اونٹ پر سوار کر کے اسی بسر کے پاس بھیج دوں کہ جو چاہے سلوک تمہارے ساتھ کرے۔

سودہ نے نیچے سر جھکا لیا آنکھوں سے آنسو جاری تھے صدمہ کے مارے دل پھٹا جاتا تھا پھر شعر پڑھنے لگیں۔

صلی الاله علی جسم تضمنه ۔۔۔ قبر فاصبح فیه العدل مدفونا

قد حالف الحق لا یبغی به بدلا ۔۔۔ فصار بالحق والایمان مقرونا

خداوند عالم اپنی رحمتیں نازل کرے اس جسم پر جو اب سپرد لحد ہے اور جس کے ساتھ عدل و انصاف بھی دفن ہو کر رہ گیا۔ اس نے حق سے عہد و پیمان کر رکھا تھا حق کے سوا اور کچھ چاہتا نہ تھا وہ اور حق لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے تھے۔

معاویہ: وہ کون؟

سودہ: علیؑ ابن ابی طالب۔

معاویہ: علیؑ نے کیا سلوک تمہارے ساتھ کیا تھا کہ وہ اس درجہ کے تمہارے نزدیک مستحق ہوئے۔

سودہ: میں اُن کے پاس ان کے ایک افسر کی شکایت لے کر آئی جنہیں آپ نے زکوٰۃ کی وصولی پر مامور کیا تھا اس نے ہم پر زیادتی کی اور میں اس کے مظالم کی شکایت لے کر امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ آپ نماز میں مشغول ہیں۔ جب مجھے دیکھا تو آپ نے نماز ختم کر دی اور میری طرف مڑ کر بڑی شفقت اور مہربانی کے لہجہ میں پوچھا ''کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟ میں نے واقعہ بیان کیا آپ سن کر رونے لگے اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ خداوندا تو میرا بھی گواہ ہے اور ان عاملوں کا بھی میں نے انہیں ہرگز حکم نہیں دیا کہ وہ تیری مخلوق پر ظلم کریں نہ یہ کہا ہے کہ وہ تیرا حق چھوڑ دیں۔ پھر آپ نے جیب سے چمڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور اس پر لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''تمہارے پاس اللہ کے پاس سے روشن دلیل آ چکی ہے لہٰذا از روے انصاف ناپ تول پوری رکھو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ نہ زمین میں فتنہ و فساد پھیلاؤ بقیہ خدا تمہارے لیے بہتر ہے اگر ایمان والے ہو اور میں تمہارا کوئی پاسبان نہیں۔''

دیکھو جب تم میرا یہ خط پڑھنا تو کچھ اموال صدقات تمہاری تحویل میں ہیں انہیں محفوظ رکھنا یہاں تک کہ تمہارے پاس کوئی پہنچ کر چارج لے لے۔ والسلام

میں نے حضرت سے وہ نوشتہ لے لیا حضرت نے نہ اسے سر بند کیا نہ مہر لگائی۔ معاویہ اس واقعہ کو سن کر مبہوت رہ گئے پھر اپنے کاتب کو حکم دیا کہ حاکم کو لکھ دو کہ اس عورت کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

سودہ: یہ حکم خاص میرے لیے ہے یا میری پوری قوم کے لیے۔

معاویہ: تمہیں اوروں سے کیا سروکار۔

سودہ: تب تو یہ بڑی ذلت ورسوائی ہے عدل وانصاف ہو تو سب کے لیے ورنہ جو سب کا حال وہ میرا حال۔

معاویہ: وائے ہو تم پر علیؑ ابن ابی طالب نے تم لوگوں کو بہت ڈھیٹ اور بادشاہ کے حضور بہت جری بنا دیا ہے اور ان کے اس قول نے تمہیں مغرور کر دیا ہے۔

فلو کنت بوابا علی باب جنة　　　لقلت لھمدان ادخلو السلام

اگر میں جنت کے دروازہ کا نگران ہوتا تو ہمدان والوں سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔

(اعلام النساء جلد ۲ ص ۲۶۳ العقد الفرید ج ص ۲۱۱ بلاغات النساء ص ۳۰)

۵۔ام البراء بنت صفوان

یہ معظمہ بھی بڑی معزز و محترم شستہ زبان فصیح وبلیغ خاتون تھیں۔ امیر المومنین کی بے حد مخلص و جان نثار۔ جنگ صفین میں انہوں نے بھی ایسے کارنامے انجام دیے جو آج تک تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں یہ لشکر کو اپنی جوشیلی تقریروں سے جنگ پر ابھارتیں اور معاویہ سے جنگ کی ترغیب دلاتیں۔ معاویہ کے عہد حکومت میں انہیں بھی دربار شام میں آنا پڑا جب یہ آئیں تو معاویہ نے کہا۔

معاویہ: دختر صفوان کہو کیسی ہو---!

ام البراء: اچھی ہوں حضور۔

معاویہ: تمہارا حال کیا ہے؟

ام البراء: دلیری کے بعد کمزوری آ گئی چستی و مستعدی کے بعد سستی و کاہلی نے آ گھیرا۔

معاویہ: آج کے دن اور اس دن میں تمہارے بڑا فرق ہو گیا ہے جس دن تم نے کہا تھا:

یا عمرو دونك صارما ذا رونق　　　غضب المهزة لیس بالخوار

اسرج جوادك مسرعا ومشمرا　　　للحوب غیر معرد لفرار

اجب الامام ودب تحت لوائه　　　وافر العدو بصارم بتار

یالیتنی اصبحت لیس بعورة　　　فاذب عنه عساکر الفجار

اے عمرو چمکدار کاٹنے والی تلوار ہاتھ میں اٹھا لو جو بڑی برق رفتار ہے سست نہیں۔

جلدی سے اپنے گھوڑے پر زین کسو اور لڑائی کے لیے دامن گردان لو فرار کا دھیان بھی نہ آنے پائے۔
امامؑ کی آواز پر لبیک کہو اور ان کے رایت کے نیچے نیچے چلو اور دشمن کو کاٹنے والی تیز ترین تلوار کے ذریعے مار بھگاؤ۔

کاش میں عورت نہ ہوتی اور فاجروں کی فوجوں کو امیر المومنینؑ سے دفع کر سکتی۔

ام البراء: ہاں حضور یہ بات تو صحیح ہے آپ کو ایسے آدمی کو معاف ہی کر دینا چاہیے خداوند عالم کا ارشاد ہے عفا اللہ عما سلف گزری ہوئی باتوں کو خدا نے معاف کر دیا۔

معاویہ: ناممکن ہے اگر پھر ویسا ہی موقع پیش آ جائے تو تم پھر ویسی ہی ہو جاؤ گی لیکن پھر بھی میں درگزر کرتا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ جب علیؑ شہید ہو گئے تو تم نے کیا کہا تھا؟

ام البراء: میں بھول گئی حضور۔

اس پر معاویہ کے درباریوں میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا۔ حضور اس نے کہا تھا:

یاللرجال لعظم هول مصیبة	فدحت فلیس مصابها بالهازل
الشمس کاسفة لفقد امامنا	خیر الخلائق والامام العادل
یاخیر من رکب المطی ومن مشی	فوق التراب لحتف اوناعل
حاشا النبی لقد هدت قواءنا	فالحق اصبح خاضعا للباطل

اے لوگو! کتنی سخت مصیبت ٹوٹ پڑی یہ مصیبت کوئی ایسی ویسی نہیں۔

ہمارے امام کے آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کی وجہ سے آفتاب کو گہن لگ گیا ایسا امام جو بہترین خلائق اور امام عادل تھا۔

اے بہترین ان تمام لوگوں سے جو سوار ہوئے اور پیدل چلے ہماری طاقتیں ختم ہو کر رہ گئیں اور حق باطل کے آگے سرنگوں ہو گیا۔"

ان اشعار سے معاویہ کے دل پر بڑی چوٹ لگی بولے "خدا تمہیں ہلاک کرے دختر صفوان تم نے کسی کہنے والے کے لیے کچھ کہنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی۔ بتاؤ تمہاری حاجت کیا ہے؟ کس لیے آنا ہوا؟

ام البراء اس ذلت و اہانت کے سلوک سے برداشتہ خاطر ہو چکی تھیں انہوں نے زبان سے عرض مدعا کرنا مناسب نہ سمجھا اور بولیں۔

"ان تمام باتوں کے بعد میں آپ سے کسی چیز کا سوال نہیں کرنا چاہتی۔"

جب یہ اٹھ کر دربار سے جانے لگیں تو ٹھوکر لگی سنبھل کر فرمایا۔ خدا دشمن علیؑ کو برباد کرے۔ (بلاغات النساء ص ۷۵ وصبح الاعشیٰ)

۶۔ بکارۃ الہلالیہ

یہ معظمہ بھی معزز و محترم خاتون اور ان عورتوں میں سے تھیں جو دلیری و بے خوفی کا مجسمہ اور فصاحت و بلاغت کا نمونہ تھیں۔ جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کے مددگاروں میں سے تھیں انہوں نے بھی بہت سی جوشیلی تقریریں کی تھیں اور اپنی ان تقریروں میں لشکر والوں کو غیرت دلائی۔ امیر المومنینؑ کی نصرت پر ابھارا اور معاویہ سے جنگ کرنے کی ترغیب دی۔ معاویہ کے زمانہ حکومت میں یہ بھی دربار دمشق میں آئیں بہت بوڑھی اور لاغر ہو چکی تھیں۔ دو نوکر تھے جن پر سہارا کیے ہوئے تھیں۔ ہاتھ میں عصا تھا۔ انہوں نے معاویہ کو سلام کیا۔ معاویہ نے کشادہ دلی سے جواب سلام دے کر بیٹھنے کی اجازت دی۔ حاشیہ نشینوں میں مروان بن حکم اور عمرو عاص بھی موجود تھے۔ مروان نے انہیں پہچان لیا اور کہا۔

مروان: حضور آپ انہیں پہچانتے ہیں؟

معاویہ: کون ہیں یہ؟

مروان: یہ وہی ہیں جو جنگ صفین میں لوگوں کو ہم لوگوں کے خلاف ابھارتی تھیں۔ انہیں نے یہ اشعار کہے تھے۔

یازید دونك فاستثر من دارنا — سیفا جساما فی التراب دفینا

قد کانا مذخورا لکل عظیمة — فالیوم ابرزة الزمان مصونا

اے زید دیکھو گھر کے اندر زمین سے شمشیر براں کھود کر نکال لو۔

یہ تلوار ہر بڑی مصیبت کے لیے ذخیرہ کر کے رکھی گئی تھی آج کے دن زمانہ سے اسے ہر طرح محفوظ برآمد کر دیا ہے۔

عمرو عاص نے کہا۔ حضور انہیں نے یہ اشعار بھی کہے تھے۔

تری ابن هند للخلافة مالکا — هیهات ذاك واما اراد بعید

منتك نفسك فی الخلاء ضلالة — اغراك عمرو للشقاء وسعید

فارجع بانکد طائر بنحوسها　　لاقت علیا اسعد و سعود

کیا تم سمجھتے ہو کہ معاویہ خلافت پر قابض ہو جائیں گے ناممکن ہے معاویہ جو چاہتے ہیں وہ کبھی نہ ہوگا۔
معاویہ تمہارے نفس کو گمراہی نے تنہائی میں مبتلائے حرص و آزار کیا اور عمرو بن عاص اور سعید بن عاص نے بد بختی پر ابھارا۔

تم اپنے منحوس پرندے کو اس کی نحوست سمیت لے کر پلٹ جاؤ نیک ستارے علیؑ سے مل چکے ہیں۔
سعید نے کہا حضور انہیں نے یہ اشعار بھی کہے تھے۔

قد کنت أمل ان اموت ولا اری　　فوق المنا برمن امیة خاطبا
فالله اخر مدتی فتطاولت　　حتی رایت من الزمان عجائبا
فی کل یوم لایزال خطیبهم　　وسط الجموع لآل احمد عائبا

میں اس دن کی تمنا کیا کرتی تھی کہ مرجاؤں مگر بنی امیہ میں سے کسی آدمی کو منبر پر خطبہ پڑھتے نہ دیکھوں۔
مگر اللہ نے میری زندگی اتنی بڑھادی کہ اب میں زمانہ کی عجیب عجیب باتیں دیکھ رہی ہوں۔
ہر دن بھرے مجمع میں ان کا مقرر اپنی تقریر میں آل محمدؐ پر عیب لگاتا ہے۔
بکارہ الہلالیہ نے معاویہ سے کہا۔
"آپ کے کتے مجھ پر خوب بھونکے اور پوری یورش کرتے ہیں۔ حیرت کی زیادتی کے سبب بولنے کا یارا کمزور پڑ گیا۔ آنکھوں تلے دھند چھا گئی خدا کی قسم ان لوگوں نے جتنے اشعار پڑھے ہیں وہ سب میں نے ہی کہے ہیں جھٹلانا نہیں چاہتی۔ آپ جو کچھ کرنا چاہیں کریں۔ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کے بعد اب زندگی میں مزا نہ رہا۔

(بلاغت النساء ص ۳۴ عقد الفرید)

۷۔ اروی بنت الحارث

یہ معظمہ جناب عبدالمطلب کی پوتی حضرت رسول خداؐ کی چچا زاد بہن اور آپ کی صحابیہ تھیں۔ اپنے وقت کے خواتین کی سید و سردار اور شجاعت و بہادری فصاحت و بلاغت کے زیوروں سے پوری طرح آراستہ تھیں۔ جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کے لشکر میں زبانی جہاد کے بڑے معرکے انجام دیے تھے ان کے بارے میں صاحب کتاب ثمرات

الاوراق لکھتے ہیں۔

کانت اغلظ الوافدات علی معاویة عطابا۔

معاویہ کے دربار میں جو عورتیں لائی گئیں ان میں معاویہ کے لیے سب سے زیادہ سخت و شدید یہی معظمہ تھیں۔ جب یہ دربار میں پہنچیں تو معاویہ نے فرط مسرت سے کہا۔

معاویہ: آپ بھی آخر میں یہاں تشریف لائیں۔ خالہ جان بتایئے تو کہ ہماری مخالفت کرنے کے بعد آپ کا کیا حال ہوا کیسی گزرتی ہے اور مزاج کیسا ہے؟

اروی: میں تو خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھی ہوں مگر تمہارے متعلق البتہ افسوس ہوتا ہے کہ تم نے کفران نعمت کیا اور اپنے ابن عم کی صحبت کا تم نے برا استعمال کیا اور وہ نام (خلیفہ) اپنے لیے اختیار کیا جو تمہارا نام نہ تھا نہ تم اس کے سزاوار تھے اور اس چیز (خلافت) پر تم نے قبضہ کرلیا۔ جس پر تمہارا کوئی حق نہیں اسلام میں نہ تو تم ہی نے کوئی سختی جھیلی نہ تمہارے باپ نے بلکہ تم لوگوں نے پہلے رسولؐ کی رسالت ہی سے انکار کیا مگر خداوند عالم نے تمہارے نصیبے خراب کیے اور تمہارے چہروں کو خاک آلود کیا اور حق حقدار کی طرف پلٹ کر رہا اور خدا ہی کی بات اونچی رہی اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیؐ ہی اپنے دشمنوں پر مظفر و منصور رہے اگر چہ مشرکین جلتے ہی رہے۔ تو ہم اہلبیت پیغمبرؐ دین میں بلحاظ قدر و منزلت اور نصیبہ اور قسمت کے تمام لوگوں سے بزرگ و برتر رہے یہاں تک کہ خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو اپنے پاس اٹھا لیا ان کے درجہ کو بلند کر کے اور بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ مگر اب ان کے انتقال کے بعد تم لوگوں کے سامنے ہم لوگوں کی وہی حالت ہوگئی جو فرعون والوں میں بنی اسرائیل کی ہوئی تھی فرعون والے ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے۔

اور پیغمبرؐ کے ابن عم حضرت امیر المومنینؑ تم لوگوں میں بعد پیغمبر ایسے ہی ہو گئے جیسے جناب ہارون جناب موسیٰؑ کی قوم میں تھے کہ ہارونؑ کی فریاد تھی یا ابن ام ان القوم استضعفونی و کادوا ان یقتلو ننی۔ اے بھائی قوم والوں نے مجھے کمزور سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد ہمارا شیرازہ پھر مجتمع نہ ہو سکا نہ کوئی دشواری ہمارے لیے آسان ہو سکی ہمارا انجام جنت ہے اور تمہارا جہنم۔"

عمرو عاص اس وقت موجود تھے اروی کی گفتگو سے ان کے ہوش اڑ گئے کہنے لگے۔

"اے گمراہ بوڑھی عورت اپنی باتیں کم کر کہاں تک بکتی جائے گی۔

اروی: تم کون ہو؟

عمرو عاص: میں عمرو عاص ہوں۔

اروئی: اے نابغہ کے بچے تمہاری بھی یہ مجال کہ تم مجھ سے ہم کلام ہو تم چپکے ہی بیٹھے رہو اور اپنے کام سے کام رکھو خدا کی قسم قریش میں نہ تو تیری ماں کو کوئی حسب حاصل تھا نہ اس کی کوئی منزلت و توقیر تھی۔ تمہارے باپ ہونے کا دعوئی چھ شخصوں نے کیا ہر شخص مدعی تھا کہ وہی تمہارا باپ ہے میں نے حج کے زمانہ میں مقام منیٰ میں تیری ماں کو ہر بدکار غلام کے ساتھ پھرتے دیکھا ہے۔ تو تم انہیں غلاموں کی طرح رہو کہ انہیں سے تم مشابہ ہو۔ مروان بھی وہاں موجود تھا اس نے کہا۔

''ارے گمراہ عورت تیری آنکھوں کی روشنی جاتی رہی اسی کے ساتھ عقل بھی رخصت ہوگئی ہے جس کی وجہ سے کسی معاملہ میں تیری گواہی بھی جائز نہیں۔

اروئی نے کہا۔

''صاحبزادے تم کیا بول رہے ہو تم حکم کی بہ نسبت سفیان بن حارث بن کلدہ سے زیادہ مشابہ ہو تم آنکھوں کے نیلے پن بالوں کی سرخی میں اس سے ملتے جلتے ہو اسی کے ساتھ تمہاری قامت بھی کوتاہ ہے اور کریہ المنظر بھی ہو۔ میں نے حکم کو بھی دیکھا تھا کہ طویل القامت ضعیف و حقیر اور پراگندہ مو تھا۔ تم میں اور اس میں ایسی ہی مشابہت ہے جیسے گھوڑے اور گدھے میں جی چاہے تو اپنی ماں سے جا کر پوچھ لو۔

پھر اروئی نے معاویہ کی طرف مڑ کر کہا۔

''خدا کی قسم ان لوگوں کو تم نے ہی اس قدر شوخ اور گستاخ بنا دیا ہے اور تم ہی نے انہیں جرأت دلائی ہے کہ مجھ سے بدزبانی کریں۔ تمہیں یاد ہے کہ تمہاری ہی ماں ہند نے بروز جنگ احد حمزہ کی شہادت پر یہ اشعار کہے تھے۔

نحن جزيناكم يوم بدر — والحرب يوم الحرب ذات سعر

ماكان عن عتبة لى من صبر — ابى وامى واخى وصهرى

شفيت وحشى غليل صدرى — شفيت نفسى وفضيلت نذرى

فشكر وحشى على عمرى — حتى تغيب اعظمى فى قبرى

ہم نے تم لوگوں سے جنگ بدر کا پورا پورا بدلہ لے لیا اور ایک لڑائی کے بعد دوسری لڑائی آگ بھڑکانے والی ہوتی ہی ہے۔ عتبہ کی ہلاکت پر مجھے صبر تو ہو ہی نہیں سکتا، نہ اس پر نہ اپنے باپ اپنے چچا اور اپنے داماد پہ۔

اے وحشی (قاتل حمزہ) تو نے میرے سینہ کی آگ بجھا دی میرا جی ٹھنڈا کر دیا اور میری نذر پوری کر دی۔

تو اب زندگی بھر وحشی کا شکر ادا کرتے رہنا میرا فریضہ ہوگیا یہاں تک کہ میری ہڈیاں قبر میں پوشیدہ ہو جائیں۔

تو میں نے تیری ماں کے ان اشعار کا جواب دیا تھا۔

یا بنت رقاع عظیم الکفر خزیت فی بدر و غیر بدر
صبحك الله قبیل الفجر بالهاشمیین الطول الذهر
هتك وحشی حجاب الستر ماللبغا یا بعدها من فخر

اے ہند اے بڑے کفر والے سرکش کی بیٹی تو ہمیشہ ذلیل وخوار رہے گی جنگ بدر میں بھی اور دوسری جنگوں میں بھی۔

سپیدہ سحر نمودار ہوتے ہی خدا ہاشمیوں سے تیرا سامنا کرائے گا جو دراز قامت اور تابندہ رخ ہیں۔
وحشی نے پردہ دری کر دی جن بدکار عورتوں کے لیے ان کے لیے کوئی فخر کی گنجائش نہیں۔"
معاویہ بدحواس ہو گئے اور عمرو عاص اور مروان کی طرف مڑ کر بولے۔
"تم ہی لوگوں نے انہیں بولنے کا موقع دیا ایسی باتیں مجھے سنوائیں جن کا سننا مجھے گوارا نہ تھا"
پھر اروی کی طرف مڑ کر کہا۔
آپ اپنی ضرورت بیان کریں عورتوں کی باتیں جانے دیں۔
پھر اس نے دو شعر پڑھے۔

ابا الشهد المزعفر یا ابن هند نبیع علیك احسابا ودینا
معاذ الله کیف یکون هذا وملینا امیر المومنینا

زعفرانی شہد کے عوض اے فرزند ہند ہم اپنی خاندانی شرافت اور اپنی دینداری تمہارے ہاتھ بیچ ڈالیں؟
خدا کی پناہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے درانحالیکہ ہمارے حاکم امیر المومنینؑ ہیں (الکنی والالقاب ج ۱ ص ۸)

۸۔ عکرشہ بنت الاطرش

یہ معظمہ بھی عرب کی خواتین میں بڑی جلیل القدر خاتون دلیری و بے خوفی اور قوت تقریر میں مشہور عالم تھیں۔
جنگ صفین میں انہوں نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے امیر المومنینؑ کی حمایت اور معاویہ کی مخالفت میں بڑی جوشیلی تقریریں کیں۔ قسمت نے انہیں یہ دن بھی دکھلایا کہ معاویہ پورے مملکت اسلامیہ کے مالک بن بیٹھے اور انہیں دربار میں

آنا پڑا اور اس طرح سلام کرنا پڑا جس طرح امیر المومنین کو سلام کیا کرتی تھیں۔ معاویہ کے دل میں صفین کی یاد تازہ ہوگئی اور بولے۔

معاویہ: اب تو میں امیر المومنین ہو ہی گیا۔

عکرشہ: جی ہاں کیونکہ اب علیؑ زندہ نہیں رہے۔

معاویہ خاموش نہیں رہے انہوں نے صفین کی باتیں چھیڑ دیں اور بولے۔

کیا تم وہی نہیں ہو جنگ صفین میں عمامہ کی طرح سر پر کپڑا لپیٹے جس کے دونوں سرے ادھر ادھر لٹکے ہوئے تھے۔ کمر کسے ہوئے اور تلوار کی نیام پر سہارا لیے دونوں صفوں کے درمیان کھڑی تھیں اور یہ تقریر کر رہی تھیں!

''اے لوگو تم اپنے نفس کی خبر لو۔ اگر تم نے جنت کی راہ پالی تو گمراہ انسان تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور جو جنت کا ساکن ہوگا وہ کبھی نہ تو اس سے نکلے گا اور نہ کبھی رنجیدہ و مغموم ہوگا تم اس جنت کو خرید لو اس دار دنیا کے عوض جس کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی نہیں نہ جس کے آلام ختم ہونے والے ہیں۔ تم دور اندیش جماعت بنو۔ دیکھو معاویہ تم پر عرب کے ان اوباشوں کو لے کر چڑھ دوڑے ہیں جو نہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان کیا ہے نہ یہ جانتے ہیں کہ حکمت کیا ہے۔ معاویہ نے انہیں دنیا کی لالچ دی اور وہ دوڑ پڑے۔ باطل کی طرف بلایا اور وہ چل کھڑے ہوئے بزرگان خدا اللہ سے ڈرو اور اس کے دین کا خیال کرو۔ خبردار تم میں سستی نہ آنے پائے کہ اس طرح اسلام کی رسی ٹوٹ جائے گی اور ایمان کا نور بجھ جائے گا سنت زائل اور باطل غالب آجائے گا یہ جنگ بدر صغریٰ ہے یہ دوسرا واقعہ عقبہ ہے۔ اے گروہ مہاجرین وانصار پوری دینی بصیرت کے ساتھ ان شامیوں سے جنگ کرو اور اپنے عزم و ارادہ پر ثابت قدمی سے جمے رہو۔ مجھے تو آنے والے کل کا یہ منظر دکھائی دے رہا ہے کہ تم نے جنگ صفین میں ان شامیوں کو اس طرح پایا جیسے وہ گدھے خچر اور گائیں ہوں جو چیخیں چلائیں اور لید کریں.....''

معاویہ عکرشہ کی جب یہ تقریر دہرا چکے تو غصہ میں بھر کر بولے۔

''خدا کی قسم اگر قضا و قدر الٰہی نہ ہوتی اور اسے یہ پسند نہ ہوتا کہ یہ حکومت ہمارے ہاتھوں میں آئے تو تمہاری تقریر کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دونوں لشکر مجھ پر ٹوٹ پڑیں۔ کس چیز نے آخر تمہیں اس پر آمادہ کیا۔

عکرشہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''عقل مند جب کوئی بات ناپسند کرتا ہے تو پھر اسے دہراتا نہیں۔''

معاویہ: ٹھیک ہے اچھا بتاؤ کس غرض سے تمہارا آنا ہوا۔

(بلاغات النساء ص ۷۰ عقد الفرید جلد ۱ ص ۲۱۵ صبح الاعشیٰ)

۹۔ دارمیہ حجونیہ

یہ معظمہ بھی وہ نیکوکار خاتون تھیں جن کی فصاحت و بلاغت دلیری و بے باکی اور محبت امیر المومنینؑ سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا۔ معاویہ اپنے زمانہ حکومت میں حج کے ارادہ سے جب مکہ معظمہ آئے تو بنی کنانہ کی اس خاتون دارمیہ حجونیہ کے متعلق پوچھا کہ آج کل کہاں ہیں۔ یہ دارمیہ حجونیہ سیاہ رنگ کی لیم وشحیم خاتون تھیں لوگوں نے بتایا کہ وہ زندہ ہیں معاویہ نے پیادہ بھیج کر طلب کیا جب وہ آئیں تو پوچھا۔

معاویہ: اے حام کی بیٹی کیسے آنا ہوا (جناب نوح پیغمبر کے تین فرزند تھے حام وسام و یافث دنیا انہیں تین کی نسل سے ہے سیاہ رنگ کی قومیں حام کی نسل، سے ہیں معاویہ نے ان کی کالی رنگت پر طنز کرتے ہوئے انہیں دختر حام کہا۔)

دارمیہ: اگر از راہ استہزا تم مجھے حام کی بیٹی کہتے ہو تو میں حام کی نسل سے نہیں ہوں میں تو قبیلہ کنانہ کی ایک عورت ہوں۔

معاویہ: سچ کہتی ہو۔ اچھا یہ جانتی ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟

دارمیہ: غیب کی باتیں تو بس اللہ ہی جانتا ہے۔

معاویہ: میں نے تمہیں یہ پوچھنے کے لیے بلایا ہے کہ آخر تم علیؑ سے اتنی محبت کیوں کرتی تھیں اور مجھ سے اتنی عداوت تمہیں کیوں تھی؟

دارمیہ: اس سوال کے جواب سے مجھے معاف ہی کر دیتے تو اچھا تھا۔

معاویہ: نہیں یہ نہیں ہوسکتا تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔

دارمیہ: اچھا جب آپ جواب پر مجبور ہی کرتے ہیں تو سنئے میں علیؑ سے اس لیے محبت کرتی تھی کہ وہ رعیت میں عدل و انصاف برتتے تھے اور سب کو برابر دیتے تھے اور آپ کی دشمن اس لیے تھی کہ آپ اس شخص سے برسر پیکار تھے جو آپ سے زیادہ حکومت کا سزاوار تھا۔ اور آپ ایسی چیز کے خواہاں تھے جس کی اہلیت آپ میں قطعاً نہ تھی۔ میں علیؑ کی اطاعت اس لیے کرتی تھی کہ پیغمبرؐ نے انہیں ہمارا حاکم و امیر مقرر کیا تھا اور علی فقرا و مساکین کو دوست رکھتے تھے اہل دین کی عزت کرتے اور آپ سے دشمنی و بیزاری کی وجہ یہ تھی کہ آپ مسلمانوں کی خوں ریزی کرتے فیصلوں میں ناانصافی برتتے اور اپنی خواہش نفسانی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

معاویہ: اچھا! تو اسی وجہ سے تمہارا پیٹ پھول گیا ہے۔ سینہ بڑھ گیا اور سرین پر گوشت ہوگئی ہے۔

دارمیہ: خدا کی قسم یہ باتیں تو آپ کی اماں جان ہند کی بطور ضرب المثل بولی جاتی تھیں میرے متعلق بالکل نہیں۔

معاویہ: ٹھہرو ٹھہرو ہم نے تو اچھی ہی بات کہی ہے جب عورت کا پیٹ بڑا ہوتا ہے بچہ مکمل ہاتھ پیروں کا پیدا ہوتا ہے جب سینہ بڑا ہوتا ہے تو بچہ کو دودھ پورا پورا پلاتی ہے۔ اور جب سرین پر گوشت ہوتے ہیں تو اس کی نشست خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

معاویہ: اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی علیؑ کی زیارت بھی کی ہے؟

دارمیہ: ہاں ہاں خدا کی قسم میں نے انہیں دیکھا ہے۔

معاویہ: انہیں کیسا دیکھا؟

دارمیہ: میں نے خدا کی قسم انہیں اس طرح دیکھا کہ حکومت نے انہیں سرگشتہ نہیں کیا جیسا کہ آپ حکومت کے نشہ میں سرگشتہ ہو رہے ہیں اور نہ منصب خلافت نے انہیں ایسا بے خود بنا دیا تھا جیسا کہ آپ آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔

معاویہ: تم نے اُن کی گفتگو بھی کبھی سنی؟

دارمیہ: ہاں خدا کی قسم وہ اپنی باتوں سے دل کی تاریکیوں کو یوں روشن کر دیتے تھے جیسے قلعی برتن کو چمکا دیتی ہے۔

معاویہ: سچ کہتی ہو اچھا بتاؤ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟

دارمیہ نے اپنی حاجت بیان کی۔

معاویہ نے پوچھا اگر میں تمہاری حاجت پوری کردوں تو علیؑ ہی کے اتنا مجھے بھی مانو گی؟

دارمیہ نے برجستہ کہا علیؑ کی بات تمہیں کہاں نصیب۔

معاویہ نے اُن کا کام کر دیا اور کہا خدا کی قسم اگر علیؑ زندہ ہوتے تو کبھی تمہیں اتنا مال نہ دیتے۔

دارمیہ: سچ کہتے ہو علیؑ ہرگز نہ دیتے وہ مسلمانوں کے مال سے ایک درہم بھی کسی کو ناجائز نہیں دیتے تھے۔

(بلاغات النساء ص ۷۳ عقد فرید ج ۱ ص ۲۱۶)

۱۰۔ جناب فضہ رضوان اللہ علیہا

گنجینہ علم و معرفت متکلمہ بالقرآن!

شہزادی فضہ وہ محترم و مخدوم خاتون جنہوں نے حضرت محمد مصطفی ﷺ، خاتون عصمت مخدوم عالم، سیدۂ عالم، خاتون جنت، بضعۃ الرسولؐ، عصمت کبریٰ، نور کی شہزادی، صدیقۂ کبریٰ، المحدثۃ العلیمہ، صدیقہ طاہرہ، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، امیر المومنینؑ مولائے کائنات، مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام، امام حسنؑ اور امام حسین علیہم السلام کے علاوہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور حضرت باقر العلوم امام محمد باقر علیہ السلام کی بارگاہ میں اپنی خدمات انجام دیں اور یہ شرف سات ذوات قدسیہ کی خدمت گزاری کا صرف فضہ رضوان اللہ علیہا کو حاصل ہوا یہ کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہوا اس شرف میں یہ منفرد نظر آتی ہیں جو تاریخ کی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے نتیجتاً ان کے کردار و شخصیت پر بہات معصومین علیہم السلام کی تعلیمات اور فکر و نظر بصارت، عقل و دانش کا گہرا اثر ان کو سونے سے کندن بناتا رہا۔ جس کی دوسری مثال تاریخ اسلام بلکہ تاریخ بشریت پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔

ہمارا سلام ہو جناب فضہ پر!

اگر ہم اپنے دریچۂ فکر کو جناب فضہ کے کارناموں کا تقابل سرکار ختمی مرتبت مولائے متقیانؑ اور دیگر حضرات معصومین علیہم السلام کے انصار و اصحاب اور صحابیات کی طرف مبذول کریں تو ہمیں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ ان کے مراتب و شرف جناب فضہ سے بلند تھے اور واقعاً اس منفرد و بے مثال شخصیت کے عمیق مطالعہ کے بعد یہ ناقابل تردید تاریخی حقیت ظاہر ہو کر سامنے آتی ہے کہ ایک کنیز کی یہ وقعت و فضیلت ہے تو حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طاقت و حرمت، فضیلت و شرف کا مقام کیا ہے جیسا کہ خود مولائے متقیانؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ!

ان امرنا صعب مستصعب لا یحملہ
الا عبد مومن امتحن اللہ قلبہ
الایمان ولا یعی حدیثنا الا صدور
امینۃ واحلام رزینتہ۔

"بلا شبہ ہمارا معاملہ ایک دشوار و مشکل امر ہے۔ جس کا متحمل وہی بندۂ مومن ہوگا کہ جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لیے پرکھ کیا ہو۔ اور ہمارے قول و حدیث کو صرف امانتدار سینے اور ٹھوس اور شائستہ عقلیں ہی محفوظ رکھ سکتی ہیں۔"

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۷۔ صفحہ ۵۰۴۔ مطبوعہ لاہور)

یہ چہاردہ معصومین علیہم السلام بشریت کی وہ منفرد اور بے مثال نورانی پیکر ہیں کہ جن کی عظمت و جلال کے

آگے پوری کائنات سرنگوں نظر آتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی ذات قدسی صفات کے بارے میں فکر بشر ہر دور میں حیراں وسرگرداں نظر آتی ہے۔

حضرات محمدؐ و آل محمدؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"نزلونا عن الربوبیۃ"

یعنی! ہمیں ربوبیت سے نیچے رکھو لیکن آگے ارشاد ہوا کہ!

"واعدوعوا عنا حدود البشریۃ"

ہم سے بشریت کے تقاضے کو دور رکھو۔ پھر جو چاہو ہماری شان میں کہتے رہو۔

نتیجتاً اب نہ سمجھو — اور عام انسان بھی نہ سمجھو حقیقت امر یہ ہے کہ ان حضرات والا صفات کے دہن تو دس سے نکلے ہوئے کلمات اور خطبات میں جو آپ کی جلیل القدر جناب سے منسوب ہیں ایسے ایسے کلمات بکثرت موجود ہیں جن پر اگر تعقل و تفکر اور بصارت و بصیرت سے کام نہ لیا جائے تو قدم قدم پر لغزش کا احتمال ہے جیسا کہ مولا علیؑ نے خود ہی ارشاد فرما دیا ہے کہ!

"امرنا صعب مستصعب"

ہمارا معاملہ بہت مشکل اور دشوار ہے۔

اب حسب معرفت جو جس قدر سمجھا اس نے انہیں ویسے ہی پکارا۔

اس سلسلے میں چند امثال آپ کی ضیافت طبع کے لیے حاضر ہیں۔

برادران اہلسنت کے ایک معروف شاعر محترم ارشاد فرماتے ہیں کہ!

انہیں بے حجاب خدا ملا
انہیں مرتبہ یہ بڑا ملا
انہیں کیا دیا انہیں کیا ملا
جو دیا دیا جو ملا ملا

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، اس طرح گویا ہیں کہ!

غالب ہے نکتہ فہم تصور سے کچھ پرے
ہے عجز بندگی جو علیؑ کو خدا کہوں

ایک فارسی زبان کے شاعر اس طرح سمجھے ہیں کہ!

مقام او فزوں از حد ادراک
کہ اوحد اصل بذات کسر بیا بود

سخن ہائے گفتنی کا ایک بحر بیکراں ہمارے ذہن و جدان میں موجزن ہے لیکن اس مقام پر مزید گفتگو مناسب نہیں ہے وہ اس لیے کہ ہم جناب فضہ کا ذکر جمیل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جن محترمہ نے نصف چہاردہ معصومین علیہم السلام کی خدمات انجام دیں۔ جناب فضہ کی خدمات کا سلسلہ ۶ ہجری سے شروع ہو کر ۸۶ ہجری یا ۸۷ ہجری پر محیط ہے۔ یعنی ان کی حیات کے ۸۰ یا ۸۱ سال کی خدمات سرکار اہلبیت علیہم السلام کا شرف حاصل کیا اور ثانی الزہرا زینب علیا سلام اللہ علیہا کی شہادت کے بعد ۸۶ ہجری یا ۸۷ ہجری کو آپ کا دمشق (شام) میں انتقال ہو گیا۔ مولانا نجم الحسن کراروی کے مطابق جناب فضہؓ کے واصل بحق ہونے کی تاریخ میں کچھ نہیں ملتا۔ لیکن ''خلاصہ المصائب'' میں درج ہدایت کی روشنی میں جناب زینب بنت علی علیہ السلام کی شہادت کے کچھ ہی عرصہ کے بعد آپ کے واصل بحق ہو گئیں اور ملک شام ہی میں دمشق کے قبرستان ''مقبرہ باب صغیر'' میں سپرد خاک ہوئیں۔

انا للہ وانا الیہ الراجعون

عمرِ شریف!

محترمہ کی عمر ایک سو بیس سال بتائی جاتی ہے۔

جناب فاطمہ زہراؑ کی غلام نوازی

جناب سیدہ جو بقول رسولؐ جز و رسالت ہیں اور جن کے بارے میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔ جناب فاطمہ علیؑ کے گھر آ گئیں اور ان نئے انداز سے ہدایت شروع ہو گئی۔ بحرین کا اجتماع تھا اور اس انداز سے ہدایت ہو رہی تھی کہ مردوں کی ہدایت باہر ہوتی رہی اور عورتوں کی ہدایت اندر ہوتی رہی۔ باہر کی ہدایت سے سلمان و قنبر تیار ہوئے اور اندر کی ہدایت سے فضہ تیار ہوئیں۔ ادھر سلمان اتنے تیار ہوئے کہ رسولؐ نے منا اھل البیت کہا۔ ابوذر ایسے تیار ہوئے کہ اصدق الناس کہلائے، اور قنبر ایسے تیار ہوئے کہ علیؑ نے پیار سے بیٹا کہہ دیا۔ مگر فضہ کی تیاری عجب شان کی تھی گویا بحرین کے منہ سے موتی نکل رہے تھے۔ فضہ اس طرح تیار ہوئیں کہ ایک دن رسولؐ دریافت کرتے ہیں فضہ! کہو، کیا حال ہے؟ فضہ نے عرض کی حضور! میرا حال تو یہ ہے کہ مجھ سے بہتر کسی کا حال ہے ہی نہیں۔ رسولؐ نے پوچھا فضہ کیا بہتری دیکھی تو نے۔ عرض کی حضورؐ اس سے بہتر بھی کوئی بات ہو سکتی ہے کہ فاطمہؑ مجھے بہن کہتی ہیں اور میری خوشی میرے دل سے پوچھئے جب میں صبح کو سو کر اٹھتی ہوں تو حسنینؑ اماں کہہ کر سلام کرتے ہیں، زینب مجھے ماں کہہ کر سلام کرتی ہے، اس سے زیادہ مجھے کیا عزت چاہیے۔

درحقیقت غلامی کا صحیح مفہوم جو اسلام نے پیش کیا ہے وہ سیدہ کے گھر سے دستیاب ہوتا ہے۔ اگر فضہ سے پوچھا جائے کہ تمہاری شاہزادی کا تمہارے ساتھ کیا برتاؤ ہے؟ تو اس گھر کی کنیز یہ جواب دے گی کہ ایک دن گھر کا کام میں کرتی ہوں اور ایک دن ملکہ خانہ کرتی ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ حقیقتاً غلامی نہ تھی، وہ لوگ افراد خانہ میں شامل کر لیے جاتے تھے۔

جناب فضہ جنگ خیبر کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ کو عطا فرمایا مگر اس کے ساتھ ہی یہ تاکید کر دی کہ ایک دن فضہ سے کام لینا اور دوسرے دن خود کرنا۔ اور دکھ درد میں اس سے پوری ہمدردی کا برتاؤ کرنا۔ دختر رسولؐ نے پوری زندگی اس نصیحت پر عمل کیا اور فضہ اور اپنے درمیان کام کرنے کے دن مقرر کر لیے۔ ایک دفعہ سرور کائنات خانہ سیدہ میں تشریف لے آئے دیکھا سیدہ گود میں بچے کو لیے چکی پیس رہی ہیں، فرمایا بیٹی ایک کام فضہ کے حوالے کر دو، عرض کی بابا جان! آج فضہ کی باری کا دن نہیں ہے۔ (مناقب ص ۶۴)

ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۸ میں لکھا ہے کہ کانت شاطرۃ الخدمۃ (جناب فضہ جلد جلد کام کرتی تھیں) پھر بھی خاتون جنت نے تمام کام کا بار فضہ پر نہیں ڈالا بلکہ باری مقرر کر دی تھی۔ ایک دن فضہ اور دوسرے دن خود مرسل اعظم کی بیٹی کام کرتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر دو کام ہوتے تھے تو اس میں فضہ کو اختیار ہوتا تھا۔ ایک دن آپ نے فرمایا فضہ یا تو تم آٹا خمیر کر لو میں روٹی پکا لوں یا میں آٹا گوندھ لوں تم روٹی پکا لو۔ فضہ نے عرض کی بی بی میں آٹا بھی گوندھ لوں گی اور چولہا بھی سلگا دوں گی۔

آپ روٹی پکا لیجیے۔ یہ کہہ کر جناب فضہ ایندھن کا انتظام کرنے لگیں لیکن لکڑیوں کا بوجھ اٹھ نہ سکا تو آپ نے وہ دعا پڑھنی شروع کی جو خود آنحضرتؐ نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی۔ تاثیر دعا سے ایک اعرابی ظاہر ہوا جو قبیلہ ازد کا معلوم ہوتا تھا، وہ باب فاطمہ تک لکڑیاں پہنچا گیا۔

امام رضا علیہ السلام نے اپنے آباء کرامؑ سے اور انہوں نے حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے کہ اسماء بنت عمیس نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں آپ کی جدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ جناب رسولؐ خدا تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ کے گلے میں ایک سونے کا طوق (نیکلس) تھا جسے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے مال فئے کے حصے سے آپ کے لیے خریدا تھا، آنحضرتؐ نے دیکھا تو فرمایا بیٹی! اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمدؐ کی بیٹی بھی اب شاہانہ لباس پہننے لگی یہ سن کر حضرت فاطمہ زہراؑ نے وہ طوق اتار کر فروخت کر دیا، پھر اس کی قیمت سے ایک کنیز خریدی اور اسے آزاد کر دیا اس پر رسولؐ خدا بہت مسرور ہوئے۔ (صحیفۃ الرضاؑ ترجمہ بحار الانوار ص ۸۱)

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ جناب رسولؐ خدا جناب فاطمہؑ کے گھر گئے، دیکھا کہ ایک پردہ رنگین دروازے پر لٹکا ہوا ہے اور حضرت فاطمہؑ کے ہاتھ میں چاندی کے دو کنگن ہیں ایک روایت میں ہے کہ گلے میں چاندی کی ایک زنجیر تھی۔ آپ یہ دیکھتے ہی واپس چلے گئے۔ جناب فاطمہؑ کو بہت ملال ہوا جب پیغمبرؐ اسلام کے واپس چلے جانے کی وجہ معلوم ہوئی تو آپ نے وہ دونوں چیزیں فروخت کر کے قیمت جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں بھجوادی اور آنحضرتؐ نے اس کو اصحاب صفہ کے اوپر خرچ کیا۔

ایک روایت ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ان کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا۔ جب آنحضرتؐ کو یہ معلوم ہوا تو آپ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا سب تعریف خدا کے لیے ہے جس نے فاطمہؑ کو نار جہنم سے نجات دی۔ (اعیان الشیعہ ۴۳۱)

(مولف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے)

جناب فضہ کا نام ونسب

محترمہ کا اسم گرامی میمونہ تھا، لیکن پیغمبرؐ اسلام نے آپ کا نام فضہ پسند فرمایا۔ جس کا مطلب چاندی کے ہیں۔ مرسلؐ اعظم نے ان کے سیاہ فام ہونے کے باوجود انہیں چاندی کے مماثل بنادیا اور ضمیر کو روشن کردیا۔ یہ ایک لطف وکرم تھا جس سے ان کو سرفراز فرمادیا۔ اس کے اسرار رموز ان کی آیندہ آنے والی حیات سے منعکس ہوتے رہے۔

"انوار العلویہ" کے مولف علامہ شیخ جعفر بن محمد جعفر نزادی، اپنی گراں قدر کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ!

"دعي كانت بنت ملك من ملوك الحبشة"

وہ حبشہ کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں۔

(انوار العلویہ، ص ۱۰۴ طبع نجف اشرف)

کچھ اہل تاریخ کے مطابق آپ کا تعلق قبیلہ نوبیہ سے تھا اسی لیے نوبیہ حبشی معروف ہیں۔ آپ حبشہ، جو براعظم افریقہ کا ایک ملک ہے مدینہ رسولؐ میں آمد سے قبل یعنی ۶ ہجری سے قبل سکونت پذیر تھیں۔ براعظم افریقہ کا حضرات انبیاء علیہم السلام وائمہ طاہرین اور قبل از دین اسلام سے بہت گہرا تعلق ہے حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہم السلام جیسے اولعزم۔ پیغمبروں نے اپنی حیات طیبہ کا بڑا عرصہ براعظم افریقہ ہی میں گزارا ہے ہمارے پیغمبرؐ اسلام کی جدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضوان اللہ علیہا بھی براعظم افریقہ کے ایک مشہور ملک مصر کی شہزادی تھیں۔

حلیہ مبارکہ

جناب فضہؑ دراز قد وقامت کی حامل تھیں، آپ کا رنگ مہکتا ہوا گندمی، بڑی بڑی آنکھیں اور بڑی بصارت و

بصیرت کی خاتون تھیں۔

جیسا کہ عرض خدمت کیا گیا کہ رسولؐ اللہ نے اپنی وحی ترجمان زبان اقدس سے آپ کا اسم گرامی فضہ تجویز فرمایا تھا اور یہ حتمی امر ہے مرسلؐ اعظم جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ حکم پروردگار کے تحت گویا ہوتے ہیں یعنی!

بقول شاعر محترم!

جو کہہ رہے ہیں آپ وہی کہہ رہے ہیں ہم

یعنی ہمارے منہ میں ہماری زبان نہیں۔

یہ ایک عظیم سانحہ ہے کہ موجود کتب تاریخ ۴ ہجری یعنی جناب فضہ کے مدینہ رسولؐ میں آمد سے قبل کے حالات زندگی کے بارے میں مہر بہ لب ہے کیوں کہ تاریخ کے بدترین وسیاہ دور میں لاتعداد اور لاکھوں کتب خانے عیست ونابود کردیے گئے جو ایک عظیم المیہ ہے اور ایک الگ ہی عنوان ہے جس کی تفصیلات کا یہ محل نہیں ہے۔ صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ!

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفویؐ سے چراغ ....

اہل خبر جانتے ہیں کہ کتب تاریخ کا کیا ذکر کلام خدا اور حدیث نبویؐ کا ایک عظیم ذخیرہ مسلمانوں ہی کے دور میں نذر آتش کردیا گیا تھا۔

بہر حال ہمارا موضوع جناب فضہ کا ذکر جمیل ہے توجہ فرمایئے!

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر آپ کی وطن مالوف یعنی براعظم کے مختصراً کچھ کوائف زیر قلم لائے جائیں جو تاریخ کا ایک حصہ ہیں ملاحظہ فرمایئے!

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ براعظم افریقہ کا قبل از دین اسلام اور اسلام کے طلوع کے بعد بھی بہت گہرا تعلق رہا ہے چنانچہ پہلی ہجرت مکہ سے بعض مسلمانوں کو جناب جعفر طیار علیہ الرحمہ کی سرکردگی میں پیغمبرؐ اسلام نے مکہ مکرمہ سے ملک حبش (براعظم افریقہ) روانہ فرمادیا۔ وہاں اس وقت کے بادشاہ نے ان مظلوم مسلمانوں کو پناہ دی اور کفار قریش کی ریشہ دوانیوں کو مسترد کردیا جو کہ مکہ سے جاکر شاہ حبش کو مسلمانوں سے بدظن کرنا چاہتے تھے۔

اللہ کے رسولؐ کی ایک زوجہ ماریہ قبطیہ افریقہ کی رہنے والی تھیں۔ آپ افریقہ کے مشہور قبیلہ نوبہ سے تھیں اور رسولؐ خدا کو گود میں کھلانے والی ام ایمن (برکہ) افریقہ ہی کی رہنے والی تھیں۔ ان کے ایک بیٹے ایمن جنگ خیبر میں شہید ہوئے۔ ان کے دوسرے بیٹے اسامہ بن زید تھے جن کو رسولؐ نے اپنی زندگی میں ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار بنادیا

تھا جس میں بڑے بڑے صحابی شامل تھے اور آپ کے ایک خاص صحابی اور موذن حضرت بلال بھی افریقہ کے باشندے تھے۔ بلال اسلام کے پہلے موذن تھے۔ اور جون حبشی جن کو نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کی معیت میں شہادت کا شرف حاصل ہوا، ان کا وطن بھی افریقہ ہی تھا۔ (ان سب کا تذکرہ کتاب ہذا کا پچھلے صفحات میں مفصل ہو چکا ہے مولف)

آج بھی افریقہ میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔ شمالی افریقہ میں مصر، سوڈان، طرابلس، تیونس، الجزائر اور مراقش خاص اسلامی ملک ہیں۔ مغربی افریقہ میں گنی اور نائجیریا میں مسلمانوں کی حکومت ہے۔ مشرقی افریقہ میں صمالیہ اور زنجبار میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں۔ مشرقی افریقہ کے ممالک ٹانزانیہ، کینیا اور یوگنڈا میں کافی شیعہ اثنا عشری آباد ہیں۔ شمالی افریقہ کا سب سے اہم ملک مصر ہے۔ آج سے ہزاروں سال پہلے مصر کے بادشاہوں کو فرعون کہتے تھے۔ حضرت موسیٰ نے ایک فرعون ہی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ مصر کی راجدھانی قاہرہ ہے۔ یہ اسلامی دنیا کا بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں کی سب سے پرانی یونیورسٹی الازہر موجود ہے جو ایک ہزار سال سے علم کا گہوارہ بنی ہوئی ہے۔ قاہرہ میں راس الحسینؑ نام کی ایک عمارت ہے جہاں ہزاروں مصری جمع ہو کر امام حسینؑ سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ مصر کے جنوب میں سوڈان ہے۔ یہ بھی ایک آزاد اسلامی ملک ہے۔ مصر اور سوڈان میں دریائے نیل بہتا ہے۔ یہ وہی دریا ہے جس پر حضرت موسیٰ نے عصا مارا تھا تو دریا کا پانی پھٹ گیا تھا اور حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل گئے تھے۔ اسلامی تاریخ میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے۔

مصر کے مغرب میں لیبیا ہے جہاں سنوسی عربوں کی حکومت ہے۔ لیبیا سے مغرب کی سمت میں تیونس ہے۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ ہے اور اب وہاں بھی ایک آزاد اسلامی حکومت قائم ہے۔ تیونس کے مغرب میں الجزائر ہے جو اپنی پیداوار اور معدنیات کے لیے مشہور ہے۔ الجزائر کے مغرب میں مراقش ہے جہاں ایک آزاد مسلمان سلطان کی حکومت ہے۔ مراقش سے ہی مسلمانوں نے پہلی بار یورپ پر حملہ کیا تھا اور اسپین پر قبضہ کر لیا تھا جہاں صدیوں تک مسلمان حکومت کرتے رہے۔ شمالی افریقہ کی طرح مغربی اور وسطی افریقہ کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مغربی افریقہ میں نائجیریا اور گنی کی آزاد حکومتیں قائم ہیں۔ صحارا، مالی اور کانگو کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

مشرقی افریقہ میں مسلمانوں کی ایک قدیم ریاست زنجبار تھی۔ لیکن ماضی قریب میں ٹانگانیکا اور زنجبار کا ادغام عمل میں لا کر ٹانزانیہ ایک ملک افریقہ کے جغرافیہ میں وجود میں آیا ہے۔ یہاں ماضی بعید میں شیعہ مسلمانوں کی آبادی کثرت سے تھی۔ لہٰذا کئی مساجد اور امام بارگاہیں وجود میں تھے لیکن اب شیعہ حضرات کی بڑی تعداد ہجرت کر کے دارالسلام اور ممباسہ میں مقیم ہے لیکن ٹانزانیہ بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے اور اس ملک میں جگہ جگہ شیعہ اثنا عشری بھی آباد ہیں۔ ٹانزانیہ کے دارالحکومت دارالسلام میں بھی بہت بڑی تعداد میں مساجد اور امام بارگاہیں موجود ہیں اور ایک کثیر

تعداد میں شیعہ اثنا عشری آباد ہیں اور بہت بڑی شیعہ جامع مسجد اور امام بارگاہ موجود ہیں۔

تانزانیہ کے دوسرے تمام بڑے شہروں عروشہ، موشی، تانگا، موانزواہ، سونگیا، لینڈی اور بکوبا وغیرہ میں بھی شیعہ مساجد اور امام بارگاہیں موجود ہیں اور ان میں نماز جماعت و مجالس عزا اور محافل کا انعقاد بڑے پیمانے پر ہوتے ہیں۔

کینیا میں نیروبی اور ممباسہ کے شہروں میں شیعہ اثنا عشری بڑی تعداد میں آباد ہیں اور یہاں تبلیغ دین اسلام کا کام اطمینان بخش ہے۔

یوگنڈا میں البتہ اب شیعہ اثنا عشری اقلیت میں قیام پذیر ہیں۔

براعظم افریقہ میں اسلامی اثر نفوذ کی نمایاں شناخت عربی زبان ہے جو تقریر و تحریر میں پائی جاتی ہے اور مشرقی افریقہ کی ساحلی پٹی میں لاتعداد عربی الفاظ مشتمل ہیں مشرقی افریقہ میں۔ شیعہ اثنا عشری آبادی۔ (۱) صومالیہ۔ (۲) تانزانیہ۔ (۳) کینیا۔ (۴) یوگنڈا (۵) کانگو اور (۶) مڈاگاسکر میں مقیم ہے۔

۶ ہجری تا ۲۲ ہجری جناب فضہؓ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت پر معمور رہیں یہ پیغمبرؐ اسلام کی عنایت خاص اور حکم رسولؐ کے عین مطابق عمل تھا، رسولؐ اللہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

"بیٹی تم نے جو مجھ سے فرمائش کی تھی وہ اس وقت تو پوری نہ کر سکا لیکن اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کنیز بھیج دی ہے لہٰذا میں تمہاری فرمائش پوری کر رہا ہوں، یہ فضہؓ اب تمہاری کنیز ہیں۔" (ترجمہ بالمعنی)

۱۱ ہجری میں جناب فضہؓ سن بلوغت میں داخل ہو چکی تھیں۔

جناب فضہ کی مناکحت

خاتون جنت جناب فاطمہ زہرا سلام علیہا کی ۱۱ ہجری میں شہادت کے بعد مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جناب فضہؓ سے شادی کے سلسلے میں رائے دریافت کی کیونکہ وہ نوجوان تھیں۔ جناب فضہؓ کے اقرار پر آپ نے ایک عربی نسل غلام جس کا نام ابوثعلبہ تھا سے عقد فرمایا اور کنیز ہونے کے باوجود انہیں ضروری اشیاء پر مشتمل جہیز دے کر رخصت فرمایا۔ یہ واقعہ دور خلافت ثانیہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ آپ کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ابوثعلبہ کو مختصر زندگی عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے اس کا شادی کے ڈیڑھ سال کے بعد انتقال ہو گیا، ابوثعلبہ کے انتقال کے کچھ عرصہ کے بعد اس کے بیٹے کا بھی انتقال ہو گیا۔ شوہر کے انتقال کے بعد جناب فضہؓ پھر مولا علیہ السلام کے گھر تشریف لے آئیں، اس دوران ایک اعرابی سلیکہ (ابوسلیک غطفانی) نے بی بی فضہؓ سے عقد کی درخواست کی جس کو آپ نے قبول نہ کیا۔ سلیکہ کو بی بی فضہؓ کے جواب سے مایوسی ہوئی اس وجہ سے اس نے خلیفہ وقت حضرت عمرؓ بن خطاب سے شکایت کی، خلیفہ وقت نے جناب فضہؓ کو اپنے دربار میں طلب کر کے انکار کی وجہ دریافت کی، جیسا کہ پہلے

بیان کیا جاچکا ہے ایک طرف تو بی بی فضہ سمجھ دار تھیں دوئم بیت الشرف میں رہنے سے معرفت اہل بیتؑ حاصل رہی جس کے سبب وہ شریعت کے باریک سے باریک نقطے سے بھی آگاہ تھیں۔ آپ نے خلیفہ وقت کے سامنے برملا کہا کہ کیوں کہ میری عدت کا زمانہ ابھی مکمل نہیں ہوا، اب اگر اس کے اختتام سے قبل نکاح ثانی کرلیا جائے تو یہ خلاف شریعت عمل ہوگا۔ اس طرح حمل ہوجانے کی صورت میں یہ فیصلہ کرنا کہ اولا پہلے شوہر کے ترکہ کی وارث قرار پائے گی یا دوسرے شوہر کے ترکہ کی حقدار ہوگی، بہت مشکل ہے۔ خلیفہ وقت کو یہ جواب سن کر بھرے دربار میں کہنا پڑا کہ ابوطالبؑ کے گھر کی کنیز بھی بنی عدی کے عالموں سے کسی قدر کم تر نہیں۔ عدت مکمل کرنے کے بعد جناب فضہؓ کا عقد سلیک سے ہوا۔ عقد کے بعد جناب فضہؓ نے بیت الشرف کی جاروب کشی جاری رکھی اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی خدمت اسی طرح کرتی رہیں جس طرح عقد سے قبل اس گھرانے سے وابستگی کے دوران کرتی رہی تھیں۔ سلیک سے عقد کے بعد آپ کے بطن سے چار بیٹے داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ کے علاوہ ایک بیٹی مسکہ پیدا ہوئے۔ یہ بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ بچوں کی پرورش اس انداز سے کی کہ ہر بچہ اسلام کا سپاہی اور عالم دین بنا۔ مسکہ کی بیٹی شکیلہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بہت بڑی زاہدہ و متقیہ تھی اور یہ سب در بتولؑ سے وابستگی کا نتیجہ ہے۔

وضاحت

ابوالقاسم قشیری کے واقعہ سے بھی یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے چار فرزند (۱) داؤد (۲) محمد (۳) یحییٰ اور (۴) موسیٰ تھے۔

لیکن علامہ نجم الحسن کراروی کا اللہ مصامہ کی تحقیق اور تدقیق کے مطابق ان کی دختر بھی تحریر فرمائی ہے جن کا اسم گرامی مسکہ تھا اس بیٹی کی ایک دختر تھی جس کا نام شہرت تھا بی بی ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے جارہی تھیں لیکن راستہ میں ان کی سواری تھک کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے آسمان کی طرف اپنے چہرے کو کرکے دعا کی کہ خداوندا تو نے مجھے عاجز و مجبور کردیا، اب نہ میں گھر واپس جاسکتی ہوں نہ مکہ مکرمہ پہنچ سکتی ہوں۔

مالک بن دینار روایت بیان کرتا ہے کہ اس کے عرض خدا کرنے کے فوراً بعد ایک بندۂ خدا اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے جنگل کے درختوں سے برآمد ہوا، اور اسے سوار کرا کے مکہ مکرمہ لے گیا۔

اللّٰھم صل علی محمد و ال محمد

(۱) بحارالانوار، سفینۃ البحار۔ جلد ۳۵۲

(۲) مناقب، جلد ۲، ۳

(۳) چودہ ستارے کراروی۔

اسلامی تاریخ جن شخصیتوں پر قیامت تک ناز کرتی رہے گی، ان میں ایک درخشندہ نام جناب فضہؓ کا ہے۔

جنہوں نے شہزادی کونین انسیہ حوراء صدیقہ کبری، حضرت فاطمہ زہرا سلام علیہا کے زیر تربیت ایسی علمی منزلت حاصل کی، اور اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے علوم و فیوض سے اس طرح مالا مال ہوئیں کہ خود ایمان و معرفت کا ایک چراغ بن گئیں، جن سے لوگ ہدایت و رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

اور جب ایک ایسا وقت آیا، جب حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کی صحت یابی کے لیے جناب امیر اور جناب سیدہ نے روزے رکھے، تو جناب فضہ بھی اس عمل میں شریک تھیں۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت:

(وہ لوگ نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیل جانے والی ہے، اور وہ اس (اللہ تعالیٰ) کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)

سورۂ مبارکہ الدھر آیت نمبر ۸، ۷ کے ذیل میں تفسیر صافی میں بحوالہ تفسیر مجمع البیان، ایک طویل روایت پائی جاتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''ایک دفعہ حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام بیمار ہوئے تو حضرت رسول خدا ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے اور جناب امیرؑ سے فرمایا کہ:

''اگر تم، اپنے لڑکوں کی صحت کے واسطے نذر مانتے.....''

یہ سنتے ہی جناب امیرؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور جناب فضہ نے تین تین روزہ رکھنے کی نذر کی۔

جب دونوں صاحبزادے صحت مند ہو گئے اور حضرت امیر المومنینؑ اور جناب سیدہؑ نے روزے رکھے تو جناب فضہؓ نے بھی روزے رکھے۔

اس دن گھر میں افطار کا کوئی سامان نہ تھا، تو جناب امیرؑ کچھ جو بطور قرض لائے، جسے جناب سیدہ نے پیسا اور سب کے افطار کے لیے روٹیاں تیار کیں۔

رات کا وقت ہوا، یہ حضرات کھانا کھانے بیٹھے ہی تھے کہ ایک سائل نے آواز دی:

(اے اہلبیت پیغمبرؐ آپ پر سلام ہو، میں مسکین ہوں، مجھے کھانا دو، خداوند عالم تم لوگوں کو جنت سے خوان نعمت عطا کرے گا)

یہ سنتے ہی سب نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں دے دیں، اور فقط پانی پی کر سو گئے۔

دوسرے دن پھر روزہ رکھا، حسب دستور جناب سیدہؑ نے افراد خانہ کے لیے روٹیاں پکائیں اور کھانے بیٹھے تو ایک یتیم نے آواز دی:

"اے اہلبیت پیغمبرؐ میں یتیم ہوں، مجھے کھانے کو دو"

سب نے اپنی اپنی روٹیاں اس کو دے دیں، اور صرف پانی سے افطار کیا۔ یہاں تک کہ تیسرا دن آیا، دو دن کے فاقوں کے باوجود سب لوگ روزے سے تھے، جناب سیدہ نے افطار کے لیے روٹیاں تیار کیں۔ وقت افطار آیا، سب لوگ کھانے کے لیے بیٹھے تو آج ایک قیدی آیا اور اس نے فریاد بلند کی۔

"اے اہلبیت و پیغمبر، میں قیدی ہوں، بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلاؤ۔"

آج بھی جناب امیرؑ، جناب فاطمہؑ، حسنینؑ اور فضہؓ نے اپنی اپنی روٹیاں اس آنے والے سائل کو دے دیں اور صرف پانی سے افطار کیا۔

جب چوتھے دن حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ اپنے نواسوں کے کمزور جسم پر پڑی، اور بھوک کی شدت ان کے جسم مبارک پر محسوس کی، تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ:

"میں تم لوگوں کو کس تکلیف میں دیکھ رہا ہوں۔"

پھر آپؐ اپنی جگہ سے اٹھے اور جناب امیرؑ کے ساتھ، اپنی نور نظر جناب سیدہؑ کے گھر تشریف لائے تو حضرت فاطمہ زہراؑ کو محراب عبادت میں دیکھا، ان کے جسم مبارک پر بھی بھوک کی شدت کے آثار نمایاں تھے جسے دیکھ کر آپؐ بہت غمزدہ ہوئے۔ اسی وقت جناب جبرئیل امین تشریف لائے اور (سورۂ دہر کی تلاوت کر کے) فرمایا کہ:

اے خدا کے رسول...... مبارک ہو کہ خداوند عالم نے یہ سورہ آپ کے اہلبیت کی شان میں نازل فرمایا ہے۔

نوٹ: روایت ہے کہ یہ تینوں آنے والے خود حضرت جبرئیلؑ تھے اور خوبی اس واقعے کی یہ ہے کہ تینوں بار رٹیاں جناب فضہ کے ہاتھوں بھجوائی گئیں۔ اللہ اکبر اس گھرانے کی کنیز کی عظمت کہ جبرئیلؑ کو خیرات دیتی ہیں۔

اللھم صلی علی محمد و آل محمد

(مزید حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمایئے تفسیر کشاف جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۳۹ مطبوعہ مصر اور اس روایت کو بیضاوی نے بھی نقل کیا ہے)

خدمت جناب فاطمہ زہراؑ

اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو عطا فرما دیا مگر اس کے ساتھ ہی یہ تاکید کر دی کہ ایک دن فضہ سے کام لینا اور دوسرے دن خود کرنا اور دکھ درد میں اس سے پوری ہمدردی کا برتاؤ کرنا۔ دختر رسولؐ نے پوری زندگی اس نصیحت پر عمل کیا اور فضہ اور اپنے درمیان کام کرنے کے دن مقرر کر لیے۔ ایک دفعہ سرور کائنات خانۂ سیدہ میں تشریف لے آئے، دیکھا سیدہ گود میں بچے کو لیے ہوئے چکی پیس رہی ہیں۔ فرمایا بیٹی! ایک کام فضہ کے حوالے کر دو، عرض کی بابا

جان! آج فضہ کی باری کا دن نہیں ہے۔

دختر رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اپنے گھر کے تمام کام خود انجام دیتی تھیں۔ سینے پر پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے نشان بن گیا تھا اور ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے تھے۔ خود ہی چولہے میں آگ روشن فرماتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے۔ خود ہی اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے کپڑے گرد آلود ہو جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ان کے شوہر نامدار حضرت علی علیہ السلام نے آپ سے فرمایا، کیا اچھا ہوتا کہ آپ اپنے والد ماجد سے ایک خادمہ طلب فرما لیتیں اس لیے کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ بڑی مشقت اٹھا رہی ہیں۔ آپ آنحضرتؐ کی خدمت میں تشریف لائیں، وہاں بہت مجمع تھا، حیا کے مارے بغیر کچھ کہے واپس چلی آئیں۔ ان کے واپس چلے آنے کے بعد آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ فاطمہؑ کسی حاجت کے لیے میرے پاس آئی تھیں۔ حضرت علیؑ نے پورا واقعہ بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تم دونوں کو ایسی چیز بتا دوں جو خادمہ سے بہت بہتر ہے۔ جب تم دونوں سونے لگو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ جناب فاطمہؑ نے تین بار فرمایا میں راضی ہوئی خدا اور اس کے رسولؐ سے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں ہم نے جب سے اس تسبیح کو پایا کبھی ترک نہیں کیا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۵۹) یہ وہی تسبیح ہے جو آج تسبیح فاطمہ زہراؑ کے نام سے مشہور ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ جناب فاطمہؑ کے پاس سے تسبیح تعلیم فرما کر واپس آئے تو یہ آیت نازل ہوئی وَ اِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا (قرآن کریم) ترجمہ: جب تو ان سے منہ پھیرے اس امید پر کہ تجھے خدا کی طرف سے رحمت نازل ہو تو ان سے آسانی سے بات کر۔ تو جناب رسولؐ خدا نے حضرت فاطمہؑ کو خدمت کے لیے ایک لونڈی عطا فرمائی اور اس کا نام فضہ رکھا۔ (مناقب ابن شہر آشوب حالات فاطمہ زہراؑ ص ۱۳۹)

ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۸ میں لکھا ہے کہ کانت شاطرۃ الخدمۃ جناب فضہ جلد جلد کام کرتی تھیں۔ پھر بھی خاتون جنتؑ نے تمام کام کا بار فضہ پر نہیں ڈالا تھا بلکہ باری مقرر کر دی تھی: ایک دن فضہ اور دوسرے دن خود مرسل اعظمؐ کی بیٹی کام کرتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر دو کام ہوتے تھے تو اس میں فضہ کو اختیار ہوتا تھا۔ ایک دن آپ نے فرمایا فضہ یا تو تم آٹا خمیر کر لو میں روٹی پکا لوں یا میں آٹا گوندھ لوں اور تم روٹی پکا لو۔ فضہ نے عرض کی بی بی میں آٹا بھی گوندھ لوں گی اور چولھا بھی سلگا دوں گی آپ روٹی پکا لیجیے۔ یہ کہہ کر فضہ ایندھن کا انتظام کرنے لگیں لیکن لکڑیوں کا بوجھ اٹھ نہ سکا تو آپ نے وہ دعا پڑھنی شروع کی جو خود آنحضرتؐ نے آپ کو تعلیم فرمائی

حی یا واحد لیس کمثلہ احد تمیت کل احد وتفنی وانت علی عرشك واحد لا تاخذہ سنة ولا نوم۔ تاثیر دعا سے ایک اعرابی ظاہر ہوا جو قبیلہ ازد کا معلوم ہوتا تھا، وہ باب فاطمہؑ تک لکڑیاں پہنچا گیا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۶۷، معالی السبطین ج ۲ ص ۱۳۶)

آپ کا زہد و ورع

جناب فضہؓ بڑی کامل الایمان عورت تھیں۔ وہ خانوادۂ رسالت میں بحیثیت ایک خادمہ کے آئی تھیں لیکن انہوں نے اپنی نیک نفسی، حسن کردار اور محبت و الفت کی بنا پر ہر شخص کے دل میں جگہ پیدا کرلی تھی۔ ہر چھوٹا بڑا ان سے خاندان کے ایک فرد کے مانند محبت کرتا تھا۔ ان کی عزت کسی طرح گھر کی بڑی بوڑھیوں سے کم نہ تھی۔ ہر شخص کی زبان پر فضہ ہی فضہ تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام اور فاطمہ زہراؑ کے گھر میں آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے۔ کوئی اور کنیز ہوتی تو بھاگ کھڑی ہوتی مگر فضہ نے فاقوں میں اپنی زندگی اس خندہ پیشانی سے گزاردی کہ کیا کوئی عیش کی حالت میں گزارے گا۔ یہ انہیں کا کام تھا کہ دو دو دن کے فاقے میں چکیاں پیستی تھیں مگر تیوریوں پر بل نہ آتا تھا۔ اہل بیتؑ کی محبت کی وجہ سے ان کا دل خدا سے لگ گیا تھا، دنیا کی زیب و زینت کی ان کی نظر میں کوئی قدر نہ تھی۔ جسمانی لذتوں سے منہ موڑ کر روحانی لذتوں کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔ آخرت کا خیال ہر وقت ان کے پیش نظر رہتا تھا شب و روز ان کو یادِ خدا سے کام تھا۔ دن میں روزہ رکھتی تھیں اور رات بھر عبادت خدا میں مشغول رہتی تھیں۔

حضرت فاطمہؑ اور فضہؓ

''ملفوظات خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ'' جو کہ ''نفیس اکیڈمی کراچی'' نے ''جوامع الکلام'' کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں حضرت فاطمہؑ اور آپؑ کی کنیز جناب فضہؓ کی کرامت کا واقعہ اس طرح درج کیا ہے۔ حضرت مخدومؒ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ امیر المومنینؑ حضرت امام علیؑ کے گھر میں کئی روز سے فاقہ تھا۔ جناب امیر المومنینؑ کی لونڈی فضہؓ نے خاتونِ جنت حضرت فاطمہؑ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں کچھ لکڑیاں اور گھاس لے آؤں تا کہ گھر کا کچھ کام چلے؟ اجازت ملنے پر وہ گھر سے باہر گئیں۔ لکڑیوں کے ساتھ کچھ گھاس اور گل خیری بھی لیتی آئی۔

مٹی سے ایک بوتہ بنایا اور اُس بوتہ میں اپنا کنگن جو جنت کا تھا ڈال دیا اور آگ پر گرم کر کے کوٹا اور اُس میں لائی ہوئی گھاس کا عرق ٹپکایا اور بوتہ کا منہ بند کر کے مہر کردیا، اور اُس بوتہ کو ایک پہر آگ میں ڈال دیا۔ جب آگ ٹھنڈی ہوگئی تو بوتہ کو نکال کر توڑا کنگن کے برابر چاندی اُس میں موجود تھی۔ اُس چاندی کو حضرت فاطمہ زہراؑ کے پاس

نے لگیں۔ آپؑ نے پوچھا: "فضہؓ یہ کیا لائی ہو؟"

فضہؓ نے عرض کیا: "میں نے یہ عمل جاہلیت کے زمانے میں سیکھا تھا، آج میں نے گھر میں تنگدستی دیکھی تو خیال آیا کہ میرا یہ علم کس دن کام آئے گا جو آج کام نہ آیا۔"

حضرت فاطمہؑ زہرا نے فرمایا: "اس کو خوردہ کرا کر لاؤ۔"

جب وہ لے کر آئیں تو آپؑ نے فضہؓ کے ذریعہ سب کو غریبوں میں تقسیم کرا دیا اور اپنے گھر کے لیے ایک پیسہ بھی نہ رکھا۔ فضہؓ یہ دیکھ کر حیران ہوگئیں۔ پھر دوسرے دن حضرت فاطمہؑ نے فرمایا: "فضہؓ! آج پھر لکڑی اور گھاس وغیرہ لے کر آؤ، اور فلاں مقام پر ایک گھاس ہے جو اس شکل کا ہے، اور اس کی پتیاں اس طرح کی ہیں، انہیں لے آؤ، اور جس طرح کل بوتہ بنایا تھا اُسی طرح بناؤ، اور آگ جلاؤ۔"

فضہؓ نے ایسا ہی کیا۔ آپؑ نے حضرت امیرالمومنینؑ کا نیزہ لے کر لکڑی اُس میں سے نکال دی، اور اُس نیزے کے پھل کو آگ میں ڈال دیا، یہاں تک کہ اُس کی کثافت اور زنگ زائل ہوگیا۔ اس کے بعد اُس کو بوتہ میں رکھ کر اُس گھاس کا عرق ٹپکانے کے لیے کہا۔ ایسا کرنے پر ایک گھنٹہ کے بعد وہ نیزہ خالص سونا ہوگیا۔ پھر اُس کو خوردہ کرا کر سب کا سب غریبوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے لیے ایک پیسہ بھی نہیں رکھا۔

فضہؓ نے عرض کی: "اے بنتِ رسولؐ! جب اللہ نے آپؑ کو یہ علم عطا فرمایا ہے، تو پھر تھوڑا اس کو مصرف میں کیوں نہیں لیتیں کہ تنگدستی باقی نہ رہے؟"

حضرت فاطمہؑ نے فرمایا: "اگر میں یہ عمل کروں تو جو اللہ سے نعمتیں اور عطیات مجھ کو ملتے ہیں وہ نہ ملیں گے۔"

☆ یہ قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ: یہ عمل تو صحیح ہے لیکن اس سے دل تاریک ہوجاتا ہے۔

مصائب جناب سیدہ پر آپ کا کردار

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمر نے فاطمہؑ کے گھر میں بعد پیغمبرؐ آگ لگانے کی دھمکی دی اور دروازہ گرا دیا جس سے ان کے بطن مبارک میں جناب محسنؑ شہید ہوگئے تھے۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب بی بی سیدہ کے پہلو پر دروازہ گرا اور بنت رسولؐ زخمی ہو کر زمین پر گریں تو بے اختیار زبان سے یہ جملے نکلے تھے یا رسول اللہ هكذا يفعل بحبتك وابنتك، يا فضة فخذيني و على ظهرك مسنديني فقل والله قتل ما في احشائي اے رسولؐ خدا! آپ کی پیاری بیٹی سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے، اے فضہ! ذرا مجھ کو سنبھالو اور میری پشت کی طرف سے مجھے سہارا دو، خدا کی قسم میرے بطن میں میرا بچہ (محسنؑ) شہید ہوگیا ہے۔ (بحارالانوار ج ۸ طبع ایران)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب عمر بن خطاب کی ضرب سے زخمی ہو کر فاطمہؑ بنت رسول علیل ہو گئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ میں اب نہ بچوں گی تو مجھے چند وصیتیں کیں ان میں سے ایک وصیت یہ تھی کہ میرے غسل و کفن میں تمہارے اور حسنؑ و حسینؑ اور زینب و ام کلثوم اور فضہ و اسماء بنت عمیس کے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (معالی السبطین ج ۲ ص ۱۳۷)

ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جناب سیدہ نے جہاں مجھ سے اور بہت سے عہد لیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ میری وفات کے بعد مردوں میں عبداللہ بن عباس، سلمان فارسی، عمار یاسر، مقداد بن اسود، ابو ذر غفاری، حذیفہ یمانی اور عورتوں میں ام سلمہ، ام ایمن اور فضہ کے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ ایک روایت میں فضل، اور ابن مسعود کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ (سفینۃ البحار ج ۲)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جب فاطمہؑ بنت رسول کا انتقال ہو گیا اور انہیں کفن پہنایا جا چکا تو میں نے چہرۂ سیدہ کو بند کرتے ہوئے جہاں زینب و ام کلثوم اور حسنؑ و حسینؑ کو آواز دی تھی وہاں فضہ کو بھی پکارا تھا کہ **ھلموا تزودوا امکم** آؤ اور اپنی ماں کا آخری دیدار کر لو۔ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۳۶۵)

وفات جناب سیدہ کے بعد آپ کی زندگی

شہادت جناب فاطمہؑ زہرا کے بعد فضہ اسی گھر میں رہیں اور ان کے بعد حضرت زینب و ام کلثوم کی خدمت کو اپنا فریضہ قرار دے لیا تھا۔ علامہ مہدی حائری لکھتے ہیں

لما ماتت فاطمة انضمت الی زینب و کانت تخدمها فی بیتها و تارة فی بیت الحسن ؑ و تارة فی بیت الحسین ؑ فلما خرجت عقیلة القریش مع اخیها الحسین من المدینه الی العراق خرجت فضة معها حتی اتت کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی وفات کے بعد جناب فضہ حضرت زینب کی کنیزی میں آ گئیں اور ان کے خانۂ اقدس میں خدمت کے فرائض انجام دینے لگیں اور بعض اوقات امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے گھر میں بھی خدمت کے فرائض انجام دیتی تھیں۔ پھر عقیلۃ القریش حضرت زینبؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئیں تو جناب فضہ ان کے ہمراہ چلیں اور کربلا کے میدان میں آئیں۔ (چودہ ستارے)

وفات جناب سیدہ کے بعد ورقہ بن عبداللہ ازدی نے حج کے موقع پر محمدؐ و آل محمدؐ کی مدح سرائی کرتے سنا، لوگوں سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ فضہ ہیں تو بعد آنحضرت معصومۂ عالمیان کے رنج و غم کا حال ان سے دریافت کیا۔ اس سوال پر فضہ تڑپ گئیں، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرمایا اے ورقہ! تو نے میرے دل کی دبی ہوئی آگ کو پھر روشن کر دیا۔ پھر اس طرح بیان کرنے لگیں اے ورقہ! وفات پیغمبر قیامت کا نمونہ تھی۔ صبر قلیل رہ گیا تھا مصائب

کثیر تھے، ہر آنکھ رو رہی تھی، ہر دل سے دھواں اٹھ رہا تھا، زن و مرد صغیر و کبیر جزع و فزع کر رہے تھے مگر ان سب سے زیادہ بے تاب میری بی بی فاطمہ تھیں، ہر لمحہ رنج و غم بڑھ رہا تھا اور ہر لحظہ حالت متغیر تھی۔ سات روز جب اسی طرح بسر ہوئے تو آٹھویں دن آپ باپ کی قبر پر آئیں۔ مرد راستہ چھوڑ کر الگ جا کھڑے ہوئے۔ عورتوں اور بچوں نے آپ کو حلقہ میں لے لیا۔ قلب مدینہ سے ایک دردناک آواز پیدا ہوئی جو آسمان تک گئی۔ چراغ دانوں پر چراغ گل ہو گئے۔ آپ اس شان سے چلیں کہ دیکھنے والی عورتوں کو گمان ہوا کہ آنحضرتؐ قبر سے باہر آ گئے۔ ایک دہشت عظیم پھیل گئی۔ آپ نے فریاد کی وا ابتاہ وا اسفاہ وا محمداہ وا ابالقاسماہ یا ربیع الارامل والیتامیٰ امن القبلۃ والمصلی ومن لابنتک الوالھۃ الثکلی۔ آپ کے پائے مبارک لغزش میں تھے اور قبر جس قدر قریب ہوتی جاتی تھی۔ رفتار میں سستی آتی جاتی تھی۔ قبر مطہر پر پہنچ کر آپ ایسا بے قراری سے روئیں کہ غش کھا کر گر پڑیں۔ پانی چھڑک کر ہوش میں لایا گیا آپ نے فرمایا رفعت قوتی وخاننی جلدی وشمت بی عدوی والکمد۔ میری طاقت سلب ہو گئی اور صبر نے ساتھ چھوڑ دیا، میرا دشمن خوش ہوا اور شماتت کرنے لگا۔ بابا! آپ کے بعد میرا کوئی مونس نہ رہا جس سے دل بہلے یا کوئی میرے آنسو پونچھے۔ آپ کے اٹھ جانے سے سلسلہ وحی منقطع اور ملائکہ کی آمدورفت مسدود ہو گئی۔ دنیا کا رنگ بدل گیا، کھلے ہوئے دروازے بند ہو گئے۔ اب میں دنیا سے بیزار اور آپ پر رونے کے لیے تیار ہوں۔ آپ سے ملنے کا شوق زیادہ اور رنج و غم افزوں ہے۔ پھر فاطمہؑ نے ایک آہ کی۔ قریب تھا کہ روح جسم سے مفارقت کر جائے۔ اے ورقہ! سیدہ عالم کی ان کے باپ کے غم میں یہ حالت تھی۔ (ناسخ التواریخ جلد ۴ ص ۱۶۰)

سورہ ہل اتی میں آپ کی شمولیت

ایک مرتبہ فرزندان رسول حسنین علیہما السلام ایسے بیمار ہوئے کہ روز بروز ناتوانی بڑھنے لگی۔ آنحضرتؐ خانہ جناب سیدہ میں تشریف لائے اور تین روزے رکھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ علیؑ و فاطمہؑ اور بچوں نے تین روز کے روزے مان لیے تو جناب فضہ جن کو شاہزادوں سے وہی محبت تھی جو ایک شفیق ماں کو ہوتی ہے، انہوں نے بھی اس نذر میں شرکت فرمائی۔ جب ایفائے نذر کا وقت آیا امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب تین صاع جو ایک یہودی سے اجرت پر لے کر آئے اور کتائی کے لیے اون بھی۔ جناب سیدہ نے اون کے تین حصے کیے۔ ایک حصہ اون کا کات لیا تب اس کی اجرت کے ایک تہائی جو چکی میں اپنے ہاتھ سے پیسے، آٹا گوندھا اور پانچ روٹیاں پکائیں اور افطار کا وقت آیا تو پانچوں حضرات اپنی اپنی روٹیاں کھانے کے لیے بیٹھے تھے کہ ایک سائل نے دروازے پر پکارا اے اہل بیتؑ رسالت! میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلاؤ، خدا تمہیں جنت کے خوان عطا فرمائے گا۔ یہ سن کر سب نے اپنے اپنے آگے سے روٹیاں اٹھا کر سائل کو دے دیں۔ جناب فضہ نے بھی جو اہل بیتؑ کی محبت کی برکت سے معرفت الٰہی کے بہترین مدارج پر فائز

تھیں، اپنی روٹی سائل کو دینے کے لیے امیر المومنینؑ کے سپرد کردی اور سب نے پانی سے روزہ افطار کیا۔ پھر دوسرے دن بغیر کچھ کھائے ہوئے روزہ رکھا گیا اور روٹیاں تیار کی گئیں اور جب کھانے کا وقت آیا تو سائل نے آ کر دروازے سے آواز دی میں بھوکا ہوں اور پھر پانچوں افراد نے اپنی اپنی روٹیاں اٹھا کر سائل کو دے دیں۔ اسی طرح تیسرا روزہ بھی صرف پانی سے رکھا گیا اور جب افطار کا وقت آیا تو پھر سائل آ گیا۔ اس طرح متواتر اہل بیتؑ رسالت نے بغیر کچھ کھائے ہوئے صرف پانی سے روزے رکھے اور اپنی روٹیاں اٹھا کر سائل کو دے دیں۔ اور تینوں دن جناب فضہ بھی اہل بیتؑ کی اس عبادت وسخاوت میں شریک رہیں۔ اسی لیے اللہ نے جب حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور ان دونوں فرزندوں کی شان میں اس عبادت وسخاوت پر سورۂ ہل اتی نازل فرمایا تو اس میں کنیزی کا لحاظ اٹھا کر خدا نے جناب فضہ کو بھی برابر کی جزا دی۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۶۷)

اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ تینوں دن جناب فاطمہ زہراؑ نے آٹا پیسا اور روٹیاں پکائیں۔ آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ جس فضہ نے ان کے فرزندوں کی صحت یابی پر روزہ رکھا ہے ان سے اس حالت میں کام لیا جائے۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۳۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں یعنی علیا وفاطمۃ والحسن والحسین وجاریتھم فضۃ اس آیت یوفون بالنذر میں جناب امیر، جناب فاطمہؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور ان کی کنیز فضہ مراد لیا ہے۔ (تفسیر برہان ج ۴ ص ۱۱۶۴)

آپ کا علم و ہنر

مورخین کا بیان ہے کہ جناب فضہ فن کیمیا گری میں ماہر تھیں۔ علامہ رجب علی برسی کتاب مشارق الانوار میں لکھتے ہیں کہ آپ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے خانۂ اقدس میں آئیں اور ان کی ظاہری غربت اور افلاس کو دیکھا تو اکسیر کا ذخیرہ نکالا اور تانبے کے ٹکڑے پر اس اکسیر کو استعمال کیا جس سے تانبا بہترین سونا بن گیا اور جناب فضہ اس کو لے کر حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اے فضہ! تم نے بہترین سونا بنایا ہے لیکن اگر تم تانبے کو بھی پگھلا دیتیں تو اس سے زیادہ بہتر سونا بن جاتا۔ فضہ نے از روئے تعجب کہا کہ مولا! آپ اس فن سے بھی واقف ہیں؟ آپ نے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ علم تو ہمارا یہ بچہ بھی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اے فضہ! ہم تمام علوم سے واقف ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اشارہ فرمایا اور زمین کا ٹکڑا بہترین سونے اور جواہر میں تبدیل ہوگیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا یا فضہ ما لھذا خلقنا اے فضہ! ہم اس کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ (انوار علویہ ودمعۃ ساکبہ ص ۱۳۰)۔

مطلب یہ تھا کہ ہم زر و جواہر اور مال و دولت کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ ہماری غرض خلقت تبلیغ دین اور فروغ انسانیت ہے۔ علامہ شیخ جعفر نزاری تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب فضہ کا حضرت عمر بن خطاب سے کسی مسئلہ فقہ میں اختلاف ہو گیا اور فضہ نے اپنی علمی قوت سے انہیں شکست دے دی تو انہوں نے از روئے تعجب کہا شعرۃ من آل ابی طالب افقہ من جمیع آل خطاب آل ابی طالب کا ایک معمولی بال بھی تمام آل خطاب سے زیادہ فقہ جاننے والا ہے۔ (انوار علویہ ص ۵۸)

خانۂ زہرا کے سامنے جنت ہیچ ہے..... بی بی فضہؒ

بی بی فضہؒ جب سے در بتول سے وابستہ ہوئیں گویا ان کی زندگی ہی بدل گئی، دن میں روزہ، شب کو نمازیں، ان کا بھی وہی طریقہ کار ہو گیا جو ملکہ کونین بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کا تھا۔ جب کام کاج سے فرصت ملی، مصلا بچھایا اور اللہ کے دربار میں حاضر، کھانے کو مل گیا تو ٹھیک نہ ملا تب بھی اس کا شکر۔ خالق کائنات نے انہیں اس در سے کیا نہیں دیا؟ تاریخ گواہ ہے کہ جو بھی اس در پر آیا پلٹ کر نہ گیا۔ آنے والا اپنی آزادی کو اس در کی غلامی پر قربان کرتا ہے۔
ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خوشخبری سنائی کہ کون کون صحابی رسولؐ جنت میں جائیں گے ان ناموں میں ایک نام ایسا بھی تھا جسے اس در کی کنیز ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ جس وقت نبی کریم ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی اس وقت مسجد نبویؐ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی موجود تھے۔ نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فارغ ہوئے تو بی بی فضہؒ کے پاس پہنچے اور کہا کہ بی بی آپ کو جنت کی بشارت مبارک ہو۔ بی بی فضہؒ جو اللہ تعالیٰ کی کنیز خاص تھیں، جنہیں محبوب خدا ﷺ کی خدمت کرنے کا بھی شرف حاصل رہا جو مولائے کائنات علیہ السلام کی خدمت گزار تھیں، جنہوں نے جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ جناب حسن علیہ السلام اور جناب حسین علیہ السلام کا جھولا جھلایا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بات نہ سمجھ سکیں جس کی وجہ سے انہوں نے فوراً دریافت فرمایا کہ اے عبداللہ! آپ کس جنت کی بات کر رہے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حیران ہو کر کہا۔ بی بی آپؒ باب مدینۃ العلم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور بضعۃ الرسول حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر میں رہتی ہیں کیا آپ کو ابھی تک جنت کا علم نہیں؟ بی بی فضہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مخاطب کر کے کہا اے عبداللہؓ! میری جنت تو بی بی زہرا سلام اللہ علیہا کا یہی حجرہ ہے، یہاں کس چیز کی کمی ہے۔ یہاں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے علاوہ فرشتے بھی اکثر و بیشتر تشریف لاتے ہیں۔ جنت کے طعام و میوہ جات کی اس گھر میں کمی نہیں۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا اس گھر کی مالکہ ہی نہیں تمام کائنات کی مالکہ ہیں، اس گھر کے بچے جوانان جنت کے سردار ہیں، مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام ساقی کوثر ہیں، میری بی بی خاتون جنت ہیں اور ان کے بابا رحمت اللعالمینؐ مالک جنت ہیں۔ اے عبداللہؓ! یہی لوگ کائنات کی خلقت کا سبب بنے، انہی کی وجہ سے

مسلمانوں کی بخشش ہوگی۔ مجھے اس گھر کے سامنے وہ جنت بیچ نظر آتی ہے جو آپ کے تصور میں ہے۔

بی بی فضہ کی رسول الثقلین کے استفسار پر تین خواہشات:

بارہ ہجری کا دوسرا مہینہ مسلمانوں کے لیے رنج وغم کا مہینہ تھا کیونکہ جناب رسول الثقلین ﷺ کی بیماری طول پکڑ گئی تھی۔ رسول اکرم ﷺ کو حضرت جبرائیل امینؑ بتا گئے کہ اب وقت آخر ہے اس وجہ سے انہوں نے فرداً فرداً اہل خانہ کو بلایا اور ان سے ضروری باتیں کیں۔ کنیز خانوادہ رسالتؐ بی بی فضہ کو رسول اللہ ﷺ نے طلب کیا اور فرمایا کہ بی بی فضہ تم نے میری بہت خدمت کی ہے تم مجھ سے جو تین فرمائشیں کرنا چاہو کرلو، تیرا رسول سارے عطا کرے گا۔ بی بی فضہ نے جب سے اس چوکھٹ پر قدم رکھا کسی کی بات کو نہیں ٹالا تو بھلا وہ رسول اللہ ﷺ کی بات کس طرح ٹال سکتی تھیں لیکن جو بات حق تھی وہ زبان پر لے آئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس گھر سے مجھے کیا کچھ نہیں ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بی بی فضہ میں تمہاری خدمت کے صلہ میں کچھ دینا چاہتا ہوں جو طلب کروگی تمہیں انشاء اللہ ضرور ملے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کا اصرار بڑھا تو بی بی فضہؓ نے فرمایا کہ میں نے ثانی زہرا جناب زینب سلام اللہ علیہا سے سنا ہے کہ کربلا میں ایک ایسا واقعہ ہونے والا ہے جس میں حضرت امام حسینؑ اور ان کے بچے، اصحاب و انصار شہید کردیے جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بی بی فضہؓ یہ درست ہے۔ اس پر بی بی نے عرض کی کہ میرے آقا و مولا، میری پہلی خواہش ہے کہ میری عمر میں اضافہ ہوجائے اور اس واقعہ کے وقت میں وہاں موجود رہوں۔ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا بی بی فضہؓ انشاء اللہ تمہاری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔ بی بی فضہؓ نے کہا کہ میرے آقا و مولا میری دوسری خواہش ہے کہ جب یہ واقعہ رونما ہو تو میرے جسم میں اتنی طاقت ہو کہ میں حضرت امام حسینؑ اور ان کے بچوں کی خدمت کرسکوں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری دوسری خواہش بھی انشاء اللہ ضرور پوری ہوگی۔ بی بی فضہؓ نے اپنی تیسری خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ واقعہ کربلا کے حوالے سے میں جو بھی دعا مانگوں وہ پوری ہو۔ رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا انشاء اللہ تمہاری یہ تمنا بھی پوری ہوگی۔

بی بی فضہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر جو تین فرمائشیں کیں تھیں وہ تقریباً ۵۰ سال بعد پوری ہوئیں۔ حضرت امام حسینؑ کے قافلہ میں جانے والوں میں جناب فضہ بھی شامل تھیں جو بی بی زینت سلام اللہ علیہا اور جناب ام کلثومؑ کے ساتھ ساتھ مدینہ سے کربلا، کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام اور پھر شام سے کربلا ہوتی ہوئی مدینہ تک آئیں اور ان کے بچوں کی خدمت کرتی رہیں۔ ۶۱ ہجری کی شب عاشورہ جناب فضہؓ در خیمہ پر کھڑی ہو کر کبھی مولا حسینؑ کے اصحاب و انصار کی گفتگو سے جناب زینب سلام اللہ علیہا کو آگاہ کرتیں کبھی جناب حُر کے آنے کی اطلاع دیتیں، صبح عاشور سے عصر تک میدان کارزار جانے والوں کو رخصت کرتیں اور جب شہداء کی لاشیں آتیں تو اس کی اطلاع ثانی زہرا سلام اللہ علیہا

کو دیتیں۔ بی بی فضہؓ نے گود کے پالے علی اکبرؑ، قاسمؑ، عونؑ ومحمدؑ کو تیار کر کے اسلام پر قربان ہونے کے لیے بھیجا۔ بی بی فضہؓ جب گود کے پالے خاندانِ بنی ہاشم کے بچوں کو گھوڑے سے گرتا دیکھتیں تو اس کی خبر بی بی زینب سلام اللہ علیہا کو دیتیں ان کو دیکھ کر آپ پر کیا گزرتی ہوگی؟ حسینؑ ابن علیؑ جس کا کبھی جھولا جھلایا، کبھی انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے چلتے وقت انہیں "امان فضہ" کہہ کر سلام کیا۔

تیسری خواہش کے پوری ہونے کی تصدیق زعفر جنؓ نے کی۔ انہوں نے بتایا کہ جب کفار آل محمدؐ کے اسیروں اور شہداء کے پاکیزہ سروں کے ہمراہ کربلا سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے تو امام حسین علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق میں بچوں اور اہل بیت رسالتؐ کی حفاظت کے لیے ان کے ہمراہ چلا۔ جب لشکر ابن زیاد کوفہ کے نزدیک پہنچا تو آفتاب غروب ہوچکا تھا اس وجہ سے کوفہ کے باہر ہی مقیم ہوئے انہوں نے اپنے لیے آرام دہ خیمے نصب کیے اور اسیروں کو دوسری جانب بامال تباہ ٹھہرایا۔ کچھ رات گئے کوفہ والے ابن زیاد کے لشکر والوں کے لیے کھانے کے خوان لے کر آئے، ان لوگوں نے وہ انواع و اقسام کے کھانے کھائے مگر اسیروں کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

عترت پیغمبر اسلام کے کم سن بچے بھوک کی شدت سے بے تاب تھے، جب لذیذ کھانوں کی خوشبو بچوں تک پہنچی تو ان کی بے تابی میں اضافہ ہوگیا۔ بی بی فضہؓ سے بچوں کی یہ حالت دیکھی نہ گئی تو بی بی زینب سلام اللہ علیہا کے پاس آئیں اور عرض کی کہ مجھ سے پیغمبر خدا ﷺ نے آخری وقت فرمایا تھا کہ تمہاری تین دعائیں بارگاہِ الٰہی میں ضرور مستجاب ہوں گی، میری اب تک دو دعائیں قبول ہوچکی ہیں اور ابھی ایک دعا باقی ہے، آپ اگر اجازت دیں تو میں بارگاہِ الٰہی میں دعا کروں کہ وہ ان بچوں کے سلسلے میں میری مدد کرے۔ بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے ان کو اجازت دی، آپ قریبی ٹیلہ پر گئیں اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے ناگاہ آسمان سے گوشت سے طباق اور اس کے ساتھ ہی دو پرات نان نازل ہوئے ان کھانوں سے مشک عنبر و زعفران کی خوشبو آرہی تھی۔ پس جناب سید سجادؑ اور اہلبیتؑ کی تمام خواتین اور بچوں نے یہ کھانا تناول فرمایا۔ پھر ان مبارک ہستیوں کو کھانے کی ضرورت ہوتی تو وہ اس طباق میں سے نوش فرماتے لیکن وہ طباق دوبارہ کھانے سے پُر ہوجاتا اور نان بھی بچ جاتے۔

بی بی فضہؓ کا زخمی بی بی سیدہؑ کو اٹھانا

رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے اہل بیت پر مصائب و پریشانی کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، کل تک جو صحابی خاتون جنت سلام اللہ علیہا، داماد پیمبر حضرت علی علیہ السلام، رسولؐ اللہ کے نواسوں حضرت حسنین علیہم السلام کے احترام میں کھڑے ہوجاتے تھے، وہی حضرات بعد وفات رسول ﷺ وہ تو کرسیوں پر بیٹھے رہے اور ان برگزیدہ ہستیوں کو کھڑا رکھا گیا۔

اکابر اصحاب زبیرؓ، عتبہ بن ابی لہبؓ، خالد بن سعیدؓ، مقداد بن عمرؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، عمار یاسرؓ، براء بن عازبؓ، ابی ابن کعبؓ اور ابوسفیانؓ چونکہ سقیفائی خلافت کو تسلیم نہ کرتے تھے لہذا وہ خانہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا میں خانہ نشین ہوگئے، اس پر خلیفہ وقت کے حمایتی آگ اور لکڑیاں لے کر آئے اور کہا گھر سے نکلو ورنہ ہم گھر کو آگ لگا دیں گے، یہ سن کر بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے کہا کہ اس گھر میں نبی اللہ ﷺ کے نواسے اور نواسیاں بھی ہیں جس پر انہوں نے کہا کہ ہمیں کسی کی پرواہ نہیں ہے، بعد ازاں بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر آگ لگا دی گئی، جب بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا دوڑ کر دروازے کے قریب آئیں تو ان پر جلتا ہوا دروازہ گرا دیا گیا جس پر پہنچ کر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تک کھڑے ہوکر اندر آنے کی اجازت طلب کرتے تھے اور رسول خدا ﷺ واہلبیت نبوہ کو سلام کرتے تھے۔ دروازہ بطن بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا پر گرنے سے جناب محسنؑ شہید ہوگئے۔ بنت رسول اللہ علیہا جب زخمی ہوکر زمین پر گریں تو منہ سے بے اختیار نکلا "اے رسول خدا! آپ کی پیاری بیٹی سے یہ سلوک کیا جارہا ہے۔" اے فضہؑ! ذرا مجھ کو سنبھالو اور میری پشت کی جانب سے مجھے سہارا دو۔ بی بی فضہؑ جو امت کے عمل کو دیکھ کر پریشان ہو رہی تھیں فوراً آگے بڑھیں اور بی بی سیّدہ سلام اللہ علیہا کو سہارا دے کر اٹھایا۔

بچوں کی نگہداشت اور بی بی فضہؑ

بعد وفات حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بی بی فضہؑ کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوگیا کیونکہ اس وقت امام حسن علیہ السلام چھ برس کے تھے جب کہ امام حسین علیہ السلام صرف پانچ سال کے تھے۔ اسی طرح جناب زینب سلام اللہ علیہا صرف چار برس اور حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا کی عمر تین سال کی تھی۔ مختصر سے وقت میں بچے نانا اور ماں کی شفقت سے محروم ہوگئے تھے، ان پر غم و الم کے پہاڑ ٹوٹ گئے، ان کا دل بہلانے والا کوئی نہ تھا۔ فضا ویسے ہی ناسازگار ہوگئی تھی۔ امت قول رسول ﷺ کو بھلا بیٹھی تھی۔ گھر میں اگر اس وقت کوئی ہمدرد تھا تو وہ بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی کنیز جناب فضہ تھیں جنہوں نے ان بچوں کو خاتون جنت کے ساتھ چکی پیس کر پالا تھا، ان کی صحت کے لیے منتی روزے رکھے تھے، اس لیے اب بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا یا بچوں کے دکھ درد کو بانٹنے والا اگر کوئی تھا تو وہ صرف بی بی فضہؑ تھیں۔ مولا علی علیہ السلام تو مزدوری کرنے نکل جاتے تھے یا مسلمانوں کے شرعی مسائل کو سلجھانے میں لگے رہتے تھے۔

بی بی فضہؑ جب اس گھر میں آئیں تھیں تو مالکہ کونین نے فرمایا تھا کہ بی بی فضہؑ ایک دن تم کام کرنا، میں آرام کروں گی اور ایک دن تم آرام کرنا، گویا بچوں کی دیکھ بھال، ان کا نہلانا دھلانا، گھر کی صفائی، آٹا پیسنا، کھانا پکانا، غرض تمام کام ایک دن بی بی فضہؑ کرتیں اور جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا آرام فرماتیں اور جب بی بی فضہؑ آرام کرتیں تو تمام

کام کی ذمہ داری جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ہوتی مگر اب بی بی فضہ کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہ تھا۔ ۱۳ ہجری کو مولائے کائنات کا عقد بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خواہش کے مطابق اسما بن عمیس سے ہوا۔ اس عقد کے بعد بھی خانہ داری اور بچوں کی تمام ذمہ داریاں بی بی فضہؓ بجا لاتی رہیں۔ بچے ان سے اس قدر مانوس تھے کہ وہ ہر وقت انہیں اماں فضہؓ کہہ کر پکارتے۔ وہ الگ بات ہے کہ بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا جو مقام تھا وہ تو بچوں کو نہ مل سکا لیکن انہوں نے یہ بھی محسوس نہ ہونے دیا کہ حسنین علیہم السلام اور بی بی زینب سلام اللہ علیہا اور ام کلثوم سلام اللہ علیہا کی حقیقی والدہ گرامی اس دنیا میں نہیں رہیں۔ بچوں کی ہر ضرورت وقت سے پہلے کر دی جاتی۔ ان کے لباس و خوراک میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دی، غرض انہوں نے اس خانوادہ کی وہ خدمت کی جس کی مثال نہیں ملتی۔

بی بی فضہ کا عقد:

خاتون جنت جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے انتقال کے بعد مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے بی بی فضہؓ سے شادی کے سلسلے میں رائے دریافت کی کیونکہ وہ نوجوان تھیں۔ بی بی فضہؓ کے اقرار پر آپ نے ایک عربی نسل غلام جس کا نام ابو ثعلبہ تھا سے عقد فرمایا اور کنیز ہونے کے باوجود انہیں ضروری اشیاء پر مشتمل جہیز دے کر رخصت فرمایا۔ یہ واقعہ دور خلافت ثانیہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ آپ کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ابو ثعلبہ کو مختصر زندگی عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے اس کا شادی کے ڈیڑھ سال کے بعد انتقال ہو گیا، ابو ثعلبہ کے انتقال کے کچھ عرصہ کے بعد اس کے بیٹے کا بھی انتقال ہو گیا۔ شوہر کے انتقال کے بعد بی بی فضہؓ پھر مولا علی علیہ السلام کے گھر تشریف لے آئیں، اس دوران ایک اعرابی سلیکہ (ابو سلیک غطفانی) نے بی بی فضہؓ سے عقد کی درخواست کی جس کو آپ نے قبول نہ کیا۔ سلیکہ کو بی بی فضہؓ کے جواب سے مایوسی ہوئی اس وجہ سے اس نے خلیفہ وقت حضرت عمرؓ بن خطاب سے شکایت کی، خلیفہ وقت نے بی بی فضہؓ کو اپنے دربار میں طلب کر کے انکار کی وجہ دریافت کی، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ایک طرف تو بی بی فضہؓ سمجھدار تھیں دوئم بیت الشرف میں رہنے سے معرفت اہل بیت حاصل رہی جس کے سبب وہ شریعت کے باریک سے باریک نقطے سے بھی آگاہ تھیں۔ آپ نے خلیفہ وقت کے سامنے برملا کہا کہ کیونکہ میری عدت کا زمانہ ابھی مکمل نہیں ہوا، اب اگر اس کے اختتام سے قبل نکاح ثانی کر لیا جائے تو یہ خلاف شریعت عمل ہوگا۔ اس طرح حمل ہو جانے کی صورت میں یہ فیصلہ کرنا کہ اولاد پہلے شوہر کے ترکہ کی وارث قرار پائے گی یا دوسرے شوہر کے ترکہ کی حقدار ہوگی، بہت مشکل ہے۔ خلیفہ وقت کو یہ جواب سن کر بھرے دربار میں کہنا پڑا کہ ابو طالبؑ کے گھر کی کنیز بھی بنی عدی کے عالموں سے کسی قدر کم تر نہیں۔ عدت مکمل کرنے کے بعد بی بی فضہ کا عقد سلیکہ سے ہوا۔ عقد کے بعد بی بی فضہؓ نے بیت الشرف کی جاروب کشی جاری رکھی اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی خدمت اسی طرح کرتی رہیں جس طرح

عقد سے قبل اس گھرانے سے وابستگی کے دوران کرتی رہی تھیں۔ سلیکہ سے عقد کے بعد آپ کے بطن سے چار بیٹے داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ کے علاوہ ایک بیٹی مسکہ پیدا ہوئے۔ یہ بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ بچوں کی پرورش اس انداز سے کی کہ ہر بچہ اسلام کا سپاہی اور عالم دین بنا۔ مسکہ کی بیٹی شکیلہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بہت بڑی زاہدہ و معتقیہ تھی اور یہ سب ذرہ بتول سے وابستگی کا نتیجہ ہے۔

پرورشِ قمرِ بنی ہاشم حضرت عباس علمدار:

صحن باب العلم میں 7 رجب المرجب 26 ہجری کو ایک خوبصورت پھول کھلنے کے ساتھ خانوادہ رسالتؐ کے ہر فرد کے چہرے کھل گئے۔ بی بی فضہؓ نے اس ننھے سے پھول جسے قمر بنی ہاشم کہتے ہیں کی، پرورش شروع کی۔ ایک روز مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا بی بی فضہؓ اور بی بی زینب سلام علیہا حضرت عباسؑ کو صحن میں چلنا سکھا رہی ہیں لیکن حضرت عباس علیہ السلام اپنی چھوٹی چھوٹی مٹھیوں سے بی بی زینب سلام اللہ علیہا اور بی بی فضہؓ کی کلائی پکڑی ہوئی ہے۔ یہ منظر مولا علی علیہ السلام کو بظاہر عجیب لگا کیونکہ بچے کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی اس کا ہاتھ تھامے مگر یہاں یہ بچہ خود کو جری ثابت کرنا چاہتا تھا، گو کہ میں کم عمر ہوں لیکن دوسروں کا محتاج نہیں اور کمسنی میں بھی دوسروں کا ہاتھ پکڑ کر سہارا بن سکتا ہوں۔ مولا علیؑ نے بی بی زینب سلام اللہ علیہا کا چہرہ دیکھا تو دریافت کیا کہ بیٹی کیسا لگ رہا ہے؟ کیونکہ مولا علیؑ نے اپنی چہیتی بیٹی کو شرم و حیا کے سبب کبھی چلتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا۔ بابا! عباس نے تو مجھے چلنا سکھا دیا۔ بی بی فضہؓ کو جناب عباسؑ سے اس قدر محبت تھی کہ وہ ان کی دیکھ بھال میں کسی قسم کی بھی کمی نہ آنے دیتی تھیں جس طرح آپؓ نے بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دونوں شہزادوں اور شہزادیوں کی خدمت کی مولا عباس کا بھی بالکل اسی انداز میں خیال رکھا۔

بی بی فضہؓ کا کربلا میں کردار

نصف صدی قبل بی بی فضہؓ نے رسول اکرم ﷺ کی خواہش پر جو تین فرمائشیں کی تھیں ان میں سے ایک تو پوری ہو چکی تھی اور وہ یہ تھی کہ انہیں (بی بی فضہؓ) کو اتنی عمر مل جائے کہ وہ واقعہ کربلا میں شریک ہو سکیں۔ اب دوسری خواہش کی تکمیل کے لیے دعا کا وقت تھا یعنی بوڑھے جسم کو اتنی توانائی مل جائے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے بچوں کی خدمت کر سکیں۔ بی بی فضہؓ نے مصلہ بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ کے حضور ہاتھ بلند کر کے دعا میں مصروف ہو گئیں کہ اے خالق و مالک! میں تیرے حبیبؐ کے صدقے میں دعا کرتی ہوں کہ تو مجھے اتنی طاقت اور عطا کر دے کہ میں تیرے محبوب کے بچوں کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کر سکوں۔

۲ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو امام حسین علیہ السلام کے انصار، احباب اور اقرباء پر مشتمل مختصر سا قافلہ جب کربلا

پہنچا تو امام مظلوم علیہ السلام نے حضرت عباس علمدار علیہ السلام کو خیمے نصب کرنے کا حکم دیا۔ بی بی فضہؓ کی آنکھوں میں وہ منظر کھنچ گیا جس کے لیے رسول خدا ﷺ نے فرمایا تھا کہ بی بی تمہاری دوسری خواہش بھی انشاء اللہ پوری ہوگی، کیوں نہ ہوتی آخر رسول اکرم ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا اور ان کی خواہش کو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں ٹالتا، اپنے اس محبوب کی خاطر اس نے چاند کے دو ٹکڑے کیے، ڈوبتے ہوئے سورج کو پلٹا کر نماز ادا کرائی، اسی محبوبؐ کے "یا علیؑ ادرکنی" کہنے پر رب کائنات نے مولا علی علیہ السلام کو پلک جھپکنے سے قبل مدینہ سے خیبر تک پہنچا دیا۔ بی بی فضہؓ نے خمیدہ کمر پر ہاتھ رکھا، یا علیؑ مدد کہہ کر اسے سیدھا کیا، اب ان میں بڑھاپے کے کوئی آثار باقی نہ تھے، بی بی فضہؓ کا بوڑھا چہرہ ایک مرتبہ پھر روشن ہو گیا اور ایسا لگتا تھا کہ جوانی ایک مرتبہ پھر عود کر آئی ہے، وہ مولا عباس علیہ السلام کے دوش بدوش خیموں کو لگوانے میں مصروف تھیں۔ عمر ابن سعد نے جب فرات سے خیام حسینیؑ کو ہٹانے کا حکم دیا تو مولا عباس علیہ السلام کے ساتھ بی بی فضہؓ کے چہرے پر بھی جلال کے آثار نمایاں تھے مگر مولا حسین علیہ السلام کے حکم پر وہاں سے خیمے ہٹا لیے گئے کیونکہ امام حسین علیہ السلام اتمام حجت کی خاطر جنگ کرنے میں پہل کرنے سے گریز کر رہے تھے۔

وقت کے تیزی سے گزرنے کے ساتھ ساتھ لشکر یزید کی تعداد میں بھی دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے لشکر میں اضافہ ہونے سے نہ تو بیبیوں پر کوئی اثر ہو رہا تھا اور نہ ہی بچے متاثر تھے لیکن اگر فکر مند تھے تو امام حسین علیہ السلام اور جناب زینب سلام اللہ علیہا، اور ان دونوں کے ساتھ جناب عباس علیہ السلام اور بی بی فضہؓ کیونکہ یہ دونوں اپنے مولا اور بی بیؑ کے مزاج سے واقف تھے۔ اس پریشانی کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام کو اپنے بچپن کے دوست، رسول اللہ ﷺ اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے صحابی حبیب ابن مظاہرؓ کا انتظار تھا یا یہ سب حر ابن یزید الریاحیؓ کے منتظر تھے کیونکہ روز عاشور امام وقت علیہ السلام کے انصار و احباب کے ساتھ شہید ہونے والوں میں ان دونوں کے نام شامل تھے۔ جب حبیب ابن مظاہرؓ اپنے امام وقت علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو بی بی فضہؓ نے ان کے آنے کی اطلاع ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کو دی، اسی طرح شب عاشور حرؓ کے آنے پر بی بی فضہؓ نے جناب زینب سلام اللہ علیہا کو آگاہ کیا اور بی بی زینب سلام اللہ علیہا کا سلام جناب حرؓ تک پہنچایا۔

۹ محرم الحرام ۶۱ ہجری کی شام جب امام حسین علیہ السلام اور عمر سعد میں یہ طے پا گیا کہ عاشور کو حق و باطل کے درمیان جنگ ہوگی تو گویا امام مظلوم علیہ السلام نے باطل کو ایک شب کی مہلت دی کہ وہ فیصلہ کرے کہ کیا وہ ابدی حیات چاہتا ہے یا چار روزہ زندگی کی چکا چوند میں گم ہونا پسند کرتا ہے۔ ادھر امام حسین علیہ السلام کے ہر صحابی اور جانثار کی یہ کوشش تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دے۔ بی بی فضہؓ بھی تیمم کر کے خالق حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہو گئیں اور گڑگڑا کر دعا کر رہی تھیں کہ اے خالق کائنات! تیرے حبیبؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں کربلا

میں اس کی اولاد کی خدمت کرسکوں گی۔ اے پالنے والے! تو مجھے حوصلہ عطا فرما کہ میں اپنے وعدہ کو پورا کرسکوں۔ شب عاشور وہ کبھی امام مظلوم علیہ السلام کے خیمہ میں تشریف لے جاتیں، کبھی ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے خیمہ میں جاتیں تو کبھی وہ احباب و انصار کے خیموں میں جا کر انہیں حالات سے آگاہ کرتیں۔

بی بی فضہؒ جب مولا عباس علیہ السلام کے خیمہ میں تشریف لے گئیں تو دیکھا کہ زوجہ عباسؑ مولا عباس علیہ السلام سے کہہ رہی تھیں کہ اگر صبح مولا حسین علیہ السلام نے آپؑ کو اجازت نہ دی تو میں ثانی محشرؑ اور صدیقہ کائنات سلام اللہ علیہا کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ بی بی ام فروہ سلام اللہ علیہا کے خیمہ میں جب بی بی فضہؒ پہنچیں تو وہ جناب قاسم علیہ السلام کے بال سنوار رہی تھیں کہ اور بیٹے کو سمجھا رہی تھیں کہ اے قاسمؑ! صبح تم بھائی علی اکبر علیہ السلام سے پہلے میدان میں چلے جانا، تم یتیم حسنؑ ہو اور علی اکبر علیہ السلام امام وقت کا بیٹا ہے۔ اگر تم نے علی اکبر علیہ السلام پر سبقت حاصل نہ کی تو مجھے شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ بی بی زینب سلام اللہ علیہا اپنے بیٹوں عون علیہ السلام اور محمد علیہ السلام کو سمجھا رہی تھیں کہ بیٹا تم ماموں پر اپنی جان فدا کر دینا ایسا نہ ہو کہ مجھے اماں زہرا سلام اللہ علیہا اور نانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

شب عاشور جو سب سے دلخراش منظر بی بی فضہؒ نے دیکھا وہ یہ تھا کہ بی بی ام رباب سلام اللہ علیہا اپنے چھ ماہ کے علی اصغر علیہ السلام کو گود میں لیے آنسو بہا رہی تھیں اور ہنسلیوں والے بچے سے کہہ رہی تھیں کہ بیٹا! تیرے سوا میرا کوئی لال نہیں، تو بہت چھوٹا ہے، علی اکبرؑ، قاسمؑ، عونؑ، محمدؑ سب بھائی تجھ سے بڑے ہیں، میں کس کو امام وقت علیہ السلام پر قربان کروں۔ بیٹا تو ہی میری لاج رکھنے والا ہے، اگر کل وقت پڑ گیا تو باپ پر قربان ہو جانا لیکن دیکھو بہادر دادا کے خون کی لاج رکھنا، میں غیر ہوں کبھی کوئی مجھے طعنہ دے کہ ماں ہی ایسی تھی۔

صبح عاشور جب انصار و احباب میدان کارزار میں اپنے جوہر دکھا کر جام شہادت نوش کر چکے تو بی بی فضہؒ گود کے پالے بچوں قاسمؑ ابن الحسن علیہ السلام، عونؑ و محمدؑ اور علی اکبرؑ کو باری باری تیار کر کے امام مظلوم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتی رہیں۔ بچے امام سے رخصت ہو کر جام شہادت پیتے۔ مولا حسین علیہ السلام ایک ایک شہید کی لاش میدان سے لاتے رہے اور بی بی زینب سلام اللہ علیہا بیبیوں کے ساتھ مل کر ماتم کرتی رہیں۔ جب علی اکبر علیہ السلام کی لاش خیام میں آئی تو جناب ام لیلیٰ سلام اللہ علیہا ادھر اُدھر پھر پھر کر پوچھ رہی تھیں کہ بیبیو! خدا کے واسطے مجھے یہ تو بتا دو کہ تم کہاں جا رہی ہو؟ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ مجھے بھی تو اپنے ساتھ لے چلو، بی بی فضہؒ نے جناب ام لیلیٰ سلام اللہ علیہا کا ہاتھ پکڑا اور شبیہ رسولؐ کے لاشہ پر لائیں۔ جب حضرت عباس علیہ السلام آقا و مولا امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگ کی اجازت چاہی تو امام مظلوم علیہ السلام نے بھائی سے فرمایا کہ بھیا تم تو لشکر کے سردار ہو، تم چلے گئے تو میری کمر ٹوٹ جائے گی، امام وقت علیہ السلام کے اس جواب پر حضرت عباس علیہ السلام سر جھکا کر خیمہ سے

تشریف لے گئے اور بچوں میں اپنی بھتیجی سکینہ بنت الحسین علیہ السلام کو تلاش کیا جو پیاس سے بے تاب تھیں، اسے گود میں لے کر بی بی فضہؓ سے کہا کہ مشکیزہ لا دو تاکہ بچوں کے لیے پانی لا سکوں۔ بی بی سکینہ کو لے کر غازی عباس علیہ السلام جب مولا حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو مولا حسین علیہ السلام نے انہیں صرف پانی لانے کی اجازت دی۔ غازی عباس علیہ السلام کا علم جب فرات سے واپس خیمہ میں پہنچا تو بی بی فضہؓ نے اس کی اطلاع جناب زینب سلام اللہ علیہا کو دی۔

وقت آخر جب امام مظلوم علیہ السلام میدان میں جانے کے لیے تیار ہوئے تو بی بی فضہؓ سے کہا کہ میرا پرانا لباس لا دو لیکن اس کی خبر بی بی زینب سلام اللہ علیہا کو نہ ہو۔ بی بی فضہ حکم کی تعمیل میں جب پرانا لباس جناب زینب سلام اللہ علیہا سے چھپا کر اپنے آقا کے پاس لے جانے لگیں تو بی بی زینب سلام اللہ علیہا کی نظر اس پر پڑ گئی۔ دریافت کیا فضہؓ کیا لے جا رہی ہو؟ اس پر بی بی فضہؓ نے اپنی آقا زادی کو بتا دیا کہ مولا حسین علیہ السلام نے پرانا لباس مانگا ہے۔ وقت رخصت جب مولا حسین علیہ السلام تمام بیبیوں سے ملنے خیمہ میں آئے تو ہر ایک کو آخری سلام کیا۔ بی بی فضہؓ کو دیکھ کر کہا اماں فضہؓ! میرا آخری سلام قبول ہو اور کہا کہ میرے بعد زینب سلام اللہ علیہا کا خیال رکھنا۔

امام مظلوم علیہ السلام کی شہادت کے بعد لشکر یزید نے خیمہ گاہ میں داخل ہو کر تمام مخدرات عصمت و طہارت کے سروں سے چادریں چھین لیں۔ بی بی فضہؓ کے سر کی بھی چادر اتار لی گئی۔ خیموں کو آگ لگائی جانے لگی تو بی بی فضہؓ، جناب زینب سلام اللہ علیہا اور جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا کے ساتھ بچوں کو ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ میں منتقل کرتی رہیں اور جب تمام خیمے جلنے لگے تو امام وقت حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام کی اجازت سے تمام مخدرات و بچوں کے ساتھ خیموں سے باہر تشریف لے آئیں۔ شام غریباں کو جب بچوں کو دیکھا تو ان میں بی بی سکینہؑ نہ تھیں، جناب سکینہؑ بنت الحسین علیہ السلام کے گم ہو جانے پر جب بی بی زینب سلام اللہ علیہا اور بی بی ام کلثوم سلام اللہ علیہا انہیں تلاش کرنے میدان کربلا میں نکلیں، بی بی فضہ بھی دونوں آقا زادیوں کے ساتھ بی بی سکینہؑ کی تلاش میں نکلی ہوں گی۔ بی بی فضہ عمر کے اس حصے میں پہنچنے کے باوجود ایک جوان اور حوصلہ مند خاتون کی حیثیت سے خانوادہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں مصروف تھیں۔ یہ سب رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھا۔

کربلا میں بی بی فضہؓ کا ثانی زہراؑ کو سوار کرانا

واقعہ کربلا کے دل ہلا دینے والے واقعہ کے بعد لشکر یزید کو یہ فکر ہوئی کہ وہ جلد سے جلد فتح کی خبر بادشاہ وقت تک پہنچائے اور قیدیوں کو یزید کے سامنے پیش کر کے انعام و اکرام حاصل کریں۔ اسی سبب گیارہ محرم کو غم زدہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کو بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھایا جانے لگا۔ بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے تمام بیبیوں اور بچوں کو اونٹوں پر

سوار کرایا اور خود کربلا معلیٰ کی ریگزار پر کھڑے ہو کر بے گور و کفن لاشوں کی طرف حسرت بھری نگاہ کرکے کہنے لگیں، ہے کوئی جو زینبؑ عریاں کو اونٹ پر سوار کرائے اور مقتل کی طرف دیکھ کر آواز بلند کی عباسؑ۔۔علی اکبرؑ۔۔عونؑ۔۔محمدؑ۔۔قاسمؑ۔۔، میرے شیرو۔۔ بی بی زینب سلام اللہ علیہا کی آواز پر لاشوں میں لرزہ پیدا ہوا وہ حکم خدا سے مجبور تھے ورنہ سب ہاتھ باندھ کر صف بستہ ہو جاتے۔ وہ زینب سلام اللہ علیہا جو نازوں سے پالی گئی، جس کی ایک آواز پر بنی ہاشم کے جوان لبیک کہتے، آج پردیس میں ظالموں کے نرغے میں مجبور کھڑی تھی۔ اتنے میں ایک سیاہ رنگ کی سن رسیدہ کنیز آگے بڑھی اور کہا بی بی سلام اللہ علیہا آپ گھبرائیں نہیں، آج اگر ہمارے جوان نہیں ہیں تو کیا ہوا، آپ کی یہ کنیز حاضر ہے، میں آپ کو سوار کراؤں گی، بی بی فضہؑ کربلا کی گرم ریت پر جھک گئیں اور بی بی زینب سلام اللہ علیہا کو اونٹ پر سوار کرایا۔

آپ کے کرامات

جناب فضہ بظاہر کنیز تھیں لیکن وہ محمدؐ و آل محمدؐ کی نگاہ میں بڑی ممتاز خاتون تھیں اور ان کی نگاہ کرم کی وجہ سے اللہ کے نزدیک ان کا مقام تھا۔

وہ مستجاب الدعوات تھیں اور صاحب کرامات۔

(۱) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ماہ رمضان کی ایک شب جناب امیر المومنینؑ نے رسولؐ خدا کو مدعو کیا۔ آنحضرتؐ نے دعوت قبول کرلی اور خانۂ امیر المومنینؑ میں روزہ افطار کیا۔ اگلے دن حضرت فاطمہ زہراؑ نے دعوت دی اور آپ نے قبول فرما کر روزہ افطار فرمایا۔ پھر امام حسنؑ نے دعوت دی اس کے بعد امام حسینؑ نے درخواست کی آپ نے ان شہزادوں کی دعوت قبول فرما کر روزہ ان کے گھر افطار کیا۔ یہ دیکھ کر جناب فضہ نے بھی آنحضرتؐ کو اگلے روز روزہ افطار کرنے کی دعوت دے دی۔ جب نماز مغربین کے بعد آنحضرتؐ اپنے گھر ہو کر جناب فضہ کے یہاں جانے کا ارادہ کیا تو جبرئیل نے آ کر کہا یا رسولؐ اللہ! آپ سیدھے جناب فضہ کے مکان پر تشریف لے جائیں، یہ رب جلیل کا حکم ہے کیونکہ فضہ دروازۂ سیدہ پر آپ کی منتظر ہے۔ چنانچہ آپ سیدھے جناب فضہ کے مکان پر تشریف لائے۔ اہل بیت طاہرینؑ نے تعظیم کی اور آداب و سلام بجالائے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں آج فضہ کا مہمان ہوں۔ یہ سن کر امیر المومنینؑ نے فضہ سے فرمایا کہ تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ حضورؐ کو دعوت دی ہے۔ ہمیں بتا دیا ہوتا تو ہم کھانے کا انتظام کرتے اور تمہاری مدد کرتے۔ فضہ نے عرض کی مولا! میں آپ کی کنیز ہوں، آپ اطمینان رکھیں، سب انتظام ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ اندر گئیں مصلیٰ بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی، مالک! اپنے حبیب کی دعوت کا انتظام فرما۔ دعا قبول ہوئی اور مائدۂ آسمانی نازل ہوا۔ وہ اسے لے کر باہر آئیں اور سب نے طعام جنت تناول فرمایا۔ حضرت نے کھانے کے بعد ارشاد فرمایا الحمد اللہ! کہ خدا نے مریم بنت عمران کی طرح میری بیٹی کی کنیز کو بھی جنت سے طعام

منگانے کا شرف بخشا ہے۔ (مصائب القلوب ور یاض القدس ج ۳ ص ۲۶۱ طبع ایران)

(۲) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب فضہ اپنی باری کے دن کاروبار کے سلسلہ میں کچھ لکڑیاں اٹھا کر لانا چاہتی تھیں۔ زیادہ وزنی ہونے کے باعث آپ سے اٹھ نہیں رہی تھیں۔ انہوں نے فوراً وہ دعا پڑھی جو رسول خدا نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی جس کی ابتدا یہ ہے یا احد لیس کمثلہ شئ الخ اس دعا کا پڑھنا تھا کہ ایک اعرابی ظاہر ہوا اور اس نے ایندھن اٹھا کر سیدہ کے دروازے پر لا کر رکھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ملک تھا۔ (معالی السبطین ج ۲ ص ۱۳۶)

(۳) کتب مقاتل میں ہے کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد جب ان کی لاش اقدس پر گھوڑے دوڑائے جانے کا بندوبست کیا گیا تو حکم جناب زینبؑ کے مطابق فضہ نے (ابوالحارث) نامی شیر کو آواز دی تھی اور اس نے برآمد ہو کر نعش مبارک کی حفاظت کی تھی۔ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۳۶۵)

(۴) ریاض القدس میں ہے کہ جب شام غریباں آئی تو جناب فضہ نے بچوں کو پیاس سے تڑپتا دیکھا تو خیال ہوا کہ کہیں اولاد رسولؐ پیاس سے ہلاک نہ ہو جائے، آپ ایک مقام پر گئیں خدمت رسول کا واسطہ دے کر بارگاہ اقدس میں مناجات کی۔ آپ کی دعا قبول ہوئی اور ایک پانی کا ڈول آسمان سے نازل ہوا۔ آپ اسے لے کر بیمار امام کی خدمت میں آئیں۔ پانی دیکھ کر سید سجاد کو غش آ گیا پھر جناب زینبؑ کی خدمت میں وہ پانی لے کر آئیں اور بچوں کو پلانے کی درخواست کی۔

حضرت فاطمۃ الزہراؑ! کی کنیز۔ بادشاہ حبشہ کی شہزادی

جناب فضہ! متکلمہ بالقرآن!

یوم عاشور میدان کربلا میں موجود تھیں اور مخدرات عصمت کے ساتھ دربار کوفہ و شام میں بھی!
جناب فضہ! کنیز حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؑ!
جناب فضہ آل محمدؐ کی مخلص اور باوفا خادمہ تھیں۔ ہمارا سلام ہو جناب فضہ پر!

علامہ ملا محمد باقر مجلسی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف بحار الانوار کی جلد ۹ کے ص ۵۷۵ پر اختصاص سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''جناب فضہ بادشاہ حبشہ کی بیٹی تھیں۔ اور جناب فضہ خاندان اہل بیتؑ کی گران قدر کنیزوں میں سے تھیں۔۔۔ جس نے پنجتن پاک کی خدمت گزاری سے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ عبادتِ الٰہی کا پورا اہتمام تھا۔''

خاتونِ عصمت۔۔۔ بانوے عفت۔۔۔ مخدومہ عالم۔۔۔ فخر مریم۔۔۔ مریم کبریٰ۔۔۔ سیدۂ عالم۔۔۔ خاتونِ جنت۔۔۔ صدیقۂ طاہرہ۔۔۔ عصمتِ کبریٰ۔۔۔ نور کی شہزادی۔۔۔ صدیقۂ کبریٰ۔۔۔ حوراء الانسیہ۔۔۔ فاضلہ الزکیہ۔۔۔ الراضیۃ المرضیہ۔۔۔ المحدث العلمیہ صدیقۂ طاہرہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت گزاری کے لیے کمر بستہ رہتی تھیں۔ آپ سیرتِ مطہرہ کی مالک تھیں اور نفسانی رذائل مکارم اخلاق میں بدل گئے تھے۔

''سرکار ختمی مرتبت، رسالت مآب ﷺ کی خدمت گرامی میں کچھ قیدی آئے۔ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے التماس کی اور حضرت خاتونِ عصمت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے بھی عرضِ حال کیا تو حضور اقدسؐ نے تسبیح فاطمہ تلقین فرمائی۔ غزوۂ خندق کے بعد آنحضرتؐ نے ایک کنیز فضہ نامی جناب زہراؑ کو عطا فرمائی۔ سیدۂ عالیہؑ، فضہ کے ساتھ ایک کنیز کا سا نہیں بلکہ برابر سے ایک رفیق کا سا برتاؤ کرتی تھیں۔''

(رہنمایانِ اسلام، تالیف سید العلماء علی نقی رحمہ اللہ)

ورقہ کا کہنا ہے کہ:

''جب میں طواف کر رہا تھا ایک خاتون کو دیکھا۔ خوش شکل، فصیح شیریں عبارت دل کش مضمون، فصیح کلام، حضور الٰہی میں مناجات کر رہی تھیں میں آگے بڑھا کہا کہ اے کنیز! گمان کرتا ہوں کہ اہلبیتؑ کے خادموں سے میں ہو گی۔''

اس نے جواب میں کہا کہ:

''بے شک۔۔۔!''

میں نے کہا کہ:

''اپنا تعارف کراؤ۔۔۔!''

''میں فضہ، کنیزِ فاطمۃ الزہراؑ بنتِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں۔۔۔''

میں نے کہا کہ:

''مرحبا واھلاً وسھلاً۔ میں التماس کرتا ہوں کہ طواف سے فارغ ہونے کے بعد گندم فروشاں کے بازار میں توقف کرنا کہ میں ایک مسئلہ کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ خدا تمہیں جزائے خیر دے۔''

ورقہ طواف کے بعد وہاں گیا۔ دیکھا کہ فضہ ایک گوشہ میں بیٹھی ہیں۔ میں نے کہا کہ:

''فضہ! مجھے جناب سیدۂ عالیہؑ کے حالات، ان کے پدر گرامی کے وصال اور بی بی فاطمۃ الزہراؑ کی وفات کے

زمانے کے حالات بتلایئے۔"

جناب فضہ نے یہ جب سنا تو آنکھوں سے سیلاب اشک بہا آہ و زاری بلند ہوئی۔ کہا کہ:

"اے ورقہ بن عبداللہ! تو نے میرے زخمی دل کو ٹھیس پہنچائی۔ وہ درد جو قلب نہاں میں پنہاں و مخفی تھا آشکار کیا۔" جناب فضہ نے تمام حال بیان کیا!

مخدرۂ معظمہ جناب فاطمۃ الزہراء کے بعد جناب فضہ آل طٰہٰ و یٰسین کی خدمت گزاری میں مصروف رہیں۔ امیر المومنین جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فرمان کی تعمیل میں دوبارہ ترویج کی۔ ایک مرتبہ ابو ثعلبہ حبشی سے ایک فرزند ہوا۔ اس کی ولادت کے بعد ابو ثعلبہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد "سلیک غطفان" سے ترویج کی۔ اسی دوران ابو ثعلبہ کے بیٹے کا انتقال ہوگیا۔

ابو القاسم قشیری نے نقل کیا ہے کہ: ایک شخص نے بیان کیا کہ:

"ایک دن میں بیابان میں قافلہ سے پیچھے رہ گیا تھا ایک خاتون کو بیابان میں دیکھا۔ دریافت کیا:

"تم کون ہو؟"

جواب میں کہا:

"وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝" (پ ۲۵، سورالزخرف ۴۳، آیت ۸۹)

میں نے سلام کیا اور سوال کیا کہ:

"اس بیابان میں کیا کر رہی ہو؟"

جواب تھا:

"وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۭ" (پ ۲۴، سورۃ الزمر ۳۱، آیت ۳۷)

میں نے سوال کیا کہ:

"انسانوں سے تعلق ہے یا جنوں سے؟"

جواب میں کہا گیا:

"يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ" (پ ۸، سورۃ الاعراف ۷، آیت ۳۱)

دریافت کیا—

"کہاں سے آئی ہو—؟"

جواب تھا کہ:

"یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ" (پ ۲۴، حم السجدۃ ۴۱، آیت ۴۴)

سوال کیا کہ:

"کہاں کا ارادہ ہے؟"

جواب میں کہا کہ:

"وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا" (پ ۴، آل عمران ۳۔ آیت ۹۷)

پوچھا:—

"کتنے دن ہوئے گھر سے چلے ہوئے—؟"

جواب تھا:

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ" (پ ۲۶، ق ۵۰، آیت ۳۸)

سوال کیا:—

"کچھ غذا و طعام کی ضرورت ہے—؟"

جواب تھا:

"وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ" (پ ۱۷، الانبیاء ۲۱، آیت ۸)

جو کچھ بھی میرے پاس تھا تناول کیا۔ میں نے کہا:

"راستہ جلد طے کرنا چاہیے—"

جواب میں کہا کہ:

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (پ ۳، البقرۃ ۲، آیت ۲۸۶)

میں نے کہا:

"میرے ساتھ سوار ہو جاؤ—!"

جواب میں فرمایا:

"لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا" (پ ۱۷، الانبیاء ۲۱، آیت ۲۲)

میں پیادہ ہو گیا، خاتون کو سوار کیا۔

فرمایا:

"سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا" (پ ۲۵، الزخرف ۴۳، آیت ۱۳)

جب میں قافلہ سے ملحق ہوگیا تو دریافت کیا کہ:

"یہاں پر کوئی تمہارا واقف ہے — ؟"

جواب میں کہا:

"یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ" (پ ۲۳، ص ۳۸، آیت ۲۶)

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ"

(پ ۴، آل عمران ۳، آیت ۱۴۴)

"یٰیَحْیٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ" (پ ۱۶، مریم ۱۹، آیت ۱۲)

"یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" (پ ۲۰، القصص ۲۸، آیت ۳۰)

اس کے بعد میں قافلہ میں آیا۔ ان ناموں سے پکارا، چار جواب آئے جو اس خاتون کی طرف متوجہ تھے، میں نے سوال کیا:

"یہ کون ہیں — ؟"

جواب میں فرمایا کہ:

"اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" (پ ۱۵، الکہف ۱۸، آیت ۴۶)

خاتون ان جوانوں سے مخاطب ہوئیں اور فرمایا:

"یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ" (پ ۲۰، القصص ۲۸، آیت ۲۶)

ان جوانوں نے مجھے اس کا صلہ دیا، احسان کیا۔ خاتون نے فرمایا کہ:

"وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ" (پ ۳، البقرہ ۲، آیت ۲۶۱)

جوانوں نے صلہ میں اضافہ کیا پھر جوانوں سے میں نے پوچھا کہ:

"یہ خاتون کون ہیں — ؟"

انہوں نے جناب فضہ کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ:

"یہ جناب فضہ، جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی کنیز ہیں بیس سال کا عرصہ ہوا قرآن مقدس ہی سے تکلم کرتی ہیں۔ اسی لیے جناب فضہ جو "متکلمہ بالقرآن" کہتے ہیں۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

جب جناب فضہ نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی فقر و تنگ دستی دیکھی تو بہت متاسف ہوئیں۔ ان

کے پاس کوئی ''کیمیا'' تھا جو تانبے کو سونے میں تبدیل کر دیتا تھا۔ انہوں نے کچھ تانبا لیا اور اسے سونا بنا کر مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب آقا کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔۔۔!

امام عالی مقام حضرت علی علیہ السلام نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ:

''اگر اس کیمیائی جست کو پگھلائیں تو اس کا رنگ بھی اچھا ہوتا اور قیمت بھی زیادہ ہوتی۔''

جناب فضہ نے عرض خدمت کیا کہ:

''آقا! کیا آپ اس علم سے بہرہ ور ہیں؟''

امام علیؑ نے ارشاد فرمایا کہ ''میرا بیٹا فرزند حسینؑ بھی جانتا ہے۔۔۔!''

اس کے بعد حجۃ اللہ البالغۃ والنعمۃ السابغۃ غالب علی کل غالب، اسد الغالب حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے جناب فضہ کو ایک طرف دیکھنے کا حکم دیا۔

فضہ نے یہ منظر دیکھا کہ سونے کا گردن شتر کے برابر ایک ٹکڑا پڑا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ:

''فضہ! اس طلا کو بھی وہاں رکھ دو۔''

جناب فضہ بے خود ہوئیں۔ آپ کے ذاتی تمنا پر حیرت ہوئی امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام قدوۃ المتقین علیہ الالاف التحیۃ والثنا نے دنیا کی بے ثباتی کا ذکر فرمایا، عقبیٰ کا حال سنایا۔ جناب فضہ حق بین ہوئیں۔ اس کے بعد جناب فضہ نے صبر و شکیبائی طاعت و زھد کو اپنا شعار بنالیا۔ گرسنگی میں اپنے آقاؤں علیہم السلام کا پورا ساتھ یتیم و مسکین و اسیر کو جناب فضہ نے اپنا حصہ کھلایا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی:

''اللھم بارك لنا فی فضتنا۔''

یعنی! اے اللہ فضہ کو ہمارے لیے باعث برکت بنا۔

جب اہل بیت رسولؐ اللہ گرسنہ ہوئے تو جناب فضہ بھی گرسنہ ہوئیں!

جب اہل بیت رسولؐ اللہ تشنہ ہوئے تو جناب فضہ بھی تشنہ ہوئیں!

جب اہل بیت رسولؐ اللہ روزہ رکھتے تو جناب فضہ بھی روزہ رکھتیں!

جب اہل بیت رسولؐ اللہ افطار کرتے تو جناب فضہ بھی افطار کرتیں!

جب اہل بیت رسولؐ اللہ، رسولؐ اللہ کے واصل بحق ہونے سے سوگوار تھے تو جناب فضہ بھی سوگوار تھیں!

جب جناب فاطمۃ الزہراؑ دربار حاکم میں پیش ہوئیں تو جناب فضہ بھی ساتھ پیش ہوئیں!

جب حضرت علی ابن ابی طالب گوشہ نشین ہوئے تو جناب فضہ بھی گوشہ نشین تھیں!

جب رسولؐ اللہ کی اکلوتی صاحبزادی شہید ہوگئیں تو جناب فضہ اہل بیتِ رسولؐ اللہ کے ساتھ سوگوار تھیں!

جب امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ شہید ہوئے تو جناب فضہ بھی اہل بیتؑ رسولؐ اللہ کے ساتھ کوفہ میں سوگوار تھیں!

جب امام حسن علیہ السلام مدینہ میں شہید ہوئے تو جناب فضہ بھی اہل بیتِ رسولؐ اللہ کے ساتھ مدینہ میں سوگوار تھیں!

جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے مکہ ہجرت فرمائی تو جناب فضہ بھی ہمراہ تھیں!

جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے جانب کوفہ روانہ ہوئے تو جناب فضہ ساتھ تھیں!

جب امام حسین علیہ السلام وارد کرب و بلا ہوئے تو جناب فضہ ساتھ تھیں!

جب لشکر یزید نے سات (۷) محرم الحرام کو اہلبیت پر پانی بند کر دیا تو جناب فضہ بھی اہلبیت رسولؐ اللہ کے ساتھ تشنہ رہیں۔

جب بروز جمعہ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری فرزند رسولؐ اللہ کو شہید کیا گیا تو جناب فضہ یوم عاشور کربلا میں موجود تھیں!

جب امام زین العابدین علیہ السلام اور مخدرات عصمت و طہارت اہلبیت رسولؐ اللہ کو بے کجاوہ اونٹوں پر کربلا سے کوفہ لایا گیا تو جناب فضہ ساتھ ساتھ تھیں!

جب اہلبیت رسولؐ اللہ کو کوفہ سے دمشق، ترک و دیلم کے قیدیوں کی طرح لایا گیا اور یزید ملعون کے بھرے ہوئے دربار میں پیش کیا گیا تو جناب فضہ ساتھ ساتھ رہیں!

غرض یہ کہ جناب فضہ اہلبیتِ رسولؐ اللہ کے ساتھ ہر مصیبت و بلا میں شریک و سہیم تھیں۔ یہاں تک کہ جیسا عرض کیا گیا یوم عاشورہ میدان کربلا میں بھی موجود تھیں اور مخدرات عصمت کے ساتھ دربار کوفہ و شام میں بھی رہیں—!

ابو القاسم قشیری اور دیگر مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ جنابِ فضہ کو ایک مدت جناب السیدۃ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی کنیزی کا شرف حاصل رہا۔ جس کی وجہ سے اسلام کے حقائق و معارف اور تعلیمات جنابِ فضہ کی رگ رگ میں سرایت کر گئی تھیں جس کے منطقی نتیجہ میں آپ اسلام مجسم کی ایک لڑی بن گئیں۔ آپ زہد و تقویٰ، ایمان کامل اور یقین واثق کی زندہ تصویر تھیں، جیسا کہ نوادر کبلی میں عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے کہ:

جب وہ بقصد زیارت خانہ کعبہ اور روضہ رسولؐ اللہ روانہ ہوا، تو ایک بیابان میں ایک بی بی سر سے پاؤں تک

سیاہ لبادہ میں ملبوس نظر آئیں۔ خاتون سے استفسار کرنے پر زبان سے قرآن مقدس کے الفاظ اور آیات کی تلاوت سنی۔ مزید استفسار پر معلوم ہوا کہ وہ جناب فضہ کنیز جناب فاطمۃ الزہرا ہیں۔

جناب فضہ ثانی الزہرا زینب علیہا کے ہمراہ وارد کربلا ہوئیں اور اہلبیت رسولؐ اللہ کی تمام مصیبتوں میں شریک رہیں۔

ایک اور واقعہ گفتنی ہے اور وہ یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنے مرض الموت میں جناب فضہ کو طلب فرمایا۔ چنانچہ یہ خاتون حاضر خدمت ہوئیں سرکار دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جو آرزو دل میں ہو بیان کرو!''

لہٰذا جناب فضہ نے دست بستہ عرض خدمت اقدس کیا کہ ''دعا فرمایئے کہ میری عمر اس قدر طولانی ہو جائے کہ میں واقعہ کربلا تک زندہ رہوں اور آپؐ کے اہل بیت کے ساتھ ہر مصیبت و بلا میں شریک و سہیم رہوں۔۔۔!''

رسولؐ اللہ نے جناب فضہ کے حق میں دعا فرمائی جس کے نتیجہ میں یوم عاشور میدان کربلا میں بھی موجود تھیں اور مخدرات عصمت و طہارت کے ساتھ دربار کوفہ و شام میں بھی رہیں۔

جناب فضہ حبشی نسل سے تھیں۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ نوبیہ کے نام سے مشہور تھیں۔ رسولؐ اللہ نے آپ کا نام فضہ رکھا۔ فضہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ قواعد میں اسم جنس نکرہ ہے۔ قرآن مقدس میں لفظ فضہ دو جگہ استعمال ہوا ہے۔

۱: پ ۲۵، سورہ الزخرف ۴۳، آیت ۳۳

''لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ﴿۳۳﴾''

۲: پ ۲۹، سورہ الدہر ۷۶، آیت ۲۱

''عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴿۲۱﴾''

دونوں مقام پر فضہ کے معنی چاندی کے ہیں۔ یہ ایک سفید دھات ہوتی ہے جس سے زیورات بنائے جاتے ہیں۔

جناب فضہ دراز قد تھیں آپ کے جسم کا رنگ مہکتا ہوا خوشبودار گندمی تھا۔ آپ کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور جسم کے تمام حصے اپنے انداز سے ایک دوسرے کے مناسب تھے۔ چہرہ پر جلال نظر آتا تھا۔ مختصر یہ کہ اعضائے جسم مناسب تھے!

جناب فضہ کا سنِ مبارک!

جیسا کہ اوپر عرض خدمت کیا گیا کہ رسول اللہ نے جنگِ خیبر کے بعد ایک کنیز فضہ نامی جناب فاطمۃ الزہراؑ کو عطا فرمائی۔

(رہنمائے اسلام)

جنگ خیبر ۷ ہجری میں واقعہ ہوئی۔ اس طرح ۷ ہجری سے ۱۱ ہجری تک جناب فضہ، سیدۂ عالیہؑ کی خدمت میں رہیں۔ اس کے بعد ۴۰ ہجری تک حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے زیر کفالت رہیں۔

۴۰ ہجری سے ۵۰ ہجری تک حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں رہیں اور ۵۰ ہجری سے ۶۱ ہجری تک امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں زندگی بسر ہوئی۔

اس کے بعد جناب فضہ بائیس یا تیئیس سال مدینہ چھوڑنے کے بعد زندہ رہیں۔ اگر ۶۴ ہجری میں مدینہ چھوڑا تو ۸۶ ہجری یا ۸۷ ہجری تک بقید حیات رہیں۔ اپنی مخدومہ سے بہتر یا تہتر سال اس دنیا میں جدا رہ کر دار جاودانی کو روانہ ہوگئیں اور دنیائے اسلام کی عورتوں کے لیے اپنے طرز زندگی سے وہ کمال انسانیت کی منزل پر پہنچنے کا سبق عطا کر گئیں۔

گلی خوشبوئی در حمام روزی
رسید از دست محبوبی بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوی دل آویز تو مستم

بگفتا من گلی ناچیز بودم
ولیکن مدتی با گل نشستم

کمال ہم نشیں بر من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

کربلا میں شیر کا برآمد ہونا

کتاب نورالعین فی مقتل حسین، سفینۃ البحار اور دیگر مقاتل کی کتابوں میں شیر سے متعلق ایک واقعہ ملتا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ زمانہ خلافت ظاہری میں امیرالمومنینؑ ایک روز خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔ اچانک مجمع میں موجود لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ ایک شیر مسجد کوفہ کی طرف چلا آرہا ہے۔ لوگ خائف ہو کر بھاگنا چاہتے تھے کہ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں اس کو مجھ تک آنے دو۔ القصہ شیر سیدھا منبر کے قریب آیا اور اس نے اپنے دونوں پیر منبر پر رکھ کر آپ سے اپنی زبان میں کچھ عرض کرنا شروع کیا۔ حضرت بھی اس شیر سے اسی کی زبان میں ہم کلام ہوئے۔ گفتگو ختم کرنے کے بعد شیر واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہاں موجود حاضرین نے صورتحال جاننی چاہی تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس شیر نے مجھے بتایا ہے کہ اس کی مادہ ایک شیر خوار بچہ چھوڑ کر مرگئی ہے۔ ماں کی عدم موجودگی میں اس بچہ کی پرورش ناممکن ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں اسے اطلاع دی ہے کہ نینوا کے جنگل میں ایک شیرنی رہتی ہے۔ تو جا اور اس شیرنی کو میری طرف سے ہدایت کر کہ وہ اس بچہ کی پرورش کرے۔ اس واقعہ کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ایک دن پھر جب کہ آپ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے لوگوں نے دیکھا کہ ایک شیرنی اور ایک بچہ مسجد میں آرہا ہے۔ حضرت نے ایک بار پھر لوگوں کو راستہ دینے کے لیے کہا۔ شیرنی قریب آئی اور اپنی زبان میں حضرت سے کچھ عرض کیا۔ آپ نے جواب دیا اور وہ دونوں واپس چلے گئے۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ یہ شیرنی مجھے اطلاع دے رہی تھی کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں میں نے اس بچہ کی پرورش کردی ہے اب آپ حکم فرمائیں کہ یہ بچہ کیا کرے۔ مولا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس بچے کو ہدایت کردو کہ وہ نینوا کے جنگل میں رہے کیونکہ میری اولاد کو ایک دن اس کی ضرورت پڑے گی یہی وہ شیر تھا جس کی خبر فضہ کو تھی۔

بعد شہادت حضرت امام حسینؑ جب اشقیا آپ کی لاش کو سم اسپاں سے پامال کرنے کی تیاری کررہے تھے تو فضہ اس صورتحال کو دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔ اس وقت آپ نے نینوا کے جنگل کا رُخ کیا اور شیر کو آواز دی کہ وہ آکر لاش کی حفاظت کرے۔

گیارہ محرم اور بی بی فضہؒ

گیارھویں شب گزارنے کے بعد اب صبح نمودار ہوئی۔ لشکر کوفہ و شام نے روانگی کی تیاریاں شروع کیں۔ شہداء کی لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر سیدانیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بے مقنع و چادر بے کجاوہ اونٹوں پر سوار ہوجائیں۔ تمام مخدرات عصمت و طہارت نیز ان کے ہمراہ بچوں کو بی بی زینب وام کلثومؑ نے سوار کرایا جبکہ ثانی زہرا کو سوار کرانے والا

کوئی شخص موجود نہ تھا۔ اتنے میں لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ ایک سن رسیدہ خاتون آگے بڑھیں اور انہوں نے آپ کو اونٹ پر سوار کرایا۔ لوگوں کے سوال پر انہیں بتایا گیا کہ وہ خاتون جناب فضہ تھیں۔

اب اہل حرم بحیثیت قیدی ہیں اور بازار و دربار کوفہ وشام۔ ان تمام مقامات پر فضہ ان خواتین اور بچوں کے لیے سپر بنی ہوئی ہیں۔ ان کے لیے ڈھارس ہیں۔ فضہ کو یاد ہے کہ بوقت رخصت آخر جناب سید الشہدا ء نے ان سے کہا تھا کہ وہ اہل حرم و دیگر تمام بچوں کا خیال رکھیں۔ فضہ نے ان کی اس ہدایت پر دل و جان سے، لفظی و معنوی طور پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ لہٰذا وہ قید و بند کی تمام صعوبتیں اٹھانے میں شریک کار رہیں۔ جب کوفہ وشام کے بازاروں میں اہل حرم کو پھرایا جا رہا تھا تو فضہ ساتھ تھیں۔ جب دربار کوفہ وشام میں پیش کیا گیا تو فضہ موجود تھیں بلکہ ایک مرحلہ پر دربار یزید میں آپ کو اہل حرم کی پردہ داری کرنے کے جرم میں تازیانہ کی سزا بھی برداشت کرنی پڑی اور آپ اس ضرب سے زمین پر گر گئیں۔ ہمارا سلام ہو فضہ پر جنھوں نے اپنی تمام زندگی خدمت رسول و آل رسولؐ کے لیے وقف کردی تھی۔ ہمارا سلام ہو تازیانہ کے ان زخموں پر جو آپ نے اپنی پشت پر محبت آل رسولؐ کے صلے میں کھائے تھے۔ ہم سلام بھیجتے ہیں خاتون جنت کی اس کنیز خاص پر جو ان پر اور ان کی اولاد پر وارد ہونے والی ہر مصیبت ہر مشکل میں معاون و مددگار رہیں۔

اب تک کی گفتگو کا خلاصہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اب سے تقریباً چودہ سو سال قبل کی بات ہے کہ ایک غیر ملک، اجنبی وطن، مختلف مذہب و عقیدہ رکھنے والی ایک خاتون عرب کے معاشرہ میں جو کہ ان کے لیے اجنبی و غیر مانوس قدروں کا حامل معاشرہ تھا۔ جس میں قبیلے واری نظام اپنے رسم و رواج، اپنی طرز زندگی کے ساتھ پورے آب و تاب سے جاری تھی کنیزی کے عالم میں لائی جاتی ہیں۔

حسن اتفاق سے ان کا قرعہ کائنات کے برگزیدہ ترین گھرانے کی خدمت کے لیے نکلتا ہے۔ یہاں آکر ان کو عجیب وغریب مگر پسندیدہ رہن سہن، انسانی مساوات کی بنیاد پر قائم طرز معاشرت، خوف خدا سے معمور پاک و پاکیزہ ماحول سے سابقہ پڑتا ہے۔

اگرچہ غربت و افلاس سہی مگر اللہ تعالیٰ پر توکل اس کے دیے ہوئے وسائل زندگی پر قناعت، اس کی عنایت کردہ نعمات پر شکر ادا کرنے کا انہوں نے یہاں آکر سلیقہ سیکھا۔ ان یا ان جیسی بہت سے دیگر خصوصیات سے مزین زندگی گزارنے کا ڈھنگ میسر آیا تو پھر کیا تھا بس یہیں کی ہو کر رہ گئیں۔

قدرت نے بھی ان کی ان کوششوں، ان کاوشوں اور ان خدمات کو خوب سراہا اور ان نعمات خداوندی سے

سرفراز کیا جو کہ اس کے برگزیدہ بندوں کے لیے مخصوص ہیں۔ یہ سب کچھ صدقہ تھا اس تربیت کا جو انہوں نے یہاں آنے کے بعد خاتون محشر جناب فاطمہ الزہراؑ اور ان کی اولاد اطہار سے حاصل کی تھی۔

جناب فضہ نے ایک طویل عمر پائی تھی۔ ان کی زندگی کے جو مختصر ترین حالات ہمیں تاریخ کے کچلکوں میں ملتے ہیں تو ہم اس زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) پہلا حصہ ان حالات و واقعات پر مشتمل ہو سکتا ہے جو انہوں نے ۷ ہجری سے قبل تک اپنے وطن میں اپنے متعلقین کے ساتھ رہ کر گزارا۔ اس زمانہ کے حالات و واقعات کے بارے میں تاریخ کچھ کہنے سے قاصر ہے۔

(۲) ۷ ہجری سے لے کر ۱۱ ہجری تک آپ خاندان رسالت کی زیر تربیت ہیں۔ اس مختصر سی مدت کے کچھ حالات و واقعات ہم بیان کر چکے ہیں۔

۱۱ ہجری میں آنحضرتؐ اس دنیا سے پردہ فرماتے ہیں اور حالات زندگی یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں، آزمائش کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ فضہ اس آزمائش میں برابر کی شریک ہیں۔

پھر چند ہی دن کے بعد مخدومہ کونین کی شہادت واقع ہوتی ہے۔ اب فضہ پر بچوں کی دیکھ بھال کا مزید بوجھ پڑتا ہے جس کو آپ بحسن خوبی انجام دیتی ہیں۔

۳۸ ہجری میں امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی ہدایت پر آپ کا عقد ایک عربی النسل غلام ثعلبہ سے ہوتا ہے۔ ان سے ایک لڑکا متولد ہوتا ہے لیکن عقد کے ڈیڑھ سال بعد ہی ثعلبہ کا انتقال ہو گیا، عدت کا وقت گزارنے کے بعد امیر المومنینؑ نے ان کا عقد سلیکہ نامی عرب سے کر دیا۔ ان سے ان کے چار بیٹے یعنی داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ پیدا ہوئے۔ ان بیٹوں کے علاوہ ان کے ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی جس کا نام مسکہ تھا۔

اس پورے عہد میں اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ فضہ نے کبھی اس خاندان سے دوری اختیار کی ہو۔ کتابوں میں ملتا ہے کہ فضہ ۴۰ ہجری تک جناب امیر المومنینؑ کی زیر کفالت رہیں اور حالات کے نشیب و فراز کا مطالعہ کیا۔ پھر آپ کی شہادت کے بعد ۵۰ ہجری تک آپ امام حسنؑ کی خدمات انجام دیتی رہیں۔ ۵۰ ہجری میں حضرت امام حسنؑ کی شہادت واقع ہوئی جس کے بعد آپ حضرت امام حسینؑ کی خدمت عالیہ میں زندگی بسر کرتی رہیں۔

یہاں تک کہ ۶۰ ہجری کی وہ تکلیف دہ گھڑی آتی ہے جو خانوادہ عصمت و طہارت کے افراد کو مدینہ سے مکہ کے لیے ہجرت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ فضہ ہمراہ سفر ہوتی ہیں۔ جب امام حسینؑ مکہ سے نامعلوم منزل سفر کے لیے روانہ ہوتے ہیں تو فضہ ساتھ ہیں۔

اب یہ قافلہ وارد کربلا ہوتا ہے۔ بھوک و پیاس کی سختیاں برداشت کرتا ہے، معرکہ کارزار وقوع پذیر ہوتا ہے۔

دل ہلا دینے والے واقعات رونما ہوتے ہیں، شیر خوار بچوں جوانوں اور ضعیف العمر لوگوں پر مشتمل ایک مختصر سالشکر ٹڈی دل فوج کے ساتھ نبرد آزما ہوتا ہے۔ خاندان عصمت وطہارت کے افراد نیز ان کے ہمراہی چند گھنٹوں میں شہید کردیے گئے جاتے ہیں۔ ان کی لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا جاتا ہے، اہل حرم کے خیموں کو نذر آتش کیا جاتا ہے، مال و اسباب لوٹ لیا جاتا ہے یہاں تک کہ خواتین کے سروں سے چادریں چھین لی جاتی ہیں۔ ان تمام رونما ہونے والے دردناک واقعات کا جن کو الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے فضہ نے نہ صرف یہ کہ مشاہدہ کیا بلکہ وہ خود بھی وقت ان مشکلات میں شامل بھی رہیں۔ یاد رہے کہ تاریخ دان یا کوئی واقعہ نگار کسی بھی واقعہ کو اپنے الفاظ میں بیان تو ضرور کرسکتا ہے مگر وہ متاثرہ افراد کے جذبات واحساسات کی درست ترجمانی نہیں کرسکتا۔

القصہ فضہ دیگر مخدرات عصمت وطہارت کے ساتھ اسیر ہوتی ہیں، دیار بی دیار قریہ بی قریہ پھرائی جاتی ہیں، درباروں میں حاضری دیتی ہیں، وہاں رونما ہونے والے واقعات قارئین اکثر منبروں سے سنتے ہیں۔

یہاں تک کہ حالات وواقعات سے مجبور ہو کر یزید اہل حرم کی رہائی کا حکم دیتا ہے۔ اہل حرم رہا ہو کر آخر کار مدینہ واپس پہنچتے ہیں، فضہ ان کے ساتھ ہیں۔ جناب فضہ کا مدینہ میں ۶۳ ہجری تک قیام ثابت ہوتا ہے غیر ضروری نہ ہوتا اگر ہم یہاں اس وقت کے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے کچھ کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ میں پیش آنے والے واقعات نیز خاندان بنی ہاشم کے باقی ماندہ رہ جانے والے افراد کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کا کچھ تذکرہ کرتے مگر ہم طوالت گفتگو کے خوف سے یہاں ان حالات وواقعات سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ تاہم حالات کو سمجھنے کے لیے ایک ہلکا سا اشارہ ضروری ہے۔

ظاہر ہے امام حسین علیہ السلام اور ان کے رفقاء کو تہ تیغ کرنے کے ساتھ ساتھ شہر مکہ اور مدینہ کی بے حرمتی نیز یہاں رہنے والے مرد، خواتین وبچوں کی شامی حکمرانوں کے ہاتھوں ہونے والی زیادتی بھی تو تاریخ اسلام کے ہیروز کے عظیم کارناموں کا حصہ ہیں۔

کربلا کے المناک واقعہ کے بعد جب اہل حرم مدینہ پہنچے تب یہاں کے لوگوں کو صحیح صورتحال کا علم ہوا۔ ان واقعات کی تفصیل جان کر اہل مکہ و مدینہ سخت اضطرابی کیفیت سے دوچار تھے۔ وہ نصرت حسینؑ نہ کرنے پر انتہائی شرمندہ تھے مگر ساتھ ہی اپنے آپ میں اتنی ہمت وسکت بھی نہیں پاتے تھے کہ اس کیے جانے والے ظلم کے خلاف آواز بلند کریں۔

رفتہ رفتہ شام کی حکومت کے خلاف بغاوتیں ابھرنے لگیں۔ لوگ ان کے کرتوتوں پر برملا اظہار خیال کرنے لگے۔ ان میں کچھ تو وہ لوگ شامل تھے جو واقعی محب اہلبیت تھے جبکہ بعض موقع پرست اس صورتحال سے فائدہ اٹھانا

چاہتے تھے۔ حضرت امام علی ابن الحسینؑ اس تمام صورتحال کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ ابن زبیر حصول حکومت کے لیے میدان میں نکل آئے۔ یہ ۶۲ ہجری کا واقعہ ہے کہ عبداللہ ابن زبیر نے اہل مکہ کے سامنے ایک خطبہ دیا جس کے کچھ اقتباسات ہم طبری کے حصہ چہارم سے یہاں نقل کر رہے ہیں۔

"خدا رحم کرے حسینؑ پر اور ان کے قاتل کو ذلیل کرے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سے لوگوں کا مخالفت کرنا اور نافرمانی ظاہر کرنا متنبہ ہو جانے کے لیے کافی ہے لیکن جو مقدر میں ہے وہ ہوتا ہے اور خدا جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ نہیں ٹلتی۔ کیا حسین کے بعد بھی ان لوگوں کی طرف سے اطمینان رکھ سکتے ہیں۔ کیا ان کی بات کو ہم مان سکتے ہیں ان کے عہد و پیمان کو ہم قبول کر سکتے ہیں۔ نہیں نہیں ہم انہیں اس لائق نہیں سمجھتے۔ سنو واللہ ان لوگوں نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو زیادہ تر قائم الیل اور اکثر صائم النہار اور ان سے زیادہ ریاست کا حقدار اور دین وفضل میں امارت کا سزاوار تھا۔

واللہ وہ ایسے نہ تھے کہ قرآن کے بدلے غنا کریں، اور خوف خدا میں رونے کے بدلے گیت گایا کریں۔ وہ ایسے نہ تھے کہ روزے چھوڑ کر شراب پئیں اور حلقۂ ذکر وفکر سے نکل کر شکار کے لیے سوار ہوں (یہ یزید پر طعن ہے) یہ شہادت حسینؑ کی حقانیت ہے کہ ایک دشمن ان کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کر رہا ہے۔

منذر ابن زبیر کا یزید کے بارے میں بیان

منذر کہا کرتا تھا کہ "واللہ یزید نے ایک لاکھ درہم مجھے دیے ہیں۔ اس کا یہ سلوک اس بات سے مجھے روک نہیں سکتا کہ اس کا حال تم سے نہ کہوں اور سچ سچ نہ بیان کروں۔ واللہ وہ شراب پیتا ہے ایسا مست ہو جاتا ہے کہ نماز کا بھی ہوش نہیں رہتا۔" تاریخ طبری حصہ چہارم۔

۶۳ ہجری میں یزید کے حکم پر مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں شہر مدینہ پر لشکر کشی کی گئی۔ اس سلسلہ میں طبری تحریر کرتا ہے کہ "مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں یزید کی طرف سے لشکر اس ہدایت کے ساتھ روانہ ہوا کہ تم پر کچھ بن جائے تو لشکر کا رئیس حصین ابن نمیر کو بنانا اور لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا۔ مان جائیں تو مان جائیں ورنہ ان سے قتال کرنا، جب تم کو غلبہ ہو جائے تو تین دن تک مدینہ کو لوٹنا۔ وہاں کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلہ یہ سب لشکر والوں کا ہے۔" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اپنے اس کارنامے پر وہ نازاں بھی تھا اپنے انتقال کے وقت اس نے حصین ابن نمیر کو بلایا اور اس طرح وصیت کی۔ "کسی قریشی کی بات کبھی نہ سننا، اہل شام کو دشمنوں کے مقابلے سے نہ بیٹھنے دینا۔ ابن زبیر فاسق سے لڑنے میں تین دن سے زیادہ توقف نہ کرنا۔ اس کے بعد کہا خداوندا شہادت لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ کے بعد اہل

مدینہ کے قتل کرنے سے بڑھ کر کوئی عمل خیر ایسا میں نے نہیں کیا جس پر مجھے ناز ہو اور جس پر آخرت میں مجھے بھروسہ ہو۔

" تاریخ طبری جلد چہارم۔

مندرجہ بالا سطور سے قارئین کو اس بات کا بخوبی طور پر اندازہ ہوگیا ہوگا کہ دین کے بارے میں شامی کیا انداز فکر رکھتے تھے۔ مزید براں شام کے حکمرانوں کی بداعمالیوں کا مختصراً تذکرہ اس سے قبل کیا جاچکا ہے۔ لہٰذا عام مسلمان اس صورتحال سے تنگ آچکے تھے۔

واقعہ کربلا نے آل محمد علیہم السلام سے محبت ہمدردی رکھنے والوں کو رنجیدہ وغمگین کردیا تھا لہٰذا وہ ان ظالم جابر و بداعمال حکمرانوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھے۔

دوسری جانب عبداللہ ابن زبیر جو کہ پہلے ہی سے حکومت واقتدار حاصل کرنا چاہتے تھے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو حکمرانی کے لیے زیادہ ہی مستحق سمجھنے لگے تھے بلکہ اس آتش قصاص سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جو کہ واقعہ کربلا کے وقوع پذیر ہونے کے سبب لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوچکا تھا۔

ساتھ ہی مروان نے بھی حصول اقتدار کے لیے کوششیں شروع کردی تھیں۔

ایسی صورت میں اس خاندان کا جو کہ حال ہی میں ایک عظیم حادثے سے دوچار ہوچکا تھا کیا کردار باقی رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جناب علی ابن الحسینؑ کی جانب سے کیے اس وقت کسی راست اقدام کی وہ وجہ یعنی یزید کی طرف سے مطالبہ بیعت باقی نہیں رہا تھا لہٰذا انہوں نے اس وقت کے معاملات سے چشم پوشی کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرنے کو مناسب سمجھا اور وہ اس خلفشار کے دوران ینبوع چلے گئے جہاں ان کی کچھ زمینیں تھیں۔

حاکم شام کے نمائندے وقتاً فوقتاً اپنے حاکم کو امام علیہ السلام کی مصروفیات نیز ان کے طرز فکر کے بارے میں اپنے جاسوسوں کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات سے آگاہ رکھتے تھے۔

ان تمام باتوں کے باوجود یہ نہیں کہ حاکم وقت نے ان کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کرلی ہوں بلکہ وہ ہمہ وقت خوف زدہ رکھنے کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ مثال کے طور پر اس واقعہ کو ملاحظہ فرمایئے جو ہم یہاں طبری سے نقل کر رہے ہیں۔

مدینہ میں ہونے والے تین روزہ قتل عام کے بعد ایک روز مسلم بن عقبہ نے امام زین العابدینؑ کو طلب کیا۔ آپ اس وقت مروان وعبدالملک کو ساتھ لے کر مسلم کے پاس پہنچے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بنی امیہ مدینہ کی تاراجی کے بعد جب شام کی طرف روانہ ہوئے تو مروان کی زوجہ جوابان بن مروان کی ماں تھی یعنی عائشہ بنت عثمان بن عفان نے مروان کے تمام ساز وسامان کے ساتھ علی ابن الحسینؑ کے یہاں آکر پناہ حاصل کی تھی جبکہ ابن عمر نے ان کی

اس درخواست کو ٹھکرادیا تھا۔ (طبری)

غرض کہ مسلم بن عقبہ کے سامنے یہ حضرات پیش ہوئے۔ مروان اور عبدالملک کے بیچ میں علی ابن الحسینؑ آ کر بیٹھ گئے۔ مروان نے شربت پینے کو مانگا۔ مطلب یہ تھا کہ مسلم کے دل میں جگہ پیدا کرتے۔ شربت آیا تو مروان نے تھوڑا سا پی کر علی ابن الحسینؑ کو دے دیا۔ ان کے ہاتھ میں رعشہ سا پیدا ہو گیا۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ مجھے یہ قتل کر دے۔ وہ اسی طرح ہاتھ میں پیالہ لیے ہوئے رہ گئے۔ نہ پیتے ہیں اور نہ ہاتھ سے پیالہ رکھتے ہیں۔ اب مسلم نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم ان دونوں کو ساتھ لیے ہوئے اس لیے آئے تھے کہ مجھ سے امان مل جائے گی۔ واللہ اگر انہی دونوں کا واسطہ ہوتا تو میں تمہیں قتل ہی کرتا لیکن تم نے امیر المومنین کو خط لکھا ہے۔ یہی امر تمہارے حق میں بہتر ہوا۔ (طبری)

مندرجہ بالا واقعات اس لیے تحریر کیے گئے ہیں کہ قارئین کرام اس وقت کے معاشرہ میں موجود خوف و ہراس اور گھٹن کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگا سکیں۔

مزید برآں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر چہ اس بات کے تاریخی شواہد نہیں ملتے کہ جناب ثانی زہرا مسلم کے امام سجاد کو طلب کرنے پر ان کے ہمراہ گئی ہوں مگر یہ بات قابل فہم ہے کہ ایسا ہوا ہو چونکہ واقعہ کربلا کے بعد بی بی ہمہ وقت اپنے بھتیجے پر سایہ فگن رہتی تھیں اور اگر جناب ثانی زہرا کی مسلم بن عقبہ کے سامنے حاضری ثابت ہو جاتی ہے تو وہاں جناب فضہ کی موجودگی لازمی ہے۔

اب کچھ ثانی زہراہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کے بارے میں:

روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب فضہ نے ثانی زہرا جناب زینبؑ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ آپ کے انتقال کے بعد فضہ ہی نے ان کے جملہ امور غسل و تکفین ادا کیے تھے اور اس کے بعد مدینہ جانے کے بجائے کوفہ میں اپنے چاروں فرزندوں کے ہمراہ قیام پذیر ہو گئیں۔

جناب زینبؑ کے مدفن کے بارے میں مورخین کی آراء میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ تمام مورخ تاریخ دانی میں اہم مقام رکھتے ہیں نیز ان کے دلائل اپنے اپنے مقام پر محکم ہیں۔

(۱) ایک گروہ کا ماننا ہے کہ اسیری کے بعد جب اہل حرم مدینہ واپس آئے تو اس کے بعد ثانی زہرا مدینہ ہی میں قیام پذیر رہیں لہٰذا وہیں دفن ہوئیں۔ اس خیال کی تائید اعیان الشیعہ کے فاضل مصنف نے بھی کی ہے۔

(۲) دوسرے گروہ کی تحقیق بتاتی ہے کہ جب جناب ثانی زہراؑ اسیری سے رہائی کے بعد مدینہ واپس پہنچی تو اہل مدینہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، واقعات کی تفصیل سنتے تھے اور اپنا سر پیٹتے تھے۔ اس طرح لوگوں میں جذبہ انتقام پیدا ہو رہا تھا۔ اس صورتحال سے پریشان ہو کر حاکم مدینہ نے یزید کو صورتحال سے آگاہ کیا اور اس سے اس

ضمن میں ہدایت چاہی۔ جواب میں یزید نے حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ وہ خاندان بنی ہاشم کو منتشر و متفرق کردے۔ اس طرح ان کی طاقت بکھر جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور خاندان بنی ہاشم کو مختلف مقامات پر منتشر کردیا گیا۔ بی بی زینبؑ کی مصر روانگی اسی سلسلہ کی کڑی تھی۔

محققین و مورخین کا وہ گروہ جو یہ کہتا ہے کہ سیدہ زینبؑ کا مزار شام میں ہے اپنے دعوے کی تائید میں ٹھوس دلائل رکھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب مدینہ میں قحط پڑ گیا تو سیدہؑ نے دمشق کی طرف کوچ کیا۔ انہوں نے دمشق کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ وہاں عبداللہ بن جعفر کی کچھ زمینیں تھیں۔ وہاں پہنچ کر بی بی بیمار ہوگئیں اور انہوں نے وہیں انتقال کیا۔ اسی گاؤں میں جس کا نام راویہ بیان کیا جاتا ہے سیدہ کو دفن کیا گیا اور اب موجودہ مرقد مطہر اسی مقام پر ہے۔ دمشق میں مدفن ہونے کی تائید اکثر مستند مورخین نے کی ہے۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلسل اور پے در پے مصیبتوں نے ثانی زہراؑ کا سکون چھین لیا تھا اور سیدہ فاطمہؑ کی دختر واقعہ کربلا کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکیں بلکہ صرف بارہ ماہ کی قلیل مدت کے بعد ۱۵ رجب ۶۲ ہجری کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا۔ ان کا مقام دفن چاہے شام میں ہو یا پھر مصر و مدینہ میں، ان تمام ہی مقامات پر زائرین ان کی روحانی عظمت و بزرگی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جاچکا ہے ثانی زہراؑ جب تک زندہ رہیں۔ فضہ نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا اگر انہوں نے مدینہ میں انتقال کیا تو فضہ کا وہاں موجود ہونا لازمی ہے۔

صاحب مناقب تحریر فرماتے ہیں کہ جناب فضہ ۲۲ یا پھر ۲۳ سال تک مدینہ چھوڑنے کے بعد زندہ رہیں۔ اگر انہوں نے ۶۳ ہجری میں مدینہ چھوڑا تو ۸۵ ہجری یا پھر ۸۶ ہجری تک زندہ رہیں۔ آپ کا مدفن شام میں ہے تاہم یہ امر تحقیق طلب ہے کہ آپ کا انتقال کن حالات میں ہوا اور آپ شام کیونکر پہنچی تھیں۔

فہرست مصادر و ماخذ

ذیل میں ان کتابوں کی مختصر فہرست دی جاتی ہے جو حجر بن عدی اور دیگر اصحاب امیر المومنینؑ کے تذکروں کی ترتیب میں میرے مطالعہ میں رہی ہیں تاکہ ضرورت کے وقت ان کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

۱- الاخبار الطوال' دینوری' لیدن ۱۸۸۸م

۲- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب' حیدرآباد' ۱۳۳۶ھ

۳- اسد الغابہ ابن اثیر جزری' مصر' ۱۲۵۸ھ

۴- اصابہ ابن حجر عسقلانی' کلکتہ ۱۲۳۵ھ

۵- الاغانی ابوالفرج اصفہانی' مصر ۱۳۲۲ھ

۶- امالی شیخ صدوق' ایران' ۱۲۸۷ھ

۷- امالی شیخ الطائفہ' ایران ۱۳۱۳ھ

۸- امالی ابو اسمٰعیل قالی' مصر' ۱۳۲۴ھ

۹- الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ' مصر ۱۳۲۷ھ

۱۰- بحار الانوار مجلسی' ایران ۱۳۰۴ھ

۱۱- البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر' مصر ۱۹۳۴ھ

۱۲- تاریخ ابن خلدون' مصر' ۱۲۸۴ھ

۱۳- تاریخ ابن عساکر' دمشق' ۱۳۲۹ھ

۱۴- تاریخ الطبری' مصر' ۱۳۲۶ھ

۱۵- تاریخ کامل' ابن اثیر' مصر' ۱۳۰۸ھ

۱۶- التوحید- شیخ صدوق' ایران' ۱۳۲۱ھ

۱۷- تہذیب التہذیب' حیدرآباد ۱۳۲۶ھ

۱۸۔ حلیۃ الاولیا ابونعیم، مصر ۱۳۵۱ھ

۱۹۔ خصائص الائمہ قلمی کتاب خانہ رام پور

۲۰۔ خلاصۃ الاقوال حلی، طہران ۱۳۱۱ھ

۲۱۔ ذیل المذیل الطبری، مصر ۱۳۳۹ھ

۲۲۔ رجال کشی، بمبئی ۱۳۱۷ھ

۲۳۔ رجال نجاشی، بمبئی ۱۳۱۷ھ

۲۴۔ سیر الصحابہ۔ اعظم گڈھ

۲۵۔ شذرات الذہب، مصر ۱۳۵۰ھ

۲۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ایران

۲۷۔ صبح الاعشیٰ، مصر ۱۳۳۱ھ

۲۸۔ صفوۃ الصفوۃ، حیدر آباد ۱۳۵۵ھ

۲۹۔ طبقات ابن سعد، لیڈن ۱۹۲۱ء

۳۰۔ العقد الفرید، قاہرہ ۱۹۴۰ء

۳۱۔ عیون الاخبار، مصر ۱۳۴۳ھ

۳۲۔ فتوح البلدان بلاذری، لیڈن ۱۸۶۶ء

۳۳۔ مجالس المومنین، طہران

۳۴۔ المحاسن والمساوی بیہقی، مصر ۱۳۲۵ھ

۳۵۔ محاضرات الابرار ومسامرۃ الاخیار، مصر ۱۲۸۶ھ

۳۶۔ مراۃ الجنان، یافعی، حیدر آباد ۱۳۳۷ھ

۳۷۔ مروج الذہب مسعودی، مصر ۱۲۸۳ھ

۳۸۔ منتہی المقال

۳۹۔ منہج المقال، مخطوطہ رام پور

۴۰۔ میزان الاعتدال، لکھنؤ ۱۳۰۱ھ

۴۱۔ نہج البلاغۃ بیروت

(محمود حسن قیصر امروہوی)

کتب مصباح القرآن ٹرسٹ

کتاب	قیمت
تفسیر نمونہ 15 جلد مکمل سیٹ	7500/-
تفسیر پیام قرآن 10 جلد مکمل سیٹ	4000/-
میزان الحکمت 8 جلد مکمل سیٹ	4000/-
تفسیر موضوعی 12 جلد مکمل سیٹ	3000/-
انتخاب تفسیر نمونہ 5 جلد مکمل سیٹ	3000/-
تفسیر فصل الخطاب 3 جلد مکمل سیٹ	1200/-
اسوۃ الرسولؐ 3 جلد مکمل سیٹ	1800/-
معاد 3 جلد مکمل سیٹ	1200/-
عیون اخبار رضاؑ 2 جلد مکمل سیٹ	1200/-
الخصال 2 جلد مکمل سیٹ	1000/-
100 موضوع 500 داستان 3 جلد مکمل سیٹ	1500/-
آخری نجات دہندہ 3 جلد مکمل سیٹ	1000/-
احسن المقال 2 جلد مکمل سیٹ	1000/-
علی دشمنان علی سے دوستی	400/-
زاد راہ مبلغین	400/-
فروغ ولایت	600/-
مقتل ابی مخنف	500/-
اسلام اور سیاست	600/-
مولائے متقیانؑ کے متقی صحابی اور صحابیات	600/-
تاریخ قرآن	600/-
آداب اسلامی	500/-
ادوار اجتہاد	500/-
دعا اور توبہ	500/-
قصص القرآن	500/-
تاریخ اسلام	500/-
اقوال علیؑ	500/-
صحیفہ کربلا	500/-
10 [illegible]	350/-
تفسیر آیت ...	350/-
قرآن مجید (جماری ص ...	300/-
قرآن مجید (شیخ محسن علی نجفی بمع مقدمہ)	1000/-
قرآن مجید (مولانا فرمان صاحب)	800/-
قرآن مجید (شیخ محسن علی نجفی بغیر مقدمہ)	700/-
	700/-